



مَجَالِسُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

محمد حسین ممتاز الافاضل لکھنوی

ناشر
ایبلیکیشن 35- حیدر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون 7119027

نام کتاب _____ مجالس امام حسینؑ

تالیف _____ مولانا محمد حسین ممتاز لاہوری

مطبع _____ معراجین پرنٹرز لاہور

ایشاعت بار پنجم _____ اپریل ۱۹۹۹ء

تعداد _____ ۱۱۰۰

ناشر _____ امامیہ پبلیکیشنز لاہور

ہدیہ _____

عرضے ناشر

مجالس عزا کی دینی اور دنیوی افادیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ ان سے ہر فرد بلا تخصیص استفادہ کرتا رہے گا اور ناشر مستفیذ ہوتا رہے گا۔

علماء و ذاکرین متقدمین کا انداز ذکر و بیان ہمیشہ ان کی علمی صلاحیتوں کے پیش نظر تعمیری رہا ہے اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ نہ صرف مسلمانان پاک و ہند بلکہ اہل ہنود اور سکھ اور مسیحی فرقہ کے افراد بھی بدرجہ اتم اور کما حقہ ائمہ معصومین علیہم السلام کے مقدس ذکر سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں اور آج بھی ان میں سے منتخب افراد کی شاعرانہ وسعتیں اور دیگر مضامین اس حقیقت کا بین ثبوت ہیں۔ یہ امر قابل مدافعت نہیں ہے کہ

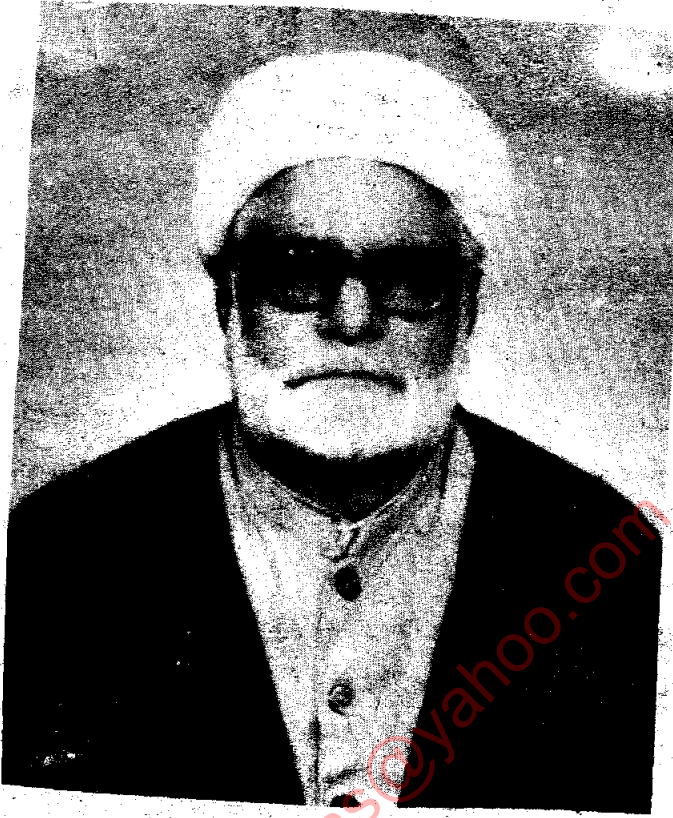
گزشتہ چند سالوں سے مجالس عزا کا دینی تقدس اور درس عمل کی تحریک بری طرح متاثر ہوئی ہے سامنی دور کی نئی ایجادات بالخصوص غم نے جہاں پورے معاشرہ کو اپنی پلیٹ میں لیا وہاں مجالس عزا بھی ان کے اثرات سے محفوظ نہ سکیں۔ علاوہ ازیں فرسودہ روایات اور غیر مصدقہ مضامین اس منبر پاک سے بیان ہونے لگے۔ جس سے درس عمل کی بجائے بے علمی کا دودھ دورہ شروع ہوا۔ خصوصاً جب ذاکرین عظام کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کر دانی گئی تو بجائے تعمیری پہلو کو اپنانے کے انہوں نے اپنا مخصوص انداز بیان بعورت فضائل و معائب جاری رکھا۔ جب انہیں علمی اور دینی ضرورت کے تحت سمجھا یا گیا تو غمزدہ پیش کیا گیا کہ اردو زبان میں کوئی ایسی جامع اور مستند کتاب نہیں کہ جس میں مصدقہ اور صحیح واقعات فضائل و معائب معصومین علیہم السلام مندرج ہوں۔ اگرچہ یہ علمائے وقت کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج تھا لیکن خوش نصیب کہ اس ضمن میں ٹھوس اور مرتب اقتادات کو عملی جامہ پہنا یا گیا۔

علماء و ذاکرین وقت کی دینی ضرورت، علمی افادیت اور مومنین کی علمی سطح کو فرسودات سے مبرا کر کے معتاد جذبہ بیدار کرنے کے لئے اس سے قبل ادارہ ہڈلے درج ذیل تذکرۃ الاطہار (شیخ مفید علیہ الرحمہ) احسن المقال و علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کتب کو اردو کا جامہ بنا کر اپنا دینی فریضہ ادا کیا۔

زیر نظر کتاب نہ صرف قارئین کے لئے حق و باطل میں تمیز، سامعین مجالس کے لئے دماغی حیات اور مشغلہ سے مبرا، مجالس کی حقیقی روحانی اور مقاصد حسنی کی آئینہ دار ثابت ہوگی۔ بلکہ تعزیت اور عزاداری کی صحیح روح کی حکما سی کرے گی جو خوشنودی اہل عمران کا سبب بھی ثابت ہوگی۔

آپ کی آراء کا منتظر

ادارہ



عرضِ مولف

مجالسِ حسین علیہ السلام بہت سے فوائد اپنے دامن میں رکھتی ہیں۔ اور بہت سے نیک نتائج اس درسگاہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں مظلوموں کی داستانیں، مظلوموں سے ہمدردی کے جذبات، ظالموں کے فسادے، اور ان کے مظالم سے نفرت کے اثرات تازہ کئے جاتے ہیں۔ ویسے بھی مظلوم کی کہانی لوگ دلی چسپی کے ساتھ سنتے ہیں۔ مظلوم کے ذکر میں کشش ہوتی ہے۔ خاص کر اہل بیت رسول اور آل علی و قبول کی مظلومانہ کہانیاں ایک بلند مقصد اور اعلیٰ مطلب رکھتی ہیں۔ انسانیت کے شرف کی بقا، اعتبار و محبت کی ارتقاء دہی، انبیاء و مرسلین کی حفاظت، شریعتِ مطہرہ رسول پاک کی صفات، ان کی شہادت، انیس اور شریعتِ مقدمہ تھا۔ اس واسطے لوگ ان مجالس سے مظلوم کی ہمدردی کے جذبات، اسٹیکوں آہوں اور صدائے لوح و خطیبوں کی صورت میں ظاہر کر کے اور ظالموں فاسقوں جاہلوں سے نفرت و ہمدردی کے اثرات نفیر و لغت کی صورت میں بیان کر کے اٹھتے ہیں۔

نظوم سے پیدا الفت ہو اور روحِ یزیدی مٹ جائے

اس واسطے تیرے درد بھرے حالات سنائے جاتے ہیں
ایں مجالس میں تاریخِ انبیاء و اوصیاء، امرِ ائمہ علیہم السلام زندہ کیا جاتا ہے۔ احکامِ اسلام، مسائلِ دین، فضائل و مصائب ائمہ طہارین علیہم السلام بیان کئے جاتے ہیں۔ اس واسطے سامعین، دینی معلوماتِ اسلامی و واقعات اور مذہبی معاملات سے آگاہ ہوتے ہیں اور محبتِ اہل بیت علیہم السلام اور نفرتِ اعدائے دین کے جذبات سے سرشار ہو کر واپس جاتے ہیں۔ اس واسطے مجالس حسینؑ ان مقاصد و مطالبِ نفیسہ کا بہترین مدرسہ ہے۔ جس کے ذاکرین کرام بہترین مدرس اور سامعین حضرات بہترین شاگرد و طلباء ہیں۔ لیکن یہ مطالب اسی وقت اور اسی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ مجالس صحیح طور پر مجالس ہوں۔ تجارت کا ہیں نہ ہوں۔ ذاکرین صحیح صورت میں ذاکرین ہوں، تاجرا اور دوکاندار نہ ہوں۔ اور سامعین صحیح شکل میں سننے والے ہوں۔ لذتِ نفسانی شغلِ حیوانی اور تماشائے حظ کا شکار نہ ہوں۔

آج مجالس نے دوسرا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ پہلا انداز باقی نہیں رہا۔ ذہنی عیاشی، کاروباری حیثیت غالب آگئی ہے۔ اور عینی اسٹیج سے غلط بیانی بکثرت ہو رہی ہے۔ فضائل ہوں یا مصائب صحیح کم بیان ہوتے ہیں۔ اور غلط زیادہ۔ چنانچہ اس موضوع پر اکثر ذاکرین اور کم علم و اعلیٰین سے بات چیت ہوئی تو انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ اردو زبان میں کوئی ایسی جامع کتاب نہیں جس میں صحیح واقعات مصائب موجود ہوں۔ اس واسطے ایک ایسی کتاب تالیف کریں جس میں واقعات مصائب کربلا از مدینہ روانگی تا مدینہ واپسی تمام مذکور ہوں۔ پھر ہم اپنی ذاکری کو پابند کتاب کر دیں گے۔ اور غلط بیانی کا کوئی عذر نہ رہے گا۔ بعض احباب مومنین اور بعض علماء مکہ میں نے بھی فرمائش کی کہ اس موضوع پر ایک جامع کتاب تحریر کریں۔

چنانچہ ان حضرات محترمین کے فرمانوں کی تعمیل کرتے ہوئے میں نے اس کتاب کو جلد از جلد مرتب کرنے کی کوشش کی، اس سلسلہ میں تاریخ و مقاتل کی بہت سی کتابیں دیکھیں۔ مصائب کی جو روایت مستند اور معتبر دیکھی انہیں اخذ کیا اور کتاب میں درج کیا۔ اس میں مجالس کی صورت میں فضائل و مصائب ترتیب دیئے ہیں۔

سورۃ الحمد کی تفسیر فضائل کی جگہ تحریر کی ہے۔ تفسیر مسلک شیعہ کے مطابقی ہے اور فضائلِ اہل بیت علیہم السلام بھی اس میں شامل ہیں۔ علمی، اصلاحی اور تبلیغی مجالس درج ہیں۔ اردو زبان

میں واقعات سکر بلا اور مصائب کی اس قدر جامع کتاب آپ نے نہ دیکھی ہوگی۔ امید ہے کہ پڑھنے کے بعد آپ اس کے متعلق اچھی رائے قائم کریں گے اور لکھنے والے کے لئے دعائے خیر فرمائیں گے۔ روایات کی صحت و سند کا ہمارے پاس جو معیار ہے کہ مقبرہ و مستند کتب تاریخ و مقتل سے روایات نقل کی جائیں اور مصاحف معنون قرآن مجید، مستند روایات اور عقل سلیم کے خلاف نہ ہوں، اسی معیار پر روایات مصائب ذکر کی ہیں۔ ضعیف، غیر مستند، خلاف عقل و نقل روایات درج کرنے سے گریز کیا ہے۔

میں اس کتاب کو سرمایہ آخرت، توشہ سفر اور زاد و قبر و قیامت، کفارہ ذنوب سمجھا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ ذاکرین کرام و اعلیٰ عظام، مومنین ذوالاحترام مجالس کے تقدس اور مقام کو برقرار رکھیں گے اور اس وقت مجالس جو رنگ اختیار کر چکی ہیں اس کا بل جل کہ ازالہ کریں گے۔ اسے کاروباری حیثیت اور حزنِ حین کی تجارتی ہڈی بننے کی سخت مخالفت کرتے ہوئے ہوس در اور منافع دنیوی کی لالچ نہ کریں۔ حق میں باطل، اور سچ میں جھوٹ کی آمیزش سے اجتناب کریں۔ اور سامعین حضرات و ماضی عیاشی اور مشغلہ دل مپی کے طور پر مجالس نہ سنیں بلکہ درسِ گاہِ اسلام اور مقامِ حسینی کی نشر و اشاعت اور تہذیب اور پیرا دیف کی سگو دارانہ ادا استعمال کریں۔

وَاجُودٌ مُّقَاتَا اِنْ اَحْمَدُ لِلّٰهِ رَاقِبُ الْعَالَمِیْنَ

اَحَقُّ الدَّانِیْنَ
مُحَمَّدٌ حُسَیْنٌ (ممتاز الافاضل) لکھنؤی

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱	پہلی مجلس : بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر	
۳	: حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت -	
	: حالات ولادت	
۹	: سورہ حمد کی تفسیر - تخصیصی حمد - فاتحہ کی قدر و عظمت -	دوسری مجلس
۱۴	: یثرب سے سیدالشہداء کا سفر - تیاری کے حالات	
۲۰	: ذات باری کا ثبوت - رب العالمین کی شان - مدینہ سے سفر -	تیسری مجلس
۲۱	: سامان سفر	چوتھی مجلس
۲۴	: مسافرین کربلا	
۴۴	: رتبہ کی قسمیں - شانِ ربوبیت - عالمین کی تشریح -	پانچویں مجلس
	: مدینہ سے روانگی	
۵۵	: سیفر حسین - شہید کوفہ - بنی ہاشم کا پہلا شہید	چھٹی مجلس
۶۵	: ہانی بن عروہ کی شہادت	
۶۸	: یتیمانِ مسلم -	
۷۹	: رحمن اور رحیم کی تشریح - رحمت کی اقسام شہادت یتیمانِ مسلم	ساتویں مجلس
۸۱	: رحمت خدا کی وسعت	
۸۳	: ورحمت کی مثال	
۸۶	: امام پاک کا مکہ میں قیام اور رخصت	
۹۱	: مقصد سفر - مکہ سے کربلا تک - منازل سفر کے اہم واقعات	آٹھویں مجلس
۹۲	: وصیت نامہ جناب محمد بن حنفیہ کے نام	
۹۷	: زبیر بن عقیل سے ملاقات	

صفحہ	عنوان	نمبر
۹۸	بندل ثعلبیتہ۔ جناب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی شہادت کی خبر۔	
۱۰۲	قیامت کا قطعی ثبوت۔ انبیاء کی تبلیغ۔ نوار الحمد۔	نویں مجلس :
	اہل بیت علیہم السلام کا کہ بلا میں داخلہ	"
۱۱۲	سُحرک مقامات	"
۱۲۱	ابن زیاد کی سخت گیری اور خوفناک دھمکیاں	"
۱۲۳	عمر بن سعد اور امام حسین علیہ السلام کے درمیان بات چیت	"
۱۲۴	عمر بن سعد کا ابن زیاد کے نام خط	"
۱۲۵	ابن زیاد کا عمر بن سعد کے خط کا جواب	"
۱۲۵	عمر بن سعد کی دوبارہ مصالحانہ کوشش	"
۱۲۷	خوئی کی ابن سعد کے خلاف شکایت	"
۱۲۸	ساتویں محرم۔ بندش آب اور فرات کی نگرانی۔	دسویں مجلس :
۱۲۹	بندش آب پر کڑی نگرانی فوراً آلِ رسول کی تشنہ دہانی	"
	قابلِ جزا اعمال۔ مثنیٰ خاتم کے مطابق عمل۔	گیارہویں مجلس :
	ائمہ صلال و ائمہ ہدیٰ۔	"
۱۳۷	نویں محرم اور شبِ عاشور کے واقعات	"
۱۴۱	صحیح ہادی کی پہچان اور سچے رہنما کی پیروی	"
۱۴۵	ساتی حوض	"
۱۴۸	نہم محرم	"
۱۵۵	امام پاک کا اصحاب کو جنت میں ان کے مکان و کھانا	"
۱۵۸	اصحابِ حسینی کی قدر و منزلت	"
۱۵۹	شبِ عاشور کا ایک خاص واقعہ	"
	مالکِ یوم الدین۔ احوالِ قیامت۔ روزِ عاشور۔ امام پاک کا	بارہویں مجلس :
۱۶۳	خطبہ۔ جنگ کا آغاز۔ شہادتِ محمد رضوان اللہ علیہ	"
۱۶۶	ایک معقول سوال اور اس کا معقول جواب	"

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۶۹	: اعمال کا وزن	
۱۶۹	: حق شفاعت	
۱۷۱	: محبت اہل بیت کا کاناہ	
۱۷۵	: روز عاشور	
۱۷۷	: ہر دو جانب سے لشکروں کی ترتیب	
۱۷۹	: روز عاشور اتمامِ حجت کے لیے امام علیہ السلام کا خطبہ	
۱۸۷	: محمد کا فوج یزید کو نصیحت کرنا	
۱۸۸	: عمر بن سعد کی طرف سے جنگ کا آغاز	
۱۸۹	: مبارز طلبی کی جنگ	
۱۹۱	: جناب محمد کی جنگ اور شہادت	
۱۹۷	: جناب وہب بن حبیب الکلبی	
۱۹۸	: اصحاب باورقا کی حیرت انگیز شجاعت	
۱۹۹	: حیدری جماعت پر لشکر ابن سعد کا حملہ	
۲۰۱	: تیروں کی بوچھاڑ میں سرکارِ سید الشہداء کا قصدِ نماز	
۲۰۲	: جناب حبیب بن مظاہر کے مختصر حالات	
۲۰۳	: جناب حبیب کا خدمتِ امام پاک میں حضور	
۲۰۶	: اصحاب کے الوداعی سلام کا طریقہ	
۲۰۷	: جناب حبیب کی شجاعت و شہادت	
۲۰۸	: عینِ لڑائی میں نمازِ عشق	
۲۱۱	: عبادت کی تعریف۔ عبادت کی اقسام۔ ذکرِ علی عبادت ہے۔	نیرھویں مجلس
۲۱۹	: عبادت میں خلوص۔	
۲۲۰	: شہادت حضرت علی اکبر علیہ السلام	
۲۲۱	: حالات جناب علی اکبر علیہ السلام	

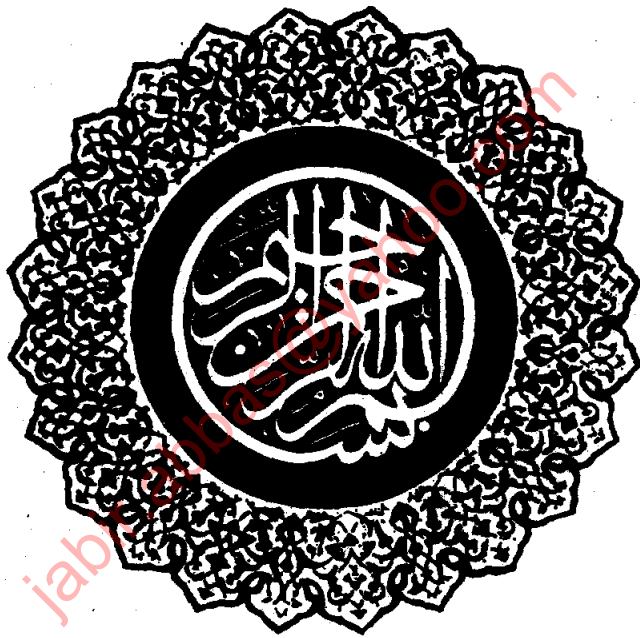
صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۳۵	چودھویں مجلس : آیاتِ فہم کی تفسیر	
۲۳۶	: بہر عبادت میں خلوص و تقرب شرط ہے۔	"
۲۳۷	: ہماری مجلسیں اور جلوس۔ ہماری نیتیں اور خلوص	"
۲۳۸	: مجالس کی عمریاں	"
۲۴۰	: مقصد شہادت حسین علیہ السلام	"
۲۴۲	: واعظین و ذاکرین حضرات	"
۲۴۶	: جذبہ خلوص	"
۲۴۶	: آیاتِ محرم تجارتی موسم نہ بنائیں	"
۲۵۰	: محرمِ غنا	"
۲۵۱	: ایک عام عذر اور اس کا ابطال	"
۲۵۳	: قرآن و حدیث سے گریز کیوں؟	"
۲۵۹	: اولو حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانیاں۔	"
۲۶۱	: شہادت حضرت قاسم	"
۲۶۵	: حضرت عبداللہ الاصفہان الحسین کی شہادت	"
۲۶۷	پندرہویں مجلس : آیاتِ نستعین کی تفسیر	
۲۶۸	: نظامِ کائنات، جسمانی اور روحانی تربیت	"
۲۷۰	: یا علی مدد اور یا علی اور کئی کہنے کا جواز	"
۲۷۷	: حالات جناب عباس علیہ السلام	"
۲۸۱	: جناب عباس کی خدمات اور ان کی شخصیت کے اثرات	"
۲۸۵	: واقعات شجاعت و شہادت	"
۳۰۴	سولہویں مجلس : صراطِ مستقیم کی تشریح۔ امام حق کی معرفت۔	
	حضرت علی اصغر کی شہادت۔ حضرت سید الشہداء میدان میں	
۳۱۰	: حضرت سید الشہداء میدان میں	
۳۱۳	: اسرارِ امامت و موارثِ انبیاء کی پیروی۔	

صفحہ	عنوان	پریشا
۳۱۴	مصیبت زدہ بیٹیوں اور لاوارث یتیموں سے وداع	
۳۲۱	شمر ملعون کا خیام پر حملے کا ارادہ	
۳۲۲	پیا سا امام لبِ فرات پر	
۳۲۳	خیام میں دوبارہ آنا	
۳۲۵	تیسوں اور نینوں کے وار اور زینِ فدا الجناح سے سقوط	
۳۲۷	شہادتِ حسین اور جنگ کا خاتمہ	
۳۳۰	اسپ باؤنا	
۳۳۳	ظلم بالائے ظلم۔ لاشِ مطہر کی غریانی	
۳۳۴	منزلِ صبر و رضا۔ علی کی بیٹیاں دکھوں کے منہ جار میں	
۳۳۶	لوٹو تبرکاتِ علی و تبرک	
۳۳۹	بیمارِ کربلا کے قتل کا ارادہ	
۳۳۹	ابیاتِ آلِ محمد آگ کی لپیٹ میں	
۳۴۱	شدید دہشت اور یتیموں کی موت	
۳۴۲	شامِ غریباں۔ شبِ آلام	
۳۴۳	ارواحِ پنجتن پاک کی کہ بٹا میں آمد	
۳۴۶	جمال ملعون کا قصہ	
۳۴۹	شہادتِ امام مظلوم پر قدرتی آفات کا ظہور	
۳۵۲	متر حویلی عیسیٰ : اہل بیت کا تعارف۔ اسیرانِ آلِ محمد کا کہ بٹا کا سفر۔	
۳۶۰	سردں کا کوفہ میں روانہ ہونا	
۳۶۱	خولی کے گھر میں فرزندِ رسول کا سر	
۳۶۹	اٹھارویں مجلس : "نعمتِ علیہم"۔ نعمت کی تشریح۔ ولایتِ علی ابنِ ابی طالب کا اعلان۔ کوفہ میں درود۔	
۳۷۱	رحمت و نعمت	
۳۷۳	مکمل دین و تمام نعمت	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۷۷	: کوئٹہ میں ورود	
۳۸۱	: وھران حیدر کرار کے خطبہ	
۳۸۷	: عقیلہ بنی ہاشم	
۳۹۵	: سید سجاد امام زین العابدین کا خطبہ	
	: دارالامانہ	
۳۸۶	: دربار ابن زیاد میں داخلہ	
۳۹۶	: زندان کوئٹہ	
۳۹۳	: عبداللہ بن عقیف کی شہادت	
۳۹۷	: تدفین شہداء	
۳۹۸	: امام سجاد کی آمد	
۴۰۰	: شاہ اسماعیل صفوی اور حضرت محمد کی لاش، مدینہ پاک میں خبر شہادت	
۴۰۶	: عبداللہ بن زیاد کی خبر شہادت	
۴۰۷	: کوئٹہ سے شام تک منازل کے حالات	
۴۰۹	: جناب ام البنین کا مرتبہ	
۴۱۰	: کوئٹہ سے روانگی	
۴۱۱	: مستورات بنی ہاشم کی روانگی اور زمان انصار کی دہائی	
۴۱۲	: دیوانہ سے ایک ہاتھ کا برآمد ہونا۔	
۴۱۳	: انبیاء و سلاک کا سر حسین کے پاس آنا۔	
۴۱۴	: قطرہ خون کا کرشمہ	
۴۱۵	: دیوبند، سر کا اعجاز	
۴۲۵	: انیسویں مجلس : عقیدہ و علی، ایمان اور علی صلح، ورود شام، بازار کا سفر، دربار یزید	
۴۳۴	: احسانِ عبادت	
۴۳۹	: ورود شام	
۴۴۲	: دمشق کی سجاد	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۴۴۴	: ایک تابعی کی روپوشی	
۴۴۵	: سہیل بن سعد ساعدی	
۴۴۷	: بازار کا سفر	
۴۵۰	: دربار ینید	
۴۵۳	: سراقہ سے ینید کی گستاخی	
۴۵۶	: کیفیت داخلہ دربار	
۴۵۷	: مکالمہ ینید با سجاد	
۴۵۹	: حبشیوں کی غیرت	
۴۶۰	: خطیبہ آل محمد کا خطبہ	
۴۶۷	: شامی خطیب	
۴۶۸	: خطیب آل محمد	
۴۷۱	: زندانِ شام	
۴۷۲	: شہداء کے سر	
۴۷۳	: ہند زوجہ ینید	
۴۷۴	: سفیر روم	
۴۷۶	: امام سجاد کی معجزانہ زندگی	
۴۷۸	: خوابِ سکنیہ	
۴۷۹	: ایک معصوم بچی کی وفات	
۴۸۰	: حق و باطل	
۴۸۳	: حضرت ابراہیم	
۴۹۵	: قاتل کی دریافت	
۴۹۷	: ہند زوجہ ینید کا جواب - قاتل کے گھر میں مقتول کا ماتم -	
۴۹۹	: اہل بیت کی رہائی	
۵۰۲	: ورودِ کہ بلا	
۵۰۳	: چہلم کے دن کا عریں مرثیہ	
۵۰۶	: مدینہ میں مراجعت	

jabir.abbas@yahoo.com



اس واسطے ان تین اسماء مبارکہ کو بسم اللہ الرحمن الرحیم میں منتخب کیا ہے اور ہر سورہ کی ابتدا اس مبارک آیت سے کی ہے اور اسی واسطے ہر معقول اور ذی شان کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کی ابتدا سے اسے مبارک بنانے کی تاکید ہے

گو بسم اللہ ایک مختصر سی آیت ہے۔ مگر معافی و مطالب کے لحاظ سے ایک بام بسم اللہ کا شرف و مرتبہ بحسب وسیع ہے۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ تمام علوم چار کتابوں تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید پر کتب مساویہ ہیں ان میں مندرجہ ہیں اور قرآن مجید تمام علوم پر حاوی ہے اور قرآن مجید کے تمام علوم سورۃ مبارکہ فاتحہ میں ہیں اور سورۃ فاتحہ کے جملہ علوم بسم اللہ الرحمن الرحیم میں اور اس آیت کے جملہ علوم و معارف بسم اللہ کی باتیں ہیں اس واسطے اس بکا بکرا شرف اور مرتبہ ہے جو "اسم اللہ" کے ساتھ متعلق ہے۔ کیونکہ تمام علوم سے مقصود یہ ہے کہ بندہ جناب حق تعالیٰ میں رسائی حاصل کرے، ذات حق سبحانہ کمال مجر، منزہ مقدس ہے وہ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہے، اور بندہ ہر قسم کے عیوب و نجاسات طبعیہ میں غلطان عبد معبود تک نہیں پہنچ سکتا مگر اس کے اسماء مبارکہ کے ذکر اور اس کے پاک نام کے ساتھ چپاں ہو کر اس کی یاد میں مستغرق ہو کر ذہن اس کی طرف ملقت ہو دل میں اس کی یاد ہو اور زبان اس کے ذکر سے تر ہو تو عباد اور معبود کے درمیان حجاب اٹھ جاتا ہے۔ ذکر لذت وصال حاصل کرتا ہے۔

ذکر اور عابد کو "اسم اللہ" کے ساتھ چپاں کرنے والی بات ہے گو ایک وسیلہ ہے جو ذکر کو مذکور اور عابد کو معبود کے قریب کر دیتی ہے عبد کا معبود کے ساتھ تعلق جوڑنے اور غیر سے رشتہ توڑنے میں بہ کامل و دل ہے لہذا بام بسم اللہ "غظیم المرتبت رفیع الدرجت حرف ہے۔ قرآن مجید کے افتتاح اور تلاوت کرنے میں قاری کی زبان سے سب سے پہلا حرف بآ نکلتا ہے۔ چنانچہ بآ ایک ایسا

کوزہ ہے جس میں علوم و معارف اور نکات و لطائف کا سمندر بند ہے۔ کوزہ مبارکہ اس وقت تک بآ نہیں بن سکتی جب تک اس کے تحت نقطہ نہ آئے بغیر نقطہ یہ حرف نقطہ بآ نہ پڑھا جاسکتا ہے اور نہ کوئی مفہوم و مطلب ادا کر سکتا ہے۔ اس بآ کو شرف اس نقطے سے ہے جو اس کے نیچے ہے۔ اور وہ نقطہ ہے۔ مترجح او بیام علی ابن ابی طالب علیہ السلام جیسا کہ فرماتے ہیں۔

أَنَا النُّقْطَةُ تَحْتَ الْبَاءِ وَهِيَ بَاكِيَةٌ وَهِيَ خَيْرٌ مِنَ النُّقْطَةِ فِي هَذِهِ

علامہ اقبال بھی اسی عقیدہ کا اظہار فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ بآ بسم اللہ پدر
معنی ذبیح عظیم آمد پسر

جس طرح کہ الفاظ میں اسماء خدا ہیں اسی طرح معانی میں بھی اسماء خدا ہیں وہ نفوس قدسیہ اسماء خداوندی کے مظاہر ہیں وہ ہیں چارہ معصومین علیہم السلام جیسا کہ ارشاد خداوند عالم ہے وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا۔ اللہ کے بہت سے اچھے نام ہیں تم اس کو اس کے ان ناموں کے ذریعہ پکارو وہ اسماء خدا کی صفات اپنے الفاظ سے ظاہر کرتے ہیں اور چارہ معصومین علیہم السلام صفات خداوندی اپنے علوم و کمالات کے ذریعہ ظاہر کرتے اسماء حسنیٰ الفاظ ہیں اور معصومین علیہم السلام ان کے معانی ہیں جس طرح اسماء حسنیٰ اپنے الفاظ کے ذریعہ خدا کے قریب کر دیتے ہیں اسی طرح یہ ذوات قدسیہ ان اسماء کا مظہر بن کر عبد کو معبود تک پہنچاتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں نَحْنُ اَسْمَاءُ اللّٰهِ الْحُسْنٰی۔ وہ اسماء حسنیٰ ہم ہیں یعنی اس کی صفات کی جھلک دوسری اتباع کی نسبت ہم میں زیادہ ہے۔

گو اس کی مخلوق کی ہر شے اس کی ذات پاک کی آیت ہے مگر یہ آیات اللہ العظمیٰ ہیں اسی واسطے انبیاء علیہم السلام نے خدا کو ان اسماء حسنیٰ کا واسطہ دے کر پکارا اور ان کو وسیلہ بنایا جیسا کہ جناب آدم علیہ السلام نے توبہ کے وقت اس طرح دعا کی یا محمود بحق محمد یا علی بحق علی یا فاطمہ بحق فاطمہ یا محسن بحق الحسن یا قسیم الاخوان بحق الحبین۔

اب ہم جناب سید الشہداء خاص آل عبا کی ولادت باسعادت کا حال بیان کرتے ہیں۔

ولادت باسعادت

سردار نبیلنگے سے بادل نخواستہ ہجرت کرنے کے بعد جب مدینہ وارد ہوئے تو مخالفت کی آنکھیاں کسی قدر کم ہوئی اور رنج و غم کے بادل کچھ دور ہوئے خداوند عز و علانے کچھ فرحت و سرور کے مواقع ہم پہنچائے بدر کے پیدے معرکے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور مشرکین کی حوصلہ شکنی کی اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح حاصل ہوئی اور اسلام کو کفر پر غلبہ ہوا۔

ہجرت کے دوسرے سال حسب مرضی خیر الانام کعبہ کو قبلہ بنایا گیا اور جناب امیر المومنین علیؑ اور جناب سیدۃ النساء بتولؑ کے عقدا و ازدواج کی مسرت نصیب ہوئی۔

بحر شجاعت و سخا و ہجر عصمت و عیسا کا اقتران ہوا نور کے منبع سے پھوٹنے والا دریا جب صلب جناب عبدالمطلب سے دو حصوں میں تقسیم ہوا کہ جناب عبد اللہ اور جناب ابوطالب کی صلبوں میں جاری ہوا

مکرم اخلاق کا یہ دریا مختلف وادیوں سے گزرتا ہوا وادی پاک جناب عبداللہ میں پہنچ کر بحر رسالت بن گیا اور ارض پاک ابوطالب میں داخل ہو کر بحرامامت کے شرف سے مشرف ہوا۔

دوسری ہجری میں یہ نور کے دیا جناب علی و بتول کے پیکر میں باہم مقارن ہوئے تیسری ہجری میں عصمت کے دریاؤں اور طہارت کی خلیج سے ۱۵ ماہ رمضان المبارک کو علم و سخا کا درآبار برآمد ہوا اور چوتھے سال ۳۱ یا ۵ شعبان العظم کو صدفِ امانت کا تیسرا موتی اور خلیج شہادت کا لالہ مرجان پیدا ہوا۔

نام | سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا نام بحکم رب جلیل "حسین" رکھا، جو لفظ حسن کی تصغیر ہے۔ تو رات میں شبیر ہے۔ چونکہ جناب علی علیہ السلام مثیل مارون ہیں جس طرح کہ حضرت مارون جناب موسیٰ کے ذریعے تھے اسی طرح جناب علی حضور پاک کے وزیر ہیں، جناب مارون کے صاحبزادوں کا نام شہر و شبیر تھا جو عبرانی زبان کے الفاظ ہیں عربی میں ان کا ترجمہ حسن اور حسین ہوتا ہے۔ اسی واسطے حضور پاک نے مرتضیٰ خدا سے پاک کے مطابق بڑے شہزادے کا نام حسن اور چھوٹے شہزادے کا نام حسین رکھا۔

یہ دونوں بڑے نام ہیں اس سے پہلے ملک عرب میں یہ دو نام کسی کے نہیں تھے، ان دونوں واسطے کے ولادت سے خاندان ہاشمی میں خوشی ہوئی۔

جناب امام حسین علیہ السلام بطنِ مادر میں چھ ماہ رہے اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مدت حمل بھی چھ ماہ رہے مدت حمل اور منظوم ہیں بھی ان دونوں معصوموں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ جناب یحییٰ علیہ السلام ایک ظالم بادشاہ کے ظلم و جور سے بے گناہ شہید کئے گئے اور ان کی شہادت پر زمین و آسمان سے آثار حزن و ملال ظاہر ہوئے اسی طرح جناب امام مظلوم کی شہادت غلطی پر زمین سے خونِ اُبلّا آسمان لہو کے آنسو رو یا، سرخ آندھی چلی، عالم امکان میں اضطراب پیدا ہوا، دریا کھوسنے لگے مچھلیں تر پٹ پٹنے لگیں، صحرائی جانور بے تابی سے اُدھر دوڑتے لگے، پرندوں نے آستیاں چھوڑ دیئے، فرزند فاطمہ کی مظلومی، غزیت بے کسی پر ہر چیز نے اپنے اپنے رنگ میں نوہ و ماتم کیا۔

القاب و کنیت | آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور ابو علی ہے۔ آپ کے القاب بہت سے ہیں جن میں الشہید السعید سبط ثانی، تابع لمرشاتہ اللہ، الدلیل علی ذات اللہ الامام المتبہد الوفی الرشید الطریق الفریط الطیب، الوفی، الامام الرضی، الذریع العطشان، القلیل العریان، ابوالامر شافع الامر، صاحب المحنة الکبریٰ والواقعة العظمیٰ، الصابر الشاکر، کنین جس لقب سے آپ کو امتیاز و خصوصیت حاصل ہے وہ ہے سید الشہداء،

حالاتِ ولادت

جناب صفیہ زہرا بنت عبد المطلب حضور پاک کی عمر محترمہ بیان فرماتی ہیں کہ بعد ولادت یہ مولود مسعود میری تحویل میں تھا حضور پاک تشریف لائے اور فرمایا پھر بھی صاحب میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ میں نے کہا یا رسول اللہ میں نے اسے ابھی غسل و لادت دے کر پاک نہیں کیا آنجناب نے فرمایا تو اسے پاک کرے گی؟ اسے تو خداوند عالم نے پاک و پاکیزہ پیدا کیا ہے۔ بس میں نے پیش کیا تو حضور نے ان کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور ان کے منہ میں اپنی زبان مبارک دی اور وہ چوسنے لگے۔

جناب امام حسین علیہ السلام کی غذا کا معمول یہ تھا کہ حضور پاک اپنا انگوٹھا ان کے منہ میں دیتے اور جناب حسینؑ وہ انگوٹھا چوستے اسی انگشت پاک سے غذا کے چپٹے جاری ہوتے اور امام پاک اسی پاک غذا سے تربیت پاتے رہے۔ اس واسطے جناب حسین علیہ السلام کا خونِ رسول ہے۔ ان کا گوشت گوشتِ رسول ہے۔ وہ بدنِ رسالت کا حصہ اور جسمِ نبوت کا جزو ہیں۔

جناب صفیہ بیان فرماتی ہیں کہ حضور پاک نے اپنے پیارے نواسے کی پیشانی کا بوسہ لیا اور آنسو بہاتے ہوئے مجھے والپس کیا اور تین بار کہا کہ میرے پیارے بیٹے خدا اس قوم پر لعنت کرے جو تیرے ساتھ جگ کرے گی اور تجھے قتل کرے گی جناب صفیہ نے کہا کہ میں نے دریافت کیا کہ حضور اس نازنین رسالت کو کون بد بخت قتل کرے گا جناب نے فرمایا بنی امیہ کا باغی گروہ قرآن مجید کی مکتوب ذیل آیت کے مصداق جناب حسین ابن علی ہیں۔

وَصَيَّنَا الْإِنْسَانَ إِذَا عَلِمَ أَحْسَنَ حَمَلَتَهُ أُمَّهُ كَرِهًا ۖ وَضَعَتْهُ كَرِهًا ۖ وَحَمَلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۖ ثُمَّ إِذَا بَلَغَ اَشَدَّهُ وَبَلَغَ اَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِنْنِي اِنْ اَشْكُرْ فَاغْفِرْ لِعَمَلِي اَلَّتِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَتِي ۖ وَاَنْ اَعْصِيَ صَالِحًا ۖ اَتْرَضَاهُ ۖ وَاَعْلِمْنِي لِي فِي ذُرِّيَّتِي اِنِّي نَسِيتُ الْبَيْتَ وَارِثِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

ترجمہ ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کا ہم دیا ہے اسے اس کی ماں نے نافرشی اور رنج کی حالت میں پیٹ میں اٹھایا اور رنج ہی کی حالت میں جناس کے حمل اور دود بڑھائی کی مدت تیس مہینے یہ یہاں تک کہ جب اپنی پوری قوت کمال کو اور چالیس برس کو پہنچتا ہے تو کہتا ہے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کر سکوں جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں

اور یہ بھی توفیق دے کہ ایسا عمل صالح بجالاؤں جو تجھے پسند ہرادر میرے لئے میری اولاد میں صلاح اور تقویٰ پیدا کرے۔ میری طرف رجوع کرتا ہوں اور یقیناً میں تیرے فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

تفسیر اہل بیت علیہم السلام میں اس آیت کے مصداق جناب حسین بن علیؑ ہیں کیونکہ جب امام حسین بطن مادر میں تھے تو جناب رسولؐ پاک نے اپنی نحت جگر جناب سیدہ کو خبر سنائی کہ بیٹی تیرے ہاں محبت خدا پیدا ہو گا جسے میری امت جھوکا دیا سا بے جرم و بے خطا شہید کرے گی اس خبر کو سن کر معصومہ بہت غمگین ہوئیں اور فرمایا کہ مجھے ایسے فرزند کی کیا حاجت ہے جو مظلومی و بیکسی سے مارا جائے کاش کہ میں اسے نہ جنم اور جب پیدا ہوئے تو اس وقت بھی غشی میں سوئے گی لہر تھی۔ مبارک بادیں بھی نہیں اور اتم پرسی بھی تھی تنہیت بھی تھی اور تعزیت بھی تھی چنانچہ بعد ولادت جہاں مسرت کی تقریب تھی وہاں آنسو بھی بہائے گئے مسرت و عز کے ملے جلے جذبات ظاہر ہوئے۔

اس آیت میں مدت عمل چھ ماہ اور مدت رضاءت دو سال قرار دی گئی ہے اور دونوں کو ملا کر تیس ماہ بنتے ہیں آیت میں عموم ہے اصول و کلیات میں لیکن مصداق اس کے جناب حسین بن علیؑ ہیں اور ان آیات کا مفہوم صرف ذات امام مظلوم پر منطبق ہوتا ہے۔ کیونکہ سوائے آپ اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہم السلام کے کوئی چھ ماہ کا بچہ زندہ نہیں رہا اور نہ زندہ رہتا ہے۔

محبت رسولؐ جناب رسالتؐ آگے کو ان دو صاحبزادوں کے ساتھ بہت محبت تھی حضور کی محبت کے واقعات کتب فریقین میں مستند حوالوں کے ساتھ ملتے ہیں مثلاً عید کے روز دونوں رسولؐ کو کندھوں پر اٹھا کر مدینہ کی گلیوں میں پھرانامبر پرے جا کر امت کے سامنے اظہار محبت فرمایا اور حضور کی محبت صرف اس وجہ سے نہ تھی کہ نحت جگر میں نوا سے ہیں۔ پیاری بیٹی کے پیارے بیٹے ہیں۔ ایسی قربت رشتہ داری اور اولاد ہونے کی حیثیت سے صرف اپنی ذات تک محدود رکھتے کون ہے جسے اولاد اور افراد خانہ سے محبت نہیں؟ لیکن حضورؐ پاک نے اس محبت کو اپنے تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنی امت کو ان سے محبت و مودت کا تعلق قائم رکھنے کا تاکید یہ حکم فرمایا ایک دفعہ نہیں بار بار فرمایا صرف فرمایا ہی نہیں پہلے خود عمل کر کے دکھایا رسولؐ دینی ہر حال میں ہر وقت ہر جگہ رسولؐ دینی ہوتا ہے۔ اگر نماز پڑھنے پڑھانے اور احکام شریعت پر عمل کرنے اور احکام پہنچانے کے وقت وہ رسولؐ ہیں اور ان کا یہ فعل عمل رسالتؐ حکم اسلام کی تعمیل اور ایسے حکم کی پیروی اسلامی حکم کی پیروی اور سنت رسولؐ کی پیروی ہے تو کیا حسین علیہا السلام کے ساتھ محبت کے مختلف طریقے گود میں لینا کندھوں پر اٹھانا انگلی پکڑا کر ساتھ لے چلنا خطبہ قطع کر کے منبر چھوڑ کے خود جا کر اٹھانا کیا یہ عمل رسالتؐ اور فعل نبوتؐ نہیں؟ یہ محبت کے اظہار

اور موت کا گوارہ زبانی تبلیغ اور عملی تاکید اس وجہ سے تھی کہ جناب حسنینؑ کا مرتبہ اور مقام اللہ کے نزدیک بہت بلند ہے۔ یہ خدا کے پیارے ہیں۔

گو صغیر السن ہیں مگر بادی اور مہر ہیں امام ہیں اور محبت خدا ہیں۔

چنانچہ جناب کی مشہور و معروف حدیث حسینؑ متنی و انا من الطیبین احب اللہ من احب حبیباً و البغض اللہ من البغض حبیباً حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں خدا اس سے محبت کرتا ہے جو حسینؑ سے محبت رکھے اور خدا اسے اپنا دشمن جانتا ہے جو حسینؑ سے بغض رکھے۔ جملہ خبریہ ہو یا دعائیہ ظاہر کرتا ہے کہ حسینؑ سے خدا محبت کرتا ہے، بلکہ حسینؑ کے محبوں سے بھی خدا محبت کرتا ہے۔ حسینؑ خود محبوب خدا بلکہ محب حسینؑ بھی محبوب خدا ہے۔

تو یہ محبت کے واقعات صرف خونی رشتہ اور قریت کی بنا پر نہ تھے یہ صرف رسولؐ پاک کے پیارے نہ تھے بلکہ رسولؐ کے خدا کے پیارے بھی، انبیاء و مرسلین کے محبوب، حریم کبریاء کے سرکھنوم اور ملائکہ مقربین کے مخدوم ہیں۔

عزادارو! جس قدر جناب رسولؐ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو اپنے اہل بیت کے متعلق درس محبت دیئے اور ان کے ساتھ موت کے انداز سکھائے اتنا ہی مخالفت و عداوت پر امت نے کمر باندھی جناب رسولؐ پاک نے تو بحکم خدا اقرباء کے لئے موت مانگی تھی لیکن امت نے مخالفت و عداوت کا اظہار کیا کسی مولود کی ولادت پر مجلسِ غم منعقد نہیں ہوئی مگر عیش و زینبؑ کی ولادت نے ماں باپ کو شکار کر دیا ملائکہ آسمان نے مبارک کے چہرہ مست پر پیغام سنائے اور بے کسی غریبی اور مظلومی کی موت کی خبر بھی دی ماں کا دل گڑھنا تھا صاحبِ ظلم و ظم کے سیاہ بادلوں میں اپنے چاند کے گھر جانے کی خبر سن کر تھیں جگر پارہ پارہ ہوتا تھا صاحبِ عرشان کی آواز کانوں میں آتی تھی۔ پانی پینے کو جی نہیں چاہتا ہو گا جب بتایا جاتا ہو گا کہ تیری اولاد بیٹے دریا کے کنارے پیاسی شہید کی جائے گی روتی بھی نہیں اور کہتی تھیں کہ میں ایسے فرزند کو کیا کروں قتیلِ عبرت ہے جو بے کسی کی موت مارا جائے گا جسے غسل و کفن بھی نہ ملے گا۔ جس کے وارثوں کو دفن کرنے سے روکا جائے گا۔ اس وقت رسولؐ زادی "حَمَلَةُ امِّیَہ" گرہا کی تصویر تھی۔

البتہ اس غم کو دور کرنے والی دکھ کو راحت میں بدلنے والی اور بے چین دل کو تسلی دینے والی وہ حدیث تھی کہ بیٹی غم نہ کر تبیرے مظلوم بیٹے کی نسل سے خدا اسدِ امامت تا قیام قیامت قائم رکھے گا یہ زاموں کا باپ ہو گا۔ اس خبر سے بہتے ہوئے آنسو ختم جاتے دل کی دھڑکنیں کم ہو جاتیں۔

اسی طرح ولادت کے بعد بھی یہ خبر غم باعثِ رنج و ملال بنی جب پوچھا بااآپ روتے کیوں ہیں بابا جان

لیٹن مبارک آنسوؤں سے ترکیبوں ہو گئی ہے؛ میں قریب جاؤں روئے اقدس کا دنگ بدل کیوں گیا ہے۔ آپ کیوں غلگین ہیں فرمایا بیٹی جبریل نے مجھے مولود مسعود کی تہنیت کے ساتھ شہادت کی خبر بھی سنائی ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ نہ بن کر بلا میں ظلم و جور کے ساتھ مع اعزہ و انصار پیاسا شہید کر دیا جائے گا۔

میری اہمت میرے بیٹے کے ناحق خون سے ماتھے رنگین کرے گی عرض کی باباجان! اس وقت آپ نہ ہوں گے؛ فرمایا بیٹی میں اس وقت نہ ہو گا۔ گر یہ کرتے ہوئے جناب سیدہؑ نے عرض کی بابا! اس وقت علیؑ نہ ہوں گے؛ فرمایا علیؑ بھی نہ ہوں گے پھر پوچھا کیا کسی بھی نہ ہوں گے؛ فرمایا نہیں بیٹی جس جس نہ ہوں گے؛ آپ بھی نہ ہوں گی۔ کہا باباجان پھر میرا بیٹا غریب و مظلوم ویسے کس ہو کے مارا جائے گا تو اس پر رونے والا بھی کوئی نہ ہو گا۔ اس کی لاش پر غم کے آنسو بہانے زحر و نام کرنے والا بھی کوئی نہ ہو گا۔ فرمایا اس وقت تو غریب الدیار ہر کے مارا جائے گا و ثنا کو رونے کی اجازت بھی نہ ملے گی غسل و کفن اور دفن کا وارثوں کو موقع بھی نہ ملے گا۔ انہیں صغیر ماتم بچھانے کی فرصت بھی نصیب نہ ہو گی۔ مگر خدا ایک قوم کو پیدا کرے گا جو تیرے مظلوم بہر کے سوگ میں صغیر ماتم بچھا کر دیا کرے گی اور کہ بلا کے شہیدوں کا غم سنا کر تیری شوح کو پر سادے گی اور تیرے دکھے ہوئے دل کو عزاداری سے تسکین دے گی یہ سن کر جناب عذرہؑ صحت نے کہا بابا میں اس قوم کے حق میں صاکنی ہوں اور سزا قیامت میں ان کو اپنے ساتھ لے کر داخل بہشت ہوں گی۔ منقول ہے کہ جناب سیدہؑ کو ایسے سو گواروں کے ساتھ اس قدر محبت ہے کہ جب کسی مومن مخلص عزا دار کا بچہ انتقال کرے اور اسے وہ مومن قبر کی آغوش کے سپرد کرتا ہے تو جناب سیدہ اس کے فرزند کو اپنی گود میں لے کر پیار و محبت کرتی ہیں کہ تومیرے فرزند کے سو گوار کا تخت جگر ہے۔

جناب سیدہؑ تومومن بچوں کو اپنی آغوش شفقت میں لے کر پیار کرتی ہیں لیکن افسوس کہ جناب قبول پاک کی کم سن اولاد کو امت نے کس ظلم و تم کا نشانہ بنایا تھیوں کے سر پر دست شفقت کی بجائے طائغے مارے معصوم بچوں کے سر کے باؤں کو پکڑ کر بے رحمی سے کھینچا۔ ننھے ننھے ہاتھوں میں رسیاں باندھیں پیاسا رکھا پانی کے لئے ترستے رہے جنگلوں اور دیرانوں میں ڈر کر پناہ لیتے تھے ظالموں کی جھجکیں اور کھست آدازیں دل ہلا دیتی تھیں پاؤں پر آبلے پھٹے ہوئے کرتے منہ پر طائغوں کے نشان چڑیاں کھلی ہوئی ہیں و امجدہ وادہ علیہ کی صدائیں دیتے تھے کوئی اسمرانہ قفا تھا حد دل تلاش کرتے بے رحم ہاتھوں کی ایذا میں مبتلا ہوتے سایہ ڈھونڈتے مگر کوئی بیٹھنے نہ دیتا آسمان روتا زمین فریاد کرتی جنگل کے درخت آنسو بہاتے مگر ظالموں کو ترس نہ آتا۔

اللعنة الله على الظالمين .

دوسری مجلس

سورہ مبارکہ حمد کی تعریف

تخصیص حمد بترک سید الشہداء کا سفر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ يَوْمَ الدِّينِ ۝ يَا لَيْتَ نَعْلَمُ وَيَا لَيْتَ نَسْتَعِينُ ۝
 اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝
 ترجمہ :- سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو بہت رحم کرنے والا اور نہایت مہربان ہے روزِ جزا کا مالک ہے۔ اے اللہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھی راہ پر چلائے اور لوگوں کی راہ جن پر تیرا غضب ہوا ہے اور نہ گمراہی کی راہ۔

اس سورہ کے کئی نام ہیں فاتحہ جس سے کسی شئی کی ابتدا ہوتی ہے اسے فاتحہ
فاتحہ کی قدر و عظمت کہتے ہیں چونکہ یہ قرآن مجید کے شروع میں ہے اس واسطے اس کا نام فاتحہ ہے۔

یہ عیبوں کو شفا دیتی ہے اس کے ذریعہ بیمار جام شفا پیتے ہیں مریض تندرست ہوتے ہیں چنانچہ
شافیہ اسے پڑھ کر پانی پر دم کر کے بیماروں کو پلا یا جائے یا تعویذ بنا کر اپنے پاس رکھا جائے تو
 انہیں شفا ملتی ہے۔ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ وحی شانِ ہے فَاتِحَةُ الْكِتَابِ
 شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ سورہ فاتحہ ہر بیماری کی شفا ہے۔

یہ ایسی با عظمت و سعادت سورۃ ہے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی لا صَلَوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ
 الْكِتَابِ بغیر سورہ فاتحہ کے نماز نہیں۔ تمام سورتوں سے اس کے پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔ چنانچہ کتب
 حدیث میں مسطور ہے کہ سورہ اخلاص کے پڑھنے سے پورے قرآن کی تہائی کا ثواب ملتا ہے اور سورہ حمد
 کے پڑھنے سے قرآن کے فضلت یعنی دو تہائیوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ مسیت کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے اس کی صفہ ماتم بچا کہ سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ اور پڑھ سادینے والے لوگ سورہ فاتحہ پڑھ کر ثواب دے کر دیتے ہیں عموماً لوگ کہتے ہیں کہ فاتحہ پڑھنے جا رہا ہوں۔ فاتحہ خوانی کے لئے لوگ آ رہے ہیں قبروں پر فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ فاتحہ پڑھنے والے حضرات اگر سورہ فاتحہ کے ساتھ سورہ توحید کی تلاوت بھی کر دیا کریں تو پورے قرآن کا ثواب مل جائے۔ لیکن یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ ان ہر دو سورتوں کے پڑھ لینے سے انسان تلاوت قرآن یا اس کے معافی و مطالب کو سمجھنا دن رات اس کی تلاوت سے گھر کو مبارک بنانا اسے زندگی کا مکمل دستور العمل جان کر اس کے مطابق زندگی گزارنا تو کم کر دے۔ یہ تو اس صورت میں ہے کہ مسلمان پورے قرآن پڑھنے کی قدرت نہ رکھتا ہو یا وقت میں وسعت نہ ہو مومن کو قرآن سے محبت ہو ثواب جزیل کا خواہش مند ہو سارا قرآن پڑھنے سے معذور ہو قرآن سورتوں کی تلاوت سے سارے قرآن کا ثواب ملتا ہے۔

اس سورت کو سب سے شائق تھے کہا گیا کیونکہ اس میں سات آیات ہیں اور ہر نماز میں کم از کم یہ دو مرتبہ پڑھی جاتی ہے اور منقول ہے کہ یہ دو دفعہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ میں اور دوسری بار مدینہ میں۔

سورہ فاتحہ اگرچہ قرآن مجید کا حصہ ہے مگر قرآن مجید سے اس کا طریق نزول جدا گانہ ہے اسلوب بیان اور اس کا اسلوب بیان دوسری سورتوں سے الگ ہے یہ سورۃ مبارکہ بذریعہ الہام و القاء برزخ بنندگان نازل ہوئی ہے ہندوں کو بارگاہ ایزد متعال میں مناجات کا طریق سکھایا گیا ہے۔

جب پہلی سورۃ "اقصوا باسم ربک الذی خلق" فارحرامیں نازل ہوئی حکم ہوا پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ اس حکم کی تعمیل میں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ الحمد پڑھی۔ آخر جب خداوند عالم نے پڑھنے کا حکم دیا تو پیغمبر نے پڑھا تو تھا سورہ علق یعنی "اقصوا باسم ربک" کی ہر آیت کے جواب میں حضور پاک نے الحمد کی تمام آیات کی تلاوت کی۔ حکم بھی خدا کا تھا اور جواب میں پڑھنے کا ڈھنگ اور مطالب بھی خدا نے القا فرمائے اس واسطے باقی تمام قرآن بذریعہ وحی جبریل نازل ہوا اور یہ سورۃ بذریعہ القاء پیغمبر کو تعلیم کی گئی اور زبان پیغمبر سے جاری ہوئی۔

یہی وہ سورۃ ہے جس کی تفسیر عالم لدنی باب مدینہ العلم حضرت علی ابن ابی طالب نے عبد اللہ بن عباس کے سامنے بیان فرمائی لسان اللہ کی زبان حمد کی تفسیر میں تھی اور جناب ابن عباس شاگرد رشید بہت گوشہ تھے معارف و مطالب کا ٹھکانہ تھے اتنا ہوا سمندر زبان کے دانے سے تیزی کے ساتھ برہم تھا اور جناب عبد اللہ اپنی علمی تشنگی بجھا رہے تھے، علم کے موتی خلیج حمد کی تر سے رول رہے تھے سورہ حمد کی تفسیر کی وسعتیں دلائل ہو رہی تھیں اور دلائل شب سمٹ رہا تھا۔ نہ بیان کرنے والی زبان خشکی اور نہ سننے والے کان تنگی۔

البتہ رات تھک گئی رات کی تاریکی تھک گئی سپیدہ سحر نمودار ہو گیا جناب نبیؐ نے رات کے نصرت ہونے پر آہ سرد پھینچی اور کہا کہ کاش رات لمبی ہو جاتی اور یہ علمی صحبت ختم نہ ہوتی تفسیر باقی حق وقت ختم تھا اس وقت جناب امیر المؤمنین نے فرمایا دُشِيتُ لَا وَفَرْتُ سَبْعِينَ بَعِيرًا مِنْ كَفْسِ سُوْرَةِ الْاَنْدَاقَةِ اگرچہ چارہاں تو سورہ فاتحہ کی تفسیر سے اتنی کتابیں لکھیں جنہیں ستر اونٹ اٹھا سکیں۔

اس سورہ کو اُمّ الکتاب بھی کہتے ہیں لفظ اُمّ اصل اور بنیاد کا معنی دیتا ہے یہ سورہ قرآن مجید کی اصل اور بنیاد ہے۔ اس لحاظ سے بھی کہ ابتداء میں ہے اور اس وجہ سے بھی کہ تمام معانی و معارف قرآن کی جامع ہے۔ علاوہ ازیں اسے سورہ الکافیہ وافیہ سورۃ الحمد سورۃ الدعا بھی کہتے ہیں۔

سورۃ اُلْکُنُزُ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ خدا نے تعالیٰ فرماتا ہے فَاتِحَةُ الْکِتَابِ کُنُزٌ مِنْ کُنُوزِ عَزَّوَجَلَّ سورہ فاتحہ میرے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

جس طرح کہ بسم اللہ ہر کام کے آغاز کیلئے باعث برکت ہے اسی طرح حمد خدا بھی ہر ذی شان کام کے آغاز میں ضروری ہے ہر خطبے کے آغاز میں بسم اللہ کے بعد حمد باری تعالیٰ کی جاتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَا بِمُحَمَّدٍ فَهَلْ اَبْتَدُوْهُ اَبْتَدُوْهُ ہر وہ کام جو شان و شرف والا ہے اگر حمد خدا سے اس کی ابتداء نہ کی جائے تو وہ بے برکت اور نامبارک ہوتا ہے۔

بسم اللہ کے بعد اس سورہ کی پہلی آیت «الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ» تمام تعریفیں ساری ثناء و ستائش مخصوص ہے اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا کل کائنات کا پروردگار ہے۔

حمد اس تعریف کو کہتے ہیں جو بذریعہ زبان کسی کی اختیاری خوبی پر اس کو مستحق ثناء سمجھتے ہوئے کی جائے خواہ اس کی طرف سے نعمت و بھلائی ہو یا نہ ہو۔

اور شکر اس تعریف کو کہا جاتا ہے جو کسی بھلائی کرنے والے کسی ممنعم اور محسن کی بھلائی و احسان کے بدلے میں کی جائے۔ پس حمد اور شکر میں فرق یہ ہے کہ حمد اس ذات کی ذاتی خوبیوں اور استحقاق کی بناء پر کی جاتی ہے بعد شکر وہ تعریفی کلمات ہیں جو نعمت و بھلائی کے معاوضہ میں ادا کئے جاتے ہیں خداوند عالم حمد کا بھی مستحق ہے اور شکر کا بھی۔ شکر کا اپنی لاتعداد نعمتوں کی بناء پر اور حمد کا تمام صفات و خوبیوں کا مالک ہونے کی بناء پر اسی لئے کہا جاتا ہے «الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ عَلٰی کُلِّ حَالٍ»

تخصیص حمد | حمد مخصوص ہے ذات باری تعالیٰ کے لئے کہ دراصل تمام کمالات اور خوبیاں اسی ذات پاک پر جارجکتی ہیں اگر کوئی جاندار یا بے جان چیز کوئی خوبی اور صفت اپنے میں رکھتی ہے تو اس کی خالق اور عطی وہ خود نہیں بلکہ اس کو اس کے غیر نے عطا کی ہے پھروں کی خوبصورتی اور خوشبو پھولوں کا

ذائقہ اور حسن، نباتات کی تاثیر اور رنگت، جواہرات کی چمک اور خوشامی، بڑی بوٹیوں اور معدنیات کی انادیت گران کی صفات اور اثرات و افادات ان کے اپنے ہیں اور ان خوبیوں کی بنا پر قابلِ مدح و ثناء ہیں اگر ان تمام صفات و حسنات کی خالق یہ اشیاء خود ہوتیں تو تعریف انہی تک رک جاتی اور ان کے نہ بڑھتی۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ اشیاء اور ان کی صفات مخلوق و مصنوع ہیں تو بے ساختہ ان کو دیکھ کر زبان پکار اٹھتی ہے مد سبحان اللہ، پاک ہے وہ اللہ اور حمد کے لائق ہے وہ خدا جس نے ان اشیاء کو وجود بخشا اور ان خوبیوں کا حامل اور ان صفات کا موصوف بنایا کس قدر بلند اور صاحبِ کمال ہے وہ ذات جس نے ان کو گونا گوں خوبیوں سے آراستہ کر کے نوعِ انسان کی خدمت کے لئے وقف کر دیا لہذا یہ اشیاء اپنے مقام پر قابلِ مدح ہیں لیکن قابلِ حمد نہیں ان کو قابلِ مدح بنا کر تھی حمد وہ خود ہے جس نے اپنے جمال و کمال کا جلوہ ان میں ودیعت فرمایا ان کو لباسِ حسن پہنا یا خوش ذائقہ بنا کر مغرب و محبوب البشر بنایا۔ اسی طرح حیوانات کی مختلف اقسام ان کی عجیب و غریب شکلیں مختلف اور پیاری رنگت ان کا حسن و جمال اور قورۃ و کمال سب کچھ قابلِ مدح ہے لیکن وہ اور ان کی حمد خیریاں ان کی اختیاری نہیں بلکہ ان کے خالق و صانع کی عطیہ ہے اس واسطے دراصل قابلِ حمد وہ ذات ہے جو ان کی خالق و صانع اور ان کو یہ خیریاں بخشنے والی ہے۔

علیٰ هذا القیاس انسان جس کو اشرف المخلوقات کا خطاب زیبا ہے۔ جو اپنی شکل و صورت اور باعتبار ہر کمنازل ارتقا طے کرنے میں شاہکار قدرت ہے جو غلامہ کائنات ہے۔ جسے ترقی کے غیر محدود احتمالات و اسباب دیئے گئے اور بے حد قوتیں اس کے اندر ودیعت کی گئی ہیں اور بے شمار کمالات کا مالک ہے۔ یہ بھی مستقلاً حمد کا اہل نہیں کیونکہ جن وسائل کی بنا پر جس قوت و بازو اور عقل و ادراک کے ذریعے یہ مسائل کمال اور مدارج ارتقا طے کرتا ہے وہ اس کے اپنے پیدا کردہ نہیں وہ اپنے وجود میں محتاج عقل و شعور اس کا ذاتی نہیں بدنی قوتیں اور ذہنی طاقتیں اس کی اپنی نہیں وہ خود مخلوق ہے خالق نے اس کو تمام قوتیں عنایت کیں۔

اگر قابلیت و ذہانت دل و دماغ جسمانی و دماغی قوتیں عقل و ادراک کی تیزی انسان کے بس میں ہوتی تو ہر انسان ان نعمتوں سے مالا مال ہوتا خصوصاً دولت مند آدمی یہ چیزیں دولت کے بل بوتے پر خرید لیتے۔ مگر

ایں سادات بزورِ بازو نیست تا نہ بخشہ خدا سے بخشہ

تو جس قدر انسان خالق کی عطا کردہ قوتوں اور وسائل و اسباب کو حسبِ مرضی خالق اپنے تصرف

میں لاکھ گوناگوں ترقی درجات طے کرتا ہے وہ اپنی محنت و کوشش میں تو قابلِ تعریف ہے مگر دراصل لائقِ حمد وہ ذات ہے جس نے انسان کو وجود بخشا اور غیر محدود ترقی کی قوتیں عطا فرمائیں جس نے انسان کے بدن اور ادراک کی تربیت کی اس کی کوششوں کی قدر کی جادہ عروج میں اس کی رہنمائی کی فتوحات کے دروازے کھولے۔

اسی واسطے خدا نے بندوں کو ہدایت کی کہ کہو ”الحمد لله“ سب تعریفیں دراصل خدا کے لئے ہیں غرضیکہ جملہ مخلوقات اپنی ذات و صفات میں بے نیاز ذات کی مرہونِ منت ہے۔

پودوں کا نکھار چمن کی بہار سجدوں کی نزاکت پھولوں کی جلالت، جواہرات کی چمک، تاروں کی دھمک، سورج کی ضیا قمر کا نور، پرندوں کا حسن چرندوں کی زیبائی، روباہ کی ذکاوت، شیر کی شجاعت انسان کا کمال، بشر کا جمال سب تاد کریم کی قدرت کے کرشمے ہیں اور تمام کمالات اسی کی ذات پر منتہی ہوتے ہیں اور وہی بے بند و تمام کمالات و معارج ہے۔ اسی بنا پر ہم لائقِ حمد و ستائش ہے۔

ایک اور مقام پر اس کا ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اسی کی تعریف ہے آسمانوں اور زمین میں وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ فِي الْاَرْضِ وَالْاُخْرٰى، اسی کی حمد ہے دنیا میں اور آخرت میں۔

اللہ کو لائقِ حمد سمجھتے ہوئے اس کی حمد و ثنا کرنا بہت بڑی عبادت ہے اور خالص خدا کا یہ عمل ہے کہ ہر حال میں اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ یحییٰ پاک نے جس قدر حمد باری تعالیٰ کی ہے اس قدر کسی نے نہیں کی چنانچہ عالم ارجح اور حجابات نور میں ان ذاتِ مقدسہ نے تسبیح و حمد کا ورد جاری رکھا چنانچہ ملائکہ مقررین نے بھی تسبیح و تقدیس کے طعنے ان سے سیکھے یہ اتنا عظیم الشان عمل ہے ملائکہ نے خلافت کی تمنا کرتے ہوئے اسے بطور استحقاق پیش کیا۔ ”غَنُّ نَسْجِ بِحَمْدِكَ وَ نَقْدِسُ لَكَ“ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں اسی کثرتِ حمد کی وجہ سے جنابِ رسالتِ اکرام کا نام آسمانوں میں ”حمد“ ہے احمد کا معنی ہے سب سے زیادہ حمد کرنے والا عالم انوار میں یہ احمد تھے عالمِ اجداد میں ”محمد“ بن کر آئے انہوں نے خدا کی تعریف کی اور خدا نے ان کو اس عالم میں محمد بنا دیا جن کی ہر جگہ تعریف ہوتی ہے اور ان کا ذکر بلند کیا کہ جہاں توحید کا ذکر ہوتا ہے وہاں ان کی رسالت کا ذکر ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔

وہ چونکہ ہر چیز کا خالق اور رب ہے اس واسطے ہر چیز اس کی تسبیح و حمد کرتی ہے اپنے اپنے

نگ اور اپنے اپنے ڈھنگ سے ہر مخلوق فریضہِ حجاج کو رہی جیسا کہ ارشاد ہے وَ اِنَّ مِنْ شَيْءٍ رَّا
يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ كَوَيْ شَيْءٍ اِيسَىٰ نَبِيْهِمْ جَرَّاسٍ كِي حَمْدِكِي تَسْبِيْحٌ نَبِيْهِمْ
لیکن تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔

ہر شئی نے حسین علیہ السلام پر گریہ کیا | جہاں خداوندِ عالم نے ہر شئی کو تسبیح و حمد کرنے پر مامور کیا ہے
وہاں ہر شئی کو جنابِ سید الشہداء پر توجہ و بکا کرنے کی

سعادت بھی بخشی ہے چنانچہ منقول ہے کہ امام مظلوم کی شہادت پر ہر شئی روئی ہے آسمان رویا زمین روئی
ملا مکہ روئے جن و بشر نے ماتم کیا۔ ملا مکہ نے آسمان میں ماتم کیا پرندوں نے ہوا میں، چرندوں نے صحرا میں
آبی جانور پانی میں تر پے ریت کے ذروں زمین کے ڈھیلوں اور پہاڑوں کے سنگریزوں نے غم منایا
دوست بھی روئے دشمن بھی روئے جن ہتھیاروں سے تنِ اقدس مجروح اور شہید ہوا وہ بھی غم من ہوئے
شمر کا خنجر دیبا حرمہ کا تیر کمان دیبا، خنجر کی کانیزہ رویا، سسنان بن انس کی تلوار روئی خود ظالم اور قاتل
روئے اسی لئے فرماتے ہیں اَنَا قَتِلْتُ الْعَبَوَاتِ فِي تَوَّافِئِمْ كَاكْشَةٍ هَوِيْ۔

عزاد اولادِ احمیں ہی ایک نرانا مظلوم اور ممتاز شہید نظر آتا ہے کہ جس کی ولادت سے
مدینہ سے سفر کی تیاری | پہلے ولادت کے وقت اور شہادت کے وقت گریہ و بکا ہوا اور قیامت

تک ہوتا رہے گا اس غریب الوطن کی کونسی مصیبت دل ہلانے والی نہیں ہے مومنین کرام! وہ وقت یاد
کر جو حبِ مدینہ کی گلیاں اور شہر کے در دیوار اس کی جدائی پر آنسو بہا رہے تھے، سید الشہداء شہر
سے سفر کی تیاری کر رہے ہیں اور بنی ہاشم کے گھروں میں ماتم پیا ہے، قبرِ رسولؐ ہلا رہی ہے صریحِ بزل
مضطرب ہے مزارِ حسنؑ مترنزل ہے مسجدِ نبویؐ بے رونق ہو رہی ہے گلہ ستہ آذان فریاد کر رہا ہے بزرگِ رسولؐ
معروفِ غم ہے۔ آج مدینہ اجڑ رہا ہے مدینہ کی گلیاں اداس، نازمین رسالت دل بندہ تلمیحتِ دل نہ ہرا
مدینہ سے نصرت ہو رہا ہے

صرف حسینؑ نہیں جا رہے زہرا کی بیٹیاں اولادِ علیؑ حسنؑ مجتبیٰ کا کنبہ عقیل کا گھرانہ ابوطالب کا سارا
خانہ دانِ فردنِ عالم کے ہمراہ ہے تو مومنین میں پوچھا ہوں کہ عہدِ بنی ہاشم میں کیا رہ گیا ہے؟ برباد نہیں ہو گیا۔ اس
چمن میں غزال نہیں چاگئی۔

اے! جن گھروں میں ملا مکہ کا نزول ہوتا تھا جہاں حویلی کینزی بن کے آتی تھیں جہاں ملا مکہ چکیاں
پیتے اور جھولا جھلاتے تھے جنت کی دریاں ہوتی تھیں جنت سے کھانے اور لباس آتے تھے۔ میں
قرآن! آج ان گھروں کے دروازے بند ہو رہے ہیں! صحنِ برباد اور مکاناتِ کونائے لگ رہے ہیں

سامان سیٹا یا رہا ہے حسرت اور اداسی چھائی ہوئی ہے۔ آج مدینہ میں یوم وفات رسولؐ تازہ ہو گیا ہے۔ منقول ہے کہ حبیب فرزند رسولؐ ولید کے دربار سے مع جماعت بنی ہاشم واپس گھر آئے اور بنی امیہ کے ارادے معلوم ہوئے تو مدینہ سے کوچ کرنے کا ارادہ کر لیا تو اٹھارہ بنی ہاشم تو گھریں میں چلے گئے اور حبیب رات چھاگئی تو اداسی کے عالم میں قبر رسولؐ پر آئے پریشان زلفوں، مژدنوں، دل اور گلین چہرے کے ساتھ قبر رسولؐ کے پاس کھڑے ہو گئے ریش مبارک آنسوؤں سے جھلکی ہوئی تھی گلو گریہ لہجے میں کہتے ہیں اَللّٰمَّ عَلَیْکَ یا دُوسُل اللّٰہِ مَن اَکْب کا نواسہ خیت ہیں تیری اُمت میں تیرا خلیفہ ہوں نانا! اگر وہ رہنا تیری امت نے میری کوئی قدر نہیں کی میری کوئی مدد نہیں کی میرے حقوق ضائع کر دیئے میرے اہل باپ قربان جاؤں میں مجبوراً آپؐ کی قبر چھوڑ رہا ہوں بے بس آپؐ کے قرب سے جدا کیا جا رہا ہوں نانا! میں یزید کی حجت کیسے کروں اس کی بیعت سے آپؐ کا دین کیسے برباد کروں اگر بیعت کرتا ہوں تو تیرا دین اور تیری شریعت ختم ہوتی ہے اور اگر انکار کروں تو میں قتل ہوتا ہوں۔ نانا تیرا دین زندہ رہے میں موت کو قبول کرتا ہوں اور میں مڑتا ہوں تیرے دین کو زندہ رکھتا ہوں۔

پھر دوبارہ سلام پڑھ کر واپس گھر آ گئے۔ دوسری رات پھر نانا کی قبر پر گئے چند رکعت نماز پڑھی پھر دست دعا بلند کئے اور یہ مناجات کی لے اللہ یہ تیرے بنی محمدؐ مصطفیٰؐ کی قبر ہے اور میں تیرے بنی کا بیٹا ہوں اب مجھ پر وہ کام آ پڑا ہے جسے تو جانتا ہے خدا یا! میں نیکی سے محبت اور برائی سے نفرت کرتا ہوں۔ لے ذوالجلال والا کرام میں تجھ سے اس قبر اور قریب والے کا واسطہ دے کہ سوال کرتا ہوں کہ میرے لئے وہی بات اختیار کر جس میں تیری اور تیرے رسولؐ کی رضا و خوشنوی ہو اس کے بعد قبر کے پاس بیٹھ کر روتے رہے روتے رہے قبر مبارک پر سر رکھ دیا اور نیند آگئی حالت خواب میں دیکھا کہ جناب رسالتؐ جب قبر سے باہر نکلے ہیں ان کے داہیں اور بائیں فرشتوں کا لشکر ہے حضورؐ پاک نے مظلوم نواسے کو اپنے سینے سے چٹایا اور دل سے آنکھوں کے درمیان پیشانی کا لمس دیا اور فرمایا میرے مظلوم بیٹے! میں عنقریب تجھے خون میں غلطان دیکھتا ہوں تو مجھے پیسا سا نظر آتا ہے تیرے بدن پر تیروں نیزوں اور پتھروں کے زخم ہیں جو میں کر لیا ہے تیری لاش بے گور و کفن پڑی اور میری اُمت کا ایک گروہ باغ بتوں کو تاراج کر رہا ہے شمر خنجر چلا رہا ہے اور نہرا جائیں فریاد کر رہی ہیں بیٹا تیرا باپ علیؑ اور تیری ماں فاطمہؑ تیرا بھائی محسن ابھی میرے پاس آئے ہیں تیری مدینے سے جدائی پر غم زدہ نظر آتے ہیں۔ بیٹا مظلوم اصرار باقی رہ گیا ہے گزار چھوڑا سے ساتھ مل جائے گا حسینؑ جنت میں کچھ ایسے درجات ہیں جنہیں بغیر شہادت کے تو پا نہیں سکتا۔

حسینؑ فیکہ کی حالت میں مانا سے کہہ رہے ہیں نانا مجھے دنیا میں واپس جانے کی حاجت نہیں ہے مجھے اپنے ساتھ قبر میں داخل کر لو نانا زمین تنگ ہو گئی ہے اُمت دشمن ہے جواب دہا واپس ضرور آنا ہے اور شہادت کا مرتبہ پانا ہے جو کام تو نے کرنا ہے وہ اور کوئی نہیں کر سکتا میرے دین کا شجر سوکھ رہا ہے تیرے خون سے سیراب ہو گا میری شریعت تیرے لہو سے سرخ ہو گی پس صبح کے وقت حسینؑ نیند سے بیدار ہوئے بے چین اور مضطرب ہیں اپنے گھر واپس آئے۔ دن کے وقت اپنے اہل بیتؑ کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے خراب کا واقعہ بیان کیا اس دن اہل بیتؑ کے گھر میں اتنا غم ہوا گویا مدینے کے در و دیوار شدتِ غم سے ہل رہے تھے اہل بیتؑ رسولؐ کا گھر نام کہ تھا بیان کیا جاتا ہے کہ بعد وفاتِ جناب رسولؐ اس قدر غم اہل بیتؑ کے گھر میں نہیں ہوا۔

یہ بھی منقول ہے کہ امام مظلومؑ سات کے وقت مظلومہ مغومہ محروماں کی مزار پر وداع کرنے کے لئے گئے مہیج الاحزان کی روایت ہے کہ ماں کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اُمّہٗ حَبِیْبُکَ جَاءَ لَوْدِ اَعْلٰی وَهٰذَا اَخُوکَ یَا دَتَمَ اِیَّاکَ اَماں غریب بیٹے کا سلام ہو تیرا حسینؑ تیرے وداع کے لئے آیا ہے اور اس کی یہ تیری آخری زیارت ہے قبر سے ندا آئی تجھ پر سلام ماں کے مظلوم بیٹے تجھ پر سلام ہواں کے شہید اور غریب بیٹے مظلوم امامؑ کی آواز شدتِ گریہ سے گلو گریہ ہو گئی یہاں تک کہ امام فرطِ گریہ سے کلام نہ کر سکے معلوم نہیں مظلوم بیٹے کی غربت کیسی اور جدائی کا ماں کے دل پر کیا اثر ہوا زخمی پہلو والی ماں نے مسافر بیٹے کو کس طرح رخصت کیا حسینؑ ماں کی قبر پر گئے ماں گیا رہیں کی رات کو ماں کہ بلا میں بیٹے کی لاش پر آئی اور اشکبار آنکھوں سے بیٹے کی لاش دیکھی کس طرح دیکھی کہ لاش کے اعضاء سلامت نہ تھے زخمی بدن میں سر موجود نہ تھا کوئی جگہ برسہ کے لئے زخمی سے خالی نہ تھی ہاتھ کٹے ہوئے تھے لاش خاک و خون میں غلطان تھی۔

اسی طرح قبر مبارک جناب امام حسن علیہ السلام پر بھی گئے اور ماں بھی یہ کیفیت رہی۔

محمد بن حنفیہ سے وداع صبح کے وقت جناب محمد بن حنفیہ آئے رو کر گلے ملے اور کہا آپ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہیں۔ اہل بیتؑ رسولؐ کے اس وقت آپ ہی سردار ہیں آپ کی طاعت کا قلاوہ میری گردن میں ہے آپ میرے امام ہیں میں آپ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ آپ بیعتِ یزید سے الگ رہیں اور خطرے والے شہروں سے دور رہیں اپنے قاصد لوگوں کی طرف بھیجیں اور حالات سے ان کو مطلع کریں اور انہیں اپنی بیعت کی دعوت دیں اگر لوگ آپ کی بیعت قبول کر لیں تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور اگر لوگ کسی غیر کی بیعت کر لیں تو وہ نہ آپ کے دین کو

گھٹا سکتے ہیں اور نہ آپ کی فضیلت اور آپ کے شرف کو ختم کر سکتے لیکن ایسے شہر ہیں جہاں آپ کے لہجہ بھی ہوں گے اور موافق بھی لیکن میں ڈرتا ہوں لوگوں کی بے وفائی سے کہیں آپ ان کے نیزوں اور نیزوں کا نشانہ نہ بن جائیں۔

جناب امام نے جواب میں فرمایا بھائی اب میں کہاں جاؤں زمین تنگ ہو گئی لوگ خانوادہ رسول کے دشمن ہو گئے ہیں جناب مجھ کو فرمایا کہ آپ کلمہ چلے جائیں اگر کلمہ میں سکون نصیب ہو تو بہتر ورنہ ملک یمن میں چلے جائیں وہ آپ کے نانا اور بابا کے مددگار چلے آئے ہیں وہ رحم دل نرم مزاج اور وسیع الظرف ہیں آپ کو وہاں راحت و آرام حاصل ہو گا ورنہ پہاڑوں کی گھاٹیوں ریت کے ٹیلوں میں شہر بہ شہر پھرتے رہیں آخر خدا کوئی فیصلہ کر دے گا۔

جناب محمد بن خنفیر کی نصیحت سن کر مولانا نے فرمایا بھائی خدا آپ کو جزائے خیر دے آپ نے اچھی نصیحت کی ہے میں فی الحال کلمہ جانے کا ارادہ کرتا ہوں اس کے بعد جناب محمد بن خنفیر حسین کے گلے میں باہیں ڈال کر روتے رہے مولانا نے فرمایا آپ مدینہ میں رہیں اور میرے خاندان کے پس ماندگان کے آپ ہی محافظ و نگہبان ہیں میرے ساتھ میرے بھائی بھی ہیں میری بہنیں بھی ہیں میرے بیٹے بھی بھائی حسن کا کنبہ عقیل کی اولاد میرے ہم سفر ہیں۔ اس کے بعد ایک وصیت نامہ لکھا اور بند کر کے اس پر مہر لگا کر جناب محمد بن خنفیر کے سپرد کیا۔

جناب امام حسین علیہ السلام مسافر کر بلائے نانا کی مزار مبارک پر جو دروہرے کلمات بیان کئے اور رول پاک تے جو غم خیز چلے جواب میں ارشاد فرمائے اس جگر پاش مکالمہ کو ایک عربی شاعر نے نظم کیا ہم ذاکرین و سامعین کے لئے قلم بند کرتے ہیں۔

امام مظلوم کی دلسوز صدا ہے۔

۱۔ ضَمِّمْنِي عِنْدَكَ يَا جَدَّاهُ فِي هَذَا الصَّرِيحِ عَلَيَّ يَا جَدُّمَنْ بَلَوَى زَمَانِي أَسْتَوْجِبُ

نانا مجھے اپنے ساتھ اس صریح میں اپنے سینے کے ساتھ چٹا لیجئے اور مجھے بہلا بیٹے کہ میں زمانے کی مصیبت سے راحت پا جاؤں۔

میرے مولا کو بچپن کا زمانہ یاد آیا کہ کبھی آنسوؤں محبت اور کبھی دوش غم پر چٹا کر پیار کرتے اب دکھوں کا دور آ گیا ہے۔ نانا نے کو سکھ کا زمانہ یاد دلایا کہ نانا کا پیار طلب کرتے ہیں۔

۲۔ ضَاقُ بِي يَا جَدُّمَنْ رَحِبَ الْفَضْلُ كَلِّمْ فَعَلَى طَوْدَا كَلِّمْ سَلَى يَنْدَكَ بَيْنَ الْاَلَكَيْنِ

نانا فضا اپنی وسعت اور زمین اپنی فراخی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی ہے۔ راپیں بند میں مصیبتوں

نے گھیر لیا ہے۔ قریب ہے کہ غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

۳۔ جَعِدْ صَفْوَةَ الْعِيشِ مِنْ كَعْدِكَ بِالْأَلْمِ الشَّيْبِ وَأَشَابَ الْهَمُّ وَأَسَى قَبْلَ آتَانِ الْمَشِيبِ
نانا زندگی کا صاف بانی دکھوں کی میل کھیل میں گدلا ہو گیا ہے۔ اور غم نے میرا سر بڑھا پے سے پہلے سفید کر دیا ہے۔ زندگی غموں اور دکھوں سے آلودہ ہو گئی ہے۔

۴۔ فَعَلَامِنْ دَاخِلِ الْقُبْرِ كِبَارٌ وَتَحْيِيَّتٌ وَفِدَائٌ بِاِتِّجَاعٍ يَا حُسَيْنَ
قبر کے اندر سے رونے کی آواز بلند ہوئی اور دروہری پکار آئی اے میرے پیارے حسین
اَنْتَ يَا زِيحَانَةَ الْقَلْبِ حَقِيقٌ يَا لَيْلَا اِنَّمَا الدُّنْيَا اَعْدَتْ لَكِ لَبْلَابًا
اے میرے دل کے چھل میرے قلب کے خزان مصیبتوں اور بلاؤں کے لئے تو ہی سزاوار ہے۔ یہ دنیا تو شر فاک آزماتوں اور امتحانوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ بڑی انہی امتحانوں کے لئے میں نے تیری تربیت کی ہے۔ اس سب سے بڑی آزمائش گاہ میں تیرے سوا کوئی اترنے والا ہے۔

لَكِنَّ الْمَاضِيَ قَلِيلٌ بِالَّذِي قَدْ أَتَبَلَا قَاتِلُكُمْ وَذُرْعَيْنِ مِنْ حَزْمٍ وَعَزْمٍ بِالْبَغِيضِ
ماضی میں جو دکھ آئے ہیں وہ قلیل ہیں دکھ تو اب آنے والے ہیں مصیبتوں اور بلاؤں کا بحجم اور آلام و عوم کے حملے اب ہونے والے ہیں بیٹا! سرشاری اور نچرتی کی زبیریں ان کے مقابلے کے لئے تیار کرے۔

سَمْتُ دَوْقِ الْمَوْتِ ظِلْمًا مَبِئْسًا كَوْبَلَا وَتَسْتَبْقِي فِي تَرَاهَا ثَاوِيًا مُتَعَبِدًا
غریب الوطن بیٹا تو کر بلا میں پیا سا ظلم کے ساتھ مارا جائے گا۔ اور کر بلا کی زمین میں خاک و خون میں غطان پڑا رہے گا تیری لاش بے گورد کفن رہے گی اور وہیں تیری قبر بنے گی۔

وَكَا تِي بِلَيْسِيمِ الْأَصْلِ شِمْرٌ قَدْ عَلَا صَدْرُكَ الظَّاهِرُ يَا لَيْفٍ يَحْجُو الْوَدَّ حِينَ
میرے مظلوم بیٹے! گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ رذیل فطرت شمر کبیر تیرے پاک سینے پر سوار ہے اور تیری گردن کی رگیں کاٹ رہا ہے۔

وَكَا تِي يَا لَا يَأْمِي مَنْ بَنَاتِي تَسْتَعِيثُ لُعَابًا لَتَقَطُّعْتُ الْقَوْمَ وَقَدَعَرْتُ الْمَغِيثَ
میری امت کے ستائے ہوئے بیٹے! گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ میری بیٹیاں کر بلا میں بے وارث رہ گئی ہیں ان کا کوئی سہارا و آسما نہیں بے کسی کے عالم میں عاجز و ماندہ ہو کر فریاد کر رہی ہیں اور لوگوں سے رحم کی فریاد کر رہی ہیں لیکن ان بے کسوں کی فریاد کو پہنچنے والا کوئی نہیں۔

قَدِ بِرَىٰ أَجْسَامَهُنَّ الصُّرْبَ وَالسَّيْءَ الْعَشِيتُ بَيْنَهَا السَّيَّارُ فِي الْأَصْفَادِ مَغْلُولُ الْيَدَيْنِ
 میں دیکھ رہا ہوں ظالموں کے ظلم و ستم اور اونٹوں کی تیز رفتاری نے ان کے بدن لاغر کر دیئے
 اور ان بے دارت غریب الوطن مظلوم بیبیوں میں سجاد بیمار بندھے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ
 کڑیوں میں گرفتار ہے۔
 متواتر سفر جھوک و پیاس کی شدت وارثوں کی موت کے صدموں اور قید و بند کی
 صعوبتوں نے مدینہ کی شہزادیوں کے بدن لاغر و اس قدر دیئے و کمزور کر دیئے تھے کہ بڑھیلیں
 پر گوشت نہیں رہا تھا۔



jabir.abbas@yahoo.com

تفسیری مجلس

ذات باری تعالیٰ کا ثبوت رب العالمین کی شانِ مدبرِ سفر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
”الحمد لله رب العالمین“

ذات باری تعالیٰ کے موجود ہونے کی علامتِ تکمیل نے جو دلیلیں پیش کی ہیں ان میں سے چند ایک پیش کی جاتی ہیں تاکہ مومنین ہستیِ خالق کی معرفت حاصل کر کے ایمان و یقین بڑھائیں آج کل چونکہ منکرینِ خدا اطرافِ عالم میں پھیل رہے ہیں اس واسطے ذاتِ باری تعالیٰ کا بقدرِ امکان تعارفِ ضروری ہے تاکہ محدثین کی ردِ ہوا و تسلیم کا ایمان مضبوط ہو۔

وجود باری تعالیٰ کی دلیل اہل علم اس بات کی گواہی دیں گے کہ دنیا کی ہر شے مخلوق ہے جادو ہوا نباتات حیوان ہوں یا انسان مخلوق ہیں یہ جہانِ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے مخلوق ہے قدیم نہیں کیونکہ دنیا کی ہر چیز کو تغیر و تبدل لاحق ہے ہر آن اس میں تغیرات رونما ہوتے رہتے ہیں نئی چیز پرانی ہو جاتی ہے مضبوط کمزور ہو جاتی ہے سالم میں نقص آجاتا ہے تازہ چیز کھلا جاتی ہے نباتات کسی وقت نہ ختم ہوتی ہیں انہیں وجود ملا، بڑھیں پھلیں پھلےں بہاؤ دکھائی پھر آہستہ آہستہ رو بزدال ہوتی گئیں آخر اگلی مٹ گئیں پھر دوسری آئیں وہ مٹ گئیں پھر اور آئیں اسی طرح نباتات کا مسلسل میل و جولانہ نہ تھتھ پیدا ہوئے بچے نئے جوان ہوئے پھر بوڑھے ہوئے اور صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئے یہی حال انسان کا ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچہ تھا پیدا ہوا بڑھنے لگا، گٹھلیوں چلنے لگا طاقت آتی گئی دوڑنے لگا شباب آیا پھر بوڑھاقت ملی قوتیں کامل ہو گئیں عروج پر پہنچا جوانی کی مہاریں ختم ہوئیں زوال کی خزاں آئی طاقتیں گھٹنے لگیں قویٰ مضمحل ہو گئے اعصاب کمزور اعضا میں ضعف پیدا ہو گیا آہستہ آہستہ تمام طاقتیں جواب دینے لگیں قدم دھوکھلانے لگے کمر جھک گئی سننے کی طاقت گھٹ گئی بصارت جانے لگی زمین پر اترا کے چلنے والا غرور و پندار کے نشے میں بدمست اکڑ کے چلنے والا اپنی جوانی پر ناز کرنے والا

کپڑوں سے گرد و غبار جھاڑ کر صاف ستھرا رہنے والا قبر کی آغوش میں منوں مٹی کے نیچے ابدی نیند
جا سویا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں

ہر شئی مسافر ہر چیز راہی کیا چاند تار سے کیا سرخ و ماسی

ایک اور شاعر فرماتے ہیں

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں
دنیا متغیر ہے ہر شئی متغیر ہے کوئی چیز ایک حالت پر برقرار نہیں اس دنیا کا تغیر و زوال بتاتا ہے کہ یہ
دنیا حادث ہے یہ جہاں مخلوق ہے اسی چیز میں تغیر و زوال رونما ہوتا ہے جو حادث ہو مخلوق ہو کوئی مقتول
بغیر قاتل کے نہیں کوئی مصنوع بغیر صانع کے نہیں کوئی ایجاد بغیر موجد کے نہیں تو کوئی مخلوق بغیر خالق
کے کس طرح ہو سکتی ہے۔

کوئی متحرک بغیر محرک نہیں کوئی چلنے والا چلانے والی قوت کے بغیر نہیں دنیا کی کوئی فیکٹری کوئی
مشین کوئی مل کوئی کار کوئی لاری کوئی گاڑی کوئی جہاز بغیر چلانے والی قوت کے متحرک نہیں تو سارے جہاں
کا اتنا بڑا کارخانہ زمین پر زمین میں پانی میں ہوا میں آسمانوں میں جو دن رات قدرت کے کارخانے چل
رہے ہیں کیا بغیر چلانے والے کے چل رہے ہیں نہیں! ہرگز نہیں اس عالم کے عظیم کارخانے کو جو زمین لائے
والی اس کو چلانے والی ایک ان دیکھی ہوتی ہے ایک غائبانہ قوت ہے جو کائنات کا نظام چلا رہی ہے
جسے چہرے کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتی دل کی آنکھیں یقین کی قوت سے دیکھتی ہیں سائنس اسے ”غیمجر“
کے نام سے پکارتی ہے، فلسفہ اسے ”طبیعت“ کہتا ہے اور اسلام کی آواز ہے وہ اللہ ہے جو
رَبُّ الْعَالَمِينَ ہے۔

خالق اور مخلوق میں مغایرت ضروری ہے یعنی خالق مخلوق کا بغیر ہے دونوں ایک نہیں
دوسری دلیل ہر شے اس کی توضیح یوں ہے کہ مثلاً زید مخلوق ہے اور اپنا خود خالق ہے، یہ محال
اور باطل ہے اس واسطے کہ زید مخلوق ہے یعنی پیدا کیا گیا ہے پہلے نہ تھا کسی وقت نہ تھا اب پیدا ہوا
پیدا ہونے سے پہلے معدوم تھا اس کا وجود نہ تھا کیونکہ پیدا ہونے سے پہلے موجود نہ ہونا خلاف عقل ہے
اگر موجود ہوتا تو پیدا کیوں ہوتا پیدا ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ پہلے معدوم تھا موجود نہ تھا اگر ان خالق
وہ خود ہو تو خالق کے لئے وجہ کا ہونا لازمی ہے پیدا ہونے سے پہلے اس کا وجود ضروری ہے کیونکہ خالق
جب خود موجود نہیں خود صاحب وجود نہیں تو دوسرے کو جو کس طرح بخش سکتا ہے؟
کیا خود معدوم کسی دوسرے کو پیدا کر سکتا ہے؟

اگر پیدا ہونے سے پہلے اسے موجود تصور کیا جائے تو ثابت ہوا کہ پہلے ہی سے موجود ہے تو مخلوق کیونکہ ہوا وہ تو قدیم ہوا اور معدوم یعنی غیر موجود تصور کیا جائے تو پھر خالق کس طرح ہو سکتا ہے کیونکہ جو خود موجود نہیں معدوم ہے وہ دوسرے کو کیسے پیدا کر سکتا ہے یہی کلیہ یہی قاعدہ وقانون ہر مخلوق جائدار یا بے جان میں جاری ہو سکتا ہے۔ تو ماننا پڑتا ہے کہ مخلوق اور ہے خالق اور ہے جہ مخلوقات اپنے وجود میں محتاج غیر ہیں اور جس کی محتاج ہیں وہ خود بے نیاز ہے اس کا وجود اپنا ذاتی ہے۔ وہ ہے اللہ جو ”رب العالمین“ ہے۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے

فِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ تَدُلُّ عَلَى اِلَهٍ وَاحِدٍ

ہر شے میں اس کے وجود یعنی ہونے کی نشانی موجود ہے جو اپنی زبانِ حال سے پکارے کہ رہی ہے وہ ذات واحد و یکتا ہے۔

رب کا معنی ہے پرورش کرنے والا پروردگار تمام جہانوں کی کائنات تمام شان رب العالمین مخلوق کا پروردگار ہے، تربیت کا معنی ہے پرورش کرنا کسی چیز کی پرورش کرنا اس طرح کہ آہستہ آہستہ اس کی ترقی کے اسباب تیار کرنا اور اس کی بڑھوتری میں رکاوٹ پیدا کرنے والی اشیاء کو دور کرنا اور درجہ بدرجہ اس کو اس کے مناسب حال حد کمال تک پہنچانا۔

جس طرح باغبان زمین میں بیج بڑاتا ہے وہ کوئل کی صورت میں اگتا ہے پھر پرباغبان اس پرودے کی پرورش کرتا ہے اسے پانی دیتا ہے سردی گرمی سے اس کی حفاظت کرتا ہے ایسی چیزوں کو دور کرتا ہے جو اس کی نمو اور بڑھنے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں ساتھ اگنے والی بڑی بوٹیوں کو اکھاڑ چھینتا ہے کھا دیا وغیرہ جو اس کی نمو میں معاون ہیں استعمال کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ نہال ایک تن آور شجر کی شکل اختیار کر جاتا ہے اس پر پھل لگتے ہیں ڈالیاں پھلوں کے وزن سے جھک جاتی ہیں باغبان دیکھ کر خوش ہوتا ہے اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی ہے جب اسے اس کی محنت کا ثمر ملنے لگتا ہے۔

باغبان اس شجر کا یا ایک باغ کا پرورش کرنے والا ہے۔ اسے کہا جاسکتا ہے مُرْتِیُّ بُلْبُلِ، رَبُّ الْبُنَّانِ اسی طرح والدین اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔ اس کی جہانی تربیت کرتے ہیں غذا دیتے ہیں آغاز میں بچہ غذا حاصل کرنے کے قابل نہیں ماں اس کے منہ میں غذا دیتی ہے۔ اس کا بدن صاف رکھتی ہے غسل دیتی ہے۔ اس کے بدن پر مالش کرتی ہے۔ آنکھوں میں سرمہ لگاتی ہے۔ گرمی سردی سے بچاؤ کا انتظام کرتی ہے۔ بیماری کی حالت میں اسے دوا دیتی ہے۔ اسے اکیلا و تنہا نہیں چھوڑتی۔ اس کی

نگہانی کرتی ہے۔ اسے پہلاتی ہے۔ لوہیاں دے کر سلاقی ہے ہر طرح کا خیال رکھتی ہے۔ رفتہ رفتہ وہ اس پرورش سے ترقی کر کے حد کمال تک پہنچ جاتا ہے۔

باغبان ایک باغ کی پرورش کرتا ہے۔ والدین اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں۔ پرندہ اپنے بچے کے منہ میں دانہ ڈالتا ہے۔ ہر حیوان اپنی اولاد کی حفاظت کرتا ہے۔

آفتاب کا دنیا کی بہت سی چیزوں میں تربیت کا حصہ ہے۔ خصوصاً نباتات میں وہ اپنی حرارت سے پھولوں کو پکاتا ہے اور چاند اپنی ٹھنڈی روشنی میں پھولوں میں پاشنی ولذت پیدا کرتا ہے۔ آفتاب کی گرمی و ہیوست بدنوں میں حرارت غریزی ملکہ بدن عالم میں حرارت غریزی پیدا کرتی ہے گیگی و تر چیزوں کو سکھاتی ہے۔

عناصر اربعہ یعنی آگ، پانی، مٹی، ہوا یہ ہر جاندار کی زندگی کے بنیادی اجزاء ہیں اور ہر جانور کی زندگی کی بقا بھی انہی عناصر اربعہ کے اتحاد و یکجا نگت پر قائم ہے۔ وہ فرشتے جو ان عناصر کی نگہداشت پر مامور کی ہیں وہ ان عناصر کے نگہران ملائکہ ہیں۔ فلاسفہ کے مذہب میں ان کو ارواح و نفوس کہتے ہیں۔ مذہب اسلام میں ان کو ارباب انواع کہا جاتا ہے۔

مذکور بالا تمام مرتبی مستقل مرتبی نہیں ہیں بلکہ اپنی قوتوں اور اثرات میں وہ غیر کے محتاج ہیں ان کا وجود ان میں قوتیں ان میں تاثیرات ان کی اپنی ذاتی نہیں ہیں بلکہ ایک اور طاقت نے یہ تمام امور عطا کئے ہیں۔ علاوہ ان میں سے کوئی بھی تمام جہان کی پرورش کرنے والا نہیں ہے کوئی کسی ایک فرد یا چند افراد کی تربیت کرتا ہے کوئی کسی ایک نوع کوئی چند انواع کی کوئی کسی ایک حصہ کی کوئی کسی ایک قطعہ کی اس بنا پر یہ تمام مرتبی لائق حمد و ثنا نہیں لائق حمد و ثنا وہ ذات ہے جو ہر شے کی خالق ہر شے کو جو وجود بخشنے والی ہر ایک چیز چھوٹی ہو یا بڑی دیکھنے میں آتی ہو یا انسان کی آنکھیں اس کے دیکھنے سے قاصر و عاجز نہ ہوں زمین کے اوپر ہر یازمین کے اندر ہوا میں ہر فضا میں ہر پانی کے اندر ہوتا بلا بول نہروں میں دریاؤں میں سمندروں کی تہوں میں پہاڑوں میں پہاڑوں کی غاروں آسمانوں میں تحت الثریٰ سے عرش علیٰ ہنگ جاذبہ ہوا یا بے جان ادنیٰ ہر یا اعلیٰ ہر ایک کی دیکھ بھال کرنے والی ہر ایک کو اپنی ذاتی طاقت سے دیکھنے والی ہر ایک کی آواز اپنی ذاتی قوت سے سننے والی ہر ایک کے حرکت و سکون پر نظر رکھنے والی ہر ایک کی زندگی کی ضروریات کو جانسنے اور ان ضروریات کو پورا کرتے والی ان کی نشو و نما ان کی بڑھوتری ان کی جسمانی ترقی کے اسباب مہیا کرنے والی اور رکاوٹوں کو دور کرنے والی وہ ذات ہے جو درُتب العالمین ہے وہ لائق حمد و ستائش ہے وہی لائق عبادت ہے۔ اسی واسطے بندوں کو حمد و ثنا کا دھنک سکھا یا ہے

کہ کہہ رہا الحمد للہ رب العالمین " کائنات تمام جہانوں پر ہی اس کی ربوبیت کے صلے آٹھکار ہیں۔
 مدد رب العالمین " اللہ کی صفت ہے کہ زیادہ اللہ کی عظمت اور عیب ہے کہ محمد خدا کے لئے خاص
 کیوں ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ وہ مدد رب العالمین " اور رب العالمین ہی محمد کا مستحق ہے۔

کہا جاتا ہے کہ در ا الحمد داس الشکر، حمد سب سے بڑا شکر ہے۔ اور انسان پر رب العالمین کا
 شکر واجب ہے اس کی بے شمار نعمتوں سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔ ہم لاکھ عبادت کریں لاکھ حمد و ثنا
 کریں اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عابد شب و روز عبادت خدا میں مشغول رہتا تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ میں نے
 عبادت کا حق ادا کر دیا ہے اور اس کی نعمتوں کا شکر عبادت کی صورت کر دیا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ
 میں بہشت کی نعمتوں کا مستحق ہو گیا ہوں کیونکہ شکر ادا کرنے سے نعمتیں زیادہ ملتی ہیں اس کے بعد
 خداوند کریم کو پسند نہ آئے۔

ایک دن یہی عابد جنگل میں سے گذر رہا پانی کا غلبہ ہوا تلاش سے بھی پانی نہ ملا مایوس ہو کر موت کا
 انتظار کرنے لگا اس آٹھنا میں ایک آدمی نے حاضر ہو کر اس شرط پر عابد کو پانی کا پیالہ پیش کیا کہ زندگی کی
 آدھی عبادت پانی کے پیالے کے عوض بخش دے پانی سے مایوس اور زندگی سے مایوس عابد نے
 اپنی نصف عبادت بخش دی پانی پی کر پلٹ کر دیر کے بعد پھر پانی نے غلبہ کیا پانی نہ ملا نا اُمید ہو کر بیٹھ
 گیا کہ اتنے میں ایک آدمی حاضر ہوا اور پانی کا پیالہ بھر کر اس شرط پر پیش کیا کہ باقی آدھی عبادت بھی اس
 کے عوض دیدے۔ عابد نے یہ خیال کر کے کہ جان تو بچتی ہے پھر اور عبادت کر لوں گا باقی آدھی عبادت
 بھی دیدی۔ اس کی ساری زندگی کی عبادت دو پیالوں کے بدلے فروخت ہو گئی۔ قدرت کی طرف
 سے آواز آئی اور عبادت پر نثار کرنے والے ان عبادت کا حق کہاں تک ادا کیا اور میری نعمتوں کا شکر کتنا
 کیا۔ تیری ساری زندگی کی عبادت کاموں میرے پانی کے دو پیالے ہیں۔ بتاؤ نے میرا کتنا پانی ساری زندگی
 میں استعمال کیا۔ تو نے خود پیا، غسل کیا، کپڑے دھوئے اس کی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہو جا جب ہفت
 کی آواز زامہ عابد کے کان میں آئی تو مسجد میں گر پڑا اور عرض کرنے لگا پروردگار! تیری بخشش فضل
 کا امیدوار ہوں میں تیرا حق نہیں ادا کر سکتا اپنے فضل و کرم سے سرفراز فرما۔

بہر حال انسان کو اپنے منعم حقیقی کا شکر ادا کرنے پروردگار کی حمد کا ورد و ہر حال میں کہنا چاہیے۔ سچ
 ہو یا ملامت، غرضی ہو یا غمی، دکھ ہو یا سکھ ہر حال میں وہ سزاوار حمد ہے اور یہی خاصانِ خدا کا طریقہ ہے
 کہ ہر حال میں حمد خدا سے زبان کو تراورد دل کو روشن رکھتے ہیں بلکہ جس قدر ان پر مصیبتیں پڑتی ہیں وہ زیادہ

حدوثنا کرتے ہیں جناب امام حسین علیہ السلام سے زیادہ مصیبتیں کس پر آئیں ہر دکھ اور رنج کی گھڑی میں حمد و ثناء
تبیح و تقدیس اور صبر و شکر کے کلمات ادا کئے۔

مدینہ سے سفر کی تیاری

مدینۃ المعاصرین میں جناب جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ جناب امام مظلوم نے مدینہ سے مسافت کا قصد کیا تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ فرزند رسول ہیں اور ان کے دونوں اسوں میں سے ایک آپ ہیں میری رائے یہی ہے کہ آپ بھی یزید کے ساتھ مصالحت کر لیں جس طرح کہ آپ کے بھائی امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کے ساتھ مصالحت کر لی تھی تو امام مظلوم نے فرمایا کہ اے جابر میرے بھائی جناب حسن نے جو کچھ کیا حکم خدا اور حکم رسول کے مطابق کیا اور میں بھی وہی کروں گا جیسا حکم خدا اور حکم رسول ہوگا۔ کیا تو چاہتا ہے کہ اس امر میں جناب رسول اللہ امیر المؤمنین اور حسن مجتبیٰ کی گواہی اچھی تیرے سامنے پیش کروں اس کے بعد فرزند مصطفیٰ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی، کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان کا دروازہ کھل گیا ہے اور جناب رسول پاک، حضرت علی، امام حسن، حضرت حمزہ و جناب جعفر طیار آسمان سے نازل ہوئے اور زمین مدینہ پر قرار پکڑا۔

میں گھبرا گیا اور مرعوب ہو کے رہ گیا لیکن یہ سارا منظر آنکھوں سے دیکھتا رہا جناب رسالت نے میری طرف رخ کیا اور فرمایا کہ اے جابر میں نے حسن کا معاملہ جیل سے پہلے تباہ نہ دیا تھا تاکہ تو ان کے معاملات کو تسلیم کرے اور ان کے کسی فعل پر اعتراض نہ کرے۔

اے جابر کیا تو معاویہ اور اس کے بیٹے یزید کا ٹھکانہ اور میرے بیٹے حسین کا مقام دیکھنا چاہتا ہے جابر کہتا ہے میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ پس جناب رسول کریم نے زمین پر پاؤں مارا زمین پھٹ گئی اور ایک دریا ظاہر ہوا وہ دریا پھٹ گیا اور ایک زمین نکلی پھر وہ زمین پھٹ گئی اور ایک دریا ظاہر ہوا وہ دریا پھٹ گیا اور ایک زمین نکلی پھر وہ زمین پھٹ گئی اور اس سے دیا نکلا اس طرح سات مرتبہ ہوا یعنی سات بار زمین ظاہر ہوئی اور سات بار سمندر ظاہر ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ ان سات سمندروں اور سات زمینوں کے نیچے بہت بڑی آگ دھک رہی ہے اور اس آگ میں ولید بن مغیرہ، ابوجہل، معاویہ یزید ایک ساتھ زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ سرکش شیاطین ہم جنم دیا ہیں اور جہنم والوں میں سب سے زیادہ عذاب ان پر ہو رہا ہے اس کے بعد فرمایا اے جابر اپنا سر اٹھا اور

اوپر نگاہ کر جاہر بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور جنت کا نظارہ سامنے ہے جنت کے باغات اور عین سامنے دکھائی دے رہی ہیں حضور رسالتؐ اپنے ساتھیوں سمیت آسمان پر چلے گئے جب ہوا میں بلند ہوئے تو پکار کر فرمایا بیٹا حسین! آہمارے ساتھ مل جا پس جاب حسین علیہ السلام بھی ان کے ساتھ مل گئے پس وہ سارے اوپر چلے گئے اور جنت میں داخل ہوئے۔ جاہر کہتے ہیں کہ ابھی میں دیکھ رہا تھا کہ جاب رسالتؐ کی آواز آئی اور انہوں نے جاب حسین کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا فرماتے تھے جاہر یہ میرا بیٹا حسین ہے جو اس جگہ میرے ساتھ ہے پس اس کا امر تسلیم کر لے اور شک نہ کر تا کہ تیرا ایمان مضبوط ہو جائے جاہر کہتا ہے کہ اگر میں غلط کہوں تو میری دونوں آنکھیں اندھی ہو جائیں۔ وطن سے کسے محبت نہیں؟ اپنے گھروں اپنے شہر سے کون مانوس نہیں؟ پرند بھی اپنے آشیانے چھوڑنا پسند نہیں کرتے، کس مجبوری سے فرزند رسول مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوئے، مسجد نبوی سے جدا ہونا کب گوارا تھا وہ گھر جس میں ملائکہ کا نزول ہوتا تھا، جبریلؑ بچوں کو پہلایا کرتے تھے اور یاں دے کر جھولا بھلایا کرتے تھے جہاں پیغمبر پاک علیہم السلام کی پاک ٹھیں منعقد ہوا کرتی تھیں آج ان کے مہمن برباد ہو رہے ہیں دروازے بند ہو رہے ہیں محلہ بنی ہاشم میں کہاں ہے فضا داں ہے درود یار پر حشرت طہیثی ہے بتول کا لال سفر کی تیاری کر رہا ہے۔ بچہ میں کامل الزیارة کے حوالے سے مرقوم ہے کہ جب مولانا حسینؑ نے مدینہ سے سفر کا ارادہ کیا تو خاندان بنی عبدالمطلب کی تمام متواتر نوحہ و تزاری کے لئے ایک جگہ اکٹھی ہو گئیں ان کے جگر خراش مینوں اور دل گذار فریادوں سے زمین رزقی قبر رسول کا پختی اور فضا سوگوار نظر آتی تھی یہ حالت دیکھ کر جاب حسینؑ ان سننرات میں تشریف لے گئے ان گوسبر و متعل کی تلقین کی جاب امام کے گرد متواتر بنی ہاشم کا گھیرا تھا رونے کی صدا زیادہ بلند ہوئی سوگوار بیبیوں نے آہ و تزاری کرتے ہوئے کہا کہ یہ نوحہ و بکا کس کے لئے باقی رکھیں کیا آپ کے بعد کوئی ہمارا سہارا رہ گیا ہے آپ کی مدینہ سے رحلت کرنی معمولی واقعہ نہیں۔ یہ دن غم و ماتم میں وفات رسول کے دن سے کم نہیں۔ آج ایسا ہی غم کا دن ہے جس دن علیؑ کا جنازہ اٹھا تھا۔ صدمہ میں آج کا دن بتول کے یوم وفات کے برابر ہے۔ حسنؑ مسوم کے تیر جبرے جازے کے اٹھنے کے دن سے یہ دن کم نہیں۔ ان دنوں میں تو صرف ایک معصوم شخصیت ہوا تھا۔ آج مردوں عورتوں سے پورا تامل غالی ہو رہا ہے۔

اب آج سے بے وارث و والی ہے مدینہ اور پیغمبر پاک سے خالی ہے مدینہ
امام مانی ام مانی جاب امام حسینؑ کی چھوٹی بیٹی ہیں جنہیں کی وجہ سے عبارت کمزور تھی گھر میں بیٹی تھیں کہ یہی عبدالمطلب کی بیٹیاں روتی پلٹیں جاب امام مانی کے پاس آئیں اور کہا ام مانی آپ آرام سے بیٹھی ہیں اور

پنجتن پاک کی آخری یاد اہل و عیال سمیت گھر تنہا چھوڑ گئے حالانکہ اجاڑ ہو رہے ہیں۔ صمن خالی ہو رہے ہیں جناب ام بانی یہ خبر سن کر تڑپ اٹھیں۔ ضعیفی کی وجہ سے عصا کا سہارا لیا اٹھتی بیٹھتی مولا کے پاس آئیں امام مظلوم کی نظر پڑی کہا چھوچی! آپ کس طرح تکلیف کیے اس حالت میں آئیں رو کر کہا کیوں نہ آتی میں نے سنا ہے کہ بیواؤں کا سہارا یتیموں کا والی، پنجتن پاک کی آخری نشانی، قبر رسول کا مجاور ہے بس مدینہ چھوڑ رہا ہے اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے بھائی علی کی یادگار کو گلے لگایا اور اپنے باپ حضرت ابوطالب کے یہ شعر پڑھے۔

وَأَتَّبِعُ نِسْفِي الْإِنْعَامَ بِوَحْبِهِ
ثَالِثِي عِصْمَةٍ لِلَّهِ رَاحِلٍ
تُطَوِّفُ بِهِ أَهْلَكَ مِنْ أَلْهَاتِهِ
فَلَمْ عِنْدَهُ فِي لِعِمَّةٍ وَفَوَاضِلِهِ

اس کے بعد جناب ام بانی نے کہا بیٹا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر سلامتی کا سفر نہیں۔ مولا نے کہا چھوچی جان! جو امر مقدر ہو چکا ہے وہ ہرنے والا ہے اس کے بعد جناب ام بانی آہ دیکھا کرتے ہوئے روانہ ہوئیں روتی بھی جاتی تھیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں۔

وَمَا أُمُّ هَانِي وَحْدَهَا سَا جَالِهَا
خُرُوجَ حُسَيْنٍ عَنْ مَدِينَةِ جَدِّهِ
وَالْكُفَا الْقُبُورَ اشْتَوَيْتُ وَمَنْ بِي
وَمَنْبُوءٌ يَكُونُ مِنْ أَجْلِ فَقْدِهِ

اے ام بانی حسین کے مدینہ سے چلے جانے سے صرف توبہ حال نہیں ہوئی۔ قبر پاک اور صاحب قبر محراب و منبر حسین کی جدائی سے رو رہے ہیں۔

ام سلمہ جناب ام سلمہ کو امام حسین سے بہت زیادہ محبت تھی۔ ازواج رسول پاک صلعم میں سب سے زیادہ انس امام مظلوم سے آپ کو تھا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اکثر جناب رسول اللہ کو حسین سے مختلف انداز میں قوی اور عملی طور پر محبت کرتے دیکھتیں اور قربت خدا اور قربت رسول ملاح دایین سنت رسول سمجھتیں۔ علاوہ ازیں جناب امام پاک کی پرورش میں بھی جناب ام سلمہ کا کافی حصہ تھا سیرت و تاریخ کی کتابوں میں باتفاق درج ہے فَكَفَلْتَهُ اُمُّ سَلَمَةَ۔ پس ام سلمہ ان کی کفیل ہوئیں یعنی پرورش کی۔ چنانچہ امام پاک کی شہادت کی پیش گوئیاں زیادہ تر ام سلمہ کی زبان سے مروی ہیں جس طرح خداوند عالم نے اپنے پیارے رسول کو ان کے پیارے نواسے کی شہادت سے پہلے آگاہ فرمادیا تھا اسی طرح جناب رسالت اکبر نے جناب ام سلمہ کی محبت والہنت ملاحظہ فرما کر ان کو بھی ان کی شہادت سے آگاہ کر دیا تھا اور جس طرح جناب سیدہ کو شہادت کی خبر دی تھی اسی طرح ام سلمہ کو بھی اطلاع کر دی۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا ضرورت کے وقت اپنے اس پارہ جگر کو اپنی مادر مہربان سے لے

بے فزاری کے عالم میں میرے گھر میں جمع ہو گئیں۔ پوچھا اُم سلمہ کیا ہے۔ میں نے کہا سر پیٹ لو، سروں کے بال کھول دو، حسین بن علی اپنے ساتھیوں سمیت مارے گئے۔ فرزندِ رسول ذبح کر دیئے گئے، بتوں کی بیٹیاں فریاد کرتی رہیں، حسینؑ ہلّ من ناصیٰ کی صدا دیتے رہے، مگر امت بے رحم نے گشتِ زہراؑ تاراج کر دیا، لوگو! ابھی ابھی رسولؐ پاک اگر مجھے بتا گئے ہیں۔

دیکھو! اس شیشی میں مٹی نہیں غون کھول رہا ہے، حسینؑ شہید کر دیئے گئے، مدینہ برباد ہو گیا، مکہ بنی ہاشم ویران ہو گیا، لوگو! دیکھو یہ حسینؑ کے گھرا جڑ گئے۔ اب کون آئے گا، کون ان گھروں میں آباد ہوگا۔ عواد اور اجاب ام سلمہ اور ام البنین، ام ہانی خواہر علی، ام لقمان بنت عقیل اور دوسری خاندان بنی ہاشم اور مدینہ کی عورتیں جمع ہو کر اس قدر روئیں کہ خباب رسولؐ پاک کی وفات کے دن احد حسینؑ کے مدینے چھوڑنے کے دن کا ماتم تازہ ہو گیا، مدینے میں کہرام تھا۔ تمام عورتیں زحرہ و ماتم کرتی ہوئی قبرِ رسولؐ کی طرف روانہ ہوئیں۔ گریبانِ پاک تھے، سروں کے بال کھلے تھے۔ قبرِ رسولؐ پر جا کر بلند آواز سے کہا یا رسول اللہ تیرے دوش کا سوار مارا گیا، تیری آغوش کا پالا مارا گیا۔ جس کے گلے کا بوسہ لیتے تھکتے نہ تھے اس پر خنجر چل گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا قبر کا پ رہی ہے۔ زمین تھر تھرا رہی ہے۔ فضاء مدینہ سو گوار ہے۔ ہاشمی عورتوں کے زحرہ و بین سے کیجے پھٹ رہے ہیں

اللعنة الله على القوم الكاذبين



چوتھی مجلس

سامان سفر

اب ہم اس سامان سفر کا ذکر کرتے ہیں جو فرزند رسولؐ شاہ و شہنشاہ حجاز شاہ دنیا و آخرت نے اپنے ساتھ لیا۔ یہ ایک طویل سفر تھا اپنا پورا کنبہ اور بی بی ہاشم کا اکثر خاندان ہمراہ تھا ہر قسم کی ضروریات زندگی اور اسباب معیشت ساتھ لئے تاکہ راستے میں کسی منزل و مقام پر غیروں کی احتیاج نہ رہے گو ان کی زندگی سادہ تھی لیکن مفلس و غریب نہ تھے۔ امیروں کے امیر اور شاہوں کے شاہ تھے۔ ان کی خیرات کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا اور محتاجوں کی ضرورتیں پوری ہوتیں۔ درہم و دینار کی تقسیم کے علاوہ غلے، کپڑے اور مولیٰ ربرڑوں کی صورت میں سائین کو دیئے جاتے۔ امام حسنؑ کی امیری تو مشہور ہی ہے وہ امام حسینؑ کے بھائی تھے دونوں بھائی امیر تھے۔ آخر اس قدر خیرات، اتنی سخاوت اور اتنی بخششیں اپنے ذاتی مال میں سے کرتے۔ غیروں کے اموال سے تو خیرات نہیں کرتے۔ بے شک بہت بڑے امیر تھے اور اتنا بڑا امیر جب ایک طولانی سفر اختیار کرے تو کیا کچھ ساتھ نہ لیا ہوگا، میرے مولا نے بہت سامان ساتھ لیا۔ آپ سنتے رہتے ہیں کہ مولا کا ازار بند کتنا قیمتی تھا جس کے حصول کے لئے جمال ملعون نے لعنت دل تبرائ کے بانو قلم کئے، جن کا ازار بند اتنا قیمتی ہو بانی سامان ان کا کس قدر عالی شان اور کثیر ہوگا۔

صاحب معالی السبطین عالم و داعی شیخ محمد مہدی مازندرانی لکھتے ہیں کہ میں نے بعض کتب میں دیکھا ہے کہ جب امام حسینؑ نے مدینے سے کوچ کا ارادہ کیا تو ان کے پاس ان کی اولاد، ازواج، بھائی بہنیں، ان کے قریبی عزیز، ان کے بھتیجے، بھتیجیاں، غلام کنیزیں اور خاندان بنی ہاشم کے بہت سے افراد اکٹھے ہوئے جن کی تعداد تمام زن و مرد صغیر و کبیرہ کے ایک سو سے زیادہ بنتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مولا کے ساتھ مدینے سے مکہ اور مکہ سے عراق گئے۔

جب تیاری کا وقت آیا تو مولا نے حکم دیا کہ کثیر تعداد میں گھوڑے زینوں سمیت حاضر کئے جائیں

اور کثیر تعداد میں اونٹنیاں جب یہ پیش کئے گئے تو امر فرمایا کہ ستر ناقے مخصوص کئے جائیں جنہیں کا سامان اٹھانے کے لئے بہت سی اونٹنیوں پر غیے لادے گئے اور کئی اونٹوں پر کھانے پہلنے کے چھوٹے بڑے بٹن اور خوراک کا سامان وغیرہ اور کئی اونٹ مخصوص کئے گئے تھے پانی کی بھری ہوئی مشکوں کے لئے کیونکہ عرب و عراق کی زمین کا بہت بڑا حصہ بے آب و گیاہ ہے۔ سینکڑوں میلوں تک پانی کا نشان نہیں ملتا مظلوم کے ساتھ کافی تعداد مستورات و اطفال کی تھی۔ گرمی کا موسم تھا۔ لہذا زہار نے پانی کا سامان مکمل کر رکھا تھا۔ کئی اونٹوں پر اخراجات کے لئے درہم و دینار (عربی سکے) زیورات، پارچات، پوشاکیں، مینی چادریں، خوشبوئیں اور عام کپڑے لادے گئے۔

تبرکاتِ معصیہ بہت سی اونٹنیاں، اپنی ہاشم کی مستورات، خورد سال بچوں اور ان کی کنیزوں کے لئے مخصوص تھیں۔ باقی اونٹوں پر دوسرا عام سامان جس کی غریب عموماً ضرورت پہنچتی ہے علاوہ مذکورہ سامان کے رکھا گیا تھا۔ جب یہ اشیاء جمع ہو گئیں تو اپنے لئے ایک خاص گھوڑا پیش کرنے کا حکم دیا اس گھوڑے کا نام مرتجز تھا۔ جناب رسول پاک کی خاص سواری تھی اور حضور پاک کا پیارا راہوار تھا وہ جناب امام حسین کو نامانگی طرف سے عطا ہوا۔ یہی وہ گھوڑا تھا جس پر روزِ عاشور سوار ہو کر میدانِ کارزار میں نکلے تھے مصعبین کی لڑائی میں جناب امیر المومنین اس پر سوار ہو کر مشغول جہاد ہوئے اور کہ بلا میں اس پر فرزند رسول سوار ہو کر فرجِ اشقیاء کے سامنے آئے۔

اس کے بعد جدِ امجد کی خاص تلوار مشکاف اور گلے میں حائل کی۔ اس تلوار کا نام تبار تھا اور رسوب اور غضب بھی کہا جاتا ہے اس تلوار پر شمع نقش تھا۔

فِي الْحَبِيبِ عَادُوْنِي اِلَّا قَدَامَ مَكُوْمَةٍ وَالْمَوْتُ بِاَلْحَبِيبِ لَا يَنْجُو مِنْ الْقَدْرِ ترجمہ۔ بزدلی میں عار ہے اور قدم بڑھانے میں قدر و عزت ہے۔ اور بزدلی کی وجہ سے آدمی قضا و قدر سے نہیں بچ سکتا۔ جنگِ مصعبین میں یہ امیر المومنین کے پاس رہی اور کہ بلا میں فرزند رسول نے اس کے ساتھ لڑائی جہاد کیا کہ بارہ میل تک میدانِ قتال سپاہِ اشقیاء سے خالی ہو گیا تھا۔

مہر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذرہ لانے کا امر فرمایا جسے سعدیہ، ذات الفضول اور ذات الوشاح کہا جاتا تھا اور مولائے مظلوم کو جدِ امجد سے ورثہ میں ملی تھی۔ یہی ذرہ پہن کر امام پاک روزِ عاشور فرجِ اشقیاء کے پاس آئے ان لوگوں کو نصیحت کی اور فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کہ پرچھتا ہوں کہ یہ وہ ذرہ نہیں ہے جو میرے نانا رسول اللہ پہنا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے کہا ہاں بے شک!

اس کے بعد تبرکات میں سے جناب رسول پاک کا عمامہ مبارک طلب فرمایا جس کا نام صحابہ تھا یہ عمامہ حضور پاک بدر و خنین کے معرکوں میں سر پہرہ باندھے ہوئے تھے۔ وراثت امامت و خلافت میں مولائے مظلوم کو ملا۔

آخر میں وہ خاص حربہ (بھیلا) جو عسکارت (ایک قسم کا عصا) کے مشابہ تھا۔ اپنے ساتھ لیا اس حربے کا نام عنترہ تھا اس جھالے کو عموماً حضور پاک سفروں میں اپنے ساتھ رکھتے۔ عید کے روز اور سفر میں نماز کے وقت اپنے سامنے گاڑ دیا کرتے۔ روز عاشورا سی حربے کو گاڑ کر اس بڑیکہ کرتے بڑے بڑے اس کے پاس آکر سہارا لیتے اور لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم پڑھتے۔

حضرات مومنین! اس ساز و سامان کے ساتھ اور ان تبرکات کے ساتھ شاہ حجاز مدینے سے نکلے۔ کتنا بڑا سامان، کتنے تبرکات، قرآنِ جاہلیں ہماری لاکھ جانیں رسولِ زادوں کی غربت و بے کسی پر کہ روز عاشور بعد عصر ہی سامانِ امتِ رسولِ لٹ رہی ہے اور نبی زادیاں حسرت سے دیکھ رہی ہیں وہ غصے جو ستر اونٹوں کا بار تھے جل رہے ہیں اور بتول کی بیٹیاں ناخروہوں سے چھپنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کر رہی ہیں۔ غصے اور قناتیں جل رہی ہیں اور بنو ہاشم کے بچے اور بچیاں ادھر ادھر دوڑ رہی ہیں۔ مائیں کہیں ہیں اور بچے کہیں۔ بچوں کے ہاتھوں سے ماؤں کے دامن چھوٹ گئے۔ بیٹیاں بے تماشا جنگل کی طرف نکلیں اور بچے بے قرار ہو کر کہیں بھاگے۔ بچوں کو ماؤں کی خبر نہیں اور ماؤں کو بیٹوں کی سنبھال نہیں، امتِ رسول۔ قناتیں بتول بے دریغ لٹ رہی ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اس قدر قیمتی چادریں ہمراہ تھیں جو کئی اونٹوں پر لدی ہوئی تھیں مگر وقتِ عصر نہ ہوا جائیوں کے سرریاں اور بال ننگے تھے سر چھپانے کے لئے کوئی چادر نہ مل سکی۔

جس طرح کسی کو موقع ملا مالِ غنیمت سمجھ کر لوٹا۔ اولادِ رسول کو لوٹا۔ بناتِ بتول کو لوٹا۔ نسا بنی ہاشم کو لوٹا۔ شبِ عاشور تک تو سید زادیوں کے وارث و اقربا بھی موجود تھے اور تبرکات و پوشاکیں بھی موجود تھیں لیکن عصرِ عاشور کے بعد نہ وارث رہے نہ اقربا رہے۔ نہ گھر والے رہے نہ گھر رہے۔ آسمان تو کیوں نہ گر پڑا۔ اولادِ رسولِ پیاسی لگتی رہی اور قناتیں بتول بے تماشا لگتی رہی اور تو دیکھتا رہا۔ مسلمانو! چادریں۔ پوشاکیں اور دوسرا سامان تو بے وارث سمجھ کے لٹ گیا تھا۔ آخر ذریتِ رسول تھیں۔ شریفِ خاندان کی مستورات تھیں۔ صاحبِ عصمت و پردہ دار بیٹیاں تھیں کانوں سے زیورات تو نہ اتارتے۔ بے کس و بے بس بے وارث جان کر ہاتھوں اور پاؤں سے ظلم و جور کے ساتھ زیورات نہ اتارتے۔ اسے زمین کہلاتا تو کس طرح یہ منظر دیکھتی رہی کہ آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اولادِ رسول کے

گھر رکھ بن رہے ہیں۔

زہرا کی بیبیاں جو کھسے سنکھل پڑیں سب بیبیاں خیاں سے باہر نکل پڑیں
ادھر خبیجے لوٹے جل گئے۔ اہل حرم کو مستایا۔ بنی زادوں کو لوٹا۔ ادھر فرزند رسول کو لوٹا ماں فرزند رسول
کی لاش کو لوٹا، کسی نے زہرا آٹاری کسی نے پیرا بن آٹا کسی نے عامہ لیا۔ کسی نے انگوٹھی آٹاری۔ تبرکات
رسول لوٹے مواریت علی و بتول لوٹے بجائے اس کے کہ بدن پاک سے تیروں کی نوکیں نکالنے۔
بدن میں چسپے ہوئے سنگریزے نکالنے۔ لاش پر لوٹ مجاوی۔ لباس آٹا را۔ ظالم حمال نے کمر بند کی خاطر
رسول و بتول کو بے قرار کر دیا۔ لاش پاک کی وہ بے ادبی کی کہ زمین کا پانی آسمان لرزا۔ رسول روئے علی نے
ماتم کیا۔ بتول نے فریاد کی۔ امام حق نے دہائی دی۔ اس ملعون نے پہلے وایاں ہاتھ کاٹا پھر بابا ہاتھ کاٹا عباس
کے زندگی میں دونوں نے تیری موت کے بعد تیرے دونوں ہاتھ کٹے۔ بتول کی بیٹی بھرا گھر ساتھ لے کے
کر بلا آئی اب بھائی خبیجہ بھرا گھر لگا کر خالی ہاتھ شام کو چلی۔
فریاد از غریبی و بے یاری حسین و ز نالہ مائے دمدم و زاری حسین

مسافرین کر بلا

اب ذیل میں اس مقدس قافلہ کی فہرست درج کرتے ہیں جو مدینہ سے امام وقت خلیفہ رسول مرکز
شہر بیت خباب امام حسین بن علی علیہما السلام کی معیت میں حفاظتِ دین اور نصرتِ حق کے لئے عازم
عراق ہوئے۔ یہ نفوسِ قدسیہ ایک خاص مقصد کے تحت اور مقدس نصب العین کی خاطر وطن کی محبوب
سرزمین پاک پنجمبر کی پیادہ و پاک مزار خباب سیدۃ النساء فاطمہ زہرا کی حریج اقدس اور خباب بن مہذب
کی قبر مطہر چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ گھروں کا مانوس صحن۔ محبوب دیواریں مالوت آب و ہوا کو محض حق کی
سر بلندی کے لئے خیر باد کہا۔ اسلام کی حفاظت اور حریت کی شمع فروزاں رکھنے کے لئے ولیں کی راحت
کو چھوڑ کر پردیس کا رنج قبول کیا۔

ان کے سفر کا مقصد ملک گیری نہ تھا نہ مال غنیمت۔ بلکہ شہادت مطلوب اور شہریت مقصود و حق
جب کسی کام کا مقصد نیک غرض ملندہ اور نصب العین اعلیٰ و ارفع ہو تو اس کے حصول میں جس قدر مشکلات
پیش آئیں ایک مستقل مزاج اور پختہ ارادے والا انسان شکلوں کو حل اور رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے
اپنا سفر جاری رکھتا ہے اور تہمت و کشتش سے کتنی دیر منزل ہوا پالتا ہے۔ ایسے مقدس مقصد اور بلند

نصب العین کی خاطر سختیوں، تکلیفوں، مصیبتوں کو سنہی خوشی قبول کر لیتا ہے۔

مسافرین مدینہ کے سامنے جو نصب العین تھا اس سے بڑھ کر کوئی نصب العین مقدس اعلیٰ پیارا اور خوشنودی پروردگار کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ وہ نصب العین تھا حریت انسان، حفاظت دین و شریعت نصرت حق باطل کا مقابلہ ظلم و تشدد کے خلاف جہاد، طاغوتی طاقتوں کا دفاع۔ یہ ان مسافرین جادہ حق و صدق کی خوش قسمتی ہے کہ ان کو اس مقدس مشن میں شامل ہونے کا موقع ملا اور کاتب قصاص نے فرزند رسول جناب سید الشہداء کی رفاقت میں یہ سعادت اس کاروان حجاز کے حصے میں لکھ دی۔

ہماری لاکھ جانی قربان خاندان نبی ہاشم کے ان مردوں، عورتوں، بچوں بلکہ غلاموں اور کینیزوں پر جنہوں نے انسانیت کی روح اور حق و صداقت کی سر بلندی کے لئے وطن کے پیٹھے پانی ٹھنڈے ساٹے، حجاز و عراق کی دھوپ پر قربان کر دیئے۔

اب ہم اس کاروان صدق و صفا کے آسمان گرامی تحریک کرتے ہیں یہ مسافرین عراق مردوں، عورتوں، بچوں اور غلاموں سمیت ایک سو سے زائد افراد پر مشتمل ہیں۔

اولاد علی ابن ابیطالب سلام اللہ علیہم

پسران علی بن ابیطالب

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام بن امیر المؤمنین وابن فاطمہ الزہراء سیدۃ النساء العالمین فاطمہ سالار

حضرت ابو الفضل عباس بن علی وابن ام البنین فاطمہ کلابیہ سپہ سالار فوج حسینی و علمدار لشکر

حضرت عثمان بن علی وابن ام البنین برادر جناب عباس

حضرت جعفر بن علی وابن ام البنین برادر جناب عباس

حضرت عبداللہ بن علی وابن ام البنین یہ چاروں جوان جناب ام البنین کے لڑکے ہیں مبارک سے تھے

حضرت محمد الاصر بن علی اور ان کے بھائی جناب ابو بکر بن علی یہ دونوں بھائی علی ابن ابنت

مسعود امیر کے فرزند ہیں ان کی والدہ بھی سانحہ تھیں۔

دختران علی بن ابیطالب

جناب ام المصائب ثمانی زہرا اشترکیہ الحیین زینب الکبریٰ بنت امیر المومنین و بنت فاطمۃ الزہراء سیدۃ النساء جناب زینب سلام اللہ علیہا کا تھان کی صاحبزادی جناب کلثوم الصغریٰ بھی شریک سفر ہو کر وارد کربلا ہوئیں۔ جناب زینب الصغریٰ بنت امیر المومنین و بنت سیدۃ النساء العالمین کنیت ام کلثوم زوجہ محمد بن جعفر طیار۔ جناب خدیجہ ایک کنیز کے بطن مبارک سے تھیں اور جناب عبدالرحمن بن عقیل کی زوجہ تھیں۔ ان کے دو فرزند سعد اور عقیل بھی ان کے ہمراہ کربلا آئے۔ شہادت امام مظلوم کے بعد پیاس کی شدت اور ظالموں کے خوف اور ڈر سے اس قدر گھبرائے کہ جاں بحق ہو گئے۔ رقیۃ الکبریٰ جناب سلم بن عقیل کی زوجہ تھیں ان کے دو بیٹے عبداللہ بن مسلم و محمد بن مسلم ماں کے ساتھ کربلا آئے اور اپنے مامول جناب امام حسینؑ پر جان نثار کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوئے آپ کی ایک دختر جناب عاتکہ بنت مسلم بھی ماں کے ساتھ کربلا آئیں کربلا میں اس محصورہ کی عمر سات سال کی تھی بعد از شہادت جب خیموں پر حملہ ہوا اور سادات کے مہیے جلائے گئے تو سیدائیاں گھبرا کر خیموں سے باہر جنگل کی طرف نکلیں اور معصوم بچے گھبرا کر ادھر ادھر بھاگے تو بچوں کے ہاتھ ماؤں کے دامنوں سے چھوٹ گئے اور بے قراری اور پریشانی کے عالم میں مائیں کہیں اور اولاد کہیں تھی یہ محصورہ گھبراہٹ کے عالم میں فوج اشقیاء کے گھوڑوں کے سموں تلے پاٹمال ہو گئیں۔ ام ثمانی۔ ان کی ماں ایک کنیز تھیں اور جناب عبداللہ الاکبر بن عقیل کے جائز نکاح میں تھیں ان سے محمد الاوسط پیدا ہوئے

زینب الصغریٰ:۔ ان کی ماں بھی کنیز تھیں اور محمد بن عقیل کی زوجہ تھیں ان سے ایک لڑکا عبداللہ پیدا ہوا۔

رملۃ الکبریٰ:۔ ان کی ماں کا نام ام مسعود بنت عروۃ الثقفی ہے ان کے شوہر جناب عبدالرحمن الاوسط بن عقیل ہیں۔

رقیۃ الصغریٰ:۔ ان کی ماں بھی کنیز ہے۔ جناب امیر المومنین کے بقیعے سے ان کی شادی ہوئی۔ فاطمہ:۔ ان کی والدہ بھی ام ولد ہیں اور ان کے شوہر کا نام ابوسعید بن عقیل ہے۔ ان کی ایک دختر حمیدہ ہے۔ ان کا ایک بیٹا محمد بن ابی سعید کربلا میں اپنی ماں کے ساتھ تھا عمر ان کی سات سال تھی

جب جناب امام مظلوم میلان میں گھوڑے سے گرے اور ہلّی بن ناصی کی آواز دہی میں منوٹا کی بے چینی پڑھی اور کہرام مچا سوا تو یہ بچہ خیمے سے باہر نکلا ہاتھ میں خیمے کی چوب تھامے ہوا تھا باہر نکلا اور اس کی ماں در قنات سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ بچہ گھبرا کر دائیں بائیں طرف کے دیکھتا تھا اور کانوں میں گوشوارے حرکت کر رہے تھے۔ ایک ظالم ملعون نقیض بن اباس جہنمی نے معصوم بچے کو شہید کر دیا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہانی بن شیبیت حضرمی نے تیرا راجا اس معصوم بچے کی کمر پر لگا بچہ تاب نہ لا کر زمین پر گر پڑا اور شہید ہو گیا۔

خدیجۃ الصغریٰ: جناب عبداللہ الاوسط بن عقیل کی بہری تھیں۔

ازواج و حرمہائے علی ابن ابیطالب

جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی ازواج محترمات اور حضنور کے حرمہائے کمرات یعنی کنیزیں جو صاحب اولاد تھیں امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ مدینہ سے کربلا آئیں اپنی اولاد کے ساتھ ان کی تعداد ساتھی ہے۔

الصباء الثعلبیہ جناب زرقیۃ الکبریٰ زوجہ جناب مسلم کی والدہ تھیں۔

ام مسعود بنت عروۃ الشقیّی جناب رطلہ کی ماں تھیں

لیلیٰ بنت مسعود دارمیہ

اُمّ زینب الصغریٰ، اُمّ خدیجہ، اُمّ رقیہ، اُمّ فاطمہ۔ ان میں کچھ ازواج تھیں اور باقی سب صاحب اولاد کنیزیں تھیں۔ جناب امام حسین علیہ السلام کی چھوٹی جانتہ بنت ابی طالب ان کے ہمراہ کربلا آئیں اور اُمّ ہانی بنت ابی طالب نفعی کی وجہ سے مدینہ میں آگئیں۔

اولاد جناب عقیل بن ابی طالب علیہما السلام

جناب عقیل کے فرزندوں اور پوتوں کی تعداد بارہ ہے۔ جناب مسلم بن عقیل مع دو فرزندوں کے کوفہ میں شہید ہوئے۔

جعفر بن عقیل :- ان کی والدہ کا نام اُمّ الشجر بقوے اُمّ الخوصاء العامریہ ہے۔

عبدالرحمن بن عقیل :- ان کی والدہ اُمّ ولدیں، عبداللہ الاصفہر بن عقیل اُمّ ولد کے لطن سے ہیں۔

موسیٰ بن عقیل :- علی بن عقیل، عون بن عقیل

عبداللہ بن مسلم: محمد اصغر بن مسلم حضرت مسلم بن عقیل کے چار فرزند شہید ہوئے۔ دو کو فرہیں اور دو میدان کر بلا میں حق و منافقت ادا کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرما گئے۔ محمد بن ابی سجد بن عقیل: یہ کل تعداد بارہ ہے۔

اولاد جناب جعفر طیار بن ابی طالب علیہما السلام

عون و محمد یہ دونوں عبداللہ بن جعفر طیار کے صاحبزادے ہیں ان کی والدہ گرامی جناب زینب الکبریٰ بنت علی و فاطمہ ہیں۔ اس وجہ سے جناب جعفر طیار کے پوتے اور حضرت علیؑ کے نواسے دادا اور نانا کی شجاعت کے ورثہ دار ہیں۔ میدان کر بلا میں انہوں نے شجاعت کئے وہ جو ہر دکھائے کہ کوئی دشمنی فوج کے چلے چھڑا دیئے۔

اولاد الحسین علیہم السلام

حضرت علی بن الحسین زین العابدین ان کی والدہ گرامی شاہ زنان یا شہر بانو امام زین العابدین علیہ السلام کی ولادت کے چند روز بعد مدینہ میں انتقال فرما گئیں۔ جناب علی اکبر باعلیٰ اوسط ان کی ماں کا اسم گرامی علی بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود

جناب علی اصغر

ان کی والدہ جناب رباب بنت امرئ القیس ہیں۔ یہ تینوں حضرات کر بلا میں آئے، جناب امام حسینؑ کے فرزند جناب جعفر بن حسین ہیں۔ ان کا مدینہ میں انتقال ہو گیا تھا۔

بعض مورخین نے جناب حسین علیہ السلام کا ایک فرزند عبداللہ بھی بیان کیا ہے جو کر بلا میں شہید ہوا بعض جناب علی اصغر ہی کو عبداللہ خیال کرتے ہیں۔

دختران امام

فاطمہ بنت حسین ان کی ماں کا نام ام اسمٰعیل بنت طلحہ بن عبداللہ تھیں ہے۔ سکینہ بنت حسین ان کی والدہ جناب رباب ہیں۔

اولاد جناب امام حسن علیہ السلام

اور جناب الحسن المثنیٰ ان کی والدہ خولہ بنت منصور الغزالیہ یہ یہ جناب کربلا میں شدید زخمی ہوئے
میدان کربلا میں زخمی پڑے تھے کہ فوج ابن زیاد کے بعض آدمی اٹھا کر ساتھ کو فے گئے وہاں
علاج کیا اور تندرست ہو گئے یہ جناب امام حسین علیہ السلام کے داماد تھے اور جناب فاطمہ کبریٰ
کے شوہر تھے جناب امام حسن علیہ السلام کی ان سے اولاد بڑھی ہے۔

(۲) عمر بن الحسن (۳) قاسم (۴) عبداللہ اکبر ان کی والدہ کا نام رملہ ہے بعض ام فروہ بھی کہتے

ہیں کربلا میں موجود تھیں۔
(۵) احمد بن حسن ان کی ماں کا اسم گرامی "ام بشر" ہے جو مسعود انصاری کی دختر ہیں یہ بھی
کربلا میں موجود تھیں زید اور عبداللہ الاصغریہ تمام رفاقت امام میں وارد کربلا ہوئے۔
(۶) ابو بکر بن حسن (۷) عبداللہ الاصغریہ تمام رفاقت جناب امام میں وارد کربلا ہوئے

دختران امام حسن علیہ السلام

فاطمہ بنت حسن امام زین العابدین علیہم السلام کی زوجہ محترمہ اور امام محمد باقر علیہ السلام کی والدہ جناب
فاطمہ اور جناب حسن ائرم اور ظہیر بن حسن کی والدہ ایک تھیں جن کا نام ام اسحق بنت طلحہ ہے جناب
ام الحسن، ام حسین یہ مظلومہ کربلا میں شہادت امام مظلوم کے بعد حبس خیموں میں آگ لگی تو فوج انقیاء
اور گھوڑوں کی بھیڑ میں پامال ہو گئیں
ام عبداللہ یا ام الحسین یہ ایک کنیز کے بطن سے تھی۔

(الجواری) کنیزیں جنہیں رفاقت حسین کا شرف ملا

ان کی تعداد نو (۹) بیان کی جاتی ہے۔ ذیل میں ان کے اسماء گرامی تحریر کئے جاتے ہیں۔

المستکنۃ بالقرآن فضیلت النبویہ | یہ حبش کی رہنے والی تھیں اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا امتیاز شرف ملا۔ خدمت جناب رسالتناجی

میں رہیں حضور پاک نے یہ وفادار اور پاک سرشت کنیز اپنی لخت جگر جناب سیدۃ النساء کو عطا فرمائی

اور یہ خدمت پاک مصومہ میں رہیں، گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی اور باقی وقت عبادت خدا میں صرف کرتیں۔ ایذا من لانے کا فریضہ بھی انجام دیتیں۔ انہیں ایک خاص وعادہ جناب رسالتاً ﷺ نے تعلیم کی تھی جسے وقت ضرورت پڑھا کرتیں۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ جنگی سے لکڑیاں بنانے گئیں لکڑیوں کا گٹھا بھاری تھا طاہری اور جہانی طاقت یہ بار اٹھانے سے عاجز تھی جناب فضہ نے وہی تعلیم کردہ دعا پڑھی وہ دعایہ ہے۔
 يَا دَا جِدْ لَيْسَ كَمِثْلِهِ اَمَدٌ تَمِيْتُ كُلَّ اَحَدٍ وَتَفْنِي كُلَّ اَحَدٍ وَاَنْتَ عَلَى عَرْشِكَ وَاجِدٌ
 وَلَا تَاْخُذُكَ مَسِنَّةٌ وَلَا تَرْتَمِ اسْ اَشْدَا فِيْ اَيِّ اَمْنِيْ اَعْرَابِيْ اَيَا اور لکڑیاں اٹھا کر جناب سیدۃ بڑی کے دروازے پر پہنچا گیا۔

جناب سیدۃ کی خاص کنیز تھیں انہوں نے وقت وفات جناب ثانی زہرا زینب سلام اللہ علیہا کے سپرد کیا یہ کبھی جناب امام حسنؑ کے گھر کبھی جناب امام حسینؑ کے گھر اور کبھی جناب شریکۃ المحسنین کے ان حضرات کی خدمت کی سعادت حاصل کرتیں۔ جب جناب زینب سلام اللہ علیہا نے اپنے بھائی کے ساتھ سفر عراق اختیار کیا تو ان کے ساتھ اس سفر کی سعادت فضہ نے بھی حاصل کی۔

فقیرۃ انہیں بلکہ سبھی کہا جاتا ہے علفہ بن عبد اللہ بن قیس کی دختر ہیں جب جناب جعفر بن ابیطالبؑ نے حبشہ کو مبعوثین کے ساتھ ہجرت کی تو وہاں ان کو بطور ہدیہ یہ کنیز ملی جب مدینہ واپس آئے تو انہوں نے بطور ہدیہ جناب امیر المومنینؑ کو پیش دی تو یہ سعادت منہ خادمہ جناب علیؑ وبتولؑ کی خدمت کرتی رہی بعد وفات جناب سیدہ جناب زینب کی خدمت میں آگئی اور ان کی خادمہ رہی جب جناب بنت علیؑ نے سفر عراق اختیار کیا تو یہ کنیز بھی ہمراہ جناب زینبؑ کر بلا آئی۔

روضۃ یہ جناب رسول پاکؐ کی کنیز تھیں حضور کی خدمت کیا کرتیں آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جناب سیدۃ النساءؑ کی خدمت بابرکت میں آئیں بعد ازاں جناب امیر المومنینؑ کی خدمت میں رہیں جب جناب زینب سلام اللہ علیہا کی شادی ہوئی تو یہ جناب کے ساتھ گئیں اور ان کی خدمت کرتی رہیں پھر ان کے ساتھ شریک سفر عراق ہوئیں۔

ام رافع ابو رافع قبلی جس کا نام ہرگز تھا جناب رسول پاکؐ کا غلام تھا یہ ان کی زوجہ تھیں ان کا نام سلمیٰ اور کنیت ام رافعہ ہے۔ پہلے یہ جناب صفیہ بنت جناب عبد المطلب کی کنیز تھیں بعد ازاں جناب رسالتاً ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل کرتی رہیں ان کی وفات

کے بعد جناب علی ونبولہ کی خادمہ رہیں پھر جناب زینب کی خادمہ رہیں اور ان کے ساتھ عراق کے سفر میں شامل رہیں۔

یہ چاروں خادما ت جناب شریکۃ الحسین حضرت زینب کی ہیں۔
 میمونہ :- عبد اللہ بن یقطر کی والدہ گرامی جناب امیر المومنین کے گھر میں ان کی اولاد کی خدمت کرتی رہیں ان کی وفات کے بعد جناب امام حسین علیہ السلام کے گھر میں آئیں۔ جب جناب امام حسین مدینہ سے عراق کو چلے تو یہ اپنے فرزند جناب عبد اللہ یقطر کے ساتھ شریک سفر ہوئیں جب جناب امام نے مکہ سے کوچ فرمایا تو ان کے بیٹے عبد اللہ بن یقطر کو جناب مسلم کے خط کا جواب دے کر کوثر بھیجا۔ یہ حصین بن نمیر کے قبضے میں آگئے اور ابن زیاد کے پاس پہنچائے گئے ابن زیاد نے حالات امام حسین علیہ السلام پر جھپٹے پراصر رکھا انہوں نے حکم کر دیا کہ جناب عبد اللہ بن یقطر کو قوفہ میں جام شہادت نوش فرمائے۔ اور ان کی والدہ میمونہ امام کے ساتھ کربلا آئیں۔ یہ جناب امام پاک کی خادمہ تھیں۔
 فاکھہ :- یہ جناب امام پاک کی کنیز ہیں جناب رباب کے گھر میں خدوات انجام دیا کرتیں ان کے شوہر عبد اللہ بن ارقظہ کو ملیش ہیں ان سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام قارب تھا۔

یہ سعادت مند کنیز اپنے فرزند قارب کے ساتھ قافلہ عراق میں شامل ہوئیں اور کربلا میں وارد ہوئیں۔ ان کے فرزند راجند کو مرتبہ شہادت ملا۔ زیارت ناجیہ میں جناب قائم آل محمد علیہ السلام فرح فرماتے قارب بھی سلام بھیجا ہے۔ ر السلام علی قارب مولیٰ الحسین۔
 حنیئہ :- یہ مولیٰ حسین علیہ السلام کی کنیز تھیں آپ نے نوفل بن حارث بن عبد المطلب سے خریدی تھی۔

پھر اس نے ایک شخص ”سہم“ سے نکاح کیا اس سے ایک فرزند بنام ”منج“ پیدا ہوئے جس نے امام زین العابدین کے گھر کی خادمہ تھیں مع اپنے فرزند کے رفاقت امام علیہ السلام میں کربلا آئیں ان کے فرزند کو مرتبہ شہادت نصیب ہوا اور جناب قائم آل محمد کے سلام کا شرف ملا۔ السلام علی منج مولیٰ الحسین۔

کبشہ :- مولا حسین کی کنیز آپ نے ایک ہزار درہم میں اسے خریدا تھا یہ آپ کی زوجہ ام اسحاق کے گھر کی خادمہ تھیں پھر اس کے ساتھ حوالہ رزین نے شادی کی اس سے ایک لڑکا ”سیمان“ پیدا ہوا۔ جناب کبشہ شریک سفر عراق رہیں اور ان کے فرزند کو شرف شہادت ملا۔ یہ اس طرح کہ لبرہ کے اشرف کے پاس یہ امام حسین علیہ السلام کا خط لے کر گئے تھے عبد اللہ

ابن زیاد کے قہقہے میں آگئے اس نے بصرہ میں قتل کر دیا۔

بلکہ: یہ جناب عقبہ بن سمان کی زوجہ ہیں پہلے جناب امام حسن علیہ السلام کے گھر میں خادمہ تھیں بعد ازاں جناب امام حسین علیہ السلام کے گھر آئیں اور جناب عبد اللہ بن جعفر طیار علیہما السلام کے گھر میں بھی خدمت کیا کرتیں ان کا غم و غم جناب دیاب بنت امرؤ القیس زوجہ محترمہ جناب امام حسین کا مملوک غلام تھا۔ جب امام مظلوم نے سفر عراق اختیار کیا تو یہ اپنے شوہر کے ساتھ شریک سفر تھیں۔ جب امام مظلوم اپنے اعزہ و انصار کے ساتھ شہید ہوئے اور باقی امیر کئے گئے تو ابن زیاد نے عقبہ بن سمان سے پوچھا تو کون ہے تو اس نے کہا میں مملوک غلام ہوں۔ ابن زیاد نے اسے رہا کر دیا واقعات کو بلا جناب عقبہ بن سمان کے آنکھوں دیکھے ہوئے ہیں انہوں نے یہ واقعات بیان کئے اور کئی صورت میں جمع کئے گئے ہیں اس مجموعہ کا نام ”منقول عقبہ بن سمان“ ہے۔

”غلام و موالی“

غلامان اور خدمت گاران کی تعداد جو عراق کے سفر میں امام مظلوم کے ہمراہ تھے دس ہیں ان میں سے آٹھ تو درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور دو زندہ بچ گئے تھے وہ لوگ جو شہید ہوئے ان کے اسماء گرامی مکتوب ذیل ہیں:

”قارب بن عبد اللہ القدی الیشی“ (۲) منج بن سہم (۳) سعد بن الحرث الخزاعی۔ یہ امیر المؤمنین کا غلام تھا اور زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور تھا بعد میں امام حسین علیہ السلام کی غلامی میں آیا (۴) نصر بن ابی عمر دغیم کے بادشاہوں کی اولاد میں سے تھا اور کم سنی میں اسلام کی طرف رغبت کی اور اہل بیت کے گھر کی خدمت کی اور شہادت کی سعادت حاصل کی)

(۵) حرث بن نہجان۔ یہ جناب حمزہ بن عبد المطلب کا غلام تھا پھر امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا۔

(۶) جون بن حوی التوبی۔ یہ جناب ابوذر غفاری کا غلام تھا اس کا رنگ سیاہ تھا۔ جناب

امیر المؤمنین نے فضل بن عباس بن عبد المطلب سے ایک سو پچاس دینار میں خریدا تھا۔ جناب ابوذر کی خدمت کے لئے بخشی دیا تھا جناب عثمان بن عفان نے ابوذر کو مدینہ سے ربذہ کی طرف جلاوطن کیا تو یہ غلام ان کے ہمراہ تھا جناب ابوذر کی وفات کے بعد یہ مدینے واپس لوٹ آیا اور علی ابن ابی طالب کی خدمت میں آگیا۔ پھر جناب حسن پھر جناب حسین علیہ السلام کے خادموں میں شامل ہو گیا۔

یہ سعادت مند غلام جناب امام زین العابدینؑ کا خادم تھا۔ سفر عراق میں اُن کے ہمراہ کہ بلا آیا وقت شہادت اُس کی عمر ستائیس برس تھی۔

جب امام حسینؑ علیہ السلام جون کی لاش پر گئے تو دعا مانگی۔ پروردگار! اس کے چہرے کو روشن کر اس کے بدن کو خوشبودار کر اور اہل روضہ الحنین کے ساتھ اسے محشور کر اور محمدؐ و آل محمدؐ اور اس کے درمیان مکمل معرفت کرا۔

امام زین العابدینؑ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس دن شہیدائے کربلا دفن ہوئے تو جون کی لاش سے خوشبو آ رہی تھی۔

(۷) اسلم بن عمر:- یہ امام حسینؑ علیہ السلام کے غلاموں میں سے تھا اور مشہور یہ ہے کہ امام حسینؑ علیہ السلام نے اُسے خرید لیا تھا اور اپنے فرزند علی ابن حسینؑ کو بخش دیا تھا اس کا باپ عمرو زکی تھا اسلم بھی مولا کے اس سفر میں ہمراہ رہا۔ یہ سات حضرات کہ بلا میں امام حسینؑ علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے اور ایک غلام سلیمان بن ابوزین لیسہ میں ابن زیاد کے ہاتھوں شہید ہوئے جیسا کہ گذر چکا۔
(۹) مقبر بن معان:- ان کے حالات گذر چکے ہیں کہ یہ زندہ بچ گئے تھے۔

(۱۰) علی بن عثمان بن الخطاب الحضرمی المغربي:- امیر المومنینؑ کے غلاموں اور غلاموں میں سے ہیں۔ خود خاتمہ علی بن عثمان کا بیان ہے کہ میں جناب امیرؑ کی خدمت میں رہتا تھا اور اُن کے ساتھ جنگ جمل و صفین میں بھی شامل ہوا۔ ایک دفعہ میں ان کی دائیں جانب جنگ صفین میں کھڑا تھا کہ ان کا کوڑا ان کے ہاتھ سے گر پڑا پس میں نے جھک کر وہ کوڑا اٹھایا اور ان کو حصے دیا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ان کے گھوڑے نے سر اٹھایا تو ہے کی لگام تھی وہ لویا میرے سر میں لگا۔ میری کن پٹی میں زخم ہو گیا۔ جناب امیرؑ نے میرے سر کے زخم میں تھوکا اور اوپر مٹی ڈال دی غلام کہتا ہے کہ بخدا نہ مجھے درد ہوا اور نہ تکلیف ہوئی زخم ٹھیک ہو گیا۔

بعد شہادت جناب امیرؑ اور جناب امام حسنؑ میں مولا حسینؑ کی ملازمت میں آگیا اور ان کے ہمراہ کہ بلا آیا وہ شہید ہو گئے اور میں بچ گیا میری قسمت میں شہادت نہ تھی بنی امیہ سے چھپتا رہا۔

پانچویں مجلس

رب کی قسمیں، شانِ ربوبیت، عالمین کی تشریح، مدینہ کو حج

”الحمد لله رب العالمین“

سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا ”پالنے والا ہے“
 ”العالمین“ عالم کی جمع ہے عالم ما لیعلم یہ جس سے کسی چیز کا علم ہو یعنی جو کسی شے کی علامت ہو اسے عالم کہتے ہیں چونکہ خلق مخلوق اور کائنات ہے وہ خداوندِ عالم کی علامت ہے اور اس کے وجود کی نشانی اور دلیل ہے اس واسطے تمام جہانوں ساری مخلوقات اور کل کائنات جو خدائے تعالیٰ کے سوا ہے اس کو عالم کہا جاتا ہے۔

خدا پروردگار ہے اور تمام مخلوق اپنی پرورش میں اس کی محتاج ہے۔

اٹھارہ ہزار عالم بیان کئے جاتے ہیں درحقیقت اس سے زیادہ ہیں اور انسانی طاقت ان کے شمار سے عاجز ہے۔ جو کسی کی پرورش کرتا ہے اس کے لئے چند چیزیں ضروری ہیں۔

۱۔ جس کی پرورش مقصود ہے وہ پرورش کرنے والے کے قبضہ قدرت میں ہو اگر وہ چیز اس کے تسلط سے باہر ہو تو اس کی پرورش کس طرح کر سکتا ہے۔ پرورش کرنے والا قادر ہو۔

۲۔ پرورش پانے والے کی جملہ ضروریات زندگی کو جانتا ہو تاکہ وہ تہیہ کی جائے جو اس کی جسمانی (بدنی) مدد و حافی ظاہری و باطنی قوتوں کی نشوونما کے لئے ضروری ہیں وہی ماں بچے کی اچھی طرح تربیت کر سکتی ہے جو عامل و دانا ہو اور وہ خوراک اسے بہم پہنچائے جو اس کے لئے مفید ہو اور وہی غذا اسے دے جو اس کی بدنی و جسمانی بڑھوتری کے لئے فائدہ مند ہو۔

وہی مالک اپنے ریوڑ اور مویشیوں کی اچھی طرح دیکھ بھال اور تربیت کر سکتا ہے جسے علم ہے کہ ان کے لئے کونسا غلہ کونسا چارہ اور کونسی خوراک ضروری ہے۔ ہر قسم کے حیوانوں

چندوں اور پرندوں کی تربیت ان کے ماہرین تربیت کرتے ہیں۔ ماہی پروری کے محکمے بھی کام کر رہے ہیں۔ نباتات، کھیتوں اور باغوں کی پرورش کرنے والے بھی پہلے علم حاصل کرتے ہیں کہ فلاں پر دس کوس طرح پروان چڑھایا جاتا ہے۔ اور کن کیڑوں اور مضر اشیاء سے ان کی حفاظت ضروری ہے۔ اسی واسطے ہر شے کی تربیت کا علم حاصل کرنے کے ادارہ قائم ہو چکے ہیں۔

۳۔ جو جسمانی ترقی اور طولانی و عمری پھیلانے میں رکاوٹ پیدا کرنے والی اشیاء ہیں ان کا بھی علم ہو تاکہ ان موانع و مضرات سے مرہوب اشیاء کو محفوظ رکھا جائے۔

۴۔ پالنے والے کے دل میں جذبہ رحم شدید ہو، ماں کے دل میں اپنے بچے کی محبت نہ ہو اور ماں کا دل رحم سے خالی ہو تو بچہ روزگار سے گاماں دودھ نہ پلائے گی۔ مالک کو موشیوں سے الفت نہ ہو تو موشی ہلاک ہو جائیں گے باغبان کو اپنے باغ سے محبت نہ ہو کسان کھیت کی پرواہ نہ کرے تو کھیت اور باغ برباد ہو جائیں گے جو پرورش جنات رحم و محبت، علم و حکمت اور پوری طرح قدرت کے ساتھ کی جاتی ہے وہ چیز مکمل پرورش پا کر اپنی حد کمال کو پہنچ جاتی ہے اور پرورش کنندہ اسے حد کمال پر دیکھ کر اور اپنی محنت کا پھل پاکر مسرور ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا اسباب میں سے اگر کوئی سبب رہ جائے تو پرورش صحیح طریقہ پر نہیں ہوتی۔ اس جہاں میں کتنی مخلوق ہے اس کی کتنی قسمیں ہیں وہ کہاں کہاں رہتی ہے۔ اس کی کیا ضروریات ہیں اسے کس قسم کی روزی درکار ہے؟ کتنی درکار ہے؟ یہ انسان کے علم اور قدرت سے باہر ہے۔

انسان کو تمام مخلوقات کا علم ہے۔ اور نہ قدرت، لیکن اس کائنات کی ہر چیز تربیت پارہی ہے۔ جاندار ہو یا بے جان، ذی عقل ہو یا بے عقل، صحر میں رہنے والی، جنگلوں میں بسیر کرنے والی زمین پر زمین کے اندر ریگ کے ٹیلوں میں، مٹی کے تہ خانوں میں، پہاڑوں میں، پہاڑوں کی غاروں میں، پاؤں سے چپنے والی، بغیر پاؤں زمین پر ریگنے والے کیڑے، چوپائے، حشرات الارض، فضا میں بسنے والی ہوا میں زندگی گزارنے والی پانی کی موجوں میں زمین کی سطحوں میں سمندروں کی گہرائیوں، پتھروں کی چٹانوں میں فضا کی کروں میں آسمانوں میں ہر شے کی پرورش کرنے والا وہ اللہ ہے جو رب العالمین ہے۔ جادہ و نباتات جو ان ہو یا انسان جن ہوں یا ملائکہ زمین کی تہیں ہوں یا آسمان کے طیفقات مشرق ہوں یا مغرب ہر جگہ کے مکینوں اور ہر جاندار کی اس نے روزی مقرر کر دی ہے اس کی جسمانی ساخت اس کی عمر اس کی راحت و تکلیف اس نے مقرر کر دی ہے۔

چنانچہ جب جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے اپنے رب کی شان بیان کی تو

فرعون نے پوچھا وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۚ رب العالمین کیا ہے اس کی کیا شان ہے تو حضرت موسیٰ نے جواب میں فرمایا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا، تمام آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔ پھر اس کے بعد فرمایا رَبُّ آبَائِكُمْ ۙ اَلَا ذَلِكُنَّ، تمہارے گذشتہ آباء و اجداد کا رب ہے، پہلی مرتبہ خداوند عالم کی اس عام ربوبیت کا ذکر کیا جس کا تعلق جگہ کی انتہاء کے ساتھ ہے، یعنی ربوبیت درمکانات دوسری بار اس ربوبیت کا ذکر کیا جس کا تعلق زمانوں سے ہے یعنی کوئی مکان اور کوئی زمان اس کی ربوبیت سے خالی نہیں پھر فرمایا رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا، وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے جس طرح ہر مصنوع (بنائی ہوئی چیز) اپنے صانع کے وجود کی دلیل، ہر مولود اپنے والد کا پتہ دیتا ہے ہر مخلوق اپنے خالق کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح ہر ربوب اپنے رب کے وجود کی شہادت دیتا ہے۔

بغیر پیدا کرنے والے کے کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی تو بغیر پرورش کرنے والے کے کائنات کس طرح پرورش پا رہی ہے۔ ارشاد رب العزت ہے سَخَّرْنَاهُمْ لِيَاقُوتَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ نَبَيِّنَ لَهُمْ أَتَىٰ الْحَقُّ ۚ ہم ان کو وہ نشانیاں دکھائیں گے جو اطرافِ عالم میں پھیلی ہوئی ہیں اور وہ نشانیاں جو خود لوگوں کے بدنوں میں ہیں تاکہ انہیں یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ ذات باری تعالیٰ موجود ہے۔

رب کی دو قسمیں ہیں

رب مجازی: مجازی رب وہ ہے جو کسی چیز کی دیکھ بھال کرتا ہے اس کی پرورش کرتا ہے اس کو خوراک دیتا ہے اور اس کی غمو کے اسباب ہٹاتا ہے اور اس کے جسم کو نقصان پہنچانے والی اور اس کی جسمانی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرنے والی اشیاء سے محفوظ رکھتا ہے۔ بڑھانے والی اشیاء بہم پہنچاتا اور گھٹانے والی اشیاء کو دور رکھتا ہے۔ مثلاً والدین، استاد، بادشاہ، حاکم فارم شیجر، گڈ ریا، باغبان کسان وغیرہ اپنے زیر کفالت کی تربیت کرتے ہیں۔ لیکن ان کو رب مجازی چہد وجہ سے کہا جاتا ہے۔

۱۔ ان کی تربیت محدود ہے۔ چند افراد یا چند چیزیں ان کے زیر تربیت ہیں کوئی چند افراد

کا مرنی ہے کوئی ایک نوع یا جنس کا بادشاہ اپنی رعایا والدین اپنی اولاد یا غیاں اپنے کھیت کا۔
۲۔ اسباب تربیت :- ان کے اپنے نہیں نہ ان کے پیدا کردہ ہیں، مثلاً ہوا اس کے بغیر کوئی
باندہ زندہ نہیں رہ سکتا، پانی، دھوپ، روشنی، انسان ان چیزوں کا خالق نہیں یہ اس کے
قبضہ قدرت میں نہیں ہاں ان سے نفع اٹھا سکتا ہے اور نفع حاصل کرنے کی تدبیر و طاقت
خالق حقیقی نے عطا فرمائی ہے۔

۳۔ خوراک اور غذا جن سے جسم پرورش پاتا ہے اور اعضاء بدن بڑھتے ہیں اس کا اگنا انسان
کے بس میں نہیں۔ انسان زمین میں بیج بوسکتا ہے۔ اس بیج کو اگا نہیں سکتا جیسا کہ ارشاد قادر کریم ہے
اَنْزَلْنٰی مِنْ سَمَوٰتٍ اَنْثَرْتُمْ شَحَنَ الْعَوٰفِ اَمْ اَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَ اَمْ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمْ مَتَرًا اَمْ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمْ مَاءً اَمْ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمْ مَاءً اَمْ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمْ مَاءً
کو دیکھتے ہو کیا تم کھیت اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔ کسان ہل چلتا ہے زمین نرم کرتا ہے
اس کی آغوش میں دانہ سپرد کرتا ہے، لیکن دانے کو شگافتہ کر کے اس سے کوئل نکالنا کسان کا کام
نہیں بلکہ رحمن کا کام ہے۔

پانی کے تعلق ارشاد ہے اَفْوَ اَنْتُمْ اَلْمَاءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ اَمْ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمْ مَاءً مِّنَ السَّمَاءِ
اَمْ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمْ مَاءً مِّنَ السَّمَاءِ اَمْ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمْ مَاءً مِّنَ السَّمَاءِ اَمْ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمْ مَاءً مِّنَ السَّمَاءِ
کرنے والے ہیں۔ اسباب زندگی خدا نے پیدا کئے ہیں ان کے استعمال کا شعور اور ڈھنگ خدا
نے سکھایا ہے ان کو استعمال کر کے زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی کے مدارج طے کر کے انسان کہیں
پہنچے جائے رب نہیں بن سکتا اگر عقل سیم رکھتا ہے تو جوں جوں وہ مدارج کمال طے کرے گا اور
جس قدر راز مائے قدرت اس پر حکمت ہوں گے در رب العالمین کی معرفت بڑھتی جائے گی۔
ہاں خالق کائنات کی پیدا کی ہوئی اشیا کو استعمال کرنا یہ بشر کا مقدر ہے خلاصہ یہ کہ کسی چیز کو عدم محض
یعنی نیست سے پیدا کرنا، نفع حاصل کرنے کے اسباب اور ان پر قدرت دینا اور پرورش
پانے میں رکاوٹوں کو دور کرتے پرنا بود دینا یہ خالق کا کام ہے جو رب العالمین ہے خود تربیت دینے
اور پرورش کرتے والے اصحاب اسباب میں بلکہ خود اپنی تربیت میں محتاج باری تعالیٰ ہیں۔
در حقیقت ربوبیت اسی کی شان ہے اور ربوبیت مطلقہ اسی کو زیبا ہے۔ اس واسطے اسلامی
اصطلاح میں اگر صرف لفظ رب کہا جائے تو اس سے ذات احدیت مراد ہوتی ہے غیر اللہ کے
لئے تنہا لفظ رب استعمال نہیں ہوتا بلکہ وہ مضافت کی صورت میں ہوتا ہے جیسے رَبُّ الْبیت
گھر کا مالک۔

اہل ایمان عقائد تلقین کرتے وقت یہی تعلیم دیتے ہیں اللہ جلّٰہ ربّی، حبیب قبر میں میت کو اتار کر تلقین پڑھتے ہیں اور عقائد کی تعلیم دیتے ہیں کہ کلیمہ پیر حبیب عقائد کے بارے سوال کریں اور کہیں کہ مَنْ رَبِّکَ؟ تیرا رب کون ہے؟ تو جواب میں بتا کہ اللہ جلّٰہ ربّی، اللہ بزرگ شان والا میرا رب ہے۔

رب حقیقی تو وہ ”رب العالمین“ ہے جس نے مخلوقات کو عدم محض سے پیدا کیا، ہر جاندار کو زندگی بسر کرنے کا شعور بخشا، زندگی کے اسباب پیدا وہ کیا کئے انہیں اپنے تصرف میں لانے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ہدایت کی ہر ذی روح کو انزالش نسل کی ہدایت کی اور اپنی اولاد کی تربیت کے طریقے سکھائے، یہ دنیا چونکہ عالم اسباب ہے اس واسطے ہر شے کی پیدائش بھی اسباب کے تحت ہے، اور ہر ورش بھی اسباب کے تحت۔

اشرف المخلوقات کی پیدائش

اشرف المخلوقات کا تاج انسان کو عطا ہوا شکل و صورت کے لحاظ اور عقل و دانش کی وجہ سے یہ شاہکار قدرت ہے، اس خالق حقیقی نے انسان کی پیدائش پر فخر کیا، جیسا کہ ارشاد ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نَفْثَةً فِي قِرَارٍ مَكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النَّفْثَةَ عِلْقَةً خَلَقْنَا الْعِلْقَةَ مَضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمَضْغَةَ عِظًا مَّا فَلَسْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرًا فَبَارَكُ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ (سورۃ مومنون)

یہ شک ہم نے انسان کو کیمچرلاٹی اور پانی کی مخلوط شکل کے خلاصہ سے پیدا کیا پھر اس کو بطور نطفہ ایک محفوظ قرار کا رہیں رکھا پھر اس نطفے کو جابجا ہوا خون بنایا پھر اس منہجر گوشت کا دھڑ بنایا اور اسی گوشت کے لوتھڑے میں ہڈیاں پیدا کیں ان ہڈیوں کو پھر گوشت کا لباس پہنایا جب پیدائش کے تمام درجات مکمل ہو گئے اور شکم مادر میں ایک مکمل انسانی شکل بن گئی تو ہم نے اسے دوسری خلقت عطا کی یعنی اس میں روح ڈالی اور اس میت میں زندگی پیدا ہوئی پس برکت والا ہے وہ خداجو بہترین خالق ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ الَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْهُ وَبَدَاْ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَّاءٍ مَّهِیْنٍ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَحَّاهُ فَبَرِّکْ

رُوحَهُ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (سورہ سمعہ)
 رب العالمین وہ ہے جس نے اپنی ہر مخلوق کو عمدہ و احسن پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کی ابتدا مٹی سے
 کی پھر اس انسان کی نسل ایک ذلیل و گندے پانی سے بنائی پھر انسان کو درست و معتدل و مناسب
 بنا کر اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل بنائے مگر تم بہت کم ہی
 شکر ادا کرتے ہو۔

حضرات! غور فرمائیں، انسان کی پیدائش کا کارخانہ ایک ایسی جگہ واقع ہے کہ جہاں نہ انسان
 کامل داخل ہے، نہ وہاں اس کی نظر کام کر سکتی ہے۔ نہ اس کی عقل فزیر کوئی عمل کر سکتی ہے عالم اسباب
 کے تحت اس نے بیج بریا آگے کچھ نہیں کوئی خبر نہیں کوئی اور کس طرح کیمیائی تبدیلیاں واقع
 ہو رہی ہیں وہاں نہ کوئی فلسفی ہے نہ کوئی سائنس دان ماں کے رحم کے اندھیرے میں تدبیر قدرت
 کا فرما ہے۔ انسان کا وہاں کوئی عمل دخل نہیں ایک ذلیل پانی عورت کے شکم میں شکلیں بدل رہا ہے
 اور مختلف درجات کو طے کر کے ایک بچے کی صورت میں مکمل ہو رہا ہے۔ بچہ ان دھڑا جاندار بچہ
 بن جاتا ہے اس کو خوراک کی ضرورت ہے پچہ پیٹ میں پرورش پا رہا ہے، اور اس کا پروردگار
 اسی پیٹ میں اس کو غذا دے رہا ہے۔

ایک سرکش اور ملحد انسان ہستی خدا سے لاکھ انکار کرے مگر قدرت کے اس کارخانے کا انکار
 ممکن نہیں اسی طرف سورہ واقعہ میں اشارہ ہے، اَفَتُؤَيِّتُم مَّا تَمْشُونَ اَ اَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَ
 اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ تمہارا کیا خیال ہے جو تم باہمی ملاپ کرتے ہو کیا تم انسان کو پیدا کرتے
 ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں آخر وہ کون ذات ہے جو اس کارخانے کو چلا رہی ہے ہر حیوان و
 انسان کے پیٹ میں بچہ بنانے والا اور اس کی حفاظت و نگہداشت کرنے والا، مناسب
 اعضا بخشنے والا اور غذا دینے والا کون ہے۔ یقیناً وہ ”اللہ“ جو رب العالمین ہے۔

بچہ شکم مادر میں غذا حاصل کر رہا ہے۔ ماں اس کی پرورش نہیں کر رہی۔ باپ نہیں پال رہا۔
 وہاں وہ ذات اس کی پرورش کر رہی ہے جو سمجھتی ہے کہ اس کی خوراک کیا ہونی چاہیے کس قدر
 ہونی چاہیے۔ معلوم نہیں بچہ کب غذا مانگتا ہے کیونکہ مانگتا ہے اور پروردگار کس طرح اسے غذا
 دیتا ہے، اتنا پتہ چلتا ہے کہ سرکش اور ناشکر انسان پل رہا ہے اور رحیم و کریم رب
 اسے پال رہا ہے۔

آخر بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آیا اس کے رحیم و کریم رب نے ماں کے دل میں رحم و محبت کے

ہذبات بھردیئے اور اس کی غذا کے لئے ماں کے سینے میں خوراک کی دو نہریں جاری کر دیں انسان کا بچہ اپنی پرورش پر آپ قادر نہیں غذا حاصل کرنے سے عاجز ہے۔ خوراک کی نہروں تک اس کی رسائی نہیں ماں کو خوراک بہم پہنچانے پر قدرت دی اور پرورش کے فرائض اسے سونپ دیئے۔ ایک حیوان چوپائے کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ جانور کی ماں اس کے منہ میں غذا نہیں دے سکتی وہ خوراک دینے میں عاجز ہے۔ گو خوراک کا ذخیرہ اس کے پاس محفوظ ہے، مگر بچے کے دہن میں منتقل کرنے سے قاصر ہے وہاں بچے کو خوراک حاصل کرنے پر قدرت دے دی اور غذا حاصل کرنے کا ڈھنگ سکھا دیا۔ چنانچہ چوپائے کا بچہ پیدا ہوتا ہے، ماں کے پستانوں کی طرف دوڑتا ہے۔ اور خود غذا حاصل کرتا ہے۔ انسان کی حالت یہ ہے کہ بچہ عاجز ہے تو ماں قادر ہے، اور حیوان کی حالت یہ ہے کہ ماں عاجز ہے تو بچہ قادر ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک سائل نے ذات باری تعالیٰ اور خالق کی ہستی کے بارے میں سوال کیا تو معصوم نے ایک انڈیا پیش کیا اور فرمایا کہ یہ ایک مضبوط قلعہ ہے، ہر طرف سے بند ہے نہ غذا اندر جاسکتی ہے اور نہ ہوا نہ روشنی لیکن اس انڈے کے اندر بھی قدرت کا کارخانہ چل رہا ہے، بچہ بن رہا ہے جب بن جائے گا تو اسے میں اپنی چوہچ کے ذریعے دروازہ پیدا کر کے باہر آئے گا تب یہ ساری تدبیر اور عملی حکمت اور زلی کارگیری کس کی ہے؟ تعصب کی بنا پر فلسفہ اس کو طبیعت کہتا ہے اور ہم اسے اللہ کہتے ہیں جو در رب العالمین ہے۔

انسان کی غذا

یہ تو انسان کی پیدائش اور رحم مادر میں اس کی تربیت کا تذکرہ تھا اب ہم انسان بلکہ مجید جبرائیل کی غذا اور زمین سے اسباب معیشت پیدا کرنے کا قرآنی ذکر سپر وقلم کرتے ہیں کہ اس پروردگار عالمین نے تربیت اہتمام و ترقی ابران کے کیا اسباب پیدا کئے ہیں ایسی چیزیں انسانی قدرت اور بشری طاقت سے باہر ہیں ماں ان کے اسرار و رموز کے انکشاف اور ان میں غور و فکر سے معرفت ربانی بڑھتی اور ایمان مہازہ ہوتا ہے۔ ارشاد رب العالمین ہے۔ اِنَّا صَبَّأُ الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَاهُ اَلَا رَحْمَةً شَقَا فَاَنْخَبَا فَبِهَاجَا وَعَبَا وَفَصَّا مَذِيْبُوْنَا وَنَخَلَا وَحَدَّثُوْنَا غَلْبًا وَفَاكِهَةً وَاَبَا مَتَاعًا لَّكُم دَلَالُا لِّمَلِكُمْ (سورہ ص ۱۱) ہم نے اول پانی برسیا پھر زمین کو شگافہ کیا اور اس سے غلے اور انگور اور سایہ دار

تتے والے درخت زیتون، کھجوریں اور گنجان باغ اور میوے چراگاہیں اور سبزہ زار اگائے جو تمہارا اور تمہارے چوپایوں کا رزق ہیں۔

انسان کا ششکامی اور تخم بریزی کر سکتا ہے۔ زمین میں نہ دانے کو اگا سکتا ہے۔ اور نہ پودے کو پروان چڑھا سکتا ہے۔ انسان پودے کو خوراک بہم پہنچا سکتا ہے لیکن اُس خوراک کو پودے کے تنے شاخوں، رگوں، پتوں، پھولوں اور پھلوں میں تقسیم نہیں کر سکتا۔ زمین میں پھیل ہوئی جڑوں کے ذریعے خوراک کو بلند چوٹی پر پہنچانے والا پودے اور درخت کے تمام حصوں میں یہ غذا پہنچانے والا پودوں پر خوشہ اور بالیاں لگانے والا اور ان کو بچھترنے والا پھولوں میں رنگ و بو پیدا کرنے والا اور پھلوں میں لذت اور حُسن پیدا کرنے والا انسان نہیں بلکہ خالق انسان ہے جو رب العالمین ہے۔

غذا کا انسان اور حیوان کے بدن میں تحلیل ہونا

یہ زرخشا کا بیان تھا اب غذا کھانے اور بدن میں تحلیل ہونے کا بیان سنو۔ اُس عظیم الحکیم پروردگار نے انسان کو غذا خوری کے لئے منہ دیا اُس غذا کو پیستے کے لئے منہ میں دانت بنائے تاکہ کھانے کو چاچا کر آب دہن کے ساتھ ملا کر خیر کرے۔ اور نگلنا آسان ہو جائے پھر حلق کے ذریعے معدہ میں چابی ہوئی غذا کو پہنچاتا ہے۔ معدہ غذائی آمد کا پیغام سنتے ہی تیار ہو جاتا ہے اور اپنی غدود سے کیمیائی رس خارج کرنے لگتا ہے۔ وہ باضم رطوبتیں کھانے کو مزید ہضم کرتی ہیں۔ معدہ کی حرارت غذا کو پکاتی ہے رطوبتیں اور معدہ کی حرکتیں غذا کو گلانی ہیں۔ پانی کی آمیزش سے ایک سیال مادہ بن جاتا ہے۔ اندرون بدن کا خزانہ قدرت حرکت میں آجاتا ہے۔ جگہ تلی، پتہ، آنتیں اپنا اپنا کام شروع کر دیتی ہیں اور غذا کیمیائی مرحلے طے کرتی ہوئی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے کارآمد حصہ خون میں شامل ہو کر بدن کے ہر حصے میں پہنچے کر جزو بدن بن جاتا ہے اور فضول اور بے کار حصہ فضلہ بن کر خارج ہو جاتا ہے۔

غذا کو تحلیل کرنے اور جزو بدن بنا کر بدن کی پرورش اور ترقی دینے کا کام کون کرتا ہے؟ اے منہ و سرکش انسان! اے غافل و جاہل بشر! اے ملحد و مشرک ذاتِ خدا! ذرا سوچ تو سہی میرے بدن کے اندر یہ کھانا عترتِ بیت کون چلا رہا ہے؟ پیدا ہونے والے بچے کو جو ابھی بیٹھے سے عاجز ہے دیکھتے سننے سے معذور ہے۔ بوسلے پکڑنے سے قاصر ہے ایک کڑیل جوان طاقتور پہلوان بنانے والا بھرپور شباب کی منزل میں پہنچانے والا کون ہے؟ ذرا غور و فکر کر دل کی آنکھوں سے دیکھ عقل و دانش

سے پہچان۔ یقیناً وہ ایک سستی ہے جو حقِ تبارک و تعالیٰ کے وسیع و خیر ہے۔ سمیع، البصیر، مدرک و قدر ہے۔ آسمان کا وسیع شامیانہ، چوڑی چمکی زمیں۔ آنے جانے والے بل و نہار، سورج کی تیز روشنی و حرارت چاند کی خوشگوار نسیا، تہ بہ تہ بادل، ابلتے ہوئے چشمے، تاروں کی تابانی، دریاؤں کی روانی، چم چم پرستیاں، سرد و گرم ہوائیں، پہاڑوں کی بلند بالا چوٹیاں، صحراؤں کے لاسبے لاسبے مضبوط اور پھیلے ہوئے تناور درخت۔ درختوں کے گھٹتے بڑھتے سائے، خوشگوار عجیب و غریب پھوپھے، حسین و جمیل پرندے، خطرناک و ہیبت دہندے سبزے سبزے کی لہک۔ پھولوں کی مہک، غنچوں کی چمک، پرندوں کی چمک، رب العالمین کی عظمت و صفیت تربیت کی گواہی دے رہے ہیں۔

فَذَالِکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ

لفظ رب ایسا پیرا لفظ ہے کہ ہر پیغمبر نے اپنی دعائیں لفظ رب سے استعمال کی ہیں۔ مگر ان مجید ہیں انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی حقیقی دعائیں اور پکاریں ہیں سب لفظ رب سے شروع ہوتی ہیں خاصاً خدا کی ہر شجاعت اور ہر دعائیں ابتدائی لفظ دنیا یا رب آیا ہے، اگر ذکر کریں تو بہت طویل ہو جائے گا خواہشمند اصحاب خود قرآن مجید کا مطالعہ کریں تلاوت کلام کا ثواب اور شجاعت و دعا کی لذت اور رب کی معرفت حاصل کریں۔

بدلی تو ہر پیغمبر نے مناجات اور دعا کی ہے۔ مگر قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعائیں کثیر ہیں اور ہر دعائیں لفظ رب سے پکارا ہے۔ چنانچہ جب مصر سے فرعونوں کے ڈر سے بھاگے ہیں ڈرتے گھبراتے ہوئے مصر سے ہجرت کی ہے۔ خداوند عالم نے ان کی ہجرت اور دعا کا ذکر کیا ہے۔ ”فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ وَقَالَ رَبِّ انقِضْ عَنْيَ الْغَمَّ“

یہی قرآن مجید کی آیت ہے جو شرب کے مسافر مولائے مظلوم نے مدینہ سے نکلتے وقت تلاوت فرمائی۔ اٹھائیسویں رجب کی رات کا آخری حصہ تھا کہ علی و بتول کی اولاد نے اشکبار آنکھوں اور بے قرار دلوں سے مدینہ سے کوچ کیا۔ امام حسین علیہ السلام کی تیاری اور مسافرت کوئی خفیہ نہ تھی کئی روز تیاری میں لگ گئے۔ مدینہ کے ہر شخص کو روانگی کا علم تھا۔ اللہ تعالیٰ سفرات کے اندر سے میں کیا، عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فرزند رسول کی زندگی میں شب عاشور سخت تھی۔ کیونکہ اس رات میں آپ اپنے اہل بیت و اصحاب کے ساتھ ایک لقمہ و دق اور بے آب صحرائیں نزع اعداء

ہیں گھرے ہوئے تھے ہر چار طرف سے دشمنوں کا بھوم تھا پیاس کا غلبہ تھا۔ لاپس مسدود تھیں۔ زندگی کی آخری رات خیال کی جاتی تھی، مستورات سراپہ ختمیں بچے سپہے ہوئے تھے مگر جس رات کی صبح کو بتل کے بیٹے نے مدینہ سے سفر کیا ہے۔ اس رات کی پریشانی بے چینی اور گریہ و بکا کی صدا میں کچھ کم نہ تھیں۔

جن گھروں میں زندگی بسر کی ہو جس شہر میں شہزادگی اور فرزند رسول کی حیثیت سے عمر گزاری ہو جس شہر میں نانا ماں اور بزرگوں کی مزاریں ہوں اس کو چھوڑنا اور ہمیشہ کے لئے چھوڑنا معمولی بات نہیں۔ پھر مستقبل ہولناک نظر آ رہا ہو، راستے پر خطر ہوں، دشمنوں کا ہر وقت خوف ہو۔ ان بے بیوں سے پوچھئے جو اپنے ماعتوں سے گھروں کے دروازے بند کر کے تالے لگا رہی ہیں کس دل سے گھروں سے باہر آئی ہوں گی، مجھے کی عورتیں ملنے آئی ہوں گی۔ کس طرح گلے مل کر رہی ہوں گی۔ جناب زینبؓ و ام کلثومؓ نے کس طرح نانا کے مزار اور ماں کی قبر بھائی حسنؓ کی لحد سے وداع کیا ہوگا۔ پھر پر آشوب دور ہے۔ امن نہیں، چین نہیں، سفر خطرناک ہے۔ زندہ واپسی کا یقین نہیں۔ گرمی کا موسم ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے ساتھ ہیں۔ وہ سفر کی رات کس طرح رنج و الم میں گزاری ہوگی۔ یہ خوشی کا سفر تو نہیں تھا مصیبت و غم کا سفر تھا۔ موت کا سفر تھا آبادی کا نہیں بربادی کا، بسنے کا نہیں اُجڑنے کا، امن کا نہیں خوف کا، راحت کا نہیں رنج کا سفر۔ ہر منزل اور ہر موڑ پر خوف و خطر استقبال کرتے۔ ہاں مدینے سے نکلیں تو پردے محفوظ تھے کیونکہ باپردہ محل اپنے ساتھ تھے جو ہر منزل پر باعزت و احترام محلوں سے اتارتے اور سوار کرتے پانی کی ضرورت ہوتی مشکیں بھری ہمراہ تھیں۔ جوانان بنی ہاشم کے پہرہ میں زہراؓ جا بیاں باپردہ عاریوں میں سفر کر رہی ہیں۔ بچوں سے دل بہلا رہی ہیں۔ جھوٹیاں آباد ہیں۔ اکبرؓ کی جوانی، قائم کا شباب، عباسؓ دلاور کی کمریہ باعثِ راحت و سکون ہیں۔ کچھ گھلے بٹ ہوتی تو تسلیاں دیتے اقرباء، وراثت و جوانان بنی ہاشم ساتھ ہیں۔ جن عورتوں کے ساتھ اپنے مرد سفر میں ہوں انہیں پریشانی اور خوف نہیں رہتا لیکن قربان جائیں سید انہوں کی بے کسی اور اس غربت پر اور اس بے چارگی و محنت پر حجب کر بلا سے شام کو چلیں گوریں خالی ہو چکی ہیں۔ سہاگ اُجڑ گئے، سہارے جاتے رہے جھولے جل گئے جھوٹوں میں سونے والے تہہ خاک سو گئے۔

بچوں کے سروں پر باپ کا سایہ نہ رہا ماٹوں کے سروں پر چادریں نہ رہیں۔ اب نہ پردے رہے نہ محل رہے، نہ وارث رہے، سفر طویل ہے۔ اجنبی ملک ہے، اپنا کوئی ساتھ نہیں۔

غیروں کے پہرے ہیں۔ جناب امام مظلوم کے اس سفر، ہجرت کی جناب موسیٰ کی ہجرت کے ساتھ مثال دی جاتی ہے۔ لیکن مومنین ان کی ہجرت اور مولائے مظلوم کی ہجرت میں بہت بڑا فرق ہے بیشک جناب موسیٰ فرعون نبی کے خوف سے پیادہ پا بھاگے تھے۔ بے تحاشا دوڑے جان کا خطرہ تھا لیکن مدین میں پہنچے تو سہارا مل گیا، خوف جاتا رہا۔ امن نصیب ہوا۔ چین سے رہنے لگے۔ لیکن مولائے مظلوم کے سفر کی ہر منزل درد و آشوب کی منزل تھی۔ ہر گھڑی دکھ کی گھڑی تھی۔ جوں جوں سفر بڑھتا جاتا مصیبت و پریشانی بڑھتی جاتی۔

جناب موسیٰ وطن سے نکلے تھے تو ایک لے نکلے تھے خالی ہاتھ نکلے تھے۔ لیکن جب واپس آئے تو عیال کے ساتھ واپس آئے۔ بھرا کنبہ ساتھ لائے۔ میرے مولاً پورے خاندان کو لے کر نکلے تھے۔ مگر واپس نہ آئے نہ خود آئے نہ اقربا آئے بنی ہاشم کے اٹھارہ فرد نہ آئے ماؤں کے ساتھ بچے نہ آئے۔ کئی عقیں تو جھولیوں بچوں سے بھری ہوئی تھیں۔ آئیں تو گودیں خالی تھیں۔ سہاگ اچڑے ہوئے تھے۔ بھائی، بیٹے شوہر مرا کر آئیں گھر بار ٹا کر آئیں۔

اٹھائیسویں صیبت کی رات ختم نہ ہوئی تھی کہ محلہ بنی ہاشم سنان ہو گیا کیونکہ ملک میں چلنے والے مرد نہ رہے گھروں میں عورتیں نہ رہیں۔ آوازیں دینے والے بچے نہ رہے۔ پورا اھل ہوا حملہ خالی ہو گیا۔ گلیاں اجاڑ ہیں۔ مسجد و منبر ادا اس ہیں۔ جنت البقیع سو گرا رہے۔ قبر رسول پہ چرنا ہے کہ اس کا زردیدہ صحرائے غربت میں کامزن ہے۔ مدینہ کی صبح آج بے رونق ہے اس لئے کہ اس کا آفتاب حقیقی اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ منبر رسول اشکبار ہے کہ اس کا صحیح جانشین رنج مسافرت میں ہے۔ ہر مسافر واپس آنے کی اس رکنا ہے مدینے سے نکلنے وقت بچے ماؤں سے پوچھتے ہوں گے اماں! ہم کب واپس آئیں گے مدینہ کی عورتیں ملنے کے لئے آئی ہوں گی اور انہوں نے پوچھا ہوگا شہزادیاں! کب واپس آؤ گی، لیکن درد ستائیاں کیا جواب دیتی ہوں گی؟ تقدیر کیا سن رہی ہو گی۔ اور کیا کہہ رہی ہو گی؟ موسیٰ وطن واپس آگئے، یعنی قوت کو یوسف مل گیا مگر آل محمد کے بچھڑے ایسے بچھڑے کہ واپس وطن آنا نصیب نہ ہوا، اچڑے گھر آباد نہ ہو سکے۔ اور بنی ہاشم کے اٹھارہ تارے بوں آسمانی مدینہ سے ٹوٹے کہ زمین کو ملا میں مدفون ہو کر رہ گئے۔

۱ لا لعنة الله على القوم الظالمين

چھٹی مجلس

سفیر حسین شہید کوفہ

بنی ہاشم کا پہلا شہید

اٹھائیسویں رجب کو مدینہ سے ہجرت کی اور بنی شعبان کو دار و مکہ معظمہ ہوئے جب مکہ میں آئے تو یہ آیت حضور ﷺ فرما رہے تھے جو جناب موسیٰ علیہ السلام کے مدین جانے کا حال بیان کرتی ہے ”فلما توجه تلقاء مَدِیْنٍ قَالَ عَسَىٰ رَبِّیْ اَنْ یَّهْدِیْنِیْ سَوَاءَ السَّبِیْلِ“ جب جناب موسیٰ مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہا عنقریب میرا رب مجھے سیدھے راستے کی دھمائی فرمائے گا۔

مکہ چونکہ حرم اور جائے امن ہے جہاں کسی جانور کا مارنا بھی جائز نہیں اس واسطے خائف امام اور پریشان حال اُمت کے ستائے ہوئے شہزادے نے مکہ میں قیام فرمایا کوئی معمولی شخصیت نہ تھی فرزندِ رسولؐ امام زمانہ اور وارثِ دین تھے لوگوں کو معلوم ہوا تو جمع و شام اور شب و روز لوگ خدمت جناب میں حاضر ہوتے۔ عبداللہ بن زبیر مکہ میں اپنی حکومت قائم کرنے کی فکر میں تھے اور لوگوں کی بیعت لینے کا قصد رکھتے تھے۔ امام ظہورِ مکہ میں پناہ گزین کی حیثیت سے آئے تھے نہ سلطنت قائم کرنے کا ارادہ تھا اور نہ فوجی طاقت بڑھانے اور اسلحہ جمع کرنے کی غرض تھی اور نہ لڑائی کا قصد تھا اگر لڑنے کا ارادہ ہوتا تو مکہ اور حجاز کی پیشکش قبول فرما لیتے یہ وہ طاقت تھی کہ جس کا مقابلہ تمام روئے زمین کے انسان بھی مل کر نہ کر سکتے۔

منقول ہے کہ مدینہ و مکہ کے درمیان میں راہ میں فرشتوں کے گروہ جنت کی اونٹنیوں پر سوار ہاتھوں میں خنجر لئے خدمت امام پاکؑ میں حاضر ہوئے اور بعد سلام عرض کیا۔ یا حُجَّةَ اللہِ عَلٰی خَلْقِہٖ بَعْدَ

حَدِّهِ وَابْنِهِ وَاجِبِهِ إِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ أَمَدَّ حَبْلَكَ بِنَافِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَإِنَّ اللَّهَ
أَمَدَّكَ بِنَا. اے اللہ کی مخلوق پر اللہ کی محبت اپنے ہر امجد اور اپنے باپ و بردار کے بعد

خداوند عالم نے ہمارے ذریعے آپ کے ہر امجد کی بہت سے مقامات پر
امداد فرمائی اب خدا ہمارے ذریعے آپ کی مدد کرنا چاہتا ہے کیا آپ ہماری مدد قبول فرمائیں گے۔ اہم عالیہام
نے فرمایا اَلْمَوْعِدُ حَضَرَتِي وَلَقَبَعِي اَلَّتِي اسْتَشْهَدُ فِيْهَا وَهِيَ كَرِيْلَا نَا اِذَا وَرَدَتْهَا فَا تَوْنِي ۔

تمہاری اور میری وعدہ گاہ اور میرا مقام شہادت کر بلا ہے جب میں وہاں پہنچ جاؤں تو وہاں میرے پاس
آجانا۔ ملائکہ نے عرض کی یا حُجَّةُ اللہ مَوْنَا نَسْمَعُ وَنَطِيعُ فَهَلْ تَخْشَى مِنْ عَدُوِّ يَلْقَاكَ
فَتَكُوْنُ مَعَهُ اے محبت خدا میں حکم دیجئے ہم حکم مانیں گے۔ اگر دشمن سے خوف ہو تو ہم آپ کے
ساتھ رہیں؟ آپ نے فرمایا لَا سَبِيلَ لَّهُمْ عَلٰی وَلَا يَلُوْنِي يَكُوْنُ سِيْهَةً اَوْ اَمِلْ اِلٰی الْبَقْعَةِ۔ جب
تک میں سرزمین کر بلا تک نہ پہنچ جاؤں یہ لوگ مجھے کوئی اذیت نہیں پہنچا سکتے۔

اس کے بعد مسلمان جنوں کے چند گروہ حاضر خدمت ہوئے اور بعد سلام عرض کی یا سَيِّدَنَا مَحْنُ شَيْتَانِكَ
وَانْصَارِكَ فَمَوْنَا يَا مَوْكُ رِمَا لَتَشَاوُ فَمَلُوْا مَوْنَنَا بِقَبْلِ كُلِّ عَدُوِّكَ وَاَنْتَ بِمَكَانِكَ فَلَقَيْنَا
اے ہمارے آقا ہم آپ کے شیعہ اور مددگار ہیں آپ جو حکم دیں ہم مانیں گے اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ آپ
کے تمام دشمن تہ تیغ کر دیں تو آپ اپنی جگہ پر ہیں ہم آپ کے تمام دشمنوں کا مٹایا کر دیں گے۔

مولانا نے ان کو جزائے خیر کی دعائی اور فرمایا کہ خدا نے قرآن میں جو میرے ہر امجد پر نازل ہوا فرمایا
ہے بِذِكْرِكُمْ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ يَوْجٍ مُّشْتَدٍّ۔ موت تمہیں ہر حال میں قابو کر لے گی اگرچہ تم
مضبوط قلعوں میں بند ہو۔

اس کے بعد فرمایا اگر میں یہیں رہ جاؤں تو میرا اس بد بخت مخلوق کا امتحان کس ذریعے لیا جائیگا
اور کر بلا میں میری قبر میں آرام کون کرے گا جسے خدا نے اس روز سے میرے لئے منتخب کر رکھا ہے
جس روز سے فرشتہ زبیں بچھا ہے اور اسے ہمارے شیعوں کے لئے جائے پناہ اور دنیا و آخرت میں
امن و امان کی جگہ قرار دیا ہے۔

البتہ تم عاشور کے دن کر بلا حاضر ہونا جس کے آخر میں میں شہید کر دیا جاؤں گا اور میرے خاندان میں سے
کوئی ایسا شخص باقی نہ رہ جائے گا جسے قتل کرنے کے لئے طلب کیا جائے اور میرا سر نیزہ بلعون کے پاس
بھیجا گیا۔ جنوں نے عرض کیا خدا کے پیار سے اور محبوب خدا کے فرزند اگر آپ کی اطاعت لازم اور
مخالفت حرام نہ ہوتی تو ہم آپ کے تمام دشمنوں کو آپ کو اذیت پہنچانے سے پہلے ہلاک کر دیتے

آپ نے فرمایا ہم آپ سے زیادہ ان دشمنوں پر قدرت رکھتے ہیں لیکن اس میں مصلحت ہے کہ جو ہلاک ہو وہ حجتہ اور دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے۔

جناب مسلم بن عقیل کو لشکر جمع کرنے کے لئے نہیں بلکہ امور دین اور خطا طبع شریعت کے لئے کوفہ روانہ کیا تھا جس غرض کے لئے مدینہ سے رخصت ہوئے جناب مسلم کے بھیجنے کے اسباب ہم نے متاریخ الشیعہ میں تفصیل سے تحریر کئے ہیں جو ان اسباب کی تفصیل چاہے وہاں ملاحظہ فرمائے یہاں ہم جناب مسلم کی شہادت کے واقعات تکبیر کرتے ہیں یا عیینہ جودی لمسلم بن عقیل۔ رسول الحسین سبط الرسول لشہید بین الاعداء فی غزوہ کربلا۔ اے اکھ کھول کر آنسو بہا مسلم بن عقیل کے واسطے جو سبط رسول کا قاتل ہے۔ دشمنوں میں اکیلا شہید ہے۔ جو بہترین شہید قتل کیا گیا۔

کوفہ کے صحیح حالات کا جائزہ لینے اور مہم صورت حالات کی اطلاع دینے کے لئے امام پاک نے جناب مسلم بن عقیل کا انتخاب کیا اور کوفہ والوں کو لکھا براہی باعث ائیم ائھی و ابن عسّی و ثقیفی من اہلبینہ الغرض جناب مسلم آپ سے رخصت ہو کر مدینہ رسول پہنچے کیونکہ مدینہ مکہ سے عراق جاتے ہوئے راستے پر آتا ہے مسجد نبوی میں چند رکعت نماز پڑھی جو افراد بنی ہاشم مدینہ میں رہ گئے تھے ان سے وداع کیا اور جانب کوفہ متوجہ ہوئے۔

کوفہ میں داخلہ

جناب مسلم نازل سفر طے کرتے ہوئے پانچ سوال کو کوفہ میں پہنچے اور جناب مختار بن عبیدہ ثقفی کے گھر میں نزل فرمایا۔ جناب مسلم کے کوفہ آنے کی خبر شہر بھر میں مشہور ہو گئی اور اہل کوفہ گروہ درگروہ ملاقات اور زیارت کے لئے حاضر خدمت ہونے لگے۔ بظاہر لوگوں کا اشتیاق شدید تھا جس کا کافی مجمع ہو گیا تو سفیر امام نے حضرت سید الشہداء کا اہل کوفہ کے نام مکتوب گرامی پڑھ کر سنایا لوگوں نے بڑا اچھا اثر لیا اور بعض لوگ تو شہادت کا اثر اور فرط محبت سے رونے لگے اور اسی جوش و خروش کے عالم میں بعض حضرات نے اپنے قبلی تاثرات کا اظہار بھی کیا پناہ عالس بن شیبہ شاکری نے حمد و ثناء خدا کے بعد مجمع عام میں اُٹھ کر کہا میں دوسرے لوگوں کے متعلق کچھ نہیں کہتا اور نہ ہی مجھے یہ معلوم ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے میں تو آپ کو صرف وہ بات بتاتا ہوں جس کا میں نے پتہ ارادہ کر رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کی قسم آپ جب بھی مجھے بلائیں گے تو میں لبیک کہتا ہوا حاضر ہوجاؤں گا اور آپ کے دشمنوں سے رٹوں گا یہاں تک کہ آپ کے ہمراہ شمشیر زنی

کرتا ہوا بارگاہ الہی میں پہنچ پاؤں اور اس سے میرا مقصد صرف خوشنودی خدا حاصل کرنا ہے اس کے بعد خباب حبیب ابن مظاہر نے کھڑے ہو کر عالس کو داد دیتے ہوئے کہا خدا تم پر رحم کرے تم نے بہت محنت اور عمدہ الفاظ میں اپنے دل کی بات بیان کی ہے پھر فرمایا اُس خدا کی قسم جس کے بغیر کوئی معبود نہیں میرا بھی یہی نظریہ ہے اس کے بعد عبداللہ بن مسعود جفی نے ایسے ہی پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا ان تقریروں کے بعد بیعت کا سلسلہ شروع ہوا اور چند دنوں میں اٹھارہ ہزار کوفیوں نے خباب مسلم کے ہاتھ پر امام حسین علیہ السلام کے لئے بیعت کی۔

خراب مسلم کا خط خدمتین علیہ السلام کے نام

جب خباب مسلم نے اٹھارہ ہزار اور روایتیں پچیس ہزار آدمیوں کے بیعت کرنے اور ان کے اشتیاق محبت کے جذبات دیکھے اور حالات اور فضا سازگار نظر آئی تو خباب عید الشہداء کی خدمت میں خط تحریر کیا جس کا مضمون تھا، بعد حمد و ثناء اسے خدا کے پیش رو کہیں میں اپنے اہل عیال بھڑٹ نہیں یوں ناقام اہل کوفہ آپ کے ساتھ ہیں اٹھارہ ہزار افراد نے میرے ہاتھ پر آپ کی بیعت کر لی ہے یہ خط پڑھتے ہی آپ جلد شریف لے آئیں والسلام وعلیک رحمتہ اللہ وبرکاتہ یہ خط خباب مسلم نے عالس بن ابی شیبہ شاکری اور قیس بن مسہر صیداوی کے ہاتھ روانہ کیا حضرت مسلم کی شہادت سے ستائیس روز قبل کا یہ واقعہ ہے۔

عبید اللہ ابن زیاد کی کوفہ میں آمد

اہل کوفہ کا میلان دیکھ کر بنی امیہ کے ہوا خواہوں نے نیرید کو خط لکھا کہ کوفہ کے موجودہ گورنر کو تبدیل کر کے کوئی طاقت ور سخت گیر اور جاہل آدمی مقرر کر دینا یہ نے نعمان بن بشیر کو معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا عبید اللہ بن زیاد دہرہ میں تھا حکم نامہ پہنچتے ہی پانچ سو آدمیوں کے ہمراہ منازل سفر طے کرتا ہوا اور حالات سفر کو مخفی رکھتا ہوا رات کے وقت کوفہ شہر میں داخل ہوا ابن زیاد کے آنے کے بعد کوفہ کی فضا بدل گئی لوگوں میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی کیونکہ پورے میں سال عبید اللہ اور اُس کے باپ زیاد کے ظلم و جور کی چکی میں لوگ پس چکے تھے عام لوگوں میں پریشانی اور خوف کے آثار نمودار ہونے لگے۔

ابن زیاد نے صبح ہوتے ہی لوگوں کو کوفہ کی جامع مسجد میں حاضر ہونے کا حکم دیا جب لوگ جمع ہو گئے تو ابن زیاد بد نہاد نے لوگوں کو ڈرایا دھمکایا اور حکومت وقت کی اطاعت کرنے کی ترغیب دی حکومت کا ساتھ دینے والوں کو انعام و اکرام کا لالچ دیا اور مخالفت کرنے والوں کو سخت دھمکیاں دیں اس نے جاسوس مقرر کر کے جو حکومت کے مخالفت لوگوں کی فہرستیں تیار کر لائیں اس تقریر سے لوگ بے حد خائف ہر اسان ہو گئے اور ان کے لئے کسی جگہ اکٹھا بیٹھ کر تبادلہ خیالات کرنا بھی مشکل ہو گیا۔

اب تک جناب مسلم مختار کے گھر میں قیام فرماتے ابن زیاد کی اس سخت گیری اور ظلم و تشدد کا حال سُن کر آپ مانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو گئے کیونکہ مختار کے پاس رہتے کا ہر خاص و عام کو علم ہو چکا تھا۔ ابن زیاد نے خفیہ طریقوں اور جاسوسوں کے ذریعہ مانی کے گھر میں جناب مسلم کا پتہ لگایا اور مانی کو گرفتار کر کے بہت تشدد کیا اور جناب مسلم کو حاضر دربار کرنے پر اصرار کیا۔ جناب مانی صاحب و جاہت و جلالت قدر تھے قبیلہ مراد و درج کے سردار تھے جب کسی مہم کے لئے نکلتے تو چار ہزار زرہ پوش سوار اور آٹھ ہزار پیادے ہمراہ ہوتے جناب امیر المؤمنینؑ کے خاص اصحاب میں سے تھے محب اہل بیتؑ اور غیور و جسور مومن تھے کس طرح معزز مہمان اور سفیر حسین علیہ السلام کو ایک ظالم و فحاک حکمران کے پیش کر دیتے ضرب تازیانہ ہستے رہے، بدن زخمی ہو گیا اور قید خانے میں بھیج دیے گئے دروازہ پر پہرہ بٹھا دیا گیا جناب مختار ابن زیاد کی قید میں تھے اب جناب مانی بھی گرفتار ہو گئے۔

حالات یکسر بدل گئے تھے مخلص و با وفا مومن امیر زندان ہرچکے نئے مانی کے گھر میں جو مومن خفیہ آتے مانی کی گرفتاری کے بعد وہ بھی دوپوش ہو گئے آہستہ آہستہ ساتھیوں کی تعداد گھٹتی گئی۔

کوفیوں کی بے وفائی اور جناب مسلم کی تنہائی

اب کوفہ بالکل بدل چکا تھا اقبال نے منہ پھیر لیا اور ادبار کی گھٹائیں چھا گئیں مشتاقان زیارت محروم ہو گئے حلقہٴ یاران نے بیعت کا نفاذ توڑ دیا سیم و زر کے سکوں نے لوگوں کے ضمیر خرید لئے اور ظالم و فحاک کی تشدد آمیز دھمکیوں نے کوفیوں کو گھروں میں محبوس آیا۔ بیعت کرنے والوں نے ساتھ چھوڑ دیا کوفہ کی فضا اس قدر بدل گئی کہ مائیں اپنے بچوں کے ہاتھ پکڑ کر گھر میں لے جاتیں، بہنیں بھائیوں سے کہتیں بھائی ہاشم سے شکوہ آ رہا ہے، وہ کوفہ کو سمار کر دے گا تمہارا کیا واپس چلو دوسرے لوگ کافی ہیں عورتیں اپنے شوہروں کو باہر نکالنے سے روکتیں اور مرد اپنے بیٹوں کے بازو پکڑ کے گھر لے آتے۔

مومنین! اب فرزند عقیل تنہا ہیں۔ آٹھویں ذوالحجہ کو داما دعیٰ نے نازِ مغرب پر چھی توکل تیس آدمی ساتھ تھے اور جب مسجد کے دروازے سے نکلے تو دس آدمی ہمراہ رہ گئے تھے۔ بنی کندہ کے دروازے کا قصد کیا جب دروازے سے برآمد ہوئے تو تنہا رہ گئے مڑکے دیکھا تو تنہائی نظر آئی۔ رات کا وقتا بیکی کی حالت تنہائی کا عالم۔ کہاں جا بیٹھیں کوئی راہ تیانے والا نہیں کوئی پناہ دیتے والا نہیں۔ کوئی ٹمنس و ٹنگس نہیں عقیل کا چاند مصیبت کے ادلوں میں گھر گیا ہے۔ پریشانی اور گھبراہٹ نے سفیر حسین کے قدم روک دیئے ہیں۔ غربت برس رہی ہے۔ موت سر پر منڈلا رہی ہے۔ گوتے کی گلیاں ہیں اور آوارہ وطن پر لپی گلیاں سنان ہیں دروازے بند ہیں۔ مدینے کا بلایا ہوا جہان داییں داییں حسرت کی نظر سے دیکھتا ہے کوئی جائے پناہ نہیں ملتی۔ اسی اداسی کے عالم میں چلتے چلتے ایک دروازے پر رط کھڑے ہوئے قدم رک گئے کیا دیکھا کہ خلاف اُمید گھر کا دروازہ کھلا ہے اور ضعیفہ در پر کھڑی اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی ہے۔ جناب مسلم نے سلام دیا۔ ضعیفہ نے سلام کا جواب دیا۔ اُمید بھری نگاہوں سے ضعیفہ جس کا نام ”طوعہ“ تھا) سے پانی مانگا، میں پیاسا ہوں اسے اللہ کی کنیز مجھے پانی پلا دے طوعہ نے پانی کا پیالہ پیش کیا شرب کے پیاسے مسافر نے پانی پیا، مسلم وہیں بیٹھ گئے طوعہ پانی دے کر اندر چلی گئی باہر آئی تو پیاسے مسافر کو دروازے پر بیٹھا دیکھ کر کہا اے عبد خدا آپ نے پانی نہیں پیا جو اب دیا پانی یا ہے طوعہ بولی تو آپ اپنے گھر چلے جائیں۔ جناب مسلم خاموش ہو رہے۔ کوئی جواب ہوتا تو دیتے۔ طوعہ نے پھر وہی فقرہ دہرایا پریشان حال مسافر پھر بھی خاموش رہا بے آس اور بے سہارا کیا جواب دینا سر جھکایا حسرت کی نظر سے زمین کو دیکھا۔ ضعیفہ کی آواز بلند ہوئی عبد خدا اپنے بال بچوں کے پاس چلے جاؤ خدا تمہیں عافیت دے یہاں بیٹھا ٹھیک نہیں اور نہ میں اجازت دیتی ہوں حکومت کی کڑی نگرانی ہے۔ عزادارو! جب مسلم نے یہ الفاظ سنے۔ بے چارگی کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے بتائیے اب مسلم سے زیادہ بھی کوئی غریب ہے۔ سردارِ کوفہ امیر المومنین کا داما دیشرب کا مسافر بلایا ہوا مہمان۔ لیکن اب کہنا پڑتا ہے۔ بے چارہ مسلم۔ بے بس مسلم۔ اگر لفظ بے چارہ بے بس اور غریب کے مصداق دنیا میں ہیں تو لکل لفظوں کا مصداق آٹھویں ذوالحجہ کی رات کو طوعہ کے دروازہ پر مسلم سے بڑھ کر کوئی نہیں اس پریشانی کی حالت میں جواب دیا کنیز خدا! میرا اس شہر میں کوئی نہیں نہ گھر ہے نہ کنیز ہے۔ بلایا ہوا جہان ہوں۔ پہلے ترزا اردو میزبان تھے اب سب نے جواب دے دیا ہے۔ کہاں جاؤں غرض مند ہوں۔ اگر آج رات آپ مجھے ٹکھرنے دیں تو شاید آج کے دن کے بعد اس کا نیک بدلہ دوں گا۔ طوعہ نے کہا کہ اسے بندہ خدا تو کون ہے اور یہ کیا پریشانی ہے۔ جواب دیا کہ میں مسلم بن عقیل ہوں۔

مجھے اس قوم نے بُلا دیا اور بلا کر دھوکا دیا۔ آج میں پرہیزی ہوں، کوئی ٹھکانہ نہیں، اُس عورت نے کہا کیا تو ہی مسلم ہے جواب دیا کہ میں ہی مسلم ہوں۔ طوعہ نے گھر میں داخل ہوتے کی اجازت دی جناب سلم گھر میں داخل ہوئے اور ایک کمرے میں اُن کے لئے فرش بچھایا اور رات کا کھانا پیش کیا لیکن بے قرار مسافر کھانا نہ کھا سکا۔ اس انعام میں اُس کا بیٹا بلال نامی گھر میں آیا اور اپنی ماں کا آنا جانا جو اُس کمرے میں دیکھا اُس کی دریافت کی پہلے تو ماں نے بتانے سے انکار کر دیا پھر بیٹے نے جب بار بار پوچھا تو اُس سے سخت قسمیں لیں کھان خبر کو ظاہر نہ کرے اُس وقت تو وہ لعین خاموش ہو رہا۔ جناب سلم نے وہ رات جناب طوعہ کے گھر میں گریہ وزاری عبادت و مناجات اور تلاوت قرآن میں گزاری ادھر صبح سویرے اُس کے بیٹے نے ابن زیاد کو جا کر بتا دیا کہ مسلم تدبیرے گھر میں ہے جناب سلم کی رات جس طرح گزری سو گزری طوعہ فجر کے وقت طوعہ نے وضو کے لئے پانی پیش کیا اور عرض کی کہ مولا میں نے دیکھا کہ ساری رات آپ سرے نہیں جناب سلم نے فرمایا کہ بے چین مسافر نہایت جس کا دشمن ہو، موت اس کا تعاقب کر رہی ہو، ظلم و جور کے بادل چھائے ہوئے ہوں اُسے کس طرح نیند آسکتی ہے؟ رات کو مقوڑی دیر کے لئے جب میں سو رہا تو عالم خواب میں اپنے چچا امیر المومنین کو دیکھا وہ مجھے فرما رہے ہیں کہ بیٹا جلدی آہم تیرے مشتاق ہیں میں بھی سمجھا کہ زندگی کی یہ آخری رات ہے۔

جناب سلم نے وضو کیا اور صبح کی نماز پڑھی ابھی دعائیں مشغول تھے کہ باہر سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اور لوگوں کا شور سنا جناب سلم سمجھ گئے کہ یہ مجھے گرفتار کرنے کے لئے آئے ہیں جلدی سے دعا ختم کی ورنہ پہتی ہتھیار لئے اور اپنے آپ سے کہا اے نفس موت کی تیاری کر جس سے فرار نہیں، منجبتہ نے کہا برسے سردار میں کیا دیکھتی ہوں کہ آپ تو موت کی تیاری کر رہے ہیں، فرمایا ہاں موت ضروری ہے تو نے نیکی اور بھلائی کا حق ادا کر دیا اور جناب رسول کی شفاعت کی تھدار ہو گئی، اسی اثناء میں تین سو سپاہیوں نے گھر کا محاصرہ کر لیا جناب سلم تلوار سے کمر باندھنے اور اُن کے حملے کا دفاع کرتے گئے ابن زیاد کے فوجیوں اور جناب سلم میں لڑائی شروع ہو گئی۔

جناب سلم بن عقیل کی شجاعت

ایک طرف سینکڑوں مسلح افراد اور مقابلے میں تنہا مظلوم مسافر ستایا ہوا مہمان پریشان مجاہد مگر شجاعت ہاشم کا ورثہ دار اس دلیری سے لڑا کہ آتنا بیس اور بروایتے ایک سو اسی سواروں کو موت کے

گھاٹ اتار دیا۔ باوجود اس بے کسی کے طاقت کا یہ حال تھا کہ ایک مرد کو ماتھ سے پکڑتے اور مکان کی چھت پر چھینک دیتے۔ بنی ہاشم کا شیر تلوار کھینچ کر نعرہ بکیر لگا کہ جب دشمنوں پر حملہ کرتا تو بڑا دل فرج بھالکتی نظر آتی ایسا معلوم ہوتا کہ بھیڑ بکریوں کے ریڑھیں شیر گھس آیا محمود بن اشعث جو اس دستے کا سالار تھا اپنے آدمیوں کو کٹھنے دیکھ کر فوراً ابن زیاد سے لگ کر طالب ہوتا ہے ابن زیاد کہلا جیتا ہے نَکَلْتُکَ اُمْتُکَ وَعَدَمْتُکَ قَوْمُکَ تیرا مانی تیرے ماتم میں بیٹھے اور تیری قوم تجھے نیست و نابود کرے ایک مرو اتنا خلیفہ قتال کر رہا ہے وہ پر دسی مسافر ہے اُس سے تو عاجز آگیا ہے۔ تو حسینؑ ابن علی سے کس طرح رٹ سکے گا ابن اشعث نے مکھ بھیجا تو کیا سمجھتا ہے کہ مجھے کس کے مقابلے میں بھیجا ہے کیا وہ کوفہ کا تیزی فروش ہے

وہ تو ایک بہادر جوان شیر دیر شجاعت کا پکیر ہے بنی ہاشم کا مانا ہوا بہادر جرنیل ہے پھر ابن زیاد نے مزید فرج بھیجی اور کہا کہ اسے امان کا فریب دے کہ اس پر قابو پاؤ۔ چنانچہ ابن اشعث نے جناب مسلم کو امان کا وعدہ دے کر رٹائی روکنا چاہی لیکن جناب مسلم نے ان کی جھوٹی امان پر بھروسہ نہ کیا اور جنگ جاری رکھی رٹائی کا نقشہ یہ تھا کہ گلیاں خالی تھیں سامنے آنے کی کوئی جرأت نہ کرتا تھا کوٹھڑوں کی چھتوں پر چڑھ کر شیاہین پتھر پرتاے اور عقیل کا لال پتھروں کی برسات میں زخمی ہو رہا تھا کچھ لوگ آگ روشن کر کے ہاشمی جوان پر چھینک رہے تھے اس رٹائی میں جناب مسلم کا بالائی ہونٹ کٹ گیا نچلے ہونٹ کو بھی زخم پہنچا اور اگلے دو دانت اکھڑ گئے آخر سفیر حسین رٹتے رٹتے تھک گیا اور ایک دیوار کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے لیکن اس حالت میں بھی ظالم برابر تیرا اور پیچھا مار رہے تھے اور جناب مسلم کہہ رہے کہ ظالمو! میں خاندان رسالت کا فرد ہوں تم اس طرح پیچھا مار رہے ہو جس طرح کفار کو مارے جاتے ہیں۔

ہاشمی شیر گرفتار ہو گیا

آخر کار پھر اصرار کر کے قسمیں کھا کر امان کا وعدہ دیا ان کی قسموں اور امان کے وعدہ پر جناب مسلم نے رٹائی سے ماتھ کھینچ پاتا تلوار تیام میں ڈال دی اور اپنے آپ کو ان ظالموں کے سپرد کیا۔ فرج اشقیاء ایک سواری پر سوار کر کے وارا امامہ لے چلی اور تلوار حسینؑ کی جناب مسلم نے فرمایا کہ یہ تمہاری نہیں کھانے کے بعد پہلی غداری اور پہلا دھوکہ ہے۔

جناب مسلم نے ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ“ پڑھا اور پھر رونے لگے عبید اللہ بن عباس سلمی

تے کہا تم ایسا شخص جو ایسے کام کے لئے کھڑا ہوا اور حیب ایسے حالات درپیش ہوں تو اسے رذائیں چاہیئے۔ جناب مسلم نے فرمایا نہ میں اپنی جان کے لئے رونا ہوں اور نہ ہی قتل سے ڈرتا ہوں میں تو اس لئے رونا ہوں کہ فرزند رسولؐ اور ان کے اہل و عیال اس طرف آ رہے ہیں ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ کاشش کوئی جا کر فرزند رسولؐ سے کہتا مولا کو فکا رخ نہ کرنا تیرا سفیر گرفتار ہو گیا ہے جب مسلم گرفتار ہو کر دارالامارہ میں پہنچے چونکہ شدتِ پیاس اور زخموں کی کثرت سے مددِ حال تھے پانی طلب کیا مسلم بن عمرو باہلی نے یہ گستاخانہ جواب دیا دیکھتے ہو کیا ٹھنڈا پانی ہے۔ لیکن بخدا تم اس کا ایک قطرہ بھی نہیں چکھ سکتے یہ کیفیت دیکھ کے عمرو بن حریف نے اپنے غلام کو حکم دیا وہ پانی کی صراحی اٹھا کر لایا جس پر ردال و ملا ہوا تھا۔ پیالہ بھی ساتھ تھا۔ اس نے پیالہ بھر کر جناب مسلم کی خدمت میں پیش کیا جو نبی آپ نے پینے کا ارادہ کیا دہن سے خون جاری تھا پیالہ خون سے رنگین ہو گیا۔ جناب نے وہ پیالہ انڈیل دیا دوسرا پیالہ پینا چاہا پھر بھی ایسا ہوا اس بار خون کے ساتھ دودانت بھی ٹوٹ کر پیالے میں گر گئے یہ حال دیکھ کر جناب مسلم نے فرمایا۔ ہر حال میں خدا کی حمد ہے۔ اب زندگی میں پانی میرے نصیب میں نہیں رہا اور پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا۔

فرزندِ عقیل ابن زیاد کے دربار میں

اب تک یہ امیر کوفہ دارالامارہ کے باہر گرفتار کھڑے تھے اب اندر لانے کا حکم ہوا ہاشمی غیرت کے پیکر نے ابن زیاد بدرنہاد کو سلام نہ کیا۔ ساتھ والے سپاہیوں نے کہا آپ امیر کو سلام کیوں نہیں کرتے۔ ہاشمی مجاہد نے جواب دیا۔ مایا امیر سوئی اٹھیں۔ سوائے فرزند رسولؐ حسینؑ کے کوئی میرا امیر نہیں۔ دربار ابن زیاد لوگوں کے ہجوم سے بھرا ہوا ہے۔ دارالامارہ کے آس پاس خلقِ خدا جمع ہے۔ بنو ہاشم کا پہلا سجادہ گرفتار ہو کر دربار میں پہنچتا ہے۔ جس شہر میں امیر المومنینؑ کی حکومت تھی جس شہر کے علیؑ سردار تھے اسی شہر میں اس سردار کا داماد کڑیوں میں جکڑا ایک مجرم کی حیثیت سے ابن زیاد کے روبرو پیش ہوتا ہے۔ چہرہ لہو لہاں ہے۔ بدن زخموں سے چر رہا ہے۔ اہل و عیال سے دور ہے۔

لوگ چہ میگوئیاں کر رہے ہیں اب مسلم کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ کوئی کہتا ہے دمشق بزمید کے پاس بھیجا جائے گا۔ کوئی کہتا ہے۔ یہیں دربار میں قتل کیا جائے گا کوئی کہتا ہے بزمید کو

لکھا جائے گا وہاں سے حکم آنے تک زندان میں قید رہے گا۔ اسی اثناء میں حاکم کوفہ کی طرف سے سزائے موت کا اصرار ہوتا ہے۔ جناب مسلم ابن عقیل نے کہا اگر تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو اتنی مہلت دے کہ میں کچھ وصیتیں کر لوں۔

دربار میں عمر بن سعد بیٹھا ہوا تھا۔ جناب مسلم نے اس کو بلایا اور عہدہ سے گئے۔ جہاں ابن نبیاء بھی ان کو دیکھتا تھا۔ فسر مایا

۱۔ جب سے میں کوفہ وارد ہوا ہوں میں سات سو درہم کا مفروضہ ہو چکا ہوں میری زرہ اور تلوار بیچ کر میرا قرضہ ادا کر دینا۔

۲۔ جب میں قتل ہو جاؤں تو میری لاش ابن زیاد سے لیکر دفن کر دینا۔

۳۔ امام حسینؑ کی طرف کوئی آدمی بھیجا جو ان کو کوفہ آنے سے روکے کیونکہ حبیب میں کوفہ آیا تھا تو ان کا استقبال اور سلوک دیکھ کر میں نے ان کو خط لکھا تھا کہ مولا اہل کوفہ آپ کے بے حد شائق ہیں۔ جلد تشریف لے آویں میرے نکھنے کے مطابق وہ آرہے ہوں گے۔ حالانکہ ان کا آنا مناسب نہیں۔ ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے اور اہل پردہ مستورات ہیں کوفہ کی فضا بدل چکی ہے ان کو روک دیں مولا کوفہ ہرگز نہ آئیں۔

عمر بن سعد نے اپنی کیلکی کا ثبوت دیتے ہوئے وصیتیں بتا دیں اس کے بعد جناب مسلم اور ابن زیاد میں کچھ سلسلہ کلام جاری رہا۔ سوال و جواب ہوتے رہے۔ جناب مسلم کے حقیقت پسندانہ اور جرأت مندانہ جویات سے ابن زیاد کو مزید سوال و جواب کی تاب نہ رہی۔ ایک ظالم کو حکم دیا کہ دارالامارہ کی چھت پر لے جا کر شہید کر دو۔

عزادار و ابی ہاشم کے پہلے شہید کی یہ زلی موت ہے۔ زنجیروں میں گرفتار مسلم کو محل کی چھت پر لے جایا گیا۔ اس وقت سید حسینؑ کی زبان پر بیس و تکیہ اور استغفار و صلوات جاری تھے اور یہ بھی کہتے جاتے تھے »اللہم اٰحکم بنیادین قوم غرورنا و کذبونا وخذلونا« خدا یا ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کر جس نے ہمیں دھوکا دیا اور جھٹلایا اور کوئی مدد نہ کی۔ زنجی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ سر بدن سے قلم کیا گیا اور زنجی بدن محل کی بلندی سے فرش زمین پر گر گیا، بدن کا کوئی جوڑ سلامت نہ رہا۔ عربی شاعر نے جناب مسلم کی موت کا مرقعہ لکھا ہے۔

بَکَّتْ دُمَا یَا ابْنَ عَمِّ الْحَسَنِ
مَدَا مَعَ شِعْتِكَ الشَّافِعَةُ
وَلَا بَرَحْتَ هَا ظِلَاتُ الْعَامِ
تَحْيَتْ مَدَارِیةً رَاحَةً

اے حسینؑ کے چچا زاد تجھ پر حیرت شیعہ خون کے آنسو روئیں۔ اور ہمیشہ صبح و شام کے بادل موسلا ہوا بارش بطور ہدیہ پیش کریں۔

لَا تَكَلِّمْ كَذِبًا مِنْ شَرِبَةٍ تَتَايَاكَ فِيهَا عَذْرٌ طَائِفَةٌ
أَلْقَيْتُ وَلَمْ تَنْتَبِكْ أَبَا يَاسَرَ أَمَّا لَكَ فِي الْمَعْرِ مِنْ نَائِلَةٍ
کیونکہ آپ کے اگلے دانت ٹوٹ گئے اور پانی کا پیالہ خون آمیز ہو گیا۔ آپ پانی نہ پی سکے اور پیاسے رخصت ہو گئے۔ ارمان ہے کہ آپ پر دلیس میں مارے گئے اور آپ کی لاش بہر کوئی گریہ نہ کر سکا۔ کیا کوفہ کے بھرے شہر میں کوئی زحہ کرنے والی نہ تھی۔

رَمَلَتْكَ مِنَ الْقَصْرِ أَذْ وَثَقَتْ فَهَلْ سَلِمْتَ نَيْكَ مِنْ حَارِجَةٍ
وَبِالْحِجْلِ فِي السُّوقِ جَوْدًا سَجِبَتْ أَلَسْتَ أَمِيرَهُمُ الْبَارِحَةِ
قربان جاؤں آپ کو بازو ہر عمل کے اوپر سے فرشِ زمین پر گرا دیا گیا آپ کا کوئی عضو سلامت رہ گیا؟ آپ کی لاش کو کوفہ کے بازار میں پھرایا گیا اس سے پہلے آپ کو امیر نہیں مان لیا گیا تھا۔ ایک اور شاعر نے کہا ہے۔

قَصِمُوا الْأَمَارَةَ لَا بُنَيْتَ وَلَيْتَمَا لَسَقَتْكَ غَاشِيَةٌ نَعْدَتْ مَهِيلاً
ظالم حکومت کے عملِ آئیری بنیاد نہ پڑتی اور تجھے حادثہ گر اگر ایک ٹیلہ بنا دیتے
فَبَسْلَمِ أَدْحَرَ مِنْكَ لَوْ جِهَهُ خَرَّ الْحَبِيبُ مِنْ الْجَوَادِ فَتَيْلًا
جنابِ مسلم دارالامارہ سے منہ کے بل گرے اسی وجہ سے حبیب گھوڑے سے مجروح ہو کر رخسار کے بل گرے۔
وَلَيَعْنَدُ مَا سَجَبُوهُ فِي أَشْوَابِهِمْ سَجَبُوا عَلِيَّ ابْنَ الْحُسَيْنِ عَلِيلاً
جنابِ مسلم تیری ہندی سے منہ کے بل فرشِ زمین پر گرائے گئے۔ اسی طرح جنابِ مظلوم امام سید الشہداء زنجی ہو کر رخسار کے بل خاک کر تلا پر گھوڑے سے گرے
جب آپ کو کوفہ کے بازاروں میں تشہیر و توہین کے لئے پھرایا تو جنابِ سیدِ سجاد کو قیدی بنا کے اسی کوفہ کے بازاروں میں تشہیر کیا گیا۔ فرق اتنا ہے کہ آپ کے ساتھ جنابِ ہانی بن عروہ تھے اور سیدِ سجاد کے ہمراہ ان کی چھو پھیاں بائیں اور نہیں تھیں۔

جنابِ ہانی بن عروہ کی شہادت

فَانْكَرْتُمْ فَاَتَدْرِيْنَ مَا الْمَوْتُ فَاَنْظُرِيْ
الی صانی فی السُّوقِ وَابْنِ عَقِيلِ

اگر تمہیں پتہ نہیں کہ سر سے کیا چیز ہے تو غراب اپنی دھڑکن میں قتل کی طرف بازو میں نظر کرو۔
 اَلِیْ بَطْلٍ قَدْ هَتَمَ السَّبْعَ وَجْهَهُ وَ اَخْرَجَ يَهُوٰی مِنْ بِلْدِیْ قَتِلَ
 دیکھ ایک بہادر دلیر کو تلوار سے جس کی ہڈیاں توڑ دی تھیں اور دوسرے شہید کو قتل کرنے کے بعد
 بندی سے گرا یا گیا ہے۔

اَصْلَاهُمَا فَرَّخَ الْبَغِیَ قَاتِلَهُمَا اَحَادِیْثٌ مِّنْ یَّسْرِیْ بِكُلِّ سَبِیْلِ
 ایک فاحشہ کے بیٹے نے ان کو بے درمی سے قتل کیا۔ اور اب ان کی موت کا افسانہ ہزار
 چلنے والے مسافر کی زبان پر ہے۔

مَتْرٰی جَمْدًا قَدْ غَبِرَ الْمَوْتُ لَوْهَہُ وَ نَفَخَ دُمٌّ قَدْ سَالَ کُلُّ مَسِیْلٍ
 تو دیکھے گا ایسے جسم کو کہ موت نے اس کا رنگ بدل دیا ہے اور اس بدن پر خون کی
 دھالیں بہتی رہیں۔

غراب ثانی بن عروہ اشرف کو فداور زنگانہ شیعہ میں سے تھے جبکہ بنی مراد کے سردار تھے۔ روایت
 کی گئی ہے کہ جب سب سالانہ کی محبت کا شرف بھی حاصل کیا۔ جنگ جمل میں امیر المومنین کے ساتھ
 تھے اٹھانوے سال زندگی بسر کی۔ سعادت مند اور صالح تھے۔ جب حسین علیہ السلام کو مسلم اور ثانی کی
 شہادت کی خبر پہنچی تو انہوں نے اَللّٰهُمَّ اِنَّا اِلَیْہِہُ وَاِجْعَلْہٖ پُرْحًا اور کئی مرتبہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہَا فرمایا
 جب لوگوں کے سامنے رقعہ نکالا اور انہیں پڑھ کر سنایا اُس کے بعد میان فرمایا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَنَا خَیْرٌ فَطِیْعٌ قَتَلَ مُسْلِمٌ بَنَ مَقِیْلٍ وَ هَاہُنَا بِنُ سُرُوہُ وَ عَبْدِ اللّٰہِ بَنُ یَقْطُرَ ثُمَّ دَعَا
 عَلِیْہِ السَّلَامُ لَہُمْ بِقَوْلِ اللّٰہِ اَجْعَلْ لَنَا وَلِشِیْعَتِنَا مَنَزَلًا کَرِیْمًا اُجْمَعُ بَیْنَا وَ بَیْنَهُمْ فِی مَنَاقِبِ
 رَحْمَتِکَ اَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

بعد حمد و صلوات کے ہمارے پاس ایک دردناک خبر آئی ہے مسلم بن مقیل ثانی بن عروہ اور عبداللہ بن
 یقطر شہید کر دیئے گئے ہیں۔ پھر ان کے لئے عیر دعا فرمائی۔

اے اللہ ہمارے اور ہمارے شیعوں کے واسطے کہیم منزل بنا۔ اور ان کو ہمارے ساتھ اپنی رحمت کی
 قرار گاہ میں جمع کر بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

غراب ثانی کے شرف و فضل اور بلند رتبے میں یہی بات کافی ہے کہ انہوں نے غراب مسلم کو اپنے گھر
 میں پناہ دی اور اپنی مدد ان کے پیش کی۔ آدمی اور ہتھیار ان کے لئے مہیا کئے اور ان زیادہ کے
 سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ ظلم و تشدد اور عذاب زندان منظور کر لیا۔ لیکن اپنے مہمان کو ایک ظلم کے

پھر دیکھا کہ وہ کہا۔ یہ شک جناب بانی شہداء میں سے ہیں

قبل ازیں جناب بانی کی گرفتاری اور دارالامارہ کے زندان میں اُن کی قید بیان کی جا چکی ہے جب بانی پر ابن زیاد نے دباؤ ڈالا کہ مسلم کو پیش کر دو ورنہ تیری گردن مار دی جائے گی۔ اُس وقت جناب بانی نے جواب دیا پھر کثرت سے تلواریں حیرے آس پاس چلیں گی۔ ابن زیاد نے کہا تو مجھے تلواروں سے ڈراتا ہے۔ میرے قریب ہو جب قریب گئے تو ابن زیاد نے اُن کے چہرے پر اس قدر چھڑی کی ضربیں ماریں کہ اُن کے ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ پیشانی اور رخسار زخمی ہو گئے چہرہ ہلہولہاں ہو گیا کپڑے خون سے تر ہو گئے اور پیشانی اور رخساروں کا گوشت ان کی لیشیں پر کرنے لگا چھڑی ٹوٹ گئی جناب بانی نے ایک سپاہی کی تلوار کے قبضے پر ماتھہ مارا۔

پس ابن زیاد چلایا اور کہا ارے جلدی پکڑ لوگوں نے اسے پکڑا اور کھینچ کر ایک کمرے میں بند کر دیا عمر ابن حجاج کو خیر پوچھی کہ بانی قتل ہو گئے ہیں عمر ابن حجاج کی بانی کی زوج جنتی اُس نے مذہج تنہیلہ کے لوگ اکٹھے کئے اور ابن زیاد کے محل کا محاصرہ کر لیا اور عمر ابن حجاج نے پکار کر کہا یہ مذہج کے سوار اور سردار ہیں اور میں یہ خبر ملی ہے کہ جہاں اساتھی بانی قتل کر دیا گیا ہے جب عبداللہ بن زیاد کو اُن کا اجتماع اور ان کی بائیں معلوم ہوئی اس نے فوراً قاضی شریح کو بلایا اور حکم دیا کہ تو بانی کے پاس جا اُسے دیکھ اور اُس کی قوم کو اس کی صحت اور سلامتی کی خبر دے۔ قاضی شریح نے محل پر چڑھ کر بانی کے قبیلہ کو اطلاع دی کہ بانی زندہ ہیں اور صحیح و سلامت ہیں۔

قاضی شریح نے نہایت غلط بیانی سے کام لیا اور حکومت وقت کی فرمائش چاہی وہی بانی کے صحیح حالات نہ بتائے جس طرح کے بانی کے قبیلہ کے ہزاروں افراد مسلح ہو کر آئے تھے اور پھرے ہوئے شیر کی طرح حملہ کرنے پر تیار تھے اگر قاضی شریح جھوٹ نہ بولتا تو دارالامارہ کی اینٹ سے اینٹ بچ جاتی اور سپاہ ابن زیاد گاجر مولیٰ کی طرح گٹھتی نظر آتی۔ کوفہ کی گلیاں خون سے لالہ زار بن جاتیں اور واقعہ کر بلا کا نقشہ ہی بدل جاتا نہ ابن زیاد رہتا اور نہ اس کی ظالم فوج کوفہ مسمار ہو جاتا اور آل محمد کو یہ دکھ نہ دیکھتے پڑتے۔ قاضی شریح کی بددیانتی اور کذب بیانی سے بانی کی قوم متفرق ہو گئی ابن زیاد اور اس کا محل بچ گیا

جناب بانی امیر مسلم کی شہادت تک زندان میں رہے اور اُن کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے حکم دیا کہ بانی کو جبر سے بازو لے جا کر قتل کر دو پس بانی کو اُس جگہ لے گئے جہاں بھیڑ بکریاں فروخت کی جاتی ہیں جناب بانی کے ماتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ یہی کہتے جا رہے تھے واند جہاں لے میرا

قبیلہ مذبح آج کہاں ہو۔ اگر دس آدمی بھی قبیلہ مذبح کے آہاتے مجھے چٹڑا کے لے جاتے۔ جب دیکھا کہ اب کوئی مددگار نہیں ہے۔ اپنا ہاتھ کھینچا اور رسیوں سے جدا کر لیا، پھر کہا مجھے کوئی لاشی دے دو۔ کیا کوئی چھری نہیں، کوئی پتھر نہیں، کوئی لٹری نہیں۔ باوجود مصیبت کے شجاعت اور رعب و حلال کا یہ عالم تھا کہ لوگ دور ہو گئے تھے۔ سب نے بل کر اُسے پکڑا اور مضبوطی سے اُس کے ہاتھ باندھے پھر مانی سے کہا اپنی گردن دراز کر۔ جناب مانی نے اُنہیں قابو نہ دیا۔ عبید اللہ کا ایک ترکی غلام تھا جسے رشید کہتے تھے اُس نے باندھے ہوئے مصیبت اور مظلوم مانی پر تلوار کا وار کیا لیکن یہ وار بے اثر گیا۔ جناب مانی کی زبان پر یہ الفاظ تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ دَرْدَنَکَ۔ پھر اس لعین نے دوسرا وار کیا۔ جناب مانی کا سر کٹ گیا۔ ابن زیاد نے جناب مسلم اور مانی کے سروں کو دمشق بھیج دیا اور بیزنٹ نے دونوں سروں کو دمشق کے ایک بازار میں لٹکا دیا پھر ابن زیاد ملعون نے جناب مسلم اور مانی کے پاؤں میں رسیاں باندھیں اور کوفے کے بازاروں میں ان دونوں شہیدوں کی لاشوں کو پھرایا گیا۔ حب بنی مذبح کو اُن کے قتل اور لاش کی بے حرمتی کی خبر پہنچی تو وہ ہتھیار لگا کر گھوڑوں پر سوار ہو کر آئے اور لڑائی کے بعد مسلم اور مانی کی لاشوں کو اُن سے لے لیا اور اُن کو دفن کے بعد دفن کر دیا۔

یتیمانِ مسلم

جناب مسلم بن عقیل کے دو شہزادے کوفہ میں نہایت بے دردی و بے رحمی سے شہید ہوئے۔ ان کی شہادت کا دردناک واقعہ کتب تاریخ و مقاتل میں مذکور ہے۔ زندان میں قید ہونا اور عارت کے ہاتھوں فرات کے کنارے شہید ہونا با اتفاقی موزعین منقول ہے لیکن کس طرح گرفتار ہوئے اور کس طرح ابن زیاد کے قبضہ میں آئے اس میں اختلاف ہے۔

تاریخ اعظم کوئی اور تاریخ التواریخ وغیرہ میں مکتوب ہے کہ کوفہ سے جناب مسلم بن عقیل علیہ السلام کی روانگی کے وقت یہ کس شہزادے باپ کے ہمراہ تھے اور والد بزرگوار کے ساتھ وارد کوفہ ہوئے۔ اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے امالی میں اور دیگر موزعین نے نقل کیا ہے کہ بعد شہادت حسین علیہ السلام جب نجیوں کو آگ لگائی گئی اور اہل بیت کے بچے گھبرا کر صحرا میں نکل گئے۔ بائیس اپنا پردہ بچاتے ہوئے جنگل میں دوڑیں۔ سہارا تلاش کرتی تھیں مگر نہ چھپانے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ بائیس بچوں سے غافل

اور بچے ماؤں سے غافل بے تحاشا مہمرا کی جانب بھاگے آخر یہ دونوں کس صاحبزادے لشکر ابن زیاد کے کسی سردار کے ہاتھ میں آئے اس نے امیر کر کے کوفہ میں ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔ ابن زیاد نے داروغہ قید خانہ کو بلایا۔ ان دونوں بچوں کو اس کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ انہیں قید خانہ میں رکھنا نہ ٹھنڈا پانی دینا اچھی غذا اور نہ ان پر رحم کرنا۔

ناسخ التواریخ کے مطابق یہ دونوں بچے باپ کے ہمراہ کوفہ میں آئے تھے جب جناب مانی میزبان جناب مسلم گرفتار ہو گئے اور جناب مسلم نے حضرت ابی کاظم چھوڑ دیا تو اپنے دونوں بچوں کو قاضی شریح کے سپرد کر دیا یہ دونوں صاحبزادے قاضی شریح کے پاس اس کے گھر میں رہے جب حضرت مسلم شہید ہو گئے اور جناب مانی بھی مرتبہ شہادت پا گئے اور عبداللہ بن زیاد کو خبر مل چکی تھی کہ مسلم کے ہمراہ ان کے صاحبزادے بھی تھے اس ملعون نے شہزادوں کی خبر دینے کا اعلان کر لیا قاضی شریح نے بیٹے کو ہدایت کی تھی کہ ان بچوں کو اس قافلہ کے ہمراہ کر دے جو مدینہ جانے والا ہے۔ قاضی کے فرزند جس کا نام اسد تھا۔ ان بچوں کو رات کے وقت کوفہ سے باہر نکالا اور قافلہ اس سے پہلے روانہ ہو چکا تھا۔ بہر حال وہ بچے رات بھر پھرتے رہے لیکن راہ نہ چل سکے اور کوفہ سے باہر سفر نہ کر سکے۔ اس پاس رہے کوفہ کے کچھ آدمیوں نے انہیں ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا اور ابن زیاد نے قید کر دیا۔ اور داروغہ زندان کو سختی کرنے کا حکم دیا۔

بہر حال ہر دو روایتوں کے مطابق یہ کس یتیم شہزادے وطن سے مہجور محزون و رنجور مال باپ سے دور اپنے نانا کے دار الخلافہ کوفہ میں محبوس زندان میں ہیں۔ داروغہ حکم ابن زیاد کے مطابق سمجھتا ہے، صرف ایک کوزہ پانی اور آٹھویں پہر دور روٹیاں ان یتیموں کے پیش کرتا۔ قید کی مدت طویل ہوتی گئی اور بچے ماں باپ عزیزوں کی جلائی وطن سے فراق کے صدمہ میں شب و روز مصروف گریہ و بکا رہتے، مدینہ کی طرف رخ کر کے کبھی جد امجد کو پکارتے اور اماں اماں کر کے روتے رہتے۔ کبھی ماموں حسین اور کبھی ماموں عباس کو یاد کرتے۔ پردیس میں طاقت ورجوان بھی کمزور ہو جاتا ہے یہ تو کس بچے تھے۔ پہلا اتفاق تھا کہ گھر سے نکلے اور یہ ایسا سوء اتفاق تھا کہ پھر گھر جانا ماں کو نہ عزیزوں کو دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ پریس اور مسافرت بھی ایک دکھ ہے اور قید ایک مزید مصیبت ہے۔ شہزادوں کا دستور تھا کہ ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر سوتے جب چھوٹا شہزادہ بے قرار ہوتا اور ٹکبیں ہو کر ماں کو یاد کرتا تو بڑا شہزادہ تسلیاں اور دلا سے دیتا اس کے سوا کوئی اور چارہ کار بھی نہ تھا۔ ایک دن شہزادوں نے یہ مشورہ کیا کہ کب تک قید کی صعوبتیں اور زندان کی گہمی برداشت کریں گے داروغہ کو اپنے نسب اور جناب رسالت آب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قربت کا ذکر کر دیں شاید ہمارے ساتھ کچھ رحمدلانہ سلوک کرے۔ اور ہم اس تنگی سے نجات

پابائیں۔ حسبِ معمول داروغہ جس کا نام مشکور بیان کیا جاتا ہے، شام کے وقت دروٹیاں اور ایک کوزہ پانی کالا یا اور شہزادوں کو دیا چھوٹے شہزادے جناب ابراہیم نے لگوگیر آوازیں مشکور سے کہا یا شیخ اَلْعَرَفَ مُحَمَّدٌ اَلْمُحِطُّنَ کیا ترجمہ مصطفیٰ کو پہچانتا ہے۔ اس نے کہا کہ کیوں نہیں پہچانتا وہ تو میرے نبی ہیں میں ان کا کلمہ پڑھتا ہوں، پھر شہزادے نے پوچھا تَا اَلْفَتْحَتِ جَعْفَرُ بْنُ اَبِیْطَالِبٍ کیا تو جناب جعفر کو پہچانتا ہے۔ داروغہ نے کہا ہاں پہچانتا ہوں، خدا نے ان کو دو پر بازوؤں کے بدلے عطا فرمائے ہیں جن کے ساتھ وہ جنت میں ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے ہیں، بعد ازاں شہزادے نے دریافت کیا، اَلْفَتْحَتِ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْطَالِبٍ کیا تو علی بن ابیطالب کو جانتا ہے۔ اس نے کہا کیوں نہیں وہ ہمارے پیغمبر کے بھائی ان کے وصی اور میرے امام ہیں۔ اس کے بعد شہزادوں کے اَنسَو اَبِل پڑے اور کہا شیخ جس پیغمبر کا تو کلمہ پڑھتا ہے ہم اس کے اہل بیت سے ہیں جس علی کو تو امام مانتا ہے ہم اس کے نواسے ہیں ہم مسلم بن عقیل کے شہزادے ہیں، غریب الوطن یتیم سید ہیں۔ مشکور توجہی صاحبِ اولاد ہوگا تیرے دل میں اولاد کی محبت ہوگی تو دروازے سے ہم کو کھانا اور پانی پہنچاتا ہے۔ گرمی کی وجہ سے تو زندان میں داخل نہیں ہوتا۔

آخر ہم بھی کسی کی اولاد ہیں۔ ہم بھی کسی ماں کے محبت جگہ اور کسی باپ کے نورِ نظر ہیں۔ اتنا عرصہ ہو گیا ہے تیرے زندان میں اسیر رہا میں کسی یتیم اور پردہ پس پر اتنی سختی جائز ہے جتنی تو نے اولادِ رسول پر روا رکھی ہے۔ یتیم پر تو رحم کرنے کا حکم ہے۔ تو ستم کرتا ہے۔ ہم آلِ محمد کے یتیم ہیں اور اہلِ کوفہ کے بلائے ہوئے مہمان کے فرزند ہیں۔ داروغہ زندان نے جب یتیم شہزادے کی فریاد سنی اندرونی طور پر وہ محبِ خاندانِ رسول تھا جب اسے معلوم ہوا کہ قیدی جنابِ مسلم کے یتیم اور علی کے نواسے ہیں۔ اس کا رنگ بدل گیا، شہزادوں کے قدموں پر گر کر پڑا قدموں کے بوسے لئے آنکھیں میں ہاتھ جوڑ کر گذشتہ غلطیوں کی معافی مانگی بہت رویا کہا آقا زادے مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ فرزندِ جنابِ مسلم ہیں جسے کے جہانجے اور علی کے نواسے ہیں شہزادے سے یہ زندان کا دروازہ کھلا ہے۔ جس طرف چاہیں آپ نکل جائیں۔ میرا صغیر مجھے کس رہا ہے۔ میری ایمانی غیرت مجھے ملامت کر رہی ہے۔ آپ آزاد ہیں آپ باہر چلے جائیں آپ کے رما کرنے میں ابنِ زیاد کی سختیوں کو میں کھلے دل سے قبول کرتا ہوں اور مصیبتوں کو خندہ پیشانی سے منظور کروں گا۔ میری جان آپ کی حفاظت کے لئے قربان ہو جائے تو میرے لئے سعادت ہے۔ خدا مجھے توفیق نہ دے کہ سادات کے یتیموں کے ہاتھوں میں ترسیاں باندھوں اور اہلِ بیتِ رسول کے بچوں کا داروغہ زندان بنوں۔ معصوم شہزادے تو زندان سے آزاد ہو کر چلے گئے۔ رات بھر پھرتے رہے مدینہ کا راستہ نہ پایا۔

معصوم شہزادے سفر سے نا آشنا تھے نہ راستے چلنے کے عادی تھے رات بھر چلتے رہے مگر کونہ سے باہر نہ جا سکے۔ دن کو سفر خطرہ سے خالی نہ تھا اسی خوف سے دن کو سفر نہ کر سکے اور ایک باغ میں جیسے پر مجبور ہو گئے۔ دن کے وقت چھپ رہے۔

بنابر روایت نامح التوا رستم ایک باغ میں چھپ رہے۔ جس میں ایک تالاب تھا کونہ کی ایک کینز عورت اس تالاب میں پانی بھرنے کے لئے آئی یہ معصوم شہزادے ایک درخت پر چڑھ گئے وہ جتنی کینز جب پانی بھرنے لگی تو صاف پانی میں دھینچ گئیں۔ کینز نے اس کی نظر آئی۔ کینز نے اس کے نورانی چہروں کا عکس تالاب کا شفاف پانی لے رہا تھا۔ عورتیں عموماً نرم دل ہوتی ہیں جب پر دلیسی بچے اور بے وارث یتیم انہیں نظر آتے ہیں تو ان کی خستہ حالی پر انہیں رحم آ جاتا ہے اور ہر ممکن مدد کرتی ہے۔ چنانچہ جب اس کینز نے ان معصوم شہزادوں کو دیکھا تو نہایت نرمی کے ساتھ ان سے حالات دریافت کئے۔ معصوم شہزادوں نے کینز کے سامنے اپنی کیفیت بیان کر دی اس عورت نے کہا کہ میری مالکہ خاندان رسالت کے ساتھ بہت محبت رکھتی ہے۔ امید ہے کہ وہ تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کرے گی اور تم غریب الوطن مظلوموں کو پناہ دے گی۔ شہزادے اس کینز کے دلاس دینے پر اس کے ساتھ اس کی مالکہ کے گھر میں آئے۔ کینز نے ان یتیموں کی سرگزشت بیان کی۔ اس صاحب خانہ عورت نے بچوں کو گلے لگایا ان کے بوسے لئے۔ ان کی عزت و تکریم کی کھانا پیش کیا اور اپنی کینز کے اس حسن عمل پر بہت خوش ہوئی۔ بچوں کو کھانا کھلا کر اس نے گھر میں چھپا دیا اور کینز کو اس بات کے چھپانے کی تاکید کی کیونکہ اس گھر کی مالکہ کا شوہر سنگدل ظالم تھا۔

بناب مشکور کی شہادت

جب ابن زیاد کو مشکور کے ان شہزادوں کو مارا کرنے کی خبر ملی اس نے مشکور کو دوبارہ طلب کیا اور مارا کرنے کی وجہ دریافت کی تو مشکور نے جواب دیا کہ میں نے قرابت رسول کا پاس کیا اور ان یتیموں کو قید میں رکھنے کی بہت نہ رکھ سکا ابن زیاد نے کہا کیا تو نے میرے غضب کی کوئی پرواہ نہ کی اور میرے حکم کی نافرمانی کی مشکور نے جواب دیا میں تیرے غضب سے تو نہ ڈرا بلکہ قہر الہی سے خوف کھایا تو نے ان کے باپ کو قتل کیا اور اب ان یتیموں کو بھی قتل کرتا ہے۔ کیا تجھے ان کی کم سنی پر رحم نہیں آتا۔ یہ جواب سن کر ابن زیاد غضب ناک ہو گیا اور جلد کو حکم دیا کہ مشکور کو پانچ سو کوڑے مارے جائیں اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے۔ مشکور نے جب اپنی سزا کا حکم سنا

تسبیح و تقدیس جناب باری تعالیٰ اِیْمَالِیَا۔ جناب مشکور کعبہ الفاظ تھے ہَذَا فِی اللّٰهِ وَفِی حُبِّ اَہْلِ بَیْتِ
رَسُولِ اللّٰهِ قَلْبٌ۔ اَللّٰہُ اَرْسُولُ اللّٰہِ کے اہل بیت کی محبت میں یہ سزا بہت کم ہے۔
پھر اس نے یہ دعا پڑھی۔ اَللّٰہُمَّ اسْتَجِبْ بَیْکَ وَاُطْلُبْ مِنْکَ الْفَرَجَ وَالسَّوْحَ وَالْقَبْرَ فَاِنِّی
قُلْتُ فِی حُبِّ اَہْلِ بَیْتِ نَبِیْکَ اَللّٰہُمَّ اَلْحَقْنِیْ بِنَبِیْکَ وَآلِہٖ،

اس کے بعد یہ محبِ یتیمانِ مسلم غامض ہو گیا، اس سرشارِ محبت خاندانِ رسالت اور طالبِ شہادت
کا بدن تھا اور کوڑوں کی ضربیں تھیں۔ جب پانچ سو کوڑے اس سعادت مند قلابی کا جسم کھا چکا تو
اس نے نہایت کمزور آواز کے ساتھ پانی طلب کیا مگر ان زیادہ پانی دینے سے روک دیا اور حکم دیا کہ
اسے پیاسا ہی قتل کر دو۔ عمرو بن حارث آگے بڑھا اس کے حق میں سفارش کی اور گھراٹھا کر لے گیا
تاکہ دروازہ روکے لیکن بدنِ صحت پانے کے قابل نہ رہا۔ مشکور نے آنکھ کھول کر کہا اب مجھے پانی کی
ضرورت نہیں رہی ساقی کو قتل کرنے مجھے آج کو قتل سے سیراب کر دیا اس کے بعد یتیمانِ مسلم کے حال پر
رحم کرنے والا حق خاندانِ رسالت پہنچانے والے اور اپنی جان یتیمانِ آلِ محمد پر قربان کرنے والا سعادت
پاکر شہادتِ کاملہ حاصل کر گیا اور جرورِ رحمتِ صحبتِ جناب سرکارِ رسالت میں پہنچ گیا۔
جناب مشکور کی شہادت کے بعد ہم یتیمانِ جنابِ مسلم کی شہادت لکھتے ہیں۔

شہزادے دن بھر تو مکان میں چھپے رہے۔ جب رات چھا گئی۔ تو اس عورت کا شور ہو جس کا نام حارث
تھایا بروایت اس کا دادا تھا کماندہ۔ غصے اور پریشانی کی حالت میں گھر ٹوٹا۔ اس کی زوجہ نے رات گئے
باہر رہنے اور پریشانی اور تھکاوٹ کی وجہ پر بھی تو اس نے جواب دیا کہ مشکور داروغہ زندان نے مسلم
کے میزبان بن چکے قید سے رہا کر دیئے تھے وہ کہیں چلے گئے۔ ابن زیاد نے ان کی گرفتاری کی منادی
کرائی تھی اور پکڑ کر لانے والے کے لئے خلعت اور بہت سے انعام کا اعلان کیا تھا میں اس خلعت
اور انعام کی لالچ میں ان کی تلاش میں سرگرداں پھرتا رہا تمام راہیں چھان ماریں تمام گلیاں اور سڑکیں دیکھیں
لیکن ان کا سراغ نہ پاسکا۔ پریشان حال اور تھکا کماندہ ناکام ہو کر واپس آیا ہوں۔ تنہا تھی اگر وہ یتیم مل
جاتے تو ان کی گرفتاری پر انعام حاصل کرتا۔ اس کی نیک دل زوجہ نے اسے ملامت کی کہ چند سکوں کے
عوض آلِ رسولؐ کے یتیموں کے قتل کے درپے ہوتا۔ جس رسولؐ کا کلمہ پڑھا ہے اس کی اہل بیت کے
یتیموں معصوم بچے گناہوں کے ناحق خون میں ڈھکے نہ لگیں کیوں کرتا ہے۔ اس کی زوجہ کی نیک نصیحت کا
اس بدشاہ اور سنگدل جفاکار پر کوئی اثر نہ ہوا۔

اس مومن نے منافق شوہر کے سامنے کھانا رکھا کھا کر دھشتی نابکار بستر پر دراز ہو گیا یتیم شہزادے

ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر خوفِ حاکم سے سبھے ہوئے سو رہے تھے۔ بڑے شہزادے کا نام محمد ہے چھوٹے کا ابراہیم۔ بڑا شہزادہ عالمِ خراب سے گھیرا ہوا بیدار ہوا۔ چھوٹے بھائی سے کہتا ہے اماں جایا! موت ہمارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ ہماری زندگی کے ایام ختم ہوتے ہیں اس نے تھے بھائی کو گلے لگایا بے وطن شہزادوں کے آنسو بہنے لگے۔ اپنے چھوٹے بھائی کو بڑا شہزادہ خواب سنا رہا ہے۔ میرے بھائی! میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ جدِ امجد خباب محمد مصطفیٰ۔ نانا علی مرتضیٰ! جنابِ فاطمہ الزہراء! اموں! سنِ مجتبیٰ! اور بابا مسلم کو جنت میں دیکھا ہے۔ جدِ امجد خباب محمد مصطفیٰ! بابا مسلم کو فرما رہے ہیں مسلم! تو نے معصوم یتیموں کو کس طرح بے وارث کر کے دشمنوں میں چھوڑ دیا ہے۔ بابا مسلم نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ کل ہمارے پاس پہنچ جائیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کل صبح ہم آپے بابا کو جا ملیں گے۔ چھوٹے شہزادے نے جواب دیا۔ اماں جایا! میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔

آ بھائی! میرے گلے لگ جا مجھے گلے لگالے دونوں بھائی دبی آواز میں ایک دوسرے کو گلے لگا کر رو رہے تھے کہ سنگدل ملعون نے بچوں کی آہستہ آہستہ آوازیں سنیں، اس نے جان لیا کہ میرے گھر میں کچھ غیر آدمی ہیں، اپنی بیوی سے اس نے دریافت کیا اس نیک دل موثر نے تو کوئی جواب نہ دیا۔ یہ ملعون خود بستر سے اٹھا رات کی تاریکی میں لڑکھڑاتا چلا دیواریں کپڑ کر آنے والی مدہم آوازوں کی جانب لپکا۔ معصوم شہزادوں کو اس سنگدل کی آمد اور حال کا پتہ نہ تھا اور نہ یہ جانتے تھے کہ قاتل کے گھر میں پوشیدہ ہیں اور یہی قاتل ہماری تلاش میں سارا دن سرگرداں رہا۔ وہ ملعون لڑکھڑاتا ہوں اس جگہ پہنچا جہاں یتیم بے قرار بیٹھے تھے بے رحم کا ہاتھ معصوم کی چوٹی پر پڑا۔ صغیر شہزادے کے بالوں کو کپڑ کر کہا مَیْنِ اَنْتَہَا؟ وَمَا تَصْنَعَانِ فِي هٰذَا الْمَكَانِ؟ تم دونوں کون ہو۔ اور اس جگہ کیا کام ہے؟ کیوں آئے ہو؟ یتیموں نے جواب دیا مَحْنُ اَمْنِیَا فُلْکُ؟ وَمِنْ عِلْوَرۃ نَبِیْکَ دَلَا اَمْسَلَمَ بِنِ عَقِیْلِ۔ ہم تیرے مہمان ہیں اور تیرے پیغمبر کی عزت و اہل بیت سے ہیں اور مسلم بن عقیل کے فرزند ہیں۔

اس ملعون نے کہا تم ہماری ہی تلاش میں ہیں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھوڑے کو خراب و تباہ کیا اور سارا دن سرگرداں رہا اور تم میرے گھر میں ہو۔

وہ ملعون غریب الوطن شہزادوں کو ٹانچے مارنے لگا اور معصوم شہزادے دہائی دینے لگے اس کے بعد اس نے ان یتیموں کے ہاتھ باندھ دیئے بعض روایت میں ہے کہ ایک ستون کے ساتھ باندھ دیئے خود تو اپنے بستر پر آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا اور یہ شہزادے ساری رات بندھے رہے اور بابا اور اموں کو یاد کر کے روتے رہے۔ کس قدر مصیبت کی گھڑی اور دردِ عالم کی رات تھی کہ عالمِ غربت

میں بیکی کی حالت میں فکیر کرتے تھے اور کوئی ناصر و مددگار نہ تھا شدتِ درد سے چلاتے تھے مگر کوئی ہمدرد نہ تھا۔ بندھے ہوئے ہاتھوں کی وجہ سے باہم گلے مل نہ سکتے۔ پندرہیس میں جوان آدمی کا دل بھی گھبراتا ہے۔ اور یصغیر السن بچے اپنے دکھوں، مصیبتوں اور زندگی کی آخری رات میں کبھی نانا کو پکارتے کبھی بابا کو اور کبھی ماموں حسین اور ماموں عباس کو یاد کرتے بار بار اماں اماں کہتے مگر نہ دیاں نانا نہ باپ نہ ماں نہ ماموں کس حالت میں وہ رات انہوں نے گزاری اس کو یتیموں کے دل یا حادث کی زبرد سے بوجھتے وہ نیک دل عورت اور تو کچھ نہ کر سکتی تھی ان کے قریب اگر ان کے دست و پا کو بوسے دینے لگی۔ اس عورت کا پیار دیکھ کر ان معصوموں کو ماں کا پیار یاد آگیا۔ ماں کی طرف دھیان پھر گیا اماں اماں کہتے لیکن ماں سے دور ماں کی جہائی ان کی مصیبت بڑھ رہی تھی۔

عزادار و! جب کسی ماں کا لحنتِ بکر گم ہو جائے تو اس ماں کو چین نہیں آتا کھانا نہیں کھا سکتی نیند نہیں آتی بستر پر سو نہیں سکتی بار بار اُٹھ کر نورِ نظر کو پکار کر فریاد کرتی ہے۔ نہ معلوم کیا حال ہوا ہوگا اُجڑی رقیہ کا جب مسلم کی شہادت کی خبر سن کر یتیموں کے گم ہو جانے کی خبر سنی ہوگی۔ مگر کس سے فریاد کرے کسے یاد کرے۔ یہاں تو بھری گرد میں اُجڑ رہی تھیں اور کئی نورِ نظر آنکھوں سے غائب ہو رہے تھے۔ اور پھر جب گم ہو جاتا ہے تو کس قدر بے قرار ہو جاتا ہے۔ وطن کو یاد کرتا ہے۔ ماں باپ کو یاد کرتا ہے عزیزوں کو یاد کرتا ہے کیا اس کے آنسو تم جانتے ہیں کیا اس کے دل کی دھڑکنیں رُک سکتی ہیں۔ کیا اسے چین نصیب ہوتا ہے۔ اور جب بچھڑے ہوئے لال ماں کو مل جاتے ہیں تو کون آنسو ضبط کر سکتا ہے۔ مگر یہ فراق ایسا تھا جو ملاپ سے بے نصیب رہا۔ ماں کو پتہ نہیں میرے لال کہاں ہیں۔ اور بچوں کو خبر نہیں ماں کہاں ہے۔ بہر حال یہ دکھ بھری رات دردماری رقیہ کی جوڑی نے آہوں اور سسکیوں کے ساتھ گزار دی۔

جب سحر نمودار ہوئی اور صبح کی سفیدی شہزادوں کے خون کا پیام لائی وہ شقی بابکار بستر سے اٹھا ہتھیار لگائے۔ بچوں کو پکڑا مہابیت سنگدلی کے ساتھ معصوموں کی جوڑیوں میں ماتھے ڈالا۔ بچے شرت درد اور ظلم کی مہیب صورت سے چلا اٹھے بچے روتے تھے لیکن ظالم کو ترس نہ آتا تھا بے رحمی کے ساتھ بچوں کو کھینچتا تھا۔

حادث بچوں کو دربا ئے فرات کے کنارے ذبح کرنے کے لئے لے گیا اور اس کی بیوی اس کے پیچھے دہائی دے رہی تھی یہ بچے یتیم ہیں بے قصور ہیں ہمارے مہمان ہیں کس میں عترتِ رسول ہیں۔ چند سکونِ عوض انہیں قتل نہ کر مگر اس پاک دل مومن کی فریاد پر اس نے توجہ نہ کی غلام کو حکم دیا کہ

ان بچوں کے سرقلم کرے۔ غلام نے انکار کر دیا کہ میں عزت رسول کے ناحق خون میں ہاتھ نہ لگیں نہیں کرتا ایک روایت میں ہے کہ غلام نے تلوار پکڑی تو بچوں نے کہا اسے غلام تو شکل میں بلال مژدن رسول کے کس قدر مشابہ ہے۔ ہم عزت رسول اور ذریت علی نہیں۔ ہمارے قتل سے کنارہ غلام تے تبیان عزت پیغمبر کے دست و پا چرمے تلوار ہاتھ سے پھینک دی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ غلام اپنے مالک حارث ملعون کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا اور ایک روایت بتاتی ہے کہ وہ دریائیں کو دھڑا اور تیر کر دوسرے کنارے جا لگا اس طرح وہ سنگدل مالک کی عفویت سے بچ گیا۔ پھر اس نے اپنے دھکے سے کہا کہ یہ تمام دنیا و دولت زرد مال جائیداد ناجائز طریقے سے تیرے ہی لئے جمع کر رہا ہوں تلوار لے اور ان کمزور غریب ناتوان بچوں کے سر جڈا کر۔ اس کے بیٹے نے بھی اس عظیم جرم کے ارتکاب سے انکار کر دیا آخر اس بے رحم بد بخت دنیا نے کہا کہ یہ کام سوائے میرے کوئی اور نہیں کر سکتا۔ تلوار خود پکڑی بچوں نے سمجھ لیا کہ یہی ہمارا قاتل ہے اور یہ درگزر نہ کرے گا اس واسطے اعتقا جا گیا یا شیخ! ہمیں قتل نہ کر ہمیں غلام بنا کر بازار میں بیچ دے تجھے انعام کے برابر مال مل جائے گا۔ روزِ محشر محمد مصطفیٰ کو ہمارے خون کا مدعی نہ بنا۔ حارث نہ مانا۔ بچوں نے کہا ہمارے ماموں تجھے نیرے متوقع انعام سے زیادہ مال دیں گے ہمیں قتل نہ کر ہماری ماں کی انگلیں بر باد نہ کر ہماری بہنوں کو سو گوار نہ کر حارث نہ مانا۔ بچوں نے کہا ہمیں زندہ ابن زیاد کے پاس لے چل وہ خود ہی فیصلہ کر لے گا۔ چونکہ اس ملعون پر بد بختی چھا چکی تھی شقاوت غالب کچکی تھی اس واسطے اس نے کس مظلوموں کی التجاؤں کو ٹھکرا دیا۔ اس نے کہا کہ میں تمہارے قتل سے ابن زیاد کا تقرب اور تمہارے سروں سے انعام و خلعت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ شہزادوں نے کہا اگر تو ہمارے قتل سے باز نہیں آتا اور ضرور ہمیں ذبح کرنا چاہتا ہے۔ تو ہمیں اتنی مہلت دے کہ زندگی کے آخری لمحوں میں چند رکعات نافلہ ادا کر لیں۔ حارث نے مہلت دی۔ بچوں نے چار رکعت نماز پڑھی۔

پھر دست دعا جانب آسمان اٹھائے رد و ذکر تافضی الحاجات کی بارگاہ میں ٹوٹے ہوئے دل لرزتے ہوئے ہاتھوں اور اشکیار آنکھوں کے ساتھ دعا کی یا حسیٰ یا علیہم یا اھکم ائھا مکیں اھکم یئنا و بیئنا بالحق۔ بعد نماز بڑا شہزادہ محمد اٹھا ملعون نے تلوار ماری، سر جڈا ہو گیا۔ چھوٹے شہزادے نے بڑے بھائی کا خون منہ پر مل لیا۔ سر اس نے ایک تھیلے میں رکھا اور لاش دریا میں پھینک دی۔ لاش پانی پر تیرتی رہی اور اپنے چھوٹے بھائی کا انتظار کرتی رہی۔ اس کے بعد اس نے چھوٹے شہزادے کا سرقلم کیا سر تھیلے میں رکھا اور لاش دریا میں پھینک دی۔ سر اس نے ابن زیاد کے پاس لے جانے کیلئے

اپنے پاس تھیلے میں رکھ لئے تھے اور لاشیں دریائے سپرہ کے کنارے ڈال دیں۔ جب دوسری لاش اس نے دریا میں پھینکی پہلی لاش انتظار میں تھی دونوں لاشیں باہم الجھکر ہو گئیں اور دونوں زیر آب چلی گئیں۔

اس جرمِ عظیم کا مرتکب ہو کر زمین تھرا کر عرشِ ہزارا کے قبر رسولِ ہلاکہ علی و بتزل کوڑا کر مقدس سروں کو وہ تھیلے میں لے کر سوئے دربار ابن زیاد و انعام کے لالچ میں چلا۔ ”تصرعاتہ“ میں پہنچتے ہی اس نے سر نکال کر ابنِ مرثانہ کے پیش کر دیئے۔ ابنِ زیاد نے پوچھا: یہ کن کے سر ہیں؟ حارث نے جواب دیا: یتیمانِ مسلم کے سر ہیں۔ چاند سی صورتیں خاک و غرن میں غطان تھیں کس ماں کے محنت جگر اور کس باپ کے نورِ نظر تھے سیاہ زلفیں دو ننھے ننھے مہ پاروں پر لہرا رہی تھیں۔ اہلِ دربار کہتے ہی سنگدل تھے مگر معصوم و مظلوم چہروں کو دیکھ کر جھوٹ جھوٹ کر رونے لگے۔ خاندانی وجاہت اور ناشی شاہت دعوتِ نظارہ دینے لگی۔ خون کے قطرے اور خاک بھری زلفیں ظالم سنگدل کی بے رحمی و شقاوت کا نقشہ پیش کر رہی تھیں کٹی ہوئی گردنوں سے لہو کی بوندیں اور مسلم کے دو ننھے ننھے چاندوں پر طمانچوں کے داغ خود ابنِ زیاد ایسے شقی القلب کو رونے پر مجبور کر رہے تھے ابنِ زیاد کتنا ہی سنگدل تھا مگر معصوم و مظلوم چہروں کو دیکھتے ہی بے قرار ہو گیا۔ وہ ظالم کبھی پر بیٹھا تھا تین بار اٹھا اور بیٹھا اور اس نے حکم دیا کہ ان سروں کو نہلا دھلا کر طشت میں لے آؤ۔ شہزادوں کے سروں کو دھویا گیا۔ زمین کو فہ کی گرد بالوں میں جی ہوئی تھی صاف کیا گیا معلوم نہیں کب شہزادوں نے غسل کیا تھا اور کتنا عرصہ کتنی خاک سروں میں پڑی رہی۔ لے نکلے سرِ مردار اور تم سر دھونے اور خاک نکلانے کے لئے کتنی جلدی کرتے ہو مگر مسلم و رقیہ کے یتیموں سے پوچھو کتنی مدت خاک سروں میں رہی مرنے کے بعد سر دھلائے گئے آخر ایک طشت میں رکھ کر ابنِ زیاد کے سامنے رکھے گئے تو یہ ملعون خود بھی آبدیدہ ہو گیا اور بھری کچہری آنسو بہانے لگی۔ حارث ملعون ابنِ زیاد سے انعام و خلعت طلب کر رہا تھا اور لوگوں کی نفرت بھری نگاہیں لعنتِ لامنت کر رہی تھیں۔ رقیہ کے لال ابنِ زیاد کے دربار میں زبانِ حال سے اپنی شہادت کا مرنیہ پڑھ رہے تھے۔ فضا سو گوار تھی۔ ہر دل منگسار اور ہر آنکھ اشکبار تھی۔ آنسو تھے کہ تھمتے نہ تھے آہیں تھیں کہ رکتی نہ تھیں۔

ابنِ زیاد نے حادثہ ملعون سے یہ قصہ درد بیان کرنے کو کہا۔ ابنِ زیاد دریافت کرتا ہے اور حارث جواب دیتا ہے۔

ابنِ زیاد! تو نے انہیں کہاں پایا؟

حارث! میری عورت نے انہیں گھبراہٹ میں جہان رکھا۔

ابنِ زیاد! تو نے پھر حقِ مہمانی کا کچھ پاس نہ کیا۔ عربِ غیرت کے مطابق تو نے انہیں پناہ نہ دی۔

حارث! میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور انعام حاصل کرنے کی کوشش کی۔
ابن زیاد! میں نے تو زندہ پکڑ لانے کو کہا تھا کیونکہ میں نے یزید کو ان دونوں بچوں کے حال سے آگاہ کر دیا تھا اگر وہ مجھ سے ان کو طلب کرے تو میرے پاس کیا جواب ہے؟
حارث! میں زندہ پکڑ کے اس لئے نہیں لایا کہ گرفت میں دے دیے شیعہ ہیں ہر سکتا کہ کوئی گروہ یا چند آدمی مجھ سے چھین لیتے اور میں تیرے تقرب و انعام سے محروم رہ جاتا۔
ابن زیاد! جب تو انہیں قتل کرنے لگا کچھ کہتے بھی تھے؟
حارث! یہ کہتے تھے ہمیں بازار میں بیچ کر اپنی دنیا کی لالچ پوری کر کے ہمیں قتل نہ کر
ابن زیاد! تو نے کیا کہا۔
حارث! میں نے کہا کہ میں تمہیں بیچا نہیں میں تمہیں قتل کر کے تمہارے سر پیش کر دوں گا۔
ابن زیاد! اور کیا کہا۔
حارث! انہوں نے کہا کہ ہمیں زندہ اپنی زیاد کے پاس لے چل وہ خود جو چاہے فیصلہ کرے گا
ابن زیاد! اگر تو زندہ پیش کرنا تو تجھے دو گنا انعام دینا۔ پھر اور کیا کہا۔
حارث! انہوں نے قرابت رسول کا واسطہ دیا، اسی صغیر سنی کا واسطہ دیا۔
ابن زیاد! پھر تر نے کچھ رحم نہ کیا؟
حارث! میں ان کے خون بہانے پر تیار ہو چکا تھا ان التجاؤں نے میرے دل پر کوئی اثر نہ کیا اور
نرمیرے دل میں رحم آیا۔
ابن زیاد! دیکھ کیسے حسین و جمیل شہزادے ہیں کیسی چاند سی شکلیں ہیں بنا تو یہی کہ ان کی زلفوں کے
بال ٹوٹے ہوئے کیوں ہیں اور ان چاند سے رخساروں پر نیلے داغ کیسے ہیں؟
حارث! جب میں انہیں قتل کرنے کے لئے دریا ئے فرات کی طرف لے چلا بہ انتہائیں کرتے اور
رحم طلب نظروں سے دیکھتے ہیں ان کے بالوں کو پکڑ کر گھسیٹتا تھا جس کی وجہ سے ان کے سروں کے بال ٹوٹ
کر میرے ہاتھ میں رہ جاتے۔ اور جب یہ حسرت بھری نگاہوں سے مجھ سے رحم کی اپیل کرتے ہیں انہیں طاہجے
مازنا اور یہ نیلگوں داغ میرے ٹانگوں کے نشان ہیں۔
حارث سمجھتا تھا کہ ابن زیاد خود سنگدل اور سختی ہے میں جس قدر ظلم کی داستان بناؤں گا وہ خوش ہو کر
مجھے قریبی بنا لے گا اور میرا خلعت و انعام بڑھائے گا۔
مگر اس ملعون کو خبر نہ تھی کہ مظلوموں کا ناحق خون فوراً رنگ لائے گا اور تیمم کی آہ و زاریاں ان کے

نالے اور ان کے سروں سے گرتے ہوئے قطرے عرشِ خدا کو نذرانے ہیں اور قہارِ خدا کو غضبانہ کر رہے ہیں۔ معصوموں کے منھے ہاتھوں کا دعا کے لئے جانبِ آسمان اٹھنا فضا کو غضبناک کر دے گا۔ اشکبار آنکھوں درد بھری آہوں اور جگر ٹکار سسکیوں کے ساتھ نھنی نھنی زبانوں سے غریب الوطنِ مظلوم یتیموں کی حسرت بھرے دل سے نکلی ہوئی دعا آسمانوں سے گذرتی ہوئی عرش کو ہلکتی ہوئی فوراً بابِ اجابت سے جا ٹکرائی اور قہر و غضبِ خدا نے اس ظالم دشمن کو سنگدل قاتل سے انتقام لینے پر مجبور کر دیا۔

ابنِ زیاد نے پھر پوچھا آخری بار انہوں نے کیا کہا۔

حارثؓ انہوں نے نماز کے لئے مہلت مانگی میں نے اجازت دے دی۔ فراغت نماز کے بعد انہوں نے دعا مانگی: *يَا حَيُّ يَا قَيُّمُ يَا حَكِيمُ الْحَاكِمِي اَحْكَمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ الْمَلُوقُ*، اے زندہ، اے سب کچھ جاننے والے اے تمام حاکموں کے حاکمِ اعلیٰ ہمارے درمیان اور اس ظالم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما۔

اس وقت ابنِ زیاد نے غضبناک ہو کر کہا خدا نے فیصلہ کر دیا ہے جو میں تجھے سنا تا ہوں۔ پھر کہا کن ہے؟ جو اس مردود کو اسی جگہ لے جا کر قتل کرے۔ ایک مرد شامی اٹھا اس نے کہا میں حاضر ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کا نام مظالم تھا اور وہ درپردہ محبِ اہل بیت تھا۔ ابنِ زیاد نے حکم دیا کہ اس مردود کو اس مقام پر لے جا کر قتل کر جہاں اس نے ان بچوں کو قتل کیا ہے لیکن خیال رکھنا کہ جہاں ان بچوں کا خون گرے وہاں اس تجس و ناپاک کا خون نہ گرے اور اس کا خون ان کے خون میں مخلوط نہ ہو۔

اس مرد نے حارث ملعون کی شکیں باندھیں۔ اور کشاکشِ جانبِ فرات سے چلا وہ شخص مقابل کہتے کہ اگر مجھ پر دے زمین کی سلطنت مل جاتی تو میں اتنا خوش نہ ہوتا جتنا یتیموں کے قاتل کے قتل کرنے سے خوش ہوئی۔ جس گلی اور بازار سے یہ حارث ملعون گذرنا لوگ اسے پتھر مارتے اور لعنت و ملامت کرتے۔ آخر وہ شخص اسے لبِ فرات لے گیا اور عذاب دے کر اسے قتل کیا پھر اس کی لاش دریا میں چھینکی مگر وہ باکی لہروں نے اسے تجس میت کو قبول نہ کیا ساحل سے باہر پھینک دیا۔ دوسری بار اس نے اس کی لاش کے ساتھ جاری پتھر باندھے مگر فرات کے پانی نفرت کرتے ہوئے اسے باہر پھینک دیا تین مرتبہ ایسا ہوا۔ گڑھا گھود کر اسے مٹی میں چھپانے کی کوشش کی مگر اس کے منحوس مردہ کو زمین نے بھی قبول نہ کیا۔ آخر اس کی لاش جلانی گئی اس کے بعد ابنِ زیاد نے حکم دیا کہ ان سروں کو دریا میں اس جگہ ڈال دو جہاں ان کی لاشیں ڈالی گئیں۔ چنانچہ جب ان پاک سروں کو اس جگہ دریا کے پانی میں ڈالا گیا تو لاشیں سطحِ آب پر اچھرائیں اور ہر سرائی لاش کے ساتھ مل گیا اور یہ دونو شہزادوں کی لاشیں سروں کو ملا کر پانی کے اندر چلی گئیں۔ لا لعنة الله على القوم الظالمين۔

ساتویں مجلس

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بہت رحم کرنے والا بے حد مہربان

حضرات مومنین اس مجلس میں اللہ کے دو بزرگ ناموں کی تشریح کی جاتی ہے۔

ان دونوں کی عظمت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ بسم اللہ میں ذاتی نام اللہ بعد کے جوام اسماء حسنیٰ میں سے کلام پاک میں وارد ہیں وہ "الرحمن الرحیم" ہیں جو اللہ کی صفت بنتے ہیں یعنی اوصاف خدا میں رحمن اور رحیم پہلی صفت ہیں۔ اسم ذات نے جو مخلوق پر اپنی شان کی جلوہ گری کی وہ رحمت کی تحبیب ہے۔ مصدر رفیع سے مخلوق کے لئے رحمت کا چشمہ جاری ہوا رحمت کو عذاب پر سبقت حاصل ہے۔ چنانچہ مری ہے کہ جب جد جناب آدم علیہ السلام میں روح چھوئی گئی۔ دماغ میں روح مبارک کا دخول ہوا تو جناب آدم کو چھیک آئی انہوں نے پڑھا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَمْدِہُ اس جملے کے جواب میں معبود نے کہا "سَبَّحْتَ اللّٰہَ" پھر آواز قادر کریم آئی "سَبَقَتْ رُحْمَتِیْ غَضَبِیْ" میری رحمت میرے غضب سے بڑھ گئی، اسی وجہ سے یہ عادت سنت میں داخل ہے کہ جب کسی آدمی کو چھیک آئے کہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" ساتھ بیٹھا ہوا آدمی کہے "سَبَّحْتَ اللّٰہَ"۔

علمی تشریح "وَرَحْمَنُ" اور "رَحِيمٌ" یہ دونوں اسم "رحمت" سے نکلے ہیں، یہ دونوں اسم مشتق ہیں ان کا مصدر "رَحِمَ" ہے، اسم تاعیل کے معنی میں مبالغہ کے صیغے ہیں جن کا مفہوم ہے بہت رحم کرنے والا۔ ان سے پہلے "رَبِّ الْعَالَمِينَ" کا ذکر ہے رب وہ ہے جو رحیم ہے بغیر عذاب رحم کے تربیت ہو ہی نہیں سکتی جن کی تربیت مقصود ہے۔ از قسم انسان ہوں یا حیوان یا نبات و جاد تربیت جسمانی ہو یا روحانی علمی ہر با علمی بغیر رحم و محبت کے کوئی مربی تربیت دے نہیں سکتا اس واسطے کہ "رَبِّ الْعَالَمِينَ" نے ماں کے دل میں محبت، اولاد اور رحم و پیار کے جذبات بھر دیئے ہیں تاکہ اولاد کی تربیت کا ہر دم خیال رکھے۔ نیچے کی بے قراری ماں سے دیکھی نہیں جاتی، جانوروں کو دیکھو بہ ندرت کو دیکھو کس قدر اولاد سے محبت رکھتے ہیں جس قدر مال کو اولاد سے محبت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو اپنی مخلوق سے محبت ہے۔

ماں کے اس پیار سے جو اولاد سے ہے خدا کا پیار مخلوق پر زیادہ ہے۔ خدا نہیں چاہتا کہ میرا بندہ عذاب میں گرفتار ہو۔ بے شک اس نے جہنم بنائی ہے لیکن وہ بندوں کا جہنم میں داخلہ پسند نہیں کرتا۔ جنت کے دروازے کھلے ہیں داخلے کے لئے بھی سلائے عام ہے۔ لیکن کیا کہیے کہ پیار لوگ جہنم کا داخلہ پسند کرتے ہیں اور ہر قیمت پر پسند کرتے ہیں۔

رحمت کی اقسام

رحمت کی تعریف عام طور پر اردو زبان میں مہربانی اور س پیار کر رحمت کہتے ہیں اس کی اصطلاحی تعریف ہے۔ ایصالِ خیر و دفعِ شر، خیر پہنچانا اور شر ہٹانا، خیر سے محفوظ اور شر سے محفوظ رکھنا جو چیز غیر کے مفہوم میں داخل ہے وہ ملنا کرنا اور جو شر کے مفہوم میں ہے اس سے بچانا۔ یہ ہے رحمت کی تعریف۔ رحمت کی دو قسمیں ہیں۔ وہ رحمت کہ جس کا تعلق دورانِ پرورش ہے کہ مربی کے جذباتِ رحم پرورش کا تقاضا پورا کرتے ہیں ضروریات تہیا کرنا اور تربیت کے مواقع دور کرنا اس قسم کی رحمت کا تعلق اسم "رحمن" کے ساتھ ہے۔ یہ رحمت معاشی کہلاتی ہے۔ رحمت کی دوسری قسم ہے کہ پرورش پانے والی چیز کو اس کے درجہ کمال تک پہنچانے کے اس سے انجام اور اس کے چل کا حاصل کرنا یعنی تربیت کا مقصد اور غرض کا حصول کیونکہ کسی چیز کی بے مقصد تربیت اور بے غرض پرورش ہو و حسب میں شمار ہوتی ہے اور خلقِ عالم رب العالمین نے کوئی چیز بے فائدہ اور بے مقصد نہیں پیدا کی۔ اس واسطے پروردہ حیر سے فائدہ حاصل کرنا یہ پرورش کا مقصد ہوتا ہے۔ چونکہ خداوند عالم غنی عن العالمین ہے اس واسطے کسی مخلوق کا فائدہ اس کی ذات حاصل نہیں کرتی۔ مخلوق کا فائدہ مخلوق ہی میں گردش کرتا ہے۔ لیکن اس کا انجام ضروری ہوتا ہے اس رحمت کا تعلق کسی چیز کے معاد سے ہے اور اس کا مظہر اسمِ رحیم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ معاشِ عالم سے جس رحمت کا تعلق ہے وہ اسمِ رحمن کے ساتھ متعلق ہے اور جس رحمت کا تعلق معادِ انجام نایت اور آخرت سے ہے وہ اسمِ رحیم سے متعلق ہے۔ اسی واسطے کہا جاتا ہے۔

يَا رَحْمَنُ الدُّنْيَا وَرَحِيمُ الْآخِرَةِ

جو رحمت کی بارش اس دنیوی عالم اور اس مادی گلشن کو سیراب کرتی ہے۔ اس کے فاعل کو لفظِ رحمن سے تعبیر کرتے ہیں اور آخرت کے گلزاروں کی جس رحمت سے آبیاری ہوتی ہے۔ اس کے فاعل کو "رحیم" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ فاعل ایک ہے اور نام الگ الگ ہیں۔

اس رحمن کی گھاس جو مینہ برساتا ہے اس سے ہر شخص ادنیٰ و اعلیٰ، نیک و بد، مومن و مشرک

مسلم و منافق، موحّد و ملحد، پاک و نجس اور ہر چیز اچھی و بُری پاک و پلید، مُضر و مفید، نور و بصورت و بد صورت سیراب ہوتی ہے غذا حاصل کرتی اور پرورش پاتی ہے۔

لیکن اسمِ رحیم کے بادل سے جو بارش ہوتی ہے۔ اس سے خاص اہل ایمان اہل توحید مومنین رسالت اور صاحبانِ ولایت ائمہ علیہم السلام نیکو کار متقی اور اصحابِ جنت بہرہ مند ہوتے ہیں۔ رحیمی رحمت کے خزانے مومنین کے لئے اور اصحابِ جنت کے لئے مخصوص ہیں جب رحمانی رحمت کے انعامِ عالم مادی کے ہر باشندہ کے لئے عام ہیں۔

رحمتِ خدا کی وسعت

اس کی رحمت کا دریا بہت وسیع ہے تمام عالم امکان اس کے گہرے میں ہے اگر کوئی شخص گناہوں کے زنجیروں میں گرفتار چلنے سے معذور ہو کر لبِ دریا پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتا مگر اپنے جرم پر پشیمان ہو اور نگاہِ سرے لطفِ رحمن ہو تو رحمت کا بحرِ غارِ جوشِ زن ہو کر اپنی موجوں میں بندہ گنہگار کو لپیٹ لیتا ہے بندے کا احساسِ ندامت رحمت کے ریلے کو دعوت دیتا ہے اس کے بندھن کھل جاتے ہیں اور رحمت کا پانی اس کے عصبان کی میل کچیل دور کر دیتا ہے۔ کس کہاں مہربانی سے فرماتا ہے قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ اے پیغمبر! میرے ان بندوں سے کہہ دو جنہوں نے میری نافرمانی میں اپنے نفسوں پر بہت زیادتیاں کی ہیں اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ یقیناً خدا تمہارے تمام گناہ بخش دے گا بے شک وہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ اس کی رحمت ہے کہ بندہ برائی کرے تو ایک برائی کے بدلے میں ایک ہی برائی کی سزا پائے گا لیکن اگر نیکی کرے تو صرف ایک نیکی نہ بلکہ دس نیکیوں کی جزا پائے گا۔ اگر نیکی کرے تو اس کی نیکی لکھنے والے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ اس کی نیکی فوراً اس کے نامہ اعمال میں لکھ دو لیکن اس کی بدی جلدی نہیں لکھی جاتی بلکہ وقفہ رکھا جاتا ہے۔ شاید اسے احساسِ ندامت دامنگیر ہو اور توبہ کرے تاکہ اس کا اعمال نامہ برائیوں سے داغدار نہ ہو۔

اس کی رحمت ہمارے قریب آتی ہے لیکن ہم خواہشات کے پجاری اور نفس پرست اس کی رحمت سے خود دور بھاگتے ہیں کسوا ماً کا تئیں ۝ تو ہمارے ساتھ حکمِ خدا رعایت کرتے ہیں ہمیں توبہ کی مہلت دیتے ہیں لیکن ہم ہیں کہ انہیں بہرہ وقت لکھنے میں مصروف رکھتے ہیں نیکیاں لکھتے

میں نہ نیکیوں والے فرشتے تو عموماً فارغ رہتے ہیں بیدیاں لکھنے میں برائی نویس فرشتے ہر وقت مشغول ہم نافرمان بندے انہیں فرصت ہی نہیں دیتے ۔

مگر غفور رحیم خالق بندے کا جہنم میں جانا گوارا نہیں کرتا اگر بندے کا دل سلیم ہو اپنے کئے پر پھٹکا کہ خوفِ خدا سے روئے تو اس کے آنسوؤں کے قطرے نامہ اعمال کی تمام برائیوں کو دھو دیتے ہیں ۔
بیلکہ علامہ اقبال فرماتے ہیں ۔ موتی سمجھ کے شانِ کرمی نے چمن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ افعال کے ۔

جواب میر انیس علی اللہ مقامہ کی رباعیاں نہایت مناسب مقام میں فرماتے ہیں
محکم نہیں عبد سے عبادتِ تیری خلق و کرم وجود ہے عادتِ تیری
گو صحرا میں عیلاں میرے پردیا دریا ہے رحمتِ تیری

لفظِ رحمن اللہ کے لئے مخصوص ہے خدا کے سوا کسی کو رحمن نہیں کہہ سکتے بلکہ لفظِ رحیم خدا کے سوا استعمال ہو سکتا ہے قرآن مجید میں جنابِ رسالتِ مصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رؤف و رحیم کہا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ ترجمہ تمہارے پاس تمہارے نفسوں سے رسول آیا ہے تمہارا رنج اور محنت اُسے گوارا نہیں تم پر اُسے حرص ہے ایمان کے متعلق مومنین پر ترس کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ۔
اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر قرآن مجید میں جا بجا موجود ہے اُس کی رحمت کے آثار اطرافِ عالم میں بکھیرے ہوئے ہیں ہر چیز اپنی قابلیت کے مطابق رحمت کا حصہ پا رہی ہے اُس کے پاس رحمت کا بے کنا ر سمندر ہے دینے والا بخیل نہیں کریم ہے لینے کی اہلیت ہونی چاہیئے ۔
اُس کی رحمت کے چند واقعات جو قرآن مجید میں مذکور ہیں ۔ قارئین کی بصیرت کیلئے ہم درج کرتے ہیں ۔
۱۔ کَهِيعَیْ ذُکُوْرٌ رَّحِمَةً رَبِّكَ ذَاتُ کُرْیَا تَمِیْرٌ رَّبِّكَ رَحْمَتٌ کَاذِبٌ جُوْاْ اَنْ تَیْسَیْ
بندے نہ کہہ کر عطا فرمائی یعنی جنابِ سحیل علیہ السلام ایسا بیٹا عطا فرمایا ۔

۲۔ جنابِ الہی علیہ السلام کے متعلق رحمت کا ذکر یہ ہے ۔ وَ اَلِیْبُ اِذْ نَادٰی وَیْلَہٗ اِنِّیْ مَسْرُوْمٌ
الْقَوُوْ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاْحِمِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَكَشَفْنَا مَا بَہٗ مِنْ حُیْ وَاَیْنَا اَھْلَہٗ وَفَلَقَمْ
مَعْلَمٌ رَّحْمَةً مِّنْ عِزِّدَنَا وَذُکْرِیْ لِحَاذِیْنِ ۝ اور الیْب کو یاد کرو جو جب انہوں نے اپنے رب
کو پکارا کہ مجھے پیادہ اور محبتِ لائق ہو گئی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم

کرنے والا ہے پس ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور اُن کا دکھ اور تکلیف اُن سے دور کر دی اور اُن کے اہل و عیال زندہ کر دیئے اور اتنے ہی اور ساتھ دیئے۔ یہ ہمارے پاس سے رحمت کے سبب اور عبادت گزاروں کی یادداشت کے لئے عطا ایک مقام پر ارشاد ہے اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَسِيْمٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ہ یہ شک اللہ کی رحمت نیک عمل کرنے والوں کے قریب ہے جناب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ذکر ہے۔ وَلَنَجْعَلَنَّ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا۔ تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لئے خاص نشانی اور اپنی رحمت بنائیں اور نیک لوگوں اور صبر کرنے والوں کی رحمت کا ذکر ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ہ اُوْلٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَّاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہ جن لوگوں پر کوئی مصیبت پڑی اور انہوں نے کہا ہم خدا ہی کے ہیں اور خدا ہی کی طرف واپس جانے والے ہیں تو اُن پر اُن کے رب کی طرف صلوة اور رحمت ہے اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ ہر شخص نے ہر نبی نے ہر ولی نے اپنی قابلیت کے مطابق رحمت کا حصہ پایا مگر مخلوق اول سرور کائنات مجسم رحمت بن کر آئے اور ایک شہر ایک علاقہ ایک خطہ ایک ملک کے لئے نہیں بلکہ تمام جہانوں کے لئے مجسمہ فیض اور پیکر رحمت بن کر آئے جیسا کہ ارشاد ہے وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہ اے پیغمبر ہم نے تمہیں عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ جناب کا وجود ذی جود ہر شے ہر شخص اور ہر قسم کی مخلوق کے لئے رحمت ہے۔

ان کا وجود منبع فیض معدن رحمت اور باعث خلقت کائنات ہے۔ ان کے اور ان کی معصوم اولاد کے ذریعہ مخلوق میں رحمت تقسیم ہوتی ہے۔ عالم ان سے رحمت حاصل کرتا ہے۔ ان ہی کے ذریعہ تمام جہان وجود میں آئے ان کا وجود بنیاد عالم ہے انہی خودات مقدسہ انوار ربانہ کے وجود کی برکت سے ہر شے کو وجود ملا۔ انہی کے ذریعہ بقائے عالم ہے۔ انہی کے ساتھ دنیا کی انتہا ہے۔ یہ اصل زمانہ اور زمانہ ان کی فرع ہے۔

درخت کی مثال

درخت میں دو چیزیں ہوتی ہیں، اصل یعنی جڑ فرع شاخیں
برجیز پہلے پیدا ہوتی ہے وہ اصل کہلاتی ہے۔ اور جو بعد میں پیدا ہو وہ فرع ہے۔ جو زمانہ سے پہلے پیدا ہوئے وہ اصل زمانہ اور جو زمانہ ان کے بعد بنا وہ فرع ہے۔ جو زمانہ سے پہلے بنے وہ صاحب زمانہ اور جو زمانہ کے بعد بنے وہ محکوم زمانہ۔ پہلے بننے والے حاکم اور بعد میں

چنانچہ یہی فقرات غاب امام حسین علیہ السلام نے ولید بن عقبہ کے جواب میں ارشاد فرمائے۔ اِیْہَا
اَلْمِیْرَاۃُ اَہْلُ بَیْتِ النَّبُوۃِ وَمَعْدِنُ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفُ الْمَلَائِکَةِ بِمَا فَعَلَ اللّٰهُ وَمِنَاخِمَہٗ
آہ اے حاکم مدینہ ہم اہل بیت نبوت اور معدن رسالت ہیں ہمارے گھر میں فرشتے آتے جاتے ہیں
ہم ہی سے خدا نے عالم کا آغاز کیا اور ہمارے ساتھ ہی اس دنیا کا خاتمہ ہوگا۔ آہ فرزند رسول محمد مصطفیٰ
کے تیسرے ہاشمین محمد کے حقے تیسرے محمد نے وطن چھوڑ کر کھلے میدان میں قربانیاں پیش کرنے کا
دستور العمل بنایا۔

مکہ میں قیام اور مکہ سے رخصت

امام مظلوم نے ۲۸ رجب نصف رات کے بعد مدینہ سے کوچ فرمایا اور ۳ شعبان کو مکہ میں نزول
فرمایا تین شعبان سے آٹھ ذوالحجہ تک مکہ میں قیام پذیر رہے کو فیوں کے خطوط اور قاصدین کے اصرار
پر غاب مسلم ۱۰ رمضان المبارک کو مکہ سے کوثر روانہ ہوئے۔ شعبان رمضان شوال ذی قعدہ
آپ نے مکہ میں گزرا سے ذوالحجہ کا چاند طلوع ہوا مختلف شہروں سے لوگ حج کے لئے مکہ میں وارد ہونے لگے۔

آپ نے حرم خدا مکہ کیوں چھوڑا

مکہ کو حرم خدا اور طائے امن سمجھ کر وارد ہوئے امت جد کے ستائے ہوئے امام امن و سکون
کی تلاش میں مکہ آئے لیکن یہاں سکھ نہ ملا۔ حرم خدا میں جہاں معمولی جانور کا ماننا حرام ہے۔ فرزند رسول کو
جان کا خطرہ پڑ گیا کیونکہ یزید نے حاجیوں کے لباس میں بنی امیہ کے چنے ہوئے بدکردار اس مقصد کے
لئے بھیجے کہ فرزند رسول کو مکہ میں حج کے دوران قتل کر دیا جائے۔

یزید کی سیاست اس میں یہ تھی کہ حسینؑ تر قتل ہو جائیں گے اور اس قتل کا الزام ہی عبداللہ بن
زبیر پر لگا کر اس کو قتل کے بدلے قتل کرادوں گا۔ کیونکہ عبداللہ بن زبیر یزید کا مخالفت تھا اس نے
یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا اور خود مکہ میں اپنی حکومت قائم کرنے کی تمنایں لوگوں سے بیعت
لینے کا ارادہ رکھتا تھا اسی بنا پر تیس آدمی اسی مقصد کے لئے حاجیوں کے لباس میں مکہ بھیجے اور
انہیں تاکید کی کہ ہر حال میں حسین بن علیؑ کو قتل کر دیا جائے۔

یہ خبر پاکر فرزند رسولؐ نے مکہ میں مزید قیام مناسب نہ سمجھا کہ اس طرح میری موت غیر مؤثر ہو جائے
گی۔ میرا قاتل مخفی ہو جائے گا یزید کی سیاست کا رگہ رگہ ہو جائے گی میں مارا جاؤں گا۔ لیکن یزید بدنام نہ

ہوگا۔ میری وجہ سے کعبہ کی حرمت زائل ہو جائے گی۔ حق و باطل میں فرق نہ ظاہر ہوگا۔ میں تو کھلے میدان میں قربانیاں پیش کروں گا میری قربانیاں بے مقصد نہیں ہوں گی میری موت کا مقصد کہ بلا میں واضح ہوگا۔ حق و باطل میں امتیاز ظاہر ہوگا اور شہیدوں کا لہو حق کے خاکے میں رنگ بھرے گا اور غازیہ بن کر دین اسلام کو سرخ و کرے گا۔

آنکھوں پر دوا لکھ کر سبط نبی امام امت نے حج کو عمرہ سے بدل کر احرام کھول دیئے لوگ چاروں طرف سے کعبہ کی زیارت کو آ رہے ہیں اور حسینؑ مجبوراً کعبہ سے قیداً ہو رہے ہیں۔ خیال ہے کہ وقت و داء کعبہ کی دیواروں کو مل کر روئے ہوں گے اور کعبہ بھی بتوں کے لال کی غربت و یکسوی پر ضرور رویا ہوگا۔ صرف کعبہ نہیں حجر اسود بھی رویا ہوگا۔ صفا اور مروہ بھی روئے ہوں گے شعر و مثنیٰ نے بھی جدائی شیعہ میں گم یہ کیا ہوگا۔ کیونکہ یہ تمام تدبیر حاجی سے نازس تھے۔ ۲۵ حج فرزند رسولؐ نے پیادہ پائے تھے اب یہ آخری حج تھا آخری زیارت تھی فضاء مکہ سوگوار زمین حرم بے قرار اور دیوار کعبہ اشکبار تھی کہ اولاد رسولؐ بنات بتوں کا پناہ لینے آئیں اور میں پناہ نہ دے سکی۔

حرم خدا سے روانگی کے وقت چونکہ تمام سربراہان اور وہ شخصیتیں حج کے لئے مکہ میں موجود تھیں عین ایام حج میں فرزند رسولؐ کی تیاری سن کر سب حیران رہ گئے اور روانگی کی وجہ دریافت کرنے اور مشورہ دینے کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔ ان میں عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابو بکر بن عمارؓ، بن ہشامؓ، محمد بن حنفیہؓ، عبداللہ بن جعفر طیارؓ۔

ان تمام حضرات نے اپنی اپنی عقل و دانش کے مطابق مشورے دیئے ان میں تمام کی قریب قریب یہی رائے تھی کہ آپ عراق نہ جائیں اور حرم خدا میں رہیں ان کے جواب میں مولائے حسینؑ نے کئی باتیں ارشاد فرمیں۔

۱۔ بنو امیہ مجھے حرم خدا میں فریب و مکاری سے قتل کرنا چاہتے ہیں مجھے مکہ میں قتل کرنا پسند نہیں اس طرح میرا قاتل چھپ جائے گا حرم خدا کی حرمت ضائع ہوگی۔
۲۔ اگر میں مکہ سے جلدی نہ سکوں تو گرفتار کیا جاؤں۔

۳۔ عبداللہ بن عمرؓ کے جواب میں فرمایا کہ بنو امیہ میرے خون کے پیاسے ہیں مجھے خانہ خدا میں نہ بیٹھنے دیں گے اور اگر میں کسی نامعلوم جگہ چلا جاؤں تو بھی یہ مجھے ڈھونڈ نکالیں گے اور سعیت یزیدؓ کے لئے مجبور کریں گے اور انکار کی صورت میں مجھے قتل کریں گے بہر حال انہیں میرا قتل مقصود ہے پھر ابن عمرؓ سے یہ بھی فرمایا کہ بنی اسرائیلؑ پوچھنے سے سوچ نکلتے تھک ستر پیغمبروں کو قتل کیا اور اس کے بعد باطنیان بازاروں میں جا بیٹھے تھے اور اپنے دین میں مصروف ہو گئے گویا انہوں نے کچھ کیا ہی نہیں خدا

نے ان کے اتنے بڑے گناہ کی سزا دینے میں جلدی نہیں فرمائی خدا حلیم ہے مگر انجام کار ان کو پکڑ لیا اور سخت سزا دی خدا ہی سب سے بہتر بدلہ لینے والا ہے۔

ابن عمر کے جواب میں کیا بہترین اور مناسب جواب دیا ہے۔ ان صاحب نے جناب امام کو یزید کی بیعت کر لینے کا مشورہ دیا تھا جس کے جواب میں حضورؐ نے بنو امیہ کے ظلم و ستم اور شرارتوں کو بنی اسرائیل (یہودوں) کے ساتھ مشابہت اور اپنی اور اپنے رفقاء کی شہادت و مظلومی کو پیغمبران بنی اسرائیل کی شہادت اور نبی سبیل اللہؐ موت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ یعنی پیغمبران ماسلف نے فریضہ ہدایت اور وظیفہ تبلیغ کے سلسلے میں موت گوارا کر لی لیکن بنو اسرائیل کی ہاں میں ہاں ملانے ان کے بدکردار کی تصدیق کرنے اور ان کو حکمران مان لینے سے صاف انکار کر دیا انہی پیغمبران ماسلف کے طسریقہ کو آخرت الانبیاء کے صحیح جانشین نے اپنا یا۔ بہتر سابقوں سمیت موت گوارا کر لی مگر بنو اسرائیل کے ہم مثل بنو امیہ کے آگے جھکنا گوارا نہ کیا۔

عبداللہ بن زبیر درحقیقت جناب امام کے مکہ سے خروج پر راضی تھا اس کی حکومت کے قیام میں جو مانع تھا وہ حبیب بن علی تھے چونکہ ابن نہیرؓ میں اپنی حکومت قائم کرنے اور لوگوں سے بیعت لینے کی تیاری میں تھا اور حسین بن علیؓ کی موجودگی میں لوگوں کا میلان کسی صورت میں عبداللہ بن زبیر کی طرف ہو نہیں سکتا تھا لہذا وہ دل سے چاہتا تھا کہ حسینؓ یہاں سے چلے جائیں لیکن نظر اس نے نہ جانے کی صلاح دی اور قیام کا مشورہ دیا جس کے جواب میں وہی فرمایا جو پہلے علیؓ پر درج ہو چکا ہے۔

محمد بن حنفیہ اور جناب عبداللہ بن جعفر طیار کے مشورہ کے جواب میں فرمایا کہ مجھے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے اور عالم خواب میں انہوں نے سب کچھ فرما دیا ہے۔ اس واسطے میں وہی کچھ کروں گا جو انہوں نے فرمایا ہے۔ اس واسطے اب تو جو ارادہ کر چکا ہوں عراق جاتا ہوں جو خدا کو منظور ہو گا ہو کے رہے گا۔

جناب عبداللہ بن عباس نے جب دیکھا کہ حسینؓ نے سفر عراق کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ تو عرض کیا مولا! اگر سفر عراق ضروری ہے تو ایسے سفر میں اہل دیال کو ساتھ نہ لے جائیں حضرت نے فرمایا میں ان کو کس طرح چھوڑ سکتا ہوں جب کہ میرے نانا نے ان کو اپنے ساتھ رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے میں ان کو کس کے سپرد کروں یہ میرے نانا کی امانت ہیں اور میرے مقصد میں شریک کار ہیں اور یہ خود میرے ساتھ اس قدر مانوس ہیں کہ میری جلتی گوارا نہ کر سکیں گی یا بن عباس اللہ تعالیٰ مجھے مقتول دیکھنا میرے نانا کی ان امانتوں کو اسیر دیکھنا چاہتا ہے میری گردن پر تلوار اور ان کے ہاتھوں میں رسیاں دیکھنا چاہتا ہے۔ میری لاش بے گور و کفن امدانہیں عریاں مجھے صحر اکرب میں بے وارث اور انہیں کو فر و شام کے بازاروں میں قیدی دیکھنا چاہتا ہے

گو میرا سفر رنج و بلا کی گھاٹوں میں گھرا ہوا ہے۔ فقہا مکدر رہے۔ زمانہ دشمن ہے سفر پر خطر ہے۔ لیکن میں ان کے بغیر اور یہ میرے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جناب عباس کہتے ہیں میرا امام مظلوم کے ساتھ یہ مکالمہ ہو رہا تھا کہ اسی اثنا میں پردے کے پیچھے سے آواز آئی اے عبد اللہ یہ مشورہ مناسب نہیں۔ اب سوائے حسینؑ کے ہمارا کون رہ گیا ہے۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ جس مخطرہ کی آواز تھی وہ دکھبازی بہن ام المصائب شریکہؑ جناب زینبؑ تھیں۔

عزادادو! جناب زینب صبح فرمائی تھیں کیونکہ جناب رسولؐ خدا کے انتقال کے بعد جناب امیر المومنینؑ جناب سیدہؑ اور جناب حسینؑ تھے ان کا سہارا تھا جناب امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد جناب حسینؑ کا سہارا تھا جناب امام حسنؑ کے بعد پیارے بھائی حسینؑ کی ذات تھی لیکن جناب حسینؑ کے بعد ان دکھبازی بہنوں کو کس کا سہارا تھا کس کے آسرے مدینہ میں رہیں کیا حسینؑ کے بعد مدینہ رہنے کے لائق تھا؟ ان اچڑے گھروں میں بغیر حسینؑ و عباسؑ کے رہ سکتی۔ آخر مظلوم مسافر مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

مکہ پر رونق ہے۔ چہار طرف سے لوگ مکہ میں حج کے لئے داخل ہو رہے ہیں لیکن مکہ کا وارث مکہ سے باہر جا رہا ہے آج شہنشاہ حجاز کو کہیں پناہ نہیں مل رہی دنیا جن کے سائے میں پناہ لیتی تھی آج ان پر زمین تنگ ہو رہی ہے۔ جہاں پندرہ سال تک امان میں رہتے تھے آج فرزند رسولؐ کو وہاں امان نہیں اُمت حید کا ستایا ہوا مسافر اطراف عالم پر نظر ڈالتا ہے، مگر ہر طرف سے موت کی صدا استقبالی کرتی ہے۔ ایک شاعر نے مناسب حال کہا ہے۔

وہ دن ہیں جن دنوں کوئی کوتاہ نہیں سفر صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
رنج و مسافرت میں ہیں سلطان بحر و بر لب برگ گل سے خشک ہیں چہرہ عرق میں تر
آتی ہے خاک اڑ کے مین و بیار سے
گیسوتے مشک بار اگلے ہیں غبار سے

آٹھویں مجلس

مقصد سفر

اور مکہ سے کربلا تک منازل سفر کے اہم واقعات

مسافر کربلا جناب امام مظلوم نے حرم رسولؐ اور حرم خدا بادلِ ناخراستہ چھوڑا اور سفر عراق اختیار کیا۔ جب کہ مدینہ اور مکہ میں حجاز کی اہم شخصیتیں اور اقربائے نبیؐ ہاشم پر سفر نہ کرنے کا مشورہ دے رہے تھے ان لوگوں کے سامنے اہل عراق کی بے وفائی تھی اور کوفہ والوں کی غداری۔ وہ آزمائے تھے جس بنا پر وہ اہل مظلوم کو اہل کوفہ پر اعتماد نہ کرنے کی نصیحتیں کر رہے تھے۔ جناب امام کے پیش نظر لشکر یا اسلحہ کی فراہمی نہ تھی اور نہ اس سفر کا مقصد لڑائی تھا۔ اس سفر کے دو مقصد تھے۔

۱۔ حفاظتِ جان اور با امن زندگی

اس واسطے حرم خدا مکہ میں پناہ لی اور جب تک خطرہ لاحق نہیں ہوا اور مکہ کی فضا پر امن رہی مکہ نہیں چھوڑا۔

کوفہ کا رخ اس غرض سے نہیں کیا کہ وہاں سے لشکر فراہم کر کے پڑھائی گروں کا اور ملک گیری کے لئے حملہ کر دیا گیا۔ بلکہ ان کے آمدہ خطوط کے پیش نظر کہ ہدایتِ اسلام و تبلیغِ دین کی خاطر انہیں امام حق مظلوم ہے۔ اور جناب حسینؑ کے زیر سایہ وہ اسلامی و شری زندگی بسر کر سکیں گے۔ جناب امام نے کوفہ کا قصد کیا کہ ان پر رحمتِ تمام ہو جائے اور یہ امتحانِ ہدایت قرار پائے۔ اتنی تعداد مجھے مل جائے کہ میں بنو امیہ کے حملہ سے محفوظ رہوں اور ان کی زیادتیاں و مظالم ان تک نہ پہنچ سکیں۔ تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کرتے ہوئے پُر سکون زندگی بسر کر سکوں۔ آخر حفاظتِ جان و عزت کے لئے بھی کچھ سامان و تعداد

کی ضرورت ہوتی ہے جب زمانہ دشمن ہو جائے۔ ہر طرف خوف و خطر کے بادل مٹلا رہے ہوں۔ اور قبل ازیں بنو امیہ کی سفایاں اور خون ریزیاں منظر عام پر آچکی ہوں اور شیعانِ علیؑ کے خون سے اموی تلواریں سیراب ہو چکی ہوں پھر پیغمبرؐ کے نامہ طلب بیعت میں اس کے مذموم ارادے آشکار ہو گئے ہوں تو ان حالات میں اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے لئے جو قدم اٹھایا جائے وہ مبنی برحق اور تقاضائے دانش ہوتا ہے۔ اسے خرد و ج یا فوج کشی پر محمول نہیں کیا جاتا بلکہ حفاظت خود اختیاری یا دفاعی انتظام کہا جاتا ہے۔ اور یہ نہ مدینہ میں حاصل تھی نہ مکہ میں۔ چنانچہ اسی چیز کی تصدیق کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

بدعائش سلطنت بودے اگر خود تہ کردے باہنیں سامان سفر
اگر آپ کا مقصد سلطنت حاصل کرنا ہوتا تو اس طرح بال بچھوٹی اور پردہ سراہیلوں کو ساتھ لے کر سفر نہ کرتے۔

۲۔ حفاظت اسلام

جان سے زیادہ اسلام کی حفاظت پیش نظر تھی، کیونکہ جو طاعنی طاقتیں برسرِ اقتدار آچکی تھیں وہ آلِ پیغمبرؐ کی بھی دشمن تھیں اور دینِ پیغمبرؐ کی بھی بلکہ آلِ پیغمبرؐ کی دشمن بھی اسی وجہ سے تھیں وہ دین کے رہبر اور اسلام کے ہادی اور شریعت کے مبلغ تھے۔ اگر صحیح دین متا تھا تو انہی کے پاس شریعت کے درس انہی سے ملتے تھے اسلامی تعلیمات اور ہدایات پیغمبرؐ اگر صحیح حالت میں تلاش کرنا ہوتا تو اسی خانوادہ کے پاس یہ سرمایہ محفوظ تھا۔

یزید چاہتا تھا کہ دینِ پیغمبرؐ کو بھی ختم کر دیں اور آلِ پیغمبرؐ کو بھی ایک تو پرانے قتلوں کا انتقام لے لوں گا اور پرانی خاندانی عداوت کے ارمان نکالوں گا۔ اس چیز کی طرف جنابِ بسلط رسولؐ نے ایک مقام پر ایک مشورہ کے جواب میں اشارہ فرمایا کہ اگر میں کسی سوراخ میں بھی چھپ جاؤں تو بنو امیہ مجھے وہاں سے برآمد کر کے اپنی انتقامی پیاس بجھائیں گے۔

دوسرا یہ کہ ہادی اسلام اور جانشین رسولؐ کے خاتمہ کے ساتھ دین بھی ختم ہو جائے گا کیونکہ جب تک دینِ پیغمبرؐ زندہ رہے گا آلِ پیغمبرؐ معزز اور باوقار رہے گا جب دین ہی نہ رہے گا تو آلِ پیغمبرؐ کی توقیر و تکریم ختم ہو جائے گی۔

فرزندِ رسولؐ کو ہمارا اپنی جان پیاری نہ تھی دین پیارا تھا اسلام جان سے عزیز تھا۔ تعلیماتِ پیغمبرؐ

سابقہ حکمرانوں نے متغیر کر دیئے تھے۔ سلطان جو راولی الامر اور فاضل حکمران امیر المومنین بن گئے۔ تھے۔
 ”الناس علیٰ دین ملوکہم“ کے مصداق لوگ سیم و زر کے پرستار بن کر فاسق حکمران کی ماں میں ماں ملائے
 لگے۔ کلمۃ الحق اور قولِ صدق سینوں میں دب کے رہ گئے زبانیں خیمروں کے خلاف تھیں حکومتیں مضبوط
 نہیں دین کمزور تھا اسلامی معاشرہ بگڑ چکا تھا ظلم و جور اور فسق و فجور کا دور دورہ تھا۔

ایسے میں اسلام کو ایک غمخوار کی ضرورت تھی گلشنِ اسلام فسق و فجور کی خزاں کے جھونکے سے سرسجا
 چکا تھا وہ خون سے سیرابی مانگتا تھا وہ شادابی کے لئے قربانی چاہتا تھا اور قربانی بھی محولی نہیں غصیم قربانی۔
 بے شک امام حسین علیہ السلام اسلام کے لئے قربانیاں دینا چاہتے تھے قربانیاں دینے کا جو طریق کار
 آپ نے بتایا تھا اس کے لئے مدینہ و مکہ مناسب نہ تھے اس کے لئے ایک کھلے میدان کی ضرورت تھی
 جہاں حق و باطل میں فیصلہ کن لڑائی ہو سکے حق جُدا ہو جائے اور باطل الگ۔

ظاہر بین نگاہیں مدینہ و مکہ میں قیام کا مشورہ دیتی تھیں لیکن امورِ باطنیہ سے واقف امام اور اسرارِ نہانی
 سے مطلع ولی اپنی شہادت کو رائیگاں نہیں کرنا چاہتا تھا جنابِ مظلوم کے سامنے دو باتیں تھیں شہادت
 اور مقصدِ شہادت کا پرچاران دونوں مقصدوں کے لئے دوائے زمانہ امام نے صحیح افراد منتخب کر لئے تھے
 امام علیہ السلام کے مقصدِ سفر پر یعنی یہ کہ حفاظتِ اسلام ان کا بنیادی مقصد تھا وہ وصیت نامہ کافی روشنی
 دکھاتا ہے جو شخصیتِ مدینہ کے وقت برادرِ عزیز جناب محمد بن حنفیہ کو لکھ کر دیا تھا۔

وصیت نامہ

آپ نے جناب محمد بن حنفیہ کو مکتوب ذیل وصیت نامہ تحریر فرما کر ہمہ نگا کروایا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہذا ما اوصی بہ الحسین بن علی بن ابی طالب الی اخیه المعروف
 بابن الحنفیۃ اذنا الحسین یشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداً صلی اللہ
 علیہ والہ علیہ وسلم لہ جبار بالحق من عند الحق مرات الخیرۃ والتاد حق وان الساعۃ آتیۃ
 لا ریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور وانی لما اخرج اشراً ولا بطراً ولا مفسداً ولا
 ظالماً وانا اخرجت لطلب الاصلاح فی ائمتہ جدی صلی اللہ علیہ وآلہ ارید ان امر بالمعروف
 وانہی عن المنکر واسیر لیسیرۃ جدی وابی علی بن ابیطالب علیہ السلام فمن قبلنی بقبول
 الحق قال اللہ ادنی بالحق ومن رد علی هذا اصبر حتی یقضی اللہ بینی وبین القوم بالحق وهو
 خیر الحاکمین وهذه وصیتی یا اخی الیہ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب ۵

ترجمہ: یہ وہ وصیت نامہ ہے جو حسین بن علیؑ نے اپنے بھائی محمد بن الحنفیہ کے نام لکھا ہے۔ حسینؑ کو اہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے خاص بندے اور رسول ہیں جو حق کے ساتھ من جانب اللہ مبعوث ہوئے اور بے شک جنت اور دوزخ حق ہیں اور بے شک قیامت آنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں میں سے زندہ کر کے اٹھائے گا۔ اس کے بعد واضح ہو کہ میں کسی قسم کا فساد پھیلانے یا غرور و تکبر کی خاطر با ظلم و ظم کے لئے نہیں نکلا بلکہ میں تو اپنے جدا امجد کی امت کی اصلاح کے لئے نکلی رہا ہوں میں یہ چاہتا ہوں کہ نیکی کی تبلیغ کروں اور برائی سے روکوں اور اپنے جدا امجد اور پدر بزرگوار کی میریت پر چلوں پس جو شخص مجھے برحق سمجھ کر قبول کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے حق کو قبول کرنے کا زیادہ سزاوار ہے اور جس نے میرا قول رد کر دیا تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ خدا میرے اور قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ اے بھائی! یہ میرا وصیت نامہ ہے۔ خدا ہی کے قبضہ میں میری توفیق ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اس وصیت نامہ اور دوسرے خطبوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے اس اقدام سے حفاظتِ دین اور اصلاحِ امت کا کام نہایت ہی اہم اور بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ تاریخ دان حضرات جانتے ہیں کہ بگڑے ہوئے معاشرہ کو درست کرنا کتنا دشوار ہے انبیاء علیہم السلام جو مصلحین مخلوق تھے کتنے مصائب و آلام میں گھر کر اصلاح کا فریضہ انجام دیتے رہے اور کتنی قربانیاں انہیں دینی چڑیں۔ فساد پیدا کرنا آسان ہے اور اصلاح بہت دشوار ہے۔ لائقِ مدح و تحسین ہیں وہ مقدس افراد جو ظلم و تشدد اور قید و بند کی صعوبتوں کو گلے لگا کر اصلاحِ خلق کا فریضہ ادا کرتے رہتے ہیں قابلِ یاد ہیں ان کے حوصلے جو اس مقدس فرض کی ادائیگی کے لئے قدم میں لغزش زبان میں سکوت اور ادوں میں کمزوری اور پیش قدمی میں رکاوٹ نہیں پیدا ہوتے دیتے وہ عظیم نصب العین اور مقدس مقصد کی خاطر ہر مصیبت کا خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کرتے ہیں وہ پیچھڑوں کے مینہ تیروں کی بارش نیزوں کی ٹوک اور تلواروں کے سائے زندان کی تاریک و تنگ کوٹھڑیوں میں حکم حق کی آواز بلند کرتے ہیں۔ تلواروں کی باڑھیں کند تیروں کی زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں مگدان کے حوصلے بہت نہیں ہوتے ان کی گزریں کٹ جاتی ہیں مگر بالل کے سامنے ان کے سر نہیں جھکتے خوف و خطر کی گھٹاڑ میں ان کے ورے ماند نہیں پڑتے اور ظلم و جور کی آندھیوں سے ان کے قدم ڈگمگاتے نہیں راصل ایسے ہی محسن قوم افراد کی بدولت حق

زندہ رہ چھ ہے اور انہی کے دم قدم سے اسلام کا پیغام باقی ہے۔
 اسی کا بے مثال عملی درس اور لازوال کا نامہ فرزند رسولؐ نے کربلا کے کھلے میدان میں انجام دیا۔
 اسی عظیم الشان قربانی کے لئے نہ حرم رسولؐ سازگار تھا نہ حرم خدا یہ شرف ارض کربلا کے حق میں کاتب تقدیر
 نے تحریر کر دیا تھا۔ جو بہتر منتخب افراد کے پاک خون کی رہیں تھیں۔ قارئین کرام اور سامعین عظام کے
 لئے مقصد سفر مختصر بیان میں ہم نے واضح کر دیا ہے۔ اب مکہ اور کربلا معلیٰ کی درمیانی منزلوں کے
 اہم واقعات قلمبند کرتے ہیں۔

واقعات منزل

ملک حجاز کے جنرالیہ دان اور حدود دار لجز سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ مکہ مدینہ سے جنوب
 کی طرف واقع ہے اور عراق مدینہ سے شمالاً۔ باب حبیب امام حسین علیہ السلام مکہ سے عازم عراق ہوئے
 تو مکہ سے جانب شمال سفر کیا اور مدینہ بھی مکہ سے شمال میں ہے اس واسطے مدینہ کے قریب سے گذرا ہوا
 گو بعض کتب میں دوبارہ داخل مدینہ ہو کر مزارت مقدسہ سے وداع کے واقعات ملتے ہیں مگر اکثر کتب
 سے دوبارہ داخل مدینہ ثابت نہیں ہوتا البتہ اس راہ سے مدینہ قریب پڑتا ہے جس راہ سے جانب
 مسافر کربلا مکہ سے واپس ہوتے ہوئے عراق گئے۔

جانب مسلم بن عقیل کو حضورؐ نے جب کوثر روانہ فرمایا تو جانب مسلم مکہ سے واپس مدینہ آئے اور
 مدینہ سے جانب کوثر روانہ ہوئے۔ مسجد نبوی میں نماز بھی پڑھی۔

بہر حال جانب امام مکہ سے روانہ ہوئے اور سب سے پہلی منزل در تعظیم اہل بیت سے چند فرسخ پر
 واقع ہے۔ جانب عبداللہ بن جعفر تیار کے دونوں فرزند جانب عون و محمد اپنے والد ماجد کا خط لے کر خدمت امام
 میں حاضر ہوئے۔ اس خط کا مضمون یہ تھا۔ اما بعد فاتی اسئلک باللہ کما ائتمنت جبین تقوا لکاتبی فاتی
 مشفق علیک من هذا الوجه ان یکون فیہ ہلاکک و استیصال اہل بیتک ان ہلکت المیوم
 طفی نوراً لادین فانک علم المہتدین و رجاء المومنین فلا تعجل بالمسیر فاتی فی اشرف کتاب و السلام۔ بعد
 حمد و صلوة کے خدا را جب میرا خط پڑھیں تو اس سفر سے واپس لوٹ آئیں کیونکہ مجھے اس سفر سے آپ کی اور
 آپ کے اہل بیت کی موت کا اندیشہ ہے اگر آپ کی موت واقع ہوگئی تو زمین کا نور بجھ جائے گا کیونکہ
 آپ ہدایت پانے والی کے نشان راہ اور مومنین کی امید گاہ ہیں آپ چلنے میں جلدی نہ کریں کیونکہ
 میں خود بھی اس مکتوب کے بعد آ رہا ہوں۔

جناب عبداللہ اس منزل پر جناب امام سے ملے اور اس سفر سے روکنے کی کوشش کی لیکن مولائے وہی جواب دیا کہ میرے نانا کا یہی حکم ہے، اور یہ سفر ضروری ہے، جناب عبداللہ تو کچھ مجبوریوں کی بنا پر نہ جاسکے مگر اپنے دو نو فرزندوں کو جناب حسین علیہ السلام کے ہمراہ روانہ کر دیا اور تاکید کی کہ ہر وقت خدمتِ امام میں موجود رہیں اور وقتِ جہاد اپنی جانبِ امام مظلوم پر قربان کر دیں۔

مسلم بن عقیل کی شہادت

۸ ذوالحجہ کو جناب حسین علیہ السلام مکہ سے روانہ ہوئے اور ۹ ذوالحجہ کو جناب مسلم بن عقیل کو کوفہ میں شہید ہوئے۔ ۵ ارماہ رمضان کو جناب مسلم بن عقیل مکہ سے سفرِ حسین بن کر کوفہ کو روانہ ہوئے اور صعوبت کے ساتھ یہ سفر طے کرتے ہوئے ۵ راتوں کو کوفہ پہنچے حالات کی سازگاری اور اہل کوفہ کا میلان دیکھ کر جناب مسلم نے ۱۱ ذیقعدہ کو جناب امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں خط تحریر کیا جس میں کوفہ کے پہلے حالات اور اہل کوفہ کا اشتیاق ذکر کرنے کے بعد جناب سے کوفہ میں تشریف لانے کی استدعا کی۔ یہ خط جناب مسلم نے عاص بن ابی شیبہ شاکری اور قیس بن مسہر میسوی کے ہاتھ روانہ کیا۔ درمیان میں منزلوں میں ایک منزل وادیِ رمہ جیسے حاجز بھی کہتے ہیں وہاں پہنچ کر آپ نے اہل کوفہ کو ایک خط تحریر کیا۔ چونکہ جناب مسلم کے پہلے خط سے مطلع ہو کر امام علیہ السلام نے کوفہ کا قصد کیا مگر دل میں قلق تھا، پریشانی تھی، بے قراری تھی، اس خط کے بعد کوئی خط جناب مسلم کی جانب سے نہیں آیا بدلی ہوئی فضا اور پر آشوب حالات کی بنا پر کوفہ کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ لگتا ہے کوفہ کی جانب ہی رہتی تھیں۔

اس مقام پر پہنچ کر جناب نے اہل کوفہ کو ایک خط تحریر کیا جس کا مضمون یہ تھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ خط ہے حسین بن علیؑ کا اپنے دینی بھائیوں کے نام حمد خدا اور سلامِ حسنوں کے بعد مسلم بن عقیل کے خط سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے حالات درست ہیں اور تمہارے درمیان ہماری نصرت اور طلبِ حق پر اتفاق پایا جاتا ہے، میں نے بارگاہِ ایزدی میں دعا کی ہے کہ وہ انجامِ بخیر کرے اور تمہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ میں مکہ سے آٹھویں ذوالحجہ کو تمہاری طرف روانہ ہو چکا ہوں جب میرا قاصد پہنچے تو تم جلدی اپنے انتظامات مکمل کر لو کیونکہ میں انہی دنوں تمہارے وہاں پہنچنے والا ہوں۔ یہ خط جناب عبداللہ بن قیصر کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ ادھر یہ حالات ہیں ادھر جب ابن زیاد ملعون جناب مسلم بن عقیل اور ثانی بن عروہ کے شہید کر دینے کے بعد کوفہ پر مکمل طور پر قابض ہو گیا اور کوفہ پر اس نے خوف و لالچ سے پورا تسلط کر لیا تو امام حسینؑ کے ستر راہ ہونے کی اس نے فکر شروع کر دی ان سامانوں سے اس کی اصل غرض یہی تھی کہ جناب امام حسینؑ

کو نہ پہنچنے سے پہلے راہ ہی میں گرفتار کر لئے جائیں یا کم سے کم اس راہ کے سوا جس کو وہ مکہ سے اختیار فرما چکے ہیں کوئی اور دوسری راہ اختیار نہ کر سکیں اور کسی قوم اور قبیلہ کے لوگ ان سے مل نہ سکیں، کیونکہ مدینہ کے گورنر نے اور اموی جاسوسوں نے ابن زیاد کو امام حسین علیہ السلام کے مکہ چھوڑنے اور عازم عراق ہونے کی خبر پر پہنچا دی تھیں۔ اس واسطے ابن زیاد ملعون نے حصین بن نمیر کو کافی تعداد پر مشتمل ایک جماعت دے کر راستہ کی حفاظت اور حرارت کے تمام ضروری انتظام سپرد کر دیئے۔ اور فارسیہ سے حفظان اور مخفیانہ سے قطعاً تک عراق سے واقعہ اور دہاں سے بصرہ کے راستہ تک ناکہ بندی کر کے وہاں اپنی پولیس متعین کر دی۔

عبداللہ بن یقظہ کی شہادت

جناب عبداللہ بن یقظہ بعض روایات کے مطابق قیس بن مسہر میدادی جناب امام کے قاصد بن کر کوئٹہ جاتے ہوئے قادیسیہ پہنچے تو حصین بن نمیر ملعون نے انہیں گرفتار کر لیا۔ جب حصین نے جناب عبداللہ کی تلاش لینا چاہی تو جناب عبداللہ نے راز کو مخفی رکھنے کے لئے وہ خط چھاپڑا۔ حصین نے انہیں گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ جناب عبداللہ ابن زیاد کے سامنے پیش ہوئے تو مکتوب ذیل مکالمہ ہوا۔

ابن زیاد! تو نے خط کیوں چھاپڑا؟ عبداللہ بن یقظہ! اس واسطے کہ تو اس کے مندرجات پر مطلع نہ ہو سکے۔

ابن زیاد! بتاؤ اس میں کیا لکھا تھا اور کن کن اشخاص کے نام مکتوب تھا۔

عبداللہ بن یقظہ! میں نہیں بتاتا۔ ابن زیاد نے بہت اصرار کیا مگر قاصد حصین نے صاف انکار کر دیا۔

ابن زیاد! منبر پر چڑھ کر حسین بن علیؑ پر تبراکرو! عبداللہ نے اس موقع کو شہیت سمجھتے ہوئے آمادگی ظاہر کی۔

جناب عبداللہ بن یقظہ منبر پر آئے خدا کی حمد و ثنا اور سچا اسلام پر درود و سلام بھیجنے کے بعد کہا لو! حسین بن علیؑ اس وقت تمام مخلوق سے بہتر اور دختر رسول جناب فاطمہ الزہراءؑ کے فرزند ہیں میں ان کا قاصد ہوں تم پر لازم ہے کہ ان کی آواز پر لبیک کہو اس کے بعد جناب امیر علیہ السلام پر درود و سلام بھیجا اور ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کی۔

ابن زیاد غصہ سے آگ بگولہ ہو چکا تھا اس نے حکم دیا کہ عبداللہ بن یقظہ کو فوراً منبر سے اتارو اور محل پرے باکرینچے کرادو چنانچہ سپاہ ابن زیاد نے جناب عبداللہ بن یقظہ کو منبر سے نیچے اتارا اور ان

کے ہاتھ پس پشت باندھ کر محل کی بلندی سے نیچے گرا دیا گتے ہی جناب عبداللہ بن یقظہ کے بدن کے تمام اعضا اور جوڑ چوڑ چوڑ ہو گئے ابھی جان بدن میں باقی تھی کہ عبداللہ بن عمر ملعون نے آگے بڑھ کر سر کاٹ لیا اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

بعض روایات میں جناب قیس بن مسہر صیادی اور عبداللہ بن یقظہ دونوں کی نامہ بری کے جرم میں شہادت درج ہے۔ اس طرح کو فہ میں شہادت پانے والوں کی تعداد چار ہو جاتی ہے۔

جناب زہیر بن قین کی ملاقات

مسافر کو بلاصورت اور دُکھ کی منزلیں طے کرتے ہوئے جب منزل واقصیر یا زروہ پر پہنچے تو شہداء کو بلا کی فہرست میں مکتوب ایک شخص زہیر بن قین خوش قسمتی سے سید الشہداء علیہ السلام کے جاٹاروں میں شامل ہو گیا خلیج کے اس انول موتی کو تقدیر نے اس مقام پر سبک شہادت میں پرو دیا اور امام کی نگاہ انتخاب نے جناب زہیر کو اپنے باوقا اصحاب اور معتز مسیحیوں میں ملا لیا۔ اس واقعہ کی تفصیل مورخین نے اس طرح لکھی ہے کہ جناب زہیر بن قین مکہ سے جناب امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شریک سفر تھے مگر وہ اپنا خیمہ جناب حسین کے خیموں سے دور نصب کرتے تھے مگر منزل واقصیر پر پہنچ کر پتھر آب کے قریب ہونے کی وجہ سے اپنا خیمہ امام کے خیمام کے قریب لگایا۔ امام کی چشم بھرتے ہوئے برابر کو پہچان لیا۔ امام پاک نے زہیر کو بلا نے کے لئے اپنا قاصد بھیجا زہیر اس وقت اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے قاصد نے پیام امام سنایا، جناب امام کی طلبی کا پیغام سن کر بنی اُمیہ کے خوف سے تمام مجمع میں سخت انتشار پیدا ہو گیا اور وہ سوچ و بچار میں گرفتار ہو گئے، جماعت کی جماعت نے نشوونما کی وجہ سے اپنے سر زانوؤں پر جھکائے اور کاتھم رُسلِ رسولِ اسلام اللہ کے مصداق بن گئے اسی غور و فکر اور پس و پیش کی حالتوں میں دیم بنت عمر زہیر بن قین کی زوجہ اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے شوہر کو مخاطب کر کے کہنے لگیں۔ سبحان اللہ! فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا خاص آدمی میرے پاس بھیجیں اور تجھے شرف حضور سے سرفراز فرماتا چاہیں اور تو ان کی دعوت کو قبول نہ کرے استغفر اللہ ربی عورت کی تنہا نے شوہر کے بدن میں غیرت کا خون گر دیا۔ زہیر بے اختیار ہر کر اسٹھے اور امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک امام وقت قافلہ سالار و عشق کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ گفتگو امام زہیر کے فائدہ دل میں اتر گئی اور محبت کے مقناطیس نے قلب زہیر اپنی جانب کھینچ لیا جب اپنے خیمے میں واپس آئے تو مطمئن مسرور اور فرحاں تھے۔ آتے ہی حکم دیا کہ ہمارے خیمے اور بار برداری کے تمام سامان جناب امام پاک کے خیمام کے متصل قائم کئے جائیں۔

اس کے بعد وہ اپنی خوش عقیدہ زوجہ کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے تجھے طلاق دے دی اور تجھے اجازت ہے کہ اپنے میکے چلی جائے میں نہیں چاہتا کہ میری موت کے بعد تو گرفتار ہو جائے اور لوٹے جانے کی مصیبت میں تو گرفتار ہو میں نے تراب دامن امام مضموی سے پکڑ لیا ہے کہ قیامت تک ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

یہ کہہ کر جناب زہیر نے اپنا مال اسباب اپنے قریبی رشتہ داروں کے سپرد کر دیا اور اپنی نیک بخت بیوی کو بھی ان کے ساتھ کر دیا کہ اسے اس کے میکے پہنچا دیں۔ اس کی نیک طبیعت بیوی یہ حال دیکھ کر بہت روئی بہتے ہوئے آنسوؤں اور قلب نگار کے ساتھ جناب زہیر کو الوداع کہا اور یہ دعا کرتے ہوئے کہ اللہ عرفنا و معینا و خذ اللہ لنا اللہ تیرا ناصر و مددگار ہو اور تیرے نصیب میں خیر عطا فرمائے۔ اَسْأَلُكَ اَنْ تَذْكُرْنِي فِي الْقِيَمَةِ عِنْدَ جَبَلِ الطُّبَيِّ۔ میری تم سے یہی التجا ہے کہ روز قیامت جناب حسینؑ کے جہادِ امجد کے پاس مجھے یاد کر لیا۔ لیکن کتب میں مرقوم ہے جیسا کہ احمد اعظم کوئی کی فتوحات میں اور مقام میں بھی یہ روایت ہے کہ دایم زوجہ زہیر بن قین نے شوہر کی یہ تقریر سن کر جواب دیا کہ تم تو فرزند مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب میں حاضر رہ کر اپنی جانبازی کے جوہر دکھاؤ تو میریں کیوں نہ دخترانِ محمدیؐ کی خدمت میں رہ کر سعادتِ ابدی حاصل کروں۔ اپنی خالص الایمان اور کامل الاعتقاد بی بی کا ایسا پشاور جواب سن کر زہیر کو سوائے سکوت کے اور کچھ جواب نہ بن پڑا چنانچہ کہ بلا میں جناب زہیر کی زوجہ ہمراہ نہ میر تھی۔

منزلِ ثعلبیہ

جناب مسلم بن عقیل و مانی بن عروہ کی شہادت کی خبر

یہ وہ منزل ہے جس میں غلامِ اہل بیتؑ میں کہرام مٹا ہوا اسی منزل پر تافلہ بنی ہاشم کے جوانوں کو مسلم بن عقیل و مانی بن عروہ کی موت کی خبر پہنچی۔ مکہ سے رخصت ہونے کے بعد جو آنسو ختم گئے تھے منزلِ ثعلبیہ میں یکبار رہنے لگے۔ مسافروں کے دل سینوں میں بیٹھنے لگے اور چہرے اشکبار ہو گئے۔ بنی اسد کے دو شخص ہیں عبداللہ بن سلیمان اور منذر بن مشعل جب یہ فریضہ حج سے فارغ ہوئے تو تیزی سے چلے ان کا مقصد یہ تھا کہ جلد ہی حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ مل جائیں اور حقیقتِ حالات سے آگاہی حاصل کریں۔ چنانچہ یہ بڑی سرعت کے ساتھ منازلِ سفر طے کرتے ہوئے منزلِ ثعلبیہ پر امام علیہ السلام کے ساتھ مل گئے۔ اسی اثناء میں ایک آدمی کوفہ سے آتا ہوا دکھائی دیا اسے دیکھتے ہی امامؑ رُک گئے۔ چاہتے تھے کہ اس سے کوفہ کے کچھ حالات

معلوم کریں۔ مگر اس شخص نے امام پاک کی طرف کچھ توجہ نہ کی اور راستہ چھوڑ کر دوسری طرف کا رخ اختیار کیا۔ امام تو آگے نکل گئے یہ دونوں شخص بیان کرتے ہیں کہ ہم نے باہم مشورہ کیا کہ اس شخص سے ضرور کوفہ کے حالات معلوم کریں۔ چنانچہ ان دونوں ساتھیوں نے اپنے ناقے اس کے پیچھے دوڑا دیئے اور اس کے پاس بہت جلد پہنچ گئے۔ انہوں نے سلام دیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اس کا نام و نسب پوچھا۔ اس نے بتایا کہ میں قبیلہ بنی اسد سے ہوں، میرا نام بکر ہے، ہم نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ہم بھی بنی اسد قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر اس سے کوفہ کی تازہ صورت حال دریافت کی۔ اس نے کہا، جناب مسلم دہانی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیئے گئے ہیں اور میں اس وقت تک کوفہ سے باہر نہیں نکلا جب تک اپنی آنکھوں کے ساتھ یہ دردناک منظر نہیں دیکھا۔ جناب مسلم دہانی کے پاؤں میں رسیاں بندھی ہوئی تھیں کوفہ کے بازار تھے اور ان دونوں کی لاشیں تھیں۔ ظالم بے رحمی کے ساتھ ان لاشوں کی تشہیر کر رہے تھے۔

یہ خبر موت سن کر ہم واپس آکر فائدہ امام میں شامل ہو گئے۔ دوسرے روز جب امام پاکؑ نے منزل ثعلبیہ میں قیام فرمایا تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اس وقت کچھ خاص اصحاب بھی وہاں موجود تھے۔ ہم نے سلام عرض کیا امام نے سلام کا جواب دیا۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم ایک خبر گوش گزار کرنا چاہتے ہیں، اگر حکم دیں تو سب کے روبرو درخت تنہائی میں عرض کریں یہ سن کر امام عالی مقام نے ایک نظر ہم پر ڈالی اور ایک نظر سے حاضرین کو دیکھا پھر فرمایا ان سے رازداری کی کوئی ضرورت نہیں، اُس وقت ہم نے عرض کیا کہ کل شام کوفہ سے آئے والے آدمی کو آپ نے دیکھا تھا اور آپ اُس سے حالات معلوم کرنا چاہتے تھے ہم نے اُس سچا کلمات معلوم کر لئے ہیں وہ ہمارے قبیلہ کا آدمی ہے اور بڑا سچا اور بڑا عقلمند ہے۔ اُس نے ہمیں بتایا ہے کہ جناب مسلم دہانی شہید کر دیئے گئے ہیں اور اُس نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اُس وقت تک کوفہ سے باہر نہیں نکلا جب تک اُس نے اپنی آنکھوں سے یہ پرورد منظر نہیں دیکھا کہ اُن کے پاؤں میں رسی باندھ کر بازاروں میں گھسیٹا جا رہا تھا۔ یہ وحشت افزا خبر سن کر امام علیہ السلام نے کئی بار فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِما۔

یہ غم ناک خبر سنی خود دل دھڑک گیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اولادِ عقیل کے دل بے قرار ہو گئے، خون کھولنے لگا، جب امام علیہ السلام نے پوچھا کہ اب تمہاری کیا رائے ہے، انہوں نے عرض کی جب تک مسلم کے خون کا بدلہ نہ لے لیں واپس نہیں پٹیں گے یا ہم سب ہی قتل ہو جائیں گے۔ مولانا فرمایا بے شک مسلم کے بعد اب زندگی میں کُٹفت نہیں رہا۔

عزادارو۔ پردیس میں مسافروں کے دل گھبرائے ہوئے ہیں وطن کی جدائی کا صدمہ سفر کی

تکلیف اور بچپن سے ہوؤں کی یاد ہر وقت سناتی ہے، اس عالم غربت اور ہولناک ماحول میں رنج و اہم کی منزل میں جب جناب مسلم کی موت و خراب بیٹ نے سنی ہوگی تو ان کے دلوں پر کیا گزری ہوگی، فرزندِ رسول جن کی نگاہ بار بار کوفہ کی جانب اٹھتی تھی اور عادت کے منتظر رہتے تھے یہ وحشت ناک خبر سن کر ان کا کیا حال ہوا ہوگا، ایسی کی گھٹاؤں میں صحابیوں کو دیکھا، بنی ہاشم کے جوانوں کو دیکھا، آنکھوں سے اشکوں کی برسات جاری ہو گئی، بچے بارہ بارہ ہو گئے اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا اچھا گیا۔ تاریخِ اعظم کوئی اور دوسری مقال کی کتب میں مرقوم ہے کہ فرزندِ رسول نہایت حزن و ملال کے ساتھ خیمہ میں داخل ہوئے اور جناب مسلم بن حنیف کی ایک دختر تھیں جن کا نام عاتکہ ہے سات سال کی عمر تھی اُسے اپنے پاس بلا کر اُس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا، پیار کیا اور معمول سے زیادہ محبت کا اظہار کیا چونکہ اولادِ مسلم اپنے بابا کی خبر کی منتظر رہتی تھی اور خصوصاً یہ بچی ہر وقت بابا کو یاد کرتی رہتی تھی، اس نرے پیار کو دیکھ کر گلو گلو آوازیں کہنے لگی، ماموں جان آج زیادہ پیار کیوں کر رہتے ہیں آپ تو میرے سر پر اس طرح ہاتھ پھیر رہے ہیں جس طرح یتیموں پر شفقت کی جاتی ہے۔ ماموں جان کیا میرے بابا کی کوئی خبر آئی ہے؟ میں یتیم تو نہیں ہو گئی؟ یہ سنا تھا کہ مولائے مظلوم کی آنکھیں بادل کی طرح برس پڑیں اور فرمایا کہ ناں بیٹی تو یتیم ہو گئی ہے، تیرا بابا کوفہ میں مارا گیا ہے، آج کے بعد مجھے باپ سمجھا، خدام اہل بیت میں صنفِ ماتم بچھ گئی، ہائے مسلم کی آوازیں بلند ہوئیں، بیبیوں نے سر پیٹ لئے، اولادِ مسلم تے سروں سے عمامے اتار دیئے اور ماتم کا کہرام برپا ہو گیا یقیناً زہرا کی بیٹیاں اور مستورات بنی ہاشم تڑپ گئی ہوں گی جب سنا ہوگا کہ کوفہ کے بازاروں میں لاش کی بے حرمتی کی گئی ہے۔ آہ سیدانین کو عالم غربت میں مدینہ یاد آیا ہوگا، گھروں کا خیال کیا ہوگا اور بنی ہاشم کے پہلے شہید کی دردناک موت کا حال سن کر کہ کس قدر بے چینی اور بے قراری ہوئی ہوگی۔ یہ صرف جناب مسلم کی شہادت کی خبر نہیں تھی بلکہ بنی ہاشم اور آلِ رسول کی تباہی کا پیش خیمہ تھا، اس غریب الوطن کی موت بنی ہاشم کی موت کی خبر سے رہی تھی اور ذوقِ مسلم کی ہوگی اور اولادِ مسلم کی یتیمی تمام سیدانین کے لیے وارث ہونے اور تمام بنی ہاشم کے یتیم ہونے کا وقت قریب کر رہی تھی لکھا ہے کہ جناب مسلم کی دہی یتیم بچی بعد روز عاشور بعد شہادت حسین جب سادات کے گھروں میں آگ لگی اور مستورات کے سروں سے چادریں اتار لی گئیں تو چھوٹے چھوٹے بچے رونے ہوئے فسر بادیں کرتے ہوئے جنگل کی طرف بھاگے، مائیں بچوں کو نہ سنبھال سکیں اور بچوں کے

ہاتھ سے ماؤں کے دامن چھوٹ گئے۔ فوجوں کی گھسان مہتی، بے تحاشہ گھوڑے۔ درڑے تھے، گھبراہٹ کا عالم تھا۔ جنابِ مسلم کی یہ یتیم بچی دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی زوہیں آکر زندہ پا مال ہو گئی اور دکھیاہی ماں بچی کو سنبھال نہ سکی ہاں لاش دیکھی جس پر گھوڑوں کے سون کے نشان تھے۔

اللعنة الله على القوم الظالمين

❦

jabir.abbas@yahoo.com

نویں مجلس

قیامت کا عقلی ثبوت، انبیاء کی تبلیغ، لواء الحمد اور

اہل بیت کا کربلا میں داخلہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ . مَا عَلَتْ یَوْمَ الدِّینِ . جزا (قیامت) کے دن کا مالک ہے جس دن تمام بندوں کا حساب کتاب ہوگا۔ بندے اپنے خالق و مالک کے روبرو پیش ہوں گے اور اپنے اعمال کی جزا و سزا پائیں گے۔

الدِّینِ . دین کا معنی ”جزا“ ہے۔ عمل کا بدلہ۔ دین مذہب کو بھی کہتے ہیں جس میں کچھ نظریات (مقائد) ہوتے ہیں اور کچھ ہدایات (احکام)۔ نظریات اصول کہلاتے ہیں اور ہدایات واحکام فروع، ”إِنَّ الدِّینَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ“ بے شک خدا کے نزدیک قابل قبول دین اسلام ہے۔ بندہ جس مذہب کا پیرو بن کر عمل کرے گا اور اس مذہب کے مطابق زندگی بسر کرے گا جزا کی خاطر خدا سے معاوضہ وصول کرنے کے لئے تو وہ مذہب صرف اسلام ہے۔ اسی واسطے اسے ”دین“ کہا گیا ہے کہ قابل جزا الیقین معاوضہ ہے۔ یَوْمَ الدِّینِ۔ ضروری ہے، قیامت یقینی ہے، حشر و نشر لازمی ہے۔ ہم عقل کی روشنی میں قیامت کو ثابت کرتے ہیں۔ اسے ہم تین مرحلوں میں بیان کریں گے۔

عقلی استدلال

پہلا مرحلہ اجیب ہم نے اس کائنات اور اشرف المخلوقات انسان کا ایک خالق تسلیم کر لیا جس نے مختلف قسم کے انسان پیدا کئے ماقور بھی، کمزور بھی، شریف بھی، شریر بھی، قناعت کرنے والے اور حرصیں و لالچی بھی، ظالم بھی اور صابر بھی۔ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جسے مل جل کر رہنا پڑتا ہے۔ جسے مدنی الطبع کہتے ہیں یعنی ہر بشر اپنی زندگی میں دوسروں کا محتاج ہے۔ غذا میں معاشرے کو مل جل کر کام کرنا

پڑتا ہے، کسان ہل چلنے اور بیچ بونے میں لوبار بڑھتی اور دوسرے لوگوں کا محتاج، لباس میں غیروں کا لباس مکان بنانے میں یعنی روٹی، کپڑا اور مکان حاصل کرنے میں کتنے افراد معاشرہ کا محتاج ہے، بیماری میں صحت میں حتیٰ کمر کرنے کے بعد غسل و تعفن اور بعد میں اتارنے میں بھی غیروں کا محتاج ہے۔

جب زندگی گزارنے میں انسان کو مل جل کر رہنا ضروری ہے اور انسان مختلف طبیعتیں، مختلف مزاج اور مختلف جذبات کا مالک ہے۔ اسی معاشرہ میں ظالم بھی ہیں مظلوم بھی، قوی بھی ہیں ضعیف بھی، قناعت پسند بھی ہیں اور حرصیں و لالچی بھی، صابر بھی ہیں غاصب بھی، غرضیکہ مختلف مزاجوں اور جذباتوں والے ہیں اور مل جل کر رہنا بھی ضروری ہے۔ تو ایسے قوانین اور دستور العمل کی ضرورت ہے جو معاشرہ کے ہر فرد کی حفظ و امان کی ضمانت دے کر عدل و انصاف قائم کر کے پُر امن اور باوقار زندگی بسر کرنے کے ساتھ تہنیتی منازل کی رہنمائی کرے۔

انسان ان قوانین اور ہدایات کی پابندی کر کے باعزت زندگی گزارے، کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے، کسی کا جانی اور مالی نقصان نہ کرے، کسی کی تنگ عزت کا جرم نہ کرے، کسی کی حق تلفی نہ کرے، بغیر کسی کو نقصان پہنچائے مادی و روحانی زندگی کے مدارج طے کرے، ایسے قوانین ہوں جو معاشرہ کو دکھ سے دور رکھ کر سکھ سے ہمکنار کریں، رنج و اہم سے نجات دے کر راحت و آرام کا سایہ مہیا کریں۔

کوئی عقلمند، کوئی فلسفی، کوئی سیاست دان ایسے آئین اور ایسے قوانین کی ضرورت سے انکار نہیں کر سکتا، اگر اس قسم کا دستور اور ایسے قوانین نہ ہوں تو معاشرہ اپنے مائتوس خون کی ندیوں میں ڈوب کر ختم ہو جائے اور انسانیت کی ناواقفیت و غارت کے منہدم ہا میں غرق ہو جائے۔
دو چیزیں قوموں کی تباہی و بربادی کا باعث بنتی ہیں، دستور و قانون کا نہ ہونا، آئین و قانون تو ہوں مگر ان پر عمل نہ ہو۔

دوسرا مرحلہ، جب ثابت ہو چکا کہ بنی نوع انسان کے لئے دستور العمل کی ضرورت ہے تو دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ یہ دستور العمل انسان خود بنائے اور اپنی کامیاب زندگی کے لئے معاشرہ خود قوانین وضع کرے، یا خالق و مالک یعنی خداوند عالم اپنی اشرف المخلوقات انسان کو باامن و باوقار زندگی گزارنے کے لئے خود دستور العمل بنا کے دے اور اس کی مادی و روحانی زندگی کے ارتقاء کے لئے خود قوانین و ہدایات اور احکام وضع کرے۔

عقل سلیم بتاتی ہے کہ جس نے انسان کو پیدا کیا اور جس نے انسان کو معاشرتی و تمدنی زندگی دی اسی کا حق ہے کہ کامیاب زندگی گزارنے کے لئے اسے دستور العمل بنا دے اور اپنی جانب سے انسانی سوسائٹی کو

ہدایات و احکامات جاری کرے۔

انسان خود ناقص ہے اسے ظاہر کا علم ضرور ہے مگر باطن کا نہیں، حال جانتا ہے لیکن مستقبل سے ناواقف ہے۔ آج کوئی قانون بنانا ہے کل اسی کی خامی ظاہر ہوتی ہے اور وہ قانون واپس لے لیتا ہے۔ فرد واحد بنائے یا کوئی انجمن و کمیٹی یا کوئی اسمبلی اپنے بنائے ہوئے قوانین و آئین کو مکمل نہیں کہہ سکتی، اپنی غلطی کے احساس پر اور معاشرے کے احتجاج پر اپنا بنایا ہوا دستور واپس لے لیتی ہے یا اس میں ترمیم کرتی ہے۔

لیکن خداوند عالم علیم و خیر ہے وہ انسان کے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور باطن کو بھی، ماضی، حال اور مستقبل سے بھی واقف ہے۔ وہ انسان کی نفسیات اور روحانی وادی، انفرادی و اجتماعی تقاضوں کو خوب جانتا ہے۔ جس نے خود انسان میں جذبات و محرکات پیدا کئے، خواہشات اور ارادے پیدا کئے، گوشت و پوہست بنایا، خون و ہڈیاں بنائیں، دل و دماغ بنایا وہ اس کے تقاضوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ اور اس کے لئے اس کے زمانے کے حالات کے مطابق دستور العمل وضع کرتا ہے۔

لہذا اس کے دستور العمل اور قوانین حیات مکمل مطابق تقاضائے بشری اور دونوں جہان کی کامیاب زندگی کے ضامن ہوتے ہیں۔

اگر انسان قانون بنائے تو وہ خود غرضی ہے، قانون بناتے وقت اس کی ذاتی اغراض قانون کے خلوص کو مکرر کر دیتی ہیں اور قانون تمام و عام معاشرے کے مفاد کی بجائے چند اشخاص کے مفاد کی کڑیوں میں پابند ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ خالق و مالک کو انسان سے اس کی زندگی سے اور اس کی زندگی کے قانون سے کوئی غرض، مطلب یا طمع نہیں اس کی ذات اس قسم کے اغراض و مفادات سے بے نیاز و مستغنی ہے، اس دستور اور ان قوانین سے صرف انسانی معاشرہ کا مفاد اور انسانی سوسائٹی کی بہبود مقصود ہے۔ اور وہ جو قانون و ہدایا جاری فرمائے گا اس میں کسی فرد و احد یا کسی خاص قوم کی بہبودی و مصلحتی مقصود نہیں ہوگی بلکہ جملہ افراد انسانی کا مفاد و خیر و انسانیت کا ارتقاء دونوں جہانوں کے لئے ملحوظ ہوگا۔

پنابچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اجتماعی و انفرادی زندگی کے لئے ہدایات و احکام جاری فرمائے جس کا نام شریعت ہے۔ یہ صحیفوں اور کتابوں کی صورت میں آئے اور اپنی طرف سے حکام بھی بھیجے جو ان قوانین و دستور یعنی احکام و ہدایات کو اپنی امتوں میں نافذ کریں اور خود عمل کر کے دکھائیں۔ ان حکام کو نبی، رسول اور امام کہتے ہیں۔ خدا کی جانب سے نازل کردہ دستور العمل و احکام کا نام اسلام ہے۔ جو دین ہے اور اس کے تحت احکام و قوانین (درواز) کو شریعت کہتے ہیں۔

تبیس امر حاکمہ جب ثابت ہو چکا کہ خداوند عالم نے اپنی اشرف مخلوق کو خود دستور العمل اور قوانین بنا کے اپنے خاص نابھوں دنیا بدو دسل اور آئمہ کے ذریعہ بھیجے ہیں تاکہ ہر زمانے کا انسان ان قوانین کے مطابق زندگی گزارے اور ان احکام کی پابندی کرے تاکہ کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے کوئی حدود سے تجاوز نہ کرے، اپنے خالق کے حقوق پہنچاتے اور بندوں کے حقوق پہنچان کر انہیں ادا کرے۔ یہ قوانین واحکام دونوں جہان کی کامیاب زندگی کے ضامن ہیں۔

یہ تمام قوانین واحکام بے کار ہو جاتے ہیں، جب تک ان پر عمل نہ کرایا جائے اور ان ہدایات کی خلاف ورزی پر نہ نرا نہ دی جائے۔

جب کسی ملک کی کوئی قانون ساز کمیٹی قانون وضع کرتی ہے تو اس پر عمل کرانے کی کوشش بھی کرتی ہے اور قانون بنا کر اس ملک کے حکام کے ذریعہ ان قوانین کو ملک کے اندر نافذ کراتی ہے۔ اور قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں مختلف قسم کی سزائیں مقرر کرتی ہے۔ کیونکہ جب تک خلاف ورزی کرنے والوں کو احکام کو قبول نہ کرنے والوں اور مجرموں کو سزائیں نہ دی جائیں قانون بے اثر ہو جاتا ہے اور معاشرہ بگڑ جاتا ہے امن و سکون ختم اور قتل و غارت عام اور ملک تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ قانون بنانے والے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کی خود سزا تجویز کرتے ہیں اور اپنے غاصدوں، نااہلین اور کارندوں کے ذریعہ سزا دلاتے ہیں۔ خداوند عالم نے انسان کو ہر زمانے میں دستور العمل اور ہدایات عطا فرمائے اور تعمیل احکام کی صورت میں نیک بدلہ جزا اور بدعتی نافرمانی احکام کی خلاف ورزی کی صورت میں سزا کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور ہر زمانے کے انسان کے لئے حسن عمل کی صورت میں ثواب اور نافرمانی اور بدعتی کے بدلہ میں عذاب کے لئے ایک دن مقرر فرمایا ہے جس کا نام ہے ”یوم الدین“ روز جزا یعنی قیامت اس لئے فرمایا ہے ”وَمَا لِلدِّينِ يَوْمَ الدِّينِ“ روز جزا کا مالک ہے۔

اثبات قیامت کی دوسری عقلی دلیل

ہم دیکھتے ہیں کہ اس دار دنیا میں کئی ظالم اشخاص اپنے ظلم کی سزا نہیں پاتے چور، ڈاکو، قاتل اور بندوں پر ظلم کرنے والے، فساد برپا کرنے والے، قوانین الہیہ کی خلاف ورزی کرنے والے بے گناہ افراد کو بے دریغ قتل کرنے والے، امن عالم کو تباہ کرنے والے، دنیوی عدالتوں سے بری ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنے کئے کی سزا نہیں ملتی، ظالم اور سفاک بادشاہ، ہوس ملک گیری اور کثرت فتوحات کی حرص میں سکول کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں، ہزار عورتوں کے سہاگ لٹ جاتے ہیں، ہزاروں بچے یتیم ہو جاتے

ہیں ان کے اموال لوٹ لئے جاتے ہیں اور بہتوں کی بستیاں ویران ہو جاتی ہیں لیکن ان خورنیز اور شاگ حکمرانوں کو دنیا میں کوئی سزا نہیں ملتی، اگر خداوندِ عالم ہاگ ملک ان کو سزا دے تو اسے عادل نہیں کہہ سکتے اور اس کا مطلب یہ لیا جاسکتا ہے کہ خدا نے ان ظالموں کو کھٹی چوٹی دے رکھی ہے۔ اگر ان کا مواخذہ نہ کرے تو مطلب یہ ہے کہ خدا (معاذ اللہ) ان کے ظلم، قتل و غارت اور خورنیزی پر راضی ہے۔ البتہ خداوند اس صورت میں خدا ظالم کہلاتا ہے۔ حالانکہ خدا عادل ہے اس نے عدل کا حکم دیا ہے وہ عدل کو پسند کرتا ہے تو عدل کا تقاضا ہے کہ ظالم کو ظلم کی سزا دے اور مظلوم کی بے گناہی اور اس کے صبر پر اس کو نیک جزا دے لیکن اس دنیا میں اکثر ایسا نہیں ہوتا تو ماننا پڑتا ہے کہ خدا نے تادورِ قہار نے ایک دن مقرر کیا ہے جس دن ظالم و مظلوم، قاتل و مقتول، بدکار و نیکو کار کو اس دن اکٹھا کر کے عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور مجرموں کو سزا دے گا اسی دن کو ”یوم الدین“ کہا گیا ہے۔

جو احکام اس نے لکھ رکھے اپنے انبیاء و مرسلین کے ذریعہ بندوں تک پہنچائے ان احکام کی نافرمانی میں بہت کم اس دنیا میں سزا دی ہے۔ چونکہ تعینِ ہدایات کی صورت میں نیک جزا اور خلاف ورزی کی صورت میں عذاب کی سزا ضروری ہے ورنہ ہدایات و احکام کا بھیجنا فضول اور بے کار ثابت ہوتا ہے۔ لہذا ایک ایسے دن پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ اس دن ”الحکم الحاکمین“ بندوں کو اکٹھا کر کے ان سے باز پرس کرے گا اور ان کے اعمال کے بدلہ ثواب و عقاب دے گا اور وہ ”یوم الدین“ جزا اور قیامت کا دن ہے۔

یہ دنیا دو دائرِ اعمال ہے اور اگلا جہان ”دار الجوارہ“ ہے اس نے دو جہان بنائے۔ ایک جہان کارکردگی کا اور دوسرا جہان اس دنیا کی کارکردگی کے صلے کا۔ اسی واسطے کہا گیا ہے ”وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ“ یہ دنیا اگلے جہان کی کھیتی ہے۔ جو اس دنیا میں اعمال کی زمین میں بوڑگے اسی کا پھل اگلے جہان جزا کی صورت میں حاصل کر دے گے۔

از مکافاتِ عمل غافل مشو
گندم از گندم ہوید جو ز جو
اسے انسان اپنے عمل کے بدلے سے غافل نہ ہو گندم بونے سے گندم اور جو کاشت کرنے سے جو کاٹے گا۔ جو ہی بوئے گا اسی کا پھل کاٹے گا نیکی کاشت کرے گا تو نیکی کا پھل پائے گا بدی بوئے گا تو بدی کا تلخ ثمر حاصل کرے گا۔

ایک اہم سوال اور اس کا تسلی بخش جواب

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اگر انسان کو نیکی کرنے کے بعد فوراً نیک اجر مل جاتا تو نیکی عام ہو جاتی اور نیک بدلے کے طمع میں اسے نیکی کرنے کا شوق اور بھلائی کی عادت ہو جاتی اور اس فوری جزا کی ضرورت میں پورا معاشرہ نیکیوں کی طرف جھکت کرتا۔

اسی طرح برائی کرنے کی صورت میں آدمی کو جب فوراً سزا مل جاتی تو فوری سزا کے خوف سے کوئی برائی نہ کرتا اس طرح برائیاں ختم ہو جاتیں اور معاشرہ نیکیوں سے بھر جاتا۔ اور یہ دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن جاتی۔

بے شک یہ سوال اہم ہے۔ اب اس کا اہم اور معتدل جواب بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اگر دنیا دار الجراہ جس بن بوائے کہ نیکیوں کو ان کی نیکی کے بدلہ دولت و مال، صحت و نعمتوں کی صورت میں ملنے لگے تو لوگ نیکیوں کو کاروبار کی حیثیت سے اختیار کر جائیں گے۔ از روئے ایمان اور حکم الہی امورِ صالحہ کرنے کریں گے اور اعمالِ صالحہ کی روحانی قدر و تقربِ خدا کا ذریعہ ہونے کی حیثیت ختم ہو جائے گی اب ختنی عبادات ہیں ان کی نیت میں ”قُربۃً الی اللہ“ کے الفاظ آتے ہیں۔

جب دنیوی نعمات کے حصول کا ذریعہ سمجھ کر عبادات بجا لائی جائے گی تو ”قُربۃً الی اللہ“ کی نیت ختم ہو جائے گی اس طرح لوگ نیکی کرنے پر مجبور ہو جاتے جس طرح پیٹ پالنے اور کسبِ دہن کی خاطر مجبور ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بغیر کاروبار کے گزارہ نہیں ہوتا اسی طرح نیک امور، عبادات اور اعمالِ صالحہ بجالانے میں با اختیار نہ رہتے بلکہ دنیوی نعمتوں کی لالچ میں بطور کاروبار کے بے اختیار کرتے، اس طرح یہ امور عبادت نہ قرار پاتے اور نیکیوں کو احکامِ خداوندی نہ سمجھا جاتا۔ خدا کی عظمت دلوں میں نہ رہتی اور روحانی اقتدار ختم ہو جاتا اور عبد و معبود کے درمیان واسطہ اور تعلق پیدا نہ ہوتا۔

اسی طرح برائیوں کو حکم الہی سمجھ کر ان سے پرہیز نہ کیا جائے بلکہ ذری سزا کے خوف سے ان سے دور رہا جائے تو یہ اپنی ذاتی حفاظت کا سامان ہو گا جس طرح انسان خطرناک چیزوں سے ڈر کر کنارہ کش رہتا ہے۔ سانپ، بچھو، دزدوں، موڈی جانوروں اور مضر صحت و جانِ اشیاء سے پرہیز کر لے۔ تو حیوانی صحت و حفاظت کے لئے یہ سب کچھ ہو گا۔ ایمان، خوفِ خدا، عظمتِ خالق، روحانی ترقی اور تقربِ خدا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

اذا مردنوا ہی کو خدائی ہدایات نہ سمجھا جاتا اور تکلیف ختم ہو جاتی اور اعمالِ صالحہ اور معامی دنیوی امور

اور دنیوی زندگی کا ایک حصہ بن جاتے۔

طااعت اور عمل صالحہ تو یہ ہے کہ حکم خدا اور خوشنودی خالق کا ذریعہ سمجھ کر کیا جائے اور اس کے بجالانے سے خدائی رضا مقصود ہو۔ اسی طرح بدی سے بچنے کا بھی یہی مقصد ہونا چاہیے۔

اسی لئے خالق کائنات نے روزِ جزا کو روزِ عمل سے الگ بنایا ہے۔ بدلے کا دن کام کے دن سے جدا ہے، اور یہیں پانے کا وقت کاشت کرنے کے وقت سے علیحدہ ہے۔ اس نے دو جہان بنائے یہ جہانِ عمل کا، محنت و مشقت کا اور کوشش و محنت کا ہے۔ اگلا جہان اس محنت و عمل کے ثمر کا ہے کوشش کے نتیجہ کا ہے، کام کی جزا ہے۔ تاکہ اس دنیا میں کرنے کی باتیں امرِ خدا سمجھ کر کی جائیں اور نہ کرنے کی باتیں نہی سمجھ کر ان سے پرہیز کیا جائے۔

ان دونوں جہانوں کو مودارینؑ کہا گیا ہے دارِ دنیا یہ جہان اور دارِ آخرت اگلا جہان۔

انبیاء و مرسلین

مذکورہ بالا عقلی دلیلوں سے جب قیامت کا حق ہونا ثابت ہو گیا تو ہمیں چاہیے کہ وہ امور تلاش کریں جن کے بجالانے سے خالق خوش ہوتا ہے۔ اور اگلے جہان میں نیک بدلہ دے گا اور ایسے امور کی پہچان کریں جن سے رُکنا ضروری ہے اور ان کے کرنے سے خدا ناراض ہوتا ہے اور ان کے ارتکاب پر خدا بڑی قیامت مزا دے گا۔

کچھ امور تو ایسے ہیں جن کی اچھائی و برائی عقل و دانش معلوم کر سکتی ہے مثلاً سچ بولنا، بھلائی کرنا، والدین کی خدمت کرنا، کسی کو تکلیف نہ دینا، دھوکہ نہ دینا، ظلم نہ کرنا، کمزوروں کی مدد کرنا، غریبوں اور بیماروں کے ساتھ ہمدردی کرنا، بیماروں کی عیادت کرنا، کسی کی بُرائی نہ کرنا، مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا، مہمانوں کی عزت کرنا، کسی کی جان و عزت پر حملہ نہ کرنا، کسی کا ناحق مال نہ چھیننا وغیرہ ایسے امور ہیں جنہیں معاشرہ عقلِ سلیم کی روشنی میں اچھا یا بُرا کہتا ہے۔ اور اس کے لئے ایک بہترین معیار ہے۔

جو اپنے لئے پسند کرتا ہے دوسروں کے لئے بھی پسند کرے اور جو اپنے لئے پسند نہیں کرتا وہ دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرے۔

یہ ایک ایسا عمدہ ضابطہ ہے جس پر عمل کرنے سے دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتی ہے لیکن اسلام چونکہ ایک روحانی مذہب ہے مادی، مسلک نہیں، ہم خدا کو خالق و مالک جانتے ہیں۔ اس

واسطے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کا تعلق بھی قائم ہے۔ اس واسطے اگلے جہان کی آبادی اور روحانی ترقی کے لئے خدا سے پوچھ سکتے ہیں خدا یا! تو نے ہمیں کیوں پیدا کیا؟ ہمارے پیدا کرنے سے تیرا کیا مقصد ہے؟ تو ہم سے کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا۔ جب تو نے دو جہان بنائے ہیں یہ جہان عمل کا اور دوسرا جہان بدلے کا، تو ہم کیسے عمل کریں جس سے اگلے جہان کو آباد کریں یہ امور ایسے ہیں جہاں ہماری عقلیں کند ہو جاتی ہیں، دانش ساتھ چھوڑ دیتی ہے، سمجھ کچھ کام نہیں کرتی، اس واسطے خالق تو ہی بتا ہمارے اس صحیح و فطری سوال کا جواب خداوند عالم نے سوال سے پہلے ہی دے دیا۔ انہی باتوں کو بتاتے اور پہنچانے کے لئے خداوند عالم نے ہم میں اپنے نمائندے بھیجے جو ہیں تو انسان لیکن نمائندگی خدا کی کرتے ہیں، رہتے ہم میں ہیں لیکن نیابت خالق کی کرتے ہیں۔

ہم مادی کثافت میں آلودگی کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ اس سے براہ راست پوچھ سکیں اور وہ انتہا تجرّد کی بنا پر ہم سے بات نہیں کرتا، اس واسطے ہمارے اور اس کے درمیان ایسے وسائل اور وسائل ہیں جو ہم سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور اس سے بھی، ہم سے بھی مانوس ہیں اور اس کے بھی محبوب ہیں، ہم سے ہیں لیکن ہم ایسے نہیں، اس سے ہیں لیکن اس جیسے نہیں، نورانی و روحانی پہلو بھی رکھتے ہیں اور مادی و بشری پہلو بھی رکھتے ہیں، اگر روحانی و نورانی پہلو نہ ہو تو اس سے احکام و ہدایات لے نہیں سکتے اور اگر مادی و بشری پہلو نہ ہو تو ہمیں ہدایات دے نہیں سکتے۔

ان دونوں جنہوں کے مالک و وسائل کو اصطلاح اسلام میں انبیاء و مرسلین کہا جاتا ہے۔ خدا کی طرف سے خبریں دیتے ہیں، اس واسطے ان کو نبی کہتے ہیں، خدا کے بھیجے ہوتے ہیں اس واسطے ان کو رسول کہا جاتا ہے۔ جو کرنے کی باتیں ہمیں بتاتے ہیں ان کو ادا امر امر کی جمع بمعنی حکم اور جو نہ کرنے کی ہیں ان کو نہی کہتے ہیں۔ یعنی خدا کی جانب سے وہ ادا امر و نہی لاساتے ہیں جو خدا کی خوشنودی کی خاطر اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں ان کو یرم الدین میں نیک بدلے کی نشارت اور خوشخبری دیتے ہیں اس واسطے ان کو ”مبشّرین“ کہا گیا ہے۔ اور جو لوگ خدا کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اس کے نافرمان بندے ہیں ان کو ”یرم الدین“ عذاب سے ڈراتے ہیں۔ اس واسطے ان کو منذرین کہا جاتا ہے۔ کَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ۔

جب ہمیں قیامت کے واقع ہونے کا یقین ہو گیا، جزا و سزا کے دن کی آمد یقینی ثابت ہو گئی، ان امور کا پتہ بھی چل گیا جن کی تعمیل میں جنت میں لے جائے گی، ان باتوں کا علم بھی ہو گیا جو ہمیں دوزخ میں لے

جائیں گی تو اب اس دنیا میں ان اعمال صالحہ کو بجالانا ضروری ہے تاکہ روزِ قیامت جب ہم خدا کے دُورِ بر و پیش ہوں تو وہ راضی ہو تاکہ اپنے جوارِ رحمتِ جنت میں جگہ دے اور ایسی باتوں سے پرہیز کریں جو خالق اور مالکِ یومِ الدین کی ناراضگی کا باعث ہیں تاکہ ہم اس کے غضب سے بچیں اور سزا کے مقامِ دوزخ میں نہ جائیں۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عَذَابٍ مُّؤَسِّسَةٍ فَإِنَّهُ هَا وَهِيَ تَجْهَرُ بِهِ أَتِمَّتْ جَسَدِ كَانِيكِيوں والا پڑا بھاری ہوگا وہ پسندیدہ اور عیش و آرام کی زندگی میں ہوگا اور جس کا نیکیوں والا پڑا ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ مدناویہ ہوگا۔

لواء الحمد

قیامت کا منظر غت ہر ناکہ گا اور ایسے ہولِ خطرہ کے موقع پر سہارا ڈھونڈنا چاہیے۔ سورج کی دھوپ سخت گرمی شدید ہوگی لوں پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ دھوپ سے بچنے کا سہارا سایہ ہوتا ہے۔ روزِ عشرِ سایہ کی تلاش ہوگی۔ ہاں سایہ دستیاب ہوگا مگر جن کے ہاں سایہ ہوگا اگر دنیا میں ان سے عداوت رہی، ان کے حقوق نہ پہنچائے اور پہچان کر ادا نہ کئے تو اس سایہ کی ٹھنڈک سے حرمان نصیب ہوگا۔ اسے سلمان اگر جزا کے دن سورج کی گرمی سے بچنے کے لئے سایہ کا خواہش مند ہے تو آج سے سائے کا پتہ دیتا ہوں مگر اس سایہ تک پہنچنے کے لئے بھی سایہ داروں کی معرفت کرے، ان کی محبت کے سائے تلے آجا اور ان کو پہچان لے۔ آج سے پہچان بھی کرادوں۔ سایہ ایک علم کے پھر پرے کا ہوگا، اس علم کا نام بد لواء الحمد ہے۔ روزِ قیامت اس علم کا اٹھانے والا وہی گا جو زمانہ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمام جنگوں میں علمبردارِ اسلام رہا جس کے ہاتھ میں ہر جنگ میں اسلام کا علم رہا اور اس نے علم کی لاج رکھی جو میدانِ جنگ میں بلند کئے رہا اور اس وقت تک میدان سے واپس نہ پٹا جب تک جنگ کو فتح نہ کر لیا، جو دنیا میں رسولِ پاک کا علمدار رہا، آخرت میں بھی وہی صاحبِ علم ہوگا۔

یاد رکھ اس علم سے وہ قیامت کا علم بھاری ہوگا جو اس دنیا میں علم کو نہ سنبھال سکے وہ قیامت کے روز کس طرح اتنے بڑے علم کو اٹھا سکیں گے، علم ہر لمحہ میں نہیں سجتا، علم اٹھانے کیلئے بھی ہاتھ چاہئیں وہ ہاتھ پُر اللہ ہی ہیں، وہ ہاتھ ہیں فاتحِ خیبر، قاتلِ مرحب و عنتر، ابوطالب کے دبیر، رسول کے برادر، زہرا کے شوہر، والدِ شہید و شہرِ شہیدوں کے رہبر علی ابن ابی طالب کے جیسا کہ کنز العمال، معجم کبیر طبرانی، فروس الاخبار دیلمی اور ناقب خوارزمی میں ہے۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ. قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَيَّ أُمَامِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَنْدَفِعُ إِلَيَّ لِيُؤَدِّ الْحَمْدَ فَادْفَعْنِي إِلَيْكَ وَأَنْتَ

تَوَدُّ النَّاسَ عَنْ حَرَضِي .

جناب ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب سرور دو عالم صلعم نے فرمایا کہ یا علی تم قیامت کے روز میرے آگے آگے ہو گے، مجھ کو لواء الحمد دیا جائے گا اور میں تمہیں دے دوں گا اور تم ہمارے حوین کوثر سے لوگوں کو ٹہاؤ گے۔

عن جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ قالوا یا رسول اللہ من یجمل رأیتک یوم القیامۃ قال من یخس ان یجملھا الا من حملھا فی الدنیا علی ابن ابی طالب . جابر بن سرہ سے روایت ہے کہ اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے روز آپ کا لواء (علم) کون اٹھائے گا۔ آپ نے فرمایا اس کئے سوا کوئی نہ اٹھائے گا جو دنیا میں اٹھا تا رہا اور وہ علی بن ابیطالب ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت تغسل جنتی وتودی دینی وتؤاری فی حفرتی وتفی بزمی وانت صاحب لوائی فی الدنیا والآخرۃ .

جناب ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا یا علی تو مجھے مرنے کے بعد غسل دے گا اور تو ہی میرا قرضہ ادا کرے گا اور تو ہی مجھے قبر میں دفن کرے گا تو ہی میری ذمہ داری کو پورا کرے گا اور تو ہی میرے جہنم کے کو دنیا و آخرت میں اٹھائے گا۔

اس لواء الحمد میں اتنی وسعت ہوگی کہ جتنے بچے حب دار ہوں گے سب اس کے سائے میں پناہ لے سکیں گے۔ اس واسطے مسلمان را علی کا حق پہنچا تو جس مرتبے کا مالک ہے اس کے مرتبہ کے مطابق مانوسا یہ علی اس کو نصیب ہوگا، جس کے ماتھے میں ان کا دامن ہوگا، جس کی زبان پر ان کا ذکر ہوگا جس کے دل میں ان کی محبت ہوگی جن کے قدم ان کے نقش قدم پر چلیں گے۔

یہ شک یوم جزا کا مالک خدا ہے۔ لیکن اس کی بارگاہ میں شفاعت کرنے والے، سید الانبیاء، امام الاتقیاء، سیدۃ النساء، حسن مجتبیٰ، سید الشہداء، خمسہ نجباء، کشتی نجات کے ناخدا اور شیعوں کے رہنما ہیں۔

جنہوں نے دنیا کی تکلیفوں میں ان کا ساتھ دیا، دکھ سکھ میں ان کے ساتھ رہے، سفر و حضر میں ان کے خدمت گزار رہے اور محشر میں بھی ان کے ساتھ رہیں گے۔

حضرات مومنین! آپ نے زہیر بن قین کا حال تو سنا ہے۔ جب صحرائے غربت میں شمع امامت کو روشن دیکھا تو پروانہ وار آکر گرد گھومنے لگے۔ اسی طرح اس سفر پر خطر کی منزلوں میں سچے حیدار شامل ہوتے گئے جو مال فہیمت اور دنیوی لالچ میں شامل ہوئے تھے وہ ساتھ چھوڑتے گئے اور جو

سچے فدائی اور کھرے شیدائی تھے وہ گرد جمع ہونے لگے۔

حُر کی ملاقات

قارئین کرام! آپ پڑھ چکے ہیں کہ ابن زیاد نے امام حسین علیہ السلام کو محصور کرنے کے لئے ہر طرف سے ناکہ بندی کر دی تھی، ہر طرف سے راہیں بند ہیں، آپ منزل مد شراف میں پہنچے تو حرمین یزید رباحی ایک ہزار سواروں کے ساتھ آپ کے مقابل آیا، دوپہر کا وقت تھا، سخت گرمی تھی۔ شدت پیاس سے گھوڑوں کی زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں اور سوار بدحواس تھے، ساتی کوثر کے فرزند، کریم ابن کریم نے جب اُن کی بد حالی دیکھی تو غلاموں کو حکم دیا کہ پانی کی مشکیں جو ہمراہ ہیں ان کے دھانے کھول دو اور اس لشکر اور ان کے گھوڑوں کو سیراب کر دو، حکم امام ملتے ہی تعمیل شروع ہو گئی، سواروں اور گھوڑوں نے سیر ہو کر پانی پیا، ساتی کوثر کے فرزند کی اخلاقی فیض رسانوں سے حُر کا تمام لشکر سیراب ہو گیا اور پیاس سے ان کے چہتے ہوئے دلوں اور دھکتے ہوئے گھجوں کی آگ بالکل ٹھنڈی پڑ گئی، اس اثناء میں تلہ کی نماز کا وقت آگیا، امام پاک نے نماز پڑھائی اور حُر نے بھی امام پاک کی اقتداء میں نماز پڑھی، بعد نماز حُر نے کہا کہ ہمیں حکم ملا ہے کہ آپ کو گھیر کر ابن زیاد کے سامنے لے جا کر پیش کریں جناب امام حسینؑ نے اس طرح جانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اہل کوفہ کی دعوت پر میں نے کوفے کا قصد کیا ہے اگر تمہیں میرا آنا پسند نہیں تو میں جہاں سے آیا ہوں واپس چلا جاتا ہوں، اس کے بعد آپ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ سوار ہر جاؤ چنانچہ جب قافلہ تیار ہو گیا اور مستورات بھی سوار ہو گئیں تو آپ نے حکم دیا کہ واپس چلو جب واپس مڑنے لگے تو حُر اپنی سپاہ کے ساتھ راستے میں حائل ہو گیا اور واپس جانے سے روکنے لگا، امام نے حُر سے فرمایا تَکَلُّتُکَ اُمَّتُکَ ما تَربِیْدُ! تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے تو کیا چاہتا ہے؟ حُر نے جواب میں کہا کہ اگر آپ کے علاوہ کوئی اور شخص یہ کلمہ مجھے کہتا تو بھی ضرور اسے ویسا ہی جواب دیتا مگر آپ کی والدہ ماجدہ کا خیر و غری کے سوا ذکر نہیں کیا جاسکتا، امام نے فرمایا کہ آخر تو چاہتا کیا ہے حُر نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ کو امیر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جاؤں، امام نے فرمایا خدا کی قسم میں اس طرح تیری بات نہیں مانوں گا حُر نے کہا خدا کی قسم میں بھی آپ کو ہرگز نہ چھوڑوں گا، اسی طرح ہر دو جانب سے تین بار بھی خیالات کا ہر کئے گئے۔ اس کے بعد حُر نے کہا مجھے آپ سے مڑنے کا حکم نہیں دیا گیا مجھے تو صرف یہی حکم ملا ہے کہ جب آپ مل جائیں تو جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا لوں آپ سے جدا نہ ہوں لیکن آپ ایسا نہیں کرتے تو پھر ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ کوئی ایسا راستہ اختیار کریں

جو نہ کو فوجا تا ہو اور نہ ہی مدینہ کو، اس کے بعد میں ابن زیاد کو صورت حال لکھوں گا۔ شاید خدا مجھے آپ کے ساتھ جگہ کرنے سے بچائے، امام عالی مقام نے حرکت کی اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے عذیب و قنادسیہ کی راہ سے ہٹ کر بائیں طرف حرکت کر سفر شروع کیا، کچھ بھی تھوڑے فاصلے پر ساتھ ساتھ چلتا رہا، آپ جب منزل رعدیب البجانات پہنچے آپ نے قیام فرمایا اور تھوڑے فاصلے پر گھرنے بھی اپنے سپاہیوں سمیت قیام کیا، اسی منزل پر کوفہ سے چار آدمی اپنی اپنی سواریوں پر سوار وارد ہو گئے یہ چار شخص عمر بن خالد صیداوی، اس کا غلام سعد مجع بن عبداللہ مدجی اور نافع بن ہلال تھے اور پانچویں بزرگ ان کے راستے جانے والے طراح بن عدی تھے۔ یہ لوگ قافلہ امام میں شامل ہو گئے، گھرنے انہیں گرفتار کرنا چاہا تو امام نے فرمایا اب چونکہ یہ لوگ میرے پاس پہنچ گئے ہیں لہذا یہ میرے پہلے ساتھیوں کی طرح میری حفاظت میں ہیں، یہ سن کر حر خاموش ہو گیا، جب امام پاک سربزین نینوا کے قریب پہنچے اور کچھ اپنی سپاہ سمیت ساتھ ساتھ تھا تو فوجی طرف سے ایک مسلح قافلہ آتا ہوا نظر آیا اسے دیکھ کر سب رُک گئے، جب قریب آیا تو اُس نے حر اور اُس کے ساتھیوں کو سلام دیا اور امام حسین علیہ السلام اور اُن کے اصحاب کو سلام نہ کیا اُس نے حر کو ابن زیاد کا خط دیا جس میں لکھا تھا جب تمہیں میرا خط ملے تو دیں حسین کو روک لو اور اُن کو ایسی جگہ پر اتارنے کے لئے مجبور کرو جہاں پانی اور سبزہ نہ ہو، میں نے اپنے قاصد کو کہہ دیا ہے کہ تعمیل حکم کے لئے تمہارے ساتھ ساتھ رہے۔

گھرنے امام عالی مقام کو خط کے مضمون سے آگاہ کیا اور تعمیل حکم کے لئے اپنی مجبوری ظاہر کی، امام نے فرمایا مجھے غاضبہ، نینوا یا شیفہ میں اترنے کی اجازت دو، گھرنے کہا مجھے تو حکم ہے کہ آپ کو ایسی جگہ اتاروں جہاں پانی اور سبزہ نہ ہو لہذا میں ایسا نہیں کر سکتا اس کے بعد امام نے حر سے فرمایا ہمیں تھوڑا سا آگے چلنے دو۔ تھوڑا آگے ہی چلے تھے کہ امام حسین کی سواری کا گھوڑا چلتے چلتے رُک گیا۔ ہر چند آپ نے راہوار آگے بڑھاتے کی کوشش کی مگر اس نے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔ اکثر تاربخوں سے یہ بھی استفادہ ہوتا ہے کہ آپ نے متعدد سواریاں بدلیں مگر کسی نے بھی اپنے مقام سے آگے حرکت نہ کی۔ تب امام عالی مقام نے دربارت فرمایا کہ اس جگہ کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اس زمین کو کہلا کہتے ہیں۔ اس وقت امام نے فرمایا خدا کی قسم یہی زمین رنج و مصیبت کی ہے۔ یہیں ہماری سواریاں بٹھائی جائیں گی۔ یہاں ہمارے مردوں کے خون بہائے جائیں گے۔ ہماری مستورات یہاں سے قید کی جائیں گی۔ اسی مقام پر ہماری قبریں بنیں گی اور اسی جگہ سے ہم قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ ان تمام باتوں کی خبر مجھے جبر بزرگوار نے فرمادی ہے۔ یہ فرما کر آپ گھوڑے سے اتر پڑے۔ یہ دوسری محرم اور پشیمہ کا دن اور سبت کا واقعہ ہے امام ابراہیم اسحاق اخوانی کا بیان ہے کہ سواری کے رُک جانے کے بعد آپ نے اس زمین سے ایک مشت خاک اٹھائی اور

اس کو سونگھا۔ پھر آپ نے جیب سے خاک نکالی اس کو بھی سونگھا اُن دونوں خاکوں کو ملا یا۔ ان کا رنگ بھی ایک جیسا تھا اور خوشبو بھی ایک جیسی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ مٹی ہے جو حضرت جبرائیلؑ نے میرے نانا محمد مصطفیٰؐ کو دی تھی۔ جناب امام نے قریب سے معلوم کر لیا کہ اس مٹی کی خوشبو میری موت کا پیام ہے۔ اور اپنی وعدہ گاہ کو پہچان گئے۔ ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا کہ میرے قتل کا اور زینبؓ دامِ کلثومؓ کی قید کا انتقام آگیا ہے۔ بعد میں اپنی وعدہ گاہ پہنچ گیا ہوں، یہیں ہماری قبریں بنیں گی۔ یہاں ہمارے گھر چلائے جائیں گے۔ بتلے زادیوں کے زیرِ رات لٹے جائیں گے۔ آلِ رسولؐ کو قید کیا جائے گا۔ میرے گلے کی شرک کاٹی جائے گی۔ اور میری ٹاٹھی غلّ سے خضاب کی چلے گی، اسی زمین کو بلا پر میرے نانا اور میرے ماں باپ کو آسمان کے فرشتے ہماری موت کا پرسا دیں گے۔ اس مقام کا پروردگارِ عالم نے میرے نانا سے وعدہ فرمایا ہے یہ فرما کر آپ ساتھیوں سمیت اتر پڑے۔ اور اسی جگہ مستقل قیام فرمایا۔

بہر حال محمدؐ نے ابن زیاد کے حکم کی تعمیل میں فرزندِ رسولؐ اور اولادِ بتلے کو پانی کے قریب قیام نہ کرنے دیا اور دویا و منہرِ علقمہ سے درِ غیم نگاہیں ہر مجبور کر دیا۔ حالانکہ امامِ پاکؐ نے ہر چند کہا کہ بستی نینوا، غاضریہ، شفیہ میں کسی آبادی میں قیام کرنے دیا جائے تاکہ مستورات اور اطفالِ خرد سال کو پانی میسر آ سکے اور جنگل کی وحشت اور پانی کی تکلیف سے محفوظ رہیں۔ بالاخر فرمانِ امامِ پاکؐ کے مطابق ایک غیر آباد اور سنسان جگہ پر نئیے نصب کئے گئے

ارضِ مقدسہ کر بلا

کوہِ سے کچھ فرسخ دور دیہائے فرات کے کنارے ایک غیر آباد ریگستان ہے، جسے ”کر بلا“ کہتے ہیں اس ریگستان سے ملتی چند بستیوں آباد تھیں جن میں مختلف عرب قبائل بستے تھے ان میں زیادہ تر قوم بنی اسد تھی تھی ان بستیوں کے نام نینوی، غاضریہ، شفیہ، ماریہ ہیں ان میں سب سے بڑی بستی ”غاضریہ“ تھی۔ ارضِ کر بلا کے بھی مختلف نام تھے، ارضِ الطف، شطّ العُرات

ۛ اے خاکِ کر بلا تو اس احسان کو نہ بھول
تو بڑی ہے تجھ پہ لاشِ جگر گوشہٴ بتول

اے زمینِ کر بلا! تیرے شرف میں کوئی قطعہ زمین خربک نہیں، تیری آغوش میں بنتِ سید الانبیاءؑ کی گود کے پائے آرام فرما، تیری خاک میں اولادِ بتلے کا خون شامل ہے، تیری ریت پر ذریتِ رسولؐ

چند روز جہاں رہی، اسے زمین کربلا کیسے شریف ہماں تجھ پر اکڑا کر اُترے، کن خندس ہستیوں نے تجھ پر ڈبیرہ ڈالا لیکن تو نے جہاں فوازی نہیں کی۔ ذریت رسول تیری خاک پر بھجوں کی پیاسی تڑپتی رہی لیکن تیری گود میں نہر علقمہ بہتی رہی اور معصوم بچے بوند پانی کے لئے تڑپتے رہے، تو کس جگہ کے ساتھ زہرا کی بیٹیوں کو اڑھتا دیکھتی رہی، تیری گرم خاک پر اٹھارہ بنی ہاشم کی لاشیں بے گرو کفن تڑپتی رہیں۔

اسے خاک تو نے ان کی کوئی جہانی نہیں کی لیکن تبول کے لال نے تیری قدر بڑھادی، تو ایک چٹیل میدان مٹی، غیر آباد ریگستان تھی لیکن فرزند رسول نے اپنے اور اپنے اقرباء کے خون کی تجھ میں آمیزش کی تیرا اتنا شرف بڑھایا کہ ملائکہ، انبیاء اور سرسلین تجھ پر نازل فرماتے ہیں۔ تجھ سے کسی کا گزرنے کو جی نہ چاہتا تھا آنے والے آتے تھے اور گھبرا کر چلے جاتے تھے لیکن تبول کے لال نے تیری مٹی کو تربت مقدسہ اور خاک شفا بنا دیا۔ تیرے وحشت ناک خطہ کو قلعہ نور بنا دیا اور تیرے ٹیلوں کو رشک طور بنا دیا۔

ارض کربلا ایک پرمہول اور درخیز خطہ ہے اس سرزمین سے کئی انبیاء و اوصیاء گزرے مگر کوئی آرام و سکون کے ساتھ نہیں گذرا ہر ایک کو کچھ صدمہ لاحق ہوا کسی کو چوٹ لگی اور کسی کا دل غناک ہوا ہر ایک صبح عظیم کے مصداق جناب سید الشہداء کی عظیم الشان قربانی اور دردناک شہادت سے مطلع ہو کر فرزند رسول کی مصیبت میں ہنسنے گم ہواں اور ان کے قاتلین پر لعنت کرتے ہوئے رخصت ہوا۔ واقعہ شہادت سچا سالہا سال قبل زمین کربلا پر شہید ہونے والوں کی جگہ پایش داستان اولین کو رلاتی رہی اور واقعہ کے بعد یوم قیامت تک ہر سننے والا آنسو بہاتا رہے گا اس واسطے کربلا کی خوشحیاں کہانی نے اولین و آخرین کو اشکبار کیا۔

طوالت کے خوف سے ہر بزرگ کا جو اس سرزمین پر وارد ہوا واقعہ نہیں لکھتے صرف والد جناب حسین علیہا السلام حضرت امیر کے ورود کربلا کا واقعہ اور جناب مظلوم کربلا کے بابا کا غم خیز قصہ تحریر کرتے ہیں بہت سی معتبر اور مستند تاریخوں میں یہ واقعہ درج ہے۔

جنگ صفین کے سفر کے دوران جناب امیر المومنین علیہ السلام اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کوفہ کی پہلی عبور فرما کر مسجد ابوسبرہ میں داخل ہوئے وہاں نماز پڑھی اور سُبْحَانَ مَنْ يَوْمُ لَيْلٍ فِي الشَّهَارِ وَيَوْمُ لَيْلٍ فِي الشَّهَارِ فِي الْبَيْتِ کی تسبیح پڑھ کر آگے روانہ ہوئے۔ اور منزلیں طے کرنے کے بعد بابل کی زمین میں داخل ہوئے تو رات ہوا کو تیز کیا اور لشکر کو بھی تیز چلنے کا حکم دیا کہ بہت تیزی کے ساتھ اس زمین سے گزر جائیں کیونکہ خطرہ ہے کہ زندہ آدمی اس منحوس زمین میں نہ دھنس جائیں۔ اہل لشکر بسرعت تمام اس مقام سے گزر گئے جب آپ غم کربلا میں مبتلے تو دریائے فرات کے کنارے جہاں کھجور کے درخت تھے تفریف سے گئے اور عبداللہ بن عباس سے فرمایا تم کچھ واقف ہو کہ یہ کونسا مقام ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ اس جگہ کو نہیں جانتے جناب امیر علیہ السلام نے

فرمایا اسے عبداللہ اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ یہ کون سی اور کیسی سرزمین ہے تو بے اختیار رونے لگ جاؤ یہ فرما کر خباب امیر اتار دئے کہ روتے روتے ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی اور فرمایا کہ میرے ساتھ آل البرسفیان نے کیسی عداوت اختیار کی اس کے بعد خباب امام حسین علیہ السلام کو طلب فرمایا اور ارشاد کیا کہ اسے فرزند صبر اختیار کرو اور دیکھو کہ تمہارا باپ آج کے دن آل البرسفیان کے ہاتھوں کیسے کیسے رنج اٹھا رہا ہے کل تمہیں بھی ان ظالموں کے ظلم برداشت کرتے ہوئے گئے، اس گفتگو کے بعد خباب امیر المؤمنینؑ نے وضو کیا اور چند رکعت نماز پڑھ کر سو رہے جب بیدار ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباس کو طلب فرما کر کہا کہ اے ابن عباس میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے کیا دیکھتا ہوں کہ ایک گروہ مردان تورانی چہرہ کا نزول ہوا جن میں سب لوگ شمشیریں حائل کئے ہوئے سفید علم ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اس سرزمین کے ارد گرد خط یمنیا اس وقت ان خروا کے درختوں کی یہ حالت دیکھی کہ اپنی شاخیں زمین پر ٹپک رہے ہیں اور ایک تازہ خون کی نہر بھری ہوئی ہے جیسی فریاد کرتے ہیں لیکن کوئی ان کی فریاد کو نہیں پہنچتا اور وہ مردان سفید رونا کر رہے ہیں کہ اے آل رسول صبر اختیار کرو اور آگاہ رہو کہ تم بدترین ظالموں کے ہاتھوں سے قتل ہو رہے ہو اور اے حسینؑ تم کو بشارت ہو کہ بہشت تمہارے قدموں کی مستاق ہے۔ وہ سب میرے پاس آئے اور ریم تعزیت بجالائے۔ یہاں تک خواب دیکھ کر میں بیدار ہو گیا اسے عبداللہ قسم بخدا کہ میں نے حضرت رسول پاکؐ نے مجھے مطلع فرمادیا تھا کہ میں ہنگام سفر زمین کر بلا پر یہ خواب دیکھوں گا۔

آگے یہ بھی لکھا ہے کہ خباب امیر المؤمنین علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر اس زمین پر بیان کیا اور فرمایا کہ رسولؐ کی شہادت کا واقعہ وہ بھی یاد کر گئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ خباب امیرؑ اپنی اولاد کا مقتل یاد کر کے اتار دئے کہ غشی کی کیفیت طاری ہو گئی مظلوم کا بابا روتا بھی جاتا تھا اور اپنے پاس قریب بیٹے ہرے مظلوم بیٹے کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیر کر صبر کی تلقین بھی کرتا جاتا۔

عزادارو! مظلوم کا بابا اپنی اولاد کا قتل اور اپنی بیٹیوں کا اسیر ہونا کس طرح برداشت کر سکتے غالباً عاشور کا منظر آپ کی آنکھوں کے سامنے ہو گا کہ مظلوم بیٹا خون کے دریا میں تیر رہا ہے ”رَہْلٌ مِّنْ مُّغِيثٍ یُّغِیْتُ“ کی آواز بلند کر رہا ہے۔ کوئی ناصر و مددگار نہیں زمین کر بلا پر قرآن ناطق کے کبوترے ہوئے اور بچے ہوئے پارے۔ زمینب کے بابا نے کس حال میں دیکھے ہوں گے، لیکن عاشور کی عصر کا منظر بھی دیکھا ہو گا۔ کہ خیروں میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اور زمینب و اُم کلثومؑ سر چھپانے کے لئے سہارا ڈھونڈ رہی ہیں۔

جہزات کا دن ہے، محرم کی دوسری تاریخ مدینہ کے مسافر اپنی صبح وعدہ گاہ پر پہنچ گئے، شہر کے مسافر نے مستورات اور بچوں کے ساتھ بہت سفر کیا، اب مستقل قیام کا قصد ہے۔ حرکی ٹکڑی ہے، ابن زیاد کا حکم ہے کہ ایسی جگہ پر امام پاک کو ناز و جہاں سے پانی دور ہو اور آبادی قریب نہ ہو، بعض ساتھیوں کے تہیہ بدئے سیاہ بے حیا کی ان گنت خانہ حرکات پر اصحاب با وفا کا خون رنگوں میں تیزی سے دوڑنے لگا، جانشینوں نے لڑائیوں کا مشورہ دے دیا مگر صاحبِ امام نے یہ فرما کر ان کو روک دیا کہ میں لڑائی میں پہل نہیں کرنا چاہتا، چاروں پانی سے درخیہ نصب فرمانے کا حکم دے دیا۔ تابعِ قرآن اصحاب نے نورانی تعمیل حکم کی اور اس جلیں میدان میں اس ترتیب سے اپنے اپنے جیسے اور سر اٹھائے لگائے۔

سب سے پہلے جناب امام حسین علیہ السلام اور ان کے اہل بیت کرام کے خیام نصب کئے گئے اور ان سے ملحق جناب کے اعزہ و اقرباء نے اپنے خیمے لگائے اور ان کے بعد آپ کے اصحاب جانشین اپنی اپنی فروگاہیں درست کیں، ان کے بعد راحلے اور دوسری سفر کی ضروریات کے لئے خادموں و غلاموں نے اپنے اپنے پڑاؤ ڈال دیئے۔ خیمے اس قریب سے یکے بعد دیگرے متصل لگائے گئے تھے کہ ایک خیمہ سے دوسرے خیمے میں آسانی سے آ جا سکتے تھے اور ضرورت کے وقت ایک دوسرے کے ساتھ آسانی سے ملاقات ہو سکتی تھی، دوسری محرم سے دس محرم تک جب تک ظلم و نفاق کے بھڑکتے ہوئے شعلوں نے ان کو خاک سیاہ نہ کر ڈالا، اس وقت تک ان میں باہمی آمد و رفت اسی طرح قائم رہی اور تمام اعزہ و اقرباء اہل بیت کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے اور اسی طرح اصحاب و انصار کی عزتیں بھی جہزاتِ عظمیٰ کی زیارت سے باریاب ہوا کرتی تھیں۔

پہرہ سرِ محدثاتِ طہارت کو جنابِ مسافر کو ملانے خاص عزت و احترام سے محفلوں سے آمار کر خیام میں پہنچایا، ناتقے بٹھائے گئے اور خاندانِ جناب ابوطالب کی شہزادیاں باپردہ و احترام اپنے اپنے خیموں میں جاگزیں ہوئیں۔

سکونت تبدیل کرنے والے حضرات جانتے ہیں کہ نئے شہر اور نئے مکان میں داخل ہونے کے بعد پہلا گھر اور وطن یاد آتا ہے۔ نیا گھر مانوس نہیں ہوتا بلکہ وحشت ملکتی ہے۔ میں آپ حضرات سے پوچھتا ہوں محدثِ اصحت مدینہ ایسے مانوس وطن سے بچھڑی ہوئی بی بیایاں، سفر کی تھکی ماندی، بے آرام اور بے قرار شہزادیاں قدم قدم پر گھروں کی بربادی کی خبریں سننے والی موتِ اقرباء کی بھی ہوئی نہ راز دیاں کس طرح خیموں میں داخل ہوئی ہوں گی، اجنبی ملک، وحشت ناک جنگل، مسخ دشمنوں کے ہجوم اور پھر اپنے بھائی کے خطبوں میں مرنے اور الجھنے کی خبریں، میرا خیال ہے صرف خیال نہیں حقیقتِ حال ہوگی کہ ہر خیمہ میں مستورات پریشان حال اپنے بھائیوں اور بچوں

کو لگے لگائے، اس طرح وہی ہوں گی جس طرح مدینہ سے نکلنے وقت وہی تھیں لیکن لاکھ جانیں قربان ہو جائیں ان کی اطاعت امام پاک پر اور ان کی فدا اور صبر و جہاد پر کہ اتنے بڑے سفر، اتنی بڑی منزلوں، اس قدر شہداء اور مجتہدین گھبراہٹوں اور پریشانوں میں بھی کبھی اپنی تکلیف و گھبراہٹ بھوک و پیاس کی پریشانی و تھکاوٹ کی امام پاک کے آگے شکایت نہیں کی جس غلام اور جذبہ ایمان کے تحت رفاقت امام عالی مقام اختیار کی تھی اس پر پہنچ نہیں آئے دی جب خیمے نصب ہو چکے تو سرکار شہداء نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے تمام اقربا و اولاد اعزہ کو ایک جگہ اکٹھا کیا، جن میں حضور کے بھائی، اولاد، بھتیجے، بھانجے اور تمام مستورات شامل تھیں۔ جب سب جمع ہو گئے تو میرے مظلوم و مسافر آقا نے حسرت بھری نظر سے سب کو دیکھا، باغ بتول کے نہال سلامت ہیں، چمن زہرا بھی تازہ ہے، لیکن بادِ غم کے بگولے اٹھنے والے ہیں۔ کوئی بات مظلوم کو بلا کو یاد آئی، زہرا کے لال کی آنکھیں سادوں کے ہاول کی مانند برسنے لگیں کوئی ایک بات تو نہ تھی، کئی باتیں تھیں۔ عباس کے بھرپور شباب کو دیکھا، اکبر کی نوجوانی کو دیکھا، حسن مجتبیٰ کے صحن کی آبادی دیکھی، جعفر طیار کے پوتوں کے دلوں سے دیکھے، اولاد معین کے پیور ملاحظہ فرمائے پھر یاد کیا ہو گا کہ یہ جوانیاں یہ شباب چند روز کے بعد خاک کربلا میں مل جائیں گی خیموں کی ترتیب دیکھی ہوگی اور ہر خیمہ میں ایک ایسا دروازہ تھا کہ بیبیاں ایک خیمہ سے دوسرے خیمے میں آسانی داخل ہو سکیں گی، خیمہ کا نقشہ دیکھ کر عاشور کی عصر یاد آگئی ہوگی اور واقعی بیبیاں ایک خیمہ چلنے کے بعد دوسرے خیمے میں جاتی تھیں لیکن خیموں نے ساتھ نہ دیا سب بیبیوں کو جنگ کی طرف متوجہ کرنا پڑا پھر اپنے اہل بیت پر ایک نظر فرمائی روئے اور بارگاہِ قدرت میں عرض کیا۔

اے اللہ ہم تیرے نبی محمد مصطفیٰ کی عزت میں، ہمیں زیرِ دستی اپنے نانائے حرم سے نکالا گیا غلاما مدینہ اور نانائے حرم یا آیا ہو گا۔ بنی امیہ نے ہم پر ظلم و ستم کیا ہمیں ہمارا حق لے لے اور ظالموں پر ہماری مدد فرما۔

—•—

مجلس دہم

تیسری محرم سے نہم محرم تک کے حالات، فوجوں کا کر بلا میں داخلہ

نامہ و پیام، بندش آب، اہل بیت کی پیاس

دوسری محرم کو جب جناب امام حسین علیہ السلام نے اپنے خیمے زمین کر بلا میں نصب فرمائے اور منتقل قیام فرمایا اور حسین یزید الراہی کو امام پاک کے قیام کا اظہار ہو گیا اور اپنے طور پر چرنے ابن زیاد کے حکم کی تعمیل کر دی اور اپنے مقام پر چرنے کا بیانیہ حاصل کر لی تو اس معرکہ کا خط چھوٹنے کر بلا سے ابن زیاد کو تحریر کیا۔

میں امام حسین اور ان کے ساتھیوں کو کوفہ کی راہ سے بھر کر کر بلا تک پہنچا چکا ہوں اور ان کو بے آب و گیاہ میدان میں اتار چکا ہوں۔ اب امام حسین علیہ السلام کو کل طور پر محاصرہ میں ہیں اب وہ یہاں سے کسی طرح آگے نہیں جاسکیں گے۔

حکمی یہ اطلاع ملنے ہی ابن زیاد جناب امام کی پابندی پر مطمئن ہو گیا اور یزید کی سلطنت کو مضبوط کرنے اور امام پاک کو قتل کرنے کا اہتمام کرنے لگا۔ چنانچہ اس نے عمر بن سعد بن ابی وقاص کو فوج کی قیادت سنبھالنے اور فرزند رسول کو قتل کرنے کے لئے بلا یا قبل انہیں ابن زیاد نے ایران کے علاقہ قزوین کے مضافات میں دیلمیوں پر فوج کشی کے لئے عمر بن سعد کو مامور کیا تھا کیونکہ دیلمیوں نے سرحدی علاقہ کو پہنچی پر قبضہ کر لیا تھا، جب امام پاک کی کر بلا میں ورود کی خبر پہنچی تو اس نے وہ ہم اس وقت ترک کر دی اور کر بلا کی طرف پوری طرح متوجہ ہوا۔ ابن سعد نے پہلے تو معذرت کی اور اس مہم سے ملکر خلاصی چاہی چونکہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو روکے کی جاگیر کا پردانہ لکھ دیا تھا یہ ایک آباد علاقہ، زرخیز خطہ اور پانی کے چشموں سے سیراب ہونے والی زمین تھی۔ ابن زیاد غضب ناک ہوا اور دے دے کا پردانہ واپس لینے کی دھمکی دی۔ عمر بن سعد نے ایک رات کی مہلت طلب کی۔ گھر آکر اس نے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے اس امر میں صلاح و مشورہ

کیا وہ دو باتوں کے درمیان متروک و مضطرب تھا ایک طرف سرسبز و لہلہاتے کھیت، بہتے ہوئے پشٹے، وسیع رقبہ زمین کی آمدنی اور دوسری طرف فرزند رسولؐ و بلند قبول کا ناحق قتل، خاتمہ بتول کی دیرانی اور کشت اسلام کی بربادی، عزتوں نے مشورہ دیا عمر! اس کام کے قریب مت جانا، خبردار دنیا کے لالچ میں ناز رسولؐ کے خون سے ماتھے رنگیں نہ کر، جاگیر کے طمع میں بارخ بتولؑ کا راج نہ کر، ابن سعد کے سبائے درحزہ بن مغیرہ نے تو یہاں تک کہا کہ اگر تمہیں بادشاہی مل جائے تو ایسی بادشاہت سے دستبردار ہو جانا، کیا مناسب ہے کہ تو فرزند رسولؐ کا قاتل بنے۔

ابن سعد نے رات بے پینی سے بستر پر کھڑے بسترے بسری، ہر دو پہلوؤں کو سوتا، دل میں کہتا آج ”رے“ کی جاگیر مل رہی ہے، قیمتی جاگیر ہے۔ پھر کہتا اولاد رسولؐ کو بے گناہ قتل کرنا ناقابل مغفرت گناہ ہے آخر اس پر شقاوت غالب آئی بدبختی نے ”رے کی جاگیر“ کو ایک حسین خیال میں پیش کیا اس کے نفس امارہ نے اس خیال کو اس پر مسلط کر دیا ”رے کی جاگیر“ نقد ہے جنت ادھار نقد کو چھوڑ کر ادھار پر کیوں مجھ دوسرے کرتا ہے بالآخر اس نے کہہ بلا جانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ صبح اس نے جا کر ابن زیاد کے سامنے رضامندی ظاہر کر دی اور ابن زیاد نے چار ہزار کا لشکر دے کر اسے کہہ بلا کی ہم پر روانہ کر دیا چنانچہ ابن سعد چار یا چھ ہزار کا لشکر لے کر تیسری محرم کو کہہ بلا پہنچ گیا۔

کوفہ کے حالات

ابن زیاد نے لوگوں کو کوفہ کی جامع مسجد میں بلایا اور منہ ذیل تقریر کی۔
لوگو! تم نے آل ابوسفیان کو پورے طور پر آزمایا ہے، وہ تمہارے امتحانوں میں ٹھیک اترے اور تم نے یزید کو بھی پہچان لیا ہے، وہ تمہاری بھلائی اور آسائش کے متعلق ہمیشہ کوشاں رہتا ہے، وہ سخی ہے اس کی عادت شائستہ اور رعایا کا خیر خواہ ہے اور اس کا دور سلطنت نہایت امن و امان کا ہے، وہ اپنی زیر حکومت رعایا کے ساتھ اسی طرح سلوک کرتا ہے، جس طرح اس کا باپ معاویہ تم لوگوں کے ساتھ کرتا تھا، یزید اسی معاویہ کا بیٹا ہے اس نے عوام الناس کے ساتھ اچھے سلوک قائم کر رکھے ہیں اور لوگوں کو مختلف طور سے اموال عنایت کر کے غنی اور مالدار بنا دیا ہے، اس نے تمہارے عطیوں اور انعاموں میں اضافہ کر دیا ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے لئے مقرر عطیات میں مزید اضافہ کروں اور تمہیں حسین بن علیؑ سے ملنے کے لئے جو یزید کا جانی دشمن ہے روانہ کروں پس تم ان احکام کو سنو اور اس کی تعمیل کرو۔ یہ ابن زیاد کی ترغیب و تحویص تھی، اس نے لوگوں کو مال و جائیداد کا لالچ دیا، اس نے قتل حسینؑ کے لئے بھاری معاوضے مقرر کئے، مؤرخین کا

بیان ہے کہ اس نے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور مال و دولت کی تقسیم شروع کر دی۔ پھر کیا تھا دنیا پرست دین فروش لوگوں کا ہجوم ہو گیا ہر شخص نے اپنی یاقت کے مطابق انعام پایا اور حریص و لالچی سگان دنیا امام کے خون ناحق کا بیڑہ اٹھا کر ہلاکی طرف رواں گئی پر کمربستہ ہو گئے۔

گو ابن زیاد کی حرص و لالچ دلانے والی تقریر کام کر گئی اور جاہ پسند حرص و ہوا کی امیر طبیعتیں دام دنیا میں گرفتار ہو گئیں تاہم کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو حرص کے جال میں پھنسنے سے کتراتے تھے اور کر بلا جانا ہرگز پسند نہ کرتے تھے ایسے افراد کے لئے ابن زیاد نے تشدد اور سخت گیری کا انتظام کیا اور کہ بلار وادہ ہونے میں پس دپیش کرنے والوں کے لئے اس نے بہت سخت بندوبست کیا۔ لالچ کے ساتھ اس نے خوف بھی دلایا اور انعام کے ساتھ اس نے ظلم کا کوڑا بھی اٹھایا۔

ابن زیاد کی سخت گیری اور خوفناک دھمکیاں

ایک طرف تو کوفہ کے گورنر شفیق الزی مغرب ابدی عبید اللہ بن زیاد بد نہاد نے لوگوں کے ضمیر و ایمان خریدنے کے لئے مال و دولت کے خزانوں کے دہانے کھول دیئے۔ دوسری طرف اس یعین نے دست استبداد بڑھایا وہ جانتا تھا کہ کچھ لوگ اس غریبن معرکہ میں شرکت سے گریز کریں گے، اس واسطے اس نے قتلِ امام کے لئے ایک لشکرِ عظیم فراہم کرنے کے لئے جبری بھرتی شروع کر دی اس کا منصوبہ یہ تھا کہ کوفہ میں کوئی مرد رہ نہ جائے اور سب لوگ یزید کے ہوا خواہ بن کر اس کے لشکر میں شامل ہو جائیں تاکہ اسے بڑے لشکر کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر امام پاک یزید کی بیعت کرنے پر مجبور ہو جائیں یا مقابلہ کی صورت میں یہ فوج عظیم ان کا صفایا کر دے۔

ابن زیاد کی سخت گیری اور خوفِ ہلاکت سے لوگ دھڑا دھڑا کوفہ سے نکل کر جمعیتِ قتالانِ حسین میں شامل ہونے لگے۔ بعض لوگ ڈر کے مارے کوفہ سے تو نکلنے لگیں راستے ہی سے واپس مڑ آتے، ابن زیاد نے ایسے لوگوں کے لئے جاسوس مقرر کر دیئے جو واپس مڑتا ہوا ہاتھ آتا اسے ترغیب کر دیا جاتا۔ چنانچہ سعد بن عبدالرحمن کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ جستجو کرے اگر اسے کوئی ایسا شخص ملے تو اسے پکڑ کر دوبارہ میں پیش کیا جائے چنانچہ سعد مذکور نے ایک شامی سپاہی کو جو کسی کام کے لئے لشکر سے واپس کوفہ آیا تھا پکڑ کر ابن زیاد کے روبرو پیش کیا، اس نے اس کے قتل کا حکم صادر کیا، اس کے قتل کے بعد لوگوں میں سخت خوف و ہراس پیدا ہو گیا اور پھر کسی شخص کو لشکر سے واپس آنے کی جرأت نہ ہوئی،

ابن زیاد کے تحریصانہ اور تخویفانہ اقدام سے ایک بہت بڑا لشکرِ اولادِ رسول کا خون بہانے کیلئے

تیار ہو گیا۔ کم از کم اس لشکر کی تعداد بیس ہزار لکھی ہے۔

کوفہ کے بے دین دبے و فاسر داروں کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر پہلے ہی اس نے قابو میں کر لیا تھا چنانچہ مندرجہ ذیل لوگوں کو فوج کا افسر بنا کر ان کی ماتحتی میں درج ذیل فوج دے کر کہ بلا روانہ کیا۔

۱۔ شیبث بن ربعی ایک ہزار ۲۰۰ بحیب بن طلحہ ایک ہزار ۳۰۰۔ حجاز بن ابجر ایک ہزار ۴۰۰۔ محمد بن اشعث ایک ہزار ۵۰۰۔ یزید بن رکاب کلبی دو ہزار ۶۰۰۔ مضامیر بن دہبہ مازنی تین ہزار ۷۰۰۔ نصر بن خرشہ تین ہزار ۸۰۰۔ عمر بن سعد چار ہزار ۹۰۰۔ یارحہ چار ہزار ۱۰۰۔ سنان بن انس چار ہزار ۱۱۰۔ شمیر بن ذوالجوشن چار ہزار ۱۲۰۔ حصین بن نمیر چار ہزار ۱۳۰۔ غوثی بن ابھی کو بھی ایک عہدہ گانہ علم آراستہ کر کے دیا اور کئی ہزار سوار اس کی ماتحتی میں دیئے۔

اس کے بعد بھی ابن زیاد مختلف افسروں کی ماتحتی میں برابر لشکر پر لشکر جمعیتا رہا گو لشکر اعداد کی تعداد کے تعین میں مورخین نے بہت کچھ اختلاف لکھا ہے تاہم بیس ہزار سے کم جمعیت کسی نے نہیں لکھی اس سے زیادہ تعداد بھی بیان کی گئی ہے۔

افواج ابن زیاد کی کثرت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ قلاسیہ سے کہ بلا تک فوجوں سے کل میدان بھرا ہوا نظر آتا تھا، جہاں تک نظر کام کرتی تھی سپاہ ہی سپاہ نظر آتی تھی۔
عمر بن سعد تیسری محرم کو کہ بلا پہنچا، اس کے بعد مختلف افسر اپنی فوج کے ساتھ ابن سعد کے ساتھ شامل ہوتے گئے، اس کثرت لشکر کی بنا پر ابن زیاد نے عمر بن سعد کو خط لکھا کہ سواروں اور پیادوں کی کثرت کے معاملہ میں میں نے تیرے لئے کوئی عذر نہیں چھوڑا اب صبح و شام اپنی کارکردگی کی اطلاع مجھے پہنچاتا رہ۔

لشکر کی جمع و ترتیب کے بعد اب ہم میدان کہ بلا کا حال درج کرتے ہیں۔

نامہ و پیام

جب ابن زیاد بعین کو سر کی اطلاع پہنچی تو اس نے امام حسینؑ علیہ السلام کو درج ذیل خط لکھا۔
اما بعد، فقد بلغنی یا حسین نزولک بکربلا وقد کتب الی امیر المؤمنین یزید ان لا تؤسد الوشیر ولا الشجع من الخبیر او اقلقک باللطیف الخبیر او ترجع الی حکمی وحکم یزید۔
اے حسینؑ کہ بلا میں آپ کے درود کی خبر مجھے پہنچی اور مجھے امیر المؤمنین یزید نے لکھا ہے کہ میں اس وقت تک نرم تکبیر پر سر نہ رکھوں اور نہ سیر ہو کر عمدہ غذا کھاؤں جب تک آپ کو خدا کے پاس

نہ پہنچا دوں یعنی قتل کروں یا آپ میرا اور میرے امیر بزرگ کا حکم تسلیم نہ کر لیں یعنی بیعت کر لیں۔
 جناب امام پاک نے یہ خط پڑھ کر صہیک دیا اور فرمایا لَا اُفْلَحُ قَوْمَ اَشْتَرُوا مَرْضَاَ الْخَلْقِ بِسَبْطِ الْخَالِقِ۔
 وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جو خالق کو ناراض کر کے مخلوق کی رضاعی کرے۔
 جب قاصد نے جواب کا تلقا خاکیا تو فرمایا مَا لَكَ عِنْدِي جَوَابٌ فَقَدْ حَقَّتْ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ
 میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں وہ خدا کے عذاب کا حق دار بن چکا ہے۔

عمر بن سعد اور امام حسین علیہ السلام کے درمیان باجمیت

عمر بن سعد جب نصب خدام اور فرد گاہ کے ضروری انتظام سے فارغ ہوا تو اس نے عمرہ بن قیس فہمی کو بلا کر خدمت امام میں بھیجا چنانچہ اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میرے سوا کسی اور کو بھیجا جائے چونکہ تمام اشرف کوثر نے امام حسین علیہ السلام کو دعوتی خطوط بھیج کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا تھا اس واسطے وہ بے جا مارے شرم کے امام پاک کے پاس جانا نہیں چاہتے تھے یہ روسیہ اپنا منہ چھپاتے تھے، آخر مشکل کثیر بن عبد اللہ شعی تیار ہوا، یہ بدترین خلافتی نہایت جسور، گستاخ اور غرور پر آدمی تھا کہنے لگائیں جاتا ہوں اگر حکم ہو تو ان کا سر بھی لے آؤں۔ بہر حال کثیر خدمت امام میں چلا، جناب ابو ثمامہ صیداوی نے اس کو آتے دیکھ کر امام عالی مقام سے عرض کیا اَصْلَحْتُ اللہ یا ابا عبد اللہ کثیر بن عبد اللہ جو تمام کو فیوں میں سب سے زیادہ مفسد اور بنیاد ظلم و جور ہے آپ کی خدمت میں آنا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر جناب ابو ثمامہ باہر چلے آئے اور کثیر کو روک کر کہنے لگے اگر تیرا ارادہ خدمت جناب امام پاک میں جانے کا ہے تو ہتھیار کھول کر رکھ دے اس نے ہتھیار کھولنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں عمر بن سعد کا پیغام لے کر آیا ہوں اگر وہ نہیں گے تو عمر بن سعد کو روک دو اور واپس چلا آؤں گا۔

جناب ابو ثمامہ نے کہا کہ اپنی تلوار مجھے دے دے اور بغیر تلوار لئے اپنا پیغام پیش کر، کیونکہ جس طبیعت کا تو آدمی ہے ہم خوب سمجھتے ہیں، دیر تک کثیر کچ بجھتی کرتا رہا مگر ابو ثمامہ نے اسے بغیر ہتھیار جانے نہ دیا آخر کثیر مجبور ہو کر واپس چلا گیا۔

کثیر کے واپس جانے کے بعد عمر بن سعد نے قرہ بن قیس خنظلی کو خدمت امام میں روانہ کیا جب وہ خیبر مقدس کے قریب پہنچا اور جناب امام حسین علیہ السلام کی نظر پڑی تو فرمایا تم میں سے کوئی اس کو یہاں چاہتا ہے جب حبیب بن مظاہر نے کہا حضور شبہ شخص بنی خنظلہ سے ہے اور قرابت میں میرا بھانجا ہے اور اس وقت

تک وہ ہمارے ساتھ خلوص اور حُسن عقیدت سے پیش آتا ہے۔

جب بالکل قریب آگیا تو جناب زہیر بن نفیل نے اسے روک کر پوچھا تیرے آنے کی کیا غرض ہے۔ اس نے نہایت نرمی سے جواب دیا کہ عمر بن سعد کی طرف سے کچھ پیام لے کر امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اگر حضور کی کاشف مجھے مل گیا تو عمر بن خدمت کر دوں گا۔

زہیر بن نفیل نے فرمایا اچھا ہتھیار کھل کر یہاں رکھ دو قرہ بن قیس نے اسی وقت حُجَّاباً و کرامۃً کہہ کر ہتھیار رکھ دیئے اور خدمتِ امامِ پاک میں حاضر ہو کر نہایت بجز و انکسار کے ساتھ آدابِ حُب لایا، امام حسین علیہ السلام نے جوابِ سلام دے کر اسے اپنے قریب بٹھایا اور اس کے آنے کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ عمر بن سعد نے مجھے آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ آپ کے یہاں آنے کی غرض پوچھوں جناب امامِ پاک نے فرمایا میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ سردارانِ کوفہ اور اعتراف و عائد نے مجھے دعوتی خطوط بھیجے ہیں میں نے ان کی دعوت قبول کی اور چلا آیا۔ اب اگر میرے آنے سے ان کی رائے بدل گئی ہے اور میرے آنے کو وہ اچھا نہیں سمجھتے تو میں جہاں سے آیا ہوں واپس چلا جاؤں گا تا صدا امام حسین علیہ السلام کا مصلیٰ نہ جواب لے کر واپس ابنِ سعد کے پاس چلا گیا۔ ابنِ سعد یہ جواب سن کر کسی قدر غوش ہوا کہ اس طرح امام حسین علیہ السلام کو جانے کی اجازت مل جائے گی اور میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جگمگ کرنے سے بچ جاؤں گا۔

عمر بن سعد کا ابنِ زیاد کے نام خط

عمر بن سعد نے اسی وقت گورنر کوفہ ابنِ زیاد بد نہاد کو اس مضمون کا خط تحریر کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ حَیْثُ نَزَلْتُ بِالْمَدِیْنَةِ بَعَثْتُ اِلَیْهِ رَسُوْلَیْ سَلْتُهُ عَمَّا اَقْدَمَ وَاِذَا تَطَلَّبُ فَقَالَ کَتَبْتُ اِلٰی اَهْلِ هٰذَا الْبَلَدِ وَاَتَنَتْنِیْ رَسُوْلُهُمْ فَسَلُّوْنِی الْقُدُوْمَ فَاَمَّا اِذَا کَرِهْتُمُوْنِیْ وَبَدَلْتُمْ غَیْرَ مَا اَتَنَتْنِیْ بِہُمْ کَتَبْتُہُمْ فَاَنَا مُنْصَوِّفٌ عَنْہُمْ۔

میں جس وقت وارد کر بلا ہوا میں نے امام حسین کی خدمت میں قاصد بھیج کر ان سے یہاں آنے کی وجہ پوچھی انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اہل کوفہ کے میرے پاس بہت سے خطوط آئے اور یکے بعد دیگرے انہوں نے میرے پاس قاصد بھیجے اور مجھے کوفہ آنے کی دعوت دی، میں ان کے بلانے پر چلا آیا۔ اگر وہ اپنے قول سے پھر گئے ہیں اور میرا انا اچھا نہیں سمجھتے تو میں واپس چلا جاؤں۔ حسان بن قاصد عیسیٰ بیان کرتا ہے کہ جس وقت قاصد ابنِ سعد کا یہ مکتوب لے کر ابنِ زیاد کے پاس آیا تو اس وقت میں ابنِ زیاد کے پاس

دوبارہ میں موجود تھا، جب ابن زیاد نے ابن سعد کا خط پڑھا تو شکریہ ادا کر اور کافرانہ آواز میں یہ شعر پڑھا۔
 اَلَا كُنَّا اِذَا عَلَقْنَا نَحْنُ لَبْنًا بِسَمِّ
 يَرْجُو النِّجَاقَ وَلاَتُ حَبِيبٍ مِّنَّا
 اب جب کہ حسینؑ ہمارے مضبوط پنجوں میں چسپس گئے ہیں رہائی کی اُمید رکھتے ہیں اب چٹھکارسے
 کا کوئی وقت نہیں رہا۔

ابن زیاد کا عمر بن سعد کے خط کا جواب

اس کے جواب میں ابن زیاد نے عمر بن سعد کو مکتوب ذیل مضمون کا خط لکھا۔
 اَلْبَعْدُ فَقَدْ بَلَغْتَنِي كِتَابُكَ وَفَهَمْتُ مَا ذَكَرْتَ فَأَعْرِضْ عَلَيَّ الْحَمِينَ اِنْ يَبَالِغُ لِيَزِيدَ بِي مَعَاوِيَةَ
 هُوَ وَجَبِيعُ اَصْعَابِهِ فَاِذَا فَعَلَ ذَالِكَ رَاَيْنَا رَاَيْنَا. تمہارا خط مجھے ملا، اور اس میں جو کچھ ذکر تھا میں نے سمجھ
 لیا ہے۔ تم امام حسینؑ پر یہ بات پیش کر دو کہ پہلے وہ خود اور ان کے تمام ساتھی معیت یزید قبول کر لیں پھر اس
 کے بعد جو ہماری رائے ہوگی دیکھی جائے گی۔

عمر بن سعد کو ابن زیاد کا یہ مفسدانہ جواب ملا۔ تو وہ بہت پریشان ہوا اور کہا مجھے پہلے ہی اندیشہ تھا
 کہ ابن زیاد مصلحانہ بات قبول نہ کرے گا۔ عمر بن سعد نے ابن زیاد کا نامہ امام حسین علیہ السلام کے سامنے پیش
 کرنے کی اس بنا پر حیرت نہ کی کہ امام پاک ابن زیاد کے اس ناروا مطالبہ کو منظور نہ کریں گے۔
 ”تیسری تاریخ کو عمر بن سعد داخل کربلا ہوا اور چوتھی تاریخ کو دوسرے افسر اپنی ماتحتی میں ہزاروں کا لشکر
 ساتھ لے کر میدان کربلا میں داخل ہونے لگے اور میدان کربلا افواجِ اشقیاء سے بھر گیا، خود ابن زیاد کو فہر
 سے یا ہر مقام ”درنجید“ میں قیام کر کے فوجیں بھیجنے اور جنگی امور کی دیکھ بھال کرنے لگا۔

عمر بن سعد کی دوبارہ مصالمانہ کوشش

گو ابن زیاد کی طرف سے جنگ کرنے میں کوئی تاخیر نہ تھی مگر افواجِ ابن زیاد کا سربراہ جنگ ٹانسنے کی
 کوشش کرتا رہا، ابن سعد چاہتا تھا کہ ”دوسرے“ کی جاگیر بھی ہاتھ سے نہ جانے پائے اور نواسۂ رسولؐ کے
 ساتھ جنگ سے بھی چھٹکارا مل جائے، اس واسطے اس نے دوبارہ امام پاکؑ کے ساتھ مصالمانہ کوششیں
 شروع کر دیں، لکھا ہے کہ ایک یا کئی راتوں کو دونوں لشکروں کے درمیان امام پاکؑ اور ابن سعد کے مابین
 گفتگو ہوتی رہی ایک رات کا واقعہ ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔
 عمر بن سعد نے جناب امام پاکؑ سے مصالمانہ گفتگو کی استدعا کی جسے امام پاکؑ نے قبول فرمایا،

ابن سعد وقت مقرر پر ہمیں سواروں کے ساتھ متوجہ جگہ پر پہنچ گیا، ادھر امام پاک بھی اپنے اتنے ساتھیوں کے ہمراہ اس جگہ پر پہنچ گئے، قریب پہنچ کر امام پاک نے ہمراہیوں کو الگ کر دیا سوائے جناب عباس عمار اور شہزادہ علی اکبر کے اور ابن سعد نے بھی سوائے اپنے غلام اور اپنے بیٹے حفص کے ساتھیوں کو جدا کر دیا، اس طرح شب کے وقت عالم تنہائی میں جناب حسین علیہ السلام اور انوار اشقیاء کے انچارج ابن سعد کے درمیان بات گئے تک سلسلہ کلام جاری رہا۔

امام علیہ السلام! قَبِيلُكَ يَا ابْنَ سَعْدٍ! أَمَا تَتَّقِي اللَّهَ الَّذِي رَالِيَهُ مُعَاذُكَ؟ وَتَقَاتِلُنِي دَانَا بَنُ مَنْ عَلِمْتَ. ذَرَهُوْا لَآئِ الْقَوْمِ وَكُنْ مَعِيَ يَا تَهْ! أَتُرِبُ لَكَ إِلَى اللَّهِ
افس ہے ابن سعد! جس خدا کی بارگاہ میں تجھے حاضر ہونا ہے، اس سے نہیں ڈرتا تو میرے ساتھ جنگ کرتا ہے باوجودیکہ تو جانتا ہے کہ میں کس کا فرزند ہوں، آن لوگوں کو چھوڑ کر میرے ساتھ ہر جا یہ بات تیرے لئے خدا کی خوشنودی کے زیادہ قریب ہے۔

عمر بن سعد! أَخَافُ أَنْ يَهْدِمَ دَارِي. مجھے خوف ہے کہ میرا گھر گرا دیا جائے گا۔
امام علیہ السلام! أَنَا أَبْنِيهَا لَكَ: تو اس صورت میں میں تجھے گھر بنا دوں گا۔
عمر بن سعد! أَخَافُ أَنْ تَوْعَدَ ضَيْعَتِي. مجھے خطرہ ہے کہ میری جائیداد چھین لی جائے گی۔
امام علیہ السلام: أَنَا أَخْلَفْتُ عَلَيْكَ خَيْرًا مِنْ مَالِي بِالْحِجَازِ. میں اپنے حجاز کے مال سے اس سے بہتر تجھے جائیداد بنا دوں گا۔

عمر بن سعد ابی عیالٍ وَأَخَافُ عَلَيْهِمْ: میرے اہل و عیال ہیں ان کی تباہی و بربادی کا مجھے ڈر ہے۔
اس کے بعد ابن سعد نے مکمل خاموشی اختیار کر لی۔
امام علیہ السلام: مَا لَكَ ذُبَحْتَ اللَّهَ عَلَى فِرَاشِكَ عَاجِلًا وَلَا غَضْرُوكَ يَوْمَ خَشْرِكَ قَوْلَ اللَّهِ إِنْ
كَأَزَجَّ أَنْ لَا تَأْكُلَ مِنْ بُرِّ الْعَرَاكِ إِلَّا لَيْسِيرًا۔

جلد خدا تجھے بستر خراب پر قتل کرے اور روزِ حشر تیری ہرگز بخشش نہ کرے خدا کی قسم میں اُمید کرتا ہوں کہ تو زیادہ دیر تک عراقِ گندم نہ کھائے گا۔
عمر بن سعد: فِي الشَّعِيرِ كُفَايَةً مِنَ الْبُرِّ قَالَهُ مُسْتَهْزِئًا، تسمیہ کے طور پر کہنے لگا کہ گندم نہ ملی تو جو پر کفایت کر لوں گا۔

خولی کی ابن سعد کے خلاف شکایت

خولی بن یزید اصبحی عداوت خاندان رسالت میں سب سے آگے تھا، وہ ابن سعد اور جناب امام پاکؐ کی مصالحتہ گفتگو کو پسند نہ کرتا تھا، وہ چاہتا تھا کہ ہر حال میں میدانِ کارِ زار گرم ہو اور جنگ کے شعلے جھڑکیں۔ وہ اولادِ رسولؐ کے ساتھ ہر حال میں لڑائی چاہتا تھا، چنانچہ اس نے ابن سعد کی ان ملاقاتوں کی شکایت ایک خط میں لکھ کر ابن زیاد کے پاس بھیج دی۔ اس کے خط کا مضمون یہ ہے۔

اَمَّا بَعْدُ اَيُّهَا الْاَمِيرُ اَنْ عَجِبْنَ سَعْدٌ تَخْرُجُ كُلَّ لَيْلَةٍ وَيَبْطِطُ بِسَاطِئِهِ دَعُوَ الْحَبِيبِ وَيَتَحَدَّثَانِ حَتَّى يَمُضِيَ مِنَ اللَّيْلِ شَطْرُهُ وَقَدْ ارَكَتَهُ عَلَى الْحَبِيبِ الرَّافَةِ وَالرَّحْمَةَ فَأَمْرُهُ اَنْ يَنْزِلَ عَنْ حُكْمِكَ وَلِصِيرِ الْحُكْمِ لِي وَانَا الْفَيْثُ أَمْرُهُ. اے امیر عمر سعد ہر رات لشکر سے باہر نکلتا ہے اور فرش بچھا کر حسین علیہ السلام کو بلاتا ہے اور دونوں مل کر باہم باتیں کرتے ہیں یہاں تک کہ رات کا ایک حصہ ان باتوں میں گزر جاتا ہے، ابن سعد کو یوں دیکھتا ہوں کہ جناب حسین علیہ السلام کے ساتھ نہایت شفقت و نرمی کے ساتھ پیش آتا ہے پس اس کو آپ لکھ بھیجیں کہ وہ اس خدمت سے علیحدہ ہو جائے اور اس معاملہ کی باگ ڈور میرے ہاتھوں میں دی جائے میں اس کام کو خوب انجام دوں گا۔

خولی کا یہ شکایت نامہ جب ابن زیاد کے پاس پہنچا تو وہ سخت برہم ہوا اور اسی وقت اس نے ابن سعد کو اس مضمون کا خط لکھا

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ بَلَغَنِي يَا ابْنَ سَعْدٍ اَنْكَ تَخْرُجُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ وَتَبْطِطُ بِسَاطِئِكَ تَدْعُوَ الْحَبِيبَ وَتَتَحَدَّثُ مَعَهُ حَتَّى يَمُضِيَ مِنَ اللَّيْلِ شَطْرُهُ فَاِذَا قَرَأْتَ كِتَابِي هَذَا فَأَمْرُهُ اَنْ يَنْزِلَ عَلَى حُكْمِي فَاَنْ اَطَاعَ اَدْلَى وَاَلَا اَمْنَعُهُ مِنَ الْمَاءِ فَإِنِّي حَلَلْتُهُ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَحَرَمْتُهُ عَلَيْهِ وَعَلَى اَهْلِ بَيْتِي فَخَلَّ بَيْنَ الْحَبِيبِ وَاصْحَابِهِ وَبَيْنَ الْمَاءِ فَلَا يَذُوقُوا مِنْهُ قَطْرَةً كَمَا صَنَعَ بَالْتَقَى النُّفَى عُمَانُ امِيرُ الْمُؤْمِنِينَ الْمَظْلُومِ۔

اے امیر سعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم ہر رات لشکر سے باہر فرش بچھا کر حسینؑ کو بلاتے ہو اور ان کے ساتھ رات گئے تک محو گفتگو رہتے ہو پس جب تم میرا یہ خط پڑھو تو انہیں حکم دو کہ یہ ہماری اطاعت کر لیں۔ اور ہمارا حکم مان لیں تو بہتر ورنہ آبِ فرات ان پر بند کر دو کیونکہ فرات کا پانی نہیں نیچو دو نصاریٰ وغیرہ پر تو حلال کیا ہے اور حسینؑ اور ان کے اہل بیت و اصحاب پر حرام کر دیے۔ پس پوری نگرانی کرنا کہ حسینؑ اور ان کے ساتھی پانی تک نہ پہنچ سکیں اور پانی کا ایک قطرہ بھی ان کے خمیوں تک نہ جاسکے جس طرح

کہ غلام و متقی امیر المؤمنین عثمان کے ساتھ کیا گیا۔

دسویں مجلس سائوئیں محرم، بندش آب اور فرات کی نگرانی

ابن زیاد کا یہ حکم نامہ پہنچتے ہی سائوئیں محرم سے جناب امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند ہو گیا۔ اولاد رسولؐ اور ذریت بتوںؑ کو پیا سا تڑپانے کا امت نے زبردست انتظام کر لیا ابن سعد مصالمانہ کوشش سے تاحال دست بردار نہیں ہوا لیکن اس کی شکایت دربار ابن زیاد میں پہنچنے سے اور ابن زیاد کی خوفناک دھمکیوں سے مرعوب ہو کر اس نے دریائے فرات پر مکمل پہرہ بٹھا دیا۔ عمرو بن حجاج کی سرکردگی میں پانچ سو سوار دریا کے گھاٹ پر نگرانی کے لئے بٹھا دیئے تاکہ خیم آل رسولؐ میں پانی نہ جانے پائے۔

لکھا ہے کہ عمر بن سعد نے پھر ایک بار جناب امام پاکؑ کے ساتھ مصالمانہ گفتگو کر کے ابن زیاد کو خط لکھا اور اپنی طرف سے ابن زیاد پر مصالحت کے لئے بہت کچھ زور دیا اور اپنے آپ کو ابن زیاد کا خیر خواہ ظاہر کیا۔ جب ابن سعد کا یہ خط ابن زیاد کے دربار میں پہنچا، شمر بن ذوالجوشن بھی دربار میں موجود تھا، اس نے ابن زیاد کو وہی مشورہ دیا جو مروان بن حکم عیین نے مدینہ میں ولید بن عقبہ کو دیا تھا۔ اس شقی انہی ملعون ابدی نے ابن زیاد کو جنگ پر بھڑکایا، فرزند رسولؐ کو فوراً قتل کر دینے کا مشورہ دیا اور عمر بن سعد کی شکایت کی اور کہا اس کی نرمی ٹوھیں جنگ کرنے میں تاخیر کا سبب ہیں اور اب حسینؑ تیرے محاصرے اور قابو میں ہیں اگر یہاں سے نکل گئے تو تو کمزور ہو جائے گا اور وہ طاقت پکڑ جائیں گے ابن زیاد خود بھی یہی چاہتا تھا اور اسے اس ایسے بد فطرت و بد ذات ساتھی کی رائے لگ گئی چنانچہ اس نے اسی وقت غیظ و غضب میں لوسٹے ہوئے آئندہ خط و کتابت کا سلسلہ بند کرتے ہوئے آخری حکم نامہ خود شمر عیین کے ہاتھ روانہ کیا۔ اس کا مضمون یہ تھا۔ ترجمہ پر انتقاد کی جاتی ہے۔

اے پسر سعد میں نے تجھے اس واسطے نہیں بھیجا ہے کہ تو وہاں بیٹھ کر لڑائی سے اپنی جان بچائے نہ اس واسطے کہ تو سستی اختیار کر کے حسینؑ کو سلامتی اور بقا کی امید دلائے اور نہ اس لئے کہ ان کی نسبت مجھ سے عذر خواہی کرے اور مجھ سے ان کی سفارشیں کرے پس یہ جان لے کہ اگر حسینؑ اور ان کے ساتھی میرا حکم مانیں اور ہماری اطاعت اختیار کریں تو ان کو صحیح و سلامت میرے پاس بھیج دو اور اگر وہ اس سے انکار کریں تو پہلے در پہلے حملے کر کے ان کو قتل کر دے اور ان کو قتل کر دینے کے بعد ان کی لاشوں کے ٹکڑے

ٹکڑے کر دینا کیونکہ یہ سب میرے نزدیک اسی کے لائق ہیں اور لاش حسینؑ کو قتل کے بعد گھوڑوں کے سمول تلے پاٹال کر دیں، اگرچہ میں جانتا ہوں کہ مرنے کے بعد لاشوں کے ساتھ یہ باتیں کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا لیکن میرے منہ سے نکلی ہوئی بات کو پورا کرنا۔

اے ابن سعد اگر تو نے میرے ان تمام احکامات کی بے چون و چرا تعمیل کی تو تم تم کو ضرور انعام سے سرفراز کریں گے اور اگر تجھے ان باتوں سے انکار ہے تو ہماری فوجوں کی سرداری چھوڑ دے اور اس کام سے علیحدہ ہو جا اور تمام فوجوں اور جنگ کا کام شمر بن ذی الجوشن کے سپرد کر دے ہم نے اسے مناسب احکام دے دیئے ہیں۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ جب شمر لعین ابن زیاد بد نہاد کا یہ مکتوب ابن سعد کے پاس لے کر پہنچا تو وہ بھانپ گیا کہ مصالحت میں رکاوٹ کا باعث ابن زیاد کی شقاوت کے ساتھ اس بد بخت کی نخوس سازش بھی ہے، چنانچہ ابن سعد نے شمر کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھ کر کہا وَبَلِّغْ لِقَابِ اللَّهِ دَارَكَ وَقَتْمَ اللَّهِ مَا قَدَمْتَ بِهِ عَلَى اللَّهِ اِنِّي لَا ظَنَنْتُكَ اَنْتَ نَهَيْتَهُ اَنْ يَقْبَلَ مَا كُنْتَ بِهِ اَلِيَهُ۔ واسطے ہر تم پر اور خدا تجھے تیرے گھر کے قریب نہ کرے خدا برا کرے تیرے اس خط کا بخدا میں گمان کرتا ہوں کہ ابن زیاد کو تو ہی نے میرا مشورہ قبول کرنے سے روکا ہے۔

شمر نے کہا ان باتوں کو چھوڑ بیٹے آپ ان احکام کی تعمیل کریں گے؟ ورنہ جنگ کی ذمہ داری اور فوجوں کی قیادت میرے ہاتھ میں دیجئے، ابن سعد نے کی جاگیر کب چھوڑنے والا تھا اور اب اس عہدہ سے برطرفی اس کی شیطانی تدبیریں، کوٹھیس پہنچاتی تھی، آخر اس نے آخرت کو دنیا کے ساتھ فروخت کر دیا رے کا نقد سودا پسند کرتے ہوئے، قتل حسین پر کمر بستہ ہو گیا، بد بختی نے اس پر غلبہ پایا اور حرص و ہوا کے پیچھے میں گرفتار ہو کر اپنے یزیدی منصب پر برقرار رہ کر فرزند رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

اب اس نے جناب امام حسین علیہ السلام کے امور میں نہایت سختی اور ظلم سے کام لینا شروع کر دیا۔

بندش آب پر کڑی نگرانی اور آل رسولؐ کی تشنہ دہانی

ساتویں محرم سے آل جناب ابی طالبؑ فرزند رسولؐ اور اولادِ رسولؐ اصحاب حسینؑ اور ان کے ماہواروں پر پانی بند کر دیا گیا: حسد بے کوہستہ اسے ہی دریا کے قریب ڈھیر ڈالا تھا۔ اہل بیت رسولؐ دریا سے دور تھے اور سپاہ بد نہاد دریا کے نزدیک، چھٹی محرم تک تو اصحاب و خاندان حسینؑ دریا سے پانی لاتے رہے۔

سے ویل الفرات آباد اللہ غارمردہ وید واردہ بالکرم ظہانا
ہائے افسوس ہے فرات پر خدا اس کی گہرائی کو تباہ کر دے اور اس کے گھاٹ پر وارد ہونے والے
ظالموں کو سدا پیسا رکھے۔

کَمْ بَطِئَ حَرْغِيلُ السَّبْرِ بَارِدَةً حَتَّى قَضَى فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَطْشَانَا
فرات کے ٹھنڈے پانی نے سبط رسول کی پیاس نہ بجائی یہاں تک کہ وہ مظلوم راہ خدا میں پیسا مارا گیا۔
فَعَزَّازَ تَتَلَطَّى بَيْنَهُمْ عَطْشًا وَالْمَاءُ يُصْدِرُ عَنْهُ الْوَحْشَى كَيَانَا
کس قدر گرلن اور سخت بات ہے کہ فرزند رسول کا جگر پیاس کے مارے کیاب ہوا اور جنگلی جانور
اس کے گھاٹ سے سیراب ہو کر لوٹیں۔

ایک اور عربی شاعر نے کہا ہے۔
بِنَفْسِي شَفَاهَا ذَا بِلَاتٍ مِنَ الظَّمَاءِ وَلَمْ تَحْظُ مِنْ مَاءِ الْفُرَاتِ بِقَطْرَةٍ
قربان جائیں ہماری جانیں پیاس سے کلائے ہوئے ہونٹوں پر جنہیں فرات کے پانی سے ایک قطرہ
بھی نصیب نہ ہوا۔

بِنَفْسِي عِيُونًا غَاثَرَاتٍ سَوَاهِرًا رَالِي أَسَاءَ مِثْهَا نَظْرَةٌ بَعْدَ نَظْرَةٍ
قربان جائیں ہم ان آنکھوں پر جو بھوک و پیاس کی وجہ سے دھنس چکی تھیں اور بیدارہ کر دتی رہتی تھیں اور
پانی کی طرف لگا تار اٹھتی رہتی تھیں، معصوم بچے ہاتھوں میں کوزے لئے خیام کے دروازے پر پانی کے منتظر رہتے تھے۔
اسی طرح ایک اور شاعر نے اہل بیت علیہم السلام کی تشنہ دہانی سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔

بَابِي الْأَمَامُ الْمُسْتَظَلُّ مَكْرِبَلَا يَدْعُو لَيْسَ لِمَا يَقُولُ مُجِيبُ
میرا باپ قربان ہو اس امام پر جو کربلا میں پیسا رہا، مدد کے لئے پکارتا تھا لیکن کوئی جواب دینے
والا نہ تھا۔

بَابِي الْوَحِيدُ وَمَالُهُ مِنْ رَاحِمٍ لَيْسَ لِمَا يَقُولُ وَالْمَاءُ مِنْهُ قَرِيبُ
میرا باپ قربان جائے اس یکہ و تنہا مظلوم پر جس کی غریبی اور مظلومی پر کوئی رحم کرنے والا نہ تھا، وہ پیاس
کی شکایت کرتا تھا حالانکہ پانی اس کے قریب بہہ رہا تھا۔

بَابِي الْحَبِيبِ إِلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ وَمُعْتَدٌ عِندَ اللَّهِ حَبِيبُ
میرا باپ قربان ہو اس بنی محمد مصطفیٰ کے پیارے پر اور محمد خدا کے پیارے بنی ہیں۔

يَا كَرْبَلَا فَيْدُ يُقْتَلُ جَهْرَةً ، سَبَطُ الْمَطْهَرَاتِ ذَا الْجَيْبِ

اے کربلا تیری زمین پر نہروں کے سامنے بڑھلا پاک رسول کا فرزند قتل ہو رہا ہے، اور تمام لوگ جانتے ہیں کہ فرزندِ رسول دلہندہ بڑھتا ہے، کتنے تعجب اور حیرت کی بات ہے۔

مَا أَنتِ إِلَّا كَرْبَةٌ وَبَلِيَّةٌ كَلَّ الْأَمَامُ بِهَوْلِهَا كُتُوبَ

اے کربلا تو مصیبت ہی مصیبت اور دکھ ہی دکھ ہے، تمام دنیا تیری ہولناکی سے غم زدہ ہے۔

يَا مَنْ إِذَا ذُكِرَتْ لَدَيْهِ كَرْبَلَا لَمْ يَخْزُ وَدُمُعُهُ قَدْ أَهْمَلَا

مَنْهَا تَسْرَعُ عَلَى الْفِرَاتِ فَقُلْ أَلَا

بَعْدَ الشَّطَلِ يَا فِرَاتُ فَمَتْرَا

تَحْلُو قَاتِلُكَ هَتَّى وَلَا سَرِي

اے عزادارو! جس کسی کے پاس کربلا کا واقعہ بیان کیا جائے تو وہ زخارِ پیٹ کر آنسو بہاتا ہے جب

تیرا گزر فرات کے پاس سے ہو تو فرات سے مخاطب ہو کر کہتا اے فرات تجھے دوری ہو تو کھڑا ہو

اور تیرا پانی میٹھا نہ ہو اور نہ مبارک و خوشگوار ہو۔

عَنْ وَرْدٍ مَا رَدَّ قَدِ ابْنُ بَيْحٍ لَمِنْ وَرْدٍ

أَيْدَاؤُ نَسْلِ الطَّاهِرِينَ أَبَا وَجْدٍ

أَلَيْسَ غُلِي مِنْكَ أَوْ رَدُّوْكَ عَنْكَ قَدْ

وَكُنْتُ يَا مَاءَ الْفِرَاتِ مِنَ الشَّهَدِ

صَدَّكَ الْأَمَامُ سَلِيلُ سَاقِي الْكَوْثَرِ

فرات کا پانی ہر شخص کے لئے جو گھاٹ پر پہنچے مباح تھا لیکن جو ماں باپ کی طرف سے ظاہر نسل تھے

انہیں پینے سے روکا گیا اے فرات تیرا پانی اگر شہد بھی بن جائے تو مجھے پینا خوشگوار نہیں کیونکہ ساقی کوثر

کی اولاد تجھ سے روکی گئی۔

پانی بند ہو جانے سے آلِ رسول و اصحابِ حسین پر حیبِ پیاس کا غلبہ ہوا تو حضور کے اصحاب میں سے

یزید بن حصین ہمدانی یا بریر بن خضیر ہمدانی نے خدمتِ امامِ پاک میں عرصہ کی، فرزندِ رسول! اگر اجازت ہو

تو میں حصولِ آب کے لئے عرصہ سے کچھ گھٹکھڑکوں، شاید اس کی شگدلی پر کچھ اثر ہو جائے، امامِ پاکؑ

نے اجازت دی، وہ گھوڑے پر سوار ہو کر عمر کے پاس گیا، لیکن ابنِ سعد کو سلام نہ کیا، ابنِ سعد نے کہا اے

ہمدانی کیا تو مجھے مسلمان نہیں سمجھتا، کیا میں خدا و رسول کو نہیں پہچانتا کہ تو نے مجھے سلام نہیں کیا، جنابِ ہمدانی

نے جواب دیا اگر تو مسلمان نہ ہوتا اور تجھے خدا و رسول کی معرفت ہوتی تو عزتِ رسول کے قتل کے ارادے

سے کربلا میں نہ آتا۔ اس کے بعد اپنے آنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا اے پسِ سعد! تجھے شرم نہیں

آتی فہذا مَاءُ الْفِرَاتِ يَشْرِبُ كَلَابُ السَّوَادِ وَخَنَازِيرُهَا وَهَذَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ

وَإِخْوَانُهُ وَنِسَاءُهُ وَاهْلُ بَيْتِهِ يَمُوتُونَ عَطَشًا قَدْ حُلَّتْ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَاءِ الْفِرَاتِ اِنَّ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تَعْرِفُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

یہ فرات کا پانی بہہ رہا ہے، صحرا کے گتے اور خنزیرا پس سے میرا بہ ہو رہے ہیں اور ادھر حسین بن علیؑ ان کے بھائی، مستورات اہل بیٹ شہت پیاس سے مر رہے ہیں تو نے ان کے لئے فرات کا پانی بند کر رکھا ہے اس کے باوجود تو گمان کرتا ہے کہ خدا رسولؐ کو پہچانتا ہے۔

شرم کے مارے ابن سعد نے سر جھکا لیا، اس کے بعد بولا کہ بے شک ان کی عزت و حرمت جانتا ہوں لیکن میرا نفس مجھے رسے کی جاگیر ترک کرنے کی اجازت نہیں دیتا، حسینؑ کے لئے میں رسے کی جاگیر کریں ترک کر دوں، ابن سعد پر اس مخلص و وفادار صحابی کے کلام کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اس نے فرات پر مزید فوج بھیج کر سخت پہرہ لگا دیا، اس نے چار ہزار آدمی غاصر پیکے گھاٹ کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیئے کیونکہ یہی گھاٹ اس وقت تک خالی تھا جس کی طرف سے لشکر کاہنہ یعنی میں پانی پہنچنے کی امید تھی، شہید بن ربیع کو بھی ایک ہزار سوار کے ساتھ ان چار ہزار آدمیوں کا نگران بنایا اور سخت تاکید کی کہ خیام اہل بیت حسینؑ میں بوند بھر پانی بھی نہ جانے پائے۔

ظلم و ستم کے اس مضبوط انتظام سے جاں نثارانِ حسینؑ کو جو اضطراب و پریشانی لاحق ہوئی بیان سے باہر ہے، ہر شخص اپنی اور اہل و عیال کی جانوں سے قطعی مایوس ہو گیا تھا۔ ایک تو مکمل طور پر فوجِ اشقیاء میں گھر گئے تھے، چاروں طرف سے مار بادی تھی اور پیاس کی شدت دن بدن بڑھتی جاتی تھی، کسی طرف سے غذائی رسد بھی ممکن نہ تھی، صرف پانی بند تھا غذائی خوراک کی بھی قلت تھی، امام پاکؑ اور ان کے ساتھی صرف پیاس سے نہ تھے بلکہ بھوکے بھی تھے اس واسطے بھوک اور پیاس دونوں کی شدت تھی ان کے ساتھ ان کی سواری کے جانوروں کا بھی یہی حال تھا۔

اعجازِ امامت

ساتویں محرم کو جب امام پاکؑ اور ان کے ساتھیوں پر ہنزہ فرات سے پانی حاصل کرنے کی پابندی عائد کر دی گئی اور شدتِ پیاس سے اہل بیت و اصحاب، بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کی حالتیں بدل گئیں اور تشنگی کی وجہ سے نڈھال ہو گئے تو امام پاکؑ نے اپنی شانِ امامت اور اعجازِ ولایت سے معرفت کرنے کے لئے اصحاب با وفا بلکہ فوجِ اشقیاء کو بھی دکھا دیا کہ تم نے تو پانی بند کر دیا ہے، میں حسینؑ اس وقت امتحان میں ہوں، میں چاہوں تو پاؤں کی ٹھوک سے ہزاروں چشمے پانی کے پیدا کر سکتا ہوں چنانچہ آپؑ نے اعجازی طاقت دکھاتے ہوئے اپنے خیام سے انیس قدم کے فاصلہ پر جانبِ قبلہ

بیلچہ سے مقوڑی سی زمین کو کھودا، پانی کا ٹھنڈا دھبھا چشمرہ ظاہر ہوا آنجناب اور آپ کے تمام ہمراہیوں نے پانی پیا۔ اس کے بعد وہ چشمرے نام و نشان ہو گیا۔ یہ ایک معجزہ تھا جو وقتی طور پر ظاہر کیا گیا اور زمین کربلا میں اس وقت کنواں کھودنے سے بھی پانی نہیں نکلتا تھا۔ یہ چشمرہ کیا تھا صحرائے کربلا میں اعجازِ امامت اور تربتِ ولایت کا ظہور تھا۔

اصحابِ با وفا کو اپنی شان و کھانا مقصود تھا تا کہ ان کے درجہ یقین اور درجہ رتبہ عرفان میں اضافہ ہو، وہ سمجھیں کہ جس کی رفاقت میں جانیں قربانی کرنے کے لئے آئے ہیں، وہ اس شان کا مالک ہے۔ اعداءِ اشقیاء جان لیں کہ جس کے ساتھ لڑنے کے لئے جمع ہوئے ہیں وہ اس قدر اعجازی و روحانی طاقت کا مالک ہے کہ ایک ٹھوکرے سے چشمرہ آب جاری کر سکتا ہے جس کے باپ اور نانائے کفار و منافقین کو اپنی اعجازی طاقتیں دکھائی تھیں اور اپنی غربت و امامت کے اعجازی ثبوت پیش کئے تھے اسی طرح فرزندِ رسول اور جانشینِ ساتی کو کھڑے عالمِ غربت میں مچرائے کربلا میں اپنے آپ کو نائندہ خدا، محافظِ دین و پاسبانِ شریعتِ امام حق ثابت کرنے کیلئے کئی اعجاز دکھائے تاکہ پوری طرح پہچان کر لیں اور عذابِ ابدی میں گرفتار نہ ہوں۔ صرف ایک بار یہ اعجاز دکھایا کیونکہ یہ امتحان تھا اور حیثیت ایک انسانِ کامل کے اس امتحان کا بار اٹھایا، اس واسطے دنیوی اسباب اور بشری تقاضوں کے مطابق امتحان دیا اگر اس طرح بار بار اعجازِ شان سے غرور و نموش کرتے تو ان کا کمال اور کامیابی نہ قرار پاتی اور نہ ان کا کارنامہ عالمِ انسانیت میں بطور نمونہ پیش کیا جاتا اگر کج دینے انسانیت کو ان کے اس بے مثال اور لازوال کارنامے پر فخر ہے تو انسانِ کامل کی حیثیت سے۔

اس کے بعد چشمرہ تو ختم ہو گیا اور گھاٹ پر سخت پہرے تھے پیاس کی شدت، آٹھویں تاریخ سے مزید بڑھ گئی تھی۔ نویں محرم سے قریہ حال تھا کہ خیامِ عینی میں العطشِ العطش کی جگہ گدازِ آوازیں بلند ہو رہی تھیں، اور امام اور ان کے تمام اقرباء و انصارِ قطرہ آب کے لئے تریس رہے تھے، کہ نویں تاریخ محرم سے تو شدتِ پیاس کی وجہ سے اطفالِ خرد و سال مرنے کے قریب ہو گئے تھے، خیام میں قحطِ آب تھا سب برقِ غالی تھے، اہل بیت علیہم السلام کے کم و بیش بیس کم سن بچے تھے، سب پیاس سے بے حال تھے، گرمِ ریت پر شدتِ پیاس سے تڑپتے تڑپتے جب بے ہوشی کی حالت طاری ہوتی تو دیکھ باری مائیں بچوں کی جھنوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھتیں کہ پیاس کی شدت سے میرالال مرنے لگیں یا چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے

بچھو نوں پر بے ہوش بچے پڑے تھے
حرمِ ہاتھ رکھ رکھ کے دم دیکھتے تھے

دستور ہے کہ گرمی کے موسم میں جب کوئی کم سن بچہ سو کر اٹھتا ہے تو پیاسا اٹھتا ہے، پانی مانگتا ہے، ماں بچے کی منتظر رہتی ہے کہ اٹھے تو فوراً پانی پیش کر دے، وہ خروش نصیب مائیں ہیں جنہیں ٹھنڈا پانی میسر آتا ہے اور بچوں کو پانی سے سیراب کر کے بچوں کے تروتازہ چہرے اور ہنستا ہوا دیکھ کر خوش ہوتی ہیں، دل بہلاتی ہیں، لوریاں دیتی ہیں، لیکن حاضرینِ کربلا میں بیس کس نہ تھے، ان کی ماؤں کا کیا حال ہو گا، جب گھٹی ہوئی چوٹیاں، میلے کُرتے، پیاس سے مرجھائے ہوئے چہرے، سوکھے ہوئے ہونٹ اور خشک گلا دیکھتی ہوں گی، العطش العطش کی جگر پاش صدائیں سننے لگیں گی تو ان کے دلوں پر کیا اثر ہوتا ہو گا۔ بچے اُمید کی نگاہیں ماؤں کے چہرے پر ڈالتے ہوں گے، لیکن مائیں حسرت و یاس کی نظر سے اپنے کمرے ہوئے پھولوں کو دیکھتی ہوں گی مصوم بہنیں کیا جواب دیتی ہوں گی کس طرح تسلیاں دیتی ہوگی اس مسئلہ میں جناب سیکینہ بنت حسین سلام اللہ علیہا کی زبان سے ایک روایت قلمبند کرتے ہیں۔

جناب سیکینہ بیان فرماتی ہیں کہ نویں محرم سے اطفالِ اہل بیتؑ مرنے کے قریب ہو گئے تھے شکیب سواکھ گئی تھیں اور چڑے میں جو رطوبت ہوتی ہے وہ بھی خشک ہو گئی تھی، میں اور میرے ساتھ چند بچے پیاس سے بے تاب تھے، میں چھوٹی زینبؑ کے خیمے میں اس خیال سے گئی کہ شاید کچھ پانی مل جائے، میرے ہاتھ میں پیالہ تھا، میں چھوٹی خیمہ میں داخل ہوئی، بنی ناشم کے دوسرے بچے بھی میرے ساتھ شامل ہو گئے کہ سیکینہ سردار کی بیٹی ہے اسے پانی مل جائے گا اور اس کی وجہ سے شاید ہم بھی پیاس بھالیں۔

جناب سیکینہ کا بیان ہے کہ جب میں خیمہ میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ میری چھوٹی خیمہ میں تھیں اور ان کی گرد میں میرا چھوٹا بھائی علی اصغر تھا، وہ پیاس سے اس قدر بے چین تھا کہ میری چھوٹی کبھی بیٹھ جاتی تھیں اور کبھی کھڑی ہو جاتی تھیں، اصغر مچھلی بے آب کی طرح تڑپتا تھا اور جلا جلا کر روتا تھا، چھوٹی کبھی نہیں بیٹھا اصغر ٹھہر جا اور جب ہو، جھلا تھجھ سے کیسے ٹھہر جائے جب کہ تو ایسی سخت حالت میں گرفتار ہے، تیری چھوٹی پر سخت ناگوار ہے، تیرا جلا کر دنا آہ جناب زینبؑ پر کتنی غربت چھائی ہوئی تھی اور کس قدر دیکھتے تھے کہ ساتھی کوثر کی دفتر آج اپنے ششما ہے جتنیجہ کو پانی پلانے سے مجبور تھی، جناب سیکینہ کہتی ہیں کہ یہ حالت دیکھ کر میں رونے لگ گئی اور پانی مانگنے کی جرأت نہ کر سکی، چھوٹی نے میرے رونے کی آواز سنی تو زیادہ بے تاب ہو گئیں، میں نے کہا کہ چھوٹی اماں آپ کسی کو انصار کے خیمے میں بھیج دیں، شاید وہاں سے پانی مل جائے، میری چھوٹی اٹھ کھڑی ہو گئیں، علی اصغر کو ہاتھوں پر لیا، اور دوسری چھوٹیوں کے خیموں میں گئیں، مگر پانی وہاں بھی نہ ملا۔ آپ ذریتِ جناب امام حسین علیہ السلام کے پاس بیٹھ گئیں اور انصار کے ہاں آدمی بھیجا مگر وہاں بھی قوطِ آب تھا۔ جب پانی سے مایوس ہو گئیں تو اپنے خیمے میں پلٹ گئیں، اس

واسطے بنی ہاشم کے بیس بچے ہاتھوں میں کاسے لئے موجود تھے، مگر پانی نہ ملنے سے یہ معصوم بچے
 حسرت و یاس کے ساتھ اپنے خیموں میں لوٹ گئے، ادھر اہل بیت کے بچوں کی تشو و غانی کا یہ حال
 تھا، ادھر سنگدل ظالم دکھا دکھا کے پاؤں پیتے تھے اور العطش کی دل پگھلا دینے والی آوازیں
 سن کر مہنتے تھے۔

شیعو! خدا تمہیں کبھی پیاسا نہ رکھے، سدا ٹھنڈا پانی پیتے رہو، لیکن جب ٹھنڈا پانی پینا تو کر بلا دالوں
 کی پیاس کو بھول نہ جانا، تمہارے امام نے تمہیں تاکید کی ہے۔
 شیعنی ما ان شربتم ماء مذمیر فا ذکرونی میرے شیعو جب ٹھنڈا پانی پینا تو میری
 پیاس کو یاد کر لینا۔

اللعنة الله على القوم الظالمين

— ❖ —

گیارہویں مجلس

قابل جزا اعمال مرضی خالق کے مطابق عمل۔ آئمہ ضلال و آئمہ ہدیٰ

نویں محرم اور شبِ عاشور کے واقعات

مَالِکِ یَوْمِ الدِّینِ

جزا کے دن کا مالک ہے۔ انبیاء و مرسلین کے ذریعہ جو احکام اس نے بندوں کو عمل کرنے کیلئے دیئے ہیں اور جن چیزوں سے دنیا میں بندوں کو روکا ہے، ان کے حساب و کتاب، باز پرس، جزا و سزا کیلئے اس نے ایک دن مقرر فرمایا ہے، اس دن کا نام ”یوم الدین“ ہے اور وہ اس دن کا واحد مالک ہے، اس کی ملکیت میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ تمام دنوں میں جزا کا دن اہم اور محنت ہے، ویسے وہ ہر چیز کا مالک ہے، لیکن یہ دن ثواب و عذاب، حساب و کتاب کا ہے، جس میں ہر آدمی و اعلیٰ، نیک و بد، مطیع و عاصی جواب دہی کے لئے اور جو کام اچھے یا بُرے دنیا میں کئے ہیں ان کی جزا و سزا کے لئے خالق و مالک کے روبرو حاضر ہوں گے، اس واسطے اس دن کی خصوصیت کا ذکر فرمایا ہے۔

وہ اس دن کا مالک بھی ہے اور بادشاہ مطلق بھی ہے چنانچہ روزِ قیامت آواز آئے گی ”لِیَمْسَنَ الْمَلِکُ الْیَوْمَ“ آج کس کی بادشاہی ہے۔ جواب آئے گا ”لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ اللّٰہِ تَعَالٰی کی بادشاہی ہے۔ جو ہر چیز پر غالب ہے۔

روزِ جزا و قیامت کے نہایت کمرنے کے بعد ہم اس دن ہرنے والے واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

کن اعمال کی جزا ملے گی

عادل حقیقی رحم آمیز عدالت کرے گا اور ان اعمال کی جزا دے گا جو بندوں نے حکمِ خدا سمجھ کر اور مرضی خالق کے مطابق عمل کئے لہذا اس دنیا میں عمل کرتے وقت انسان کو نہایت غور و فکر کرنا چاہیے کہ واقعی خالق کا حکم

ایسا ہی ہے۔ اور اس نے اس طرح اس کے بجالانے کا حکم دیا ہے۔ اور اس کے پیچھے ہوئے انبیاء و ائمہ عظیمہ اسلام کی ہدایات کے مطابق نہیں، نوروہ اس عمل کی جزا کا حقدار نہیں، جیسا کہ ارشادِ مالک سے قُلْ هَلْ يَنْفَعُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالُ الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُغًا آپ کہہ دیں کہ کیا ہم تمہیں وہ لوگ اجائیں جن کے اعمال خسارے میں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی محنت و کوشش دنیا میں ضائع ہو گئی، کارت گئی اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

لوگ اپنی نظروں میں اپنی آراء اور سمجھ کے مطابق انہیں اچھا سمجھ کر کرتے رہے، لیکن خدا کے نزدیک وہ سب ضائع اور بیکار گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ احکامِ شریعت اور اعمالِ دین بندوں کی مرضی کے مطابق بلکہ قابلِ جزا وہ اعمال ہیں جو واقعی احکامِ خدا ہیں اور اس کے پیچھے ہوئے ماہدیل اور رہبروں کے ذریعہ بندوں تک پہنچتے ہیں۔

پس اے مسلمان ذرا سوچ کر مانتے ہو کہ کیا وہ قابلِ قبول بھی ہے، کیا اسلام کے رہنماؤں کی ہدایت کے مطابق ہے؟ پس جو نماز پڑھ رہا ہے، مادی اسلام کے فرمان اور طریقہ کے مطابق ہے۔ اگر تو نے اپنی سمجھ اور اپنی رائے کے مطابق نماز پڑھی تو اس کی جزا تو اپنے آپ سے لے گا، خدا سے اس کی جزا لینے کا حقدار نہ ہو گا، اسی طرح جو عمل بھی کرے گا، اس میں تیری رائے کا کوئی دخل نہ ہو، اپنی طرف سے احکامِ شریعت میں تجھے کمی و بیشی کرنے کا کوئی حق نہیں، جس طرح خالق نے حکم دیا اور مادی نے پہنچایا اس کے مطابق ہی تو نیک بدلے کا مستحق ہو گا۔

عموماً لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ میری سمجھ کے مطابق نہیں، میرے عقل میں یہ بات نہیں آتی میں تو اسے اس طرح صحیح سمجھا ہوں، اسے بندہ خدا احکامِ شریعت میری سمجھ کے پابند نہیں، تیری رائے کے مطابق نہیں، شریعت تیرے دماغ کی تابع نہیں، تو اپنی رائے احکامِ اسلام کے تابع کر، اسلام کو اپنا ہم خیال نہ بنا، اپنے خیال کو اسلام کے موافق نہ بنا، ہاں اسلام کو سمجھنے میں ضرور غور و فکر کر، لیکن یہ خیال کر کہ تیری عقل کامل نہیں، تیرا خیال ہر حال میں صحیح نہیں اور ہر شئی تیری سمجھ میں آنے والی نہیں، ہاں اتنا سمجھ کہ یہ حکم اسلام ہے، اور پیغمبرِ کافران ہے۔ اس کے آگے تسلیمِ خم کر جاگو تیرے دل پہ گراں گذرے، اسی چیز کا نام ہے ”تسليم“ اور حکمِ اسلام سے اتفاق نہ کرنے کا نام ہے ”رباغت“۔

غالب رسالتِ مصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے ”وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمْ تُؤْتَى أَصْلَى“ اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو، کیا پیغمبر نے ایک طریقہ سے نماز پڑھی، یا چار طریقوں سے؟ یہ چار طریقے اس وقت وجود میں آئے جب لوگوں نے اپنی نائے اور قیاس کو دین میں داخل کر دیا۔ چنانکہ

روز قیامت اعمال میں سب سے پہلے پُرسش ہوگی، اس واسطے اگر نماز قبول ہو جائے تو اسے بھی قبول اور اگر نماز رد کر دی گئی تو دوسرے اعمال بھی ردی کے طور پر اسے میں ڈال دیتے ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ اس طرح نماز پڑھو، میں تو یہ کہوں گا کہ اس طرح نماز پڑھو جس طرح امیر المؤمنین علیؑ کے بھائی اہل بیت کے بزرگ جناب زہرا سلام اللہ علیہا کے بابا اور جناب حسنینؑ کے نانا نے نماز پڑھی اور ان حضرات کی نماز بھی انہی کی طرح ہے لہذا اس طرح نماز پڑھیں جس طرح بعد رسولؐ رسولؐ کے اہل بیت اور رسولؐ کی آل نے پڑھی۔ اِنَّ قِيَمَتَ قَبْلِ مَا سَوَّاهَا وَاِنَّ رَدَّتْ رَدًّا مَّا سَوَّاهَا اسی طرح ہر عقیدہ اور ہر عمل بیان اسلام کے مطابق فرمان ہو۔ قیامت کے روز سب سے بڑا مفلس اور بے سرومایہ وہ شخص ہو گا جو دنیا میں عمل کرتے کرتے خشک گیا لیکن جزائے محروم ہو گا۔ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً

مریض کی مثال

۱) مریض کو شش کرتا ہے کہ صحیح اور لائق طبیب سے علاج کراؤں، اس کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں، ایک تو لائق اور ماہر طبیب کی پہچان اور دوسری اس کی ہدایات پر عمل، مریض اگر اپنی رائے اور اپنی ناقص دیکھ بھال سمجھ پر بھروسہ کر کے طبیب کی طرف رجوع نہ کرے تو اس کا مرض بڑھتا جائے گا اور ہلاک ہو جائے گا کیونکہ مریض ہوتے ہوئے اس نے طبیب کا دامن نہ پکڑا اور اس کے دروازے پر نہ گیا اگر غلط طبیب کے دروازے پر گیا جو طبیب تو نہ تھا طبابت کا لباس پہن رکھا تھا، بورڈ لگا رکھا تھا، حکیم نہ تھا مگر حکیم کی مسند پر بیٹھ گیا، ایسے خود ساختہ طبیب کی چوکھٹ پر جانے سے بھی مریض شفا نہ پاسکے گا بلکہ اس کا مرض سخت ہو جائے گا، غلط طبیب کے علاج سے بیماری پیچیدہ ہو جائے گی۔

۲) طبیب کی پہچان تو اس نے گم لی، اس کی خوش قسمتی کہ لائق اور ماہر طبیب کے دروازے پہنچ گیا، مریض تشخیص کرا یا، نسخہ بھی لکھوایا اور ہدایات بھی لے لیں مگر بد قسمتی سے اس نے طبیب کے کہنے کے مطابق دوا استعمال نہیں کی، اپنی رائے اور سمجھ کے مطابق استعمال کرنے لگا مثلاً طبیب نے کوہنہ وغیرہ ایسی دوا کھانے کے کچھ دیر بعد استعمال کرنے کو کہا اس نے خالی پیٹ لے لی، حکیم کے کہنے کے مطابق اس نے پرہیز نہ کیا تو ایسا مریض اپنی سمجھ کے موافق ہزار بار دوا استعمال کرے صحت یاب نہ ہو سکے گا بلکہ مریض طرختا گیا جوں جوں دوا کی، کا مصداق ہو کر رہ جائے گا۔

۳) وہی مریض صحت یاب ہو گا اور تندرستی کا لطف وہی اٹھائے گا جو طبیب کی کڑوی دوا

رے گی اور اس کی طبیعت پر بوجھ بھی ہوگا مگر فطرت سیئہ
ی ہدایت کے آگے سرنگوں ہو گیا، منزل تسلیم میں آگے اس نے
امت سے مالا مال ہو گیا۔

ہے جس میں بغاوت کا مادہ پایا جائے، بجائے تعمیل کے اٹا طبیب
نہنے کے برعکس طبیب کو یادہ گوئی اور ہڈیاں کا طعنہ دے، وہ نسخہ
ہڈیاں کی نسبت دے۔ جناب مولانا عالی مرحوم نے ایسے مریض کے متعلق

کیا عمدہ کہا ہے
کسی نے یہ بقراط سے جا کے پچھا مریض میرے نزدیک مہلک ہے کیا

عمل مریضی خالق کے مطابق ہو

بہر حال انسان کو جب علم ہو جائے کہ خدا و رسول کا حکم ہے اور اس طرح حکم ہے، تو اس حکم کا مقابلہ نہ
کرنا چاہیے بلکہ تسلیم خم کر دینا چاہیے۔

اسی طرح ایک عمل غیر ہے لیکن اس کے بجالانے کا طریقہ غلط ہے، مثلاً نماز ہے کوئی شخص صبح کے
دو فرضوں کی جگہ چار فرض پڑھ لے یا رکوع و سجود نہ کرے، صرف تصور کے ساتھ کچھ پڑھتا رہے، وضو نہ کرے
اسی طرح روزہ سورج نکلنے سے شروع کرے اور نصف رات تک بے جائے، روزہ کی مدت میں کوئی
نہیں مگر مریض خدا کے مطابق نہیں، حج ہے اس کے مناسب ادا کرنے میں تبدیلی کر دے، زکوٰۃ ہے مقررہ
حصہ نکالتا ہے لیکن یا دوستوں کو دیتا ہے وہ امیر ہیں یا عیاشی میں زکوٰۃ کا وہ بیہ خرچ کرتے ہیں اس طرح
وہ نیک عمل تو کرتا ہے لیکن ضائع کر دیتا ہے۔ مریضی خدا و رسول و آئمہ اطہار علیہم السلام کے مطابق نہیں کرتا۔
باوجود ان نیک کاموں کی ادائیگی کے "یوم الجزا" کے دن وہ ثواب سے محروم ہے، اسی طرح مجالس
اور مراسم عز اسی طرح بجالانے چاہئیں جس طرح جناب امام حسین علیہ السلام اور آئمہ معصومین کی مرضی ہو اور
اس طریقہ پر غور و غور ہو اور مجالس کا وہی طریقہ کار ہر جوان کی مرضی کے مطابق ہو۔

مجالس منعقد کرنے سے پہلے یہ سوچ سمجھ لے کہ جس طرح مجالس کرتا ہوں میرا جو طریقہ کار ہے
کیا وہ معصوم علیہ السلام کو پسند ہے؟ کیا دین و شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی تو نہیں ہوتی؟ اس
طرح امام پاکٹ ناظر تو نہ ہوں گے؟ کہ ہزاروں روپے خرچ بھی کرے اور ثواب سے محروم رہ کر
اٹل ان کی ناراضگی بھی مول لے۔

اسی طرح ذکر امام علیہ السلام کرنے والے وہ بیان کر جو خوشنودی خدا عز و جل و رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والہام کا باعث ہو تیرے بیان سے وہ خوش ہوں، ایسا نہ ہو کہ تو اپنی کامیابی اور دنیوی لالچ میں ایسا ویسا بیان کرے اور ان کی رو میں نفرتیں کر رہی ہوں تو مستی اور وجد میں مصروف مجلس ہو اور وہ رد دھڑ دھڑ کر رہے ہوں۔

اسی طرح سننے والے حضرات احکام دین، قرآن و حدیث، مسائل شریعت، تذکرہ معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم وسلم کے مجلس کو بدرہ دیں اور درس ہدایات آلی محمد جان کر سن لذت نفس اور شغف طرب بنا کر نہ سن، سامعین یہ معمولی بات نہیں، نہایت صدمہ کی بات ہے کہ جب تک آواز اور لہجہ کی لذت رہے تو سننے میں مگن رہے۔ اور جب سادہ آواز میں قرآن اور محکم کافران آئے تو ان کو پشت کر کے منہ پھیر کے حقیر جان کر نفرت کر کے چلا جائے تو کیا قرآن اور معصومین تجھ پر راضی ہوں گے۔ کیا تیرے اس سننے کے طریق پر معصومین علیہم السلام راضی ہیں؟ مجلس کرنے والے مجلس چڑھنے والے اور مجلس سننے والے حضرات غور فرمائیں۔

صحیح ہادی کی پہچان اور سچے رہنما کی پیروی

دنیا میں انسان جو عمل کرتا رہا اسی کی جزا و جزا پائے گا۔ دنیا کی کھیتی میں جس قسم کا بیج بویا، اسی کا پھل روز قیامت پائے گا، جن احکام کی تعمیل کرے گا انہی احکام کا بدلہ حاصل کرے گا اس واسطے یہ معرفت اور علم ضروری ہے کہ واقعی یہ احکام خداوندی ہیں؟ واقعی یہ اسلام کے احکام ہیں؟ یہی پسندیدہ دین کی ہدایات ہیں۔

یہ احکام لینے والے عمل کرنے والے مکلف کی معرفت پر منحصر ہے اگر سچے امام اور سچے ہادی اسلام سے احکام دین لئے تو سچے اور قابل جزا اور اگر جھوٹے امام، نقلی رہنما، جعلی پیشوا کی اطاعت کر کے غلط رہنمائی حاصل کی تو محنت ضائع، عمل بیکار، کوشش اکالت اور بجائے ثواب کے التماسحق عذاب ہوا۔ اُمتِ نبی سے بنتی ہے اور فرقہ امام سے بنتا ہے، بنی ایک، اُمت بھی ایک لیکن بعد نبی امام کئی، فرقے بھی کئی کیونکہ فرقے باہمی فرق سے پیدا ہوتے ہیں، جب دین اور شریعت میں تفریق کر دی جائے تو وہ تقسیم ہو جاتی ہے، اور مختلف قسم کے فرقے پیدا ہو جاتے ہیں تقسیم اور تفریق پیدا کرنے والے جھوٹے رہنما اور جھوٹے امام ہوتے ہیں۔

اگر اُمتِ فرقوں میں تقسیم نہ ہوتی اور بعد رسول پاک اُمت کے کئی غلط رہنما نہ پیدا ہوتے، تو پھر

احکام صحیح تھے، ہدایات صحیح تھیں، رہبر بھی سچے تھے، صرف پیروی نہ کرنے والوں اور صحیح راہ پر نہ چلنے والوں کی غلطی تھی۔ اب جب رہنما غلط ہوں، امام جھوٹے ہوں تو ان کے احکام کس طرح صحیح اور قابلِ جزا ہو سکتے ہیں؟ ایسے غلط رہنماؤں کی ہزار پیروی کی جائے اور ان کے غلط احکام کی لاکھ تعمیل کی جائے، روز قیامت جزا سے محرومی اور بد نصیبی کے سوا کیا ملے گا۔ ”عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ تَصْلِيْنَا نَارًا حَامِيَةً“ سورہ فاشیہ پ ۳۰۔ بہت سے عمل کرنے والے نفوسِ مشقت اٹھانے والے دکھتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ ”رحمت و کوشش برباد، جہنم لازم“ یہ سچی معرفت سے محرومی اور سچے امام کی پہچان نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

آدمی روزِ عمرِ قبر سے فوت ہوا اُسٹے گا لیکن تنہا نہ پکارا جائے گا، اسے ایک زمرہ میں شامل ہونا پڑے گا، ہر زمرہ کا ایک لیڈر ہو گا جو دنیا میں اس زمرے کا پیشوا تھا جیسا کہ ارشادِ مالکِ یومِ الدین ہے۔ ”يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ اُنَاسٍ بِاَمَانَةٍ“ یہ سورہ نبی اسرائیل۔ روزِ جزا ہم ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ”مَنْ رُفِعَ مِنْ اُجْبَةٍ“ آدمی قیامت کے دن اسی کے ساتھ معذور ہو گا جسے وہ دنیا میں دوست رکھتا تھا۔

سچے امام کی معرفت ضروری ہے۔ ”قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامًا زَمَانِهِ مَاتَ مَيِّتَةً اِنْفَا حِلِيَةً“ حضور نبی پاک صلعم نے فرمایا کہ جو شخص مر گیا اور اس نے سچے امام زمانہ کو نہ پہچانا وہ جہالت کی موت مرا۔ حقیقت یہ ہے کہ سچے امام کی معرفت کے بغیر خدا و رسول کی بھی صحیح معرفت نہیں ہو سکتی، رسول پاک کے سچے دین، ان کی صحیح تعلیمات، صحیح احکام شریعت، سچے امام اور سچے نائبِ رسول کے پاس صحیح و اصلی حالت میں محفوظ رہتے ہیں غلط بانٹین کے پاس دین و شریعت میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور اسلام کی تعلیمات اصلی صورت میں نہیں رہتی ذاتی اغراض اور جانئیں کی جہالت کے باعث تعلیماتِ دین بگڑ جاتی ہیں اور ان کا عامل جزا کا حقدار نہیں رہتا۔

امامِ حق و امامِ باطل

”وَجَعَلْنَا هُمْ اُمَّةً يَهْتَدُونَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا“ ہم نے ان کو ایسا امام بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں جب کہ وہ صابر ہیں۔

”وَجَعَلْنَا هُمْ اُمَّةً يَدْعُونَ اِلَى النَّارِ“ ہم نے ان کو ایسا امام بنایا جو لوگوں کو جہنم میں پہنچاتے

ہیں۔

معرفت کا معیار

امام حق کی معرفت بھی ضروری اور امام حق کے ساتھ امام باطل بھی ہیں اور روزِ حشرِ زمرہٴ امام میں داخلہ بھی ضروری ہے۔ اگر حلقہٴ امام حق میں داخلہ ملا تو کامیابی اور حقیقت ٹھکانا اور اگر امام باطل کی جماعت میں داخلہ ہوا تو ناکامی، ذلت اور جہنم میں رسائی، لہذا بعد از رسول اُمت کے لئے۔
امام حق اور امام باطل کی معرفت کا کوئی معیار بھی تو ہر ان دونوں میں تمیز کرنے کے لئے کوئی کسوٹی بھی ہونی چاہیئے۔ اس کی تفصیل ہم درالصراط المستقیم، کی تفسیر میں لکھیں گے۔ اس وقت در یوم الدین، کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

دنیا میں اپنے پیشواؤں پر اعتماد کر کے جن لوگوں نے ان کا اتباع کیا تھا آخرت میں ان سے نفع اور فیض و ثواب کے امیدوار ہوں گے۔ اور نجات کی امید پر ان سے وابستہ ہوئے تھے، ان سے نجات دلانے کی خواہش کریں گے۔ چنانچہ ان پیروں، مریدوں، رہنماؤں اور پیروکاروں کی حالت یومِ قیامت ہم قرآن کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ پارہ ۲ سورہ بقرہ رکوع ۴

اِذْ شَبَّوْا الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا اَوْ اَلْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ رِجْلُهُمْ اَلْاَسْبَابُ
وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنْتُمْ لَنَا كُرَّةٌ فَنَتَبَرَّأُ مِنْهُمْ لَمَّا تَبَرَّأُوْا وَاِنَّا كَذٰلِكَ یَسْرِیْهِمْ اَللّٰهُ عَسٰی اَنْ یَّجْعَلَ
حَسْرَتَ عَلَیْهِمْ وَاَ مَا هُمْ بِمُخٰرَجِیْنَ مِنَ النَّارِ ۝

جب پیشوا لوگ اپنے پیروکاروں سے تبرّائی یعنی بیزاری کر جائیں گے اور عذاب کو دیکھیں گے
دجستہ خود) اور ان کے باہمی تعلقات پر ہی مبدی والے پیشوائی اور پیروکاری والے ختم ہو جائیں گے
جب پیشوا اپنا حشر دیکھ کر عذاب سے بچنے کی کوئی تدبیر نہ کر سکیں گے تو پیروکاروں کو کہاں بچا سکیں گے
ہاں اپنے ساتھ رکھ سکیں گے۔

پیروکار جب اپنے چھوٹے رہنماؤں کو قطع تعلق دیکھیں گے تو کہیں گے اگر ہم دنیا میں پلٹ کر
جائیں اور ایسا ایک بار موقع ملے تو ہم بھی (ان نامرادوں) سے ایسی ہی بیزاری کریں جیسی اب انہوں
نے ہم سے عین وقت پر بیزاری اختیار کی ہے۔ یونہی خدا ان لوگوں کو ان کے اعمالِ حسرت اور
ناامیدی کی صورت میں دکھائے گا اور یہ کم نجات آگ سے نہ نکل سکیں گے۔ یہ ان آئمہ ضلال اور
پیشوا یا باطل کا ذکر ہے، جو خود جہنم میں جائیں گے اور نجات نہ پاسکیں گے بھلا وہ اپنے پیروکاروں کو
کس طرح جہنم سے بچا سکیں گے۔

اس واسطے مسلمانو! ایسے آئمہ ہدیٰ کی پیروی کرو اور ان کے زمرہ میں داخل ہو جو ”قسم اللہ والحبۃ“ ہیں جن کی تعلیمات بعینہا تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو صحیح و شان رسول پاکؐ ہیں۔ ہم یہاں صرف ایک معیار معرفت پیش کرتے ہیں کہ خدا وہ ہے جو خدائی کے کام کرے صرف دعویٰ خدائی کرنے سے کوئی شخص خدا نہیں بن سکتا جب تک خدائی والے کام نہ کرے اسی طرح کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرنے سے نبی نہیں بن سکتا جب تک نبوت کے فرائض نہ ادا کرے وہ شخص خلافت و امامت کا منصب نہیں سنبھال سکتا جب تک مسند امامت پر بیٹھ کر امور امامت نہ سرانجام دے اور امام والے کام کر کے نہ دکھائے۔

حضرات غور فرمائیں کہ زبانی دعویٰ کرنے والا اگر عملی ثبوت نہ دیں تو جھوٹے ہیں خدائی کا زبانی دعویٰ کرنے والے خدائی کام نہ کر سکیں تو وہ خدا جھوٹے۔

نبوت کا دعویٰ کرنے والے: دے کام کر کے نہ دکھائیں تو وہ نبی جھوٹے۔

امامت کا دعویٰ کرنے والے امامت کے کام نہ کریں تو وہ امام جھوٹے اسی طرح شیعوں اور مولائی ہونے کا دعویٰ کرنے والے اگر شیعوں اور مولائیوں والے کام کر کے نہ دکھائیں تو وہ جھوٹے شیعہ ہیں۔ سچے شیعہ وہ ہیں جن کے عمل سے ان کا شیعہ ہونا ثابت ہو جو نشانیاں اور اوصاف شیعوں کے معصوم علیہ السلام نے فرمائے ہیں اگر وہ ان میں پائے جائیں تو سچے شیعہ اور اگر نہ پائے جائیں تو وہ جھوٹے شیعہ ہیں جس طرح زبانی دعویٰ کرنے سے کوئی نبی و امام نہیں بن سکتا اسی طرح زبانی دعویٰ کرنے سے کوئی شخص شیعہ بھی نہیں ہو سکتا عملی ثبوت چاہیے۔

ایک شخص مدرس والے مقام پر بیٹھتا تو جانا ہے لیکن تدریسی امور سرانجام نہیں دے سکتا وہ مدرس نہیں طبیب کے مقام پر بیٹھنے والا تشخیص مرض اور اس کے علاج سے قاصر ہے وہ طبیب نہیں کہلا سکتا تو جو شخص مسند امامت و خلافت پر بیٹھ کر شان امامت کے مطابق علمی مسائل حل نہیں کر سکتا، قرآن کے اسرار و رموز فقہ کے مسائل نہیں سمجھ سکتا، مشکل سوالوں کے جواب نہیں دے سکتا، فقہ کا فیصلہ قرآن اور سنت کی روشنی میں نہیں کر سکتا، اُمت کے عقدے حل نہیں کر سکتا، اسے کون سچا امام کہہ سکتا ہے۔ سچا امام تو وہ ہے جو مسند رسولؐ پر بیٹھ کر حق و انصاف کے مسائل حل کرے، ان واحد میں ان کے سوالوں کے جواب دے جو انسانوں کو انسانوں کی زبان میں اور جنوں کو جنوں کی زبان میں سمجھا سکے۔ یہودیوں کو تورات کے حوالے سے، عیسائیوں کو انجیل اور مسلمانوں کو قرآن سے جواب دے سکے جو کسی مقام پر اہل اسلام اور غیر مسلموں کے جواب سے عاجز نہ ہو بلکہ

”سَلَوْتُ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِي“ کے اعلان سے اقوام عالم کو ہر چیز پوچھنے کی دعوت عام دے، اب خود سمجھ لو کہ اس معیار پر اترنے والا کون ہے۔ کیا کوئی قریش کا فرد ہے، کسی قبیلہ کا بزرگ ہے، ہمسایہ؟ کوئی نہیں سوائے رسولؐ کے برادر، جناب زہراؑ کے شوہر، حسنینؑ کے پدر اور ابوطالبؑ کے نعت جگہ امیر المومنین علیؑ کے سوا کوئی نہیں کوئی نہیں۔
پس لوگو! باطل کے اماموں سے منہ موڑو، آخر حق کے ساتھ تعلق جوڑو، غیروں کا واسطہ چھوڑو اور آل محمدؑ کی طرف دوڑو۔

ساقی حوض

روزِ قیامت شدت کی گرمی ہوگی، گھبراہٹ کا عالم ہوگا، ایسی سخت گرمی اور دھوپ میں عموماً چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ دھوپ سے بچنے کے لئے سایہ کی اور پیاس کی شدت میں پانی کی، قیامت میں دھوپ بھی ہوگا اور پیاس بھی، تو اسے مسلمان! ایسے امام کا دامن پکڑو جو دھوپ سے بچا کر سایہ میں پناہ دے سکے اور پیاس بجھانے کے لئے کسی حوض کے کنارے پانی پلا سکے، کچھلی مجلس میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ”ولاء الحمد“ جناب امیر علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوگا، جو دنیا میں علمبردار رسولؐ ہے، ایسی گرمی میں پیاس ضرور لگے گی، پانی کہاں ملے گا حوض کس کے قبضہ میں ہوگا، کس کے ہاتھ ہوگا اور ساقی کرن ہوگا۔
سُن اور پیغمبر اسلام جناب محمد مصطفیٰؐ کی زبان سے سُن

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی علی خمسۃ امور احب الی من الدنیا وما فیہا اما واحدۃ فہو تکانی بین یدی عروجل حتی یفترغ من الحباب اما الثانیۃ فلو اء الحمد بیدہ آدم ومن ولده تحته، اما الثالثۃ فوافق عقب حوضی یتقی من عرف من امتی، اما الرابعۃ فماتر عورقی وسلمی الی ربی عروجل اما الخامسۃ فسلست اغضی علیہ ان یوجع زابنا بعد حصان ولا کافر بعد ایدیان۔ مناقب احمد محالہ راجع الطالب، حضرت ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ جناب رسالتؐ نے فرمایا میرے بھائی علیؑ میں پانچ باتیں ایسی ہیں جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں، پہلی وہ خدا کے حضور مجھ پر تمکین لگائے رہے گا، یہاں تک کہ حساب سے فارغ ہو جائے گا۔ دوسری ”ولاء الحمد“ اس کے ہاتھ میں ہوگا آدم اور اس کی اولاد اس کے سایہ میں جمع ہوگی تیسری میرے حوض کے پیچھے کھڑا رہے گا اور حکومت میری امت سے پہچانتا ہوگا اسے سیراب کرے گا چوتھی مجھے کھن پھانے والا اور اللہ کے سپرد کر دینا لا ہوگا پانچویں مجھے اسکی نسبت میں خوف ہوگا کہ نہیں کہ

پاکدامنی کے بعد کوئی غلط کام کرے گا اور نہ ایمان کے بعد کوئی فحش حرکت کرے گا۔
 رسول خدا ﷺ کا منہ بھی جل بریگا جس کے پاس سایہ ڈھونڈا اسی گھسے ہاتھ میں پیالہ ہوگا۔ ایسے
 ہونا تک مقام پر ٹھنڈا سایہ بھی مل جائے اور ٹھنڈا میٹھا شربت بھی مل جائے تو بڑا عظیم سے بچت تو ہوگی
 مگر یہ اہم شیعروں کا ہے۔

یہ نہیں کہ سب اس حرف پر وارد ہو کر سب ہی سیراب ہوں گے۔ نہیں خدا سیراب ہوں گے، کچھ ایسے
 بغض رکھنے والے، دل میں عداوت دیکھنے والے جھگڑے بھی جلیں گے۔ جہاں موائی سیراب ہوں گے
 وہاں سے دشمن لڑائی کے ساتھ پٹائے بھی جائیں گے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلعم یا علی معلک یوم القیمة عصا من عسی الجنة
 تنزود بها المنافقین عن الحصن (مجم طبرانی بحوالہ ارجح المطالب)

ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ جناب رسالت ﷺ نے فرمایا اسے علی تیرے پاس جنت کی لڑائیوں
 میں سے ایک لڑائی بریگی جس کے ساتھ تو منافقوں کو جہنم سے ہانکے گا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت اما یوم القیامة
 فیذنب الی لواء الحمد فادفعہ الیہ و انت تذود الناس عن حوضی (درکنز العمال)

عن علی قال لا ذود ذلت بیدي هاتین القصیتین عن حوض رسول اللہ آیات الکفار والمنافقین
 کسا یذارا کابل الغریب عن حیاضها جناب امیر فرماتے ہیں کہ میں ان دو ننھے ننھے ہاتھوں سے کفار
 اور منافقین کے علموں کو ہانک دوں گا جس طرح پرہیزاؤنٹ اپنے حوض سے ہانکا جاتا ہے۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ لواء الحمد بھی مولا امیر علیہ السلام کے ہاتھوں میں ہوگا اور حوض رسول پاک
 کے حصار اور ساتھی بھی جناب امیر ہوں گے۔ جو امام روز قیامت اپنے پیروکاروں کو فائدہ نہ پہنچا سکے وہ
 لوگ کتنے بد نصیب ہیں اور کتنے غرض نصیب ہیں وہ لوگ جن کو علی ایسا امام ملا ہے لیکن یاد رہے کہ
 علی و امام المتقین ہیں جو ان کے نقش قدم پر چلے، جو ان کی پیروی عملاً نہ کرے، ان کی بتائی ہوئی راہ
 پر نہ چلے، نہ وہ پیروکار ہے اور نہ علی اس کے امام ہیں جس طرح زبانی دعویٰ امامت کرنے سے
 کوئی امام نہیں بن سکتا، جب تک شیعہ والے عمل کر کے نہ دکھائے اسی طرح زبانی شیعہ کہلانے والا پیر کا
 اور شیعہ علی نہیں بن سکتا جب تک شیعہ والے عمل کو کسے نہ دکھائے علی ساتھی ہیں، مولائیوں کو سیراب
 کریں گے، کتنے پینے والے ہوں گے اور پیالے کتنے ہوں گے، اتنی پیاسی دنیا ایک پیالہ ہونے لہری
 کب آئے گی اور انتظار میں تو ان کی جان بھی نکل جائے گی۔

لواء الحمد کا طول و عرض اتنا ہو گا کہ ماپ کا شمار نہیں اور عرض کا طول و عرض ہزاروں میلوں میں ہو گا۔ پیالے کتنے ہوں گے حضور رسالتؐ کی زبانی سینے۔
 فردوس الاخبار دہلی میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں کہ اس عرض پر آسمان کے تاروں کے برابر پیالے ہوں گے۔
 جن سے حسینؑ درنیب کا بابا پیاسی اُمت کو سیراب کرے گا، کون سیراب کرے گا، جس کی اولاد فرات کے کنارے پیاسی قتل ہوئی، جس کی بیٹیاں لب فرات پیاس سے بے حال رہیں، جس کے معصوم بچے ہاتھوں میں پیالے لئے خیموں کے دروازوں پر شکوں کے مشط رہتے اور سنگدل کوئی مٹی اور شیشوں کے برتنوں میں دکھا دکھا کے سیراب ہوتے۔

رد کے ہوئے تھی نہ کو اُمت رسولؐ کی
 سبز ہر اتھا خشک تھی کھیتی بتوں کی،

عزادار و انہم محرم کو نہ ہزار کالال ابن زبیر کی فوجوں میں گھر گیا، فوجوں کی تعداد کتنی تھی، تیس ہزار سے لے کر دو لاکھ تک کھسی گئی ہے، ان میں تیس ہزار دالی رایت پر زبان اعتماد کیا گیا ہے کیونکہ امام معصوم علیہ السلام سے تیس ہزار مروی ہے ویسے ناسخ التوازیج میں پچاس ہزار سے اوپر مذکور ہے کوفہ بالکل خالی ہو گیا۔
 حاکم کا حکم تھا کہ کوفہ میں کوئی جوان مرد نہ رہ جائے۔ بیان کیا گیا ہے کہ کوفہ کے بازاروں میں تین محرم سے چھ محرم تک ہتھیار فروخت کرنے والی دکانوں پر بڑی جھڑپ رہی اور ہتھیار خریدنے والوں سے بازار بھر گیا تھا۔

کوئی تلوار خرید رہا ہے، کوئی نیزہ، کوئی تیر کمان، کچھ نئے خرید رہے ہیں اور کچھ پرانے ہتھیاروں کو تیز کر رہے ہیں، کہیں خنجر کی دھارتیز کی جا رہی ہے، کہیں نیزے کی افی درست ہو رہی ہے، کہیں تیردوں کی نوکیں تیز ہو رہی ہیں، تیر بھی مختلف قسم کے تھے، کسی کی ایک نوک اور کسی کی تین نوکیں تھیں اور نوکیں اس قدر تیز تھیں کہ بدن کی ایک طرف سے جو بیروست ہوتا دوسری طرف نوک نکل جاتی اور بدن سے نکالنے کے لئے ایک ہاتھ سے پھٹکتے قربان جاؤں میرے مظلوم امام نے بعض نیزے نکالنے میں دونوں ہاتھوں کا زور لگایا ہے۔

عزادار و! یہ تمام ہتھیار کس کے لئے اکٹھے کئے جا رہے ہیں، کن کے لئے یہ دھاریں اور نوکیں تیز کی جا رہی ہیں۔ ذریت رسولؐ کے لئے، اولاد علیؑ و جبرائیلؑ کے واسطے، آل ابی طالب کے واسطے بنی ہاشم کی جن پاک مستورات نے محبت و شفقت سے پالا تھا انہیں نیزوں اور تیروں کا نشانہ بنانے کے لئے یہ سارا سامان کیا جا رہا ہے۔ برس گاہ رسولؐ کو، ناز پروردہ بتوں کو، اُم البنین کے لاڈلے بیٹروں کو، عقیل

کے گھرانے کو برباد کرنے کے لئے، ابوطالب کا چرانہ بچانے کے لئے، رسول کی امت ہتھیار جمع کر رہی ہے۔ یسلیٰ کی اٹھارہ برس کی کمائی خاک و خون میں غطان کرنے کے لئے، اُم رباب کی گود خالی کرنے کے لئے، حسن مجتبیٰ کا صحن مسنان کرنے کے واسطے، اقرباء حسین اور اصحاب و انصار کو پیا سا ظلم و جور سے شہید کرنے کے لئے، ہتھیار والوں کی بازار میں بھیڑ ہے۔ اسے کوفہ تیرے ان بازاروں پر لعنت، جن میں خاندانِ رسول کو قتل کرنے کے لئے ہتھیار فروخت ہو رہے ہیں خدا تیرے ان بازاروں کو تباہ کرے، جن میں بتوں زاد بیاں لگے سر چرائی گئیں اسے کوفہ اکاشش تو آباد نہ ہوتا تو کھنڈروں میں بدل جاتا، اسلام و مانی کی لاشیں اور مستورات لاشیٰ کو رسیوں میں برہنہ مرنہ دیکھتا۔

نہم محرم

شیعو! یہ کوفہ کے بازاروں میں ہتھیاروں کا ذکر تھا۔ اب میدان کہ بلا کا حال سنو، لشکرِ خوخرار سے میدان کہ بلا پٹ گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص بلند ٹیلے پر چڑھ کے دیکھے تو آدمی ہی آدمی نظر آنے یا آسمان دکھائی دیتا اور جہاں تک نظر کام کرتی گھوڑے سوار فوج، پیادہ فوج اور نیزے و تلواریں نظر آتیں، ایسے ہی لشکر کو ٹنڈی دل اور سیل رواں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ زمین کہ بلا باوجود کشمکش کے تنگ نظر آتی تھی چونکہ ہر دستہ فوج کا اپنا الگ علم تھا اس واسطے، آسمان کے کنارے جھنڈوں کی قطاروں اور جیموں کی کثرت کی وجہ سے نظر نہ آتے تھے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نبی محرم کہ جناب حسینؑ اور ان کے ساتھی سپاہِ ابنِ زیاد کے مکمل محاصرہ میں آ گئے تھے، ابنِ زیاد اور ابنِ سعد فوجوں کی کثرت سے خوش تھے، انہیں توقع بلکہ یقین تھا کہ اب حسینؑ کی مدد کرنے کوئی آسکتا ہے اور نہ خود حسینؑ یہاں سے نکل کر کہیں جا سکتے انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا، سعد بن عبیدہ کا بیاں ہے کہ شدید گرمی کی وجہ سے ہم پانی میں گھسے ہوئے تھے کہ ابنِ زیاد کا پیغام آیا کہ اب جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے ہیں، طوائف میں دیر کبھی؟ چنانچہ اسی وقت ابنِ سعد گھوڑے پر سوار ہوا اور لشکر میں منادی کرادی کہ گھوڑے سوار سوار ہو کر جنگ کی تیاری کریں چنانچہ عمر بن سعد اپنے نائبِ شمر بنِ اعین کے ساتھ ایک دستہ فوج کے ہمراہ خیامِ حسینی کی طرف بڑھا۔

ادھر فرزندِ رسولؐ، بتوں زاد بیاں کا واحد سہارا، شرب کا مسافر، مایوسی کے عالم میں تلوار کا سہارا لئے گھٹنوں پر سر جھکائے، خیمے سے باہر نکلیں بیٹھا ہے۔ غالباً فرزندِ رسولؐ پر غم و غم کی طاری ہو گئی تھی کہ گھوڑوں کے طاہروں کی آواز اور ہتھیاروں کی جھنکار کی صدا نہ ہر کی بیٹیوں نے خیموں میں سنی، نہ ٹپ کے اٹھیں،

اور دروازہ خیمہ کے پاس آکر کہا اماں جایا! لشکر تو قریب آگیا ہے، کیا گھڑوں کی آواز آپ نے نہیں سنی، بھائی دیکھو تو سہی یہ دشمن تیار ہر کے قریب آگیا ہے جیسے نے سر زانو سے اٹھایا اور پہن کی طرف آبدیدہ ہر کر کہا اماں جانی! ابھی ابھی میری آنکھ لگی تھی میں نے مانا کر دیکھا فرماتے ہیں بیٹا تم عنقریب میرے پاس آنے والے ہو، تمہارا باب علی اور ماں زہرا، بھائی حسن تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ اماں جانی! معلوم ہوتا ہے کہ حسین کا سفر ختم ہونے والا ہے، یہ سننا تھا کہ غلاب زینب کو کتاب نہ دی، حبیب بھائی کی زبانی اس دنیا سے رخصت ہونے کی خبر سنی، سر پیٹ لیا اور کہا ہمارا کون ہر کا نہ ڈن نہ گھر پر دیں یہ حالت تھی کہ بٹول کی بیٹی منہ پیٹ رہی تھی اور آنے والے دھوکوں پر بے ساختہ آنسو بہا رہی تھی، میرے مظلوم آننا اٹھٹے باز دیکھ کر اچھے میں لے گئے اور کہا کہ اماں جانی! دشمن قریب آگیا، طعنہ دے گا کہ زینب بچالے بھائی کو! میں ان کے سامنے تیری گریہ دزاری دیکھ نہیں سکتا۔

حسین خیمہ سے باہر آئے، غلاب عباس نے عرض کیا مولا لگ تو آگئے ہیں حسین اٹھے اور فرمایا عباس آپ ان کے پاس جا کر کہیں کہ تم کیوں آئے ہو اور تمہارے دلوں میں کیا ہے؟ اور اس طرح تمہارے آنے کی عرض کیا ہے؟

غلاب عباس راہوار پر سوار ہوئے اور ان کے ساتھ تقریباً بیس سوار ہوئے، جن میں زہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر بھی تھے غلاب عباس علیہ السلام نے ان سے آنے کا مطلب پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ عبید اللہ بن زیاد اب دیر نہیں چاہتا، آج پھر اس کا حکم آیا ہے کہ حسین یا تو ہمارا حکم مان کر جاری اطاعت کرے اور اس صورت میں اسے کو فر میرے پاس پہنچا دو نہیں تو جلدی فیصلہ کن جنگ کی جائے۔ غلاب عباس نے فرمایا میں جا کر غلاب امام پاک سے یہ واقعہ عرض کرتا ہوں اور اس کا جواب فوراً تمہیں پہنچاتا ہوں۔ غلاب عباس علیہ السلام گھوڑا دوڑاتے ہوئے واپس حاضر خدمت امام ہوئے اور دشمنانِ دین کا ماجرا پیش کیا۔ غلاب عباس تو خدمتِ امام میں پیغام لے کر آئے۔

ادھر غلاب حبیب اور زہیر نے گروہ اشقیاء کو ناصحانہ خطاب کیا اور جنگ سے باز رکھنے اور امام معصوم اور ان کے ہمراہیوں سے قتال کرنے سے ڈرایا۔ لیکن سیاہ دلوں پر ضلالت و شقاوت کی مہر بن لگ چکی تھیں، وہ کب ماننے والے تھے۔ اسی انہیں عزرہ بن قیس نے غلاب زہیر سے کہا آپ اپنے نفس کو پاک بنائیے غلاب زہیر نے فرمایا میرے نفس کو خدا نے پاک بنایا ہے اور اسے ہدایت کی ہے۔ تو خدا سے ڈریں تجھے نصیحت کرتا ہوں ان لوگوں کا مددگار نہ بن جو پاک نفسوں، تہجد گزاروں، کثرت سے خدا کا ذکر کرنے والوں اور اپنے پیغمبر کی ذریت و عزت کا ناحق غن بہانے پر آمادہ ہیں اس

اثنائیں عز ورن قیس نے کہا یا زہیر ما کنت عشنا من شیعة اهل هذا البیت اما کنت عشنا یا اے زہیر تجھے ہم اس خاندان کا شیعہ نہیں سمجھتے تھے تو تو عثائی تھا جناب زہیر نے جواب دیا۔ افلست لتبدل بقو فی هذا فی مثکم کیا میرے اس جگہ کھڑے ہونے سے تم نہیں سمجھ سکتے کہ میں انہی میں سے ہوں۔

یہ تو جناب حبیب اور زہیر کا ان سے مکالمہ تھا۔ ادھر جناب عباس نے ان بے دینوں کا پیغامِ خدمت امام میں پہنچا یا۔ امام پاک علیہ السلام نے جناب عباس سے فرمایا کہ نرم واپس ان کے پاس جا کر کہہ کہ میں ایک رات کی مہلت طلب کرتے ہیں تاکہ ہم آج رات دل کھول کر خدا کی عبادت کریں کیونکہ میں کثرت دعا، نماز، تلاوت قرآن اور انتظار کو دوست رکھتا ہوں جناب عباس نے واپس آکر عمر بن سعد سے یہ ذکر کیا، ابن سعد تو خاموش ہو رہا، شمر نے انکار کیا لیکن عمرو بن الحجاج زبیدی نے کہا کہ اگر ترکِ دین کے لوگ بھی یہ سوال کرتے تو ہم مان لیتے یہ تو آلِ محمد ہیں تم انہیں ایک رات کی مہلت نہیں دے سکتے عمرو بن سعد شرمندہ ہوا تو ایک شب کی تاخیر پر رضامند ہو گیا جناب عباس کے ساتھ اس نے اپنا ایک قاصد بھی بھیجا اس نے اس مقام پر کھڑے ہو کر کہا، جہاں سے اس کی آواز جناب امام پاکؑ سن سکتے تھے مگر ہم نے نہیں کلی صبح تک مہلت دے دی ہے اگر آپ نے ہماری بات مان لی سے تو ہم آپ کو ابنِ زیاد کے سپرد کر دیں گے ورنہ کلی ہم سے ضرور جنگ کریں گے اور ہرگز نہ چھوڑیں گے یہ کہہ کر قاصد واپس چلا گیا۔

جناب امام حسین علیہ السلام نے اصحابِ با وفا کو حکم دیا کہ غیام ایک دوسرے کے ساتھ بالکل ملا دیں ہر خیمہ کی طنائیں دوسرے کے ساتھ باندھ دی جائیں تاکہ دشمنوں کا مقابلہ ایک طرف اور ایک رخ سے کیا جاسکے اور غیام کی پشت کی جانب اور دائیں بائیں خندق کھودی گئی جو گڑیوں سے بھر دی گئی۔

شبِ عاشور کے واقعات

یہ رات بیداری کی ہے، عبادت، دعا، تلاوت قرآن اور استغفار کی ہے، مومنین کو چاہیے کہ بیدار ہو کر یہ رات عبادت، تلاوت، استغفار اور شہداء کو بلا علیہم السلام کی یاد تازہ کر کے گریہ و زاری میں گزاریں، یہ شب جناب مظلوم کر بلا اور ان کے اصحاب و اقربا کی زندگی کی آخری شب ہے کیونکہ ان سب کو یقین ہو گیا تھا کہ کلی صبح جنگ کے شعلے بھڑکیں گے اور مظلوم کر بلا اور ان کے ساتھی سفر کی صعوبتوں اور دنیا کی تکلیفوں، پیاس اور ٹھوک کی سختیوں سے ہمیشہ کے لئے نجات پا جائیں گے۔

سیدہ ایمنوں اور مستورات کو بھی اپنے ورتاء کے باقی رہنے کی امید تھی، اس واسطے ہر بی بی اپنے

شہر، برادر، پسر اور قریبی رشتہ دار کو جی بھر کر شب بھر دیکھتی رہی ہوگی اور غالباً ان کی متناہی ہوگی کہ یہ رات لمبی ہو جائے تاکہ ورنہ کام نہ دیکھتی رہے، یہ آخری رات جو تھی آج تو سب زندہ ہیں۔ بہن کا بھائی زندہ ہے۔ حرموں کے شوہر زندہ ہیں، ماں کے فرزند زندہ ہیں، گودیں آباد ہیں گو شیخے مر جائے ہوئے ہیں، سبکیاں کھلائی ہوئی ہیں، مایوسی و اداسی چھائی ہوئی ہے۔

عاشور کی شب کا سناٹا محب اشکوں کی برسات رہی
یہی نے نظر کی اکبر پر جب کچھ کچھ باقی رات رہی

شیعو! یہ جیتے مظلوم اور ان کے ساتھیوں کی آخری رات ہے، ماں آخری رات ہے اکل حسین نہ ہوں گے، زینب بے بھائی ہو جائے گی۔

کل گچ شہیدان سچ جائے گی ہمیشہ جُدا ہو جائے گی
عباس نہ رہے گا، فضل بنیم ہو جائے گا، اُم کلثوم کا ماں ٹوٹ جائے گا، اکبر نہ رہے گا، یعلیٰ کا داحد سہارا ختم ہو جائے گا۔ رباب کی گود برباد ہو جائے گی۔ ماں جھولا خالی ہو جائے گا، سہاگ اُجڑ جائیں گے اور بنی ہاشم کا بھرا خاندان کربلا کی ریت میں ویران ہو جائے گا۔ آگے بیان کرنے کی جرأت نہیں کیا کیا ہوگا۔

اس رات کو خیام صلیبی میں ذکر، تلاوت، صلوٰۃ اور استغفار کی آواز تھی، جس طرح شہد کی مکھیوں کی جھنجھناہٹ کی آواز آتی ہے۔ کوئی رکوع میں ہے تو کوئی سجدہ میں، کوئی قیام میں ہے تو کوئی دعا مانگ رہا ہے، کوئی تسبیح پڑھ رہا ہے تو کوئی تلاوت قرآن میں مشغول ہے۔
جیسا کہ میر انیس اعلیٰ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یا حییٰ یا قیوم کی تھی ہر طرف پکار
تسبیح تھی کہیں کہیں تہلیل کر دگا رہا

جناب سید الشہداء علیہ السلام کا خطبہ

اس رات کا وہ مشہور خطبہ جو سید الشہداء نے اقرباء و اصحاب یا وفائیں پڑھا ہے ہم ذکر کرتے ہیں جس میں اپنے اہل بیت اور اصحاب خیر کا فخر و مہابت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

اَشْهَدُ عَلَى اللَّهِ اَحْسَنَ الشَّاءِ وَاَحْمَدُهُ عَلَى السَّاءِ وَالصَّوَابُ اَللَّهُمَّ اِنِّیْ اَحْسَدُكَ عَلَى اَنْ
اَكْرَمْتَنَا بِاَلِنُبُوَّةِ وَعَلَّمْتَنَا الْقُرْآنَ وَفَقَّهْتَنَا فِی الدِّیْنِ وَجَعَلْتَ لَنَا اَسْمَاعًا وَاَبْصَارًا وَاَفْئِدَةً

فَاَجْعَلْنَا مِنَ الشَّاكِرِينَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّي لَا اَعْلَمُ اَصْحَابًا اَذِنِي وَلَا خَيْرًا مِنْ اَصْحَابِي وَلَا اَهْلَ بَيْتٍ
اَبَدَ وَلَا اَوْصِيَاءَ وَلَا اَفْضَلَ مِنْ اَهْلِ بَيْتِي فَجَزَاكَمُ اللَّهُ مَعْتَى خَيْرًا فَلَقَدْ بَرَزْتُمْ وَمَا دُنْتُمْ اَلَا وَاِنِّي لَا اُظُنُّ بِرَمَانًا مِنْ هَؤُلَاءِ اَعْدَاءِ اَلَا عَدَا اَلَا وَاِنِّي قَدْ اَذِنْتُ لَكُمْ فَاَنْطَقُوا جَمِيعًا فِي
حِلٍّ مِنْ بَعْثِي لَيْسَ عَلَيْكُمْ مَعْنَى حَرْجٍ وَلَا نَمَامٍ وَهَذَا الْبَيْلُ مَعَكُمْ غَشِيَكُمْ فَاَتَخَذُوهُ جَسَدًا وَلِيًّا خُذْ
كُلَّ رَجُلٍ مِنْكُمْ بَيْدَ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِي وَتَقَرَّرْ فَرْنِي سَوَادَ هَذَا الْبَيْلِ وَذُرْنِي وَهَؤُلَاءِ فَاَتَاهُمُ
كَابِرٌ يُدْعُونَ غَيْرِي "

میں اللہ تعالیٰ کی بہترین شنا کرتا ہوں، نفی ارغی میں اس کی حمد کرتا ہوں، خدایا میں تیری حمد
کرتا ہوں کہ تُو نے ہمارے خاندان کو نبوت کے ساتھ سرفراز فرمایا، تُو نے ہمیں قرآن کا علم اور دین کی
سعادت فرمائی، تُو نے ہمیں سننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں اور سمجھنے والے دل عطا فرمائے
پس یہی شکمہ گزاروں میں سے کہہ انا بعد میں اپنے اصحاب سے زیادہ وفا دار اور بہتر کسی کے
اصحاب نہیں جانتا اور نہ کوئی ایسے اہل بیت جانتا ہوں جو میرے اہل بیت سے بہتر، صلہ رحمی کرنے والے
اور نہ فضیلت والے دیکھتا ہوں پس تم سب کو اللہ تعالیٰ میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، بے شک
تُم نے جہلائی کی اور مدد کی، آگاہ رہو میں گمان کرتا ہوں کہ کل ان اعداد سے جنگ ضرور ہوگی، میں نہیں
راضی ہو کر اجازت دیتا ہوں کہ تم سب جا سکتے ہو، میں اپنی بیعت کا قتلہ تمہاری گردنوں سے اتار لیتا
ہوں، میری طرف سے تم پر کوئی پابندی نہیں بلکہ آزاد ہو۔ یہ بات کا پردہ چھا گیا ہے، اسے سواری
بنا کر چلے جاؤ اور تم میں سے ہر شخص میرے اہل بیت میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر چلا جائے اور
اس بات کی تاریکی میں منتظر ہو جاؤ، مجھے ان لوگوں کے پاس چھوڑ دو کیونکہ انہیں صرف مجھ سے غرض ہے
اور وہ صرف میرے خون کے پیاسے ہیں۔

مولائے مظلوم کا یہ خطبہ اور پیرائے کلام سن کر آپ کے اقربا بے قرار ہو گئے اور خلوص و استقلال
کے ساتھ اُٹھ کر کہا مولایہ کبھی نہیں ہر سکتا کہ ہم آپ کو نذر غمہ اعداء میں تنہا چھوڑ کر چلے جائیں،
خدا ہمیں آپ کے بعد کبھی باقی نہ رکھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ سب سے پہلا کلام جناب ابراہیم علیہ السلام
کا تھا، اس شیر بری کے سینے میں ارمان پھل رہے تھے، ان کے بعد جناب کے دوسرے اقرباء
جہانگیر، بیٹوں، بھتیجوں اور بھانجوں نے بھی ایسا ہی ایمان افروز درد مندانہ اور مخلصانہ جواب
دیا، اس خلوص و محبت کے جذبات نے لاشمی جوازوں کی رگوں میں دوہلا خون تیز کر دیا۔
اس کے بعد جناب مظلوم کو بلانے والا عقیل کی طرف حسرت بھری نظر سے دیکھ کر فرمایا تمہارے

لئے تو مسلم کی غریب الوطنی کی سزا کافی ہے، میں نہیں اجازت دیتا ہوں، تم چلے جاؤ جناب حقیق کے
فرزندوں اور جناب مسلم کے صاحبزادوں نے شرط کر جواب دیا یا بن رسول اللہ لوگ ہمیں کیا کہیں گے
اور ہم انہیں کیا جواب دیں گے کہ ہم نے اپنے سردار اور بزرگ امام عالی مقام فرزند رسول کو دشمنوں کے
گیرے میں تنہا چھوڑ دیا مولانا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہم آپ سے ہرگز جدا نہ ہوں گے بلکہ اپنی جانیں،
اپنے مال اور اپنے اہل و عیال سب آپ پر قربان کر دیں گے اور آپ کے ہمراہ ہو کر لڑیں گے جو
آپ کا انجام ہو گا وہی ہمارا بھی ہو گا، خدا کرے اُس زندگی کا جو آپ کے بعد ہو۔

یہ تو نبی مآشقم کے جرنالوں کی دغا داری، ننگساری اور عزم شہادت اور ولولہ جہاد کا اظہار تھا اس کے
بعد اصحاب و انصار نے یکے بعد دیگرے امام عالی مقام کو حرأت مندانہ اور واہمانہ انداز میں اپنی نصرت
اور قربانیتوں کا یقین دلایا، سب سے پہلے جناب مسلم بن عوسجہ کھڑے ہوئے اور اپنے ہمدردانہ جذبات
کا ان لفظوں میں اظہار کیا، فرزند رسول اب آپ جیب کو دشمنوں میں گھر چکے ہیں اور ظلم و جور سے فضا
بھر چکی ہے، آپ کو اکیدا چھوڑ دیں اور اپنی جانیں بچا کر چلے جائیں، نہیں ہرگز نہیں، خدا کی قسم ہرگز نہیں،
خدا مجھے آپ کے بغیر کبھی زندہ نہ رکھے مولائیں تو آپ کے ساتھ ہو کر لڑوں گا اور اپنی قوت کو
اس جہاد میں خرچ کر دوں گا میں ان دشمنانِ دین کے سینوں میں اپنے نیزے تو لڑ دوں گا اور جب تک
میرا ماتھے قبضہ تلوار پر رہے گا، دشمنوں کی گردنوں پر چلتا رہوں گا اور اگر میرے پاس ہتھیار نہ رہے تو
پتھر توں سے اعدائے دین پر حملہ کروں گا، جب تک کہ آپ کی رفاقت میں شہادت نہ پاؤں گا آپ
سے جدا نہ ہوں گا۔

جناب مسلم کی جو شبیلی اور محبت بھری تقریر کے بعد جناب سعید بن عبداللہ حنفی کھڑے ہوئے
اور کہا یا بن رسول اللہ ہم آپ کو ہرگز نہ چھوڑیں گے، جب تک بارگاہِ خداوندی میں یہ نہ ثابت کر دیں
کہ ہم نے وصیت رسول کی حفاظت کی ہے اور اُس کے غائبانہ حق کی پاسداری کی ہے، اگر مجھے
اس بات کا علم ہو کہ میں آپ کی رفاقت میں ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہوں گا پھر مجھے زندہ بچا
کہ میری راکھ کو ہوا میں اڑا دیا جائے اور متر متر میرے ساتھ یہی سلوک کیا جائے تب بھی میں آپ کا ساتھ
نہ چھوڑوں اور اب جب کہ مجھے یقین ہے کہ ایک ہی مرتبہ قتل ہونا ہے، اس کے بعد دائمی عزت و
کرامت حاصل ہوگی جو کبھی ختم ہونے والی نہیں، بھلا میں کیوں کہ چھوڑ سکتا ہوں۔

اس کے بعد جناب زبیر بن عقیل نے کھڑے ہو کر کہا خدا کی قسم، میں تو اس بات کو دوست رکھتا
ہوں کہ مجھے قتل کرنے کے بعد زندہ کیا جائے اور پھر قتل کیا جائے اور نہ از مر تبہ میں اسی طرح قتل ہوتا

رہوں اور خداوند عالم میرے اس قتل سے آپ کی اور آپ کے اہل بیت کے جوانوں کی جانیں بچائے،
 اس کے بعد باقی اصحاب نے اپنی جانشانوں اور ہمدردیوں کا ذکر کیا اصحاب اہل بیت کرام اور
 اصحاب با وفا کا حوصلہ افزا اور تسلی بخش باتیں سن کر دعا دیتے ہوئے اپنے خیمہ میں تشریف لائے۔
 بعض کتب میں منقول ہے کہ شب عاشور فجر المذلت شریکۃ الحسین جناب زینب سلام اللہ علیہا
 بیان فرماتی ہیں کہ اپنے خیمہ سے باہر نکلی، اپنے بھائی حسین مظلوم اور ان کے اقرباء کے حالات دریافت
 کرنے کے لئے کہا دیکھتی ہوں کہ حسینؑ اپنے ایک علیحدہ خیمہ میں مناجات اور تلاوت قرآن میں تنہا
 مشغول ہیں، میں نے دل میں خیال کیا ہے کہ ایسی ہول بھری رات میں حسینؑ تنہا بیٹھے ہیں، جب کہ ظالموں
 کا وہی مقصود و مطلب ہیں، ایسا نہ ہو کہ کوئی شقی اچانک حملہ کر دے، میں اپنے بھائیوں اور
 بھتیجیوں کے پاس جا کر انہیں حسینؑ کے پاس رہنے کی تاکید کروں، میں اپنے دل کے ہار، عباس
 کے خیمے میں گئی، جب میں خیمہ برادر عباس کے قریب گئی تو کانوں میں کچھ آوازیں آئیں کیا دیکھتی ہوں کہ
 جوانان نبی ہاشم حلقہ بنائے بیٹھے ہیں اور درمیان میں جناب عباس اس طرح ہیں جس طرح ستاروں میں
 چاند ہوتا ہے، وہ مثل شیر گھٹنے ٹیک کر بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنے جوانوں سے خطاب فرما رہے ہیں
 کہ جب کل صبح میدان کارزار گرم ہو تو اصحاب سے پہلے تم لڑائی کی طرف سبقت کرنا اور پہلے اپنی قربانیاں
 پیش کرنا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ بنو ہاشم نے اصحاب کو آگے کر دیا اور خود جانیں بچانے کے لئے رُک
 گئے، یہ سننا تھا کہ جب جناب عباس کے روبرو جوانان نبی ہاشم نے اپنی تلواریں برہنہ کر لیں، ہاشمی
 خون جوانوں کی رگوں میں دوڑنے لگا، اور کہنے لگے ہم آپ کے فرماؤ کے مطابق ایسا ہی کریں گے، جناب
 زینبؑ نے جب ہاشمی جوانوں کے یہ دلولے اور یہ جذبات دیکھے ایک گونہ سکون ہوا اور زینبؑ زہرا
 کے دل سے ان جوانوں کے لئے دعا کیے کلمات نکلے،

ثانی زہراؑ بیان کرتی ہیں کہ واپسی پر میں انصار و اصحاب کے خیام کے پاس سے گزری تو حبیب
 بن مظاہر کے خیمہ سے ہمہ و دم دم کی صدا آ رہی تھی، میں خیمہ کی پشت میں کھڑی ہو گئی، میں نے سنا کہ
 جناب حبیب حلقہ اصحاب میں بیٹھے فرما رہے ہیں، اے اصحاب با وفا کل لڑائی ضرور ہوگی، تلواریں
 چلیں گی، نیزے ہرائیں گے، گودیں ٹکیں گی، تم لوگ جناب بتوں کے غریب و مظلوم فرزند کی حمایت
 کے لئے اکٹھے ہوئے ہو اس میں شک نہیں کہ تم قربانیاں ضرور دو گے مگر میں چاہتا ہوں کہ بھر شہادت
 کے سب سے پہلے شہداء تم ہو، نبی ہاشم سے پہلے جہاد کے لئے تم بڑھو، ایسا نہ ہو کہ ہم سلامت
 رہیں اور نبی ہاشم خون میں غفلان تڑپتے نظر آئیں۔

بزمِ ششم کا ہوتا ہوا خون اور ٹپکتی لاشیں ہم آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے، لوگ کیا کہیں گے کہ اچھے مددگار تھے، ابوطالب کا خاندان کٹا رہا اور اصحاب اپنی جانوں کی حفاظت کرتے۔
جناب حبیب کا کلام سن کر اصحاب کا خون کھول اٹھا۔ مثلِ بزمِ ششم اصحاب نے بھی تلواریں برہنہ کر لیں اور جناب حبیب کو میدانِ قتال میں سبقت کرنے کا یقین دلایا۔
جناب شریکینِ الحسین ثانی زہرا کے دل پر ان دونوں اجتماعوں کا بہت بڑا اثر ہوا، بتولی کی بیٹی بے قرار دل کو ایک گونہ تسلی ہوئی اور اقرباء و اصحاب کے ایشار بھرے بیانات سے علی کی بیٹی کے دل کی دھڑکنیں قدرے کم ہوئیں اور چہرے پر سکون و اطمینان کے آثار ظاہر ہوئے، جناب زینب فرماتی ہیں کہ میں ان واقعات کا ذکر کرنے بھائی حسین کے پاس گئی اور بزمِ ششم اور اصحاب کے عزائم اور پیشکشوں کا ذکر کیا، جناب حسین نے فرمایا بہن زینب! یہ عالمِ درد سے میرے صحابی ہیں اور عالمِ ارواح کے میرے رفیق ہیں۔

امامِ پاک کا اصحاب کو جنت میں اُن کے مکان دکھانا،

انہی کی رفاقت و ہمراہی کا میرے نانا رسولِ پاک نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ اماں جائی! کیا آپ چاہتی ہیں کہ ان کی ثابت قدمی اور پختہ ارادوں کا آپ کو منظر دکھاؤں، میں نے اثبات میں جواب دیا پھر فرمایا کہ بہن آپ خیمہ کی پشت پر چلی جائیں، میں خیمہ کے پیچھے چلی گئی، مولانا اپنے اعزہ و اقرباء کو بلایا، سب حاضر ہو گئے انہیں بیٹھ جانے کا حکم دیا، پھر اصحاب کو بلایا، وہ بھی سب حاضر خدمت ہو گئے، امامِ پاک نے قتل سابق ایک مبلغ خطبہ پڑھ دہر بارہ انہیں نصرت دی اور چلے جانے کو کہا انہوں نے بھی مثل سابق وفادارانہ اور مخلصانہ جوابات دیئے اور شہادت کے خون سے سرخ روئی کا پختہ ارادہ ظاہر کیا۔ امام عالی مقام نے جب ان کا پختہ عہد، پکا قول اور عزم شہادت دیکھا تو معجز نما امام اور وارثِ جنت نے ازراہِ اعجاز فرمایا اپنے سر اوپر اٹھاؤ، آسمان کی جانب نظر کرو اور جنت میں اپنی منازل و مراتب دیکھو، پردے ہٹائے گئے، اعزہ و اصحاب کی آنکھیں تھیں اور جنت کی منزلیں ہر صحابی جنت میں اپنا مکان دیکھ رہا تھا اور ساکنینِ خلد اور حور و غلمان کی محبت بھری صدائیں استقبال کر رہی تھیں، کہ بلا کے پیاسوں کے لئے کوثر کی لہریں چھلک کر بنے ناب ہو رہی تھیں جنت خوش آمدید کہنے کے لئے محو انتظار تھی اور کوثر و تسنیم کے ساغر و فور شوق میں اچھل رہے تھے۔ معتبر روایات میں آیا ہے کہ جناب امامِ مظلوم نے مطمئن ہو کر فرمایا کہ بیشک میں کل قتل کیا جاؤں گا اور تم بھی سب کے سب

میرے ساتھ قتل کئے جاؤ گے، جب شہادت کی بشارت اقرباء و انصار نے سنی تو جناب حسن مجتبیٰ کے تیرہ سالہ شہزادے جناب قاسم نے شوق شہادت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا، کیا میرا نام بھی شہیدوں کی فہرست میں ہے، مولائے اژدہ شفقت و امتحان پوچھا، بیٹھا موت کو کیا سمجھتے ہو؟ جاننا شہزادے نے جواب دیا، چچا جان! میں موت کو شہدے بھی زیادہ بیٹھا سمجھتا ہوں، فرمایا بیٹھا تو بھی شہیدوں میں ہے اور میرا ننھا بیٹا اصغر بھی ہام شہادت پہنچے گا۔ جب جناب اصغر کی موت کا ذکر غیور شہزادے نے سنا، حوٹ پ کر کہا اے چچا جان ہمارے خیمے بھی ظالموں کے ظلم سے محفوظ نہ رہیں گے کیا ظالم ہمارے پردوں میں گھس آئیں گے؟ مولائے فرمایا بیٹھا تیرا چچا اصغر پیاس سے بہت بے تاب ہوگا، خیموں میں پانی نہ ہوگا، یہ معصوم کلی پیاس سے مرجھا جائے گی، میں پانی پلانے کے لئے اپنی آمت سے سوال آب کرنے کے لئے میدان میں لاؤں گا، میرے نانا کی امت بے زبان شیر خوار کو تیرا آب پلانے لگی، جس کی نوکوں سے معصوم کا گلہ چھد جائے گا اور پتھر میرے ہاتھوں پر تڑپ کر شامل شہداء ہو جائے گا۔

بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ شب عاشور جرمعیف الایمان اور طبع زندگانی رکھتے تھے، امام علیہ السلام کو چھوڑ کر چلے گئے تھے، صرف مجلس اور وفادار و جاہل باقی رہ گئے، چنانچہ ایک شب کی مہلت طلب کرنے کی مصلحتوں میں سے ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ کھوٹے کھرے الگ ہو جائیں اور میں اپنے انصار و اصحاب کا امتحان لے لوں اور حقیقت حال سے آگاہ کر دوں تاکہ کوئی صحابی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہ جائے اور جو شہادت پائے بصیرت حاصل کر کے اور سوچ سمجھ کر یہ مرتبہ پائے اور جو مانا چاہے انتہائی سوچ بوجھ سے قدم اٹھائے، جیسا کہ ایقان القلوب میں بروایت کتاب نورالعین یہ روایت ہے جسے صاحب معالی السبطین نے وقائع یلۃ عاشوراء میں ذکر کیا ہے۔ جناب سید بنت الحسین بیان فرماتی ہیں کہ میں اس چاندنی رات میں اپنے خیمہ میں بیٹھی ہوئی تھی، میں نے خیمے کے بیچھے سے رخصنے کی آواز سنی، میں خاموشی سے اپنے خیمہ سے نکلی اور اس پریشانی میں مجھے خیر نظر نہیں آتی تھی، میں گھڑا میں بابا کے خیمے کے قریب گئی، کیا دیکھتی ہوں، میرا مظلوم بابا خیمہ میں گریاں و پریشاں بیٹھے ہیں، اور اصحاب آپ کے گرد و گرد جمع ہیں، میرے بابا اصحاب سے یہ خطاب فرما رہے تھے

لوگو! جان لو! تم میرے ہمراہ آئے ہو، اس وجہ سے کہ میں ایک ایسی قوم کے پاس جا رہا ہوں جنہوں نے زبان و دل سے میری بیعت کر لی ہے۔ اور اس خیال سے تم میرے ساتھ آئے تھے کہ وہ قوم میری حمایت کرے گی اور بظاہر مجھے کامیابی ہوگی لیکن معاملہ برعکس ہے، حالات بدل گئے ہیں،

جنہوں نے بلیا اور بیعت کی تھی، وہ شیطان کے غلبہ میں آ گئے ہیں، دنیا کے پرستار بن کر خدا کو جھوٹ گئے ہیں، آخرت کو چھوڑ کر ان لوگوں نے دنیا پسند کر لی ہے، میں تمہیں حقیقت حال ظاہر کئے دیتا ہوں اب ان لوگوں کا قصد میرے اور میرے ساتھیوں کے قتل کے سوا کچھ نہیں، میری شہادت کے بعد میرے اہل حرم کو قید بھی کریں گے۔ ہمارے خیموں کو ٹوپ لینے کے بعد جلائیں گے، وہ ہر قسم کا ظلم و ستم کریں گے۔ میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں، تم جانتے ہو یا نہیں جانتے اور اگر جانتے ہو اور جیاد شرم کی وجہ سے مجبور ہو کر رگڑے ہوئے ہو تو میں تمہیں کسی دھوکہ میں نہیں رکھنا چاہتا، صاف بتائے دیتا ہوں اور حالات کو پردہ میں مخفی نہیں رکھتا، کل یہ نہ کہنا کہ ہم حسینؑ کے ساتھ دھوکہ میں آ کر مارے گئے، جو ہمارے ساتھ رہنا چاہے، ان حالات کو سامنے رکھ کر رہے اور جو جانا چاہے، رات کا پردہ ہے، راستہ صاف ہے اور وقت بھی ہے، چلا جائے۔

بعض روایات میں ہے کہ چراغ جل رہا تھا، مولائے چراغ بھانے کا حکم دیا، کہ روشنی میں جانے سے شرم کریں گے تاریکی میں جانے سے کوئی، بچکچا ہٹ نہ رہے گی۔

روایت میں ہے کہ ادھر کلام امام ختم ہوا، ادھر دس دس اور بیس بیس افراد کا گردہ تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نکلنے لگا، صرف وہی باقی رہ گئے کہ جو دنیا کے پیکر، ایمان کے پختہ اور عزم کے پہاڑ تھے۔ جناب سکینہؑ بیان کرتی ہیں کہ میں نے بابا کو دیکھا کہ سر کو جھکائے، اُمت کی بے وفائی اور اپنی بے بسی و مظلومی اور ہماری غریبی و تشنہ دہانی پر آنسو بہا رہے تھے، میں نے بابا سے تو کچھ نہ کہا کہ اس دکھ درد کے عالم میں بابا مجھے دیکھ کر زیادہ بے تاب ہو جائے گا۔ ماں میں نے آسمان کی طرف نظر کی تاروں کو دیکھا، عبرت ملو گیر ہوئی، اتنا کہا الہی! ان لوگوں نے ہمیں بلا کر پردیس میں بے مدد چھوڑ دیا اور دشمنوں کے حوالہ کر دیا، ہر طرف سے راستے بند کر دیئے، ہم نرغہ اعداء میں گھر گئے ہیں، نہ گھر جاسکتے ہیں اور نہ یہاں کوئی مدد گاہ پاتے ہیں۔

خدا یا جس طرح ان لوگوں نے ہماری مدد سے ہاتھ کھینچ لیا تو بھی ان کی مدد نہ کرنا، ان کی دعا نہ سنا اور زمین میں انہیں سکھ کی تادیب سکونت بھی نہ دینا، ان پر فقر و فاقہ مستط کر دے، جس دنیوی لالچ پر انہوں نے یہ اقدام کیا ہے، اس سے ان کو محروم رکھ اور میرے جد امجد کی شفاعت روز قیامت انہیں نصیب نہ کر۔

بعض روایات میں وارد ہے کہ جب امام عالی مقام نے اصحاب کا امتحان لے لیا، بد نصیب جانے والے جا چکے اور کامیاب ہونے والے خوش نصیب کامیاب ہو گئے تو امام ختام میں

تشریف لے گئے، جناب زینب علیہ نے دریافت کیا بھائی جان آپ نے باقی زندہ اصحاب کو اچھی طرح پرکھ لیا ہے ایسا نہ ہو کہ میں وقت پر یہی چھوڑ کر چلے جائیں، امام پاک نے دیکھی ہیں تو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اپنے سچے ساتھیوں کا اچھی طرح جائزہ لے لیا ہے، وہ حق کی حمایت میں میرے پوری طرح جانثار ہیں اور موت سے اس طرح مانوس ہیں جس طرح بچہ ماں کے دودھ کے ساتھ مانوس ہوتا ہے، جناب نافع بن بلال و زبیر پر یہی بھائی کی یہ گفتگو سن رہے تھے، انہوں نے اصحاب با دنا کے پاس جا کر کہا کہ اٹھو اور رسولؐ زادوں کو اپنی قربانیوں اور وفاداریوں کا یقین دلاؤ تاکہ تمہارے پُر خلوص اور پختہ ارادوں کو جان کر بتول کی بیٹیاں جیوں میں مطمئن ہو جائیں، یہ سن کر سید ابی بن مظاہر اور دوسرے اصحاب با صفا حیمہ کے دروازے پر حاضر ہوئے اور مخلصانہ جذبات مضبوط ارادوں اور جانثاریوں کا پُر زور الفاظ میں یقین دلایا، بیبیوں نے روتے ہوئے اور دعا دیتے ہوئے فرمایا اے پاکیزہ نفس صحابیو! اولاد نبیؐ اور ذریت علیؑ کی خوب حمایت کرو۔

اصحابِ حسینیؑ کی قدر و منزلت

جناب آدم سے لے کر آخر زمانہ تک ہر دور میں انبیاء و مرسلین اور اوصیائے مقررین کے صحابی گزرے ہیں لیکن امام حسینؑ کے اصحاب اپنے عزم و یقین اور خلوص و وفائیں سب سے ممتاز ہیں، تعداد میں تو بقیل تھے، لیکن صدق و سفا اور ایمان و عمل میں یہ سب پرورنی تھے، ایمان و یقین ان کی رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا، حق کی حمایت اور نصرت دین میں انہوں نے زندگی کے تعلق ختم کر لیا تھا، موت کی تمنائیں اور شوق شہادت میں رات بیقرا کی کے ساتھ کافی، ایک بڑھے صحابی کا ذکر ہے کہ ضعیفی کی وجہ سے اُس کی آنکھوں کی پلکیں بڑھ آئی تھیں، جب دیکھا ہوتا تو پلکیں اٹھا کر دیکھتے، لیکن عزم و ہمت میں وہ منزلِ شباب پر تھے، جسمانی طور سے ضعیف تھے لیکن حوصلے کے لحاظ سے جبرانِ شہنشاہِ چنانچہ وہ صحابی شبِ عاشور اپنی تلوار کو تیز بھی کر رہے ہیں اور دوسرے ساتھی سے پوچھتے ہیں، صبح کب ہوگا، رات کتنی باقی رہ گئی ہے، میری تلوار میرے ماتھے میں ہائی، اب کی طرح تڑپ رہی ہے چنانچہ روزِ عاشور جب کہ میدانِ کربلا میں گھوڑوں اور پیادوں کی ددڑ سے عباد بلند ہوا، نیزے ہوا میں لہرانے لگے، تیر کمانوں میں رکھے گئے، تلواریں نیام سے باہر آ گئیں، تو یہ لوگ مردانہ وار فرزندِ رسولؐ پر جانیں قربان کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے اور میدانِ کارزار میں اس شوق سے داخل ہوتے تھے جس طرح مچھلی پانی میں جاتی ہے اور لکڑی

پراس دلیبری کے ساتھ حکم کرتے تھے، جس طرح شیر شکار پر چھپتا ہے، رفاقتِ امام کے مزے میں انہیں دنیا کی تلخیاں اور شہادت کے شوق میں زخموں کے درد محسوس نہ ہوتے تھے، جب تیر آتے تو گریبان کھول کر برہنہ سینوں کے ساتھ اُن کا استقبال کرتے، نیزوں کے وارہ وڑ کر اپنے بدنوں پر لیتے، تلواروں کی تیز دھاریں اور تیروں کی نوکیں انہیں شہد سے زیادہ شیریں لگتیں۔ یہ بحر شہادت کے شنار تھے جو کامیابی کے ساتھ اس کو غور کر کے جنت کے کنارے جا لگے انہوں نے خون کی مہندی لگا کر عروسِ موت کو گلے لگایا، آلام و مصائب کی چٹانوں کے ساتھ ٹکرا کر انہیں پاش پاش کر دیا۔ رنج و غم کی آندھیوں کے ساتھ ان کی ہمت کا چراغ کڑا کر دیتا رہا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب تک ایک صحابی بھی زندہ رہا، اہل بیت کے کسی فرد پر آہنج نہیں آنے دی، یہ لوگ آسمانِ صدق و صفا کے تارے اور معدنِ خلوص و وفا کے ابدار موتی تھے، میدانِ کارزار کے سرفروش مجاہد، پیشہ شجاعت کے شیر دلیر اور عزم و ہمت کے پہاڑ تھے، اسی لئے تو جناب سید الشہداء ان کی بے مثال و ناؤں اور بے نظیر قربانیوں پر فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جیسے میرے اصحاب ہیں ایسے کسی کے اصحاب نہیں اور جناب محبت علیہ السلام ان لفظوں میں انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں

وَأُمِّي طَيْبَتِ الْأَرْضَ الَّتِي فِيهَا دُفِنْتُمْ وَفُتُومُ وَاللَّهُ فَوْزاً عَظِيماً۔

میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں تم خود بھی پاک ہو گئے اور وہ زمین بھی پاک ہو گئی جس میں تم دفن کئے گئے بخدا تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔

شب عاشور کا ایک خاص واقعہ

گو بعض مؤرخین مثلاً صاحب لہوف وغیرہ نے اس واقعہ کو جناب امام پاک کے ورود کر بلا کے بعد کسی دن کا واقعہ تحریر کیا ہے مگر اکثر مؤرخین نے شب عاشور کے واقعات میں دسویں دن کو ہی ہم انہی کے مطابق اسے اس شب کے واقعات میں درج کرتے ہیں۔

جناب سید سجاد بیان کرتے ہیں کہ میں دسویں کی رات اپنے بسترِ علالت پر بیٹھا تھا اور میری پھوپھی جناب زینبؓ میری تیمارداری کر رہی تھیں، اس آثناء میں میرے والد بزرگوار ایک علیحدہ خیمہ میں شریف لے گئے جو میرے خیمہ کے نزدیک تھا، اس وقت جناب ابوذر غفاری کا غلام جون جناب کی خدمت میں موجود تھا جو آپ کی تلوار کو حیف نقل کر رہا تھا بعض روایات کے مطابق حضورؐ اپنی تلوار کو درست کر رہے تھے، اس وقت زمانہ کی بے وفائیوں اور انقلابِ دہر کا شکوہ فرماتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

يَا دَهْرُ أَفَتَ لَكَ مِثْ خَلِيلٍ كَدَكَ بِأَلْ شَرِاقِ وَالْأَسِيلِ
 بطور مجاز زمانہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے یہ فنا زمانہ تیری دوستی پر پخت ہے
 تو دفاتر ساتھی نہیں ہے۔ تجھ پر بھروسہ نہیں صبح و شام میرے ماتھوں کتنے
 مین طالب و صاحب قتیل، وَاللَّهِ هُوَ لَا يَفْتَحُ بِلَيْدِيلِ
 طالب حق اور ساتھی قتل کئے جاتے ہیں اور زمانہ مطلوب ہی کو قتل کرتا ہے اس کے بدل پر
 تمناعت نہیں کرتا۔

كُلُّ حَيٍّ سَالٍ سَبِيلِ مَا أَقْرَبُ الْوَعْدِ مِنْ رَحِيلِ
 ہر زندہ موت کی راہ پہنچنے والا ہے۔ اُسے ایک دن مرنا ہے۔ ماں دنیا سے کوچ کرنے کا
 وعدہ کس قدر قریب ہے۔
 رانماؤلاً موالی الجلیل۔ تمام معاملات تو رب جل جلالہ کے قبضہ قدرت
 میں ہیں۔

جب والد ماجد نے یہ اشعار بار بار پڑھے تو میں سمجھ گیا کہ بابا جان اب زندگی سے قطعاً بایوس ہو
 چکے ہیں اور مصیبت نازل ہو چکی ہے۔ اور ہمارے گھر کی بربادی اب یقینی ہو چکی ہے۔ کیونکہ اشعار
 کا مطلب یہ تھا کہ زمانہ بدل گیا ہے۔ اور اس نے مصیبتوں کا رخ ہماری طرف پھیر دیا ہے۔
 بہتر بیماری پر دردناک حالات اور آنے والے واقعات میری آنکھوں کے سامنے پھرنے
 لگے۔ تاہم میں نے ضبط کر لیا، آنکھوں کو تابو میں کر کے آنسوؤں کو روک لیا، مگر میری چھوٹی ممدت
 یہ اشعار سن کر تاب ضبط نہ لاسکیں، عورتیں رقیق القلب ہوتی ہیں، بھائی کے دردناک اشعار سن کر بہن
 کا دل بھر آتا، وہ جبری بیمار داری بھول گئیں اور بے قرار ہو کر اٹھیں اور اس طرح بے تاب ہو کر اٹھیں
 کہ چادر کے گونے زمین پر خط دے رہے تھے، اپنے بھائی کے خیے میں جا کر بھائی کے گلے میں باہیں ڈال
 کہا، اماں جایا ایسی بات تودہ کرتا ہے جو زندگی سے بایوس ہو چکا ہو، بھائی کیا موت کا یقین ہو
 چکا ہے۔ اماں جایا! آپ کے اس کلام نے بہن کو دلگیر کر دیا ہے۔ اماں نے پوچھا۔ نعم یا اُختہ،
 ماں بہن تیرا سہارا ختم ہونے والا ہے، تیرا بھائی زندگی سے بے آس ہو چکا ہے، مظلوم بھائی اور
 باپوس برادر کا یہ کلام سن کر زہر ہل جائی زیادہ بے قرار ہو گئی اور کہا۔ وَابْتَكَاهُ لَيْتَ الْمَوْتُ أَغْدَ مَنِ
 الْجِلْفَةُ الْيَوْمَ مَا نَتَّ أُمِّي قَاتِلَةٌ وَأَبِي عَمِي وَارْحَى الْحَسَنُ يَا خَلِيفَةُ الْمَاضِينَ وَتَمَالِ الْبَاقِينَ
 ہائے افسوس! کاش موت میری زندگی آپ سے پہلے ختم کر دیتی، اے وفات پانے والوں

کے ہانشین اور باقی زندوں کے سہارے، میں تو سمجھی کہ آج میری ماں نہ ہڑاس دنیا سے اٹھی ہیں۔ بابا علی بھی آج ہی نصرت ہوئے ہیں، بھائی سمن نے آج ہی شہادت پائی ہے، کیونکہ ان کی وفات کے بعد آپ سہارا تھے، اماں بابا جب میں آپ کو دیکھتی تو ان کی وفات کا صدمہ کم ہوجاتا اور تیری زندگی سے ان کی موت کا غم ہلکا ہو گیا تھا، مگر جب آپ مجی ہمیں بے آسرا بیگانے ملک جنگل بیابان اور بے رحم دشمنوں میں چھوڑ کر ناٹا، بابا، اماں اور بھائی کے پاس بارہے ہیں اور ہم بے آسرا رہ گئے ہیں تو اب ان کی موت کا صدمہ بھی تازہ ہو گیا ہے۔ ایران کی جدائی بھی اب یاد آگئی ہے میرے نزدیک تو جس پاک کی موت اب واقع ہو رہی ہے۔ امام پاک نے جب بہن کی اس درجہ بے تہی دیکھی، شفقت بھرے لمحے میں نسی دی مگر خود بھی کسی قدر رنے قابو ہو گئے اور آنکھیں منہ ابرا آفسو برساتے لگیں۔ بہن بھی رورہی تھی اور بھائی بھی رورہا تھا، بھرائی ہوئی آواز میں نراناں مان پائی! ہر زندہ کو ایک دن مزا ہے، آپ ایسا صبر کریں کہ قیامت تک آپ کے صبر کی مثال نہ پیش ہو سکے۔ جناب سجاد فرماتے ہیں کہ یہ سن کر پوچھو بھی اماں نے پوچھا یا دیا آہ! اَفْتَعَصِبِي نَفْسًا اَعْتَصَابًا فَاِذَا لَكَ اَقْرَبُ لِقَائِي وَاشْدَّ عَلٰی نَفْسِي اَلَيْسَ اَفْسَوْسًا اَلَا اَبِمْ سَجِينٍ لِّئَلَّا يَجَائِسَ كَعِي؟ یہ بات تو میرے دل کو مجروح کرنے والی ہے، اور مجھ پر سخت گراں ہے۔

بہن بھائی کی یہ غمناک باتیں، زندگی کی آخری رات میں موت کی باتیں، سارے خاندان کی تباہی، سارے گھروں کی بربادی کا منظر اور مستقبل کا بھیا نک تصور چاہنے والی بہن کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ یہ صرت حسین کی موت کا تصور تھا بلکہ بنی ہاشم اور آل محمد کی بربادی کا نقشہ سامنے تھا۔ صرت کہ بلا کا خاکہ نہ تھا بلکہ کوفہ اور شام کے بازاروں اور درباروں کی بھیا نک تصویریں سامنے تھیں، پر رھنے والے پڑھ دیتے ہیں اور سننے والے سن جیتے ہیں، کہتے دالے مکھ جاتے ہیں، لیکن اصل حقیقت تو بہن بھائی ہی سمجھتے ہیں، بھائی بہن کو اپنی موت کی یقینی خبر سنارہا ہے اور ساتھ ساتھ صبر کی تلقین بھی کر رہا ہے۔ بتوں کی پیٹی شیر دل بیٹن تھی، اماں کی طرح صابرہ زہنی، مگر بات معمولی نہ تھی، ہزار غصہ کیا، لیکن اب تاب نہ ہوئی تھی، سر سے پادر گمر پڑی، منہ پیٹ یا اور نہ ٹرا کی پیاری غش کھا کہ گمر پڑی۔ جناب زینب کا بے ہوش ہو کر گرنا تھا، سیاد کا بابا بھی بے تاب ہو گیا، طبیعت بے چین ہو گئی، سجاد نے اٹھنے کی کوشش کی مگر بیماری نے ہنر سے اٹھنے نہ دیا، مولانا نے اذان میں لانے کی بہت کوشش کی غائب پہلا موتہ تھا کہ علی کی شیر دل بیٹی سنبھل نہ سکی اور غش کا لٹی، آخر چھ دیو کے بعد طبیعت سنبھل، مولانا نے یہ تو نہیں فرمایا کہ میں زندہ رہوں گا، کیونکہ یہ تو یقینی بات تھی ماں

تسلیاں دینے کی موٹا سنے ہوئی کوشش کی، شفقت اور پیار کے ہیے میں پاؤں کی تلیاں بھی مل رہے ہیں اور ان غفلوں سے تسلیاں بھی دے رہے ہیں۔

يَا أَهْلَ الْاُخْتَاهِ تَعَزَّيْ بَعْزًا مِنْ اللَّهِ وَاعْلَمِي أَنَّ أَهْلَ الْأَرْضِ يَمُوتُونَ وَأَنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ لَا يَمُوتُونَ
وَأَنَّ كُلَّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَ اللَّهِ الَّذِي خَلَقَ الْخَلْقَ بِقُدْرَتِهِ وَيَبْعَثُ الْخَلْقَ وَلِيُعِيدَهُمْ
وَهُوَ فَرْدٌ وَحْدَى حَيٌّ مَعْنَى، وَأَخِي خَيْرٌ مَعْنَى رِجَالٌ مُسْلِمُونَ بِرَسُولِ اللَّهِ أَسْوَدُ الْيَمِينِ! اللَّهُ كِي
رضنا پر راضی رہ کر صبر و ضبط سے کام لو اور جان لو کہ تمام اہل زمین مرجائیں گے اور آسمان والے بھی پانی
نہ رہیں گے ہر شئی فنا ہونے والی ہے سوائے ذاتِ خدا کے جس نے مخلوق کو اپنی قدرتِ کاملہ کے
سامنے پیدا کیا اور پھر وہی مخلوق کو دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے گا وہ اکیلا لا شریک ہے
اماں جانی! میرے نانا، میرے بابا اور بھائی مجھ سے بہتر تھے وہ سب چلے گئے ہیں بھی چلا جاؤں
گا اور ہر مسلمان کو خدایا رسول اللہ کی سیرت کو اپنا ناچا بیٹے۔

— :: —

مگر اس وقت پچھتانے سے کیا ہوگا، عمل کا وقت تو گزر چکا وہ توبہ کے کا وقت ہوگا۔ انسان ابھی دنیا عمل کا وقت ہے۔ خواب غفلت سے ہر شبیار ہوا تیرے دنیا کے عملوں کا ریکارڈ سرکارِ احدیت میں محفوظ ہے۔ اور سرکارِ وحدانیت کے اہل کاروں نے تیرے کردار کا دفتر تیار کر رکھا ہے جو قبر سے اٹھنے کے وقت تیرے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ سورہ اسراء ۱۵ میں ہے: **وَكُلُّ الشَّيْءِ أَنزَامُهُ طَائِفَةٌ فِي عِصْمَةٍ ط وَخُرِجَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ۝ اقْرَأْ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ فَلَيْتَ حَبِيْبًا ۝** ہم نے ہر انسان کی گردن میں اس کا طائر نامہ اعمال لازم کر دیا ہے۔ ملا دیا ہے اور روزِ قیامت ہم اس کے نامہ اعمال کو نکالیں گے ایک کتاب کی صورت میں جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا، لے کر پڑھے اپنے کلمے ہوئے اعمال کو آج تیرا نفس ہی تیرے لئے حساب کرنے والا کافی ہے۔ یعنی تیری دنیوی زندگی کی کارگزاری تیرے سامنے ہے اب سمجھ لے کہ تو کس قسم کے بدلے کا مستحق ہے، اسی واسطے حدیث شریف میں **حَاسِبُوا اَقْبَلَ اَنْ تَحْاسِبُوْا** تمہارا حساب لئے جانے سے پہلے تم خود اپنا حساب لے لو۔

احوالِ قیامت کو ایک شاعر نے بہترین نظم میں پیش کیا ہے۔ اور آیاتِ قیامت کا شعروں میں بہترین ترجمہ کیا ہے۔

پھونکے گا جب کہ صور سرِ اریل نالہ	اس وقت اسے محبوبِ قیامت ہوا آشکار
زندہ کوئی رہے گا نہ باقی جہان میں	ہر شخص کو فنا ہے بجز ذاتِ کریم
لرزہ ہو اس زمین کو ایسا کہ الحسدر	اور یوں اڑیں پہاڑ کہ جیسے اڑے غبار
شمس دگر سیاہ ہوں اور گرے بڑی نجوم	اور آسمان کے ٹکڑے ہوں پھٹ کر کٹی ہزار
بیزکر پچھے صور کا ہے تم نے جو شتا	شدت سے جس کی زبرد ہوں کو ہمار
اور بعد اس کے صور وہ پھونکے گا دوسرا	مرنے کے بعد زندہ ہو ہر ایک جاندار
وہ دن ہے ترش اور نہایت ادا اس ہے	ہوں سے اور سختیوں سے پر ہے وہ ہمار
ہوگی خبر کسی کو کسی کی نہ ہوں سے تو	کام آئے گا کسی کے نہ اس دن عز و ہمار
بھاگے گا بھائی بھائی سے ادا ہے پسر	زوجہ سے اور پسر سے کوئے گا ہر اک فرار
اس دن کی سختیوں سے بہت خوف ہے مجھے	کیا جانے کہ کیسی مصیبت میں ہو گزار

صدقہ رسولِ پاک کی عزت کا اسے خدا

اس دن مجھے علی کے محبتوں میں کر شمار

لکھا ہے کہ اس روز لوگ قبروں سے مختلف ٹولوں اور مختلف شکلوں میں نمودار ہوں گے۔ ایک روز

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوالیوب انصاری کے گھر تشریف فرما تھے، معاذ بن جبل صحابی نے حضور پاک سے اس آیت (إِنَّ يَوْمَ الْفُضْلِ كَانَ مِيقَاتَانَهُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ نَافَا تُونَ أَنْفَاجًا) تحقیق وہ فیصلہ کرنے اور خلائق کو اعمال کی جہاز دینے کا دن ہے، خدا کے نزدیک مقرر ہے جس دن صور بھونکا جائے گا، اس دن تم گمراہ گمراہ بن کر آؤ گے) کی تفسیر پڑھی، حضور نے فرمایا اے معاذ تو نے راسر عظیم کے متعلق دریافت کیا ہے، اس کے بعد حضور آبیدہ ہودے اور فرمایا کہ میری اُمت میں سے دس قسم کے اُسیروں کو مومنین سے جدا کر کے میدانِ حشر میں پیش کیا جائے گا۔ (۱) بندروں کی صورت میں ہوں گے (۲) خنزیریوں کی صورت میں ہوں گے (۳) اٹلے سر کر کے بل چلتے ہوں گے (۴) اندھے ہوں گے (۵) گونگے اور بہرے ہوں گے (۶) ایک گروہ ہو گا جو اپنی زبانوں کو چاتا ہو گا، ان کی زبانیں سینز تک بڑھ آئی ہوں گی اور ان سے گندہ پانی اور پیپ جاری ہو گی کہ قیامت کے لوگ اس کی بدبو سے اذیت پائیں گے (۷) ماتھے اور پاؤں کے ہونے ہوں گے (۸) آگ کی سولی پر لٹکتے ہوں گے (۹) ایک گروہ اس قسم کا ہو گا کہ ان کے بدنوں سے مُردار کی بو آئے گی (۱۰) قطران ایک گندہ روغن ہے جس کے مجھے (ایک قسم کوٹ) پہنے ہوں گے اور وہ مجھے ان کے بدنوں میں چھپے ہوں گے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ان گروہوں کی تفصیل بتائی (۱۱) جو لوگ سخن چین اور جھلیاں کھاتے تھے وہ بندروں کی شکل میں آئیں گے (۲) اور سولوں کی شکل میں وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں حرام کھاتے تھے، حلال و حرام کے درمیان تمیز نہیں کرتے اور حرام کھاتے ہیں۔ حرام ذریعہ سے کمانے والے اور حرام کی کمائی کھانے والے (۳) اٹلے چلنے والے وہ لوگ ہوں گے جو سود خوار ہوں گے سود حرام ہے اور سود کھانے والے روزِ محشر سر کے بل چل کر آئیں گے (۴) ظالم اور ظلم کے حکم دینے والے اندھے محشر ہوں گے (۵) اپنے اعمال پر ناز کرنے والے اور دیا کار لوگ گونگوں اور بہروں کی شکل میں ہوں گے (۶) جو گروہ زبانیں چبانے والا ہو گا وہ ماضی فیصلہ کرنے والے جو جان بوجھ کر طمع دنیا یا جانبداری کا پاس کرتے ہوئے غلط فیصلہ کریں گے اور وہ علماء و اعلیٰین اور مجمع عام میں بیان کرنے والے لوگ جن کا عمل ان کے قول کے خلاف ہے لوگوں کو نیکی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور خود نیکی نہیں کرتے (۷) ماتھے اور پاؤں ان لوگوں کے کٹے ہوں گے جو ہمایہ اور پڑوس میں رہتے والوں کو ناحق اذیت دیتے تھے (۸) آگ کی سولی پر وہ لوگ ہوں گے جو بادشاہوں، امیروں اور حاکموں کے پاس نیک اور دیانت دار شریفوں کی شکایت کرتے تھے اور امر اور دوسا کی خوشامد میں حق کو چھپا کر اور حق والوں کے خلاف باتیں کرتے تھے (۹) جن

لوگوں کے بدنوں سے مردار سے زیادہ بڑھے گی وہ، وہ لوگ ہوں گے جو خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی کرتے تھے اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے، نفسانی لذت کے واسطے ناجائز باتیں کرتے تھے اور حقوقِ خدا کو ادا نہ کرتے تھے، (۱) فطرتِ کلاباس پہنے والے مغرور و تکبر پسند کے۔ علاوہ ازیں احادیثِ مبارکہ میں اس قسم کے اور گروہوں کا ذکر بھی ہے جن میں مختلف قسم کی بدکاریاں پائی جاتی ہیں اور جنہوں نے دنیا میں ہر قسم کا فسق و فحور کیا، حقوقِ خدا ضائع کئے، حقوقِ بندگانِ پائمال کئے یہ لوگ کافر اور مشرک نہیں، اُمتِ رسولؐ کے بدکار آدمی ہوں گے جو اعمال کی سزا بھگتتے کے لئے قبروں سے اٹھیں گے اور ان شکلوں میں نمودار ہوں گے۔

ایک معقول سوال اور اس کا معقول جواب

عام طور پر سوال کیا جاتا ہے کہ جو لوگ قبروں میں دفن ہوئے وہ تو روزِ قیامت قبروں سے اٹھائے جائیں گے لیکن جن لوگوں کو قبریں نصیب نہیں ہوئیں مثلاً "دیبا میں غرق ہوئے اور آبی جانوروں کی غذا بنے یا درندوں نے انہیں چیر بھاڑ کر کھایا اور وہ درندوں کے پیٹ میں چلے گئے یا جو زندہ یا مردہ آگ میں جلانے گئے اور جس طرح کہ کفار اپنی بہنوں کے مطابق اپنے مردوں کو آگ میں جلاتے ہیں اور ان کی قبریں نہیں ہوتیں وہ کہاں سے محشر کے جائیں گے؟

اس کا جواب قدرے تفصیل سے ہم نذر قارئین و سامعین کرتے ہیں۔

انسان تین چیزوں سے مرکب ہے۔ بدن، نفسِ ناطقہ اور روح بعض کے نزدیک روح ہی نفسِ ناطقہ ہے، اس طرح انسان دو چیزوں در روح اور بدن سے مرکب ہے، گو ثواب و عقاب کی مورد روح ہے مگر تنہا نہیں، اسلامی نظریہ کے مطابق روح خالی از بدن جزا و سزا کی مستوجب نہیں بلکہ روح مع جسم مورد ثواب و عقاب ہے، اس لئے بدنِ انسانی کو زندہ کر کے روح اس میں داخل کر کے اسے ثواب یا عذاب دیا جائے گا۔

انسان قبر میں دفن ہونے کے بعد قبر میں بھی صحیح و سالم نہیں رہتا بلکہ کل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے اور مٹی میں مل جاتا ہے اور اس کے بدن کے اجزاء منتشر ہو جاتے ہیں لیکن وہ اجزاء اجزاء کی صورت میں باقی رہتے ہیں شکلیں معدوم ہو جاتی ہیں، صورتیں مٹ جاتی ہیں، انسان اربعہ عناصر سے مرکب ہے، خاکی اجزاء خاک میں، ہوائی اجزاء ہوا میں، آبی آب میں اور تازی ناریں مل جاتے ہیں، اس طرح آدمی قبر میں دفن ہو جائے یا جل جائے یا کسی جانور کے پیٹ میں چلا جائے تو اس کا بدن

گھل مل جائے گا ترکیب ختم ہو جائے گی مواد تجلیں ہو جائے گا مگر اس کے ذرات عنصری اجزاء کی حالت میں باقی رہ جائے گی اور جسم انسان کے اجزاء اصلیت جوں کے توں اس دنیا میں باقی رہ جائیں گے اور روز قیامت خالق عظیم و حکیم اپنی اجزاء اصلیت کو وہ جہاں بھی ہوں گے اکٹھا کر کے وہی سابق اور اصلی بدن بنا کر اس کی روح اس میں داخل کر کے زندہ کرے گا اور میدان محشر میں اسے لائے گا خداوند عالم قادر ہے، اسے طاقت ہے کہ ان اجزاء کو وہ کہیں بھی ہوں، جمع کر کے وہی سابق بدن بنائے جس ذات قادر و عظیم و حکیم نے انسان کو عدم محض یعنی بالکل نیست سے پیدا کیا، کیا وہ اجزاء کو اکٹھا کر کے وہی سابق بدن نہیں بنا سکتا، قبر میں بھی تو انسان کا بدن سالم نہیں رہتا، وہ بھی مٹی میں گھل مل جاتا ہے اسی طرح دریا بُرد، جانوروں کا نوالہ آگ میں جلا ہوا بدن ختم ہو جاتا ہے، اجزاء اصلیت تو باقی رہتے ہیں، اس کا علم وسیع ہے اُسے علم ہے کہ فلاں آدمی ڈوب جانے والے، جانوروں کے پریٹ میں چلے جانے والے، آگ میں جل کر رکھ ہو جانے والے اجزاء کہاں ہیں، اپنے علم اور قدرت سے ان کو اکٹھا کر کے بدن کی شکل میں جوڑ کے ان کی روئیں ان میں داخل کر کے مینٹو فرمائے گا اور حساب و کتاب کے لئے عرصات محشر میں لا کھڑا کرے گا ”وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ جو ذات پاک تمام جہازوں کو پیدا کر سکتی ہے اور اس میں ہر قسم کی مخلوق کی پرورش کر سکتی ہے جب کہ سارے جہان اور جو کچھ ان میں ہے اس کے قبضہ قدرت و وسعت علم میں ہیں اور جو قیامت قائم کر سکتی ہے وہ ہر قسم کے مردہ کو زندہ نہیں کر سکتی۔

جناب عزیر علیہ السلام کا ایک مردہ لبتی کے پاس سے گزرنا اور حیران ہو کر کہنا کہ یا خدا ان پُرانی گلی سڑی ہڈیوں کو کیونکر زندہ کرے گا اور وہیں جناب عزیر علیہ السلام کو سو سال تک مردہ رکھ کر دوبارہ زندہ کرنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پرندوں کے فنج کھانے کا حکم دے کر ان کے گوشت کا قیمہ کر کے جدا جدا پہاڑوں پر رکھنا پھر حضرت خلیل علیہ السلام کا ان کو بلانا اور ان کے اجزاء کا باہم مل کر پرندوں کی صورت اختیار کر کے دوڑ کے بحکم جلی حضرت خلیل کے پاس جانا اس کی قدرت کی واضح نشانیاں ہیں۔ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمَلَكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، شکم مادر میں رحم کی تاریکیوں میں نقطہ انسانی داخل ہوتا ہے وہ ایک نقطہ ہے، لیکن اس میں پورا انسان پوشیدہ ہے جس حکمت و قدرت سے رحم مادر کے اندھیروں میں جسم انسانی تیار ہوتا ہے اسی پانی کے اجزاء مرحلہ وار ارتقائی درجہ طے کرتے ہوئے بازو والے اجزاء بازوؤں میں، پاؤں والے پاؤں اور لے دل میں

جگر والے جگر میں، ناک والے ناک میں، کان والے کان میں، آنکھ والے آنکھ میں، دماغ والے دماغ میں چلے جاتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد رحم مادر کے قدرتی کارخانے میں کیماٹی تبدیلیوں کے بعد ایک صحیح تندرست سالم بچہ بن کر شکم سے باہر آجاتا ہے، اسی طرح روزِ جزا اس کے بکھرے ہوئے اجزاء قادرِ حکیم کی قدرت و حکمت سے اپنے اپنے صحیح مقام پر پہنچ کر بدنِ انسانی کی سابق صحیح شکل اختیار کر لیں گے۔

اے معترض انسان اگر تو اپنی پیدائش پر غور و فکر کرے تو معادِ جسمانی تیری سمجھ میں آسانی آجائے گا جیسا کہ اس کا ارشادِ گرامی ہے: **كُنْتُمْ أََمْوَآتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ مُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ** تم مردہ تھے، پیدائش سے قبل بھی تم مردہ تھے، کوئی قبر میں تھے، کس جانور کے پیٹ میں تھے، کہاں جلائے گئے تھے، صرف اجزاء تھے پس تمہیں زندہ کیا داکٹھا کر کے بدن بنا کے اس میں روح ڈالی وہ پھر تمہیں مارے گا۔ پھر دوبارہ زندگی دے گا پھر حساب کتاب کے لئے اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

”کما بدأکم تعودون“ جس طرح تم کو پیدا کیا، اسی طرح مرنے کے بعد تمہارا اعادہ بھی ہوگا۔ جس بدن کے ساتھ دنیا میں روح نے گناہوں کی لذت حاصل کی اسی بدن کے ساتھ دوزخ میں سزا کا درد بھی محسوس کرے گی اور جس بدن کے ساتھ روح نے طاعت اور عبادتِ خدا کی مشقت و محنت اٹھائی، اسی بدن کے ساتھ جنت میں اجر و ثواب کا لطف بھی حاصل کرے گی۔

”مَا لَكُمْ يَوْمَ الدِّينِ“ روزِ جزا کا وہ واحد مالک ہے، اس کی ملکیت میں کوئی اس کا شریک نہیں، **يُعْصِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعْذِّبُ مَنْ يَشَاءُ** جسے چاہے بخش دے، جسے چاہے عذاب دے، کوئی اسے روکنے والا نہیں، نہ کسی کی مجال ہوگی کہ چوں چرا کر سکے اور اس کے حکم و فیصلہ میں مداخلت کر سکے۔ **يَوْمَ لَا تَنفَعُ نَفْسٌ لَّنَفْسٍ شَيْئًا وَآلَا مَرِ يَوْمَئِذٍ إِلَّا الْفُتُورُ** جس دن کوئی نفس کسی نفس کا مالک نہ ہوگا، نہ کسی کو کچھ نفع پہنچا سکے گا اور نہ نقصان، اور حکم اس روزِ خدا ہی کا ہوگا، تمام امور اسی کے قبضہ قدرت میں ہوں گے۔ بے شک اس کی عدالت رحم آمیز ہوگی، سخت عدالت سے قادر و کریم آقا کے احکام و فیصلے جاری ہوں گے کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا، نیکوں کو ان کی نیکیوں کا پورا اجر ملے گا، برائیوں کی معافی کا امکان ہوگا۔

اعمال کا وزن

چونکہ وہ جیم عادل ہے، اس واسطے کسی کی نیکی کو ضائع نہ کرے گا، مَدَاتُ اللّٰہِ لَا یُضِیْعُ اَحَدٌ مِّنْہُمْ " بے شک اللہ تعالیٰ انیک عمل کرتے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا البتہ بدوں کی بعض بدیاں معاف کرنے میں مالک کلی ہے، جن لوگوں نے حقوق العباد کی رعایت نہیں کی وہ قابل مغفرت نہیں اور جن لوگوں نے حقوق خدا ضائع کئے چونکہ اس کے اپنے حقوق ہیں ان میں سے کسی میں بھی درگزر کر سکتا ہے اس میں اس کی اپنی طرف سے معافی ہے، کسی کی حق تلفی نہیں، لہذا اس کی عدالت اور رحمی پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

لوگوں کے اعمال گنے نہیں بلکہ تو لے جائیں گے کہ ان کے اعمال میں وزن کتنا ہوگا۔
 "فَاَمَّا مَنْ ثَلَمَتْ مَوَارِثَہٗ فَهَؤُلَاءِ فِی عِشۃِ رَاۤہِیۃٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَارِثُہٗ فَاَمَّا ہَا وَہِیۃٌ" پ ۷

سوجھ کانیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگا وہ پسندیدہ زندگی یعنی جنت میں ہوگا اور جس کانیکیوں والا پلڑا ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ ناویہ ہوگا دوناویہ کیا ہے دیکھتی ہوئی آگ۔

علاوہ نامہ اعمال کے خود بدکاروں اور کفار کے اعضاء بدن ان کے کفر اور بدعملوں کی گواہی دیں گے جیسا کہ ارشاد ہے وَ یَوْمَ یُخْشَرُ اَعْدَاؤُ اللّٰہِ فَلَہُمْ یَوْمَۃً عَمَلٌ حَقِّیْ اِذَا مَا جَاۤءُوْہَا شَہَدُوْا عَلَیْہِمْ شَہِدَہُمْ وَ اَبۡصَارُہُمْ وَ حَبَلُوْا بِہُمْ بِسَآکِلَہُمۡ یَعۡمَلُوْنَ۔ جس دن دشمنان خدا، اکٹھے کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو ان کے کان، آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گے جو کچھ کہ وہ دنیا میں بُرے عمل کرتے رہے وہ اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی تو وہ اعضاء کہیں گے کہ ہم کو تو اس خدا نے بولنے کی طاقت دی ہے جس نے ہر چیز کو قوت گویائی عطا فرمائی ہے۔ وَ دُۡقِیۡتَ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَانَ عَلَیۡہَا مِنْ عَمَلٍ وَّہَاۤیۡکُمۡ مِّنۡ دَاۤیۡمٍ۔ اور ہر نفس کو اس کا بھر پور بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا بہر حال مالک اور عادل حقیقی ہر انسان کو اس کے تمام اعمال اچھے و بُرے دکھا کے فیصلہ کرے گا۔

حق شفاعت

ہاں شفاعت کی گنجائش ضرور ہے، مُقَرَّبَانِ خَدَّاءِ اَنْبِیَآءِ مَرْسِلِیۡنِ اور ائمہ معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین

کا اذن عطا ہوگا، اس کے بعد وہ گنہگار مومنین کے حق میں شفاعت فرمائیں گے جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس کا ذکر ہے۔ **مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ** کون ہے جو اس کے اذن کے بغیر شفاعت کر سکے **لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا**۔ کوئی شفاعت کا مالک نہیں مگر وہ جس نے خدا کے ان شفاعت کا عہد لے لیا ہے۔ **مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ** کوئی شفاعت کرنے والا نہیں مگر اس کے اذن کے بعد **يَوْمَئِذٍ يَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا** اس دن کسی کی کوئی شفاعت فائدہ نہ پہنچائے گی مگر اس کی جسے رحمن نے اذن دیا ہے اور اس کی بات کو پسند کر لیا ہے۔

جب انسان کسی درجہ حیرت میں مبتلا ہو تو اس سے نجات حاصل کرنے کا چارہ تلاش کرتا ہے کسی مصیبت میں اور سختی میں گرفتار ہو کسی قصور اور جرم میں ماخوذ ہو تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا وسیلہ ڈھونڈتا ہے قیامت سے بڑھ کر کوئی ہولناک دن نہیں اور محرموں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی شدت و پریشانی نہیں، نامہ اعمال اور اعضاء بدن گواہی دے چکے ہیں۔ اعمال بھی سامنے ہیں اور ان کی سزا بھی سامنے ہے۔ اس وقت انسان کو سفارش کرنے والے کی کتنی ضرورت ہوگی اور کتنی وہ محتاج شفیع ہوگا۔ لیکن اسی پر سفارش کی امید ہوتی ہے جس کے ساتھ کوئی واسطہ تعلق ہو اور کبھی اس کی خوشنودی حاصل کی ہو۔

شفیع کیلئے دو پہلو ضروری ہیں

شفیع (سفارش کرنے والے) کے لئے دو پہلو ضروری ہیں ایک تو اس حاکم کا مقرب ہو جس کے پاس سفارش کرنی ہے تاکہ اس کی بات مانی جائے، اس کی قدر و منزلت حاکم کے پاس اتنی ہو کہ اس کی سفارش مقبول ہو جائے۔

اگر وہ خود بے چارہ ہو، اس کی کوئی وجاہت نہ ہو اور بارگاہ حاکم تک اس کی رسائی نہ ہو، نہ اسے حاکم کا مقرب حاصل ہو تو وہ سفارش کیا کر سکے گا لہذا مسلمانوں! روز قیامت تمہیں شفاعت کی ضرورت ضرور ہوگی سمجھو اور پہچانو کہ کون شفاعت کر سکے گا دیکھو کون وسیلہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

شفیع کا یہ پہلو تو خداوند عظیم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا پہلو بندہ گنہگار کے ساتھ ہے۔ کیا بندہ گنہگار اس قابل ہے کہ اس کے پاس جاسکے،

اپنا دکھ اُسے سنا سکے کوئی تعلق اس کے ساتھ رکھا ہے؟ اس کا کوئی کام کیا ہے؟ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا کوئی عمل بھی کیا ہے؟ اس کا دامن پکڑا ہے؟ کیا وہ اس کے گروہ میں اس کا شمار ہے، کیا شیعہ اس بندہ گنہگار کو اپنا سمجھتا ہے اگر یہ دونوں باتیں حاصل ہو جائیں تو وہ بندہ کامیاب ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک بات یا دونوں حاصل نہیں تو خسرانِ مبین اور بدبختی کے سوا کیا ملے گا۔

”اَلشُّرُوءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ“ آدمی اسی کے ساتھ عشور ہو گا جسے وہ دنیا میں دوست رکھتا ہوگا، اے مسلمان خیال کرو اسی سے محبت کرو جس کی محبت تجھے روزِ قیامت فائدہ پہنچائے۔ قبل ازیں یہاں ہو چکا ہے کہ روزِ قیامت لوگوں کے کئی پیشوا ایسے ہوں گے، جب وہ دردناک ماحول میں جائیں گے تو اپنے پیروکاروں سے بیزاری اور قطعِ تعلقی کر جائیں گے پیروکار دامن پکڑیں گے لیکن وہ دامن چھڑائیں گے،

ایسے امام بنا جو اپنے پیروکاروں کو ان کی علامتوں سے پہچان کر اپنے سایہ میں پناہ دیں، ایسے شفیع بنا، جن کے پاک منہ سے شفا عت کے نکلے ہوئے لفظوں کا باب اجابت استقبال کرے، ایسے کریم اور شفیق سرداروں کی رعایا بنیں، جن کی نگاہیں اپنے ماننے والوں کو تلاش کریں جو اپنے محبوب کو سنبھال کر اپنے ہمراہ لے چلیں، ان کا دامن پکڑ جن کے یدوں پر حجت کا لباس ہو، ایسے کریم اور بندہ نواز آقاؤں کی اطاعت کرو، جو جنت کے دروازے پر پہنچ کر کہیں میں اس وقت تک جنت میں قدم نہ رکھوں گی حجت تک میرے مظلوم و غریب بیٹے حبیبی کے سوا گوار جنت میں داخل نہ ہوں۔

اپنے مریدوں، مقتدیوں اور پیروکاروں سے وہ بھاگیں گے جو تہی دامن ہوں، جن کے پاس کچھ نہ ہو، بارگاہِ احدیت میں رسائی نہ ہو، وہاں کچھ قدر و منزلت نہ ہو، روزِ محشر جنہیں خداوندِ عالم کی طرف سے کچھ اختیار نہ ملے، گو عصا صلتِ محشر سے تو بھاگیں گے مگر دوزخ میں پھر اکٹھے ہو جائیں گے، پیرو مرید ایک ہی مقام میں ہوں گے، ہاں پیروں اور جھوٹے پیشواؤں کو دوزخ میں مریدوں سے اونچا مقام ملے گا اور جہنم سے زیادہ حصہ ملے گا، پیشوا جو تھے۔

محبتِ اہل بیت کا فائدہ

مگر جن کے دامن اختیارات سے مالا مال ہوں گے، جن کا مرتبہ خداوندِ عالم کے ٹال اتنا بلند ہوگا کہ انبیاء و مرسلین بھی رشک کریں گے، جنہیں ”مَقِیْمُ النَّارِ وَالْجَنَّةِ“ کا عہدہ تفویض ہوگا جنہیں

اَلْقَبَائِي جَعَلَمُ لِي كَقَابِ عَنِيْدَا اَمْرِي كَا جَنِّ كِي مَعْصُومِ بَاخْتُوں پَر كُوْنَر دَنِيْم كِي سَاخِ جُھِيكِي دِكَا ئِي
 دِيں كِي، مَنَر كُو تَر كِي لَهَرِي جَن كِي اِنْتَقَال مِيں بِي تَاب ہوں كِي، جَنّت جَن كِي تَدْرُوں كِي مَنظَر ہوں كِي،
 پِل صِرَاط پَر جَن كُو مَرُوَانہ رَا ہَمَارِي عَطَا كَرْنِي كَا مَن بَانِب خُذَا اِنْتِقَار پِل چُكَا ہوں كَا، شَفَاعَت كَا عہدہ جَنبِيں
 عَطَا ہوں كَا، دَر اِنْتَرِي كُو ڈھونڈ ڈھونڈ كِي اِنْتَرِي سَاخِ رُكھِيں كِي، نِيك تَوَقُّرُوں سِي اُٹھتے ہِي اُن كِي
 ہَمْرَا ہوں كِي ادر كُنْكَارُوں كُو دَر خ سِي یوں اُٹھائیں كِي، جَن طَرَح مَرْنِ مَٹِيں سِي دَانہ جَن لِنَا ہِي
 اَمْرُ مَنَا ہَا مِيں اِنْتَرِي رَہْناؤں كِي كَرَم فَرمائیاں گوناؤں، كہاں كہاں كَام اَكبَر كِي، اَدھر سِي
 دُنیا كَا تَعْلِق ختم ہوں كَا، زَمَدگِي كِي آخِرِي لَحَات ہوں كِي ادر ہَا رے مَعْصُوم آقا ہَمَارِي خَبَر كِرِي، ہَمَارِي
 دِيكھ بِيال، ہَمَارِي دَنگِيرِي ادر سَنجَال كِي ذَمّہ دار ہوں جَا ئیں كِي۔ مَلاحِظ فرمائیں۔

فَرْدُوسِ الْاَبْخَارِ دُوبِي مِيں مَذْكُور ہِي كہ اہل بَيْتِ عَلِيہمُ السَّلَام كِي مَحَبّت سَات جگہ كَام آئے كِي۔
 عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم حُبُّ اٰہِلِ بَيْتِي نَافِعٌ رَّحْمٰتِي
 سَبْعٌ مِائَاتٍ اَھْوَالُھُمْ عَظِيْمَةٌ عِنْدَ اَلْوَقَاتِ۔ عِنْدَ الْقَبْرِ وَعِنْدَ النُّشُورِ وَعِنْدَ الْكُتَابِ
 وَعِنْدَ الْحِسَابِ وَعِنْدَ الصُّحُفِ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہِي كہ جَنَابِ رَسُوْلِ پَاكِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم
 نِيں فَرْمَا يَ مِيرے اہل بَيْت كِي مَحَبّت سَات مَقَامَات پَر نَامدہ دے كِي يہ سَات مَقَامَات ہِي مَحَبّت پَر مَحَبّت
 پَر حَظَر ڈَرَا دِنے ادر دُشْت نَاك ہِيں ادر ايسے ہِي مَقَامَات پَر سَلَّی اَمَلَاو ادر شَفَقَت دِہَر بَانِي كِي
 ضَرُورَت ہوتی ہِي۔ وہ سَات مَقَامَات يہ ہِيں۔ وَفَات كِي وَفَات بَاكُنِي كِي ہُنْكَام دُنیا سِي مَنَر
 مَورُنے ادر آخِرَت كِي طَرَف مَنَر پھيرنے كَا دَقْت ہوتا ہِي۔ قَبْرِ كِي تَنگ كُو طَھْرِي ادر تَارِيك لُحْزِيں
 جہاں كُوئی مَوْنَس وَنُكْسَار نہ ہوں كَا، فَرْدُوں سِي اُٹھنے ادر مِيْدَانِ مَحْشَر مِيں جَمْع ہونے كِي وَفَات نَامدہ اَعْمَال
 بَاقِي مِيں دِينے كِي وَفَات، نِيكِيوں ادر بَدِيل كَا حَسَاب لِينے كِي وَفَات، اَعْمَال تَرُنے ادر سَكُنے كِي
 وَفَات ادر آخِرِي مَنَزَل پِل صِرَاط مَجْمُور كَرْنِي كِي وَفَات، يہ مَحَبّت اہل بَيْت دُنیا سِي رَحْمَت ہونے
 كِي وَفَات بِنْدہ مَوْنَس تَوَاپِنِي اَسْمُوش مِيں لے يگِي ادر پِل صِرَاط سِي پَار كَر كِي مَنَزَل مَقْصُودِ جَنّت
 كِي دَر دَا زے پَر پَنچا آئے كِي۔

اب ذَرَاتِفِيْدَا بھِي سُن لیں۔ جَنَابِ اِمَامِ جَعْفَرِ صَادِقِ عَلِيہِ السَّلَام فرماتے ہِيں كہ جَب ہَمَارَا كُوئی
 دُوسْت مَرتا ہِي تَوَا س كِي مَرْنے كِي وَفَات اُس كِي پَا س جَنَابِ رَسُوْلِ خُذَا، اِميرِ المُوْمِنِيں وَحُسَيْنِ
 عَلِيہمُ الصَّلَوٰۃُ وَالسَّلَام تَشْرِيف لَاتے ہِيں، مَشْكَل كِي وَفَات تَلْخِي كِي دُورَان ادر گُجَر اُٹھ كے ہُنْكَام ايسا
 دُوسْت مَل جَا ئے ادر ايسا مَہْر بَان پَر پَنچ جَا ئے جَو مَشْكَل كُشَا ادر مَہْر دُوسْت تَوَا مَقَام تَلْخِيَاں كَا فَر ہوتا ہِي۔

گھبراہٹ سکون و راحت سے بدل جاتی ہے، ہنگام نزع جناب معصومین علیہم السلام کی اشباح کا آنا متعدد احادیث میں موجود ہے۔ اور جناب امیر المومنین کا یہ شعر بھی اس کی دلیل ہے۔

يَا حَارَّةَ مِلَانِ مَنْ يَمُوتُ يَوْمَئِذٍ مَوْنًا أَوْ مَنَا فِقْقًا قَبْلًا

اے حارث ہمدانی جو کوئی مومن یا منافق مرتا ہے وہ مرنے سے پہلے مجھے دیکھتا ہے۔

اسی طرح قبر کی وحشت ناک تنہائی میں، اور اندھیری و تنگ کوٹھڑی میں، جب کہ مونس و اقرباء الحد کے سپرد کر کے چلے جائیں گے اور منکر و نکیر سوال و جواب کے لئے قبر میں آئیں گے تو تجدید نبوت اور دوسرے عقائد کے علاوہ امامت کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا مَن اِمَامُ مَلِكٌ تَبِرا اِمَامٌ كَوْنٌ؟ جس امام کے ماننے والا ہوگا اسی کا نام بتائے گا لیکن قبر میں سوائے علی بن ابی طالب ان کا غیر کوئی نائبد نہ پہنچا سکے گا بلکہ ابو تراب کا نام سننے ہی قبر کی دیواریں وسیع ہوجائیں گی، قبر کی تراب سے ارض جنت کی خوشبو آئے گی، ہمارے ایک الحد ایمان کی روشنی سے جگمگا اٹھے گی اور روح علیین میں ہوگی۔ نسیم حیات کے جھونکروں سے مرد مومن محفوظ ہوگا۔

قبر سے اٹھنے کے وقت مجھوں کی زبان پر نعرہ جہد رہی ہوگا۔ زمرہ آئمہ معصومین میں شامل ہوں گے کواء الحمد کا سایہ نصیب ہوگا رب یومِ ندر کوکل آئیں بامام مہمہ کے مطابق صحیح اور باطل شیعہ اپنے امام کے پیچھے قطاروں میں شامل ہوں گے۔

حساب و کتاب کے وقت اور میزان کے وقت ان کے اعمال مقبول ہوں گے جن میں ولہ علی کا وزن اور محبت اہل بیت کی خوشبو آئے گی۔ کتنی ہی نیکیاں اور کتنے ہی عمل لائقان ہو جائیں گے کیونکہ وہ صحیح جانشینان رسول کی ہدایات کے مطابق نہ ہوں گے۔ وارشان رسالت، ہماظان شریعت کے اقوال و اعمال کے خلاف کوئی عمل بھی قابل قبول نہ ہوگا اور نہ ان اعمال کی بند سے جزا پائیں گے جو نمائندگان خدا کے احکام کے مطابق نہ ہوں چنانچہ در فردوس الاخبار دلیلی میں معاذ بن جبل سے روایت ہے عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حُبُّ عَلِيٍّ بَيْنَ اَبِطَالِبٍ حَسَنَةً لَا تَضُرُّ مَعْهَا سَيِّئَةٌ وَ بُغْضُهُ سَيِّئَةٌ لَا يَنْفَعُ مَعْهَا حَسَنَةٌ۔ جناب معاذ بن جبل روایت کرتے ہیں کہ جناب رسالت نے فرمایا علی کی محبت ایسی نیکی ہے جس کی موجودگی میں کوئی برائی نقصان نہیں پہنچاتی اور ان کی عداوت ایسی برائی ہے جس کی موجودگی میں کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی۔ اسی طرح اسی کتاب میں ہے کہ اگر بندہ حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی برابر عبادت کرے، اور پہاڑ کے برابر سونا راہِ خدا میں خیرات کرے، ہزاروں حج پیادہ پا کرے، صفا اور مروہ

کے درمیان ظلم و جور سے قتل کیا جائے اگر اس کے دل کے خانہ میں ولا علی کا ٹھکانہ نہیں تو وہ جنت کی خوشبو کبھی نہیں سونگھ سکے گا۔

حُصْبِ عَلٰی کی مئے نہیں جس گل کے ہاں ہیں جنت کی بونہ آسٹے گی اس کے مشام آئیں۔ چنانچہ حساب و کتاب کے وقت خصوصیت کے ساتھ ولایت علی ابن ابی طالب کا سوال کیا جاتا گا۔ چنانچہ آیہ مبارکہ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُورُونَ ان کو روک لو ان سے ابھی پوچھا جائے گا۔ (پہلے سورہ صافات)

اس کی آیت کی تفسیر میں ابو سعید خدری اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ولایت علی بن ابی طالب کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ تفسیر واحدی، فردوس الاخبار دہلی۔

آخری مرحلہ اور سخت مرحلہ پہلے صراط کا ہے اسے عبور کر کے جنت میں داخل ہونا ہے، کہا جاتا ہے کہ ہال سے پار ایک اور تلوار سے تیز جھلکونگر عبور کیا جائے۔ اور کوئی راہ جنت میں جانے کی ہے نہیں لاندہ ہر شخص کو وہاں سے گزرنا ہے۔ وَإِنْ مِنْكُمْ آلٌ وَآرِدْهَا وَكَانَ عَلَى رَيْثٍ خَتَمًا مُّقْصِيًا سورہ مریم پارہ ۱۶) تم میں سے کوئی نہیں مگر یہ کہ وہ جہنم کی پہلی صراط سے ضرور گزرے گا اور تیسرے سب کا لازمی و یقینی فیصلہ ہے۔

لیکن حساب و کتاب سے فراغت کے بعد ہر شخص کو اس پہلے پر سے گزرنے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ وہاں برقیسم الجنة والتار سے پروانہ لینا پڑے گا۔

عن علیؑ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ إِذَا جَمَعَ اللَّهُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ يَوْمَ الْفَيْتَةِ وَنُصِبَ الصُّوَابُ عَلَى حَفِيفِ جَهَنَّمَ مَا جَاَزَهَا أَحَدٌ حَتَّى كَانَتْ مَعَهُ بَرَّةٌ ۖ بِلَايَةِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ حَضْرَتِ عَلِيٍّ سے روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ اللہ تعالیٰ جب روز قیامت اولین و آخرین کو جمع کرے گا اور جہنم پر پہلی صراط قائم کرے گا تو اس پر سے کوئی شخص نہ گزر سکے گا جب تک اس کے پاس ولایت علی کا پروانہ نہ ملداری نہ ہو۔

قیس بن حازم سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر جناب امیر علیہ السلام سے ملے اور جناب امیر کو دیکھ کر مسکرائے، جناب امیر علیہ السلام نے مسکانے کی وجہ دریافت فرمائی تو کہا کہ میں نے جناب سرور کائنات صلعم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن علیؑ کے پروانہ راہداری اور پاس کے بغیر کوئی شخص پہلی صراط عبور نہ کر سکے گا، اسی قسم کی کافی حدیثیں صواعق محرقرہ اور مناقب غازی وغیرہ میں مروج ہیں مگر جن کے پاس ولایت علی کا پروانہ ہوگا، وہ کس طرح آئیں گے

سے سینے بقیہ در مشورہ
 علی تیسے شیعہ روز قیامت
 مذہب جات پر ناز ہوں گے۔ اس
 فرمائیں ہاں شیعہ خوشحال ہوں گے
 کی طریاں ہوں گی، محبت علیؑ بھی ہوگی اور
 والے اور غم امام مظلوم ہیں آنسو بہانے و
 ہرنے والے، کوثر سے سیراب ہوں گے، جناب
 کے لئے سفارش کریں گی، جنہوں نے ہمیشہ دنیا میں یادِ امام تازہ رکھی اور
 فوقی بتایا۔ جنہوں نے واقعات کو بلاسن کر ماتم کیا، دسویں کے دن مظلوم کو بلا
 کی کشمیری، خاندان رسالت کی تباہی اور اہل بیت کی تاراجی کا ذکر سنا اور
 زادارو! آج روز عاشور کے واقعات سن لو کہس طرح اہل بیت پر دسویں کا

روز عاشور

دن ہے جدال و قتال کا
 یوں ہے گزری شب فراق دن آیا وصال کا
 سرج ہے زہرا کے لال کا
 ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جن کے واسطے
 راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے
 عبادت اذکار اور فلق واضطراب کے ساتھ ختم ہوئی، مشرقی افق پر سپیدہ سحر
 امام پاک اور ان کے باوقار و خلوص ساتھیوں کو عرش کے نیچے سے ندا آئی یا خلیل
 کے سوار و گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ، امام پاک نے اصحاب کو نماز کے لئے آواز دی
 مولا مظلوم نے ساتھیوں کو نماز صبح پڑھائی۔
 ہم نے کس خستہ و خضوع کے ساتھ فریضہ سعی ادا کیا، سبحان اللہ کائنات کے
 عازریں اور ممتاز عازریں نے صفیں باندھیں، ان کی یکبیر و تسبیح و تہلیل و حمد و ثنا پر
 عبادتیں شمار، ساکنان عرش ان صحرائی عبادت گزاروں پر قربان ہو رہے تھے جن کا

موتوں کو دنیا ہی میں آگ کا مزہ چکھا۔ اس آئنا میں اس کا گھوڑا بدکا اور وہ گھوڑے
سے کہ اس کا ایک پاؤں رکاب میں الجھا رہا اور گھوڑا اس کو گھسیٹے ہوئے خندق کے کنارے
خندق میں گر کر تعمیر آتش بن گیا۔ اور امام کی بددعا کا مستوجب ہو کر آگ میں جل کر رہ گیا۔

jabir.abbas@yahoo.com

روزِ عاشورِ امامِ حجت کیلئے امام علیہ السلام

کا خطبہ

عمر بن سعد نے شبِ عاشورِ سردارانِ لشکر کو بلایا اور صبحِ طریقی جنگ پر غور و خوض کیا۔ تمام سردار مع ابنِ سعد اس بات پر متفق ہوئے کہ دن کو یک لخت حسینؑ ان کے اصحاب اور خیم پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا جائے اور ان کے اہل حرم اور خدرا ت عصمت کو قید کر لیا جائے۔

چنانچہ صبح کے بعد یہ اشیاء گھوڑوں پر سوار خیمِ مقدسہ کی جانب اس ارادے سے بڑھے لیکن تینوں جانب خندق اور اس میں بھڑکتی ہوئی آگ کی وجہ سے حملہ نہ کر سکے اور اس ارادے میں وہ ناکام ہوئے۔ اب عمر بن سعد بالکل آمادہ جنگ ہو گیا تھا۔ لشکر منظم ہو چکا تھا۔ اس وقت جناب امام حسینؑ سے پہلے برید بن خضیر ہمدانی نے قومِ اشیاء سے خطاب کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

”اے گمراہ مردم! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، فرزندِ رسولؐ ثقلین تمہارے سامنے

ہے۔ ان کی ہمراہی میں اس کی اولاد، عترت اور حرمِ محترم ہیں۔ ان کے بارے میں رسولِ خدا کی وصیت یاد کرو۔ اب وضاحت سے بیان کرو کہ تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو۔“ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ حسینؑ کو عبد اللہ بن زیاد کے قابو میں دے دیں۔ اس کی جوار لٹے ہوگی، وہ سلوک کرے گا۔ جناب برید نے کہا کہ ”تم اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ یہ جہاں سے آئے ہیں، وہاں سلامتی کے ساتھ لوٹ جائیں، اُسے اہلِ کوفہ! تم پر سخت انکسوس ہے۔ کیا تم اپنے خطوط بھول گئے ہو، اور تم نے وہ عہد توڑ دیتے ہیں، جن پر تم نے خداوند تعالیٰ کو گواہ بنایا تھا، تم پر انکسوس ہے کہ تم نے اہل بیتِ رسول کو بلایا۔ اور تمہارا گمان تھا کہ ہم اہل بیتِ رسول کی حفاظت میں جانیں قربان کر دیں گے، جب وہ تمہارے پاس آ پہنچے تو تم ان کو ابنِ زیاد کے پاس پہنچانے کی باتیں کرتے ہو، اور تم نے ان پر فرات کا پانی بند کر دیا۔ واقعی تم اپنے رسولؐ کی بدترین امت ہو، ان کی اوریت کے

ساتھ تم ایسا سلوک کرتے ہو، خدا تمہیں روز قیامت کبھی سیراب نہ کرے،
تم بدترین قوم ہو۔

جناب بریر کا یہ کلام سن کہ چند لوگوں نے جواب دیا، ”ہم نہیں سمجھتے آپ کیا کہہ
رہے ہیں۔ جناب بریر نے جواب دیا۔ ”الحمد للہ! خدا نے تمہارے مقابلے
میں بصیرت عطا فرمائی ہے، ”خدا یا! میں اس قوم کے افعال سے بیزار ہوں“
پروردگار! اس شقی جماعت کو آپس میں ٹکرا۔ اور اس حالت میں تیرے پاس آئیں
جبکہ تو ان پر سخت غضب میں ہو“

کہا جاتا ہے کہ اس کا جواب کو فیوں نے تیروں کے ساتھ دیا۔ جب امام علیہ السلام نے
یہ دیکھا کہ بریر کا کلام ان پر اثر انداز نہیں ہوا، تو امام پاک نے سواری منگوائی، نادر پر سوار ہوئے
جناب رسول پاک کا عاتقہ مبارک سر پر رکھا، آپ کا چادر زیب تن کی، اور آپ کی تلوار پہلو میں لٹکائی،
عصا کے مشابہ جناب رسول پاک کا حربہ ()، ہاتھ میں لیا۔ عموماً جناب رسول پاک مسافروں
میں اور روز عید ساتھ رکھتے، یہ تبرکات لے کر نادر پر سوار ہوئے، بعض روایات میں گھوڑے
پر سواری لکھی ہے۔ لیکن بعض مؤرخین نادر پر سواری لکھتے ہیں۔ اور اس میں یہ معلومت تحریر کرتے
ہیں کہ گھوڑے کی نسبت اونٹ بلند ہوتا ہے۔ اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ چونکہ یہ لشکر عظیم تھا۔
اس واسطے بجائے گھوڑے کے نادر پر سوار ہوئے، تاکہ ہر شخص کانوں سے میرا کلام سن لے، اور
اپنی آنکھوں سے مجھے دیکھ کر پہچان لے، تاکہ روز قیامت کوئی عذر نہ کر سکے، اور ہر شخص تک میرا
کلام پہنچ سکے۔

”یا ایہا الناس اسمعوا قولی ولا تعجلوا حتی اعطاکم بما یحق لکم علی و
حتی اعذر الیکم فان من مقدمی الیکم اعطیتونی النصف کنتم بذالک
اسعدوا ان لم تعطونی النصف من انفسکم فاجمعوا الیکم ثم لا
یکن امرکم علیکم غمۃ ثم اقصیٰ ولا تنظروا ان ولی اللہ الذی نزل اللکتاب
وهو یتولی الضالین۔

لوگو! میری بات سنو اور جلدی نہ کرو، تاکہ عطا نصیحت کا جو حق میرے ذمہ
ہے، اسے پورا کر لوں، اور اپنے آنے کی وجہ و مباحث سے بیان کر دوں، پس اگر
تم نے انصاف سے کام لیا۔ تو سعادت مند ہو جاؤ گے، اور اگر تم نے میری بات

ان کے متعلق بھی زبانِ رسالت سے بخیرِ تفسیر درمنثور، مناقب خوارزمی اور صواعقِ محرقہ وغیرہ میں ہے جناب رسالتؐ نے فرمایا اے علیؑ تیرے شیعہ روزِ قیامت راضی و خوشی ہوں گے، ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور حقیقت کے بلند درجات پر فائز ہوں گے۔ اس قسم کی حدیثیں ہم نے تاریخِ الشیعہ میں کافی درج کی ہیں، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ ہاں شیعہ خوشحال ہوں گے۔ ان کے ہاتھوں میں ولایتِ علیؑ کا پروانہ ہوگا، اور موتیوں کی لڑیاں ہوں گی، محبتِ علیؑ بھی ہوگی اور عزائے حسینؑ بھی علیؑ کے فضائلِ بیان کرنے اور سننے والے اور غمِ امامِ مظلومؑ میں آنسو بہانے والے بروزِ قیامت کامیاب ہوں گے۔ پیاسوں کا تذکرہ کرنے والے، کوثر سے سیراب ہوں گے، جناب زہراؑ اپنے مظلوم بیٹے کے غم میں رونے والوں کے لئے سفارش کریں گی، جنہوں نے ہمیشہ دنیا میں یادِ امام تازہ رکھی اور ذکرِ امام سے مجلسوں کو بارونق بنا یا۔ جنہوں نے واقعاتِ کربلاؑ سن کر ماتم کیا، دوسویں کے دن مظلوم کربلاؑ کی غربت و سبکی اور اہل بیتؑ کی تشنہ لبی، خاندانِ رسالتؑ کی تباہی اور اہل بیتؑ کی تاراجی کا ذکر سنا اور برہنہ سر ہو کر ماتم کیا عزا دارو آج روزِ عاشور کے واقعات سن لو کس طرح اہل بیتؑ پر دوسویں کا دن طلوع ہوا

روزِ عاشور

ہاں غازیو! یہ دن ہے جدال و قتال کا
یاں خوب ہے گا آج محمدؐ کی آل کا
چہرہ خوشی سے سُرخ ہے زہراؑ کے لال کا
گدڑی شبِ فراق دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے ملکِ جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کافی ہیں اس دن واسطے

شبِ عاشور عبادت اذکار اور تعلق و اضطراب کے ساتھ ختم ہوئی، مشرقی افق پر سپیدہ سحر نمودار ہوا، جنابِ امامِ پاک اور ان کے باوفا و خلوص ساتھیوں کو عرش کے میچے سے ندا آئی یا خبیث اللہ! رکبی، ”خدا کے سوار دکھوڑوں پر سوار ہو جاؤ“ امامِ پاک نے اصحاب کو نماز کے لئے آواز دی بعد ازاں وقامت مولا مظلومؑ نے ساتھیوں کو نماز صبح پڑھائی۔

نزلے مجاہدین نے کس خشوع و خضوع کے ساتھ قرینہ سحری ادا کیا، سبحان اللہ کائنات کے ان برگزیدہ غازیوں اور ممتاز غازیوں نے صفیں باندھیں، ان کی تکبیر و تسبیح و تہلیل و حمد و ثنا پر ملائکہ کی لاکھ عبادتیں شمار، ساکنانِ عرش ان مہرانی عبادت گزاروں پر قربان ہو رہے تھے جن کا

خشوع و خضوع یا دُعا و رُخس و عرفان میں ڈوبی ہوئی تیسخ و تقدیس کی آوازیں صحرائیں گونج رہی تھیں۔ اس نماز میں ان رشک خد سیدوں کے امام مولاجین علیہ السلام نے بعد حمد سورہ مبارکہ ”صف“ کی تلاوت فرمائی جس میں مجاہدین کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ مَقَاتِلًا فَهُمْ يَبْنِیْنَ مَرْصُوْعًا بِسَیْرِ شُكْرِ خُدَاۤنَ لَوْ كُنْ سَ مِنْ حُبِّ كِتَابِہٖ جَوَاسِ كِیْ لَاہ (جہاد) میں ہوں پہلے باندھ کر لٹتے ہیں۔ جیسے وہ سیدہ بٹائی ہوئی دیوار ہیں۔

بعد از فراغت نماز مولائے معلوم نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی اَللّٰهُمَّ اَنْتَ تَفْتَحُ فِیْ كُلِّ كَرْبٍ وَاَنْتَ رَجَائِیْ فِیْ كُلِّ شِدَّةٍ وَاَنْتَ لِیْ فِیْ كُلِّ اَمْرٍ نَزْلٌ لِّیْ ثِقَّةٌ وَعِدَّةٌ لِّمَنْ فِیْ كَرْبٍ یُفْضَحُ فِیْهِ الْعَوْدُ وَتَقْلٌ فِیْهِ الْحِلَّةُ وَیَحْذُلُ فِیْهِ الصَّدِیْقُ وَیُثَمِّتُ فِیْهِ الْاَحَدُ اَشْرَکُتُہٗ بِكَ وَشُكُوْنُہٗ اَبِیْكَ رَغْبَةً مِّنْیْ اَبِیْكَ عَلٰی سِرَاكُ فَفَرَحَتْہٗ عَلٰی وَكَشَفَتْہٗ فَاَنْتَ وَلِیٌّ لِّكُلِّ نَعِیۡةٍ وَصَاحِبٌ لِّكُلِّ حَسَنَةٍ وَنُثْمَتُہِیْ لِّكَ رَغْبَةً۔ اسے اللہ تو ہر مصیبت میں میرا بھروسہ اور ہر شدت میں میری امید گاہ ہے اور ہر اس مصیبت و پریشانی میں جو مجھے لاحق ہو مجھے تجھ ہی پر بھروسہ و اعتماد ہے۔ بہت سی ایسی مصیبتیں ہیں جن میں دل بیٹھ جاتا ہے، تدبیر ناکام ہو جاتی ہے، دوست چھوڑ جاتے ہیں، دشمن خوش ہوتے ہیں، میں نے تیری طرف رجوع کیا اور تیری بارگاہ میں ان کی شکایت کی کیونکہ میں نے تیرے غیر سے تعلق نہیں رکھا، صرف تجھ ہی سے لگاؤ رکھا، تو نے اپنے فضل و کرم سے ان مصیبتوں کو طام دیا اور دکھ دور کر دیا تو ہی ہر نعمت کا ولی، ہر نیکی کا مالک اور ہر رغبت و امید کا مرجع ہے۔

خیام مظہر کے تینوں طرف جو خندق کھودی گئی تھی اور لکڑی بال اس میں بھر دی گئی تھیں، ان میں آگ جلائی گئی تاکہ دشمن ان تین طرفوں سے خیام مقدس پر حملہ نہ کر سکیں اور لڑائی کا رخ ایک طرف رہے، شہر ملعون ہتھیار اپنے ناپاک بدن پر سجا کر ادھر سے گزرا اور جلتی ہوئی آگ دیکھ کر بے ادب زبان دراز بلند آواز سے امام پاک علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہنے لگا یا حبیبِ تَعَجَّلْتَ بِالْاَنَارِ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَةِ حَسْبُہٗ اَبَیْ تَے قیامت قائم ہونے سے پہلے آگ روشن کرنے میں جلدی کی ہے۔ امام پاک نے اس لعین کا کلام سُن کر فرمایا مَنْ هٰذَا کَا تَدِ شَمْسُہٗ زَی الْجُشْنَہٗ کون ہے؟ غالباً شمر بن ذوالجوشن ہے۔

اصحاب نے عرض کی ہاں وہی ہے۔ مولائے فرمایا او بکر بانی چرانے والی عورت کے بیٹے

فِي الدُّنْيَا" خدایا! اس ملعون کو دنیا ہی میں آگ کا مزہ چکھا۔ اس آئندہ میں اس کا گھوڑا بدکا اور وہ گھوڑے کی پشت سے اس طرح گرگا کہ اس کا ایک پاؤں رکاب میں الجھا رہا اور گھوڑا اس کو گھیٹے ہوئے خندق کے کنارے لے آیا۔ اور وہ ملعون اس خندق میں گر کر لقمہ آتش بن گیا۔ اور امام کی بددعا کا مستوجب ہو کر آگ میں جل کر رہ گیا۔

jabir.abbas@yahoo.com

روزِ عاشورِ امامِ حجت کیلئے امام علیہ السلام کا خطبہ

عمر بن سعد نے شبِ عاشورِ سردارانِ لشکر کو بلایا اور صبحِ جنگ پر غور و خوض کیا۔ تمام سردار مع ابنِ سعد اس بات پر متفق ہوئے کہ دن کو یکِ نختِ حسینؑ ان کے اصحاب اور خیمہ پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا جائے اور ان کے اہلِ حرم اور محدراتِ عصمت کو قید کر لیا جائے۔

چنانچہ صبح کے بعد یہ اشتیاق گھوڑوں پر سوار خیمہ مقدسہ کی جانب اس ارادے سے بڑھے لیکن تینوں جانب خندق اور اس میں بھڑکتی ہوئی آگ کی وجہ سے حملہ نہ کر سکے اور اس ارادے میں وہ ناکام ہوئے۔ اب عمر بن سعد بالکل آمادہٴ جنگ ہو گیا تھا۔ لشکر منظم ہو چکا تھا۔ اس وقت جنابِ امام حسینؑ سے پہلے برید بن خضیر مدانی نے قومِ اشتیاق سے خطاب کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

"اے گمراہ مردم! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، فرزندِ رسولؐ نقلین تمہارے سامنے

ہے۔ ان کی ہمراہی میں اس کی اولاد، عترت اور حرمِ محترم ہیں۔ ان کے بارے میں رسولِ خدا کی وصیت یاد کرو۔ اب وضاحت سے بیان کرو کہ تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ حسینؑ کو عبد اللہ بن زیاد کے قابو میں دے دیں۔ اس کی جواز لے ہوگی، وہ سلوک کرے گا۔ جنابِ برید نے کہا کہ تم اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ یہ جہاں سے آئے ہیں واپس وہاں سلامتی کے ساتھ لوٹ جائیں، اے اہلِ کفر نہ! تم پر سخت انصاف ہے۔ کیا تم اپنے خطوط بھول گئے ہو اور تم نے وہ عہد توڑ دیتے ہیں، جن پر تم نے خداوند تعالیٰ کو گواہ بنایا تھا، تم پر انصاف ہے کہ تم نے اہلِ بیتِ رسول کو بلایا۔ اور تمہارا گمان تھا کہ ہم اہلِ بیتِ رسول کی حفاظت میں جانیں قربان کر دیں گے، جب وہ تمہارے پاس آ پہنچے تو تم ان کو ابنِ زیاد کے پاس پہنچانے کی باتیں کرتے ہو، اور تم نے ان پر فرات کا پانی بند کر دیا۔ واقعی تم اپنے رسولؐ کی بدترین امت ہو، ان کی ذریت کے

ساتھ تم ایسا سلوک کرتے ہو، خدا تمہیں روز قیامت کبھی میرا ب نہ کرے،
تم بدترین قوم ہو۔

جناب بریر کا یہ کلام سن کر چند لوگوں نے جواب دیا، "ہم نہیں سمجھتے آپ کیا کہہ
رہے ہیں۔ جناب بریر نے جواب دیا۔ "الحمد للہ! خدا نے تمہارے مقابلے
میں بصیرت عطا فرمائی ہے، خدا یا! میں اس قوم کے افعال سے بیزار ہوں،
پروردگار! اس شقی جماعت کو آپس میں ٹکرا۔ اور اس حالت میں تیرے پاس آئیں
جبکہ تو ان پر سخت غصہ میں ہو۔"

کہا جاتا ہے کہ اس کا جواب کوفیوں نے تیروں کے ساتھ دیا۔ جب امام علیہ السلام نے
یہ دیکھا کہ بریر کا کلام ان پر اتنا انداز نہیں ہوا، تو امام پاک نے سواری منگوائی، نادر پر سوار ہوئے،
جناب رسول پاک کا عمامہ مبارک سر پر رکھا، آپ کی چادر زیب تن کی، اور آپ کی تلوار پہنچو میں ٹسکائی،
عصا کے مشابہ جناب رسول پاک کا حربہ ()، ہاتھ میں لیا۔ عموماً جناب رسول پاک مسافروں
میں اور روزِ عید ساتھ رکھتے، یہ تبرکات لے کر نادر پر سوار ہوئے، بعض روایات میں گھوڑے
پر سواری لکھی ہے۔ لیکن بعض مؤرخین نادر پر سواری لکھتے ہیں۔ اور اس میں یہ مصلحت تحریر کرتے
ہیں کہ گھوڑے کی نسبت اونٹ بلند ہوتا ہے۔ اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ چونکہ یہ لشکرِ عظیم تھا۔
اس واسطے بجائے گھوڑے کے نادر پر سوار ہوئے، تاکہ ہر شخص کانوں سے میرا کلام سن لے، اور
اپنی آنکھوں سے مجھے دیکھ کر پہچان لے، تاکہ روز قیامت کوئی عذر نہ کر سکے، اور ہر شخص تک میرا
کلام پہنچ سکے۔

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ اسْمِعُوا قَوْلِي وَلَا تَعْجَلُوا حَتَّىٰ اعْظَمَ بِمَا يَحِقُّ لَكُمْ عَلَىٰ وَ
حَقِّ اعْذُرَ إِلَيْكُمْ فَإِنَّ مِنْ مَّقْدَمِي إِلَيْكُمْ اعْظِمْتُمُونِي النِّصْفَ كُنْتُمْ بِذَلِكَ
السَّعْدَ وَإِنْ لَمْ تَعْطُونِي النِّصْفَ مِنْ أَنْفُسِكُمْ فَاجْمَعُوا إِلَيَّ كَمَا تَمَّ لَا
يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا قَضَايَ وَلَا تَنْظُرُوا إِنِّي وَلِيُّ اللَّهِ الَّذِي نَزَلَ الْكِتَابُ
وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ .

لوگو! میری بات سنو اور جلدی نہ کرو، تاکہ وعظ و نصیحت کا جو حق میرے ذمہ
ہے، اسے پورا کر لوں، اور اپنے آنے کی وجہ و وضاحت سے بیان کروں، پس اگر
تم نے انصاف سے کام لیا۔ تو سعادت مند ہو جاؤ گے، اور اگر تم نے میری بات

نہ مانی اور انصاف نہ کر دے تو پھر اپنی قوت کو جمع کر لو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ تاکہ تم پر تہا را کام اور اس کی حقیقت پوشیدہ نہ رہ جائے، میرا نگران وہ اللہ ہے۔ جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے حمد و ثناء خدا بیان کی، خدا کا ان اوصاف کے ساتھ ذکر کیا، جن کا وہ مستحق ہے۔ بعد ازاں پاک پیغمبرؐ ان کی آل، ملائکہ مقربین اور انبیاء مرسلین پر درود بھیجا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے زیادہ فصیح و بلیغ خطبہ ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی سے نہیں سنا گیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

اما بعد ! یا اهل الکوفة ! فالنسبونی وانظروا من انا ! ثم ارجعوا الى انفسکم وعابثوھا فانظروا هل یصلح لکم قتلی وانتھاک حُرَّتِی السَّيِّدِ ابْنِ نَبِیْکُمْ وَاِبْنِ وَصِیْهِ وَاِبْنِ عَمَّتِهِ وَاَوَّلِ الْمُؤْمِنِیْنَ الْمَصْدَقِ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ بِمَا جَاءَہِ مِنْ عِنْدِ رَبِّہٖ اَوَّلِیْسَ حَمِزَةُ سَيِّدِ الشَّہِدَآءِ رَعْمَالِیْ اَوَّلِیْسَ جَعْفَرَا لَطِیَارِیْ الْجَنَّةِ بِجَنَاحِیْنِ عَمِّیْ اَوَّلِہُمْ یَبْلُغُکُمْ مَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ فِی الْاٰخِرِیْنَ ہٰذَا مِنْ سَيِّدِ اَشْبَابِ اَہْلِ الْجَنَّةِ فَاَنْ صَدَقْتُمُوْنِیْ بِمَا قَوْلُ وَهُوَ الْحَقُّ وَاللّٰهُ مَا تَحَدَّثُ کَذِبًا مِّنْ دَعَلَمْتُ اَنَّ اللّٰهَ یَمَقُّتُ عَلَیْہِ اَہْلَہٗ وَاَنْ کَذَبْتُمُوْنِیْ فَاَنْ فِیْکُمْ مَنْ اَنْ سَلَّمْتُمُوْہُ عَنْ ذٰلِکَ اَخْبِرْکُمْ سَلُّوْا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ اَنْصَارِیْ وَاِبَا سَعِیْدَ الْخَدْرِیْ وَسَمْعَلَ بْنَ سَعْدِ السَّاعِدِیْ وَزَیْدَ بْنَ اَرْقَمَ وَالنَّسِیْبَ بْنَ مَالِکٍ یَخْبِسُ وَاَنْھُمْ سَمِعُوْا هٰذِ الْمَقَالَةَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فِی الْاٰخِرِیْنَ اَمَّا فِیْ ہٰذَا حَاجِزٌ لَّکُمْ مِنْ سَفَلِکُمْ وَحِیْ ۔

”اے اہل کوفہ! میرے نسب پر غور کرو، اور دیکھو میں کون ہوں، پھر اپنے آپ کی طرف خیال کرو، یعنی مجھے کہ میں کون ہوں، اور اپنے آپ کو دیکھو کہ تم کون ہو۔ پھر اپنی آپ ملامت کرو۔ کیا میرا قتل اور میری ہتک حرمت تمہیں روا ہے؟ کیا میں تمہارے پیغمبر کا فرزند نہیں؟ کیا اس کے وصی اور چچا زاد

بھائی کا بیٹا نہیں؟ کیا میں اس کا فرزند نہیں جو سب سے پہلے رسول اللہ پر ایمان لایا۔ اور جو کچھ رسول پاک خدا کی طرف سے لائے، اس کی تصدیق کی، کیا جناب حمزہ جو اپنے زمانے کے سید الشہداء ہیں۔ میرے باپ کے چچا نہیں، کیا جعفر طیار جو کہ جنت میں اپنے دونوں پروں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ میرے چچا نہیں؟ کیا مہارے کانوں میں جناب رسول اللہ کی یہ حدیث نہیں پہنچی۔ جو انہوں نے میرے اور میرے بھائی حسن کے حق میں فرمائی تھی کہ یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ اگر تم اس کی تصدیق کرتے ہو، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، جبکہ وہ بالکل حق ہے اور میں نے کبھی بھی دروغ گوئی نہیں کی، اور اگر تم مجھے ان باتوں میں سچا نہیں سمجھتے، تو ابھی وہ لوگ موجود ہیں اور زندہ ہیں۔ وہ تمہیں بتا دیں گے، اور میرے قول کی تصدیق کریں گے، جنہوں نے خود رسول اللہ سے یہ باتیں سنی ہیں۔ مثلاً جابر بن عبد اللہ انصاری، ابو سعید خدری، سہل بن سعد ساعی، زید بن ارقم، اور انس بن مالک، ان سے دریافت کرو، وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے یہ حدیث جناب رسول اللہ سے سنی ہے، جو انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے حق میں ارشاد فرمائی، کیا اس میں میرے خون بہانے سے روکنے والی کوئی چیز نہیں ہے؟ ان کے باوجود تم میرا قتل جائز جانتے ہو؟

"يَا قَوْمِ إِن كُنتُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ ذَلِكَ فَنُفِثْكُمْ إِلَىٰ أَهْلِ بَنِي نَدِيكُمُ فَوَاللَّهِ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ابْنُ بَنِي نَدِيٍّ عِيُوِي فَيَكُم وَلَا فِئَةٍ عَنِيْكُمْ وَلَا يَحْكُمُ الْإِطْلَبُوْنِي بِقَتْلِيْ مِنْكُمْ قَتَلْتُهُ أَوْ مَالِيْ اسْتَمْلَكْتُهُ أَوْ بَقِصَا مِنْ مِّنْ جَرِحٍ فَأَخَذْتُ الْإِيْكَمُونَةَ"

"اے لوگو! اگر تمہیں میری ان فضیلتوں میں شک ہے۔ تو اس بارے میں تو کوئی شک نہیں کہ میں تمہارے پیغمبر کی دختر کا بیٹا ہوں۔ خدا کی قسم! اس وقت مشرق و مغرب میں یعنی سارے جہان میں سوائے میرے کوئی سبط نبی نہیں ہے، نہایت افسوس ہے، کیا میں نے تمہارا کوئی آدمی قتل کیا ہے۔ یا کوئی مال غصب کیا ہے۔ جس کا مجھ سے مطالبہ کرتے ہو۔ یا کسی کو زخمی کیا ہے، جس کا مجھ سے قصاص طلب کرتے ہو؟"

جب امام پاک خطبہ پڑھ رہے تھے تو فوجِ اُمتیار پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اور لوگ ہمہ تن گوش ہو کر عوسماعت تھے۔ امام پاک نے قرآن مجید کھول کر سامنے رکھا ہوا تھا۔ اور تو خاموشی طاری تھی، لیکن خیام میں کہرام مچا ہوا تھا۔ کیونکہ امام پاک کا احتجاج اس قسم کا تھا جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ امام پاک اب قتل سے بچتے نہیں۔ کیونکہ اس قدر دلائل و ثبوت پیش کئے اور ایسا احتجاج کیا کہ اگر پتھر بھی کان اور دل رکھتے تو یہ کلام سن کر پانی ہو جاتے۔ یہود و نصاریٰ بھی ہوتے تو وہ بھی اس فعلِ شنیع سے باز آ جاتے، لیکن یہ شام و عراق کے مسلمان ہی تھے جو بے رحمی اور سنگ دل میں بے مثال تھے۔ عاشور کا دن شہیدوں کی موت کا بیغام لا چکا تھا۔ اور ہر نبی بی اپنے وارث، بھائی، بیٹے، بھتیجے اور بھانجے کی شکل دیکھ کر اور بھیانک مستقبل دیکھ کر آنسو بہا رہی تھی، جناب حسینؑ نے قمر بنی ہاشم اور شہزادہ علی اکبرؑ کو خیموں میں مخدراتِ عصمت کو تسکین دینے کے لئے بھیجا، چونکہ ایک عظیم ملق اور شدید اضطراب تھا، امام پاک نے ان دونوں کو اس واسطے بھیجا کہ ان کی شکل دیکھنے سے بی بیوں کے بے چین دل سکون میں آ جاتے تھے، دراصل مختصر فوج میں یہی دو جوان ان کے اضطراب کا سہارا تھے۔ ان کی استگوں کے مرکز اور حفاظت، عزت و ناموس کا اعتماد تھے، علاوہ ازیں ایک صورتِ پیغمبرؐ کی شبیہ تھی۔ دوسرا ہم شکل علیؑ تھا ان دونوں کی صورتیں خیام میں مخدرات کی تسکین کا باعث تھیں۔ یہ دونوں جوان کئے، فرمانِ امام پہنچایا کہ ابھی رونے کا وقت بہت پڑا ہے۔ خاموشی اور سکون اختیار کرو، یہ سنتے ہی سب پر خاموشی ہو گئیں اور امام علیہ السلام نے خطبہ جاری رکھا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ پیاسے کی زبان اور مجھو کے حلقوم سے اس طرح بارعب الفاظ نکل رہے ہیں کہ ہزاروں کے مجمع میں ہر شخص امام کا کلام سن رہا ہے۔ اور سمجھ رہا ہے۔ امام پاک یہ خطبہ دونوں صنفوں کے درمیان فوجِ اُمتیار کی طرف رخ کر کے بیان کر رہے تھے۔ جب امام پاک نے دیکھا کہ یہ لوگ کسی صورت میں بھی میرے قتل سے باز نہیں آتے، یہ دین فروخت کر کے دنیا خرید چکے ہیں۔ زر و دولت، اور طمع جاگیریں میرے خون بہانے پر مصر ہیں۔ تو امام پاک نے قرآن مجید کھول کر ان کے سامنے کیا، اور فرمایا :-

میرے اور تمہارے درمیان یہ کتابِ خدا ہے، تم میں اس کے پڑھنے والے موجود ہیں

قرآن کی کس آیت سے میرا قتل روا سمجھتے ہو۔

اس مقام پر شمر لعین نے کچھ نازیبا الفاظ کہے۔ جس کا جواب مولانا نے کچھ نہ دیا۔ البتہ حبیب بن مظاہر نے کہا کہ تو بڑا مکار و عیار ہے۔ تیرے دل و دماغ پر نفاق و ضلالت کی مہر لگ چکی ہے، تو امام علیہ السلام کا کلام سن رہا ہے لیکن سمجھنا نہیں چاہتا۔

جناب امام علیہ السلام نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے چند اشقیاء کو نام لے کر پکارا :-
 ”یاشیث بن دہی یا حجارہ بن ابیجر یا قیس بن لاشعث و یا یزید بن الحارث
 اَلَمْ تَكْتَبُوا اِلَیَّ اَنْ قَدْ اَیْنَعْتَ الشُّمَارَ وَاحْضَرَا الْجَنَانَ وَارْتَمَا تَقْدَمُ
 عَلٰی جَنْدَلِكَ مَجْتَدًا قَابِلًا“

اے شیت بن ربیع! اے حجار بن ابجر! اے قیس بن اشعث! اے یزید بن حارث! کیا تم نے مجھے متواتر یہ خطوط نہ لکھتے تھے کہ پھل پک چکے ہیں۔ اور باغات سرسبز ہیں۔ آپ جلد تشریف لاویں، آپ کی حمایت کے لئے لشکر تیار ہو چکے ہیں۔ شیت بن ربیع نے جواب دیا کہ ”میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“
 تاریخین بیان کرتی ہیں کہ ان عہد شکن اور بے وفا کونیروں نے نہایت ڈھٹائی سے کہا کہ ہم نے ایسے خطوط نہیں لکھے۔ شیت بن ربیع نے یہ بھی کہا کہ آپ یزید بن معاویہ کی اطاعت کیوں قبول نہیں کر لیتے، اس کے جواب میں مولانا فرمایا: لَا ذَا اللّٰہِ اَلَا اُعْطِیْتُکُمْ بِیَدِیْ اَعْطَاہُ الذَّلِیْلُ وَ اَلَا اَحْتَرُّکُمْ اَقْرَارَ الْعَبِیدِ۔ (خدا کی قسم! میں اپنا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں ذیل ہو کر بطور بیعت) ہرگز نہ رکھوں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح اقرار کرنے کی عار گوارا کروں گا)
 اس کے بعد جناب امام علیہ السلام نے پکار کر فرمایا :-

”یَا عِبَادَ اللّٰہِ اِنِّیْ حَذَرْتُ بِرَبِّیْ وَ سَرَّ بِکُمْ اَنْ تَرْجُوْنَ وَاَعُوْذُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّکُمْ مِنْ حُلِّ مَکْتَبِیْ لَا جُوْہُ مِنْ بَیْزِمِ الْحِسَابِ۔“ (میں نے اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ مانگی ہے کہ تم مجھے پتھروں کا نشانہ بناؤ اور اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آنا ہوں، ایسے حکمران کی شر سے جو روزِ قیامت پر ایمان نہیں رکھتا)

اتنا فرما کر آپ نے عقبہ بن معان کو بلایا۔ اور ناقہ بٹھا کر مہار اس کے ہاتھ میں دے دی۔ اور اس کو باندھ دینے کا حکم دیا۔ اور آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے، جس کا نام مرتجز ہے اور

دوانجناح مشہور ہے۔

اس کے بعد جناب زبیر بن عقیل نے بھی خطبہ پڑھا۔ اور اس میں کافی وعظ و نصیحت کی، مگر ان اذلی بد بختوں اور خبیث روجوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اور فوجیں جنگ پر آمادہ ہو گئیں، ہاں اثر ہوا تو اس سعید روج پر جو فوج ابن سعد میں جنت و دوزخ کے درمیان کھڑا کانپ رہا تھا، اور دین پا دنیا میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی سوچ رہا تھا، آخر کار اس کا ستارہ اقبال چمکا۔ اور سعادت نے اسے نصرتِ امام پر آمادہ کر لیا۔

جنابِ حرّ کا خدمتِ امامِ پاکؐ میں حضورؐ

اب ابن سعد نے دیکھا کہ زیادہ تاخیر کرنے سے فوج کے بگڑنے کا احتمال ہے۔ ایسا نہ ہو کہ فرزندِ رسولؐ کی تقریر سے کچھ افراد متاثر ہو کر ہیں چھوڑ جائیں۔ چنانچہ اُس نے بلند آواز سے پکار کر اپنی فوج کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ حرّ یہ لشکر کی تنظیمِ آمادگی قتال دیکھ چکا تھا۔ اور خود بھی ایک دستہ کا افسر مقرر ہو چکا تھا۔ چنانچہ زبیر اور امامِ پاکؐ کے خطبے اور دیکھ چکا تھا کہ ان مصالحانہ کوششوں اور نصائحانہ باتوں کا جواب، طعنوں، گالیوں اور تیروں سے دیا جا رہا ہے، اور اب حسینی جماعت پر حملہ کی پوری تیاری ہو چکی ہے۔ زیادہ ضبط نہ کر سکا۔ عربین سعد کے پاس جا کر پوچھنے لگا: "أَقْتَاتِلُ أَنْتَ هَذَا السَّيِّئِ؟" دیکھا واقعی تم ان سے جنگ کرنا چاہتے ہو۔ عمر نے بڑے اطمینان کے ساتھ جواب دیا: "إِنِّي وَاللَّهِ قَاتِلًا أَيْنَسُهُ أَنْ تَسْقُطَ الرُّوسُ وَتَطِيحَ الْآبِدِيُّ"۔ وہاں خدا کی قسم ضرور لڑوں گا اور ایسا لڑوں گا کہ سرکٹ کر گر پڑیں گے، اور ہاتھ بدنوں سے جدا ہو جائیں گے، اس کے بعد حرّ واپس آگیا۔ اور اُس نے دوزخ کو چھوڑ کر جنت میں جانے، باطل سے علیحدہ ہونے، حق کی رفاقت، ظلم سے کنارہ کشی، مظلوم کی نصرت کا اس نے پختہ ارادہ کر لیا۔ اس کی سعید روج اُسے مکمل فیصلہ سنا چکی تھی، اور اس فیصلہ پر عمل کرنے کی تدبیر سوچنے لگا۔ اُس نے دل میں خیال کیا کہ اگر اسی وقت اسی جگہ اپنے فیصلہ کا اظہار کر دوں تو ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ مجھے یہیں سے گرفتار کر لیں اور میں نصرتِ امام اور رتبہ شہادت سے محروم رہ جاؤں، اس آئندہ میں اُس کے قبیلہ کا ایک آدمی قرہ بن قیس اس کے قریب گیا۔ حُر نے اس سے کہا کہ تو نے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا؟ اس نے کہا نہیں، حُر نے کہا کہ کیا پانی پلانے کا ارادہ نہیں ہے؟ قرہ یہ سمجھ گیا کہ حُر کو میرا قریب رہنا گوارا نہیں، وہ ہٹ گیا۔ حُر نے اپنا گھوڑا الگ کر لیا۔ قرہ نے سمجھا کہ شاید پانی کے لئے جا رہا ہے۔

مہاجر بن اوس فرج ابن سعد کا ایک آدمی ہے، اس کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا، حُر کا بدن کانپ رہا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ جنگ کا نقشہ دیکھ کر جو ڈر گیا ہے۔ اس لئے میں نے اس سے پوچھا حُر! خلافت معمول آج میں تمہاری کیا حالت دیکھ رہا ہوں تم تو شجاعاً عسویہ کے سربراہ ناز اور دیران عراق کے مایہ اعزاز ہر کئی لڑائیوں میں آپ کے ساتھ شامل رہا۔ مگر کسی معرکہ میں آپ کی ایسی حالت میں نے نہیں دیکھی۔ جیسی آج دیکھ رہا ہوں، حُر کچھ آگے بڑھ گئے اور وہیں سے جواب دیا کہ میرے قلبی انتشار اور ذہنی اضطراب کی وجہ یہ ہے کہ میں حق و باطل اور جنت و دوزخ اختیار کرنے میں متردد تھا۔ اب میں نے حق کی حمایت اور نصرت امام پاک کا فیصلہ کر لیا ہے۔ دوزخ کا کنارہ چھوڑ کر جنت کی طرف جا رہا ہوں، ظالموں سے الگ ہو کر مظلوموں کی صف میں مل رہا ہوں، یہ فرما کر حُر آگے بڑھ کر رفیقان امام میں شامل ہو گئے۔ ملاح کو انتظار تھا، اب کشتی نجات کا آخری سوار شامل ہو گیا۔ جناب حُر بارگاہ امام کی طرف جا رہے تھے۔ انہیں اپنی بے اعتدالیوں یاد آ رہی تھیں، جو زیادتیاں اس نے امام علیہ السلام پر ابن زیاد کے خوف سے کی تھیں۔ ان پر لپٹیاں ہو رہے تھے۔ چنانچہ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے، سر پر ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ اور یہ الفاظ ان کی زبان پر جاری ہیں:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّكَ اَنْتَ فُتِّبْتَ عَلٰی فَقَدْ اَرَعَيْتُ تَحْلُوْبَ اَوْلِيَايَكَ وَاَوْلَاؤِ
بَنْتِ مَبْنِيَّتِكَ“ (خدا یا! میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں، میری توبہ قبول فرما کیونکہ
میں نے تیرے اولیاء کے دل، اور تیرے پیغمبر کی عترت کے دل ڈرائے ہیں، سپاہ
حُسنی کے قریب پہنچ کر حُر نے دُعا دل دی، جو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ
وہ جنگ کے ارادے سے نہیں آ رہا۔ چنانچہ کسی نے رکاوٹ نہیں کی،

جب حُر امام حسین علیہ السلام کے بالکل قریب پہنچ گیا تو گھوڑے سے اتر کر امام پاک کے قدموں پر
گرہ پڑا۔ اور عرض کی، ”مولا! معافی کا طالب ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ بہت زیادتیاں کی ہیں۔ آپ
کریم ابن کریم ہیں، میں سچے دل سے اپنے مظالم کی معافی کا طالب ہوں۔ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟“
مولا نے بکمال شفقت و رحمت فرمایا: ”مَنْ يَكُوْنُ اِذْ فُجِعَ سَأَلَكَ؟ دُعا کو کون ہے؟ اپنا سر تو
اُٹھا، حُر نے سر اٹھایا۔ آستان مقدس کے بوسے لئے، اور عرض کی، ”فرزند رسول! میں آپ پر
قربان ہو جاؤں، میں وہی حُر ہوں جس نے آپ کا راستہ روکا، اور آپ کو واپس نہ جانے دیا۔ حُر
سُمر کو جھکائے ہوئے اپنی غلطیاں بھی شمار کر رہا تھا۔ اور زار و قطار رو بھی رہا تھا۔ اپنے جُرموں پر

پشیمان ہو کر کہہ رہا ہے کہ مولا آپ کی شانِ کرمی یہ ہے کہ آپ نے مجھے میرے لشکر اور میرے گھوڑوں سمیت پانی سے سیراب کیا۔ لیکن میری گستاخی یہ ہے کہ میں نے آپ کو دریا کے نزدیک نہ اترنے دیا۔ جس کی وجہ سے آلِ رسول پیاس سے بے تاب ہے۔ میں نے آپ کو گھیر کر بلا کے چٹیل میدان میں اتارا۔ میں نے بتوں زاد یوں کے دل ڈرائے، بنی ہاشم کی مستورات اور کم سن بچوں کو جنگل میں اتارا۔ میری وجہ سے ان کے دل گھبرائے۔ اگر میں آپ کا راستہ نہ روکتا تو اولادِ رسول بیابانوں میں پریشان حال اور پیاسی نہ رہتی۔ مولا! آپ میری وجہ سے دشمنوں میں گھر گئے ہیں۔ میں اپنے جرموں کا اقرار کرتا ہوں۔ مولا! میں اس لائق نہیں کہ آپ کو دیکھ سکوں، میرا خیال تھا کہ لڑائی تک نوبت نہ آئے گی۔ اور مصالحانہ تجویزیں کامیاب ہو جائیں گی۔ مولا! کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ مولانا فرمایا: "لَعَلَّ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْكَ" ہاں خدا تیری توبہ قبول فرمائے گا۔

مُشِيرُ الْأَحْزَانِ کی روایت ہے کہ حُر نے خدمتِ امام میں یہ بھی عرض کیا کہ فرزندِ رسول جس روز عبد اللہ بن زیاد نے مجھے آپ کی طرف روانہ کیا اور میں اس کے محل سے باہر نکلا، تو میرے پیچھے آواز آئی، اے حُر! تجھے خیر و خوبی کی خوش خبری ہو۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کسی کو نہ پایا۔ میں حیران ہوا کہ یہ خوش خبری کیسی، میں تو فرزندِ رسول کے ساتھ لڑنے جا رہا ہوں۔ اور اس وقت آپ کی اطاعت اور نصرت کا کوئی خیال نہ تھا۔ لیکن اب اس خوشخبری کی تصدیق ہو گئی ہے۔ میرے اقدام کا آغاز بُرا تھا لیکن انجام اچھا نکلا۔ امام عالی مقام نے فرمایا: لَقَدْ أَصَبْتَ أَجْرًا وَحَيْرًا۔ یقیناً تو نے اجر اور حیرت کو حاصل کر لیا ہے۔ کسی شاعر نے جنابِ حُر کے متعلق کہا ہے:-

نار سے نوری ہوئے اللہ سے واہ نصیبِ حُر
خوبی قسمت کو اکسیر طرلا ملتا نہیں

حُر کا فوجِ یزید کو نصیحت کرنا

حُر نے خطائیں معاف کرانے کے بعد جنابِ امام حسین علیہ السلام سے اذنِ جہاد طلب کیا اور عرض کیا کہ مولا! سب سے پہلے میں نے آپ کا مقابلہ کر کے راستہ روکا ہے۔ اب

چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے میں ہی آپ پر جان قربان کروں، مولانا اجازت فرمائی، ”مگر لشکر ابن سعد کی طرف بڑھے، اور اہل کوفہ کو یوں خطاب کیا۔“ اے اہل کوفہ! تمہاری مائیں تمہارے سوگ میں بیٹھیں۔ اور تم پر روئیں۔ تم نے اس عبد صالح کو بلایا۔ جب وہ تمہارے پاس آگئے تو تم نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور اس کے دشمنوں کے مددگار ہو گئے۔ حالانکہ تم نے وعدہ کیا تھا کہ ان کے ساتھ مل کر جہاد کرو گے، اب وہ تمہارے ہاتھوں اسیر ہیں، اور تم نے ان کے تمام اہل بیت اور ساتھیوں کو فرات کے بہتے ہوئے پانی سے روک دیا ہے۔ جس سے تمام یہود و نصاریٰ اور عجمی سیراب ہو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ کتے اور سڑ بھی اس کا پانی پیتے ہیں۔ اور ایک آل محمد غریب ہیں کہ پیاس کے صدموں سے گے پڑتے ہیں۔ تم نے جناب رسولؐ کے بعد ان کی اولاد سے بہت برا سلوک کیا ہے۔ خدا تمہیں قیامت کے پیاس والے دن سیراب دے گا۔“

عمر ابن سعد کی طرف سے جنگ کا آغاز اور افواج حسین

پہلا حملہ

جب محمدؐ کا پہلا کلام ختم ہوا تو لوگوں نے جواب میں تیر چلائے، یہ حالت دیکھ کر محمدؐ نے تقریر بند کر دی اور واپس آکر خدمتِ امامؑ میں کھڑے ہو گئے۔ سورج کافی بلند ہو چکا تھا، دھوپ چڑھ چکی تھی، عمر ابن سعد جنگ چھیڑنے میں جلدی کرنا چاہتا تھا۔ جناب محمدؐ کی پرجوش تقریر سن کر اُس نے اپنے غلام ورید کو حکم دیا، ”یا ورید! اُدِنِ سَ اَیْتُکَ، اے ورید! لشکر کا علم قریب لاؤ، اُس نے علم قریب کیا۔ پھر سپہرِ سعد نے اپنا تیر کمان کے چلنے پر چڑھایا۔ اور زور سے اصحابِ حسین کی طرف پھینکا۔ اور ساتھ ہی اپنی فوج کو کہا: ”اَشْهَدُ وَاِخِيْ اَوَّلُ مَنْ رَفَعِيْ“ تم گواہ رہنا کہ سب سے پہلے تیر میں نے مارا ہے۔ عمر ابن سعد کا تیر پھینکنا تھا کہ سیکڑوں کمانیں کڑکیں۔ ہزاروں تیر چلن پر چڑھے اور تیروں کی بارش ہونے لگی، یہ پہلا حملہ تھا جس کا آغاز عمر ابن سعد نے تیر چلا کر کیا۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحابؑ باصفا سے فرمایا: قُوْا مَوَارِجَکُمْ اللّٰہُ اِیَّیْہِ الْمُؤْتِی الَّذِیْ لَا یُذِیْتُہُ فَاِنَّ هٰذَا السَّهْمَ مِمَّنْ سَلَّ الْقَوْمُ اِلَیْکُمْ“ خدا تم پر رحم

کہنے، موت کی طرف بڑھو، موت سے کوئی چارہ نہیں۔ یہ تیر درحقیقت قومِ اَشقیاء کے فائدہ ہیں۔ جو تمہاری طرف موت کا پیغام لائے ہیں۔ تیروں کی اس برسات کا اصحابِ حسینی نے سینہ تان کر مقابلہ کیا اور اذنِ جہاد ملتے ہی تیروں کا جواب تیروں سے دیا۔ ایک گھنٹہ تک یہ جنگ جاری رہی۔ انصارِ حسینی کی تعداد منھوڑی تھی اور اس طرف سے ہزاروں کمائیں تیر برسا رہی تھیں۔ جب یہ جنگ پہلا حملہ ختم ہوا اور غبارِ جنگ چھٹا تو معلوم ہوا کہ سچا پس کے قریب اصحابِ حسینی جامِ شہادت پی چکے ہیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر سرکارِ سید الشہداء نے اپنی ریشِ مقدس پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ خدا کا غضب یہودیوں پر اس وقت سخت ہوا جبکہ انہوں نے حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا بنایا۔ اور نصرائیوں پر جب انہوں نے تین خدا بنائے اور خدا کو تیسرا قرار دیا۔ اور مجوسیوں پر اس کا تہرشدید ہوا جبکہ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر سورج اور چاند کی عبادت کی۔ اور خدا کا قہر و غضب اس قوم پر سخت ہوا جس نے اپنے نبیؐ کے بیٹے کو قتل کرنے پر اتفاق کر لیا۔ خدا کی قسم! جو بات یہ لوگ چاہتے ہیں، میں ہرگز قبول نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ اپنے بالوں کو خون کا خضاب لگا کر بارگاہِ خدا میں حاضر ہوں۔

مبارز طلبی کی جنگ

عبداللہ بن عمرؓ کی جملہ اولیٰ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد باقاعدہ مبارز طلبی ہوتی رہی اور ایک ایک کا مقابلہ ہوتا رہا۔ سپاہِ ابنِ سعد سے سب سے پہلا جِوان جو میدانِ کارزار میں مبارز طلب ہو کر نکلا وہ یسار زیاد بن ابی (عبید اللہ کے باپ کا نام) کا غلام تھا۔ وہ میدان میں آ کر للکارنے لگا۔ اس کے جواب میں حسینی جماعت سے جناب عبداللہ بن عمرؓ اس کے مقابلہ کے لئے امامِ پاک سے اذنِ جہاد لے کر روانہ ہوئے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب عبداللہ بن عمرؓ کے مختصر حالات قارئین کے اعزاء معلومات کے لئے درج کر دیئے جاتیں۔

اس پاک طینت صحابی کا نام عبداللہ بن عمرؓ ہے۔ خاندان کے لحاظ سے کلبی کہلاتے ہیں۔ کنیت ان کی ابو وہب ہے۔ کوفہ میں محلہ بنی ہمدان کے قریب رہائش تھی ایک روز کوفہ سے باہر مقامِ نخیلہ پر لوگوں کو جمع ہوتے دیکھا۔ اس نے دریافت کیا کہ اس قدر کثیر تعداد میں لوگوں کے

اجتماع کا کیا مقصد ہے۔ کیا کوئی معرکہ آمائی ہے۔ جواب ملا، ہاں ایک جنگ کی مہم درپیش ہے۔ اس کے لئے ایک لشکر جرار اکٹھا کیا جا رہا ہے۔ عبد اللہ نے دریافت کیا، کس کے خلاف اور کس کے مقابلہ کے لئے۔ جواب ملا کہ حضرت رسول جناب فاطمہ الزہراء کے فرزند حسین بن علیؑ کے بلا میں گھر گئے ہیں۔ ان کے مقابلہ کے واسطے، اولادِ رسول کو قتل کرنے اور باغِ بتول تاراج کرنے کیلئے۔ عبد اللہ بن عمر جناب امیر المومنین کے مخلص صحابی تھے۔ اور پہلے بھی ان کے ساتھ لڑائیوں میں رفاقت کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ یہ سن کر دم بخود رہ گئے۔ قرار نہ رہا اور بے چین ہو کر گھر کی طرف پلٹے۔ خاندانِ رسالت کا یہ شدید آئی، اور امیر المومنین کا فدائی دل میں خیال کرتا ہے کہ سعادت نے یہ موقع بختا ہے اور خوش نصیبی نے یہ دن دکھایا ہے۔ آج فرزندِ رسول کی حمایت اور آلِ بتول کی نصرت میں جان پیاری نہ کرے۔

گھر آئے اور اپنی نیک بخت بیوی اُمّ دہب سے اپنے خیال کو ظاہر کیا۔ اس سعادت مند زوجہ نے اس کے ارادے کی تائید کی، اور اس کے نیک اقدام کو سراہتے ہوئے اپنی ہمراہی کی بھی خواہش کی، کہ حسین تنہا نہیں، خدایاتِ طہارت بھی ان کے ہمراہ ہیں۔ اس واسطے تو حسین علیہ السلام پر جان قربان کرے اور میں بتولِ زادیوں کی خدمت کا شرف حاصل کروں گی چنانچہ جناب عبد اللہ اپنی نیک شعار بیوی کو ہمراہ لے کر آٹھویں محرم کی شب کو امام حسین علیہ السلام کی خدمتِ مبارک میں پہنچ گیا۔

زیادہ کے غلام یسار نے جب سپاہِ حسینی کو لکھا اور مقابلہ کے لئے مقابل طلب کیا، تو اس کے مقابلہ میں جناب امام پاک سے اون جہاد لے کر یہ مقابلہ میں نکلے، یسار نے ابنِ عمیر سے حسبِ ونسب دریافت کر کے غرور و نخوت کے نشہ میں کہا۔ میں تم کو نہیں پہچانتا، تم چلے جاؤ اور اپنی جگہ زبیر بن عیینہ یا حبیب بن مظاہر کو بھیجو۔ عبد اللہ بن عمر نے کہا۔ او پسرِ زانیہ کے غلام "سالم" نے جب یہ حال دیکھا تو یسار کی مدد کے لئے آگے بڑھا۔ اتنے میں جناب امام پاک کے صحابیوں نے جناب عبد اللہ کو آواز دی کہ حریف تیرے پیچھے سے آتا ہے، ہوشیار ہو جا۔

سالم جو ہی قریب آیا۔ جناب عبد اللہ بن عمر پر حملہ کر کے انکی انگلیاں کاٹ دیں۔ جناب عبد اللہ نے پلٹ کر زخمی حالت میں سالم پر ایسا وار کیا۔ کہ وہ ملعون مقتول ہو کر زمین پر آ رہا۔

جب یہ دونوں نابکار غلام ایک باپ کا یعنی زیاد کا اور دوسرا عبد اللہ بن زیاد کا راہی جہنم ہوئے تو جناب عبد اللہ رجز یہ اشعار پڑھنے لگے۔ عبد اللہ کی زوجہ گرامی یہ اشعار سن کر گمزدہ ہاتھ میں لے کر یہ کہتی ہوئی نکلی، **هَذَاكَ اُمِّيْ وَ اُمِّيْ قَاتِلَ دُوْنِ الطَّيِّبِيْنَ ذُرِّيَّةِ مُحَمَّدٍ**۔ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، ذریت محمد کے لئے خوب لڑو۔ جب ان کی زوجہ میدان جنگ میں آئی تو عبد اللہ نے ہر چند اسے واپس کرنا چاہا۔ مگر وہ نہ مانی۔ اور جوشِ قربانی میں یہ کہا کہ تیرے ساتھ میں بھی جامِ شہادت نوش کر دوں گی۔ مگر جناب امام پاک کے سمجھانے سے وہ پاک باز مومنہ واپس خیمے میں لوٹ آئی۔ جناب عبد اللہ کے مقابلے میں جب کوئی مبارز نہ نکلا تو عبد اللہ بھی واپس خدمتِ امام میں آگیا۔

تھوڑی دیر کے بعد شمر بن الجوشن نے فوج کے میسرہ سے سپاہِ حسینی پر حملہ کیا۔ جس کا مقابلہ اصحابِ امام نے نہایت دلیری اور جوانمردی سے کیا۔ اس جنگِ مغلوبہ میں جناب عبد اللہ بن عمیر نے پھر خوب دادِ شجاعت دی۔ دشمن بے دین کے دو سپاہیوں کو داخلِ جہنم کیا۔ اور خود ہانی بن شیبہ حضرمی اور بکر بن حنی تمیمی کے ہاتھوں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

جناب حُر بن یزید الریاحی کی جنگِ اشہادت

جناب حُر امام پاک سے اذنِ جہاد لے کر میدانِ کارزار میں جہاد کے لئے نکلے، چونکہ دستور تھا کہ جو بہادر میدانِ جنگ میں نکلتا تھا اپنی شجاعت اور خاندان پر فخر کرتا ہوا رجزیہ اشعار پڑھتا تھا۔ حضرت حُر اس وقت یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

اِنِّیْ اَنَا الْحُرُّ وَمَا وِیْلِ الضَّعِیْفِ اَضْرِبْ فِیْ اَعْنَاقِكُمْ بِالسَّیْفِ
عَنْ حَنِیْمٍ مِّنْ حُلَیْ بِاَرْضِ الْخَنِیْفِ اَضْرِبْکُمْ وَ لَا اَرٰی مِنْ حَنِیْفٍ

” میں ہی حُر ہوں، اور مہمان کی پناہ گاہ ہوں۔ تمہاری گردنوں پر تلوار چلاؤں گا، اور پوری طرح دفاع کروں گا۔ اس سے جو خوفناک زمین پر اتر رہا ہے، میں تمہیں تلوار کی ضرب لگاؤں گا، اور کوئی خوف محسوس نہ کرے گا۔“

جنابِ حرّ نرفہ اعداد میں تنہا جہاد کر رہے ہیں۔ گھوڑا زخموں سے چور ہو چکا ہے۔ اس وقت یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

مَا زِلْتُ اُذِمُّ مَهْمًا بَعْدَ مَهْمٍ
وَلِبَاقِهِ حَقُّ شُرَکْلِ بِالْذِّمِّ
میں دشمنوں کو اپنے گھوڑے کی گردن اور سینے سے برابر تیرا تار رہا۔ یہاں تک کہ گھوڑا خون سے لال ہو گیا۔

جنابِ حرّ نے قریباً چالیس ناریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حصین بن تیمم نے یزید بن ابی سفیان تمیمی سے کہا۔ یہی حرّ ہے جس کے قتل کی تم آرزو رکھتے ہو؟ یہ سن کر یزید حرّ کے مقابلہ کو نکلا، یزید نے ازراہ غرور و کبر جنابِ حرّ سے کہا۔ ”کیا تم میرے ساتھ مقابلہ کرو گے؟“ جنابِ حرّ نے کہا ہاں کروں گا، اس کے بعد حرّ نے ایسا وار کیا کہ یزید اپنے خون میں لوٹنے لگا، حصین بن تیمم کا بیان ہے کہ یزید کو موت ہانک کر حرّ کے سامنے لائی تھی، جب کافی دیر تک حرّ کے مقابلے کے لئے کوئی میدان میں نہ آیا تو حرّ واپس آئے، اور اصحابِ حسین کی صف میں کھڑے ہو گئے، عمر بن سعد نے حصین بن تیمم کو آواز دی، اور اس کی مدد کے لئے پانچ سو تیر انداز روانہ کئے، وہ جماعتِ حسینی کی طرف بڑھے، اور تیر برسانے شروع کر دیے۔ اصحابِ حسین نے بھی کمابیس سنبھال لیں، اور گھٹنے ٹیک کر تیروں کا رُخ سیدھا دشمنوں کے گھوڑوں کی طرف کر دیا۔ اور ان شیرانِ بیشہ شجاعت نے وہ تیر اندازی کی، کہ دشمنوں کے گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔

جنابِ حرّ دوبارہ جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر میدانِ جہاد میں نکلے۔ اس وقت تک جنابِ حرّ چالیس اور ایک روایت کے مطابق اسی آدمیوں کو واصلِ جہنم کر چکے تھے۔ ایوب بن مشرَحِ حِمْیَری نے آگے بڑھ کے حرّ کے گھوڑے کی کوئیں کاٹ دیں۔ جنابِ حرّ بھڑے ہوئے شیر کی مانند جست لگا کر گھوڑے سے کود پڑے، اور پیادہ پا لڑنے لگے۔ کچھ دیر تک لڑائی ہوئی رہی۔ جنابِ حرّ کی شجاعت اور فنِ حرب کا منظر دیکھ کر عمر بن سعد کے ہوش اڑ گئے، اس نے فوراً کمانداروں کے دستے بلائے، اور وہ اشیاء پر ابا نہ کہ حضرتِ حرّ پر تیر چلانے لگے، حضرتِ حرّ نرفہ اعداء میں گھر گئے، تیروں کی برسات میں حضرتِ حرّ کا بدن زخموں سے چھو ہو گیا۔ تمام بدن لہو لہان ہو گیا تھا۔ آخر یہ مروغاری بے تاب ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اصحابِ امام یہ منظر دیکھ کر حرّ کی جانب دوڑ پڑے، دیکھا کہ خاک و خون میں غلطانِ امام کا یہ فدائی زندگی کی آخری منزل میں ہے۔ اصحابِ امام حرّ کو اٹھا کر جنابِ آقائے مظلوم کی خدمت میں لے آئے، ابھی جان باقی تھی

امام مظلوم اپنے خاص مہمان کے چہرے کو رومال سے صاف کر رہے ہیں اور روتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "مُحَرَّرِ تِیرِی ماں نے تیرا نام صحیح رکھا۔ وَاللّٰہُ مَا اَخْطَا مَثْ اُمْلَکَ حَیْثَ سَمَّیْتُکَ حُجْرًا وَاللّٰہُ اِنَّکَ حُرٌّ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَہِ۔" مُحَرَّرِ تِیرِی ماں نے تیرا نام مُحَرَّر رکھنے میں غلطی نہیں کی، تو دنیا و آخرت میں مُحَرَّر ہے۔ تو نارِ جہنم سے آزاد ہے۔ یہ تائب اور لُحْطے کا ساتھی اپنی جان قربان کر کے راسِ جنت ہوا۔

جناب و مہب بن جناب الکلبی

بعض مؤرخین نے و مہب بن عبد اللہ الکلبی تحریر کیا ہے۔ مگر اکثر مؤرخین نے ان کے والد کا نام حباب لکھا ہے۔ یہ میدانِ کربلا میں انصارِ جنابِ امام حسین علیہ السلام میں موجود تھے۔ ان کے ساتھ ان کی والدہ اور زوجہ بھی تھیں۔ ان کی شادی کو صرف سترو دن ہوئے تھے کہ یہ سعادت مند جوانِ ناصرانِ امامِ پاک میں شریک ہو گیا۔ یہ جانِ نثار جب نصرتِ امامِ پاک کے لئے آمادہ قتال ہوا تو ان کی زوجہ و امن گیر ہوئیں۔ اور کہا کہ جب تو میدانِ جنگ میں جانِ نثاری کے لئے آمادہ ہے تو میں کہاں جاؤں گی، اس نے کہا تو موت کے منہ میں نہ جا۔ اور مجھے بے وارث نہ کر، مگر و مہب کی ماں و والدہ اہل بیت سے مشائرا تھیں، اور محبتِ اولادِ علی میں اپنے بیٹے کی قربانی پیش کرنے میں سرفروشی حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ اسے تلقین کر رہی تھی کہ بیٹا خبردار! عورت کی باتوں میں نہ آجانا۔ ایسا زریں موقع کسی فحش نصیب کو حاصل ہوتا ہے۔ بیٹا! دیکھ رہے ہو کہ شدتِ پیاس اور اعداد کے هجوم سے آلِ رسول کا کیا حال ہو رہا ہے۔ ہمارے آقا اس وقت سخت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ یہ جان چمانے کا وقت نہیں، جانِ قربان کرنے کا وقت ہے۔ بہر حال و مہب کی ماں اسے جانِ قربان کرنے کی نصیحت کر رہی تھی۔ اور زوجہ اس کی زندگی کی آرزو مند تھی۔ آخر کار جناب و مہب نے مادرِ مہمان کی نصیحت پر عمل کیا۔ اور رتبہ شہادت حاصل کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اس کی زوجہ نے جب اپنے شوہر کے عزمِ بالجزم کو دیکھا تو اس کا دامن پکڑ کے کہا مجھے یقین ہے کہ تو نصرتِ امام میں شہید ہو جائے گا۔ اور میرا سہاگ اُجڑ جائے گا۔ تو راسِ جنت ہو گا مگر میں بے وارث رہ جاؤں گی۔ اس واسطے تو خدمتِ امامِ پاک میں چل کر

دو باتوں کا مجھ سے وعدہ کر۔ چنانچہ اس کی بیوی وہب کو لے کر خدمتِ امامِ پاک میں حاضر ہوئی اور امامِ پاک سے عرض کی، حضور میں دو باتیں چاہتی ہوں۔ ایک تو یہ کہ میرا شوہر عنقریب مجھے داغِ مفارقت دے جلے گا۔ یہ تو بجز شہادتِ عبور کے سیدھا جنت میں چلا جائے گا۔ نیزوں اور تلواروں کے زخم کھا کر خدمتِ رسولؐ میں پہنچ جائے گا۔ مگر میرا اس غریب الوطنی میں کون مونس و غم گسار ہوگا۔ اس واسطے حضور مجھے اہلِ حرم کی کنیزی کا شرف بخشیں، میں ان کی خدمت میں رہ کر ان کی رفاقت کی سعادت حاصل کروں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرا شوہر شوہرِ داخلِ بہشت ہو کر حورانِ جنت کی صحبت میں مجھ کو بھول جائے گا۔ اس سے یہ اقرار لیا جائے کہ یہ مجھے بہشت میں فراموش نہ کرے۔ جب مولانا اس بی بی کی تقریر سنی تو آنسو جاری ہو گئے۔ اور فرمایا اے نیک بی بی تیری یہ دنوں باتیں پوری ہوں گی۔ ماں پہلے ہی آمادہٴ جہاد کر چکی تھی۔ اور بیوی کی طرف سے بھی رضا مندی ظاہر ہوئی اس سے قول و قرار کر کے یہ تازہ شادی شدہ جوان ابھی بہاروں سے سیر نہ ہوا تھا کہ عروسِ موت کو گلے لگانے کے لئے مہتیار بدن پر سجا کر اذنِ امام لے کر میدانِ کارزار کی طرف بڑھا۔

میدانِ کارزار میں ان کا یہ رجز تھا۔

ان تنکرونی فاناً بن الکلب = سوف تنرونی وترونی ضربی

و حلتی و صولتی فی الحرب = اذہلک ثادی بعد ثاد صحبی

یہ انشعاب پڑھ کر وہب نے فوجِ استقیار پر اپنی تلوار سے حملہ کیا۔ اور بہت سے بلائیں کو فی الثار کیا۔ اس کا میاب لڑائی کے بعد اپنی مہربانی ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ اماں! میری ان خدمتوں سے آپ راضی ہیں؟ میری اس لڑائی پر آپ خوش ہیں؟ خوش عقیدہ اور محبتِ اہل بیت ماں نے جواب دیا۔ مَا رَضِیْتُ اَوْ لَقِیْتُ بِنَوِّیْ اَحْسَبُ عَلَیْهِ السَّلَام۔ بیٹا! میرا مقصد یہ تو نہیں تھا کہ تو چند ملعونوں کو مار کر پھر زندہ واپس آئے، بیٹا! میں تو اس وقت خوش ہوں گی کہ تو لڑتے لڑتے امامِ پاک پر اپنی جان قربان کر دے۔ بیٹا! میری آنکھیں تو اس وقت ٹھنڈی ہوں گی جب خونِ آلود لاش دیکھوں گی۔ اور میں شہید کی ماں کہلاؤں گی۔

جناب وہب دوبارہ میدانِ جنگ میں رجز پڑھتے ہوئے داخل ہوئے اور دائیں و بائیں پُر زور حملہ کرنے لگے۔ اصحابِ حسین علیہ السلام اس شان سے میدانِ قتال میں جہاد کرتے تھے

کہ بڑے بڑوں و لیروں کے چپکے چھوٹ جاتے تھے۔ بھوک اور پیاس کی شدت کے باوجود اس طرح فوجِ اشقیاء پر حملہ کرتے جس طرح گرسنہ شیر شکار پر چھپتا ہے۔ یہی حال جناب وحب کا تھا۔ گو بدن متواتر بھوک و پیاس سے کم زور تھا۔ مگر دل طاقتور تھا، حوصلہ بلند تھا۔ ارادہ مضبوط تھا۔ دم کے دم میں بارہ پیادوں اور تیس سواروں کو بے دم کر دیا۔ اسی اثنا میں ایک دشمن نے وہب کا دایاں ہاتھ قلم کر ڈالا۔ جناب نے بائیں ہاتھ میں تلوار سنبھال کر حملہ کر دیا۔ اور استقلال سے یہ مرد مجاہد دادِ شجاعت دیتا رہا۔ اس دوران ایک ظالم نے وہب کا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ اور وہب دونوں ہاتھوں سے محروم ہو گئے۔

روحہ وہب اپنے شوہر نامدار کی لڑائی دیکھ رہی تھی، جوں ہی اس نے وہب کو دونوں بازوؤں سے محروم دیکھا، اور وہب کی بے بسی اور خونین منظر پر نگاہ کی، جوشِ محبت اور شوہر مجاہد کی نصرت میں خیمہ کی چوب لے کر نکلی، اپنے سرتاج کا حوصلہ بڑھاتی جاتی اور کہتی جاتی، جس قدر ہو سکے نصرتِ امام کئے جاؤ، اور ان ظالموں کو اہل بیت پیغمبر کے نزدیک نہ آنے دو۔ سبحان اللہ! کیا حقِ نفقت اور جذبہ محبت موجزن ہے کہ ایک وقت تو میدان میں جانے سے روکتی ہے اور اب جہاں پر آجھار رہی ہے۔ چنانچہ وہب نے یہی کہا۔ اس اطاعتِ شعار بی بی نے جواب دیا کہ میں نے آلِ رسول کی غربت اور مظلومی دیکھی، میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ امام مظلوم کا استغاثہ، غور و سالِ تجوں کی پیاس، اہلِ حرم کے پریشانِ بال اور غمِ ناک سورتیں دیکھیں۔ تو زندہ رہنے کو جی نہیں چاہتا۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں نصرتِ اہل بیت میں لڑ کر شہید ہو جاؤں۔ میں بھی تیرے ساتھ اس خاک و خون میں لوٹوں گی۔ جناب وہب نے غیت کے مارے بی بی کو واپس خیمہ میں جانے کو کہا کہ تجھے لڑائی کی اجازت نہیں جب وہب نے بی بی کا اصرار دیکھا تو جناب حسین علیہ السلام کو آواز دی، مظلوم آتے روجہ وہب کو بلایا۔ اور فرمایا: **مُجْرِبِيْكُمْ مِنْ اَهْلِ بَيْتٍ خَيْرَ الْجَزَاءِ اِذْ جِئْتُمْ اِلَى النَّسَاءِ** **بَارَكَ اللهُ فِیْكَ فَاتَهُ كَيْسَى عَلَیْكَ قِتَالٌ**۔ تمہیں اہل بیت کی طرف سے نیک جزا حاصل ہو، اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا فرمائے۔ تو زنانِ اہل بیت کی طرف لوٹ جا۔ اور انہیں میں جا بیٹھ۔ کیونکہ عورتوں پر جہاد نہیں۔ آخر کار کافی پند و نصیحت کے بعد اس کے جذبات کم ہوئے۔ اور شہادت کی آرزو مند خاتون واپس ہوئی، لیکن اس بے قرار بی بی کی نگاہ میدان کی طرف رہی۔ جب اپنے شوہر کو خاک و خون میں لوٹتے اور اپنا سہاگ اُجڑتے

دیکھا۔ خیمہ میں ٹمھہ نہ سکی۔ بے تاب ہو کر سراپہ رود سے باہر نکلی۔ اور شوہر کی لاش پر پہنچ کر نئے دولہا کا سراغ خوش میں لیا۔ جس چہرے پر کبھی پھولوں کی بہار تھی، اب خاک و خون میں غلطال تھا۔ پریشان بال خاک آلودہ تھے۔ سترہ روز کی بیابانی دہن نے کس دل سے شوہر کی لاش دیکھی ہوگی۔ اپنے ارمانوں کا خون کس طرح برداشت کیا ہوگا۔ ہاں نصرت امامؑ حمایت خانوادہ رسول اور شہادت کی موت وجہ تسکین تھی۔ زوجہ وہب اپنے شہید دولہا کے چہرے سے خاک و خون صاف کر رہی تھی کہ ناگاہ شمر لعین کا غلام آگے بڑھا۔ اور مصروفِ نوحہ و بکا زوجہ وہب کے سر پر ایک ایسا آہنی گدڑا مارا کہ وہب کی رقیقہ حیات کی زندگی ختم ہو گئی۔ اور یہ نوبیا تاجوڑا خونِ شہادت سے سرفراز ہو کر ایک ساتھ راہی ملک بچا ہو گیا۔ زوجہ وہب کے چلتے ارمان پورے ہو گئے۔ اور رفاقتِ جنت کی خواہش مند زوجہ شوہر کے ہمراہ جنت میں خدمتِ پیغمبر میں پہنچ گئی۔

مؤرخین کا اتفاق ہے کہ نصرت امام علیہ السلام اور حمایت آل رسول میں یہ پہلی عورت ہے جو اپنے شہید شوہر کی لاش پر قتل کی گئی۔ حضرت وہب کا سراش سے کاٹ کر عمر بن سعد کے پاس لے جایا گیا تو اُس نے جناب وہب کے سر کی طرف مخاطب ہو کر ”مَا أَشَدَّ صَوْلَتُكَ“ تیرا حملہ کس قدر شدید تھا۔ پھر کوفیوں نے اس سر کو امام حسین علیہ السلام کی طرف پھینک دیا۔ وہب کی ستم رسیدہ ماں قریب ہی کھڑی تھی۔ دوڑ کر بیٹے کے سر پر گر پڑی اور فرزندِ ارجمند کے کٹے ہوئے خون آلود سر کو سینے سے لگا یا محبتِ مادری نے ماں کے ارمان پورے کرنے والے اور حق نصرت ادا کرنے والے شہیدِ فرزند کے سر کو چوما اور کہا: ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بَیَضَّ وَجْہُکُمْ بِشَہَادَتِکُمْ بَنِیْ یَدِیْ اِیُّہِ عِبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَتْ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یَا اُمَّتَہُ السَّوْدِیَّۃُ اَشْہَدُ اَنَّ الْفَصَاوِیَّ فِیْ بَیْعِہَا وَالْمُجَوِّسَ فِیْ کُنْسِیْہَا نَحِیْرُ مَنَکُمْ“ حمد اور شکر ہے اس خدا کا جس نے جناب امام حسین علیہ السلام کے روبرو تیری شہادت سے میرے مُنہ کو روشن کیا، اے بدکردار اور روسیہ اُمت فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ نصرائی اپنے گمراہوں میں اور مجوسی اپنے عبادت خانوں میں تم سے بہتر ہیں۔ یہ کہہ کر وہ جذبہ عقیدت و محبت سے سرشار عورت نے اپنے فرزند وہب کا سراغِ دارین کی طرف پھینکا۔ بیان کیا جاتا ہے وہ سراں دور سے اُس دشمنِ خدا قاتل وہب کو لگا کہ وہ ملعون اسی

وقت اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ قاتلِ لعین مقتول کے سر لگنے سے واصلِ جہنم ہو گیا۔ اس کے بعد مادرِ وہب خیمہ کی چوب لے کر میدان میں نکلی، اور فوجِ مخالف پر حملہ کر دیا۔ اور اس چوبِ خیمہ سے دو ملعونوں کو جہنم پہنچایا۔ اس قدر اس زنِ مومنہ کا جوش و خروش تھا کہ امام علیہ السلام نے بمشکل اس کو سمجھایا اور فرمایا: **يَا أُمَّةَ اللَّهِ اجْلِسِي فَقَدْ مُنِعَ الْجِهَادُ مِنَ النِّسَاءِ فَإِنَّكَ وَابْنُكَ مَعَ جَدِّي مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَّةِ**۔ "اے کنیزِ خدا گھر میں جا بیٹھ، کیونکہ جہاد سے عورتوں کو روکا گیا ہے۔ بے شک تو اور تیرا فرزند میرے نانے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنت میں رہو گے۔ جنابِ وہب کی ماں نے جب فرزندِ رسول سے جنت کی بشارت سنی تو کہا: **"إِلَهِي لَا تَقْطَعْ رَجَائِي"** بار الہا! میری امید منقطع نہ فرماؤ۔" جنابِ امام نے فرمایا: **"لَا يَقْطَعْ رَجَاكَ يَا أُمَّ وَهْب"** اے مادرِ وہب حق تعالیٰ تیری امید کبھی قطع نہ کرے گا۔

دوسری جنگِ مغلوبہ

روزِ عاشورہ میدانِ کربلا میں اصحابِ حسینیؑ اور افواجِ کوفہ کے درمیان دو قسم کی جنگیں ہوئی ہیں۔ ایک یکبارگی حملہ کرنے سے فوجوں کا دستوں اور گروہوں کی صورت میں اصحابِ حسینیؑ پر حملہ کرنا، جس طرح عمر بن سعد کے تیرے پھینکنے سے جنگ کا آغاز ہوا اور عمر بن سعد کی تیر اندازی کے بعد ہزاروں تیر کمانوں سے نکلے، یہ جنگ گروہی حملہ کی صورت میں تھی۔ اس جنگ کو جنگِ مغلوبہ کہا جاتا ہے۔

یہ وہ جنگ ہے جس میں افواجِ کوفہ و شام سے ایک ایک مرد باہر نکلتا تھا۔ میدان میں مقابلہ کر کے لٹکارتا تھا۔ اور اس کے مقابلے میں جماعتِ امام پاک سے ایک ایک مجاہد میدانِ کارزار میں مقابلہ کرتا، اُسے "مبارزِ طلبی" کی جنگ کہتے ہیں۔

روزِ عاشورہ جب سورج کافی بلند ہو چکا تھا، عمر بن سعد کی طرف سے "حملہ اولیٰ" ہوا اور جنگِ مغلوبہ کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد مبارزِ طلبی کی لڑائی شروع ہوئی، جس کا

آغاز عمر بن سعد کی طرف سے "زیاد بن ابیہ" کے غلام ایسار اور عبید اللہ بن زیاد کے غلام سالم نے کیا۔ اور انصار جناب امام پاک کی طرف سے عبید اللہ بن عمیر اور حضرت حمزہ اس جنگ میں "مبارطلبی" کے سلسلے میں میدانِ قتال میں اترے، اس انفرادی جنگ میں اصحابِ باؤفا میں سے جناب عبید اللہ بن عمیر حضرت حمزہ حضرت برسر بن معصیر حضرت وہب، عمر بن خالد الازدی، خالد بن عمر سعد بن حنظلہ، عمیر بن عبد اللہ ندجی، مسلم بن عوسجہ، جناب مسلم بن عوسجہ کے فرزند، ہلال بن نافع، باری باری غیرانہ طور پر جہاد کرتے، دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

اصحابِ باؤفا کی حیرت انگیز شجاعت اور افواجِ کوفہ کی تباہی

ان نیک طینیت و پاک سرشت اصحاب کی تعداد تو بالکل قلیل تھی، مگر ایمان، ثبات قدمی، خلوص و یقین، عزم و ہمت اور شوقِ شہادت کے جذبات کا ان پاک بدنوں میں وزن بہت زیادہ تھا۔ ان میں کا ایک ایک مقابل کے سینکڑوں افراد پر بھاری تھا۔ چنانچہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا، جس نے تنہا سپاہِ شام بد انجام کے بیسوں اور سینکڑوں فی القاتل نہ کئے ہوں۔

پیدا نہ کئے مالکِ تقدیر نے ایسے دیکھے نہ جواں پھر ملک پر نے ایسے ان میں سے بہت سے بزرگ ضعیف تھے لیکن پیرانہ سالی کے باوجود ان کے حوصلے عین شباب پر تھے۔ بدن لاغر تھے لیکن دل قوی اور اعصاب مضبوط تھے۔ روحانی طاقت درجہ کمال پر تھی۔ میدانِ جنگ میں ان کے قدم زمین پر پہاڑ کی مانند گر جاتے تھے۔ آگے بڑھتے تھے پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ جبکہ افواجِ اشیقہ میدان چھوڑ کر یوں بھاگتی تھی جس طرح بھیڑ بکریاں جنگل کے شیر سے بھاگتی ہیں۔ بعض اوقات مجاہد حسینی جنگ میں مقابل کا منتظر رہتا اور میدان خالی رہتا۔ ڈر کے مارے کوئی شخص مقابلہ کے لئے نہ نکلتا۔

یہ بھوکے پیاسے تھے۔ گرسنگی اور تشنگی نے ان کے جسموں کو کمزور کر رکھا تھا۔ جبکہ سپاہِ کوفہ و شام کھانے سے سیر اور بہر وقت حیراب رہتی تھی۔ ان کے پاس سامانِ حرب کی کمی تھی۔

جبکہ کوفیوں کے پاس ہر قسم کے ہتھیار تھے۔ لیکن ان مادی وسائل کی کمی اور کمزوریوں کے باوجود یہ روحانی طاقتوں کے مالک اور تمدنی قوتوں کے حامل مقدس نفوس اس طرح جان توڑ کر لڑے کہ کوفی پہلوانوں کے پتے پانی پانی ہو گئے۔ اور اس طرح جوش و خروش سے دشمنوں کی صفوں میں گھس جانے کے ایسے ایسے دلیروں کے چمکے چھوٹ جاتے تھے۔

انہیں حق پر ہونے اور جناب امام حسین علیہ السلام کی امامت، حقانیت اور صداقت پر حق یقین تھا۔ اس واسطے جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر میدانِ قتال میں یوں بے جگری سے لڑتے کہ فوج کی کثرت کا ذرہ بھر خیال نہ کرتے۔ انہوں نے جی بھر کے داؤ شجاعت دی، اور حق یہ ہے کہ دل کے ارمان خوب نکلے۔ بہت سے ناریوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد مسکرا کر موت کو گلے لگایا اور اس طرح مرنے کا انہیں کوئی افسوس نہ رہا۔

نولاد کے سینے تھے تو شیروں کے جگر تھے

خود تیغ تھے اور سبطِ پیمبر کی سپر تھے

اس مبارزِ طلبی کی لڑائی میں عمرو بن حجاج جو فوجِ عمر بن سعد کا ایک تجربہ کار افسر تھا اور دریائے فرات کے گھاٹ پر اسی کا پہرہ تھا۔ اس نے جلا کہ اپنی فوج کو آواز دی کہ اس طرح لڑ کہ تم اس مہم کو سر نہی کر سکتے۔ اس نے کہا۔ ان شیرانِ بنیہ شجاعت اور پیکیانِ عزم و ہمت سے مبارزِ طلبی کی صورت میں تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس نے رائے دی کہ تمام لشکر یکبارگی ان پر حملہ کر دے۔ اور چاروں طرف سے گھیر کر ان کا خاتمہ کیا جائے۔

حسینی جماعت پر لشکر ابن سعد کا حملہ

عمر بن سعد کو عمرو بن حجاج کو یہ تجویز پسند آئی اس نے تمام لشکر کو بل کر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ عمرو بن حجاج نے اصحابِ امام کے بائیں حصہ پر حملہ کر دیا۔ اور اس کی امداد کے لئے شمر لہین بھی اپنی فوج لے کر آگے بڑھا۔ خود عمر بن سعد نے اپنی جمعیت کے ساتھ خیمِ حسینی کو آگ لگانے کی نیت کی۔ مگر غیموں کے تینوں طرف خندق میں آگ روشن تھی۔ صرف ایک طرف سے مقابلہ ہو سکتا تھا۔ اس واسطے شہید بن ربیع کے منع کرنے پر ابن سعد اس ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ لیکن تمام لشکرِ اشقیاء اکٹھا ہو کر جنابِ امام کی تسلیل

جماعت پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن قربان جائیں اصحابِ امام کی ہمت پر اور ہزار ہزار آفرین و تحسین ہے ان مجاہدین پر جنہوں نے اس پامردی اور بے جگرگی سے اس لشکرِ کثیر کا مقابلہ کیا۔ کہ مادرِ گیتی ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ جانبین سے تلواریں چلنے لگیں۔ گھمسان کا رن پڑا۔ زمین کو بلانحون سے لالہ زار بن گئی۔ تلواریں بجلی کی طرح افواجِ شام پہ گرنے لگیں۔ مقتولوں کے خون کا دریا بہنے لگا۔ اور بہادرانِ سپاہِ ابنِ سعد کے سرِ مثلِ حباب دریا کے نحون میں ابھرنے اور ڈوبنے لگے۔ یہ ایسا ہولناک و تباہ کن منظر تھا کہ بڑے بڑے دلیر و جنگجو لوگوں کے بدنوں میں تھرتھری پیدا ہو گئی۔ سبحان اللہ! مجاہدینِ حقِ جذبہ شہادت میں اس طرح سرشار و عورتال تھے کہ تلواروں کی تیز و چاروں اور نیزوں کی آنیوں سے زخموں کا درد محسوس نہ ہوتا تھا۔ اس قلیل جماعت نے لشکرِ کثیر کو ناکام کر دیا۔ اور اہل بیت کے خیام تک ان جفا شعاروں کو پہنچنے نہ دیا۔

جب عمر بن سعد نے اپنی ناکامی دیکھی تو اس نے اپنی فوج کے مینہ اور میسرہ کے سواروں کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ادھر سے جنابِ امامِ پاک کے بتیس سواروں نے ان ہزاروں سواروں کے منہ موڑ دیئے اور غدر بن قیس نے تھک ہار کر ابنِ سعد سے کہا: آپ دیکھ رہے ہیں جو اس مختصر جماعت نے میرے سواروں کو بدحواس کر دیا ہے۔ اس واسطے پیادہ سپاہ اور تیر اندازوں کو میری کمک کے لئے بھیج۔ عمر بن سعد نے مزید پیادہ فوج اور حصین بن نمیر کو پانچ سو ماہر تیر اندازوں کے ساتھ عذرہ بن قیس کے لئے بھیجا۔ اب تیروں کی برسات شروع ہو گئی۔ اور تیروں کی اس موسلا دھار بارش میں اصحابِ باوفانے اپنے آپ کو تو کسی حد تک بچا لیا لیکن ان کے راہوار تیروں کی زد سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اور ان کے گھوڑے سب کے سب زخموں سے چور ہو گئے۔ آخر ان ہمت کے پہاڑوں نے پیدل ہو کر معرکہ قتال جاری رکھا۔ چونکہ یہ مقدس افراد تعداد میں کم تھے۔ اگر ان میں کوئی ایک بھی شہید ہوتا تو کمی محسوس ہوتی اور فوجِ اشقیاء میں سیکڑوں بھی مارے جاتے تو کوئی فرق نہ نظر آتا۔

اس جنگ میں جماعتِ حسینی کے پندرہ سوار اور پندرہ پیادے درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ ادھر عمر بن سعد نے خیامِ امامِ پاک کی طرف رخ کیا۔ تو بیس غلاموں نے پوری ہمت سے مقابلہ کیا۔ یہ غلامانِ اہل بیت اس طرح جان توڑ کر لڑے کہ عمر بن سعد کو خیام

پر حملہ کرنے کی جرات نہ ہو سکی۔ یہ جان نثار و فاع کرتے کرتے خود جامِ شہادت پی گئے۔ مگر خیام کو اپنے بدنوں کو سپر بنا کر محفوظ رکھا۔

اس جنگِ مغلوبہ میں جان نثارانِ جناب سید الشہداء نے حقِ نصرتِ امام ادا کر دیا۔

حق ان کا طرفدار تھا وہ جانبِ حق تھے

سب مصحفِ ناطق کے صحیفے کے درق تھے

تیروں کی بوجھاڑ میں سرکارِ سید الشہداء کا قصدِ نماز

اسی اثناء میں عاشور کا سورج ڈھل گیا۔ حضرت کے اصحابِ پاک میں سے ایک صحابی جس کا نام عمر بن عبد اللہ اور کنیت اُن کی ابو ثمامہ صیداوی ہے۔ محدثِ امامِ پاک میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: "يَا اَبَا عَبْدِ اللَّهِ لِنَفْسِي لِنَفْسِكَ قَدَاءٌ هَلُولًا اُفْتَرُوْكَا مِنْكَ لَا وَاللَّهِ لَا تَقْبَلُ دُونَكَ اُحِبُّ اَنْ اُلْقِيَ اللَّهُ رِيْحِيْ وَقَدْ صَلَّيْتُ هَذِهِ الصَّلَاةَ دَمًا وَقَتَّهَا يَا اَبَا عَبْدِ اللَّهِ۔" مولا! آپ پر قربان جاؤں یہ ظالم آپ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ خدا کی قسم! جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں آپ کو قتل نہیں کر سکتے۔ اور نہ میری زندگی میں آپ تک پہنچ سکتے ہیں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ یہ نماز جس کا وقت ہو چکا ہے آپ کی افتاء میں پڑھ کر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ سبحان اللہ! یہ غازی بھی نر لے تھے اور نمازی بھی نر لے۔ ابو ثمامہ کی یہ درخواست سُن کر مولانا نے جانبِ آسمان نگاہ کی۔ اور فرمایا۔ وَكَرِهْتَ الصَّلَاةَ جَعَلَكَ اللَّهُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ لَعَنَ هَذَا اَوَّلُ وَقَتِّهَا۔ "تو نے (ایسے شدید حالات میں) نماز یاد کی ہے۔ خدا تجھے روزِ قیامت نماز گزاروں میں اٹھائے، ہاں یہ اول وقتِ نماز ہے۔" اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ ان جفا کاروں سے سوال کرو کہ ہمیں نماز کی مہلت دیں۔ اور اُس وقت تک جنگ روک لیں۔ مولا کے صحابیوں نے اشتیاق سے یہ درخواست کی تو حصین بن نمیر نے جواب دیا۔ تمہاری یہ نماز قبول نہیں۔ اس دریدہ دہن کا یہ گستاخانہ کلام جناب حبیب بن مظاہر سے نہ سنا گیا۔ اور اس ملعون کو ڈانٹ کر کہا۔ لَا تَقْبَلُ الصَّلَاةَ مِنْ اِلٍ رَّسُولِ اللَّهِ وَانْصَادِهِمْ وَتَقْبَلُ مِنْكَ يَا خَمَار۔ "اے شراب خور!

تیرا کیا گمان ہے کہ فرزندِ رسولِ آور اُن کے انصار کی نماز قبول نہیں۔ اور تیری نماز قبول ہے؟
 اتنا سننا تھا کہ حصین بن نیر نے جب حبیب پر حملہ کرنا چاہا، اس وقت جنابِ امام حسین
 حضرت حبیب کے آگے کھڑے تھے۔ اور نمازِ ظہر کی تیاری کر رہے تھے۔ حصین بن نیر کو تیزی
 سے اُتے دیکھ کر جنابِ حبیب نے باقاعدہ مقابلہ کی تیاری کر لی۔ اور حصین بن نیر کے گھوڑے
 کے منہ پر زور سے تلوار ماری، گھوڑا بدکا۔ اور وہ ملعون گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ اُس کے
 ساتھیوں نے دُور کر اُسے اُٹھالیا۔ جنابِ حبیب نے جہاد شروع کر دیا۔

قبل اس کے کہ ہم جنابِ حبیب کی مجاہدانہ وجہاتِ
 کارِ روائی کا ذکر کریں۔ جنابِ حبیب کے مختصر
 حالات قلمبند کرتے ہیں۔

جنابِ حبیب بن مظاہر کے مختصر حالات

نام و نسب :- حبیب بن مظاہر یا مظہر
 اسدی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی کنیت ابوالقاسم ہے اور جنابِ رسالتِ مصلیٰ اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ بعض حضرات انہیں تابعی قرار دیتے ہیں۔
 جنابِ امیر المومنین کے غلص اور با وفا صحابی ہیں۔ جنگِ جمل، صفین اور نہروان میں جنابِ
 امیرِ علیہ السلام کے ساتھی رہے ہیں۔ اور آپ کے علوم و آثار کے حامل ہیں۔
 ایک مرتبہ جنابِ میثم تمار اور حضرت حبیب گھوڑوں پر سوار دونوں مخالف سمتوں
 سے آرہے تھے کہ ایک مقام مجلسِ بنی اسد کے پاس دونوں کی ملاقات ہو گئی۔ دونوں باہم اس
 قدر قریب تھے کہ دونوں کے راہواروں کی گردنیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔ جنابِ حبیب
 نے حضرت میثم کو دیکھ کر کہا گویا میں ایسے بزدل کو دیکھ رہا ہوں کہ اس کے سر کے اگلے حصہ
 پر بال نہیں اور وہ محبتِ اہل بیت علیہم السلام کے جرم میں سولی پر لٹکا یا جائیگا۔ ان کا اشارہ
 جنابِ میثم اور اُن کی موت کی طرف تھا۔ اس کے جواب میں حضرت میثم نے کہا۔ میں بھی ایسے
 شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کا رنگ سفید و سُرخ ہے۔ اس کے سر پر دو گیسو ہیں۔ وہ
 اپنے رسولِ پاک کے نواسہ کی نصرت میں جامِ شہادت پئے گا۔ اور قتل کے بعد اس کا
 سر کوفہ کے بازاروں میں پھرایا جائیگا۔ وہ ہر دو یہ گفتگو کر کے چلے گئے۔ لیکن
 سننے والے لوگ ان کی اس پیش گوئی پر اظہارِ تعجب کر رہے تھے۔ اس کے بعد جنابِ
 رشیدِ ہجری ان دونوں کو تلاش کرتے ہوئے ادھر سے گزرے۔ اور ان دونوں

کے متعلق لوگوں سے معلوم کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ابھی یہاں سے چلے گئے ہیں۔ اور ان دونوں بندہ رگوں کا مکالمہ بیان کیا۔ رشید ہجری نے یہ سن کر کہا کہ جناب میثم یہ بات کہنا بھول گئے ہیں کہ اس ناصر عترت رسول کا سر دربار میں پیش کرنے والے کو دوسروں سے ایک سو درہم زیادہ انعام دیا جائے گا۔ لوگوں نے انہیں جھوٹا قرار دیا مگر حامل اسرار امیر المومنینؑ کی پیش گوئیاں کب صداقت سے خالی ہیں۔ تھوڑی سی مدت نہ گزری کہ کوفہ میں عمرو بن حرث کے دروازہ پر جناب میثم کو سونے پر لٹکا کر شہید کیا گیا، اور جناب حبیب کا سر کوفہ کے بازاروں میں پھرتے انہی لوگوں نے دیکھا۔ جناب مسلم جب کوفہ میں تشریف لائے تو جناب مسلم بن عوسجہ اور حضرت حبیبؑ ان کے سرگرم کارکن تھے۔ اور سرکار سید الشہداء کی بیعت لینے میں پیش پیش تھے۔

جناب حبیب کا خدمتِ امامِ پاک میں حضور

جناب حبیب کس طرح، کس وقت اور کس جگہ "ناصرانِ امامِ پاک" میں شامل ہوئے، اس کے متعلق "معالی السبطین" میں ایک روایت لکھی ہے اور عام طور پر مشہور بھی ہے۔ اور کتبِ مقاتل میں پائی جاتی ہے۔

جناب حبیب کوفہ کے بازار میں ایک دکاندار سے مہندی ریش خضاب کرنے کے لئے خرید رہے تھے کہ جناب مسلم بن عوسجہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ جناب حبیب نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ بھائی مسلم! میں دیکھ رہا ہوں کہ اہل کوفہ گھوڑے اور مختلف قسم کے ہتھیار اکٹھے کر رہے ہیں۔ جناب مسلم نے آپ دیدہ ہو کر کہا کہ کوئی بونے فرزندِ رسول کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ اور وہ اولادِ رسول کا خون بہانے پر تیار ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر حبیب نے مہندی بازار میں پھینک دی۔ اور کہا کہ اب میری ریش اس خضاب سے نہیں بلکہ میرے اس خون سے رنگین ہوگی جو فرزندِ رسول کی نفرت میں بہایا جائے گا۔ یہ کہہ کر جناب حبیب گھر آ گئے۔ جناب امامِ مظلوم نے جب مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر سنی، اور افواج کوفہ کی تیاری کی خبر پہنچی تو ایک منزل سے جناب حبیب کو اس مضمون کا خط تحریک لکھا۔

مِنَ الْكُحَسَيْنِ بَنِي عَلِيٍّ إِلَى الرَّجُلِ الْفَقِيهِ حَبِيبِ بْنِ مُطَاهِرٍ
 أَمَّا بَعْدُ يَا حَبِيبُ فَأَنْتَ تَعْلَمُ قَرَأْنَا بَيْنَنَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ وَأَنْتَ
 اعْرِفْتَ بَيْنَنَا مِنْ عَيْزِكَ وَأَنْتَ ذُو مَسِيْمَةٍ وَمَعِيْرَةٍ فَلَا
 تَبْخُلُ عَلَيْنَا بِنَفْسِكَ يُجَاوِزُكَ حَدُّ رَسُولِ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ“
 ”حسین بن علی کی طرف سے مردِ فقیہ حبیب بن مطاہر کے نام۔ اُمّا بعد!
 اے حبیب! جنابِ رسولِ خدا سے ہماری قرابتداری تمہارے علم میں ہے۔
 اور دوسروں کی نسبت تمہیں ہماری معرفت زیادہ ہے۔ آپ صاحبِ غیرت و
 حیثیت زیادہ ہیں۔ پس ہماری مدد میں جان کی بازی دینے سے دریغ نہ کیجیو
 آپ کو اس کی جزا میرے جدا مجد روزِ قیامت دیں گے۔“

قاصد یہ خط لے کر جنابِ حبیب کے پاس پہنچا۔ اس وقت اپنی زوجہ کے پاس بیٹھ
 کھانا کھا رہے تھے۔ اتفاقاً کھانا کھاتے ہوئے ان کی زوجہ کے گلے میں لقمہ اٹک گیا۔
 ان کی بیوی نے کہا: ”اللہ اکبر“ حبیب معلوم ہوتا ہے کہ کسی مردِ کریم کا کریم خط آیا
 چاہتا ہے، اس اثناء میں ”دق الباب“ ہوا۔ حبیب باہر نکلے، پوچھا کون ہے؟
 جواب ملا کہ میں حسین بن علیؑ کا قاصد ہوں۔ حبیب نے نعرہٴ تکبیر بلند کیا۔ اور کہا۔
 کہ جو کچھ اس کی بیوی نے کہا اس کی تصدیق ہو گئی۔ جب خط لے کر گھر میں داخل
 ہوئے، کھولا، پڑھا۔ نیک بخت زوجہ نے دریافت کیا۔ حبیب نے خط کے مضمون
 سے اسے آگاہ کیا۔ سعادت مند بیوی نے جب غربتِ حسینؑ اور آلِ رسولؐ کے
 صحراؤں کا سفر اور بیچارگی سنی، بے اختیار رونے لگی، آخر کیوں نہ روتی، آلِ محمدؑ کی
 حُمدِ ارتحیٰ اور محبت کی یہی علامت ہے کہ ان کے دکھوں کا حال سُن کر محبتِ محزون
 ہو جاتا ہے۔ جب اس نے سنا ہو گا کہ مدینہ کی شہزادیاں، علیؑ و ہولاء کی بیٹیاں، عراق کے
 سفروں اور صحراؤں کے ریگزاروں میں پریشان ہیں اور فرزندِ رسولؐ دشمنوں میں گھر گئے
 ہیں۔ اور نصرتِ طلبی کے خطوط آرہے ہیں۔ مولا کی فوج قلیل ہے، دشمن کثیر ہے، بیچاری
 کے دل پر صدمہ ہوا اور رو کر کہنے لگی، حبیب! میں تجھے خدا کا واسطہ دے کر کہتی
 ہوں، کہ فرزندِ رسولؐ کی مدد سے جی نہ چرانا۔ دیکھو تو سہی کس پیار اور مظلومی سے تمہیں
 بلا رہے ہیں۔ یہ تیری خوش قسمتی ہے۔ جا فرزندِ رسولؐ پر جان قربان کر۔

حبیب نے اپنی زوجہ کا امتحان لینے کے لئے کچھ پس و پیش کی اور کہا کہ میں مارا جاؤں گا۔ تو بیوہ ہو جائے گی، بچے یتیم ہو جائیں گے۔ زنِ مومنہ نے جواب دیا جب میں بیوہ ہو گئی تو کیا آلِ محمد کی متواتر بھی تدبیر ہو جائیں گی، ان کے سر تاج بھی تو اُن سے رخصت ہو جائیں گے۔ آلِ محمد کے بچے بھی تو یتیم ہو جائیں گے۔ حبیب! پھر بھی ہم تو وطن میں ہیں۔ ہمارا قبیلہ ہمارا معاون ہے۔ بنو لاشم کی غدرات پر دوس میں بیوہ ہو جائیں گی۔ ان کے بچے صحرائے عرب میں یتیم ہو جائیں گے۔ کون ہے ان کا مددگار! انہیں کون وطن پہنچائے گا، ان کی کون خبر لے گا؟ میرے لئے تو فرما ہے کہ ان کی بیوگی میں میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں گی، اور میرے بچے اُن کے یتیموں کی معیت میں یتیم ہو جائیں گے۔ روز قیامت ہم جناب رسول پاک اور جناب بتوں کے روبرو کس قدر سرخرو ہوں گے۔ حبیب! یہ سوچنے کا وقت نہیں۔ تاخیر نہ کرو، فرزندِ رسول تیرے انتظار میں ہوں گے۔ جس کے ساتھی تھوڑے ہوں اُسے ایک ایک کی ضرورت ہوتی ہے۔ تیرے جانے سے فرزندِ رسول اور اولادِ بتوں کے دل تسلی میں آجائیں گے۔ تو ہماری فکر نہ کر اور جانِ نصرتِ حسین کا شرف حاصل کر، حبیب پہلے بھی آمادہ تھے سعادت مند رفیقہ کی نیک گفتار نے ان کا خون گرم دیا۔ غلام سے کہا کہ یہ میرا گھوڑا ہے۔ اسے لے جا کر نلال جگہ میرا انتظار کرنا۔ حبیب علانیہ نہ جاسکتے تھے۔ انہوں نے اپنے اس ارادہ کو مخفی رکھا اور غلام سے کہا کسی کو خبر نہ کرنا۔ غلام گھوڑا لے کر چلا گیا۔ زوجہ اور اولاد سے رخصت ہوا۔ وقتِ وداع اس کی بیوی نے گریہ و زاری کرتے ہوئے کہا، کہ جب خدمتِ پاکِ امام میں حاضر ہونا تو میری طرف سے دستِ امام کے بوسے لے لینا۔ اور کہنا مولا! اسنیز سلام کہتی تھی۔ الغرض جناب حبیب گھر سے چھپتے چھپاتے روانہ ہوئے، غلام مقامِ معین پر گھوڑے کے پاس کھڑا اپنے آقا کے انتظار میں تھا۔ کچھ دیر جو ہوئی، غلام گھوڑے کی گردن میں بانہیں ڈال کر کہہ رہا ہے۔ راہوار! تیرا سوار نہ آیا تو تیری زین خالی نہ رہے گی۔ میں تیری پشت پر سوار ہو کر آتا حسین کی نصرت کو جاؤں گا۔ فرزندِ رسول کے قدموں میں جان قربان کروں گا۔ جناب حبیب بھی اتنے میں قریب پہنچ گئے۔ غلام کا والدہانہ کلام سن کر کہنے لگے۔ فرزندِ رسول! قربان جاؤں غلاموں کی محبت کے یہ انداز ہیں۔ وہ نصرتِ امامِ مظلوم کے لئے بے چین ہیں۔ تو آزاد مردوں کا حق تو

ان سے بھی زیادہ ہے۔ بہر حال حبیب نصرتِ امام کے ارادہ سے کہ بلا میں پہنچ گئے۔ دستور ہے کہ مشکل کے وقت اگر کوئی مخلص دوست ساتھ آتا ہے تو غم ہلکا ہو جاتا ہے۔ کوفت کم ہو جاتی ہے اور دل کو یک گونہ راحت ملتی ہے۔ حبیب آئے۔ گھوڑے سے اترے۔ دست و پاڑ امام پاک کے بوسے لئے۔ اپنی زوجہ کے سلام عقیدت پہنچائے۔ مولانا نے قدیمی حبیب کو گلے لگایا۔ بے کسی کے آنسو بہائے۔ انصارِ امام پاک کے حوصلے بلند ہوئے، مخدراتِ عصمت نے جب حبیب کی آمد سنی ہوگی یقیناً ان کے بہتے ہوئے آنسو ٹھہرے ہوں گے۔ تڑپتے ہوئے دلوں کو قدرے سکون نصیب ہوا ہوگا۔ اور بتوں کی بیٹیوں کے دکھے ہوئے دلوں سے کیا کیا وعائیں چلنے نکلے ہوں گے۔

جناب حبیب اگرچہ سن رسیدہ پیر مرد تھے۔ لیکن دل جوان، حوصلہ بلند، ارادہ قوی، اعصاب مضبوط۔ اور مثلِ شیر و ببر تھے۔ چنانچہ صبح عاشور جب مولائے مظلوم نے اپنے لشکر کی صفیں مرتب کی ہیں تو میسرہ (بائیں حصہ) پر جناب حبیب کو متعین کیا۔ اصحابِ باونامیوں سے جب کوئی موت کے بازار میں جاتا۔ آتا ہے مظلوم سے

اصحاب کے الوداعی سلام کا طریقہ

اذنِ جہاد مانگتا۔ مولائے اجازت دیتے۔ تو جاتے وقت اس طرح سلام کرتا۔
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا بَنَیْ رَسُولِ اللّٰهِ۔ "فرزندِ رسول! میرا آخری سلام ہو۔" مولانا جواب میں فرماتے۔ وَ عَلَیْكَ السَّلَامُ وَ تَحْتَ خُلْفَتِ۔ "میرا تجھ پر سلام ہو، ہم بھی تمہارے پیچھے ہیں۔ اور جب کوئی مجاہد شہید ہوتا وہ مولانا کو آواز دیتا۔ جناب مظلوم کہ بلا اپنے صحابی کی لاش پر جاتے۔ گریہ و زاری کرتے۔ دعا دیتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے۔
حَسْبُكُمْ مَنْ قَتَلَ تَحْتَهُ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَ مَا يَدُّ لَوْ اَنْبَدَ يَلًا ۝ ۱۹
"بعض وہ ہیں جو اپنا وعدہ پورا کر گئے۔ اور منزل کو جائے اور کچھ انتظار میں ہیں۔ اور انہوں نے عہدِ وفائیں کوئی تبدیلی نہ کی۔"

جب جناب مسلم بن عوسجہ اسدی کی لاش پر امام مظلوم پہنچے، حضرت حبیب ان کے ہمراہ تھے۔ آپ اسے غمخیز کی لاش پر آئے، اور فرمایا: "سَاحِبْكَ اللّٰهُ يَا مُسْلِمُ" اور آیت مذکورہ کی تلاوت فرمائی۔ حضرت مسلم بن عوسجہ میں قدرے زندگی باقی تھی۔ حبیب ان کے قریب گئے۔ لاش پر بیٹھ کر گرد و غبار صاف کرتے جاتے ہیں اپنے

برادر کی لاش پر فرقت کے آنسو بہا کر کہتے ہیں: اَبَشْرٌ یَا مُسْلِمُ بِالْجَنَّةِ مُسْلِمٌ تَمِیْسُ جَنَّتِ کِی غمِ شخِری ہو۔ جناب مُسْلِم کی لاش سے ہلکی سی آواز آئی، سبحانی حبیبِ خدا تمہیں بھلائی کی بشارت دے۔ پھر جناب مُسْلِم کے منہ کے قریب اپنا منہ کر کے جناب حبیب کہتے ہیں کہ اگر مجھے تمہارے بعد زندہ رہنا ہوتا تو ضرور کسی وصیت کی آرزو کرتا مگر میں جاننا تھا کہ آپ کے بہت جلد بعد آپ کے پاس میں بھی آنے والا ہوں۔ اس واسطے میں وصیت پوری نہ کر سکوں گا۔ جناب مسلم بن عوسجہ نے عالمِ نزع میں فرزندِ رسول کی طرف اشارہ کیا۔ اور کہا کہ فرزندِ رسول کی نصرت میں اپنی جان قربان کر دینا حبیب نے کہا اس بات کا غم نہ کر۔ یہ وصیت جلد پوری ہوگی۔

جناب حبیب کی شجاعت و شہادت

جناب حبیب امامِ پاک سے اذنِ جہاد لے کر میدانِ قتال کی طرف رجز پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے۔ حصین بن نمیر کے جواب میں حضرت حبیب نے تلوار کا وار کیا۔ ان کی ضرب سے حصین کو معمولی سا زخم لگا۔ لیکن وہ بزدل نابکار اس کا بھی متحمل نہ ہو سکا اور میدانِ جنگ سے ہٹ گیا۔ اس کے بعد اس سن رسیدہ بزرگ نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے کہ جو سامنے آتا ہیچ کر نہ جاتا۔ اس ضعیف العمر شیر دلیر نے فوجِ مخالف پر پے در پے حملے کئے اور باسٹھ بے دنیوں کو واصلِ جہنم کیا۔ آخر نبیِ تمیم کے ایک مرد نے کین گاہ سے ایسا نیزہ مارا کہ جناب حبیب زمین پر گر پڑے۔ اٹھنا چاہتے تھے مگر حصین بن نمیر نے حبیب کے سر پر تلوار ماری، حبیب نڈھال ہو کر مد کے بل گر پڑے۔ پھر بدیل بن حویم نے گھوڑے سے اتر کر امامِ پاک کے اس بوڑھے زنبق کا سر قلم کر دیا۔

جناب امامِ مظلوم اپنے باوفا ساتھی کی شہادت کی خبر سن کر فوراً اس کی لاش پر آئے اور فرمایا "عَنْدَ اللّٰهِ اَحْتَسِبُ نَفْسِیْ وَ جَمَاعَیْ" میں اپنے نفس اور اپنے مددگار صحابیوں کی جزاء کا بارگاہِ خداوندی سے امیدوار ہوں۔ اور کئی بار مولائے مظلوم نے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر اس مختصر قافلہ کا قافلہ سالار اپنے ساتھیوں کے ایک ایک فرد کی کمی محسوس کرتا۔ میرے مولا کا تھوڑی فوج کا ایک ایک مجاہد باری باری رخصت ہو رہا تھا اور تعداد گنتی جا رہی تھی۔

جناب حبیب کی موت سے مولائے مظلوم کا دل ٹوٹ گیا۔ اور چہرہ مبارک پر ایسی ہی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ پہلے جب کسی شہید کی لاش پر جاتے تو یہ بوڑھا صحابی ہمراہ ہوتا۔ اب وہ ہمراہی بھی ساتھ چھوڑ گیا۔

عزادارو! مظلوم آقا کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ جب حبیب کو خاک و خون میں غلطان دیکھا ہوگا۔ عموماً قافلہ سالار آگے ہوتا ہے اور قافلہ پیچھے ہوتا ہے۔ مگر یہ قافلہ پہلے سوئے جنت سدھا۔ اور سالار سب سے آخر میں پہنچا۔ قربان جاؤں سالار تو قافلہ کے ہر فرد کی لاش پر پہنچا مگر قافلہ سالار کی لاش اکیلی پڑی رہی کوئی باکر لاش سنبھالتے والا نہ تھا۔ کوئی باقی ہوتا تو لاش پر نہاتا۔

جناب نے حبیب کی لاش پر درود بھرے دل اور خشک زبان سے یہ آخری جملے کہے۔
 اللَّهُ ذُرِّكَ يَا حَبِيبُ لَقَدْ كُنْتُ فَاجِلًا تَحْتِمُ الْقُرْآنُ فِي لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ بِجَانِّ حَبِيبٍ! بخدا کیا خوبی تھی تمہاری کہ ایک رات میں پورا قرآن ختم کر لیا کرتے تھے۔

عین لڑائی میں نمازِ عشق

زمسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
 نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

جناب حبیب تو عہدِ وفا کے اور بحر شہادت عبور کر کے حوضِ کوثر کے کنارے پہنچ گئے۔ اب مولائے مظلوم نے نمازِ ظہر ادا کرنے کا قصد فرمایا۔ اعداء و اشقیاء نے جنگ تو نہ روکی اور نہ امن کے ساتھ نماز پڑھنے کی مہلت دی۔ لیکن جہاں یہ نرالے غازی تھے یہ نرالے نمازی بھی تھے۔ جو عشق شہادت سے تھا، وہی عشق عبادت سے بھی تھا۔ بہر حال ان مجاہد نمازیوں نے تلواروں کے سائے تیروں کی بوچھاڑ میں گرم زمین پر عین گرمی کی حرارت اور جھوک و پائیس کی شدت میں امام انس و جان کے پیچھے صفیں درست کیں۔ یہ سیکہ ان خلوص کی خشک زبانوں سے "اللہ اکبر کی صدائیں نکلیں۔ آسمانوں میں ملائکہ کی قطاریں ان نمازیوں کی صفوں پر ہنسا رہی تھیں۔ اور کرب و بسین کی لاکھ تہجیں ان کی تسبیحوں پر قربان تھیں۔ ان کی سجدہ گاہوں پر بیت المعمور کو رشک تھا۔ اور ان نمازیوں کی ترجمی

جبینوں پہ ملائکہ کے سجدے فدا تھے۔ عرشِ معلیٰ پر اور سماوی طبقات میں رکوع اور سجدے وہ نشان نہیں رکھتے جو فرشِ کربلا اور ریت کے مصنوں پر ان پکیہ ان صدق و صفا اور ابدانِ عشق و وفائے برستے تیروں اور لچکتے نیروں میں خون آلود جبینوں کیساتھ سجدے کئے۔ ملائکہ کے لاکھوں سجدے ان کی ایک تسبیح و تہلیل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مولائے مظلوم نے اپنے چند مجاہدوں کے ساتھ نمازِ خوف ادا کی ہے

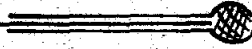
کیا نمازِ شاہ تھی ارکانِ ایمانی کے ساتھ
دل بھی جھک جاتا تھا ہر سجدے میں پیشانی کیساتھ

جب صفیں درست ہو چکیں، نمازیوں نے تیمم کر لئے تو امام مظلوم نے جنابِ سعید بن عبد اللہ اور حضرت زہیر بن القین کو حکم دیا کہ تم ہمارے آگے کھڑے ہو جاؤ۔ تیروں اور نیروں کو روکنا، یہ بادِ فنا جانتا، ستمگرہ دل کے تیروں کی زد میں کھڑے ہو گئے۔ اور سینے تان کر تیروں اور نیروں کو روکنے لگے، جو تیر آتا دوڑ کر اپنے سینوں اور بازوؤں پر روک لیتے۔ اور نمازیوں کی سپر بن کر ان کی محافظت کرتے رہے۔ ان بے دنیوں نے ہنگام نماز بھی بڑائی سے ہاتھ نہ اٹھایا بلکہ برابر کمانیں کھینچتی رہیں اور تیروں کا مینہ برستا۔ ہر ان دونوں جانشا روں کی یہی کوشش رہی کہ کوئی تیر ہم سے بڑھ کر نماز یوں تک نہ جائے۔ ادھر امام پاک نے نماز تمام کی، ادھر جنابِ سعید بن عبد اللہ زخموں سے نچر ہو کر زمین پر گر پڑے۔ زمین پر گرتے وقت اس مجاہدِ شہید کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ اللّٰهُمَّ اَعِزَّنَا عَادِ وَ تَمُوْدَ۔ اَللّٰهُمَّ اَبْلَغْ نَبِيَّكَ عَنِّي السَّلَامُ وَ اَبْلَغْ مَا لَقِيْتُ مِنَ الْمَ الْجَوَاحِ فَإِنِّي اَرَدْتُ نُصْرَةَ ذُرِّيَّةِ نَبِيِّكَ —
اے اللہ! اس قومِ انقیاد پر مثل قومِ عاد و ثمود لعنت بھیج۔ اور میرا سلام اپنے پیغمبر کو پہنچا۔ اور جو کچھ زخموں کا درد مجھے پہنچا ہے، اس سے اپنے پیغمبر کو باخبر کر دینا کہ میں نے تیرے پیغمبر کی نصرت کے قصد سے یہ سب کچھ کیا ہے۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ جنابِ سعید شہید کے بدن پر علاوہ تلواروں اور نیزوں کے زخموں کے تیرہ تیر ان کے جسمِ مقدس میں پیوست تھے۔ جنابِ امام مظلوم اپنے رفیقِ سعید کی لاش پر گریہ و زاری بھی کر رہے ہیں۔ لاش پر بیٹھ کر زخمی بدن سے تیر بھی نکال رہے ہیں۔ قربان جاؤں مولا! آپ سے سعید کی لاش پر تیر دیکھے نہ گئے لیکن

اس سے کہیں زیادہ تیر آپ کے جسم اطہر پر تھے۔ زخم بھی زیادہ۔ لیکن کون تھا جو آپ کی لاش پر جا کر تیر نکالتا۔

جب سعید نے امام پاک کو اپنی لاش پر دیکھا تو نحیف آواز میں کہا۔ یا بنِ رسولِ اللہ اُذْفِیْتُ؟ فرزندِ رسول کیا میں نے عہدِ وفا پورا کر دیا ہے؟
امام مظلوم نے فرمایا۔ لَعَنَ اَہْلُہَا۔ وَ اَنْتَ اَمَامِنِیْ فِی الْجَنَّةِ۔ تو جنت میں میرے آگے ہے۔ اس کے بعد اس کی سعید رُوح پر فاذر گئی اور مظلوم آقا کی جمعیت گھٹی گئی۔ اَلَا لَعَنَہُ اللہُ عَلٰی الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ۔



jabir.abbas@yahoo.com

تیرھویں مجلس

عبادت کی تعریف، عبادت کی اقسام
ذکرِ علی عبادت ہے۔

معرفت و اخلاص، شہادتِ شہزادہ علی اکبرؑ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے
مدد مانگتے ہیں۔

ما سوا اللہ را مسلما بندہ نیست

پیشِ فرعونے سرش اگلا نہ نیست

قواعد عربی کے لحاظ سے مفعول فاعل اور فعل کے بعد آتا ہے۔ مگر جہاں مفعول فاعل سے پہلے آئے وہاں عربی گرامر کے لحاظ سے فعل مفعول میں منحصر ہوتا ہے۔ عربی مقولہ ہے: تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ الشَّخِصُ يُفِيدُ الْخُصْرَ۔ جس کا حق پہچانے کا ہے اُسے پہلے لانا مفیدِ حصر ہوتا ہے۔ یعنی فعل اس مفعول کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر چونکہ مفعول فاعل اور فعل سے پہلے آیا ہے اس واسطے عبادت اور استعانت ذاتِ خدا کے ساتھ مخصوص ہو گئی ہیں۔ یعنی اُسے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ یعنی نہ تیرے غیر کی عبادت کرتے ہیں اور نہ تیرے غیر سے مدد مانگتے ہیں۔

غائب سے مخاطب کی طرف رجوع

اس آیت سے پہلی آیات میں صیغہ غائب سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔ دستور ہے کہ غائب کا بار بار ذکر کرنے سے وہ ذہن کے خانوں میں جب سما جائے تو حاضر کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ قاری جب ذکر خدا کرتا ہے تو اس کا پورا ذہن

خداوند عالم کی طرف پھر جاتا ہے۔ جب قاری مَالِكِ جَوْهَرِ الدِّينِ تک پہنچتا ہے تو وہ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف اس طرح متوجہ ہوا کہ خدا کے حضور میں پہنچ چکا ہے۔ اور بار بار ذکر کرنے سے وہ ذاتِ پاک اب غائب کے پردوں میں نہاں نہیں رہی۔ اور غازی کے قلب و ذہن کو چلا ہوئی۔ حجاب غائب دور ہوا۔ قریب کی منزل حاصل ہوئی۔ خیال نے پلٹا کھایا۔ مَحْنُ اقْرَبُ کا نقشہ سامنے آگیا۔ چونکہ سابقہ صفات کا موصوف سوائے خدا کے کوئی نظر نہ آیا۔ عرفان کی وادی میں ذاتِ ذوالجلال کو لا شَرِکَ دیکھا۔ اخلاص کے مقام کا وصال ہوا۔ ہدایتِ ربانی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ مقامِ عبادت میں معرفت کا نور القاد ہوا۔ پکار کے کہتا ہے: اَيَّاكَ لَعْبُدُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ تیرے غیر کی عبادت سے بیزار ہیں۔ اس طرح اسلام کے بنیادی کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے قول کو حالتِ نماز میں عملی صورت میں دکھا رہا ہے۔ یہی کلمہ دین کی اساس ہے۔ اور ہر پیغمبر کی اسلامی تعلیم کی بنیاد ہے۔ اور اسی بنیاد پر عمارتِ اسلام استوار ہے۔

عبادت کی تعریف

اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس کے سامنے تذلل کی اس صورت میں پیش کرنا جو موائے خدا کے کسی کے سامنے وہ صورت روانہ ہو۔ دوسرے معنی میں "انتہاء تعظیم تعظیم کی آخری صورت کہ اس سے بڑھ کر تعظیم ہو نہیں سکتی۔ اور عباد کی ذلت کی وہ شکل کہ اس سے بڑھ کر ذلت اور انکسار کی اور شکل ناممکن ہو۔

تعظیم اور عبادت میں فرق

تعظیم کا معنی ہے کسی کی عظمت کا قول و عملی صورت میں اظہار کرنا۔ اور تکریم کا معنی ہے کسی بزرگ اور قابلِ احترام ہستی کی عزت کرنا۔ یہ دونوں "غیر اللہ" کے لئے جائز ہیں۔ اور یہی تعظیم و تکریم جب اپنی آخری صورت اور اپنی انتہاء کو پہنچتی ہیں تو وہ عبادت بن جاتی ہیں۔ وہ پھر خداوندِ عالم کے لئے مخصوص ہو جاتی ہیں۔ قرآن پاک میں آیا ہے: وَمَنْ يَعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ بَاطِلًا مِّنْ قَوْلٍ أَوْ قُلُوبٍ (سودہ ج: پ: ۱۰) جو شخص شَعَائِرِ اللہ کی تعظیم کرتا ہے بے شک یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔ انسان جب کسی قابلِ قدر اور لائقِ تعظیم انسان کو دیکھتا ہے تو اتر راہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کے سامنے

بیٹھا ہے تو احتراماً دوزانو ہو کر بیٹھا ہے۔ اور جب اس سے ملتا ہے تو غلطیاً سر جھکا لیتا ہے۔ یہ تمام احترام اور تعظیم کی صورتیں ہیں یعنی قیام، بدن کا کسی قدر جھکانا، اور دوزانو بیٹھنا۔ یہ صورتیں غیر خدا اور قابلِ قدر انسان کے لئے روا ہیں۔ لیکن تعظیم کی انتہائی صورت رکوع اور سُجود ہے۔ یہ صرف ذاتِ پاک باری تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔

نمازی نماز میں تعظیم کی تمام صورتیں اختیار کرتا ہے۔ "تَكْبِيرُ الْاِحْرَامِ" کے بعد دنیا و مافیہا سے منقطع ہو کر اپنے آپ کو بارگاہِ احَدیت میں

عبادت کی صورت

حاضر جان کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ حالتِ قیام میں اس کی تعظیم کی پہلی منزل ہے۔ اس کے بعد تعظیم کی دوسری صورت "رکوع" کرتا ہے۔ اور پھر تعظیم کی تیسری اور آخری صورت سُجود کی شکل میں ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ تعظیم کی یہ تمام صورتیں وہ خدا کے لئے ظاہر کرتا ہے اس واسطے ان تینوں منزلوں میں ذکرِ خدا ہی کرتا ہے۔ پھر سجدوں سے فراغت کے بعد تشہد اور سلام کی حالت میں دوزانو ہو کر بیٹھا ہے۔ یہ ہے اسلامی عبادت اور شرعی بندگی۔ نماز میں اس کی تعظیم کی جملہ صورتیں اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ وہ زبان سے ذکرِ خدا کرتا ہے۔ عمل سے آدابِ عبادت بجالاتا ہے۔ اور دل اس کی یاد میں محو ہو جاتا ہے۔ یہ اس معبودِ حقیقی کی تعظیم ہے کہ میری عبادت اس طرح کرو۔ اس سے بڑھ کر عبد کے تذلل اور خداوندِ عالم کی انتہائے عظمت کے اقرار کا طریقہ کوئی نہیں۔ گو ہر مذہب میں اور ہر ملت میں اس کی بندگی اور عبادت کے طریقے رائج ہیں۔ مگر اسلام نے اس کی عبادت کا جو طریقہ سکھایا ہے وہ لائقِ اور بے نظیر ہے جب انسان اسلام کی اس تعلیم کے مطابق آدابِ عبادت بجالاتا ہے تو وہ عبدِ اس وقت بارگاہِ خدا میں حاضر ہو کر اس کے ذکر کی چاشنی سے زبان نر کر کے لذتِ وصال کے مزے لوثتا ہے۔ جس انسان کی "اَحْكُمُ الْاَحْكَامِ" کی بارگاہ میں مقبول رسائی ہو جائے، اس کا رتبہ بلند ہو جاتا ہے۔ اس واسطے حدیثِ شریفہ میں آیا ہے: "الصَّلَاةُ مَعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ" نماز مومن کیلئے معراج ہے۔

عبادت کی اقسام

گو عبادت کی جامع و اکمل اور افضل صورت نماز ہے۔ مگر پھر بھی عبادت کی کئی قسمیں ہیں۔ عبادت ظاہر ارکان کے ساتھ زبان کے ساتھ ذکرِ خدا کرنا۔ تسبیح، تہلیل، حمد و ثناء و غنائیں مانگنا۔ دعاؤں کا پڑھنا۔ مقربین، معصومین، انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرین صلوٰۃ اللہ وسلامۃ

عَلَيْهِمْ كَاذِبٌ خَيْرٌ كَرْنَا۔ کائنات کی عبادت۔ قرآن کا سننا، ذکرِ خدا سننا، ذکرِ انبیاء و ائمہ معصومین سننا۔ آنکھ کی عبادت، قرآن مجید کا دیکھنا، کعبہ مقدسہ، انبیاء و مرسلین، ائمہ مقررین علیہم السلام کو دیکھنا۔ مشاہدہ مقدسہ، شعائرِ اللہ وغیرہ کی طرف نظر کرنا۔

دست و پاکی عبادت | شعائرِ اللہ مقدس مقامات، قرآن مجید کو مس کرنا، مسجد کی طرف چل کر جانا، بیت اللہ کی طرف حج کے لئے چلنا، مقامات مقدسہ، مزاراتِ مطہرہ کی طرف جتنے قدم چلیں گے، عبادت میں شمار ہوں گے۔

دل کی عبادت | محبتِ خدا اور محبتِ محبوبانِ خدا، و بعض مبعوضانِ خدا یعنی خدا کے دشمنوں کے ساتھ بغض رکھنا بھی عبادت ہے۔

عقل کی عبادت | آیاتِ خداوندی اور اس کی مخلوقات میں غور و فکر کرنا، اس کے مظاہرِ قدرت کا مطالعہ کرنا، اور اس کی عجیب و غریب مخلوقات میں غور و فکر کرنا، جس سے بندہ مومن کا ایمان بڑھے۔ بلکہ یہ تمام عبادتوں سے افضل عبادت ہے۔ عبادت کی یہ اقسام شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنی تفسیرِ عزیزی میں ذکر کی ہیں۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب | مشہور و مسلمہ حدیث ہے کہ "ذَكَرْتُ عَلَى عِبَادَةِ" علی علیہ السلام کا ذکر عبادت ہے۔

"الَّتَنْظُرُ إِلَى رَجُلٍ عَلَى بَنٍ أَوْ عَلَى طَائِفٍ عِبَادَةٌ" علی بن ابی طالب کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔

یہ مشہور حدیثیں ہیں جو کتبِ احادیث کے اوراق کی زینت بھی ہیں اور منبر کے واعظین اور سیلج کے ذاکرین کے بیان کا نمایاں حصہ بھی۔ بعض مخالفتِ حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ جب ذکرِ علی عبادت ہے تو علی معبود ٹھہرے۔ اسی طرح نظر کرنا عبادت تو بھی علی معبود قرار پائے، جس کا ذکر عبادت ہو وہ معبود ہوتا ہے۔ جیسا کہ ذکرِ خدا عبادت تو خدا معبود۔ اسی طرح ذکرِ علی عبادت تو علی معبود، جب علی معبود بن گئے تو دینِ اسلام کی بنیاد کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دھماکے سوا کوئی معبود نہیں، ختم ہو گیا۔ بنیاد گر گئی اور جگہ اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ مگر شیعوں نے اس کی تردید کر دی۔ اساسِ اسلام پر ضرب کاری لگا دی اور "إِيَّاكَ نُعْبُدُ" کی تردید کر دی، حالانکہ یہ کلمہ شیعہ بھی پڑھتے ہیں۔ اور اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مگر یہ حدیثیں اس کی سخت تردید کرتی ہیں کیونکہ

یہ دونوں حدیثیں علی کو معبود قرار دیتی ہیں۔

ظاہرین کرام! یہ اعتراض ہم نے مفصل تحریر کر دیا ہے۔ اب اس کا جواب بھی مفصل سنیں۔

الجواب بالصواب اس میں شک نہیں کہ ذکر خدا عبادت ہے۔ ذکر خدا دو طرح کا ہے ایک بلا واسطہ اور دوسرا بالواسطہ۔ بلا واسطہ تسبیح، تحمید، تہلیل و تکبیر، مثلاً سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ۔ وغیرہ۔

ذکر اور بالواسطہ اس کے مقربین خاص مثلاً انبیاء و صیاء اور اس کے اولیاء کا ذکر چونکہ انبیاء اس کے بھیجے ہوئے ہیں اولیاء اس کے اولیاء ہیں۔ او صیاء اس کے انبیاء و رسل کے وصی ہیں۔ ان سب کا خدا کے ساتھ تعلق ہے اور اسی کے خاندانہ ہیں اسی کے برگزیدہ ہیں۔ اسی کے پیغام رساں اور اسی کے احکام و ہدایت کے مبلغ ہیں۔ اس واسطے اس حیثیت سے ان کا ذکر ذکر خدا ہے۔ اگر یہ نفوس قدسیہ اس کے خاندانہ نہ ہوتے اس کے پیغام برد نہ ہوتے، اس کے دین کے مبلغ نہ ہوتے تو ہم اپنی مجالس و محافل میں ہرگز ان کا ذکر نہ کرتے، ہم اسی لئے ان کے ذکر سے اپنی مجالس کو ذریت دیتے ہیں کہ یہ اسی کے ہیں۔ اور ان کے ذکر سے اسی کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ اور ان کا ذکر منتهی ہوتا ہے ذکر خدا پر، اور ان کے واسطے سے ان کا ذکر ذکر خدا تک پہنچتا ہے۔ اس واسطے ان کا ذکر عین ذکر خدا ہے۔

جس طرح کہ ان کے فرمودات فرمودات خدا ہیں، ان کے احکام احکام خدا ہیں، ان کے اقوال اقوال خدا ہیں، اسی طرح ان کا ذکر ذکر خدا ہے۔

یہ یاد رہے کہ ان مقدس و پاک افراد کا ذکر ان کی عبادت نہیں بلکہ عبادت خدا ہے ذکر ان کا ہے لیکن ان کا ذکر عبادت خدا ہے اس واسطے یہ معبود نہیں قرار پاتے۔

اسی طرح سرتاج ارجاء سرخیل اولیاء حضرت علی بن ابیطالب علیہما السلام کا ذکر عبادت خدا ہے۔ کیونکہ جناب امیر علیہ السلام برگزیدہ خدا، ولی اللہ و مئی رسول اور اس کے خلیفہ بلا فصل ہیں۔ اس واسطے جناب امیر علیہ السلام کا ذکر بحیثیت وصی و خلیفہ کے ذکر خدا ہے۔ اور بلحاظ امام معصوم اور ولی خاص ذکر خدا ہے۔ چنانچہ اس مطلب کی وضاحت خود جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں ہے۔ حضور فرماتے ہیں: زَيَّنَا بِمَا لَكُمْ بِذِكْرِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَإِنَّ ذِكْرَهُ ذِكْرِي وَ ذِكْرِي ذِكْرُ اللَّهِ وَ ذِكْرُ اللَّهِ عِبَادَةُ اللَّهِ۔

ذکرِ علی عبادتِ علی نہیں
بلکہ عبادتِ خدا ہے

اپنی مجلسوں کو علی بن ابی طالب کے ذکر سے زینت دو کیونکہ
اس کا ذکر میرا ذکر ہے۔ اور میرا ذکر خدا کا ذکر ہے۔ اور خدا
کا ذکر عبادت ہے۔

پس ذکرِ علی عینِ ذکرِ خدا ٹھہرا اور ذکرِ خدا عبادت ہے۔ پس ذکرِ علی عبادت ہے۔
تو جناب امیر علیہ السلام کے ذکر سے علی معبود نہیں قرار پاتے، بلکہ خدا معبود قرار پاتا ہے۔ اس
طرح نہ متعدد معبود بنتے ہیں نہ کلمہ توحید پر زور پڑتی ہے۔ اور نہ "إِيَّاكَ لَعْبُدُ" کی تکذیب
ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی حسین و جمیل منتقوں میں غور و فکر عبادت ہے
کہ ان کے دیکھنے سے خدا کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے۔ اس کی عجیب و غریب خلقت سے اس
کی کمالِ قدرت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے خالقِ کیم کا پتہ چلتا ہے اور
غور و فکر کرنے والا پکار اٹھتا ہے: "مَا خَلَقْتُ هَذَا بَاطِلًا" تو لے اُن کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا
وہ خود اپنی آیات میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ کیونکہ آیاتِ خداوندی میں غور و فکر کرنے
سے ایمان و یقین میں زیادتی ہوتی ہے: "أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْآيَاتِ كَيْفَ خُلِقَتْ" کیا یہ
لوگ نہیں دیکھتے کہ اونٹ کیونکہ پیدا کیا گیا ہے۔ زمین کس طرح بچائی گئی ہے۔ آسمان کس طرح
بلند کیا گیا ہے۔ پہاڑ کس طرح گاڑے گئے ہیں۔ یہ سب آیاتِ الہی ہیں۔ جب ان میں غور
و فکر اور اس لحاظ سے اُن کا ذکر عبادت ٹھہرے تو امیر المومنین علیہ السلام تو "آیتِ کبریٰ" میں انسان
شما بہ کارِ قدرت ہے۔

علی کی طرفِ محبت سے نظر کرنا
عبادتِ خدا ہے

جناب رسالت، امیر المومنین اور ائمہ معصومین علیہم
الصلوة والسلام آیاتِ منظمیٰ اسماء حسنیٰ اور منطابہ
قدرت ہیں۔ اور فخرِ بنی نوعِ انسان ہیں۔ اور تمام

کائنات و مخلوقات سے ان وصل ہیں۔ تو ان کا ذکر کیوں نہ عبادتِ خدا ٹھہرے۔ جس طرح کہ
خانہ کعبہ کی طرف دیکھنا اور قرآن مجید پر نظر کرنا عبادت ہے کہ وہ اللہ کا خاص گھر اور اللہ کا
خاص کلام ہے۔ تو یہ اللہ کے خاص بندے، اس کے مقررین بارگاہ اور اس کے خاص اور اثرات
نامندے ہیں۔ تو ان کی طرف اس لحاظ سے دیکھنا کیوں نہ عبادتِ خدا قرار پائے۔

پس ان کا ذکر خیر اور ان کی طرف پر خلوص ایمانی نگاہ عبادتِ خدا ہے۔ ان کی عبادت نہیں
خدا کی عبادت ہے۔ خدا معبود ہے، یہ حضرات معبود نہیں، لہذا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بھی صحیح اور

اَيَّاكَ تُعْبَدُ بھی درست، اور ان کا ذکر خیر بھی باعثِ اضافہ ایمان، زیادتی یقین، بالیدگی رُوح، جوارِ قلب اور روشنی چشم بننا ہے۔ اور اسی کا خلاصہ اور اسی مطلب پر جناب شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنی تفسیر عزیزی میں زیرِ آیت: "اَيَّاكَ تُعْبَدُ" روشنی ڈالی ہے۔ خواہشمند حضرات ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

دستور ہے کہ جب انسان کسی شے سے محبت کرتا ہے تو زبان پر اکثر اس کا ذکر رہتا ہے اور خیال میں محبوب سمایا رہتا ہے۔ ہم چونکہ ان سے محبت رکھتے ہیں، اس واسطے ہماری زبانیں ان کے ذکرِ پاک سے شُر رہتی ہیں۔ خیال میں یہ بلسے ہیں۔ اور دلوں کے خانے ان کی یاد سے معمور رہتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر کوئی محبوبِ خدا نہیں، لہذا جس طرح ان کا ذکر ذکرِ خدا ہے، ان سے محبت بھی عین محبتِ خدا ہے۔ اسی لئے ان کی مُودت کا حکم صادر فرمایا ہے کہ ان کی مُودت سے مُودتِ خدا دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے۔ بلکہ ان کی محبت کے بغیر محبتِ خدا ہو ہی نہیں سکتی، ان کی محبت، محبتِ خدا، اور اُن سے بُغض بُغضِ خدا ہے۔ اسی واسطے حضورِ پاک نے فرمایا۔ "يَا عَلِيُّ حُبِّكَ اِيْمَانٌ وَبُغْضُكَ نِفَاقٌ" اے علی! تیری محبت ایمان ہے اور تجھ سے بُغض منافقت ہے۔ صرف اُنی سے محبت رکھنا ہی عبادت نہیں بلکہ اُنی کے دشمن سے نفرت و بیزاری کرنا بھی عبادت ہے۔

معرفت و اخلاص

عبادت میں دو چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، اور اگر وہ نہ ہوں، تو عبادت محض بیکار محنت اور بے فائدہ مشقت رہ جاتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات عابد بجائے ثواب کے عقاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ وہ بے چارہ بے حد مفلس اور بے مایہ ہے کہ عبادت کرتا ہے، محنت و مشقت سے تھکا جاتا ہے، لیکن صلہ سے محروم رہتا ہے۔

معرفتِ محبوب

انسان کی فطرت میں عبادت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ اور انسان مختلف زمانوں میں مختلف صورتوں سے متعدد چیزوں کے سامنے سرکھجھکا تا رہا ہے۔ سورج، چاند تارے، آگ، اور درخت، مٹی اور پتھر کے بنے ہوئے بُت کئی زمانوں میں انسان کے معبود رہے ہیں۔ فطری کشش نے انسان کو پرستش پر مجبور کیا۔ لیکن باطنی ہادی "عقل" اور ظاہری ہادی "نبی" کی ہدایت سے محروم رہنے کی وجہ سے پرستش کر نیوالا انسان عبادت کی محنت کا ثمرہ نہ پاسکا۔ عبادت تو کرتا رہا۔ مگر جن کی عبادت کی وہ صحیح معبود اور عبادت کے لائق نہ تھے، جب وہ نفع و نقصان کے مالک نہ تھے، وہ کیا صلہ دیتے۔

اس واسطے اُسے عزیز انسان! عبادت سے پہلے معبود کو پہچان، "اَوَّلُ الدِّينِ مَعْرِفَتُهُ"

دین کی پہلی بات اس کی پہچان ہے۔ سورج، چاند، تارے، درخت اور آگ، انسان، بُت وغیرہ خود مخلوق ہیں۔ زوال پذیر ہیں۔ اگر ان میں خوبیاں ہیں تو ان خوبیوں کی بنا پر قابلِ مدح تو ہو سکتے ہیں قابلِ عبادت نہیں۔ قابلِ عبادت وہ ہے جس نے ان کو وجود بخشا۔ ان کو چمک دکھائی اور روشنی اور نور عطا کیا۔ انسان مخلوق کے کمالات کو دیکھ کر جھٹک گیا۔ اور ان کو کمال کی وجہ سے معبود بنا بیٹھا۔ اور آگے نہ بڑھا۔ آگے بڑھتا تو کمال بخشنے والے خالق تک پہنچتا۔ اور صحیح معبود کا پتہ حاصل کر لیتا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدْ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ** اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُونَ سورج اور چاند کا سجدہ مت کرو، اس اللہ کا سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اگر تم خاص اسی کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔ ”فَصَلِّتْ“ تو معلوم ہو گیا کہ صحیح معبود کی معرفت کے بغیر عبادت باطل، اسی طرح صحیح ہادی کی معرفت کے بغیر اطاعت باطل۔ کیونکہ جس معبود کی تو عبادت کر رہا ہے اگر نااہل ہے تو عبادت باطل ہے۔ اور جس امام کی تو اطاعت کر رہا ہے اگر غلط ہے تو اطاعت بے کار، اس واسطے عبادت و اطاعت سے پہلے معبود اور مطاع کی پہچان لازمی ہے۔ جب عرفان حاصل ہو جائے تو عبادت میں عابد کو فزہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح صحیح امام کی معرفت سے اطاعت کا لطف حاصل ہوتا ہے، کیونکہ عبادت و اطاعت کرنے والے کو صلہ کی امید اور ثواب کا یقین ہوتا ہے۔

اخلاص

کمال معرفت اس کو واحد ماننا، اور شرک کی آمیزش سے خالص جانتا ہے، جب اس کی کسی قدر معرفت ہو جائے تو غیر کو اس جیسا نہیں مانا جاسکتا۔ کیونکہ اس کے سوا باقی تمام مخلوق ہے۔ اور مخلوق خالق کے برابر کہاں ہو سکتی ہے۔ اگر کسی اور کو اس کے برابر یا اس جیسا مان لیا تو اس کی معرفت سے بیگانہ رہا، اسی واسطے حکم ہے: **اِيَّاكَ نَعْبُدُ**، ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں، تیرے غیر کی عبادت نہیں کرتے، چونکہ وہ تنہا عبادت کے لائق ہے اور غیر عبادت کے لائق نہیں، اس واسطے غیر کو عبادت میں شریک کرنا نااہل کو اہل کے برابر سمجھنا ہے، اور یہ شرک ہے۔ اس طرح اہل کی عبادت بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ جس طرح عبادت میں نااہل کو اہل کے برابر سمجھنا عبادت کو باطل کر دیتا ہے اسی طرح نااہل کی اطاعت سے اہل کی اطاعت رائیگاں جاتی ہے۔ جھوٹے نبی کو مان لینے سے سچے نبی کا ماننا بے فائدہ ہے۔ اسی طرح جھوٹے امام کو ماننے سے سچے امام کو ماننے کا کوئی فائدہ نہیں۔ توحید سے یہی سبق ملتا ہے کہ اہل کے اقرار سے پہلے نااہل کا انکار ضروری ہے۔ اسی لئے کلمہ توحید یہ

سبق دیتا ہے کہ پہلے نااہل کا انکار کرو پھر اہل کا اقرار کرو۔ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ حق میں باطل کو نہ ملاؤ، حق و باطل میں تمیز کرو۔ حق کو حق اور باطل کو باطل، سچے کو سچا اور مجھوٹے کو مجھوٹا سمجھو۔ حق کو حق سمجھ کر اس کی پیروی کرو اور باطل کو باطل سمجھ کر اس سے بیزاری اختیار کرو۔

عبادت میں خلوص

ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کیا جاتا ہے اور جس کا مقصد تعرب بارگاہ خدا ہے وہ عبادت ہے عبادت کوئی اور کسر بھی ہو اس میں شر اور صرف خدا کی رضا و قربت مقصود ہے اگر عبادت میں غیر خدا کی خوشنودی کا ذرا بھی خیال دل میں آیا تو خلوص جاتا ہے گا۔ یہاں کامی آہائے گی اور وہ اس کا صلہ خدا سے مانگنے کا حقدار نہ رہے گا خدا سے صرف اسی صورت میں اجر لینے کا حقدار ہو گا۔ جب اس نے عبادت خالص رضا خدا کے لیے کی ہوگی۔

ایک عبادت ہے حصول جنت اور نعمات اخروی کے لیے یہ عبادت تاجروں کی ہے کہ ہر حصول نفع کے شوق میں خرید و فروخت کرتا ہے اور کوئی کام دہار کرتا ہے نفع حاصل کرنے کے لیے گو یہ عبادت صحیح ہے مگر کامل نہیں۔

ایک عبادت ہے عذابِ آخرت سے بچنے کے لئے کہ اگر بندہ عبادت نہ کرے تو اسے عذاب ملے گا۔ وہ عذاب کے ڈر سے عبادت کرتا ہے۔ یہ غلاموں اور نوکرانوں کی عبادت ہے کہ آٹا کے غلام و نوکر فرمانبرداری تو کرتے ہیں مگر آٹا کی سزا سے ڈر کر کہ اگر اطاعت نہ کی جائے اور تعمیل حکم نہ کریں تو آٹا سزا دے گا، عبادت تو صحیح ہے مگر کامل نہیں۔

تیسری عبادت یہ ہے کہ نہ تو جنت کا لالچ ہے اور نہ دوزخ کا ڈر، بندہ اس لئے عبادت کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لائق ہے یہ آزادوں کی اور کامل عبادت اور افضل عبادت ہے۔ اسی لئے جناب امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: "مَا عَبْدُ تِلْكَ طَمَعًا لِلْجَنَّةِ وَلَا خَوْفًا مِنَ النَّارِ بَلْ وَجَدْتُكَ أَهْلًا لِلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُكَ" بار اہا! میں نے تیری عبادت جنت کے شوق میں نہیں کی، اور نہ دوزخ کے خوف سے بلکہ تجھے عبادت کے لائق پایا۔ تو تیری عبادت کی۔

جب عابد معرفتِ معبود حاصل کر لیتا ہے تو اسے عبادت میں مزہ آتا ہے کہ وقتِ عبادت خیالِ معبود میں یوں محو ہو جاتا ہے کہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو جاتا ہے۔ اس کا دنیا سے تعلق کٹ جاتا ہے اور معبود کے دھیان میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ یہی حال جناب امیر علیہ السلام کا حالتِ نماز میں ہوتا تھا کہ پاؤں سے حالتِ نماز میں تیز نکالا جاتا اور عابد عارف کو درد محسوس نہ ہوتا اور نہ چپٹہ چلتا کہ پاؤں سے تیز نکال دیا گیا ہے۔

اور یہی حالت تھی عارفانِ حق کی میدانِ کربلا میں کہ حمایتِ حق کے خیال اور دھمالِ خدا کے

شوق میں پیاس کی شدت، بھوک کی تکلیف اور زنجیروں کے درد و آلم کا احساس تک نہ رہا۔ احساس تھا تو اہل بیت رسول کی حفاظت کا، حق کی نصرت اور فرزند رسول کی حمایت کا، وہ موت کی طرف یوں دوڑ کے جاتے جس طرح پیاسا چشمہ آب کی طرف دوڑتا ہے۔ انہیں نیزوں اور تیروں کے زنجیروں میں لذت محسوس ہوتی تھی اور شوق شہادت میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے۔ جس طرح شیر خوار بچے کو ماں چھاتی سے انس ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر انہیں موت کی رغبت تھی۔

نمازِ ظہر کے بعد میرے مظلوم نولا کی جمعیت گھٹ گئی، اکثر زفقار جام شہادت پی کر رخصت ہو گئے۔ جو باقی رہ گئے وہ بھی باری باری اجازت لے کر راجی جنت ہونے لگے۔ جب اصحاب باؤنا اور انصارِ خیر خواہ اپنا عہد و ناکر چلے اور رفاقتِ امام مظلوم کا حق ادا کر کے حسین کے نکاح کے ہاں پہنچ گئے تو بنی ہاشم کی باری آئی۔ بنی ہاشم کے شہداء کی تعداد میں اختلاف ہے مشہود یہ ہے کہ وہ اٹھارہ تھے مگر اس سے زیادہ تعداد بھی کتبِ تواریخ اور مقاتل میں مرقوم ہے۔ اسی طرح بنی ہاشم کے سب سے پہلے شہید کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ بنی ہاشم میں سب سے پہلے شہید جناب علی اکبر ہیں۔

شہادتِ حضرت علی اکبر علیہ السلام

میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہ جہان بیٹے کے متعلق فرماتے ہیں:

دولت کوئی دنیا میں پس سے نہیں بہتر = راحت کوئی آرام جگہ سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر = ننگیت کوئی بونے گل تر سے نہیں بہتر
صدوں میں علاجِ دل بخورج یہی ہے = ریحان یہی رُوح یہی رُوح یہی ہے
بارت کوئی فرزند جُدا ہونہ پدر سے = موت آکے نہ لے جائے یہ دلت کسی گھر سے
اٹھ جاتا ہے جینے کا مزہ مرگ پس سے = جاتا نہیں یہ داغ موئے پر بھی جگر سے
اس غم میں کرے صبر نہیں دل یہ کسی کا = ہاں سبطِ پیبر کا حسین بن علی کا

آنجناب کا نام علی اور لقب اکبر ہے۔ چونکہ امام مظلوم کے شہید ہونے والے دو فرزند شہیدوں میں سے یہ بڑے ہیں۔ اسی لئے انہیں اکبر کہا جاتا ہے۔

نام و نسب

گو بعض تاریخین انہیں امام حسین علیہ السلام کا فرزندِ اکبر قرار دیتی ہیں، اور انہیں جناب

امام علی زین العابدین علیہ السلام سے بھی بڑا تحیر کرتی ہیں۔ مگر جناب شیخ مفید طاب ثراہ اور جناب ابن شہر آشوب ماثر ندوانی اور جناب علامہ غلام حنین کشوری اعلیٰ اللہ مقامہم انہیں امام مسلم زین العابدین علیہ السلام سے چھوٹا بیان کرتے ہیں۔ جناب علی اکبر کے متعلق بار بار لفظ "سلام" آیا ہے اور غلام کمن نوجوان کو کہتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ امام سجاد سے چھوٹے تھے۔ اس لحاظ سے جناب امام حسین علیہ السلام کے فرزندوں میں علی اوسط ہیں۔ اور شہادت پانے والوں میں اکبر ہیں۔ جناب شیخ مفید طاب ثراہ کے مطابق ہم ان کے حالات قلمبند کرتے ہیں۔ جناب کے پدر بزرگوار حسین بن علی ہیں اور والدہ لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی ہیں حضرت علی اکبر جعفر بن حسین ان کی وفات مدینہ میں ہو گئی تھی وہ کربلا میں موجود نہ تھے۔ اور حضرت علی اصغر جو باپ کے ہاتھوں پر شہید ہوئے۔

جناب لیلیٰ کے دادا طائف کے مشہور سردار عروہ بن مسعود ثقفی تھے۔ جن لوگوں نے مدینہ میں اسلام قبول کیا تھا ان میں زمانہ جاہلیت و کفر کے چار سردار تھے۔ بشر بن ہلال عبدی، عدی بن حاتم طائی، سراقہ بن مالک مدلیجی اور عروہ بن مسعود ثقفی، یہ عروہ بن مسعود ثقفی مقام حدیبیہ میں قریش کے سفیر بن کر آئے۔ اور صلحنامہ تیار ہوا تھا۔ سہ ماہ میں یثرب میں اسلام ہوئے۔

جناب لیلیٰ کی ماں ابوسفیان کی بیٹی میمونہ تھی۔ جس کی کنیت اُم شیبہ بیان کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے جناب لیلیٰ معاویہ کی بھانجی ہیں۔ اسی واسطے یوم عاشور وقت قتال جناب علی اکبر کو اس قربت کی وجہ سے امان پیش کی گئی تھی۔ جس طرح جناب عباس اور ان کے بھائیوں کو امان پیش کیا گیا تھا۔ مگر جس طرح جناب عباس نے امان نامہ کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا تھا۔ اسی طرح حضرت علی اکبر نے بھی اس امان کو رد کر دیا تھا۔

حالات جناب علی اکبر علیہ السلام

معاویہ بن ابوسفیان اکثر جناب علی اکبر علیہ السلام کی مدح کیا کرتا تھا۔ ایک دن امیر شام نے اپنے درباریوں سے کہا کہ اس امر خلافت کا حقدار کون ہے تو درباریوں نے از راہ خوش آمد کہا کہ آپ ہیں۔ مگر معاویہ نے کہا: 'نہیں'۔ خلافت کے حقدار حضرت علی اکبر ہیں۔ کہ ان میں بنی ہاشم کی شجاعت، بنی امیہ کی سخاوت اور بنی ثقیف کا حسن و جمال جیسے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ یہ تو

معاویہ کی زبان تھی۔ مگر تمام اوصاف حمیدہ اور خصالی جلیلہ بنی ہاشم کی میراث تھیں۔ علی اکبر جی کے ورثہ دار تھے۔

جناب علی اکبر جو دو کرم اور مہمان نوازی میں ممتاز تھے۔ حسینی لشکر کے ناظم اور مہمان خانہ کے منتظم تھے۔ عرب میں مہمان نوازی نہایت عظیم الشان عادت اور قابلِ فخر صفت تصور کی جاتی تھی۔ جو مہمان نوازی سے کمتر اتنا اس کی سخت مذمت اور مہمان نواز کی بہت تعریف کی جاتی۔ جناب علی اکبر مہمانوں کی حد درجہ تواضع کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جناب امام حسین کی مہمان نوازی کے لئے علی اکبر جیسا کوئی مہمان نواز نہ تھا۔ جناب علی اکبر مہمان خانہ میں اعلیٰ اقسام کے کھانے پکواتے، 'یتیموں'، 'بیواؤں'، 'مسکینوں اور مہمانوں کو عزت و اکرام کے ساتھ کھلاتے'۔ کوٹھوں پر آگ روشن کرتے، جو مہمان نوازی کی علامت اور مہمان خانہ کی رہنمائی کرتی تھی تاکہ مہمانوں کو راہ ڈھونڈنے اور مہمان خانہ تلاش کرنے میں دقت نہ ہو۔ قربان جاؤں جس حسین نوجوان کی سخاوت اور مہمان نوازی کی یہ عادت ہو، روزِ عاشور کہ بلا میں ایک گھونٹ پانی مانگتا ہے مگر نصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ 'انقلابِ زمانہ' اور بے وفائی دینا۔ ایسا سخی و کیم، خشک ہونٹوں اور سُوکھے گلے کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ جناب علی اکبر علم و فضل میں اپنے بابا حسین کے اور آدابِ حرب میں چچا ابوالفضل عباس کے شاگرد تھے۔ اخلاق و عادات، شکل و صورت اور رفتار و گفتار میں شبیہ محمد مصطفیٰ تھے۔

مدینہ کے لوگ ویدار پاک پیغمبر کے مشتاق ہوتے تو جناب علی اکبر کی زیارت سے وہ شوق پورا کر لیتے، جناب امام حسین علیہ السلام کو اپنے ہم شکل پیغمبرِ فرزند سے بہت محبت تھی انہیں دیکھ دیکھ کے خوش ہوتے۔

اس پیارے نازنین اور شبیہ رسول بیٹے کی ہر حاجت پوری کرتے خواہ اعجاز سے ہو۔ ایک مرتبہ جناب علی اکبر نے اپنے بابا سے انگوروں کی خواہش کی، انگوروں کا موسم نہ تھا۔ امام پاک نے مسجد کے ستون کو ہاتھ لگا کر اعجاز سے انگوروں کا گچھا اپنے پیارے ولبند کو عطا فرمایا۔ ان کی خواہش رد نہ کر سکے۔ مگر معلوم نہیں کہ روزِ عاشور جب جنگ کرتے کرتے واپس آئے تو ایک گھونٹ پانی کا مطالبہ کیا۔ مگر امام اس وقت کیوں نہ ان کی خواہش پوری کر سکے۔ اتنا کہا بیٹا! کس تند و شوار ہے کہ تم پانی مانگو اور میں پانی نہ دے سکوں، ہاں تھوڑی دیر صبر کرو، تمہارے جدِ امجد تمہیں کوثر سے میراب کریں گے۔

اذن جہاد

انصار و اصحاب کی شہادت کے بعد جناب علی اکبر خدمتِ امام میں حاضر ہوئے اور اذن جہاد چاہا۔ اٹھارہ ایتس سال کا سن، آغازِ شباب، حسین و جمیل جوانِ رعنا۔ عصائے پیری، مسیٰں بھگی ہوئیں۔ سیاہ زلفیں لہراتی ہوئیں، نورانی چہرہ، سر پر گیسو دراز، رُخِ انور سیاہ گیسوؤں میں یوں نظر آتا جس طرح بدر میں سیاہ بادلوں میں دکھائی دیتا ہے۔ میرا نہیں اس مقام پر فرماتے ہیں :-

وہ شان و شوکت و تہ و تہ وہ جلالت = چھپتے ہیں کہیں جو ہر شمشیر اصالت
طینت میں کرم طبع میں انصاف و عدالت = اقبالِ علی شانِ شہنشاہِ رسالت

دیکھا جو رُخِ عرش کے سرتاج کو دیکھا
زلفوں کو جو دیکھا شبِ معراج کو دیکھا

جناب علی اکبر کو اذن جہاد دینے میں تاخیر تو نہ کی، مگر دل پہلو میں بیٹھ گیا۔ نَظَرَ الْبَیْہِ نَظَرَ الْاُنْسِ مِنْہُ وَاَزْجٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ۔ آپ نے وداع ہونے والے فرزند کو مایوسانہ نگاہ سے دیکھا، مایوسانہ اس لئے کہ جہاد میدان جہاد میں جاتا اس کے زندہ رہنے کی امید نہ رہتی، اپنے نوجوان فرزند کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ گویا عصلے پیری ہاتھ سے گرا چاہتا تھا۔ اور آنکھوں کو رونے کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ صرف معمولی نہیں روئے، آنکھوں کو چھوڑ دیا۔ مثلِ ابرہہ بر سنے لگیں زخمی قلب و جگر کا لہو تھا جو بے قراری کے عالم میں آنکھوں سے پانی کی صورت میں بہہ رہا تھا، اپنے آپ پتہ بول پاتے ہوئے پسہ کو گلے لگایا۔ بھگی ہوئی مسیوں کے بوسے لئے، میں تو یہ کہوں گا کہ تبر کا ہم شکل رسول کے رُخِ انور کو چوما۔ اور اپنے ہاتھ سے شہزادہ کو اسلحہ جنگ پہنایا۔ جسم کو درہ پرش کیا پہلو میں تلوار لٹکائی۔ کمر بند سے مضبوط کر باندھی، اور سر پر دستار اس طرح باندھی کہ اس کے پہلو کے کنارے کھلے چھوڑ کر تحت الحنک باندھی جس طرح کہ میت کو کفن دیتے وقت عمامہ مولانے اسی طرح اس مجاہد کو اسلحہ سے سجایا اور ایک طرح کا کفن بھی تھا۔ زرہ پاک بھی رسول پاک کی تھی۔ عمامہ بھی رسول کا تھا۔ گھوڑا بھی رسول کا تھا۔ کیونکہ شکل بھی رسول کی تھی۔

میدانِ کارِ زار کی طرف روانگی

جناب علی اکبر کی آخری رخصت معمولی نہ تھی۔ قیامت کا منظر تھا۔ یہ انیس سالہ نوجوان عصمت سرا میں غمزدار

اہل بیت سے رخصت ہونے کے لئے آیا۔ تو حرم سرا میں کہرام مچا سو گیا۔ مستورات کی آہیں آسمان کو جاتی تھیں۔ درمیان میں علی اکبر تھے۔ اور گرد و مستورات نے حلقہ باندھا ہوا تھا۔ کوئی بی بی ہاتھوں کو چومتی تھی، کوئی رنجِ انور کے بوسے لیتی تھی۔ کوئی بی بی زلفوں کو اور کوئی کمر کو دیکھ کر زمین پر گر پڑتی تھی۔

عزادارو! علی اکبر کی رخصت کا حال زینب مے دل اور لیلیٰ کے جگر سے پوچھئے۔ اُمّ کلثوم کے نالوں، فاطمہ کبریٰ کے کھلے ہوئے بالوں سے، معلوم نہیں سجاد بیمار سے کس طرح ملے۔ اور سکینہ سے کس طرح رخصت ہوئے۔ خود مولا حسین کی حالت یہ تھی کہ جوان پسر کے چہرے کو بار بار دیکھتے اور آہِ مردِ کھینچ کے رہ جاتے۔ اپنے ہاتھ سے عقاب نامی گھوڑے پر سوار کیا۔ نوجوان پسر گھوڑے پر سوار ہیں۔ مجاہد میدانِ کارِ زار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اور ضعیف پدِ چہ قدم ساتھ چلنے کے بعد رخصت کرنے کے بعد بقلب بے قرار و بادیدہ اشکبار آسمان کی طرف منہ کر کے کہتا ہے:

”اللَّهُمَّ اشْهَدْ عَلَيَّ هَؤُلَاءِ الْقَوْمَ فَقَدْ بَوَّزُوا كَيْفَهُمْ عَلَامًا أَشْبَهَ النَّاسَ خَلْقًا وَخُلُقًا وَ مَنَظْفًا بِرِ سُلُوكِ وَ كُنَّا إِذَا اشْتَقْنَا إِلَى نَبِيِّكَ نَظَرْنَا إِلَى وَجْهِهِ“ د اے اللہ! تو گواہ رہ کہ اب ان لوگوں کی طرف وہ جوان جا رہا ہے جو فتنہ و صورت اور اخلاق و سیرت اور رفتار و گفتار میں تمام لوگوں سے زیادہ تیرے رسول کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ جب ہم لوگ تیرے نبی کی زیارت کے مشتاق ہوتے تو اس آئینہ جمال و کمال رسالت کے رُنجِ انور کو دیکھ لیتے۔ فتویٰ زیارت پورا ہو جاتا

امامِ مظلوم کے ان فقرات سے ان کے دلی جذبات کا پتہ لگتا ہے۔ کس دل سے جواں پسر کو میدان میں بھیجا۔ چونکہ مقصد شریف اور ارادہ بلند تھا اس واسطے امام اپنے نفس پر قابو پا کر واپس آ گئے۔ اور جناب علی اکبر میدانِ کارِ زار کو سدھارے۔ ہاں عمر بن سعد کو پکار کے کہا: ”اے عمر! خدا تیرے رحم کو قطع کرے“ اور یہ دنیا تیرے لئے مبارک نہ کرے، اور خدا تجھ پر اس شخص کو مسلط کرے جو تجھ کو تیرے فراش پر درج کرے جس طرح تو نے میرے رحم کو قطع کیا۔ اور جناب رسالتا ب کے ساتھ میری قربت کا

کوئی خیال نہ کیا۔

اس کے بعد مغوم امام نے دکھے ہوئے دل کے ساتھ یہ آیت تلاوت فرمائی :

إِنَّ اللَّهَ صَظُّهُ أَذْوَ كُوحًا وَالْإِنْبَاءُ هَيْمٌ وَالْإِعْمَانُ عَلَى الْعَالَمِينَ
ذَرِيَّةً بَعْضُهُمَا مِنْ لَبِئْسٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔

جناب امام پاک تو خاموش ہو کے بیٹھ رہے اور علی اکبر خیاں حسینی سے اس طرح برا بد ہونے جس طرح مشرقی افق سے خورشید طلوع کرتا ہے ، میدانِ جہاد میں جا کر یہ رجز پڑھا۔

أَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ = مِنْ عُصْبَةِ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ
وَاللَّهُ لَا يَحْكُمُ بَيْنَنَا ابْنُ الدَّعْيِ = أَعْطَاكُمْ بِالْفُحِّ حَتَّى نَنْتَشِرُ

شہزادہ کی شجاعت

أَضْرَبَكُمْ بِالسَّيْفِ أَحْمَى مِنْ أَيْ = صَرَبَ عَلَّامٍ هَاشِمِيٍّ غُلَوِيٍّ

میں حسین بن علی کا فرزند ہوں ، اور اس گروہ سے ہوں جن کے باپ کے
جہادِ مجد رسول اللہ ہیں۔ خدا کی قسم دلدارِ محرام ہمارا حاکم نہیں بن سکتا۔ میں تم
پر نیزے سے وار کر دوں گا ، اور اپنے باپ کی حمایت کرتے ہوئے ایسی
تینخ زنی کروں گا جو ہاشمی اور حیدری جوانوں کی شان ہے (

اس کے بعد اس ہاشمی جوان نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ شجاعانِ کوفہ

کے چمکے چھوٹ گئے ، اور علی کے پوتے نے وہ دیرانہ حملہ کیا کہ کوفیوں میں سے کوئی سامنے
نہ آسکا۔ جس طرف رخ کرتے کشتوں کے پُشتے لگ جاتے اور وہ حصّہ میدانِ دشمنوں
سے نکالی ہو جاتا۔ جناب شیخ مفید لکھتے ہیں کہ : اَهْلُ الْكُوفَةِ يَتَّقُونَ قِتْلَهُ وَ
قِتَالَهُ ، ہم شکلِ پیغمبر ہونے کی یا وارثِ جماعتِ حیدری ہونے کی وجہ سے اہل کوفہ ان
سے لڑنے اور قتل کرنے سے گریز کر رہے تھے۔ باوجود بھوکا پیاسا ہونے اور درد و
الم سے دوچار اور دکھوں میں مبتلا ہونے کے شہزادہ نے ہاشمی و حیدری شجاعت کے
کمال کا وہ نمونہ پیش کیا کہ دشمن اپنے مقتولین کی کثرت سے گھبر گئے۔ قوت و دلیری تو ہاشمی
جوانوں کی مشہور ہے۔ آدابِ حرب ان سے بڑھ کر کون جانتا ہے۔ حیدرِ کمار کے پوتے
نے پہلے حملہ میں ایک سو بیس ناریوں کو واصلِ جہنم کیا۔

اب شہزادے کا تن زخمی ہے۔ تیروں ، تلواروں کے زخم کافی لگ چکے ہیں۔ گلشنِ
رسالت کا پھول پیاس کی شدت ، دھوپ کی حدت سے کھسکا چکا ہے۔ یہ گلِ نازنین

کئی روز سے بے آب تھا۔ دھوپ میں مجاہد کو پیاس لگتی ہے۔ اب زخموں کی کثرت سے پیسکیر وریا
 نہ حال ہو چکا ہے۔ قربانی جاؤں، زخمی کو پیاس بہت لگتی ہے۔ لوہے کے ہتھیار جریب تن تھے
 گرم ہو گئے ہیں، انہوں نے پیاس کی شدت میں اضافہ کر دیا۔ بدن کمزور ہو چکا ہے اور ہتھیار
 جو حیل ہو رہے ہیں۔ پانی کی تمنا میں شہزادے نے گھوڑے کی باگیں خیم کی طرف موڑیں۔ ادھر
 پیاس کا غلبہ تھا، ادھر جذبہ غالب تھا۔ غیرت ہاشمی حملہ کرنے پر آمادہ کرتی، جوشِ حیدری تلوار
 چلانے پر اکساتا مگر زخموں کی کثرت خود اور زرہ کی تپش اور پیاس کا غلبہ حائل ہو جاتا۔ باوجودیکہ
 شہزادے کو علم تھا کہ پانی نہیں ہے، پھر بھی پیاس کا شکوہ کئے بغیر نہ رہ سکا۔ بابا کی خدمت
 میں پہنچ کر عرض کی: **يَا اَبَتِ الْخَطَشُ قَدْ قَتَلْتَنِي وَثَقُلْتُ الْحَدِيدَ اَجْهَدُ فِي فَمَلٍ**
اِنِّي شَرِبْتُهُ عَنِ الْمَاءِ سَبِيلٌ مِّنْ اَنْفُوْعٍ بِهَا عَلَيَّ الْاَعْدَاءُ باباجان مجھے تو پیاس نے مار ڈالا
 اور اپنی ہتھیاروں کے بوجھ نے تھکا دیا۔ کیا کسی صورت قدرے آب میسر آ سکتا ہے۔ تاکہ میں
 اسے پی کر، تازہ دم ہو کر طاقت پکڑ کر دشمنوں کے مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤں۔ ہو سکتا ہے
 کہ شہزادے نے ازراہِ اعجاز پانی طلب کیا ہو۔ مگر چونکہ یہ وقت امتحان تھا بطورِ معجزہ پانی
 پلاتے تو مقصد امتحان اور مہر میں خلل آ جاتا۔

کتنی درد انگیز گھڑی تھی اور مظلوم پر کے لئے کس قدر المناک وقت تھا کہ زخموں سے
 فطاحال، خون میں نہایا ہوا جوانِ رعنا، چند لمحوں کا مہمان اور پیاس سے بے تاب پسر، پانی کا
 سوال کرتا ہے۔ مگر بے بس باپ بیٹے کی خواہش کو پورا کرنے سے قاصر ہے، بیٹا پیاس
 سے بے چین ہے۔ اس لئے وہ سوالِ آب میں حق بجانب ہے۔ ادھر مجبور باپ پانی دینے
 سے معذور ہے۔ کہاں سے پانی لائے۔ برتن خالی ہیں۔ مشکیں سوکھ چکی ہیں۔ گھاٹ پر
 پہرہ ہے۔

روکے ہوئے تھی نہر کو امت رسول کی = سبزہ ہر اتھا خشک تھی کھیتی بتول کی
 شہتیر کو پوچھئے کس طرح بیٹے کو مایوسانہ جواب دیا ہوگا، کتنا صدمہ ہوا ہوگا۔
 اس وقت مظلوم باپ کو جب پیاس سے بیٹے کو سیراب نہ کر سکے۔ اکبر تیری پیاس پہ قربان
 اور حسین تیری مجبوری پر صدمے۔

مومنین! دل تمام کے مجبور باپ کا جواب سنئے:
يَا بُنَيَّ مَوْتُ اَيُّنَ اَتَى لَكَ بِالسَّاءِ قَاتِلٌ قَلِيلًا فَمَا اسْرَعْتَ اَنْ تَلْقَى جَدَّكَ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَسْتَقْبِلُ بِكَاسِهِ الْأَوْثَى شَرِبَةً لَا تَطْمَأُ بَعْدَهُ أَبَدًا۔ مائے افسوس! بیٹا تیرے لئے کہاں سے پانی لاؤں۔ جان پدر! تھوڑی دیر اور جہاد کرو، تم بہت جلد اپنے جدِ نامدار سے ملاقات کرنے والے ہو، وہ تمہارے اشتیاق میں منتظر ہیں۔ وہ تمہیں حوضِ کوثر کا جامِ طہور پلائیں گے۔ بیٹا! اس کے بعد تمہیں کبھی پیاس نہ لگے گی، اس کے بعد فرمایا۔

يَا بُنَيَّ يَحْزَنُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى عَلِيٍّ بَنُ ابْنِ طَالِبٍ أَنْ تَدْعُوهُمْ فَلَا يُجِيبُوكَ وَ تَسْتَغِيثُ بِهِمْ فَلَا يُعِيبُوكَ بُنَيَّ حَاتِبُ لِسَانِكَ فَمَصَّهُ۔ ر بیٹا! مجھ پر تیرے جدِ امجد محمد مصطفیٰ اور علی المرتضیٰ پر یہ بات کتنی شاق ہے کہ تم انہیں بلاؤ اور وہ کوئی جواب نہ دے سکیں۔ تم انہیں مدد کے لئے پکارو اور وہ تمہاری مدد کو نہ پہنچ سکیں، بیٹا! بے شک تو پیاس کا ستا یا ہوا ہے۔ میں اُمّتِ جدِ کاستیا ہوا ہوں۔ اور تو میرے پاس کچھ نہیں اپنی زبان میرے منہ میں دے دو، میری زبان چوس لو، پیاسے شہزادے نے باپ کے منہ میں زبان دی، لیکن فوراً نکال لی۔ اور کہا، بابا! آپ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے معلوم ہوتا ہے آپ تو مجھ سے بھی زیادہ پیاسے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک انگوٹھی دی اور فرمایا کہ اسے منہ میں رکھ لو۔ شاید کچھ تسکین ہو جائے۔

جناب اکبر وہ انگوٹھی منہ میں لئے واپس میدانِ قتال کی طرف لوٹے، اس وقت آپ کی

زبان پر یہ رجزیہ اشعار تھے۔

أَلْكَرْبُ قَدْ بَالَتْ لَنَا الْحَقَائِقُ وَظَهَرَتْ مِنْ بَعْدِهَا مَصَادِقُ
وَاللَّهِ رَبِّ الْعَزْشِ لَا نَفَارِقُ جُوعَكُمْ أَوْ لُحْمَ السِّبَارِقُ

حالاتِ شہادت

گھمان کا رن پڑا۔ تلواریں چلنے لگیں۔ اور دشمنانِ دین کی لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں، اب کی بار جنابِ اکبر نے اسی آدمیوں کو فی الثار کیا۔ مجموعی طور پر جناب علی اکبر کے مقتولین دو سو مکمل ہو گئی۔

مرہ بن منقذ عبدی فوجِ مخالف کا ایک بدبخت فروہ ہے۔ اس نے شہزادے کی شجاعت کو دیکھا۔ اور اب جب زخموں سے مدحِ حال اور کثرت سے خون بہ جانے کی وجہ سے بدن کی کمزوری، دیکھی تو کہتے لگا کہ مجھ پر تمام عرب کے گناہوں کا بوجھ ہو اگر یہ شہزادہ اس طرح حملہ کرتے ہوئے میرے پاس سے گزرے اور میں اس کے باپ کو سوگ میں نہ بٹھاؤں، جب شہزادہ طاقت میں تھا اس وقت تو قریب نہ آیا۔ خون میں غلطاں پیاسے اور زخمی نو جوان کو کہیں گاہ

سے چُھپ کر ایسا تیر مارا، کہ شہزادہ گھوڑے پر سنبھل نہ سکا۔ اتنے میں ملعون نے سر پر تلوار ماری کہ سر تنگافہ ہو گیا اور ہوا میں لہراتی زلفوں سے خون زمین پر گرنے لگا۔ پشتِ فرس شہزادے سے خالی ہو گئی۔ آپ نے باہیں گھوڑے کی گردن میں ڈال دیں۔ گھوڑے کا بدن اور سر شہزادے کے خون سے تر ہو گیا، خون گھوڑے کی آنکھوں پر گر گیا۔ گھوڑے کو خیموں کا راستہ نہ ملا۔ گھبراہٹ کے عالم میں خیموں کی بجائے لشکرِ اعداء میں چلا گیا۔ شہزادہ نہ گھوڑے کی زمین پر ہے نہ فرشِ زمین پر، ہاں اتنا عرض کرتا ہوں کہ باہیں گھوڑے کی گردن میں ہیں۔

بے دست و پا اور موت سے ہٹکار اکبر جب دشمنوں کے وسط میں پہنچا۔ چاروں طرف سے زخمی بدن پر تلواریں چلنے لگیں اور تلواروں نے شہزادے کی باہوں کو گھوڑے کی گردن سے جدا کیا۔ فرشِ زمین پر گرتے ہوئے خیمے کی طرف رُخ کر کے کہا: یا ابتاہ ادکنی ابتاہ علیک منی سلام۔ بابا جلدی پہنچو، بابا میرا آخری سلام ہو۔ اس کے بعد کہا: هَذَا حَيْدَى رَأْسُكَ اَللّٰهُمَّ سَقِّ اِنِّى شَرِبْتُ لَآ اَظْلَمُ اَعْبَدُهُ اَبَدًا وَهُوَ يَقْرَأُكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ لَكَ عَجَلِ الْقُدْرَةِ اَلَيْتَنَا۔ بابا! میرے جدِ امجد نے مجھے سیراب کر دیا ہے۔ بابا میں نے وہ جام پی لیا ہے۔ جس کی بشارت آپ نے دی تھی۔ بابا میں اب پیاس سے راحت پا چکا ہوں۔ اب میں کبھی پیاسا نہ رہوں گا۔ بابا! جدِ امجد آپ کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں: "بیٹا حسین تیری پیاس سے بہت بے چین ہوں، جلدی آؤ، تو بہت پیاسا ہے۔ تیرے لئے دوسرا جام تیار ہے۔"

قریب الموت شہزادے کی آواز فضا کو چیرتی ہوئی حسین کے کانوں میں جا گرائی۔

ضعیف باپ کی جواں بیٹے کی لاش پر آمد | اس صدائے جانگاہ نے شہیر کے قلب پر کیا اثر کیا؟ اس کو وہی جانے جس نے

جواں مرگ پسر کا صدمہ برداشت کیا ہو۔ اس صدائے گونگن کو اٹھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کس طرح اٹھے، کیلجہ پکڑ کر اٹھے۔ دل تمام کے اٹھے یا کمر پر ہاتھ رکھ کے اٹھے یا عصا کے بل زمین سے اٹھے۔ چہرے کی رنگت اور بدلی ہوئی حالت دیکھ کر اہل حرم نے اندازہ لگا لیا کہ اکبر کی غیر نہیں۔ مظلوم باپ مقتل کی طرف روانہ ہوئے کبھی اٹھے کبھی بیٹھے، گوتیزی سے جانبِ پسر چلے۔ مگر راتے میں کئی بار بیٹھنا پڑا۔ دنیا اندھیر نظر آتی تھی۔ آواز دینے، بیٹا اکبر! کہاں ہو؟ جب آواز آئی اور لاش کے قریب پہنچے، چلنے کی سکت نہ رہی۔ بیان کیا جاتا ہے

بیان کرنے والے بھی فاضل اجل ذمہ دار اہل علم و فضل ہیں کہ حسین اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ چلا نہیں جاتا تھا۔ گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل چل کر جواں مرگ کی لاش پر پہنچے۔ جاتے ہی اپنا رخسار اکبر کے رخسار پر رکھ دیا۔ چاند سا چہرہ خاک و خون میں غلطان تھا۔ سیاہ زلفیں خاک پر پھیلی ہوئی تھیں۔ تصویر نبوی گرم ریت پر لبو لہان تھی، اپنا رخسار اکبر کے رخسار پر رکھا اور آنکھوں کو رونے کے لئے چھوڑ دیا۔ آنکھیں روئیں، رونے کا موقع تھا۔ آلسو کیا تھے، قلب و جگر کا خون تھا جو آنکھوں سے اشکوں کی صورت میں بہہ رہا تھا۔ حسین رونے، جی بھر کے رونے۔ کیونکہ رونے کا یہ موقع تھا۔ فطرت کا تقاضا تھا اور حسین پر رونے کی پابندی بھی نہ تھی۔ پابندی تھی تو ہمیشہ حسین پر، بتوں کی بیٹیوں پر، حسین تو لاش پسر پر دل کھول کر رونے، مگر حسین کی بہن بھائی کی لاش پر دل کھول کر نہ رو سکی۔

ہاں حسین لاش پسر پر رونے، فرمایا، "بِئَا عَلَى الدُّنْيَا لَعَدَاكَ الْعَقَا"، بیٹا میرے بعد زندگی دنیا پر خاک ہے۔ اس کے بعد فرمایا: "يَا بَتِّي لَقَدْ اسْتَرْحَتْ مِنْ هَمِّ الدُّنْيَا وَ غَمِّهَا وَ بَقِيَ أَجْوَدُكَ كَرِيْدًا"۔ (لو بیٹا! تم تو دنیا کے دکھوں سے راحت پا گئے اب تمہارا باپ دکھوں کے گمراہ میں تنہا رہ گیا، تنہا اوسے میں ابھی جان باقی تھی، آخری سانس تھے بیٹے کا سر اب گود میں لیا۔ خون آلود چہرے کو صاف بھی کرتے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ خدا ان لوگوں پر رخصت کرے جنہوں نے حرمت رسول کا بھی خیال نہ کیا اور تصویر نبوی خاک میں ملا دی ہے۔

کس درجہ مشابہ تھے رسول عربی کے

گو یا کہ حسین آج بچھڑتا ہے نبی سے

گو مولائے مظلوم اس سے قبل بارہا گریہ و زاری کرتے رہے اور کثرت سے روتے رہے لیکن بقول صاحبِ روضۃ العفا اتنی بلند آواز سے کبھی نہ روئے تھے، جس بلند آواز سے جواں مرگ بیٹے کی لاش پر بن کر کے روئے، پہلی مرتبہ بشیر کے رونے کی آواز اس پاس سُنی گئی۔ کون رو رہا ہے۔ چھپن سال کا ضعیف باپ اٹھارہ سال کے مقتول بیٹے کی لاش پر نوحہ کر رہا ہے۔ اکبر کا سراپام کی گود میں تھا۔ سانس تیز ہو گئی۔ قریب تھا کہ رُوح بدن سے جدا ہو جائے، باپ کی گود میں رُوح جد سے پرواز کر گئی ہے۔

اوپر کے دم اس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا۔ بابائے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا

جناب شیخ جعفر تسری مرحوم بیان کرتے ہیں کہ علی اکبر کی رخصت سے موت تک تین بار امام مظلوم کی حالت متغیر ہوئی اور امام پاک بہت مضطرب و بے قرار ہوئے۔ قریب تھا کہ روح بدن سے جدا ہو جائے۔ ایک اس وقت جب اپنے ہاتھ سے اسلحہ جنگ پہنا کہ میدان کی طرف بیجا۔ اکبر میدان کو سدھارے اور حسینؑ نے خیمہ کا رخ کیا۔

دوسری بار جب زخموں سے نڈھال ہو کر خون میں نہا کر پانی مانگا۔ اور تیسری بار جب گھوڑے سے گرے ہوئے بیٹے نے باپ کو پکارا اور کہا: یا ابتاہ علیک متی سلام۔ بابا! میرا آخری سلام ہو۔ جلد پہنچو۔ جناب سیکندر بیان کرتی ہیں کہ جب اکبر کی آواز پہنچی، میں بابا کو دیکھ رہی تھی کہ بابا کی آنکھیں پتھر اگئی تھیں۔ اور جس طرح کہ میت پر جان کنی کا وقت ہوتا ہے۔ بابا خیمہ کے آس پاس نظر کرتے تھے اور ایسی حسرت بھری نگاہ سے دیکھا کہ قریب تھا کہ روح جد پاک سے پرواز کر جائے۔ مگر مولانا نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے آواز دی: "وَ اَلَدَىٰ وَ اَلْشَّرِّ فَوَ اِدْنِ وَ اَلْشَّرِّ عَيْنِي" ہائے او میرے پیارے لبت جگر! میرے دل کے میوے! میری آنکھوں کی ٹھنڈک! بیٹا! میں آکر ہوں۔

انفرن جہاں سال بیٹے نے ضعیف باپ کی گود میں دم توڑ دیا۔ مولا کہاں لاش اٹھا سکتے۔ بنی ہاشم کے چند بچوں نے امداد کی، اور لاش اٹھا کر خیمہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے اور یہ حال ہے۔ اب ذرا خیمہ کا حال سنئے۔

جس وقت سے حسین علی اکبر کی آواز پر جانب میدان روانہ ہوئے، اور عرم سرا میں حسین کی متغیر حالت اکبر کی صدا کی خبر پہنچی۔ کوئی بی بی قرار سے خیمہ میں نہ بیٹھ سکی، کیا یہ خبر سن کر وہ آرام سے بیٹھ سکتی تھیں؟ اگر جواب مانع نہ ہوتا تو یہ ستم رسیدہ بیبیاں حسین سے پہلے شہزادے کی لاش پر پہنچتیں۔ خیموں میں آرام نہیں، باہر قدم نہیں اٹھ سکتے۔ باقی تمام خیمے خالی ہو گئے تھے۔ قنات کے پیچھے ایک خیمہ میں تمام زنان بنی ہاشم جمع تھیں۔ پاپوش کا ہوش نہ تھا، سروں پر چادروں کا دھیان نہ تھا۔ رنگ اڑ گئے تھے۔ بدنوں میں لرزہ تھا۔ سروں کے بال کھل گئے تھے۔ غیرت ہاشمی غالب تھی۔ جس نے خیمہ کے اندر روک رکھا تھا۔ قدم باہر اٹھنے کے لئے بڑھتے مگر پردہ مجبور کر کے روک لیتا۔ ہاں قنات کی چادر کے پیچھے ستیڈانیاں اکبر کی لاش کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں۔ بار بار قنات کا پردہ اٹھتا اور بیبیوں کی نگاہیں میدان کی طرف پھرتیں۔ مگر فرجوں کے گھسان اور غبار جنگ کی وجہ سے نظر کچھ نہ آتا۔ حسین کی رخصت کے وقت

سے لے کر آدمِ حسین تک یہ دکھیا ری شہزادیاں بیکراری سے دامنِ قنات کے ساتھ وابستہ رہیں۔ حسین ابھی چند قدم خیمہ سے دور تھے۔ بیبیوں کی نظر پڑی۔ کہرام ماتم بپا ہو گیا، رونے کی آوازیں ملبند ہوئیں۔ جناب سکینے سے نہ رہا گیا۔ آگے بڑھ کر عرض کی، بابا! آپ کی حالت دگرگوں کیوں ہے؟ بابا! آپ مایوسی اور حسرت کے ساتھ ادھر ادھر کیوں دیکھ رہے ہیں؟ بابا! اکبر بھائی کہاں ہے؟ مولانے اشارہ کیا، بیٹی! گیا تو تھا گھوڑے پر سوار ہو کر لیکن گھوڑا تو خالی آرہا ہے۔ اسے بھائی اٹھا کر لا رہے ہیں۔ بیٹی! فوجِ انصاری نے تیرے بھائی کو شہید کر دیا ہے۔ جناب سکینے نے سر پیٹ لیا۔ امام نے صبر کی تلقین کی، عرض کیا، بابا اکبر مارا جائے میں کیونکہ صبر کروں، یہ تو جناب سکینے کی حالت تھی۔ دوسری بیبیاں مجبور تھیں، باہر نہ آ سکتی تھیں۔ جوں ہی اکبر کی لاش قنات کے اندر آئی، سر پیٹتی ہوئی سیلانیوں نے برہنہ پاؤں اور کھلے ہوئے بالوں سے لاش کا استقبال کیا، دیکھا خون بدن سے بہہ رہا ہے۔ تمام بدن زخموں سے چمچہ تھا۔ مگر تین زخم بڑے تھے۔ پشت و سینہ پر سنال کا زخم، گردن پر تیر اور سر پر تلوار کا زخم۔ قنات کے باہر اکبر کی لاش تھی اور قنات کے اندر دامنِ قنات کے ساتھ زنانِ بنی ہاشم تھیں۔ ان درو رسیدہ بیبیوں نے درقنات پر جوائمرگ علی اکبر کی لاش کا زخمی سینوں اور دردناک بینیوں کے ساتھ استقبال کیا۔ ماتم کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔ ان کی پیشوا عقیلہ قریش شریکۃ الحسین جناب زینب تھیں جنہوں نے اٹھارہ سال شہزادے کی پرورش کی تھی۔ قنات سے باہر مرد لاش کو اٹھا کر لائے تھے اور قنات کے اندر غم نصیب بیبیوں نے اکبر کا جنازہ اٹھا لیا۔ درمیان میں اکبر کی خون آلود لاش تھی اور ارد گرد سیدانیوں کا ماتی حلقہ تھا۔ جگہ حشاش بینوں سے زمین کا کلیجہ پھٹتا تھا۔ فضا سو گوار تھی۔ آسمان کا جبکہ چاک تھا۔ اس اشارہ میں جناب زینب بے اختیار اکبر کی لاش پر گر پڑیں۔ اس زور سے ماتم ہوا کہ مولائے مظلوم کو آکر صبر کی تلقین کرنا پڑی۔

عزا دارو! باپ سے زیادہ ماں کو محبت ہوتی ہے۔ الفتِ ماوری محبتِ پدری سے بڑھ جاتی ہے۔ آپ نے حسین کی حالت اور باپ کے رونے کی صدا تو سن لی ہے۔ جب یہ حالت گم یہ و زاری اور مدائے بکا امام باپ کی ہے تو ماں کی کیا حالت ہوگی۔ نہ زبان بیان کر سکتی ہے نہ قلم لکھ سکتا ہے۔

ہاں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ایک بار نہیں میلی بار بار غش کھا کر جواں پسر کی

لاش پر گرتی ہوں گی ۔
گودی میں لیا ماں نے جو گہرا کے سپر کو
غش آنے لگا مادرِ تفتید و جگہ کو
ہر بی بی پر ثابت یہ ہوا مر گئی لیلی
زہار پہ منہ رکھ کے جو غش کہ گئی لیلی
إِلَّا لِعَنْتَهُ اللَّهُ عَلَى الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

jabir.abbas@yahoo.com

چودھویں مجلس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَيُّهَاكَ لَعَبْدُ - معرفت و خلوص، انعقاد مجالس میں قصدِ قربت و دخلِ خلوص یا بنیانِ مجالس و اعظمتین، ذاکرین اور سامعین حضرات کی شرعی اور ایمانی ذمہ داریاں۔ اولادِ جناب امام حسین علیہ السلام کی قربانیاں اور شہادتِ حضرت قائم علیہ السلام۔

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ عبادت کو فی ہر کس طرح ہو، کس وقت ہو۔ وہی عبادت شرف قبول اور معبود سے اجر حاصل کر سکتی ہے جو مرضی معبود کے مطابق ہو جس طرح معبود چاہتا ہے اسی طرح ہو۔ عبادت کے آداب و اطوار اور طریق ہائے کار وہ ہوں جو معبودِ حقیقی کے نمائندے نے بتائے ہوں، اگر عبادت گزار اپنی مرضی سے طریقہ عبادت وضع کرے، اپنی رائے سے حدود و عبادت متعین کرے، اور اپنے خیال سے وہ عبادت کے آداب تجویز کرے تو اس عبادت کا ثواب وہ اپنے آپ سے طلب کرے خدا سے اس کا صلہ لینے کا حقدار نہیں۔ کیونکہ اُس نے اپنی مرضی اور خواہش کی پیروی کی ہے۔ خالق کی مرضی اور اس کے حکم کی تعمیل نہیں کی، عبادات حقیقی ہیں، ان کی مقدار، تعداد، حدود، اوقات اور آداب خود معبود نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ بنا کر بندوں کو بھیجے ہیں۔ بندگانِ خدا امورِ خدا میں دخل دینے کے مجاز نہیں۔ اس کے احکام اور اوامر اور نواہی میں کوئی شورہ اور رائے نہیں دے سکتے۔ ان کا کام ہے بے چون و چرا دل سے مان لینا اور اعضا سے عمل کرنا۔ ہاں یہ یقین حاصل کرنا بندوں کا حقیقی ہے کہ واقعی یہ حکم خدا ہے؟ اور پیغمبر اسلام اور ائمہ معصومین کے واقعات یہ فرمودات ہیں؟ اس عالم اسباب میں جو ذرائع یقین حاصل کرنے اور وسائل ان کے معلوم کرنے کے ہیں۔ انہیں استعمال کر کے تحقیق کرنے کا حق ہر بندہ کو ہے۔ اور علم حاصل ہو جانے کے بعد کہ یہ فرمانِ امام یا حکمِ رسول ہے۔ اس حکم کی شکل اور صورت میں تغیر و تبدل کا حق کسی بندہ کو حاصل نہیں۔ لہذا کسی کا یہ کہنا کہ نماز اس طرح پڑھنی چاہیے۔ ہاتھ اس طرح ہوں، یہ مداخلت بے جا ہے۔ نماز اس طرح پڑھو جس طرح ہمارے رسول

جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھی یا اُن کے قریبی اعزاء ان کے علوم کے وارث اہل بیت رسول علیہم السلام نے پڑھی۔

اگر کوئی شخص اپنی طرف سے دین میں نئی ایجادیں کرتا ہے یا اسلام میں تحریف کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو مضموعی پیغمبر کا درجہ دیتا ہے۔ بلکہ خدا اور رسول پر حملہ کرتا ہے کہ ان کے علم میں یہ خوبیاں اور مصلحتیں نہ تھیں، یہ ان سے نہ زیادہ مصلحت بین اور دانا ہے۔ کسی حلال کو حرام قرار دینا اور تراویح کو ماہ رمضان میں باجماعت پڑھنا یہ نئی ایجاد ہے۔ حضور پاک نے فرمایا: "إِيَّاكُمْ وَتُحَدِّثُونَ الْأُمُورَ" نئی ایجادوں سے بچو کیونکہ ہر نئی ایجاد دین میں بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ حَلَالٌ مُحْمَدٌ حَلَالٌ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَحَرَامٌ مُحْمَدٌ حَرَامٌ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

بر عبادت میں خلوص و تقرب شرط ہے

ہر وہ چیز اپنی افادیت کھو بیٹھتی ہے جب اس میں کسی چیز کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ ملاوٹ ایک ایسی مضرو مفد شے ہے جو اصل شے کا اثر زائل کر دیتی ہے۔ اور بجائے فائدہ کے استعمال کرنے والے کو نقصان پہنچاتی ہے۔

دودھ میں پانی ملانے سے دودھ کا وہ اثر نہیں رہتا جو اس کے خالص ہونے کا تھا، اسی طرح آٹے، چائے یا نمک مرچ اور دوسری اشیا خوردنی میں ملاوٹ سے وہ چیزیں بے کار اور بے اثر ہو جاتی ہیں بلکہ الٹا جسمانی صحت کو تباہ کر دیتی ہیں۔ اور یہ دبا جتنی بُری ہے اتنی ہی بامع ہے بلکہ معاشرہ کے قابو اور حکومت کے کنٹرول سے بھی باہر ہے۔ اسی طرح امور دین، اعمالِ صالحہ اور عبادات میں ذاتی اغراض کے تحت ملاوٹ دین کی بربادی کا باعث ہے۔ جب دین خالص نہ رہے اور اس میں بیرونی امور داخل ہو جائیں، اور داخل امور خارج ہو جائیں تو اس بدلے ہوئے دین کی افادیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اور متغیر و محض دین کا عامل آخر اخروی سے محروم رہتا ہے جس طرح ملاوٹ والی خورد اک صحت جسمانی گمراہ دیتی ہے اسی طرح ملاوٹ والی عبادت و آمیزش والا عمل روحانی صحت کو برباد کر دیتا ہے۔

خواہشاتِ دنیا، حرصِ زرہ اور دولت مند بننے کی تمنا ایسی اغراضِ فاسدہ کے تحت بد باطن افراد اشیا خوردنی میں ملاوٹ کر کے ملک و قوم کو تباہ کرتے ہیں۔ اسی طرح حُبِ جاہ، پیشوائی یا طُلُ دُعا، عزت و وقار اور نفسانی خواہشات کے تحت بد طینت اور شقی افراد نے دین میں رد و بدل اور

آميزش کر کے وحدتِ اسلامیہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ اگر ذاتی اغراض، حرصِ حکومت، طمعِ امیری، حسدِ جاہ ایسے بے دین افراد پر غالب نہ آتی تو اسلام میں فرقے نہ بنتے۔ اسلام ایک واحد جماعت رہتی، ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات مذہب کی تفریق کر کے گروہوں کی شکل میں تقسیم کر دیتی ہیں۔ اس باطل ارادہ اور بدعتی پر پردہ ڈالنے کے لئے کبھی نئی کی ذات پر حملہ کیا، کبھی علیؑ کی عقل اور سیاست کو موردِ طعن بنایا اور کبھی جزو رسولؐ لفظِ الہی، سیدۃ النساء کو حدیث سے بے خبر بتایا اور کبھی خطا و اجتہاد کی آڑ لے کر ہزاروں افراد کا خون بہایا۔ اور کبھی حکومتوں کے اشاروں اور خود ستائی کے زعمِ باطل میں اپنے اجتہاد کی دکان کھول کر اپنے معصوم استاد کا مقابلہ کیا۔ دین اپنی وحدت کھو بیٹھا اور اسلام اپنی سالمیت سے محروم ہو گیا۔ پھر قابلِ ستائش ہیں وہ افراد اور لاکھوں ٹنائوں کے مستحق ہیں وہ معصوم اور ان کی ہم نوا ہستیاں جنہوں نے ہر قربانی دے کر اسلام کو اصلی صورت میں محفوظ رکھا، تغیر و تبدل کی آندھیوں کا مقابلہ کیا۔ تحریف کے زلزلوں سے اسلام کی عمارت کو گزند نہ پہنچنے دی۔ اسلامی تعلیمات اور ہدایات پاک پیغمبر کو جوں کا توں اپنے سینوں میں سیٹھے اور اوراق میں محفوظ کئے رہے۔

ہماری مجلسیں اور جلوس ہمارے منتیں اور خلوص

کوئی عبادت کی جائے اور اس میں رضاۓ محبوبہ مقصود نہ ہو تو وہ عبادت رائیگان بلکہ التاثر رسا ہے۔ اس وقت ملک میں جلسوں اور مجلسوں کی کمی نہیں، سارا سال جلے منعقد ہوتے رہتے ہیں اور ان میں ہر قسم کے پڑھنے والے واعظ و ذاکر عموماً اپنے فنِ ذاکری و بیان کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں، جلوس بھی نکلتے رہتے ہیں۔ بائیانِ جلسہ و مجالس بیان و ذاکر تھی کا نہیں فنِ بیان و فنِ ذاکری کا معاوضہ بھی خوب دیتے ہیں۔ لاکھوں روپے ہر سال خرچ ہوتے ہیں، مگر کس قدر خرچ ہوتا ہے اس قدر افادیت نہیں، جس قدر اہتمام کیا جاتا ہے۔ صحیح مقصد پورا نہیں ہوتا، چونکہ مجالس ہمارے لئے ترقیِ مذہب، عملِ خیر اور روحانی بالیدگی کا ذریعہ ہیں۔ اس واسطے ان میں جو خامیاں رہنا اور غریباں غمنا ہو گئی ہیں۔ ان کی نشان دہی ضروری سمجھتا ہوں۔

”شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات“

ہمارا دین، ہمارا مذہب، ہماری شریعت، جناب سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت اور جناب زینب و ام کلثوم نبات علی و بتول سلام اللہ علیہن اور جناب علی بن الحسین سید تجا علیہ السلام

کی اسیری کے طفیل ہم میں موجود ہے۔ ان کی قربانیوں کے صدقہ میں ہم مسلمان ہیں۔ اس واسطے ان کی یادگار منانا، ان کا تذکرہ، ان کی قربانیوں کا ذکر اور قربانیوں کے مقصد کو زندہ رکھنا، ہمارے لئے فرض عین ہے۔ لیکن ان کی یادگار اس صورت میں منائیں کہ وہ اس صورت کو پسند کریں۔ ہماری مجالس و جلوس ان کی رضا کے سانچے میں ڈھلے ہوئے اور ان کی پسند کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں۔

ہمیں اس امر کا جائزہ لینا چاہیے کہ جو مجالس ہم منعقد کرتے ہیں وہ اس پر راضی بھی ہیں؟ کہیں ناراض تو نہیں؟

ہم اس مجلس میں مجالس کی خوبیاں اور خامیاں بیان کرتے ہیں۔ تاکہ سامعین آگاہ ہو کر خوبیوں کو بڑھانے اور خامیوں کو مٹانے کی کوشش کریں۔

مجالس کی خوبیاں

مجلس امام حسین علیہ السلام ایک بہترین درس گاہ ہے، شیعہ نہایت ذوق و شوق سے واقعات کربلا اور فضائل اہل بیت سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں، فضائل سن کر خوش ہونا اور مصائب سن کر گریہ کرنا بہترین عمل صالح اور باعث ثواب کثیر ہے۔ اس روحانی فضا میں دل جل کر بیٹھنے اور بلند آواز سے محمد و آل محمد پر درود بھیجنے سے ایمان تازہ، یقین بڑھتا اور روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ بار بار یہ قوی اجتماع اور اکثر اوقات ان مجالس و جلسوں کا انعقاد اور ذوق و شوق سے ان میں شرکت کے مواقع قوم شیعہ کو میسر ہیں۔ اگر ان مجالس میں توحید، نبوت، امامت اور قیامت کے مسائل، محسوس دلائل مضبوط براہین اور مستند حوالوں کے ساتھ اور احادیث معصومین علیہم السلام، صحیح تاریخ اور فقہ جعفری کے مسائل دل نشین انداز میں اور واقعات کربلا و شام مصائب آل محمد صحت روایات کے ساتھ بیان کئے جائیں تو یہ ذوق سماعت رکھنے والی اور دل کھول کر کثیر رقم خرچ کرنے والی قوم اقوام عالم میں اپنے علم و عمل کے ساتھ بلند مقام پر نظر آئے اور اس نرالی تربیت گاہ میں ائمہ علیہم السلام کی پیروی کے سانچے میں ڈھل کر اقوام عالم کو اپنے علم و عمل کے ذریعہ راہ حق کی دعوت دے۔ اس قوم میں قربانی کا جذبہ دوسری قوموں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہ مقدس قوم مالی قربانی کے ساتھ جانی قربانی سے دریغ نہیں کرتی۔ تعداد میں تو یہ ہر دور میں قلیل رہی ہے۔ مگر ایمانی وزن میں یہ ہر قوم پر بحاری رہی ہے۔ جب وہ صداقت اور صراط حق پر چلنے والی قوم نے توحید کی امانت کو سینوں میں محفوظ رکھا ہے اور تعلیمات ائمہ کو اپنے پاک تلوپ میں بگڑ دی۔ اس قوم کے افراد نے دین اسلام اور فضائل ائمہ معصومین

علیہم السلام کو درختِ ثمرہ کی سولیوں پر بیان کرتے ہوئے جانِ جانِ آفرین کے سپرد کی۔ دستِ و پا قطع کئے گئے، لیکن فضائلِ آلِ محمدؐ ان کی زبانوں پر جاری رہے۔ زندانوں کی تاریک کوٹھڑیوں میں ان کی عمریں بسر ہوئیں، دیواروں میں یہ زندہ چتے گئے، گردنیں زیرِ خنجر برید، نوکِ نیزہ پر ان کے سر اٹھائے گئے، نہ ہر کے پیالے انہیں پلائے اور آزادی کی نفا سے انہیں محروم کیا گیا، لیکن اسلام کی صحیح تصویر اور ائمہ طاہرین کی تعلیمات کو سینوں سے چٹائے رہے۔ اور یہ امانتِ نسلِ بعدِ نسلِ اصلی صورت میں اپنے اخلاقیات کے سپرد کرتے رہے، ظلم و تشدد کے سیاہ ماحول میں ان کے حوصلے پست نہ ہوئے اور جو روحِ جاکی آندھیوں میں ان کے دم نہ لڑکھڑائے، ان عاشقانِ پاکِ طینت کی فدا کاریوں اور ان کی محنت اور کوششوں سے مذہبِ امامیہ ہم تک پہنچا، خود تو ظلم و ستم اور قید و بند کی صعوبتوں میں راہیِ غلبہ ہیں ہوئے، لیکن تعلیماتِ آلِ محمدؐ فقہ جعفری اور مذہبِ اہل بیت ہمارے سپرد کر گئے۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ صحیح تربیت اب ہم میں نہیں، مجالس اپنی افادیت کو بھیجیں۔ زرِ پرستی، دینِ پرستی پر غالب آگئی اور حُبِ دنیا، جاہ طلبی نے مقصدِ مجلس کو فراموش کر دیا ہے۔

مجالس کیساتھ تعلق رکھنے والے تین قسم کے لوگ ہیں

یہاں ان تین قسم کے گروہوں کے خلوص اور قصدِ قربت کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔
 ”بانیانِ مجلس“ بیان کرنے والے واعظین و ذاکرین اور حضراتِ سامعین“

عموماً بانیانِ مجالس نام و نمود اور نمائش کی خاطر مجالس منعقد کرتے ہیں تبلیغی مقصد کم اور تصنع و ریاکاری کا جذبہ زیادہ۔ ان کی بنیادی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان افراد کو بیان کرنے کی دعوت دی جائے جن کے نام کی کشش سے سامعین کچھ چلے آئیں، ان کی سحر بانی، شیریں مقامی، اندازِ خطابت، خوش نوائی، بدلا سخی اور مطرب آوازیں سامعین کو مسحور کر دیں۔ سامعین سے جلسہ گاہ بھر جائے، لوگ عیش و عشرت کر لیں، اور صدائے تحسین و آفرین سے بانیان کو حدیثِ عقیدت پیش کیا جائے۔

اس بات سے نظر پھیری جاتی ہے کہ ان بیان کرنے والوں کا کردار کیسا ہے۔ ائمہ معصومین کا ذکر کرنے والے خود ان کے فرمودات کے کس حد تک عامل ہیں۔ مقصدِ شہادت کی کس انداز میں تبلیغ کرتے ہیں، اور مقصدِ مجالس کس حد تک پورا ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث، مسائلِ دین اور صحیح واقعات بیان کرنے والے ان کی نظر میں کیا مقام رکھتے ہیں اور زاگ و رنگ، غلط فضائل، غیر مستند مصائب

اور خود ساختہ روایات بیان کرنے والوں کی قدر ان کے ہاں کتنی ہے؟

مقصد شہادت حسین علیہ السلام

ہم اس مقام پر مقصد شہادت جناب سید الشہداء علیہ السلام ذرا وضاحت سے بیان کرتے ہیں تاکہ قارئین اس کی روشنی میں اپنی راہ متبیین کر کے منزل کی جانب بڑھیں اور یہ تینوں گروہ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر اپنے وظائف انجام دیں۔

امام پاک ان کے اہل بیت کرام اور انصارِ باوفا کا مقصد اس جہاد سے ملک گیری مال غیرت ذاتی وجاہت اور انتقامِ عداوت نہ تھا۔ ان کی عظیم الشان قربانیوں اور اہل حرم کی امیری اور راہِ شام کی ٹھن منروں کو فر و شام کے بازاروں میں تشہیر اور درباروں میں پیشی کی مذلت و تنگِ حرمت کا مقصد دین اسلام کی بقاء اور تعلیمات پیغمبر کی حفاظت تھا۔ یہی مقصد ہماری مجلسوں کی بنیاد رہے تو درحقیقت مجاہدین کا میاب میں۔ اگر اس مقصد کو پس پشت ڈال دیا جائے تو انتہائی ناکامی اور لاکھوں کا خرچہ رائیگاں ہے۔

دستور ہے اور عقل کا فیصلہ ہے کہ جب کوئی امر دو چیزوں میں سے کسی ایک کی قربانی چاہتا ہو تو جو زیادہ اہم اور ضروری ہوتی ہے اسے باقی رکھا جاتا ہے اور اس سے کم اہمیت والی چیز کو قربان کر دیا جاتا ہے مثلاً مال اور جان کا معاملہ ہے۔ مال بچائیں تو جان جاتی ہے۔ جان محفوظ رکھیں تو مال جاتا ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کو قربان کرنا پڑتا ہے تب دوسرے کو بقاء ہوتی ہے۔ تو عقلاً زمانہ اور غیور انسان بھی پسند کریں گے کہ مال قربان کر دیا جائے۔ جان بچائی جائے، کیونکہ جان مال سے عزیز ہے۔

اسی طرح عزت و مال کا معاملہ درپیش ہے۔ کوئی غیرت مند شخص یہ گوارا نہ کرے گا کہ عزت قربان کر دے اور مال بچالے۔ بلکہ عزت پیاری ہے عزت کے مقابلے میں مال عزیز نہیں، مال قربان کر دینا اور عزت محفوظ رکھنے کا۔ غرضیکہ زیادہ عزیز چیز بچائی جاتی ہے۔ باقی رکھی جاتی ہے۔ اور کم عزیز چیز قربان کر دی جاتی ہے۔

کہ بلا میں امام حسین علیہ السلام کے سامنے ان کی عزیز جانیں اور عزت و ناموس ہے۔ اور دین اسلام ان کی جانیں اور عزتیں اس صورت میں محفوظ رہ سکتی تھیں کہ بیعتِ ینزد کر کے دین اسلام قربان کر دیا جائے۔ دین جاتا ہے تو جلتے اسلام مٹتا ہے تو مٹے، تعلیمات پیغمبر خاکِ کربلا میں دفن ہو جائیں مگر جان و عزت تو بچتی ہیں۔ دوسری صورت میں دین کی بقاء اور اسلام کی حفاظت مطلوب ہے۔ تعلیمات پیغمبر کو اصلی صورت میں برقرار رکھنا ضروری ہے۔ جان جاتی ہے تو جلتے، اقرباء و اولاد کی موت گوارا

ہے۔ مستورات کی بے عزتی اور قیود و بند منظور ہے مگر دین بچ جائے۔

حاضرین کرام! یہ دونوں صورتیں آپ کے مظلوم امام کے سامنے ہیں۔ دونوں اپنے مقام پر نہایت عزیز و گراں ہیں۔ ان میں سے ایک کی بقاء دوسرے کی قربانی پر موقوف ہے۔ آپ کے مظلوم آقا نے کون سی چیز قربان کی اور کس کو باقی رکھا۔

یہی جواب اور بلاشبہ و بے شک یہی جواب ہے کہ حسینؑ نے دین کو باقی رکھا، اسلام کو زندہ رکھا، اپنے زانا رسول خدا کی تعلیمات کو محفوظ رکھا، تو جس کو باقی رکھا وہ عزیز ہے اس سے جس کو قربان کر دیا امام عالی مقام نے دین کو اپنے اوپر قربان نہیں کیا بلکہ اپنے آپ کو دین پر قربان کر دیا۔ تو دین اسلام اتنی اہمیت اور عظمت کا مالک ہے کہ جس پر فرزند رسول امام پاک قربان ہوئے۔ جس کی بقاء کی خاطر اکبر کی تصویر نبوی خاک میں مل گئی۔ جس کی زندگی پر بنی ہاشم اور ابوطالب کے گھرانے کی زندگیاں نثار ہوئیں۔ جس کی تقویت کے لئے عباس کے بازو کام آئے، اور سقائے سکینہ نہر فرات کے کنارے شہید ہوئے، جس کی آبیاری اولادِ بتول کے خون سے ہوئی۔ جس کی سیرابی میں بنی ہاشم کے اٹھارہ مردوں اور سو سے زیادہ مقدس اصحاب کا خون خرچ ہوا۔ اسی اسلام کی خاطر مستورات بنی ہاشم کے گھر لٹے، خیمے جلے، پردے قربان ہوئے، اور عبدالمطلب کی مستورات اور بتول کی بیٹیوں نے عراق و شام کے جنگلوں کے سفر کئے، اور کوفہ و دمشق کے بازاروں سے گزر کر درباروں کی پٹنیاں بھگتیں۔

لہذا اے بانی مجلس! خلافتیہ زیادہ توفیق دے اور تیری نیک کمائی نیک مقصد میں خرچ ہو سوئے غم حسینؑ خدا تجھے دنیا کے غموں سے محفوظ رکھے، اور مصائب و آلام سے سلامت رکھے، عظمت اسلام کو سمجھ، اہمیت دین کا خیال رکھ، مجالس میں اس بنیادی مقصد کو ملحوظ رکھ، اور شہادت امام، امیری زینب و ام کلثوم کے مقصد کو ذبح نہ کر، اُن کے مقصد کا قتل خود ان کے قتل سے کم نہیں۔ مجالس کو تبلیغی مقصد کی خاطر برپا کر، بطور مشغلہ نام و نمود کی خواہش اور دعوتِ احباب کے خیال سے جلے نہ کر، حسینی مجالس کو ذاکرین و واعظین کا میچ نہ قرار دے اور اختتامِ مجلس کے بعد موازنہ نہ کر کے فسٹ، سیکنڈ، تھرڈ پوزیشن نہ بیان کر،

مجالس میں صحیح فضائل آلِ محمدؐ اور صحیح مصائب اہل بیت علیہم السلام بیان کرنے کے علاوہ، دو مقصد اور بھی ہیں، ائمہ معصومین علیہم السلام کا مرتبہ و مقام، ان کی امامت و خلافت، اس مہذب و دل نشین پیرائے میں سامعین کے گوش گزار ہو کہ غیر اپنے ہو جائیں، مخالف موافق ہو جائیں، اہل بیت کے فضائل سے متاثر ہو کر، ان کی امامت و خلافت پہچان کر ان کا مذہب قبول کر لیں۔ اور مذہب

حق کی اشاعت و ترقی ہو سکے۔

دوسرا : اپنے وہ لوگ ہیں جنہوں نے زبانی مذہب اہل بیت قبول کر لیا ہے، اور ان کی امامت کا اقرار باللسان کیا ہے، عملی حیثیت سے بھی امامی و جعفری نظر آئیں۔ مان لینے کے بعد عملی پیروی کا مقام ہے۔ ائمہ کی سیرت و ہدایات کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنی زندگیاں ان کی عملی پیروی کے سانچے میں ڈھال دیں۔ اور اپنے کردار میں ان کی سیرت کا رنگ اور اپنے اعمال میں ان کے اسوہ کی جھلک پیدا کریں، جو لوگ زبانی حسینی کہلا نا پسند کرتے ہیں، ان کا عمل بھی حسینی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ زبان پر تو حسین حسین کا نعرہ ہو اور کردار یزید و ثمر کی نمائندگی کر رہا ہو۔ اگر آپ کی مجال میں یہ مقاصد شامل ہوں تو بے شک مجالس کامیاب ہیں اور اگر ان مقاصد کی نفی ہو تو یہ صرف مشاغل اور تفریحی سامان ہیں۔ تصبیح اوقات کے علاوہ بے بہا خرچ بھی رائیگاں ہے۔

بانی مجلس و جلسہ اکیلا شمس ہو یا چند افراد یا انجمن کے ارکان، ان سب کی یہ ذمہ داری ہے کہ مذکورہ مقاصد مجلس و جلسہ کی بنیاد ہوں، بانی مجلس کے ذوق پر بہت کچھ اصلاح قوم کا انحصار ہے۔

بانی حضرات! خدا تمہیں مجالس حضرت سید الشہداء علیہ السلام منعقد کرنے کی توفیق دے، اور عزادارِ امام مظلوم قائم کرنے کی سعادت بخشے، انہی مجالس اور عزاداری کے سبب مذہبِ شیعو کو وسعت اور ترقی نصیب ہوئی ہے۔ گو بنو امیہ کے دور میں اسلام کے پاک شجر کی شاخیں مرجھا گئی تھیں لیکن حیدری جاں نثاروں اور حسینی فدائوں نے اپنے خون سے اس قدر سیرچا کہ مرجھائی ہوئی ٹہنیاں سرسبز ہو گئیں۔ اور شاداب ڈالیاں بار ازار و آثار سے لد گئیں، لیکن وہ لوگ زبانی شیعو نہ تھے۔ وہ ایسے باعمل اور پاکیزہ کردار تھے کہ ائمہ ان کی ملاقات کا امتیاز رکھتے، ان کا عمل امام کی ترجمانی کرتا۔ اس دور کا شیعو آج ہزاروں سے بہتر ہے۔

ہاں حضرات! جو صاحبان معاوضہ طے کر لیتے ہیں، ان کو تو انی میس دے دیتے ہیں، لیکن جو لوگ مقرر نہیں کرتے قرۃ الی اللہ سمجھ کر پڑھتے ہیں، ان کی ناقدری و حوصلہ شکنی نہ کریں۔ انہیں معقول ہدیہ پیش کریں۔ اور ان کے جذبہ کی حوصلہ افزائی کریں، ٹھیس نہ پہنچائیں۔ مجالس قائم کرتے وقت بیان کرنے والوں کا انتخاب سوچ سمجھ کر کریں، بنیادی اصول، تبلیغی مقاصد ہوں، بلند کردار، نیک صورت اور پاک سیرت و اعلیٰین و ذاکرین منتخب کریں، شہادتِ امام کا مقصد سامنے رکھیں، اور یاری، دوستی اور برادری کا ہرگز لحاظ نہ رکھیں، علم و عمل پیش نظر رکھیں، فن کو زیادہ اہمیت نہ دیں۔ تبلیغ کو اساس قرار دیں۔ نیز آپ کی مجالس ارکانِ دینی سے نہ ٹکرائیں، بلکہ ان کو قوت پہنچائیں، مجلسیں نماز کی تائید کریں، تردید نہ کریں۔ مجالس کا قیام ضیاعِ نماز کا باعث نہ بنے، اگر آپ کی مجالس ان مقاصد کی حامل ہیں اور یہ امور مجالس کا حقد

ہیں تو مجالس سبب ہیں ترویج مذہب اہل بیت کا، امر بالمعروف نہی عن المنکر کا، تبلیغ مقصد شہادت، تقویت دین اور اشاعت فضائل آلِ محمد کا، ائمہ معصومین علیہم السلام کی ارواحِ طیبہ آپ پر راضی ہوں گی، سیدۃ النساء جناب بتول آپ پر خوش ہوں گی اور آپ کا نام نامہ صراحتاً امام کی فہرست میں شامل ہوگا، اور آپ کا فیکوں والا پلاٹا بھاری ہوگا۔ اور اگر ان مقاصد سے آپ کی مجالس محروم ہیں، تو بانیانِ کرام! گستاخی معافی بات تلخ ہوتی ہے۔ " رکھیں غالب مجھے اس تلخ نواٹی سے معاف"

مجالس حسین کا لیلِ توبہ، مگر یہ تفریحی مشاغل وافر دولت کے خرچ کا بہانہ، دعوتِ احباب، نام و نود، دین سے مذاق اور شہداء کربلا، اسیرانِ کوفہ و شام کی قربانیوں کی ناقدری ہے، ائمہ معصومین علیہم السلام آپ کے ان اجتماعات بے معنی سے خوش نہیں ہوں گے بلکہ ان کی روح مجروح ہوگی اور ان کے زخم ہرے ہوں گے۔

مجالس عزائم کرنے کا مقصد جب تبلیغ دین اور تذکرہ شہداء کربلا ہے تو جو اس وظیفہ کو سرانجام دے سکے بانی کو اس کی قدر کرنی چاہیے اور اہل حضرات کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے، اگر دین سے محبت اور اہل بیت سے الفت ہے تو شخصیت پرستی کی بجائے اصول پسندی ہونی چاہیے۔ یہ ضروری نہیں کہ نامور اور شہرت یافتہ ہی دین کے مبلغ اور مداح اہل بیت ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے سوا کوئی غیر مشہور ذکر حسین اور اس وظیفہ کو انجام دینے کا مجاز نہیں ہے۔

اب دستور یہ ہو چکا ہے کہ ایک مشہور واعظ اور نامور ذاکر آیامِ محرم میں روزانہ سات آٹھ مجلسیں پڑھتا ہے اور دن بھر میں سینکڑوں میل کی مسافت طے کرتا ہے حالانکہ انہی مجالس کے مقامات پر بانیانِ مجالس کو ایسے واعظ و ذاکر میسر آسکتے ہیں جو علم میں اس مشہور واعظ سے کم نہیں، اور ذکر حسین بھی احسن طریقہ پر بیان کر سکتے ہیں، لیکن وہ بانی حضرات کی نظروں میں اس لئے نہیں چھتے کہ یا تو مقامی و علاقائی ہیں یا فنی گویائی یا ہنر گویائی میں مشاہیر کے ہم پلہ نہیں۔ اور اس طرح مجالس میں سامعین کی کمی نظر آئے گی اور لوگ تعریف نہ کر سکیں گے۔

لیکن بانی حضرات کی خدمت میں باادب عرض کر دینگا کہ آپ کو کس امام و نائبِ امام نے فرمایا ہے کہ غیر مشہور واعظ و ذاکر سے مجلس پڑھوانا مجرم ہے؟ اور ان کی مجلسِ ثواب سے محروم ہے؟ یا اگر جہلاء، ریاکاروں اور شغلی لوگوں کی کمی سے عزائم خانہ بھرا ہوا نہ ہو تو کیا امام پاک ناراض ہو جائیں گے؟ آپ کی مجلس قبول نہ ہوگی؟

مجلس اگر ثواب کی خاطر خوشنودی خدا و رسول اور رضا ائمہ کیلئے منعقد کی گئی ہے تو اس

میں مشہور و نامور لوگوں کا ہونا شرط قبولیت نہ سامعین کی کثرت اور نہ لذتِ سماع ضروری ہے۔ شرط ہے تو بیان کرنے والے کا تقویٰ، کردار اور صحتِ روایات شرط ہے۔ اور بانی کا حصول شرط ہے۔

ایک مشہور واعظ و ذاکر کے پیچھے بانی حضرات کی قطاریں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ کوئی ادھر سے دامن پکڑ رہا ہے، کوئی ادھر سے سرگوشی کر رہا ہے۔ اور محترم کے دنوں اور مخصوص ایام کی مجالس میں ان حضرات کو متعدد مقامات پر جانا پڑتا ہے۔ اس وقت ان کا مقصد کاروباری ہوتا ہے، منہ مانگے دام لی جاتے ہیں اور کئی اہل حضرات محروم رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے بھی حقوق ہوتے ہیں انہیں ان حقوق سے محروم رکھنا ان کی حق تلفی ہے، اور روزِ محشر بانی حضرات سے اس کی بازپرسی ہوگی۔

جھوٹے بڑے پر موقوف نہیں دیر سرکار حسینی میں ہے حصہ سب کا اس طرح مشاہیر واعظین و ذاکرین کو تاجر اور کاروباری بنانے میں بانیانِ مجالس کا بھی حصہ ہے۔ اور آدابِ مجالس کو خراب کرنے اور ثواب کی بجائے لذت حاصل کرنے کے گناہ میں بانی صاحبانِ ذاکرین کے مجرم میں برابر کے شریک ہیں، ایک ذاکر یا واعظ سے تو آٹھ دس مجلسیں روزانہ پڑھوائیں اور دوسرے ایک آدھ سے بھی محروم رہیں، کیا ان کی حق تلفی نہیں؟ یہ شخصیت پرستی نہیں، اصول پرستی پر ضرب نہیں؟ آپ کے عظمت کی تقسیم غیر مساویانہ نہیں؟ یہ ارتکازِ زر کے علاوہ ارتکازِ مجالس بھی ہے۔ دین اور ذکرِ حسین صرف چند شخصوں میں گردش کر رہا ہے۔ اور غیر مشاہیر مگر اہل حضرات کا استحصال ہے۔

آخر میں یہی گزارش کروں گا کہ آپ حضرات جو مجالس و مواعظ منعقد کرتے اور مجلسوں و جلسوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ سوچ کر نہایت غور و فکر کے ساتھ جائزہ لیں کہ ائمہ مفسرین علیہم السلام ہمارے اس طریق کار کو پسند فرمائیں گے؟ کیا اس میں جذبہ خلوص کارفرما ہے؟ کیا ہمارے مراسم عزائم اسلام کے مقاصد تو نہیں؟ کیا ان مجلسوں میں علماء دین اور فقہاء اسلام کی توہین تو نہیں ہوگی؟ ان میں شریعت کا مذاق تو نہ اڑایا جائے گا؟ حرام چیزیں مجلسوں کی زینت تو نہ ہوں گی؟ دیکھ لیں آپ کی مجالس گمراہی پھیلا رہی ہیں یا مقصدِ فقیر اور اس کی ہشیر و گلیہ کی قربانیوں کی غرض و غایت کی تشہیر کر رہی ہیں واعظین کرام و ذاکرین عظام کا بہت بلند مرتبہ ہے۔ یہ فضائل و معائب اہل بیت علیہم السلام کے ناشر ہیں۔ جہاں غافلین

واعظین و ذاکرین حضرات

نے فضائلِ اہل بیت پھیلنے کی مذموم کوشش کی۔ وہاں انہوں نے ان کے فضائل و مناقب بڑھ چڑھ کر بیان کئے ان کی باطل کوشش کو ان حضرات نے بیکار کر دیا۔ اور بر غفل و مجلس میں ان گرامی تدر حضرات نے ائمہ معصومین کے فضائل سے سامعین حضرات کو بہرہ ور کیا۔ انہی کی سنی حیلہ سے ملک کے چپہ چپہ میں فضائل اور قربانیوں کے تذکرے پھیل چکے ہیں۔ اور انہی حضرات کے زورِ بیان سے مذہبِ شیعہ کو وسعت اور ارتقا حاصل ہوا ہے۔

نحوہ ائمہ علیہم السلام نے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور اپنے عطیات و تحائف سے ان کی عزت فرمائی اور جنابِ سیدۃ النساء بنتِ رسولِ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی دعائیں ان کے ساتھ ہیں اور ان کی تائید سے انہیں روز افزوں ترقی حاصل ہوئی ہے۔ بے شک یہ خادمِ دین اور مداحِ اہل بیت ہیں۔ قومِ شیعہ نے بھی انہیں اونچا مقام دیا ہے۔ اپنا دیدہ و دل ان کے فرشِ راہ کیا اور دل و جان سے ان کی خدمت کی ان کی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہیں کی، انہیں سرانگھوں پر بٹھایا اور قہرِ کام آرام بخشا جس طرح بن پڑا انہیں مغفولِ مدیر پیش کیا۔ اور مالی امداد سے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

شکل و صورتِ اسلامی ہو

واعظینِ کرام دین کے رہنما اور احکامِ اسلام کے مبلغ ہیں۔ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے بعد دین کی رہنمائی اور بشارت و انداز کے فرائض کے یہ ذمہ دار ہیں۔ اسلام کی حفاظت اور دین کی امانت کے یہ امین ہیں اور ہدایت کی باگ ڈور انہی کے ہاتھوں میں ہے۔ تربیتِ قوم کی ذمہ داری انہی پر عائد ہوتی ہے۔ واعظین و ذاکرین پر شرعی ذمہ داریاں زیادہ عائد ہیں اور ان سے عہدہ برآ ہونا ان کا فرضِ اولیٰ ہے۔

چند ذمہ داریوں کا تذکرہ کرتا ہوں اور گستاخانہ کلمات سے معذرت خواہ ہوں۔

سیٹجِ حسینی اور منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام نہایت ضروری ہے۔ انہیں یہ سوچنا چاہیئے کہ کس مقام پر جلوہ افروز ہیں یہ مقام انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرین کا ہے۔ مجالسِ سیاسی اکھاڑہ نہیں، دینی تربیت گاہ اور اسلام کی تبلیغ و مصائبِ شہداء و کربلا و اسیرانِ کوفہ و شام بیان کرنے کا مقام ہے۔

حضراتِ ذاکرین! اس مقام پر آپ کا حلیہ اسلامی اور شکل و صورتِ دینی ہونی چاہیئے، تاکہ آپ کے اسلامی رنگ کو دیکھ کر آپ کے سامعین آپ کے رنگ میں رنگے نظر آئیں آپ کی غیر اسلامی صورت سے وہ ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی شکلیں نہ بگاڑ دیں۔ تازہ منڈی ہوئی ڈاڑھی اور بڑھی ہوئی موچیں، شہیدانِ کربلا کا تذکرہ کرتے ہوئے زیب نہیں دیتیں، جن مقدس حضرات کی قربانیوں کا تذکرہ آپ کرتے ہیں ان میں سے کسی کی ڈاڑھی منڈی ہوئی اور موچیں بڑھی ہوئی نہ تھیں، ان میں کوئی بے نماز نہ تھا۔ اور کوئی احکامِ اسلام کا تارک نہ تھا۔ وہ حفاظتِ اسلام کی خاطر شہید ہوئے اور احکامِ شریعت کے قوی و عملی مبلغ تھے، جب انہی

بزرگوں کے نام سے ایسا کچھ کرنا ہے۔ لوگ سیاسی لیڈروں اور بڑے آدمیوں، حکمرانوں کی وضع قطع اور شکل و صورت کی پیروی کرتے ہیں اور اپنی شکلیں ان کی شکلوں کے مطابق بناتے ہیں، تو آپ جن کے نام لیوا ہیں جن کی بدولت آپ کی اقتصادی و مالی حالت مضبوط و استوار ہے۔ آپ ان کی صورت کی پابندی کیوں نہ کریں۔ جہاں آپ کی زبانیں اُن کے مذکورے کریں وہاں آپ کی صورت ان کی صورتوں کی ترجمانی کیوں نہ کرے۔ حالانکہ بجائے خود ملتِ اسلام کا فرد ہونے کے آپ پر احکامِ اسلام کی پابندی فرض ہے۔

جذبہ خلوص

آپ دینِ اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ لوگوں کو احکامِ اسلام سے متعارف کراتے ہیں۔ فضائل و مصائبِ اہل بیت بیان کرتے ہیں۔ تو اس مقدس فرض کی ادائیگی خلوصِ نیت اور خوشنودی خدا و رسول اور رضائے ائمہ علیہم السلام کے قصد سے کریں۔ اس نیک کام میں آپ کا جذبہ خلوص کا فرما ہو، یہ عبادت ہے اور عبادت اگر خلوص اور قربت الی اللہ کی نیت سے خالی ہو تو عبادت باطل ہوتی ہے۔ اگر وعظ کرنے اور مجلس پڑھنے میں آپ خلوص سے تہی دامن ہیں تو ثوابِ آخرت اور خوشنودیِ معصومین حاصل کرنے میں کتنے امیدوار ہیں؟

آپ ساری عمر وعظ و تقریر اور ذکر و شہدائے کربلا کرتے رہیں مگر روزِ حشر قبر سے انھیں، تو بے سرو و مایہ اور خالی ہاتھ اٹھیں، پوچھنے والا پوچھے آپ کو کیا ملا؟ تو اس وقت کس قدر شرمندگی و ندامت ہوگی۔ آپ معاوضہ لے کر دنیا تو بنالیں گے مگر مرنے کے بعد آپ کے کفن میں غروی ساتھ جائے گی، نہ من جانبِ خدا ثواب ملے گا اور نہ ائمہ معصومین علیہم السلام کے سامنے آپ سرخرو ہونگے۔ اگر آپ بانیانِ مجالس کو تنگ نہ کریں، جو کچھ ان سے بن پڑے، بطیب خاطر قبول کر لیں تو دونوں جہان میں آپ کو سرخروی حاصل ہوگی اور دنیا و آخرت میں آپ کا میاب ہیں، یہ کچھ کم سعادت ہے۔ امیر اور دولت مند تو آپ کو گراں قدر نیاز و تحائف دیں گے۔ مگر غریب لوگ اتنی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ ان سے بھی وہ توقع نہ کریں جو سرمایہ داروں سے آپ کو ہوتی ہے۔ آپ سب کو برابر نہ سمجھیں، ہر جگہ لذیذ کھانے میسر نہیں اور نہ ہر جگہ سہولتیں یکساں ہیں۔ امیروں کے ہاں تو آپ کو مرنے کھانے اور کثیر سرمایہ ملے گا۔ مگر غریبوں کے ہاں دال روٹی اور حقیر پونجی قبول کر لیں۔ امیروں اور دولت مندوں کے ہاں ذوق و شوق سے جائیں۔ اور غریبوں کی خلعناہ دعوت ٹھکرا دیں۔ یہ آپ کے شایانِ شان نہیں۔ خیال رکھیں کہیں مادی حسیں ناراض نہ ہو جائیں۔

ایامِ حرمِ تجارتی موسم نہ بنائیں

تبلیغ دین کا قصد ہدایتِ اسلام اور فضائل و مصائبِ اہل بیت علیہم السلام کی نشر و اشاعت، مجلسِ حسین کے بنیادی

مقاصد ہیں۔ انہی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر سیلج و منبر پر جائیں۔ آپ جب سفر پر جائیں۔ گھر سے خروج انہی مقاصد کے تحت ہو تو آپ کا سفر آپ کی محنت و صعوبت، تعب و مشقت، گرد و غبار اور بال بچوں سے جدائی، یہ تمام امور عبادت میں فہار ہوں گے۔

لیکن خدا را شہدائے کربلا کے پاک خوں کو مال تجارت نہ بنائیں۔ اور عزائوں کو تجارتی منڈی نہ قرار دیں۔ سارا سال کمائی ہوتی رہتی ہے مگر آیام حرم اور مخصوص مجالس کے دن اس کا روبرو کے خاص موسم ہیں۔ مومنین تو ان آیام میں آنسو بہاتے اور واعظین و ذاکرین دولت کمانے کے لئے نکلتے ہیں۔ آپ اہل بیت علیہم السلام کے مداح اور مبلغ اسلام ہیں، معاف فرمائیں، آیام حرم اور آیام غم میں آپ روزانہ سات آٹھ مجلس مختلف مقامات پر پڑھتے ہیں۔ اور مختلف اضلاع میں سیکڑوں میل کی مسافت طے کر کے پڑھتے ہیں۔ آپ کی اس تنگ و دو، دوڑ و دوپ میں کیا جذبہ خلوص موجزن ہے؟ یا کاروباری نقطہ نظر ہے؟ اتنی محنت و مشقت اور دور دراز سفر تبلیغ دین و کشتگانِ جور و جفا، پیلے شہیدوں کی محبت کے تحت ہے یا دولت سمیٹنے و مال و زر کے حصول کے لئے ہے؟ زبان سے آپ کچھ کہیں لیکن آپ کا طرز عمل، طریق کار، آپ کا برتاؤ، آپ کے دلی ارادوں اور معنی عزائم کی غمازی کرتا ہے۔

آپ تو روزانہ آٹھ دس مجلسیں اپنے نام الاٹ کر لیتے ہیں، جب کہ آپ جیسے اہل علم بھائی اور آپ ہی کی طرح کے ذاکر محروم رہ جاتے ہیں، آپ ان کی حق تلفی تو نہیں کرتے؟ بانیانِ مجالس کو اس بات کی ہدایت کرنا آپ کا فرض ہے کہ دوسروں کے بھی حقوق ہیں، انہیں سیلج پر آنے، منبر پر بیان کرنے کا حق ہے۔ اگر آپ خود اس استحصال پر پابندی لگائیں اور خدا غداں پر رہ کر اپنے نفس کو بھی زیادہ مشقت سے بچا کر دو تین مجلسوں پر اکتفا کر لیں تو بانیانِ کرام خود دوسرے حضرات کی طرف رجوع کریں گے۔ انہیں بھی صلاحیتوں کے ظاہر کرنے کا موقع ملے گا۔ اس طرح ایک تو ان کا استحصال ختم ہو جائے گا، ان کو ان کے حقوق مل جائیں گے، دوسرے آپ غاصبین حقوق کی فہرست میں آنے سے بچ جائیں گے۔

آج کل واعظین و ذاکرین کے مدعو کرنے میں صرف اہلیت ہی پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ ذاتی تعلقات باہمی مراسم، برادرانہ اثرات اور یاری دوستی بھی ملحوظ ہوتی ہے۔ اس قسم کے بندھنوں کو توڑنا اور آدابِ مجالس کے مفاسد کو دور کرنا آپ کا فرض نہیں تو اور کون اسے انجام دے گا؟

دینی تبلیغ، فضائل و مصائب کے بیان کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تحت ایسی

معاشرتی و معاشی برائیوں کے قلع قمع کرنے کی آپ کو شش کریں اور حقوق العباد خصوصاً حقوق اذنیہ و غنیمیں و انذار کریں کو پا مال ہونے اور پا مال کرنے سے بچائیں۔ ایک شخصیت میں ارتکاز مجلس نہ ہونے دیں۔ ان کی عا دلانہ و منصفانہ تقسیم کریں۔

اگر آپ حضرات اشیاء و قربانی سے کام لیں، ایک مشہور و نامور واعظ و ذاکر کی کرم نوازی سے کئی واعظین و ذاکرین کے کہنے مفلوک الحالی سے بچ سکتے ہیں۔ اس طرح آپ دینی و دنیوی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

صحیح فضائل و مستند روایات

خدا نے آپ کو بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ اور قوم نے آپ کو سر اٹھوں پر بٹھایا ہے۔ مجلس پڑھتے وقت آپ کی کیا شان ہوتی ہے کہ سینکڑوں ہزاروں کان آپ کے دھیان میں مشغول ہوتے ہیں اور ہزاروں نگاہیں آپ کی ادا میں دیکھتی ہیں۔ شیخ اور منبر ذمہ دار مقام ہیں۔ یہیں سے احکام شرع نشر ہوتے ہیں فضائل و مصائب بیان ہوتے ہیں۔ امر بالمعروف و نہی منکر کا فریضہ ادا کیا جاتا ہے۔ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اکثر لوگ اسے صحیح سمجھ لیتے ہیں۔ اور مان لیتے ہیں۔ سب سامعین تاریخ دان اور اہل علم تو نہیں ہوتے، کہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کر سکیں۔ سچ کو قبول کر کے ساتھ لیتے آئیں اور جھوٹ کو وہیں رہنے دیں۔

فضائل ہوں یا مصائب، تفسیر آیات ہوں یا تشریح احادیث، تاریخی روایات ہوں یا فقہی مسائل۔ ان کی سند ہو معتبر، مستند اور صحیح کتب میں وہ مرقوم ہوں، اور ذمہ دار علماء کرام و فقہاء عظام کی تصدیق ہو۔ قانونی معلومات و کلام اور قانون دان حضرات سے حاصل ہوتی ہیں۔ امر اعلیٰ کی تشخیص اور ان کا علاج ماہرین طب اور مستند ڈاکٹروں سے کرایا جاتا ہے۔ امور زراعت ماہرین زراعت سے دریافت کئے جاتے ہیں۔ تعلیم ماہر مستند اور تجربہ کار استاذہ سے حاصل کی جاتی ہے۔ لیکن امور اسلام، مسائل دین، احکام خیریت، تفسیر و قرآن، صحبت احادیث اور روایات ہر شخص سے سن کر قبول کر لی جاتی ہیں۔ یہ امور بھی ان سے دریافت کئے جائیں اور مسائل و روایات ان سے پوچھے جائیں۔ جنہیں ان میں بہارت تامہ اور قابلیت کاملہ حاصل ہو، جو دین کے فہم دار اور جناب قائم آل محمد محل اللہ تہورہ کے معتقد ہیں۔ ان پر اعتماد کر کے اور امانت اسلام ان کے سپرد کر کے غیبت کبریٰ اختیار کی ہے۔ جن میں علم و فضل کے ساتھ تقویٰ اور دیانت وغیرہ کے اوصاف بدرجہ اتم موجود ہوں۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ہر کتاب معتبر نہیں، اور ہر بیان صداقت پر مبنی نہیں ہوتا، کتاب بھی اسی کی معتبر ہوتی ہے جو لکھنے والا خود بھی قابل اعتبار اور ذمہ داری کا خیال رکھنے والا ہو۔ اور بیان بھی اسی کا صحیح ہوتا ہے جو ذمہ دار، واقف کار، اہل علم و فضل اور دیانت دار ہو۔ لہذا کوئی واعظ و ذاکر کسی غیر معتبر غیر مستند کتاب، یا واعظ کا حوالہ دے کہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا، اور وہ ہر غلط بات جھوٹی روایت اور غلط تشریح کا جواب دہ ہے۔ اور اس سے دنیا میں تو نہیں روز قیامت ضرور باز پرس ہوگی۔ اس واسطے منبر و شیخ پر ہر واعظ و ذاکر صاحب کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے، صحیح اور مستند بیان کرنا چاہیئے۔ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ آپ کی باتیں فضائی لہروں سے گزرتی ہوئی ہزاروں سامعین کے کانوں میں پہنچ جاتی ہیں۔ اور یہی باتیں ان کے دل و دماغ میں معلومات کا ذخیرہ بنتی ہیں اور انہی سے وہ اپنے عقائد و نظریات قائم کرتے ہیں۔ آپ کی باتیں اگر صحیح و مستند ہوں گی تو ان کے خیالات و عقائد بھی درست ہوں گے اور اگر آپ کی باتیں صداقت سے دور، کذب سے بھرپور خود ساختہ یا غیر معتبر تقریروں و تقریروں سے مانو ہوگی تو سننے والوں کے پاس جو ذخیرہ معلومات آپ کی بدولت پہنچا، اور اس سے انہوں نے خیالات و نظریات تشکیل دئے، وہ سب کے سب غلط باطل اور خالی از حق و صداقت ہوں گے۔

جس طرح آپ صحت بیانی کے سبب باعث ہدایت ہوں گے اسی طرح آپ غلط بیانی کی بدولت گمراہی پھیلانے والے ثابت ہوں گے۔

خدا نخواستہ العیاذ باللہ آپ نے سامعین کو خوش کرنے کے لئے بے حقیقت فضائل بیان کئے، یا مزلانے کے لئے غلط ضعیف اور خود ساختہ روایات بیان کیں، تو آپ کو کچھ ذاتی مفاد تو پہنچ جائے گا، کسی قدر داد و تحسین پیش ہوگی، شہرت اور ناموری بھی حاصل ہوگی، مگر قوم میں گمراہی پھیل جائے گی، غلط روایات اور باطل خیالات قوم کے دل و دماغ میں راسخ ہو جائیں گے، اور اغلاط و باطل کا جما ہوا میل چھری صابن سے دور نہ ہو سکے گا، دیکھیں آپ کی غیر ذمہ داری نے کس قدر بگاڑ پیدا کیا، بننے کی بجائے قوم بگڑ گئی۔

مجلس جناب سید الشہداء اور میلاد کی محفل ایک قومی تربیت گاہ ہے۔ واعظ و ذاکر اس تربیت گاہ کا معلم ہے۔ اگر آپ صحیح تربیت دیں گے تو قوم سنور جائے گی۔ اور غلط تربیت کریں گے تو قوم بگڑ جائے گی اور ایسی بگڑے گی جس کی اصلاح ناممکن ہوگی۔ اور دردِ دین رکھنے والے خیر خواہان قوم کوئی بھی اصلاحی چیز پیش کریں گے تو وہ طعن و تشنیع کا مورد نہیں گے۔ اور تبرا بازی و گالیاں آنکا

استقبال کریں گی۔ جب ان کے صحیح فرائض و مصائب کثرت سے ہیں تو جھوٹے فرائض و مصائب پہیلی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جھوٹی روایت پر نہ مڑنا ثواب ہے نہ رونا۔

حُرمتِ غنا

تقصیدہ خوانی، شیریں بیانی اور خوش الحانی منع نہیں۔ یہ چیزیں باعثِ ثواب ہیں۔ آپ بے شک پڑھیں۔ خداوندِ عالم سچی ائمہ معصومین علیہم السلام آپ کو نیکیوں اور اعمالِ خیر کی زیادہ توفیق بخشنے اور دین و دنیا کی سعادتوں سے مالا مال کرے، مجالس کا سلسلہ زور شور سے جاری رکھیں۔ مگر غنا اور راگ و رنگ سے پرہیز کریں۔ ہمارے مذہب میں غنا مطلقاً حرام ہے کسی صورت میں کسی مقام پر کس وقت بھی جائز نہیں۔ قرآن و حدیث معصومین علیہم السلام اس کے حرام ہونے پر متفق ہیں اور علماء امامیہ رضوان اللہ علیہم کا اس کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے۔

غنا کی تشریح

ارغنا کی تشریح و حدود پر اکثر اوقات بحث کی جاتی ہے۔ جنہوں نے غنا حرام کیا ہے انہوں نے اس کی تشریح بھی کر دی ہے۔ کوئی سی چیز ہے جس کو شریعت اسلام نے حرام کیا ہو اور اس کی تشریح نہ کی ہو۔ غنا، ک ایک قسم ہے "تَرْجِيعُ الصَّوْتِ" گری مارنا، تان پٹا، گلے میں آواز کا ٹوٹنا، یہ معروف و مشہور چیز ہے۔ اسے ہر شخص جانتا ہے۔ قصائد اور مثنوی خوانی میں اس کا استعمال حرام ہے۔

۲۔ بے مقصد اور بغیر الفاظ کے صرف خالی سُر کے طویل کرنا، نہ کوئی لفظ ادا ہو رہا ہے، نہ کچھ پڑھا جا رہا ہے، کئی منٹ سُر کی آواز کو چلائے رکھنا، یہ راگ ہے۔ بعض اوقات سُر کی طوالت لفظوں کو ذریعہ کہہ دیتی ہے۔

۳۔ ماہرینِ غنا نے غنا کی طریزیں اور راگ کی قسمیں بنا رکھی ہیں۔ مثلاً بیروں، سندڑہ، مالی کونس، پہاڑی اور جنگ وغیرہ۔ ان سے واقف ہوتے ہوئے ان کے مطابق آواز کو بند کر کے اور ان کی حدود متعین کر کے پڑھنا راگ ہے جو حرام مطلق ہے۔

۴۔ خوش الحانی کا وہ طریقہ اور لہجہ کی وہ آدا جو باطل گانوں اور فلمی ترانوں میں استعمال کی جاتی ہے، جس کو سننے والا، فلمی گانا تصور کرے، اسی طرح سازوں کی دھن پر گانا اور ڈھول کی آواز پر پیٹنا حرام ہے۔ یہ ناگ کی قسمیں ہیں۔ جنہیں پڑھنے والے جانتے اور سمجھتے ہیں۔ مگر —

"خوئے بدایا بہا نہ بسیار" کے طور پر دہیات غنہ کہتے ہیں۔ اور طرح طرح کی باطل اور کمزور دلیلیں اپنے غلط فعل کو صحیح کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں۔ مگر الٰہ کی معنی سازی، جیلے بہانوں اور چرب نہبانوں سے حرام محمدی حلال نہیں ہو جاتا، اگر اتباعِ شریعت کہتے ہوئے اس فعلِ حرام سے پرہیز

کریں اور سادہ لہجے سے بغیر راگ قصیدہ خوانی اور مدح ائمہ معصومین کریں تو انہیں ثواب بے حساب ملے گا اور اگر اس جرم کے ساتھ ساتھ اس حرام محمدی کو حلال بنانے کی کوشش کریں اور ذاتی مفاد کی خاطر فرمانِ معصوم اور شرعِ پاک سے مذاق کریں تو یہ دُہرا گناہ ہے ایک حرام کے ارتکاب کا، دوسرا حرام کو حلال بنانے کا جو زیادہ بدتر ہے۔

چونکہ راگ ایک قسم کی پُر لذت حرام غذا ہے اور جادو کا اثر رکھتا ہے۔ اس لئے اس کے دلدادہ افراد پڑھنے اور سننے والے اس کے جواز کی یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ ہم جو بات کرتے ہیں جو سادہ لہجہ میں شعر پڑھتے ہیں وہ بھی راگ میں ہوتا ہے اور راگ کی کسی راگنی میں رنگا ہوا ہوتا ہے۔ اصل تو ان میں 'راگ' کی لذت اور ان کا بگڑا ہوا ذوقِ سماعت اور غناء کا عشق ان سے یہ باتیں کہہ داتا ہے۔ اول تو یہ بھی غلط ہے کہ ہر کلام و شعر ہر شعر و نظم راگنی میں رنگی ہوتی ہے۔ سیکھنے کے لئے کچھ عرصہ درکار ہوتا ہے۔ آواز کی ادا کو اس سُرِ تال کے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے۔ لہجے کو اس کی ادا کا بلند ہی پستی میں پابند کرنا ہوتا ہے۔ اس واسطے انسان کا ہر کلام راگ کا پابند اور کسی راگنی کے تحت نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ اس میں راگ کا کُطع اور غناء کی لذت نہیں ہوتی اسے راگ نہیں کہا جاسکتا۔ تیسرا امر یہ ہے کہ بات کرنے والا اور سادہ لہجے میں شعر پڑھنے والا کو خوش الحانی میں بھی پڑھے اُسے راگ اور اس کی اقسام کا علم نہیں ہوتا اور نہ وہ راگنی سے واقف ہوتے ہوئے اس کے مطابق ادا کرتا ہے اور نہ اس کا یہ قصد ہوتا ہے کہ میں راگ پڑھوں اور نہ وہ آواز کو گلے میں گھماتا ہے۔ اس لئے وہ راگ کے جرم سے بری اور غناء کے گناہ سے محفوظ ہے۔

غناء کے شیدائی اور راگ کے فدائی ایک وجہ یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ راگ اور سُر کی وجہ سے کئی غیر عیس

ایک عام غدر اور اس کا ابطال

میں شرکت کرتے اور مذہب سے متعارف ہوتے ہیں۔ سُر ملی آوازوں کی وجہ سے وہ مذہبِ اہل بیت سے قریب ہو جاتے ہیں۔ بالآخر وہ مذہبِ حق قبول کر لیتے ہیں۔ اس طرح مذہبِ شیعہ ترقی کرتا ہے۔ یعنی مذہبِ شیعہ کی جانب لوگوں کو کھینچنے کے لئے راگ اور سُرِ مان بہترین ذریعہ ہیں۔

اس کا جواب یہی ہے کہ کسی مذہب کو موردِ وطن اور غلط ثابت کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ اس مذہب کی ترقی اس کے

اس کا جواب با صواب

اصول و فروع کی حقانیت اور تعلیمات کی صداقت کی بنا پر نہیں ہوئی بلکہ اسبابِ باطلہ اور ناجائز ذرائع سے ہوئی ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ راگ و غنا اور سُسرلی آوازوں اور تانوں نے ہمارے مذہب کو پھیلا یا ہے تو اس سے بڑھ کر اس مذہب کے باطل ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ ناجائز ذرائع اور باطل اسباب کے ذریعہ وہ اپنا مذہب پھیلاتے ہیں جن کے مذہب کے اندر کچھ نہ ہو، اس کے اصول و ضوابط غلط ہوں، اس کے رہنما اور اس کے بانی حق سے دور اور فریب و کذب سے معمور ہوں، وہ الہامی اور آسمانی مذہب نہ ہو۔ بلکہ دنیوی مادی اغراض کے تحت ایک فرقہ تشکیل دیا گیا ہو، تو اس کی اشاعت مادی اور باطل اغراض کے تحت اور ناجائز امور سے کی جاتی ہے۔

شیعہ مذہب الہامی مذہب ہے۔ اس کا آئین قرآن و سنتِ نبوی ہے۔ اس کے رہبرِ معصوم اور اس کی تعلیمات حتمی، اس کے احکام الہی ہیں۔ اس مذہب کو راگ و غنا نے نہیں بلکہ آئمہ علیہم معصومین کی سچی تعلیمات اور حق کی خاطر ان کی اور ان کے شیعوں کی قربانیوں نے ترقی بخشی ہے۔ جائز کی مدد ناجائز سے، حق کو طاقتِ باطل سے اور سچ کو ترقی جھوٹ سے نہیں دی جاسکتی۔ کیا شراب پی کر، ایک بندہ مصلائے عبادت پر کھڑا ہو جائے اور سینکڑوں رشتہ شراب کے نشہ کی وجہ سے پڑھ لے تو کیا اس کی عبادت مقبول ہوگی۔

مذہب کے اصول و فروع اور تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کر دو، اگر وہ قبول کریں تو آجائیں۔ ورنہ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ یہی طریقہ انبیاء و مرسلین کا رہا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے۔ انہوں نے لوگوں کو دعوتِ دین دی۔ مذہبِ اسلام کی طرف پکارا۔ ان کی پاک زبان سے نکلے ہوئے کلمات کے ساتھ اور تصدیقی معجزات و بیٹے اور تائید کے لئے آیات و بیانات بھی خداوندِ عالم نے ان کو ساتھ دیے۔ روشن دلیلیں، عقلی ثبوت اور خارقِ عادت معجزات دیئے۔ یہ سب اسبابِ تبلیغ و ہدایت کے لئے فراہم کیے مگر کسی پیغمبر کو خدا نے سوزِ غماں اور ہنوا نہیں دیئے۔ کیا اس کو اسلام کی اشاعت اور دین کی ترقی پسند نہ تھی۔ انبیاءِ جواب میں پتھر برداشت کرتے رہے۔ گالیاں سنتے رہے۔ اذیتیں سہتے رہے اور مختلف طریقوں سے اپنی قوم کے ہاتھوں قتل ہوتے رہے۔ مگر انہوں نے کبھی راگ اور غنا کو دعوتِ دین اور لوگوں کی کشش کے واسطے استعمال نہیں کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام مناجات اور دعاؤں میں راگ و غنا نہیں، سوزِ دروں، رقتِ قلب سے نکلی ہوئی صدا اور دلی محبت اور بندگی کا اظہار خوش الحانی اور جذب و درد سے بھری ہوئی آواز کے ساتھ کرتے تھے۔ بے شک ان کی آواز میں درد

تھا۔ سوز تھا، خوش الحانی تھی۔ مگر راگ گمان نہ تھا اور قوم کو جب دین کی طرف پکارتے اور تعلیمات و ہدایات خداوندی پیش کرتے تو مُرتال کے ساتھ دعوت نہ دیتے اور نہ مُرتلی آوازوں کے بہانے قوم کو اکٹھا کر کے تبلیغ کرتے۔

حضرات! راگ کی حرمت اپنے مقام پر بجائے اسے کسی طور جائز نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں قصائد اشعار، رباعیات، دوہڑے راگ سے خالی مُرت میں پڑھ سکتے ہیں۔

سامعین کرام! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور چار دہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سائے رحمت آپ کے سروں پر قائم رہے۔ آپ ذوقِ سماعت رکھتے ہیں۔ کسی قوم میں داعظ کی باتیں مقرر کی تقریر اور ذاکر کا بیان سننے کا اشتیاق شیعہ فرقہ کے برابر نہیں ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ مقرر حضرات مسجد میں تقریر فرما رہے ہیں لیکن مسجد سامعین سے خالی ہے۔ چند ایک بے دلی سے سماعت کر رہے ہیں لیکن کیا کہنا شیعہ قوم کے شوقِ سماعت کا کسی مشہور واعظ اور نامور ذاکر کی مجلس کا اعلان ہوا وقت مقرر سے پہلے جہانِ اہل بیت، حضرت شبیر کے شیدائی مقامِ مجلس میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ جلسے کا پتہ ڈال یا عزا خانہ کچھا کچھ بھر گیا۔ آپ اپنا قیمتی وقت صرف کرتے ہیں۔ دور و دراز سے پیدل چل کر یا کرایہ خرچ کر کے جناب سید الشہداء علیہ السلام کی مجلس سننے کے لئے آتے ہیں۔ یہ ایک تڑپ ہے جو آپ کو کھینچ کر فرزندِ بول کی صفِ ماتم پر لا جھاتی ہے۔

نیز شیعہ قوم بڑی حقیر قوم ہے۔ طے دل سے عزاداری پر لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے خرچ کرتی ہے۔ عظیم الشان عزا خانے آپ کی مالی قربانیوں کے مظہر اور مشہور خطباء و واعظین نامور ذاکرین کی قیمتی کاریز تصور آپ کی فراخ دلی کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ آپ کا جذبہ جو دو کم قابلِ ستائش ہے۔ لیکن بُرا نہ ستائش تو آپ میں چند ایک خامیاں بھی ہیں جن کی نشان دہی میں کرتا ہوں، اصلاح آپ خود کر لیں۔ تحریماں تو آپ میں موجود ہیں ہی اگر خامیاں دُور ہو جائیں تو سوناغش (دلاوٹ) سے پاک ہو جائے۔ سدا بہار شجرِ دیک سے بچ کر با برگ و بار ہو جائے اور جذبہ محبت و ایثار سے سرشار قوم اپنے نظریات و عملیات کے اعتبار سے اقوامِ عالم کی مقتدا بن جائے۔

آپ خالص فضائل اور خالص معائب سننے کی خاطر مجلس میں جائیں۔ آپ

۱۔ جذبہ خلوص

کے پیشِ نظر قرآن و حدیث اور فضائل و معائب ہوں۔ اگر آپ لچھے دار

تقریریں، ادبی زبان، لفاظی کا سحر بیان اور مسلم چالوں کے قصیدے، غنائی لب و لہجے سننے کے لئے جائیں گے تو آپ کا مقصد خالص فضائل و معائب نہ رہیں گے، بلکہ اس میں لذتِ سماعت

استیاقِ فی اور حبِ سرود و نثار کی آمیزش ہو جائے گی۔ ثواب تو ذکرِ فضائل و مصائب سننے میں آتا ہے۔ تقریروں کی چاشنی، لطیفوں اور سحرِ بیانوں، الفاظ کی رنگینیوں، غنائی تانوں اور راگ آمیز سروں کے سننے میں نہیں جس قدر آپ کے مقصد میں خلوص کم ہوگا اور آمیزش زیادہ ہوگی اتنا ہی ثواب گھٹ جائے گا۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ مشہور ذاکر و واعظ کچھ تو وقت مقرر سے پہلے آپ جائے مجلس میں پہنچ کر نشست محفوظ کر لیتے ہیں۔ لیکن غیر مشہور واعظ و ذاکر کی مجلس کے لئے بانی مجلس کی نگاہ آپ کی راہ تکتے تکتے ٹھک جاتی ہے۔ حاضری بہت کم ہوتی ہے۔ اور وقت مقرر سے کافی تاخیر کے بعد بانی بیچارہ مجلس شروع کرتا ہے۔ آپ کی رفتار میں سستی، ذوق میں کوتاہی اور شوق میں نمایاں کمی نظر آتی ہے۔ آپ سنتے ہیں تو بے اعتنائی سے اور آپ دیکھتے ہیں تو بے پروائی سے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ذوقِ سماعت اور جذبہٴ محبت خالص نہیں۔ اس میں لذتِ شیریں بیانی و حفظِ غناء اور سرود کی آمیزش ہے۔ عبادت میں خلوص اور قرب شرط ہے۔ آپ کی عبادت میں خلوص اور قرب نہیں تو آپ کے اس غیر خالص عمل کی اجرت نہیں۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ اور سعادت مند ہیں وہ مومن جو مجلس کا اعلان سنتے ہیں تو یہ نہیں پوچھتے کہ ذاکر کون ہے، مشہور کی نسبت غیر مشہور کی مجلس میں ذوق و شوق سے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہاں کوئی سامانِ لذت نہیں ہوتا ہے۔ نہ شیریں بیان نہ پلے گری اور تان، خالص فضائل و مصائب آمیزش سے محفوظ جذبہٴ سماعت۔ یہ ہے خالص عبادت۔

۲۔ قرآن و حدیث سے گریز کیوں؟

جلسوں میں بیان کرنے والے متعدد حضرات و واعظین ذاکرین مدعو ہوتے ہیں۔ خدا آپ کو جذبہٴ خلوص عطا فرمائے۔ جب تک ذاکر شیریں بیان، خوش الحانی، سریلی آواز اور طرب انگیز غناء آمیز لہجے میں بیان کرتا ہے، آپ اس قدر محو سماعت ہوتے ہیں کہ اس وقت آپ کا سب کچھ قربان بھی ہو جائے تو آپ کو احساس نہ ہوگا۔ لیکن اگر عالمِ دین، واعظ، نیک سیرت، قرآن و حدیث بیان کرنے بیچ پر آئے تو آپ اٹھ کیوں آتے ہیں؟ پسندِ ال خالی ہو جاتا ہے۔ عزا خانہ کئی مردم کی شکایت کرنے لگتا ہے اور واعظ بے چارہ حسرت سے جانے والوں کی بے رنجی اور پشت نمائی کو دیکھتا ہے۔

آپ اپنے طرزِ عمل سے کس قدر قرآن اور اسلام سے بے رنجی اختیار کرتے ہیں۔ جتنی آپ کو راگِ سر سے محبت ہے۔ اتنی ہی مسائلِ دین اور قرآنِ مبین سے نفرت نظر آتی ہے جس قدر آپ سُر تالی کی

حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اسی قدر قرآنِ نحرانی و احکامِ اسلام کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ کیا قرآنِ آپ کے اس طرزِ عمل کی شکایت نہ کرتا ہوگا۔ کہتا ہوگا۔ میرے خانی! تیرے بندوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ یا رسول اللہ! تیری اُمت مجھے سُننا نہیں چاہتی، یا علی! تیرے شیعہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ یا حسین! تیرے عزادار! مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ یہی حال احکامِ اسلام کا ہے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے اور کتنی دُکھ کی بات ہے کہ اکثر اوقات واعظ و عالم کو شہوِ ذاکر سے اس لئے پہلے پڑھایا جاتا ہے کہ لوگ سُروں کی لالچ میں بیٹھے رہیں گے۔ گو بے رغبتی سے ہی سہی کچھ سُن تو لیں گے۔ بعض اوقات شوقِ غنا میں عالمِ دین کو صلوات کی شکل میں صلواتیں سُنائی جاتی ہیں اور نعرہٴ حیدری و بلند آواز سے درود کا تحفہ بھیج کر اس کے بیان سے نفرت کا اظہار کر کے اُسے بیان ختم کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اور انہی نعروں اور بلند آواز صلواتوں کے ساتھ آنے والے شیریں بیاں اور غنائی زبان کا استقبال کیا جاتا ہے۔

ایسے اوباش جوانوں، شغلی اور جاہل انسانوں بلکہ انسانِ مَجاہلون کو مجالس میں جانا ہی نہ چاہیے۔ کیونکہ قرآن کا سننا واجب اور احکامِ اسلام کو یاد کرنا فرض ہے۔ جس وقت یہ توہمیں قرآن اور تحفہٴ اسلام کے جُرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ تو مجلس کی حرمت اور قوم کی عزت کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ دوسرے لوگوں اور غیر قوموں کے سامنے شیعہ قوم کی قرآن سے بے رغبتی اور احکامِ اسلام سے بے اعتنائی ظاہر ہوتی ہے۔ حالانکہ مجالس کے انعقاد کا مقصد ہی تعلیمِ قرآن کی اشاعت اور احکامِ اسلام کی ہدایت ہے۔ ایسے وقت اٹھ کر مُنہ پھیر کر آجانا نہ جانے سے بہتر ہے۔ ہاں کسی مجبوری امر کے تحت اور ضروریات کے لئے اٹھ کر آنا اور بات ہے اور عہدِ سرِ ملی آواز کو پیارا سمجھنا اور قرآن سے نفرت کرنا گناہِ عظیم ہے۔

سامعینِ کرام! آپ مجلس کے انعقاد میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر آپ اصول پسندی اور غرض و غایت مجلس کی پابندی

۳۔ کھوٹے کھرے میں تمیز کریں

کریں تو بانیِ حضرات اور واعظین و ذاکرین کو آپ سبق پڑھا سکتے ہیں۔ اور آپ اپنی اصلاح کے ان ہر دو گروہوں کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ کیونکہ مجلسوں کی رونق آپ کے دم قدم سے ہے۔ اور یہ دونوں صاحبانِ بانی و ذاکر مجلس کی کامیابی میں آپ کے محتاج ہیں۔ اگر آپ غلط سُننا پسند نہ کریں تو وہ غلط پڑھنا بند کر دیں گے۔ اگر آپ لاگ و رنگ سے پرہیز کریں تو وہ راگ چھوڑ کر سادہ آواز میں قصیدے پڑھیں گے۔ اگر آپ چٹکلہ بازی، جاہلانہ لطیفہ گوئی اور غلط بیانی سے کناہ کریں گے تو وہ علمی، اصلاحی

اور ٹھوس مستند فضائل بیان کریں گے۔ اگر آپ احکام اسلام، فقہی مسائل، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سننا چاہیں گے تو وہ آپ کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے ایسی کتابوں کے مطالعہ کی تکلیف گوارا کر کے آپ کے حسبِ منشاء مواد تیار کریں گے۔ کیونکہ بانی صاحب وہی واعظ و ذاکر مدعو کریں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ اور واعظ و ذاکر وہی بیان کریں گے جو آپ سننا پسند کریں گے۔ اسی واسطے اصلاح مجالس کا انحصار بہت کچھ آپ پر ہے۔ یہ بھی سوچ سمجھ لیں کہ واعظین و ذاکرین میں آپ کا خیر خواہ کون ہے اور آپ کی سادگی سے ناجائز فائدہ کون حاصل کرتا ہے۔ آپ کو یوں بھی خوش کر کے بلا عمل جنت کی ٹھٹھ دے کہ آپ کو بے وقوف کون بناتا ہے۔ آپ کو خوفِ خدا دلا کر عملِ صالح اور تقویٰ کی رغبت دلا کر سچا مومن بنانے کی کوشش کون کرتا ہے۔

سچا دوست وہ ہوتا ہے جو دوست کو اس کی خامیوں سے آگاہ کر کے اسے خامیاں دور کرنے کی تلقین کرے۔ کیونکہ جب اُسے برائیوں کا احساس دلایا جائے اور اُن کے انجام سے باخبر کیا جائے تو اُسے برائیوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ وہ برائیاں چھوڑتا ہے۔ وہ شخص دوستِ غا دشمن ہے جو دوست کی خامیاں جانتے ہوئے ان کو خوبیاں بتائے اور برائیوں کے انجام سے آگاہ نہ کرے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ برائیاں اس میں گھر کر جاتی ہیں۔ وہ نیکیوں سے عاری اور برائیوں کا عادی بن جاتا ہے۔ اس طرح وہ لوگ آپ کو بے وقوف بنا کر اپنا مطلب نکال لیتے ہیں۔ آپ ایسے لوگوں کو خیر خواہ خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ آپ کے بدخواہ ہیں۔ یہ لوگ آپ کو ہدایت نہیں کرتے بلکہ گمراہ کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ردِ قیامت ان ہی باطل پیشواؤں میں شامل ہوں گے۔ جو اپنے مریدوں اور پیروکاروں سے بیزاری اختیار کریں گے۔

آپ پر کہیں کہ آپ کو میٹھی نیند کون سلاتا ہے اور خراب غفلت سے بیدار کون کرتا ہے۔ آپ کو نیکی کی دعوت کون دیتا ہے اور آپ کو برائیوں میں گرفتار کون رکھتا ہے۔ آپ نیک و بد، کھرے کھوٹے اور سچے جھوٹے میں تمیز کریں۔ واعظ و ذاکر کی صورت و سیرت دیکھیں اور گفتار و کردار کا موازنہ کریں۔ ان کا علمی مقام اور صلاح و تقویٰ دیکھیں۔ یہ بھی دیکھیں کہ ان میں درِ دین کتنا ہے۔ اور رغبتِ دنیا کتنی ہے۔ ان میں اطاعتِ چہارہ معصومین علیہم السلام کتنی ہے اور حبِ جاہ و خشم کس قدر ہے۔

آپ ایک عرصہ سے انبار و مرسلین اور ائمہ معصومین

۴۔ حق کی حمایت اور باطل سے نفرت کے جذبہ کو بیدار کریں

علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرت اور شہداء کربلا کی قربانیوں کے واقعات سنتے آئے ہیں۔ اس لئے آپ ان واقعات سے درس بصیرت حاصل کریں۔ جب آپ کو حق کا یقین حاصل ہو جائے تو اُس کی بھرپور حمایت اور باطل سے مکمل نفرت کریں۔ سچوں کا ساتھ دیں اور جھوٹوں سے بیزاری اختیار کریں۔ غاصب کو بُرا جان کہہ اُس سے پرہیز کریں۔ اور جس کا حق غصب ہوا ہے اُس کی مدد کریں۔ مظلوم سے الفت اور ظالم سے نفرت کے جذبہ کو بیدار کریں۔

مظلوم سے پیدا الفت ہو اور عوجِ یزیدی مٹ جائے

اس واسطے تیرے در و بھر کے حالات سنائے جاتے ہیں

واقعہ کربلا ایشارِ قربانی، حمایتِ اسلام، دروِ دین اور حفاظتِ و اطاعتِ احکامِ شریعت کا درس دیتا ہے۔ اور حق و باطل میں تمیز کرنے کا شعور اور اخلاقی جرأت پیدا کرتا ہے۔

اس قدر مجالس جناب سید الشہداء علیہ السلام سننے کے بعد اگر آپ میں جذبہ ایشارِ قربانی، حمایتِ حق کی اخلاقی جرأت پیدا نہیں ہوئی، تو کافلوں سے آپ نے واقعات سن کر دل میں نہیں اتارے۔ بس صرف ذوقِ سماعت پورا کیا۔ اخلاقی بصیرت اور حق گوئی کی عادت آپ نے حاصل نہیں کی۔ گویا آپ نے شہداء کربلا کی بے نظیر قربانیوں کی قدر نہیں کی۔ آپ صرف سامع رہے عامل نہیں بنے۔

ہے ماتی لاکھوں ہیں نفسِ بے ریا کس کس میں ہے

دیکھنا ہے تیرے اسوہ کی ادا کس کس میں ہے

۵۔ تشکیلِ سیرت و کردار سازی

آپ ماشاء اللہ حُبیبی ہیں۔ آپ میں حسنینت کی جھلک نظر آئے۔ آپ دشمنِ یزیدی ہیں۔ آپ کی سیرت یزیدی کہ دار سے پاک دکھائی دے۔ مجالس میں آپ پاک بدن اور پاک لباس کے ساتھ با وضو شرکت کریں۔ کیونکہ یہ آپ کی عبادت ہے۔ یہاں قرآن کی تفسیر، احادیث کی تشریح اور معصومین و طاہرین کے فضائل و معائب بیان کئے جاتے ہیں۔ طاہرین کی مجلس میں آپ ظاہر و باطن کو ظاہر بنائیں۔ دل و دماغ کو ظاہر رکھیں۔ نیتِ طاہر ہو۔ خیالاتِ طاہر ہوں۔ طہارت و نجاست کے مسائل سے واقفیت حاصل کریں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ طاہرین و معصومین کی محبت رکھیں اور کبر سنی ضعیف العمر ہونے کے باوجود نجاست و مطہرات سے بے خبر ہوں۔ آپ صورت و سیرت میں حسینی نظر آئیں۔ جہاں آپ محبتِ حسین کے دعویدار ہیں۔ وہاں آپ کا کردار آپ کے حسینی ہونے کی شہادت دے اور جہاں آپ یزید پر لعنت کرتے ہیں وہاں آپ کا کردار یزیدی افعال سے بھی بیزاری ظاہر کرے تاکہ غیر لوگ آپ کو دیکھ کر رشک کریں اور آپ کے

حسنِ عمل کی تعریف کریں۔ یاد رکھو فرزندِ رسولؐ نے دین کی خاطر قربانی دی ہے بشریّت کی حفاظت کیلئے گھر لٹایا ہے۔ حق کی خاطر حضرت ابوطالبؓ کا سارا گنہِ قربان ہو گیا۔ اس واسطے ان کی پیروی کرتے ہوئے دینِ اسلام اور شریعت کے احکام کی قول و عمل سے قدر کریں۔

جہاں شہادت کے واقعات سن کر آنسو بہائیں۔ وہاں مقصدِ شہادت کی اپنے عمل سے حفاظت کریں۔

قرآنِ حسین پڑھتے تھے اس وقت بالیقین
آوازِ دردِ ناک سے کہتے تھے شاہِ دین
خونِ چکیدہ نے بھی رفاقت کی بات کی
سینے پر جب سوار تھا وہ قاتلِ لعین
اَيَّاكَ لَعَبْدُ وَاَيَّاكَ لَسْتُ عَيْنِ
ہر طرف سے صدا تھی اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
اگر آپ مقصدِ شہادتِ حسین کی حفاظت و حمایت کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوں تو
آپ شہید اور کربلا کی معیت میں مشورہ ہوں گے۔

قارئین و ناظرین، سامعین و حاضرین، بانیانِ کرام، واعظین و ذاکرینِ مقام و سامعینِ ذوی الاحترام، آپ کی خیر خواہی اور اصلاح کے لئے یہ چند اوراق تحریر کئے ہیں۔ نیتِ نیک ہے مقصدِ شریف ہے۔ گو الفاظ تلخ ہیں مگر معافی خیریں ہیں۔ عبارت ترش ہے مگر مطالب میٹھے ہیں۔ گھونٹ کڑوے ہیں مگر اثرِ شفا ہے۔ بیان مزیدار نہیں مگر انجامِ خیر پر مبنی ہے۔ ایک خیر خواہ دوست کی حیثیت سے آپ کو مفید مشورے دیئے ہیں اور آپ کی خامیاں دور کرنے کا دستور العمل پیش کیا ہے۔ بظاہر یہ کھری باتیں آپ کو ناگوار گزریں گی۔ مگر درحقیقت ان پر عمل آپ کی دنیا و دین کی سعادتوں کا منار ہے۔

میں بحیثیت ہمدرد و قوم چاہتا ہوں کہ جناب مظلوم کربلا کے ذکر کی یہ عبادت منافع نہ جائے بلکہ رنگ لائے۔ خداوندِ عالم بحق چہارہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام آپ کو سوائے غمِ شہداد کربلا و اسیرانِ رنج و بلا ہر غم دنیا سے محفوظ رکھے اور عزاداری جناب سید الشہداء علیہ السلام کو قائم رکھنے اور شہداد کربلا علیہم السلام کی یاد منانے کی زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اولاد حضرت امام حسنؑ کی قربانیاں

شہادت حضرت قاسمؑ

امام حسنؑ کا تقریباً پورا کنبہ حضرت امام حسینؑ کی رفاقت میں وارد کردہ ہوا۔ اور امام حسنؑ کا بھرا گھر کربلا میں اپنے بھائی حسینؑ کے پورے گھر کے سانچہ اڑا۔ جس طرح جناب حسینؑ کا آباؤ گھر کربلا میں برباد ہوا، اسی طرح امام حسنؑ کا پُر رونق صحن کربلا میں تاراج ہوا۔ گلستانِ محبتی کے فونہال بادِ غزاں نے یوں دیران کئے کہ پتے جدا، شاخیں کٹ کے ریت میں بکھر گئیں، اور تازہ پھول شاخوں سے جدا ہو کر ٹھیکوں کی صورت میں منتشر ہو کر خاک میں مل گئے۔ یوں پھلتا پھولنا باغِ غزاں نے تاراج کر دیا۔ اور میوہ مائیں فونہالوں پر ماتم کرنے کے لئے رہ گئیں۔

جناب حسنؑ کے چھ فرزند اپنے چچا کی نصرت کے لئے میدان میں یکے بعد دیگرے نکلے جن کی عمریں گیارہ سے بائیس سال تک تھیں۔ سوائے جناب حسنؑ مثنیٰ کے کہ وہ زخموں سے چور ہوئے مگر نہ بچ گئے اور باقی پانچ نوخیز نوجوانوں کی لاشیں چچا کو میدان سے اٹھا کر لانا پڑیں۔ اسی طرح یہ پانچ چاند صحنِ امامِ محبتی کی روشنی ختم کر گئے۔ بلکہ یوں کہوں کہ مدینے سے طلوع ہوئے اور کربلا کے افق میں غروب ہو گئے۔

ان کی عمر بائیس سال تھی۔ یہ جناب سید الشہداء علیہ السلام کے داماد، اُن دختر جناب ا۔ حسن مثنیٰؑ

فاطمہ کبریٰ کے شوہر، ان سے جناب امام حسنؑ کی نسلِ پاک بڑھ چکی ہے۔ یہ واقعہ کربلا میں جناب امام حسینؑ کے ہمراہ تھے۔ اذن لے کر میدانِ کارزار میں آئے۔ سترہ آدمیوں کو واصلِ جہنم کیا۔ اٹھارہ زخم کھائے۔ زخمی ہو کر گر پڑے، زندگی باقی تھی۔ امام پاک اس زخمی جوان کو اٹھا کر خیمہ میں لے آئے۔ اور ہاشمی شہداء میں رکھ دیا۔ یہ مجروح مجاہد زخموں سے کراہتا رہا۔ اہل بیت ان کے علاج سے بے بس تھے۔ اس بے سروسامانی کی حالت میں کس طرح ان کے زخموں پر مرہم لگا سکتے تھے کہ پانی پلانے سے بھی عاجز تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زخمی جوان بہت قوی القلب اور مضبوط اعصاب رکھتا

تھا کہ اٹھارہ زخموں کے باوجود بغیر علاج اور پانی دقت گزار دیا۔ ہاشمی مستورات جہاں اس زخمی پر گریہ و بکا کرتیں، اپنی غریب و علاج سے بے بسی اور پانی نہ پلا سکنے پر بھی آنسو بہاتیں، گیارہویں کے روز جب باقی ماندہ افراد اور مستورات کو قید کیا گیا، ان کو بھی قیدیوں میں شامل کیا گیا۔ ظالموں کو اتنا خیال نہ آیا کہ یہ نہ سواری پر بیٹھ سکتے ہیں اور نہ پیدل چل سکتے ہیں۔ کسی نے ان کے قتل کا ارادہ کیا۔ مگر اسماء بن خارجہ فریادی اٹھ اٹھے۔ کیونکہ جناب شہنشاہ کی ماں غولہ بنت منصور فراری قبیلہ سے تھیں۔ اس نے ظالموں کے قبضہ سے اس زخمی کو لے لیا اور عمرو بن سعد نے چھوڑ دینے کا حکم دے دیا۔ اور اس کی وجہ سے جناب حسن شہنشاہ کی جان بچ گئی۔ اسماء بن خارجہ فراری ان کو کوفہ لے گیا۔ علاج کرنے سے تندرست ہو گئے۔ آٹھ ماہ یا ایک سال تک کوفہ میں رہے۔ پھر مدینہ واپس آ گئے۔

۲۔ احمد بن حسن

ان کی عمر سولہ سال تھی۔ ابو مخنف نے ان کی شہادت جناب قاسم کے بعد لکھی ہے۔ اور اکثر کتب مقاتل میں ان کا جناب قاسم سے قبل شہید ہونا مسطور ہے۔ یہ جناب نہایت شکیل و جہیر تھے۔ اٹھتی جوانی، شجاعت و جرات خاندانی تھی۔ ان کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی اُمّ بشر بنت مسعود الانصاری ہے۔ آپ واقعہ کربلا میں اپنے فرزند کے ہمراہ تھیں۔ مقتل ابی مخنف میں ان کی شجاعت و شہادت کی کیفیت اس طرح درج ہے۔ جناب اُمّ پاک سے اذن چاہا کہ میدان کارزار میں یہ رجز پڑھتے ہوئے تشریف لائے :

إِنِّي أَنَا بَعْلُ الْإِمَامِ ابْنِ عَلِيٍّ أَحْزَبُكُمْ بِالسَّيْفِ حَتَّى يَغْلِبَ
تَحَنُّنٌ وَبَيْتُ اللَّهِ أَوْلَىٰ بِالنَّجِيِّ أَطْعَمَكُمْ بِالرُّخْمِ وَسَطَ الْقَسْعَلِ

میں امام حسن فرزند علی کا پسر ہوں۔ تلوار سے تمہیں مارتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ تلوار کند ہو جائے گی۔ بیت اللہ کی قسم ہم نبی پاک کے زیادہ قریبی ہیں۔ میں تمہیں نیزہ مارنے اور شمشیر زنی میں یہ فوجوان ماہر تھا۔ چنانچہ جب معرکہ آرائی شروع ہوئی تو اس شہسوار میدان شجاعت نے اس زور سے حملے کئے کہ فوج کے دائیں اور بائیں حصہ میں سخت انتشار پیدا ہو گیا۔ مہینہ کو میسرہ پر اور میسرہ کو مہینہ پر پلٹ دیا بعض کتب مقاتل کے مطابق اسی سواروں کو ہلاک کیا۔ مگر شدتِ پیاس سے شہزادے کی آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ گلا خشک ہو گیا تھا۔ اور پھول سا چہرہ مرجھا گیا۔ نرم و نازک ہونٹ کھلا گئے۔ واپس آکر خدمتِ امام میں پیاس کی شکایت کی۔ عرض کیا : يَا حَمَاهُ هَلْ مِنْ شَرْبَةٍ مَا يَدْرِي أُسْبِرُ بِهَا كَبْدِي وَالْقَسْوَىٰ بِمَا عَلَىٰ أَعْدَاءِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۔ چچا جان! کیا آپ تمھوڑا سا پانی نہیں پلا سکتے

جس سے میں جگر کو ٹھنڈا کر سکوں اور میں دشمنانِ خدا و رسول پر غلبہ پاسکوں۔ نوجوان بھتیجے کی خواہش سن کر امام پاک نے کس مایوسی سے جواب دیا۔ **يَا ابْنِ الْأَخِ اصْبِرْ قَلِيلًا حَتَّى تَلْقَى جَدَّكَ رَسُولَ اللَّهِ فَيُسْقِيكَ شَرْبَةً مِمَّا الْمَاءِ لَا تَطْمَأُنُّ لَهَا أَبَدًا**۔ بھتیجے! تھوڑی دیر مزید صبر کر لو۔ عنقریب جدا مجد رسول اللہ سے ملاقات کرنے والے ہو۔ وہ تمہیں ایسا سیراب کریں گے کہ اس کے بعد کبھی پیاس نہ لگے گی۔ اس کے بعد دوبارہ میدانِ جنگ میں اور دوسرا جہز پڑھتے ہوئے حملہ آور ہوئے اور شمشیرِ ثمر بار سے سپاس سواروں کو جہنم پہنچایا۔ تیسری بار پھر جہز یہ اشعار پڑھ کر فوجِ مخالف پر اس شدت سے حملہ کیا کہ اس حملہ میں مزید ساٹھ سواروں کو تیر تیغ کیا۔ زخموں کی کثرت سے مدد حال ہو گئے اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

جناب عبد اللہ الاکبر بن الحسن | یہ شہزادے حضرت قاسم سے بڑے تھے۔ اور جناب قاسم کے پدری دامادری بھائی، ان کی والدہ کا نام رملہ ہے۔

وہ امام حسنؑ کی کنیز تھیں۔ میدانِ جنگ میں ان کا جہز یہ تھا :
إِنْ تَكُونُ فِي فَنَاءِ ابْنِ حَبْدَرَةَ : صَوْرَ غَاثِ أَجَامٍ وَلَيْشِ قَسُودَةٍ
عَلَى الْأَعَادَى بِشَلِّ رِيحٍ صَرُودَةٍ : أَكِيكَلُمُ بِالنَّسِيفِ كَيْلِ السَّنْدَرَةِ
چودہ بے دنیوں کو دارِ العذاب پہنچا کر ہانی بن شبیت حضری کے ہاتھوں شہید ہوئے بعض مؤرخین نے ان کی کنیت ابو بکر تحریر کی ہے۔ اور بعض حضرات نے ابو بکر نامی، امام حسنؑ کا ایک اور فرزند لکھا ہے جس کا قاتل عبد اللہ بن عقبہ غنوی ہے۔

شہادت حضرت قاسمؑ

آپ امام حسنؑ کی یادگار ان کے صحنِ خانہ کی رونق اور اپنی بیوہ ماں کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی والدہ بھی اپنے تینوں بیٹوں عمرو بن الحسن، عبد اللہ الاکبر اور قاسم کے ساتھ میدانِ کربلا میں موجود تھیں۔ تیرہ سال کا سن تھا۔ آغازِ شباب تھا۔ ابھی سنِ بلوغت کو نہ پہنچے تھے۔ **لَسْمٌ يَنْلِغُ الْحُلْمُ**۔ باغِ حق کے اس فونہال نے زندگی کی صرف تیرہ بہاریں دیکھی تھیں کہ خزاں کی نذر ہو گیا۔

نصرتِ امام اور تائیدِ حق میں اس قدر موت کا استیاق تھا کہ شبِ عاشور خطبہ امام کے بعد جب سید الشہداءؑ نے جامِ شہادت پینے والوں کا تذکرہ کیا تو اس کم سن شہزادے نے موت کی تمنا کرتے ہوئے عرض کیا چچا جان! کیا میں بھی کل روزِ عاشور شہادت پاؤں گا؟ امام نے ازراہ امتحان دریافت

کیا، بیٹا! موت تیرے نزدیک کیسی ہے! شہزادے نے جواب دیا۔ چچا جان! موت میرے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ امام نے فرمایا، بیٹا! تو بھی شہادت پائے گا۔ یہ خاندان بنی ہاشم کا طوطا امتیاز تھا کہ میدانِ حرب میں اس جذبہ کے ساتھ اترتے جس طرح اطفال کھیل کے میدان میں جاتے ہیں، چنانچہ پسرانِ جناب زینبؓ کی شہادت کے بعد جناب قاسمؓ نے میدانِ جنگ بلکہ موت کی اجازت چاہی۔ مولانا قائل کیا۔ یاد رہے کہ اس یتیم بھتیجے سے امام مظلوم کو بہت محبت تھی۔ شہدہؓ میں جناب امام حسنؓ سبقتاً زہرِ ظلم سے شہید ہوئے تو شہزادہ قاسمؓ کی عمر دو سال کی تھی۔ شفقتِ پداری سے خودی کا احساس چچا عید کی مہربانی نے نہ ہونے دیا۔ مولائے مظلوم اس یتیم شہزادے کو اپنی آنکھوں سے شفقت میں رکھتے۔ انس و پیار سے یتیم شہزادے کا دل بھلاتے، اس طرح یہ یتیم شہزادہ اپنے کریم و شفیق چچا سے مانوس ہو گیا تھا۔

روزِ عاشور جب یہ شہزادہ جہاد کی تیاری کر کے چچا سے اجازت کا طلب گار ہوا تو امام پاک کو اپنے مسموم بھائی حسنؓ کا زانا یاد آیا۔ اپنے بھائی کی یاد گار اور برادرِ بزرگ کے چشم و چراغ کو وادیِ موت کی طرف جاتے دیکھ کر اس کی پیاری صورت، آغازِ شباب کا حسن اور معنیِ جنتی کی برادی کا منظر آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ اذنِ طلبی کے الفاظ نے دل پر ایسی چوٹ لگائی کہ جناب سید الشہداءؑ نے بائیں کھیل کر شہزادے کے گلے میں ڈال دیں۔ دیر تک چچا بھتیجے گلے میں بائیں ڈالے روتے رہے اور اس قدر روئے کہ غشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ بعد از افادہ جناب قاسمؓ نے پھر اذنِ جہاد چاہا مگر امام نے برادرِ بزرگ کی نشانی کو موت کے بازار میں بھیجنے سے پس و پیش کیا۔ لیکن جذبہٴ جہاد سے سرشار شہزادہ میدانِ جہاد میں جانے کے لئے بے قرار تھا۔ چنانچہ جناب قاسمؓ نے چچا بزرگوار کے دست و پا کو جو جو چوم کر اذنِ جہاد کا تکرار کیا، امام پاکؑ نے فرمایا: **يَا وَلَدِي اَتَمَسْتُمْ بِرَحْلِكَ اِلَى الْمَوْتِ**۔ بیٹا! خود اپنے پیروں سے موت کی طرف بڑھتے ہو؟ موت کے گاہک شہزادے نے جواب دیا: **كَيْفَ لَا هَيْمَ! اَنْتَ بَيْنَ الْاَعْدَاءِ هَيَوْتُ وَجَيْدَ اَفْرَيْدَا لَوْ حَجَّدَ مُحَايَا وَلَا صَدِيقًا رَوْحِي لَوُوجِكَ اَفِيدَا وَنَفْسِي لِنَفْسِكَ اَلَوْ كَادَ**۔ چچا جان! اب میں کس طرح بیٹھ رہوں اور کیوں نہ میدانِ جنگ میں جاؤں۔ جبکہ آپ زہرِ اعداء میں یکہ و تنہا گھر گئے ہیں چچا جان! اب آپ کا کوئی حامی و مددگار نہیں رہا، آپ کے جملہ رفیق باری باری عہدِ وفاء کے ذمہ داری نبھا کے رخصت ہو گئے۔ میری جان آپ پر قربان جلئے اور میرا بدن آپ پر نثار ہو۔

در اصل ہاشمی شجاعت کے دلوں نے اس تیرہ سالہ فوجران کے پہلو میں کہ وٹیں لے رہے اور

جہاد کا جذبہ چل رہا تھا۔ شہادت کی امنگ انگڑائیاں لے رہی تھی۔ اس جہاد وغیرہ کے بدن میں غیرت کا خون کھول رہا تھا۔ شبیرؒ کی تنہائی، اہل حرم کی بے کسی، اور دشمنانِ دین کے طعنے، بچوں کی پیاس اس غیر ملندہ نوجوان سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ اس لئے بار بار امامِ پاک کے ہاتھوں اور قدموں کو چوم چوم کر الحاج و زاری کے لئے اذنِ جہاد طلب کرتا تھا۔ مولائے مظلوم نے اذنِ جہاد عطا فرمایا۔ اور شہزادے کو اس طرح تیتار کر کے میدانِ جنگ کی طرف روانہ کیا: "فَمِنْ اِنَّ الْحُسَيْنِ اَزْيَاقَ الْقَاسِمِ وَقَطَعَ عَمَّا مَنَّهُ شَمَّ اَذْلا مَا عَلٰى وَجْهِهِ ثُمَّ اَبْسَدَ نَبْيَانُهُ بِصُورَةِ الْكَلْبِ وَشَدَّ سَجْعَهُ وَسَطَ الْقَاسِمِ وَارْسَلَهُ اِلَى الْمُعْرَكَةِ" پھر امامِ مظلوم نے قاسم کا گہریاں خود چاک کیا، اور عمامہ کے دو حصے کر کے چہرے پر لٹکادیے اور مثلِ کفن ان کو لباس پہنایا۔ ان کی کمر میں تلوار لٹکائی اور میدانِ جنگ کی طرف بھیجا۔ جناب میدان میں یہ رجز پڑھتے ہوئے وارد ہوئے:

اِنَّ تُكَذِّبُوْنِيْ فَاَنَا ابْنُ الْحَسَنِ
هٰذَا حُسَيْنٌ كَالْاَسِيرِ الْمُرْتَهَنِ
سَبَطُ النَّبِيِّ الْمُصْطَفٰى الْمَوْثِقِ
بَيْنَ اُنَّاسٍ لَا سَقْوَصَ لَ الْمَرْوَةِ

اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو آگاہ رہو، میں حسنِ مقبول کا بیٹا ہوں، جو نبیِ پاک و امین کے نواسے ہیں۔ یہ حیثیت لوگوں کے درمیان ایک اسیر کی طرح پابند ہیں۔ خدا انہیں رحمت کے بادل سے کبھی سیراب نہ کرے۔ جناب قاسم میدانِ جنگ میں آئے۔ حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ میں عمر بن سعد کے لشکر میں موجود تھا کہ خیارِ حسینی کے افق سے ایک نوجوانِ مثلِ چاند طلوع ہوا۔ اس کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ تھی۔ قمیص پہنے اور چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ پاؤں میں جوتے تھے۔ ایک جوتے کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا۔ میں نہیں بھولتا کہ وہ بابائے جوتا تھا۔ حیدری شجاعت کے وارث نے بڑھ چڑھ کر حملے کئے۔ شدتِ پیاس اور کم سنی کے باوجود پیٹیں اور ایک روایت کے مطابق ستر بے دنیوں کو ہلاک کیا۔ حمید بن مسلم کہتا ہے کہ شہزادہ مصروفِ جنگ تھا عمر بن سعد نفیس ازدی فوجِ انتقام کا بہادر سپاہی میرے پاس کھڑا تھا۔ کہنے لگا کہ میں اس طفلِ شجاع پر ضرور حملہ کروں گا۔ میں نے کہا تجھے اس پر حملہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ فوج کثیر کیا ٹھوڑی ہے؟ اسی شقی نے کہا نہیں میں ضرور حملہ کروں گا۔ اس دورانِ شہزادہ جنگ کرتے کرتے اس ملعون کے قریب پہنچا۔ تو اُس نے آگے بڑھ کر شہزادے کے سر مبارک پر اس زور سے تلوار ماری کہ سر پھٹ گیا۔ حسنِ مقبول کا چاند گہن میں آگیا اور مسموم امام کا نورِ نظر بے بس ہو کر گھوڑے کی زین سے زمین پر گر پڑا۔ اس وقت اپنے مظلوم چچا کو آواز دی: "یا عَمَّاهُ اَدْرِ كُنْیَ" "نچا جان! مدد کو پہنچو" امامِ پاک پیارے بھتیجے کی صدائے استغاثہ سن کر نہایت بے تاب سے دوڑے اور اس طرح جھپٹ کر شہزادے کے پاس پہنچے

جس طرح باز نکار پر چھپتا ہے۔ اور اسی گروہ پر حملہ آور ہوئے جو قاسم کی لاش کو گھیرے میں لئے ہوئے تھا۔ عمر از دی جناب قاسم کا قاتل ابھی وہیں کھڑا تھا، امام پاک نے غضبناک شیر کی طرح اس پر حملہ کیا، اس نے اپنے ہاتھ سے امام پاک کے حملے کو روکنا چاہا۔ جس سے اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ زمین پر گر پڑا۔ اس ملعون نے اپنی فوج کو مدد کے لئے پکارا۔ ابن سعد کے کئی سوار اس کو بچانے کے لئے دوڑے۔ بعض روایتیں بیان کرتی ہیں کہ وہ قاتل ملعون گھوڑوں کی ٹاپوں میں کچل کر داخل جہنم ہوا اور اس کی لاش پامال ہو گئی۔ مگر علامہ مجلسی علیہ الرحمہ جلال المیعون اور بحار الانوار میں نیز مہیج الاحزان ماسخ التواریخ، ریاض الشہادۃ، حزن البکاء کے مؤلفین نے شہزادہ قاسم کی لاش کی پامالی تحریر کی ہے۔ چنانچہ علامہ مجلسی جلال المیعون میں تحریر فرماتے ہیں: "آں طفلِ معصوم در زیرِ سُمِ امپاں کوفہ شد۔ یہ معصوم شہزادہ گھوڑوں کے سبوں کے نیچے پامال ہو گیا۔ جب غبارِ جنگ پھٹا تو لوگوں نے دیکھا کہ مظلوم چچا اپنے بھتیجے کی لاش کے سر ہانے کھڑا ہے۔ قاسم زمین پر ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ جناب امام پر گمبہ و بکا کی حالت طاری ہے۔ زار و قطار رو کر فرماتے ہیں۔ بیٹا قاسم! خدا اس قوم کو ہلاک کرے جس نے تیری چاندنی صورت کو خاک میں ملا دیا۔ بخدا تیرے چچا پر کسی قدر گمراہ ہے کہ تو چچا کو مدد کے لئے پکارے اور وہ مدد نہ کر سکے۔ آج تیرے چچا کے دشمن زیادہ ہیں۔ اور مددگار کم ہیں۔"

گودی کا پلا پاؤں دگڑتا تھا زمین پر۔ رو کر پسرِ فاطمہ نے پیٹ لیا سر گویا پامالی لاش کے متعلق اختلاف ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ جب فوج ابن زیاد کے گھڑسوار از دی قاتل قاسم کی مدد کے لئے آئے ہیں اور گھوڑوں کا گھمان ہوا ہے۔ تو جناب قاسم بھی گھوڑوں کے ضرر سے نہیں بچ سکے۔ اگر جناب قاسم اس وقت گھوڑے کی زمین پر ہوتے تو بے شک پامالی سے محفوظ رہتے۔ مگر شہزادہ تو اس وقت زمین چھوڑ چکا تھا۔ فرشِ زمین پر بے ہوشی کے عالم میں تھا۔ اگر قاتل گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے کچلا گیا تو اسی جگہ صحنِ عتیقی کا لال بھی زخمی پڑا تھا اور گھوڑے بے تحاشا دوڑ رہے تھے۔ اگر بالکل پامال نہیں ہوئی تو اعضاء کے جوڑ اور بدن کے بند سلامت نہیں رہے۔ چنانچہ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ جب امام مظلوم نے بھتیجے کی لاش اٹھائی تو بدن اس قدر دراز ہو گیا کہ جناب قاسم کا سینہ حسیٹ کے سینے سے ملا ہوا تھا۔ اور پیر زمین پر خط کھینچ رہے تھے۔ لاش کے دراز ہونے کا مطلب کیا ہے؟

حمید بن مسلم بیان کرتا ہے: "كَانَتْ أَنْظُرُ إِلَى رَجُلٍ الْعُلَامِ تَخْطُطُ عَلَى الْأَرْضِ" گویا

میں دیکھ رہا تھا کہ کم سن شہزادے کے پیر زمین پر خط کھینچ رہے تھے۔ یعنی زمین سے بلند نہ تھے۔ زمین پر گھسٹتے جا رہے تھے۔ کس دل سے حسین نے قاسم کی لاش اٹھائی۔ جناب قاسم اکبر کی طرح پیارے انھا اور گود کا پالا تھا۔ لاش میں وزن تو زیادہ نہ تھا۔ البتہ گھسان کی وجہ سے بدن دراز ہو گیا۔ خیمہ مقدس میں جناب علی اکبر کی لاش کے ساتھ قاسم کی لاش رکھ دی۔ اور ستم رسیدہ بیبیوں نے بال کھول کر یادگارِ حق پر ماتم کیا۔ وہ جہان باز بھتیجا جو کچھ دیر پہلے چپا کے دست و پا چوم کر موت کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ اب حسن مجتبیٰ کا گھر برباد کر کے بیوہ ماں کا نورِ نظر سلب کر کے جنت کو سدھارا۔ اس جوانِ نوزیر کی لاش بنی ہاشم کے شہداء کی لاشوں میں رکھ کر مولائے مظلوم نے قومِ اشقیاء پر بددعا کہہ دی اور اہل بیت کو صبر کی تلقین فرمائی۔ ایک شاعرِ مولا حسین کی ربانی لاش قاسم پر عربی میں مرقیہ کہتا ہے جس کا مع اصل ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:-

عَرِيبُونَ عَنْ اَوْطَانِهِمْ وَدِيَارِهِمْ تَسْوُحٌ عَلَيْهِمْ فِي الْبَرَارِيِّ دُحُوشًا
غریب الوطن گھروں سے دور صحرائیں شہیدوں کی لاشیں ہیں۔ جن پر جنگل کے وحشی جانور نوہ و گریہ کر رہے ہیں۔

كَيْفَ وَلَا تَبْكُنَّ الْعَيُّونُ لِعَشْرِ سَيِّئَاتِ الْاَعَادِي فِي الْبَرَارِيِّ تَتُوشًا
ایسے گروہ پر آنکھیں کیوں نہ اشک بہائیں کہ دشمنوں کی تلواریں جن کو جنگلوں میں قتل کرنے کے لئے طلب کرتی ہیں۔

بَدُوٌّ قَوَادِي تُوْرَهَا فَتَعَيَّرَتْ مَحَاسِنُهَا ثَرِبَ الْغَلَاةُ نَعُوشًا
وہ ایسے ماہو کاہل تھے جن کا نور چھپ گیا۔ یہ چاند گہن میں آگئے۔ ان کا حسن و نور بدل گیا اور جنگل نے ان کے لاشوں کو گرد و آلود کر دیا۔

جناب قاسم کے شعلے کہا گیا ہے کہ شجرہٴ بتوت کی شاداب شاخ تھی جو خاک کر بلا میں کٹ گئی، اور ثمراتِ امامت کا ایک پھل تھا جو خاک میں دفن ہو گیا۔ عرب کی لڑائیوں میں ایسے بڑے نوکدار تیرا ستمال کئے جاتے تھے کہ ایک بھی جوانِ آدمی کی موت کا باعث بن سکتا ہے۔ دمعہ سا کیہ میں ہے کہ حسنؑ کے لال کو پینتیس تیر لگے تھے۔

گو، کم سن شہزادے کی شہادت تمام شہدائے بنی ہاشم کے بعد ہوئی ہے۔ مگر اولادِ امام حسنؑ

حضرت عبدالاصغر ابن الحسنؑ کی شہادت

کے ساتھ اس معصوم بچے کی شہادت کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔

<http://fb.com/ranajabirabbas>

پندرھویں مجلس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَيَّاكَ كَسْتَعِيْنُ

”ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں“

تخصیصِ امانت ”غیر اللہ“ کی تشریح ”یا علی مدو“ و ”یا علی اور کئی“ کہنا جائز بلکہ علامتِ حُب و ایمان ہے۔ توسّل کے بارے میں دہلیوں کا شیعوں پر اعتراض اور اس کا جواب، مدد کی قسمیں، مزاراتِ مقدسہ اور عنباتِ عالیات سے کرامات کا ظہور، حضرت ابو الفضل العباس کو ”باب الحوائج“ کا لقب عطا ہوا۔ شجاعت و شہادت حضرت عباس علیہ السلام۔

اس آیتِ پاک کے پہلے حصّہ کی طرح اس میں بھی مفعولِ فاعل اور فعل پر مقدم ہے جو ”حصر“ کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی جس طرح عبادت منحصر ہے ذاتِ باری تعالیٰ میں اسی طرح استعانت ”مدد مانگنا“ بھی منحصر ہے اسی کی پاک ذات میں۔ جس طرح غیر اللہ عبادت کے لائق نہیں۔ اسی طرح غیر اللہ سے استعانت جائز نہیں۔ جس طرح کہ ”اَيَّاكَ لَعْبُدُ“ کا مفہوم ہے ”لَا لَعْبُدُ اِلَّا اللّٰه“ اسی طرح اَيَّاكَ كَسْتَعِيْنُ کا مفہوم ہے ”لَا كَسْتَعِيْنُ اِلَّا اللّٰه“ خدا کے سوا کسی سے مدد نہیں چاہتے۔

حاضرین و ناظرین! یہ آیت بہت کچھ تشریح چاہتی ہے۔ اس لئے ہم اس کی خاطر خواہ وضاحت کرتے ہیں۔ ”اِسْتَعَاْنَتْ“ باب استفعال کا مصدر ہے اور اس کی خاصیتوں میں سے ایک خاصیت طلب بھی ہے۔ جس طرح اِسْتَعْفَادُ مغفرت چاہنا۔ اِسْتِدْالُ استقرار بدل قرار چاہنا۔ اِسْتَعَاْنَتْ میں یہی خاصیت موجود ہے۔ ”مدد چاہنا“

”غیر اللہ“ کی تشریح غیر اللہ۔ اللہ کا غیر اللہ کے سوا۔ ہم ”استعانت“ سے قبل ”غیر اللہ“ کی تشریح کرتے ہیں۔

”غیر اللہ“ وہ افراد یا اشیاء ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی خاص اور خصوصی تعلق نہ ہو۔ یوں تو جملہ مخلوق کا عام تعلق خالق کے ساتھ ہے۔ اور اس طرح عام مخلوق عمومی تعلق کی بنا پر ”غیر اللہ“ میں شامل

ہے۔ لیکن جن کو خصوصی تعلق اور خاص نسبت خدا کے ساتھ ہے۔ وہ نمائندہ و کارندہ خدا اور اس کا نائب خصوصی ہونے کی وجہ سے غیر اللہ نہیں ہیں۔ مثلاً انبیاء و مرسلین، ملائکہ و مقررین، ائمہ معصومین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین، ان کا قول 'قولِ خدا' ان کا حکم 'حکمِ خدا' جیسا کہ ان کی مشیتِ مشیتِ خدا ہے۔ ہم ان کے احکام و فرمودات کو اس لئے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ تقدس حضرات خدا کے نمائندہ ہیں۔ اور بنِ جانبِ خدا آئے ہیں۔ اور اسی کے احکام لائے ہیں۔ خداوندِ عالم نے امورِ تکلیفیہ یعنی احکامِ شریعتِ انہی کے واسطے سے ہم تک پہنچائے ہیں۔ اسی لئے ہم ان کے لائے ہوئے احکام کو احکامِ خدا سمجھتے ہیں۔ اگر انہیں 'غیر اللہ' تصور کریں تو ہم ان کے احکام قبول نہیں کر سکتے۔ اور ان کی اطاعت میں اطاعتِ خدا ہے۔ وَمَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی، خدا کی ہدایات و احکام اور اس کے فرمان و پیام اس کے پیغمبروں و رسولوں کے ذریعہ ہم تک پہنچتے ہیں اور ہماری اطاعت و قربت ان کے ذریعے اس تک پہنچتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ 'غیر اللہ' نہیں، اور 'غیر اللہ' نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ عینی خدا یا جزوِ خدا ہیں۔ بلکہ اس کے نمائندے، نائبین اور اس کے برگزیدہ مقررین ہیں۔ اس کے سفیر و پیام بردہ ہیں۔ ہمارے اور اس کے درمیان واسطہ ہیں۔ جس طرح یہ امورِ تکلیفیہ کے امین ہیں۔ اسی طرح ملائکہ اس کے امورِ تکوینیہ کے امانت دار ہیں۔ اور خدا اپنے بندوں کی امورِ تکوینیہ میں مدد ان ملائکہ کے ذریعہ کرتا ہے۔ جس طرح جنگِ بدر و حنین میں مسلمانوں کی مدد 'ملائکہ مستوین' کے ذریعے کی تو ملائکہ چونکہ نمائندہ خدا، اسی کے موکل اور اُسی کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں، اس واسطے ان کی مدد مددِ خدا ہے۔ بلکہ خدا کی مدد انہی کے ذریعے ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کے سپرد و امورِ تکوینیہ یعنی معاش سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً ہوا میں چلانا، مینہ برسانا۔ رزق پہنچانا، بدنوں میں روح داخل کرنا اور روح قبض کرنا۔ یہ امور ملائکہ انجام دیتے ہیں۔ روح ملائکہ قبض کرتے ہیں مگر کہا جاتا ہے خدا مارتا ہے "اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا" اللہ نفسوں کو ان کی موت کے وقت مارتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ "تَتَوَفَّيْمُ الْمَلَائِكَةُ" انہیں فرشتے مارتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ ملائکہ کا ہر کام خدا کا کام ہے۔

نظامِ کائنات، جسمانی و روحانی تربیت

اس کائنات و عالمِ مکنت میں مرکزی حیثیت "انسان" کو حاصل ہے۔ اسی کے لئے اشرف المخلوقات

کا لقب زیبا ہے۔ اس انسان کے دو حصے ہیں۔ بدن اور روح۔ ان کا تعلق استوار رہے تو زندہ و زنده مردہ۔ بدن تربیت کا محتاج ہے اور روح بھی، بدن کی غذا اور ہے روح کی اور۔ دونوں کی تربیت کا انتظام خالق حکیم و علیم نے کر دیا ہے۔

کچھ ایسے اسباب ہیں جو اس مادی کائنات کی تربیت، ترقی اور بقا کے موجب ہیں۔ مثلاً پانی، ہوا، سورج کی ضیاء، چاند کی روشنی، رزق کی فراہمی اور غلہ وغیرہ اگانا۔ ان اسباب حیات میں سے کچھ تو انسان کے اختیار میں ہیں اور کچھ انسانی بس سے باہر ہیں۔ جو بشر کے بس سے بلند ہیں وہ امور ملائکہ کے سپرد ہیں۔ مثلاً ہوائیں چلانا۔ بادلوں کو ہانکنا۔ مینہ برسانا۔ کھیتی اگانا۔ رزق رسانی، دریاؤں کی روانی، سورج کی تابانی، بطن مادر میں جنین کے بدن میں روح داخل کرنا، زندہ بدنوں سے روحوں کا قبض کرنا وغیرہم۔ ان کی انجام دہی ملائکہ کے سپرد ہے۔ انہیں "امورِ تکوینیہ" کہتے ہیں۔ اور ان کا تعلق انسانی اجسام اور مادی کائنات کے ساتھ ہے۔ یہ معاش سے متعلق ہیں۔ گویا فرشتے انسان اور دوسری مخلوق کے ابدان و اجسام کی غذا کے سامان مہیا کرتے ہیں۔

اسی طرح کچھ ایسے اسباب ہیں جو انسانی ارواح کی تربیت و ترقی کے ذمہ دار ہیں۔ مثلاً ذکرِ خدا۔ زبان اور عمل سے اس کی نشانیوں میں غور و فکر، تلاوتِ قرآن، آیاتِ آفاق کا مطالعہ، نماز، روزہ، حج۔ درود شریف وغیرہ۔ یہ روحانی غذائیں ہیں۔ جن سے روحانی تربیت و ترقی ہوتی ہے۔ خدائے تعالیٰ کے احکام کی اطاعت و تعمیل۔ اور جن چیزوں سے اس نے روکا ہے ان سے پرہیز۔ یہ سب امور سے متعلق ہیں۔ انہیں "امورِ تکلیفیہ" اور "شرعیہ" کہا جاتا ہے۔ اور ان کے ذمہ دار انبیاء و مرسلین اور ائمہ طہارین علیہم السلام ہیں۔ گو ان دونوں امور معاش اور امور معاد کا مالک مطلق خالقِ علیم و حکیم ہے مگر اس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے اس کی تقسیم کر دی ہے۔ امور معاش کا تعلق جسم کائنات سے ہے اور امور معاد کا تعلق روح کائنات سے ہے۔

گویا ملائکہ جسم کی تربیت کے اسباب مہیا کرتے ہیں اور انبیاء و ائمہ روح کی بالیدگی و پرورش کا سامان فراہم کرتے ہیں فرشتے مرنی جسم و بدن ہیں اور انبیاء و ائمہ روح کی تربیت کرتے ہیں۔ جسم ادنیٰ ہے روح اعلیٰ ہے۔ ملائکہ چونکہ فعلیت میں انبیاء سے ادنیٰ ہیں اس واسطے یہ ادنیٰ چیز کی پرورش کے موکل ہیں۔ اور انبیاء و فضیلت میں ملائکہ سے افضل ہیں۔ اس واسطے یہ اعلیٰ چیز کی تربیت کے ذمہ دار ہیں۔ جس کی ملائکہ تربیت کریں اس کی زندگی مختصر ہے اور وہ نافی ہے۔ جس کی انبیاء تربیت کرتے ہیں اس کی زندگی طویل اور وہ باقی ہے۔

رب مطلق اور خالق مدبر نے ربیت کائنات کا نظام اس طرح تقسیم فرما کر مختلف عوالم اور اسباب کے تحت اپنے نامزدوں اور کارندوں کے سپرد فرمایا ہے۔ یہ تمام مرقی ہیں، لیکن مجازی ہیں اور ان تمام کا خالق و مالک حقیقی پروردگار وہ اللہ واحد ولا شریک ہے۔ جو رب العالمین ہے۔

یا علی مدد اور یا علی اور کنی کنے کا جواز

جس طرح انبیاء و مرسلین ائمہ طاہرین اور ملائکہ مقررین کا ہر قول "قول خدا اور ہر کار خدا ہے" ان کا ذکر ان کے واقعات و کارنامے، ان کی تسلیفی سرگرمیوں اور قربانیوں کے تذکرے عبادت خدا ہیں۔ اسی طرح ان کی پکار، اُن سے استمداد، ان سے رجوع بحیثیت نامزدگانِ خدا، برگزیدگانِ ربیت دوسرا اور اولیاء اللہ کے غیر اللہ کی پکار نہیں ہے اور نہ غیر اللہ سے مدد طلبی ہے، اور اس لحاظ سے نہ "غیر اللہ" ہیں، بلکہ ان کو مشکل کے وقت پکارنا خدا کو پکارنا اور ان کی طرف رجوع کرنا خدا کی طرف رجوع کرنا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کو پکارنا اور اس کی طرف رجوع بطور اصل ہے اور ان کو پکارنا اور اُن کی طرف رجوع بطور توسل ہے کیونکہ ہماری پکاریں مشکلات کے وقت، ہماری فریادیں فطوحی کے وقت اور ہمارے استغاثے الٰہی کی بارگاہ میں پہنچتے ہیں۔ اور یہ ابواب الحوائج ہماری حاجات، قاضی الحاجات، خالق عالم، مالک کائنات اور رب العالمین کی بارگاہ میں اپنی سفارشات کے ساتھ پیش کرتے ہیں، اور وہاں سے منظور کروا سکتے ہیں اور منظور کروا دیتے ہیں۔ ان میں وسیلہ بننے کی صلاحیت ہے، بلکہ چہارہ معصومین علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی اور وسیلہ ہے ہی نہیں۔ یہ تمام وسائل سے بہترین وسیلہ ہیں۔ لہذا "یا علی مدد" نہ صرف جائز اور صحیح ہے۔ بلکہ اظہارِ محبتِ قلبی میلان ہے اور علامتِ ایمان ہے۔ صرف یہ نہیں کہ یا علی مدد جائز ہے بلکہ ہر معصوم نبی و امام اور ملائکہ کرام کو پکارنا جائز ہے۔ جن میں وسیلہ بننے کی صلاحیت ہے۔ جن کا ذاتِ خدا سے خاص تعلق اور واسطہ ہے۔ جن کا اس کی ذات سے لین دین ہے۔ وہ وسیلہ بن سکتے ہیں۔

توسل کے متعلق دہاویوں کا

تشیعوں پر اعتراض اور اس کا جواب

کتاب مجتہدہ میں روایات معتبرہ سے ثابت ہے کہ کئی حاجت مند در دندوں، ستم رسیدہ لوگوں، مظلوم مومنوں (جن میں عوام الناس، علماء صلحاء، اُلقیاء اور مجتہدین کرام بھی شامل

ہیں) نے دُکھ، درد، رنج و الم اور سخت مصیبتوں اور آفات کے وقت ان کی طرف رجوع کیا، ان کی مشکلات آسان ہوئیں۔ عقدے حل ہوئے اور حاجات روا ہوئیں۔

إِيَّاكَ لَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ میں تخصیصِ عبادت ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ہے اور عبادت

بلا واسطہ بھی ہے اور بلا واسطہ بھی۔ لیکن ہر دو عبادتیں اسی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس طرح استعانت بھی اسی ذاتِ پاک ذوالجلال والاکرام کے ساتھ مختص ہے۔ بلا واسطہ مدد مانگنا بھی استعانت ہے اور بلا واسطہ بھی استعانت ہے۔ اس استعانت کا اختصامی جب ختم ہوتا ہے جب ہم چارہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خدا اور ربِّ مطلق مان کر ان کو مدد کے لئے پکارتے یا ان کو بالاصل اور علی الاستقلال، قاضی الحاجات اور کائنات کے مختار مطلق سمجھ کر حاجت روا سمجھتے۔ کوئی شیعہ مجدد مذکورہ صورت میں ان کو نہیں پکارتا، بلکہ وسیلہ، واسطہ اور ذریعہ نجات و نجات سمجھ کر ان کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور ان معصومین حضرات مقررینِ بارگاہِ پاک ذات کا دربارِ خداوندی میں ہماری سفارش کرنا، ہماری مجددی کرنا اور اس قاضی الحاجات سے ہماری دعائیں قبول کرنا، حاجت روا کرنا اور روزِ محشر ہماری نجات و مغفرت کے لئے شفاعت کرنا، یہ بہت بڑی مدد اور مہربانی ہے۔ اس لحاظ سے ”یا علی مدد“ کہنا کس طرح ناجائز اور نادرست ہے؟

قرآن مجید میں جہاں خدا کے ساتھ یا خدا کو چھوڑ کر غیروں کو پکارنے کی ممانعت ہے، وہاں ”غیر اللہ سے مراد معبودانِ کفارِ قریش ہیں“ اور وہ بت ہیں۔ کیونکہ مشرکینِ عرب ان بتوں کو وسیلہِ قربت خدا کا ذریعہ اور سفارش کنندہ سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: **وَلْيَعْبُدُوْنَ مَنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَيَقُولُوْنَ هَلْ نَحْنُ بِمُفْعَلٍ عِنْدَ اللّٰهِ (سورہ یونس آیت ۱۹)** اور مشرکینِ قریش خدا کو چھوڑ کر ان (بتوں) کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ (معبودانِ باطل) خدا کے نزدیک ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔ **وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقْرِئُوْا عَلَيْنَا اَللّٰهُ رُفْعُ رَسُوْلِنَا** وہ لوگ جنہوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا سرپرست بنایا۔ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت اسی لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں خدا کے نزدیک کر دیتے ہیں۔“

کفار اپنے معبود (بتوں وغیرہ) کو قربتِ خدا کا ذریعہ اور وسیلہ شفاعت سمجھتے تھے جس کی پُر زور تردید کی گئی کہ یہ نہ شفیع ہیں اور نہ مقربِ خدا بلکہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ اسی لئے آیا ہے: **فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا**۔ ”خدا کے ساتھ کسی کو نہ پکارو“ (س جن)

ان آیاتِ مبارکہ اور اس مفہوم و مطلب کی دوسری آیات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بتوں میں شفاعت کرنے کی اہلیت اور وسیلہ بننے کی صلاحیت نہ تھی۔ اس واسطے ان کو پکارنا منع ہے۔ لیکہ یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ باذن اللہ شفاعت کرنے کی صلاحیت اور وسیلہ بننے کی اہلیت جن

تھیں نفوس میں پائی جائے ان کو بطور توسل پکارنا منع اور حرام ہے۔ ہاں نا اہلوں کو وسیلہ بنانا شیعہ سمجھا اور امام بنانا ضرور حرام ہے۔ اور اہل توسل حضرات کو وسیلہ بنانے کا خود خدا نے حکم دیا ہے۔
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاوِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (س مائدہ پ ۶) "اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور اس کی جانب وسیلہ تلاش کرو اور خدا کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

ایک صورت تو یہ ہے جو مذکور ہوئی کہ براہ راست حضرات معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بقیعہ توسل پکارا جائے کہ آپ ہماری حاجات بارگاہِ خدا میں سفارش کے ساتھ پیش کر کے منوائیں۔ جیسا کہ دُعا توسل اور دوسری اس قسم کی دُعا میں دعاؤں کی کتابوں میں مذکور ہیں۔
 دوسری صورت یہ ہے کہ براہ راست خدائے رحیم و کریم کو پکارا جائے۔ اور ان معصومین حضرات کا واسطہ دیا جائے۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام نے وقتِ مشکلِ خدا کو ان کے توسط سے پکارا۔
 يَا مَعْشُرَ النَّاسِ أَتَايْتُمُوهُ بِحَقِّهِ يَا أَهْلَ الْبَيْتِ بِحَقِّكُمْ يَا فَاطِمَةَ بِحَقِّكِ يَا مُحَمَّدًا بِحَقِّكَ يَا قَدِيمُ الْإِحْسَانِ بِحَقِّ الْحُسَيْنِ۔

یہ دونوں صورتیں اِتِّبَاکَ تَسْتَعِينُ کے خلاف نہیں ہیں اور وہابیوں اور نجدیوں کا شیعوں پر اعتراض کہ "غیر اللہ کو پکار کے شیعہ گناہِ شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ باطل اور بے اصل قرار پاتا ہے۔"

استعانت : اس کا مادہ عُون ہے۔ مدد۔
 مدد کی قسمیں | نَصْر : اس کا معنی بھی مدد ہے۔ مگر عموماً اس کا اطلاق مخالفین کے

مقابلہ میں مدد پر ہوتا ہے۔ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ۔ فَانْصُرُونَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔
 هَلْ مِنْ تَائِبٍ يَصْرِفُ نَارًا۔

عُون : اِعَانَتْ : مطلقاً ہر قسم کی مدد کو شامل ہے۔ بالتقابل مدد ہو یا بجائے خود۔
 مالی مدد ہو یا زبانی مدد۔ مادی ہو یا روحانی، اسی سے تعاون ہے۔ ایک دوسرے کی مدد کرنا۔
 تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (پارہ دوم)
 نیکی اور پرہیزگاری کی بنیاد پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور ناجائز زیادتی کی بنیاد پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

تعاون لازمہ حیات اور شرطِ زندگی ہے | انسان کی زندگی اجتماع۔ تمدن اور مملو باہمی

پر منحصر ہے۔ امورِ دنیا باہمی تعاون سے انجام پاتے ہیں۔ زراعت۔ صنعت و حرفت۔ تجارت، غرضیکہ انسان کی تمام معیشت اس کے باہمی تعاون اور مل جل کر کام کرنے اور رہنے پر موقوف ہے۔ کوئی کام ایک دوسرے کی مدد کے بغیر انجام نہیں پاسکتا۔ اگر باہمی تعاون مدد کرنے یا مانگنے کا سلسلہ رک جائے تو انسانیت کی گاڑی چلنے سے رک جائے۔ اور نوعِ انسانی موت کی واوی میں گر پڑے۔ اس قسم کی مدد کرنا۔ مدد مانگنا لازماً حیات اور شرطِ زندگی ہے۔ جو مددِ زیرِ بحث رتبہ ہے اور جس پر مناظرے و مباحثے ہوتے رہتے ہیں وہ "غائبانہ مدد" ہے۔ جو عام انسان کے بس سے باہر اور بطورِ خارقِ عادت و از راہِ معجزہ و کرامت ہے۔

ائمہ علیہم السلام کے مزاراتِ مقدسہ اور عتباتِ عالیات سے اس قسم کی استمدادی و امدادی کرامات ظاہر ہوتی رہی ہیں اور حاجتدان ابوابِ الحوائج کے ذریعے حاجات روا کرتے رہے ہیں۔ ویسے یہ کرامات تو بہت ہیں۔ خاص طور پر بیماروں کو شفاء، نابیناؤں کو چشم بینا۔ اور یتیموں کو غنا۔ ان حاجت روا دروازوں سے حاصل ہوئی ہے۔ ہم چند ایک کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

جناب فاضل اہل الحاح شیخ عباس قمی اعلیٰ اللہ مقامہ اپنی متبرک تالیف مفتاح الجنان میں اعمالِ ستائیسویں شبِ رجب کے ضمن میں روضہ اقدس اور مریحِ اطہر جناب امیر المومنین کی برکات کے افاضے، حاجت مندوں کے استغاثے، اور ان کی حاجت روائی رجب کی ستائیسویں رات کو تحریر کرتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ رات متبرک ہے۔ اسے لیلۃ المبعث کہا جاتا ہے۔ بعض اسے لیلۃ الموعج کہتے ہیں۔ اسی رات کو عراق، خراسان، روم، عرب اور دوسرے ملکوں سے لا علاج مریض مایوس از بصارت اور کئی حاجت مند لوگ حرم مبارک امیر المومنین علیہ السلام کی مریحِ مقدس کے سامنے الحاح و ناری کے ساتھ اپنی حاجات پیش کرتے ہیں اور ولی مراویں پا کر لوٹتے ہیں۔

صاحبِ مفتاح ابو عبد اللہ محمد بن بطوطہ کی روایت بھی نقل کرتے ہیں۔ اصل عبارت فارسی میں ہے۔ ترجمہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ابن بطوطہ جو علماء اہل سنت میں اچھی شہرت رکھتے ہیں۔ سیاحت اور مختلف ممالک کے سفر میں انہیں خاص دل چسپی تھی۔ اپنے سفر نامہ "رحلہ ابن بطوطہ" میں بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ سے نجف اشرف امیر المومنین علی بن ابی طالب کی زیارت کو گیا۔ اس شہر کے تمام باشندے رافضی ہیں اور روضہ مقدسہ امیر المومنین سے کئی کرامات ظاہر ہو چکی ہیں اور ہنوز ان کرامات کا سلسلہ جاری ہے۔ سلسلہ بیان کو جاری رکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ماہِ رجب کی ستائیسویں تاریخ کو مریحِ اقدس جناب امیر المومنین علیہ السلام کے پاس اہل عراق۔

خراسان، بلاد فارس اور روم سے مشغول مغلوں، زمین گیر اور لاعلاج مریض جمع ہوتے ہیں۔ ذکرِ خدا، تلاوتِ قرآن اور عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی صحت و شفا، اور فضا حجاب کے متعلق دعائیں مانگتے ہیں۔ نصف رات یا رات کے دو حصے گزرنے تک اسی حالت میں گریہ و زاری اور ذکر و دعائیں مصروف رہتے ہیں۔ بعد از نصف شب یا دو تہ شب وہ مشغول و مغلوں زمین گیر افرادِ خلاق کائنات رب العالمین کی جہربانی اور امیر المومنین علی بن ابی طالب کی خاص کرم نوازی سے تندرست اور صحت مند حال میں بدل جاتے ہیں۔ اس وقت ایک مجمع کثیر اس انقلابِ حال کو چشمِ خود ملاحظہ کرنے کے لئے جمع ہو جاتا ہے۔ زمین پر لیٹا ہوا ہاتھ پاؤں سے معذور مریض سفین کے بابائی نگاہِ کرم سے دوڑنے لگ جاتا ہے۔ مشغول و مغلوں کے اعضاءِ دانی بخف کی دُعا سے صحیح و سالم ہو جاتے ہیں۔ بصارت سے محروم شخص اپنے کاسٹہ گداؤں میں چشمِ بینا کر جاتا ہے۔ اور اس چشمِ فیض سے ہر پیا سا میراب ہو کر جاتا ہے۔ صحت یاب افراد پر جب رحم و کرم کی بارش ہوتی ہے اور اپنے جسم میں جب آثارِ صحت محسوس کرتے ہیں تو ان کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہوتا ہے: لا اِلهَ اِلاَّ اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَامٌ۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ آنحضرت کے مہمان خانہ میں تین افراد کو دیکھا جو چلنے پھرنے کے قابل نہ تھے۔ ایک خراسان سے، دوسرا اصفہان سے اور تیسرا روم سے تھا۔ میں نے ان سے پوچھا۔ تم اس جگہ تا حال اسی بیماری کی حالت میں پڑے ہو یہی شفاء کیوں نہ ملی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ماوراءِ جب کی مقررہ ستائیسویں رات کو بخف اشرف نہیں پہنچ سکے۔ اسی کے بعد ہم یہاں وارد ہوئے ہیں۔ اب ستائیسویں تاریخ تک یہیں رہیں گے۔ اس کے بعد انشاء اللہ دامنِ مراد بھر کے واپس جائیں گے۔ جناب شیخ قمی طاب ثراہ رقم فرماتے ہیں کہ اس قسم کی کرامات بسیار ظہور میں آتی رہتی ہیں۔

جناب شیخ حر عاملی رضوان اللہ علیہ ان برکات کے سلسلہ میں ایک رہائی تحریر فرماتے ہیں:

وَمَا بَدَأْنِي بِوَكَاةٍ مَّشْهُدَةٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرَامَتُهُ مِثْلُ عَدَةٍ
وَكَشْفَاءِ الْعَمَى وَالْمَرْضَى بِهِ إِبَابَةُ الدُّعَاءِ فِي أَعْيَابِهِ

جناب امیر علیہ السلام کے مرتدِ مطہر اور حرارِ افوار سے جو برکات و نبیوی ظاہر ہوتے ہیں اور وہ متواتر جاری ہیں۔ آج اور کل میں فرق نہیں۔ جیسے نابیناؤں کو بصارت اور مایوسِ العلاج مریضوں کو صحت کے خزانے ملتے ہیں۔ ان کے مقدس آستان میں دُعا شریف قبول حاصل کرتی ہے۔

اسی طرح جناب سید الشہداء علیہ السلام کے مشہد مقدس کے بارے میں منقول ہے: اَلْشِّفَاءُ فِي تَرْبَتِهِ وَاجَابَةُ الدُّعَاءِ تَحْتَ قُبَّتِهِ۔ اللہ کی قبر مبارک کی خاک میں شفا ہے اور ان کے

قُبۃ مبارک کے نیچے وُعا مقبول ہے۔

جناب امام ہفتمؒ امیر بغداد شہیدِ غربت، مسموم ہو کر دفن حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کو "باب قضا الحوائج" کا لقب حاصل ہے۔ ان کی مزار مقدس کاظمین شریفین میں ہے۔ عجیب و غریب قسم کی کرامات کی منظر ہے۔ خصوصیت کے ساتھ شفاء امراض کے لئے ان کا آستان مقدس پیچیدہ امراض کی شفاء گاہ ہے۔ چنانچہ اخبار "القلب" لاہور، اخبار "اہل حدیث" امرتسر، موزعہ ۲۲ اگست ۱۹۷۸ء اور اخبار پانیرالہ آباد ۱۰ اگست ۱۹۷۸ء میں مضمون جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام "باب الحوائج" سے ایک کرامت عالیہ کے ظہور کا واقعہ اس طرح مذکور ہے: "ایک غریب و ضعیف سید آنکھوں کی بیماری میں مبتلا تھا۔ ہر چند اس نے مادی طبیعوں اور ہسپتال کے ڈاکٹروں کی طرف رجوع کیا۔ اسے شفاء نہ ملی۔ بیماری زور پکڑ گئی، آنکھوں کی بنیائی جاتی رہی۔ بغداد کے ہسپتال میں داخل ہوا۔ بہتیرا علاج کرایا مگر مقصد سے محروم رہا۔ ڈاکٹروں نے اسے لا علاج قرار دیا۔ وہ غصے اور نفاس میں علاج کے سلسلہ میں بینائی سے محروم رہنے کے علاوہ روپیہ پیسہ سے بھی محروم ہو گیا۔ قیمت نے یاوری کی، اللہ نے دل میں خیال کیا کہ اسباب دنیا منقطع ہو جاتے ہیں مگر رحمت کے دروازے بند نہیں ہوتے۔ مادی علاج گاہوں سے اگرے مایوس ہو گیا ہوں تو روحانی دارالشفاء کی طرف رجوع کروں۔ اور بغداد کے پہلو کاظمین میں سرکار امام ہفتم جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام "باب الحوائج" کا شفا خانہ جو کھلا ہے۔ جاکر قیمت آزمائی تو کروں، چنانچہ وہ ضعیف و نفلس سید آخری علاج کے لئے بغداد کے قیدی لیکن سرکارِ احدیت کے روحانی اور اپنے عہد کے لاثانی طبیب کی بارگاہ مقدس میں حاضر ہوا۔ بارگاہِ خدا میں بینائی واپس ملنے کی دعا کی۔ سرکارِ ولایت اربع امامت کے ساتویں تاجدار جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام سے توسل کیا۔ تعویذ قبر کو مس کیا۔ بیعت بیدار ہو گیا۔ نصیب جاگ اٹھا۔ تقدّر چلکا۔ اوھر دعا ختم ہوئی اوھر آنکھوں کے سامنے روشنی نمودار ہوئی۔ نورِ بصارت واپس مل گیا۔ آنکھیں چنہا گئیں۔ آواز آئی "جاؤ تمہیں پھر سے آنکھوں کی روشنی دے دی گئی ہے۔" فرط مسرت سے وہ بوڑھا مومن چلاتا ہوا باہر نکل آیا۔ "مجھے روشنی مل گئی۔" "مجھے بصارت مل گئی۔" میں بنیا ہو گیا۔ چونکہ لوگ جانتے تھے کہ یہ داتھی بینائی سے محروم تھا۔ اب دفعۃً اس کی بدلی ہوئی حالت اللہ کے رحم و کرم کی بارش اور امام پاک کی نگاہِ کرم کو ملاحظہ کیا تو لوگوں کا ہجوم اُس کے گرد جمع ہو گیا۔ لوگ اس کی زیارت کو دوڑے۔ اور اس کے کپڑے تبرک کے طور پر چھین چھپٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کو کے لئے گئے۔ بیان کیا گیا کہ تین بار اس کو کپڑے پہنائے گئے۔ لیکن لوگوں نے اُس کے کپڑے تازہ تار کر کے بطور تبرک چھین لئے۔ مشکل حل ہوئی۔ روئے شریف نے اس کو گھر پہنچایا۔

اسی طرح جناب امام شامی غریب الغرہ حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ کے مزارِ مطہر واقع مشہد مقدس ایران سے بھی کرامات و معجزات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

چنانچہ معانیح اجماع میں اعمالِ شبِ ہفتمِ رجب کے ضمن میں منقول ہے کہ جناب ابوالحسن حضرت امام علی رضاؑ کے مرتدِ مقرر سے ایک ہزار تین سو تینتالیس ہجری (۳۲۳ھ) میں مندرجہ ذیل کرامت ظہور پذیر ہوئی کہ تین عورتیں مرضِ فالج اور شلِ اعضاء میں مبتلا تھیں۔ اُلتیا اور ڈاکٹر ان کے علاج سے عاجز آ گئے تھے۔ اور انہیں لا علاج قرار دیا تھا۔ فریج مقدس جناب امام علی رضاؑ میں لائی گئیں اور شفا پا کر گئیں۔

حاضرین! اس قسم کی کرامات اور اپنے شیعوں پر مہربانی کے واقعات ان کی حیاتِ طیبہ میں بھی تھے، اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کے مقدس آستانوں سے بھی اپنے موالیوں کے لئے فیوض و برکات کے چشمے جاری ہیں۔ ہم آخر میں شہیدِ کربلا، مقتولِ لبِ فرات، مقطوعِ الیدین حضرت ابوالفضل العباسؑ کی کرامت نقل کرتے ہیں۔ ان کا لقب بھی باب الحوائج ہے۔ بعد ازاں ان کی شجاعت و شہادت کے تفصیلی واقعات پیش کریں گے۔ جناب ابوالفضل العباسؑ کو سرکاری احداث اور بارگاہِ وفود الجلال والاكرام سے "باب الحوائج" کا لقب عطا ہوا ہے۔ آنجناب کے روضہ مقدس سے بھی کرامات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ جیسے دیکھنے والوں نے بخشم وعد دیکھا اور اہل قلم نے کتابوں میں ان کرامات کو درج کیا ہے۔ ہم اس ضمن میں ایک خاص کرامت حاضرین و حاضرین کی رشتہ جیشہ، نورِ قلب اور زیادتِ یقین کے لئے پیش کرتے ہیں: وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلَی السَّوْءِ

بیان کیا گیا ہے کہ کربلا، متلیٰ میں ایک مرد صالح اور صاحبِ غیر مومن سکونت پذیر تھا۔ اور اس کا ایک نیک صالح فرزند تھا۔ اتفاق سے اُس کا لڑکا بیمار ہو گیا۔ وہ جناب سقائے سکنہ عطارِ حسین حضرت عباسؑ علیہ السلام کے روضہ مقدس میں بغرضِ شفا لے آیا۔ جناب عباسؑ علیہ السلام کو وسیلہ بنایا، اور ان سے بارگاہِ رب العزت میں بیٹے کی شفا کے لئے شفاعت کی درخواست کی۔ جب صبح ہوئی تو اس مرد مومن کے دوستوں میں سے ایک دوست اس کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے رات ایک خواب دیکھا ہے۔ اسے تیرے سامنے بیان کرتا ہوں، اُس نے وہ خواب بیان کیا۔ کہ جناب عباسؑ عطار نے بارگاہِ رب العالمین میں تیرے بیٹے کی شفا کے لئے سوال کیا تو جناب رسالتؐ کی طرف سے ایک فرشتہ جناب عباسؑ کی خدمت میں آیا اور کہا: "یا ابا الفضل العباسؑ! اس جوان کے لئے شفا طلب ذکر، کیونکہ اس کی مدتِ حیات ختم ہو چکی ہے۔ شفا اس کے مقدر میں نہیں۔ اور اس کی اجل قریب ہے۔"

جناب عباسؑ نے فرشتہ مذکور سے کہا کہ میری جانب سے جناب رسالتؐ کی خدمت میں بعد سلام گزارش کرو کہ اس حاجتمند مریض کے لئے بارگاہِ احَدِیَّت میں شفاء کے لئے سوال کرتا ہوں۔ فرشتہ یہ پیغام لے کر جناب رسالتؐ کی خدمت میں آیا۔ جس کے جواب میں حضور پاکؐ نے وہی سابقہ کلمات دہرائے۔ فرشتہ یہی پیغام لے کر دوبارہ جناب عباسؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جناب عباسؑ نے اسی گزارش کو دوبارہ دہرایا۔ اسرارِ مبین مرتبہ جناب رسالتؐ اور جناب عباسؑ کے درمیان اس مریض کی شفاء کے لئے سوال و جواب ہوتا رہا۔ چوتھی مرتبہ جب وہ فرشتہ وہی سابقہ پیغام یعنی اسی جوان کی موت مقرر ہو چکی ہے، زندگی ختم ہے اور شفاء مقدور نہیں ہے، میکہ جناب عباسؑ کے پاس آیا تو روایت کے مطابق جناب عباسؑ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اٹھے اور خدمت جناب رسالتؐ میں باریابی حاصل کی۔ حضورؐ کی خدمت میں نیازِ مندانہ عرض کی یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے "باب الحوائج" کا لقب عطا فرمایا اور لوگوں کو بھی علم ہے کہ خدا نے مجھے "باب الحوائج" قرار دیا ہے۔ اور دنیا میں حاجتمندوں کی کمی نہیں۔ ہمارے موالی، ہمارے شیعہ اور ہمارے عزادار مجھے "باب الحوائج" سمجھ کر میرے پاس آتے ہیں۔ اور مجھے بارگاہِ اللہ تعالیٰ میں وسیلہ و شفیع بناتے ہیں۔ میرے پاس آ کر سوال کرتے ہیں۔ کہ ہمارے لئے درگاہِ ربِّ العزت میں شفاعت کرو۔ اس واسطے یا تو یہ لقب "باب الحوائج" واپس لے لیں نہ لوگ آئیں گے نہ میں سفارش کروں گا یا پھر میری سفارش قبول فرمائیں جناب عباسؑ کا یہ احتجاج سن کر جناب رسول پاکؐ مسکرائے اور فرمایا کہ کریمِ انبی عطا اور دیا ہوا لقب واپس نہیں لیتا۔ بیٹا جاؤ، خدا تمہاری آنکھیں کھنڈی کرے۔ بے شک قسم باب الحوائج ہو۔ اور جس کے لئے چاہو سفارش کرو۔ تمہاری برکت اور سفارش سے ربِّ کریمؐ نے اُس کی زندگی بڑھادی ہے۔ اور اپنے کرم سے اس بیمار کو شفاء بخشی ہے۔ وہ شخص کہتا ہے کہ میں بیدار ہو گیا۔ اس مرد مومن کا بیمار بیٹا شفاء یاب ہو گیا۔

حالات جناب عباس علیہ السلام

جناب ابوالفضل العباسؑ کو یہ لقب ان خدماتِ اسلامیہ اور قربانیوں کی وجہ سے عطا ہوا ہے جو انہوں نے دینی جہادِ نصرتِ امام اور حمایتِ مستوراتِ بنی ہاشم کے سلسلہ میں بارگاہِ ربِّ العزت میں پیش کیں۔

آج کی مجلس میں اس باب الحوائج، مومنین کی آرزوؤں کی امید گاہ، شجاعتِ ہاشمیہ و

کلابیہ کے وارث، امیر المومنین کے نورِ نظر، فرزندِ رسول کے زورِ کمر، اُمّ البنین کی آنکھوں کا تارا، زینتِ اُمّ کلثوم و ہاشمی بی بیوں کے سفر کا سہارا، مجسمہ وفا و شجاعت، پیکرِ حیا و غیرت، مجاہدینِ اسلام کا علمبردار، غازیانِ عشق و وفا کا سپہ سالار، اُس وائید کا خزانہ، سقائے سکینہ۔ پیکرِ جلال و جمال، تصویرِ حسن و کمال، مالکِ رعبِ حیدری، وارثِ صولتِ صفدری، عافی فرزندِ رسول، محافظِ پردہٴ بناتِ بتول، اور تشنہٴ دہلِ بچوں کی اُس جناب ابو الفضل العباسؑ کے حالات اور واقعات شجاعت و شہادت بیان کرتے ہیں۔

جناب امیر المومنین نے اپنے بھائی جناب عقیل سے ایک مرتبہ فرمایا کہ تم ولادتِ باسعادت

انساب و حالات قبائل عرب سے بخوبی واقف ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ عرب کے اس خاندان میں شادی کی دل جو سب قبائل سے زیادہ شجاعت رکھتا ہو۔ تاکہ بہادر لڑکا پیدا ہو۔ جناب عقیل نے اس مقدمہ کے لئے خاندانِ بنی کلاب کا انتخاب کیا۔ اور اس خاندان کی ایک خاتونِ فاطمہ بنت خاتمِ بنی کلاب سے رشتہ کر کے شادی کر لیا۔ اور جناب امیر المومنین نے اس سے شادی کی۔ اس خاتون گرامی قدر کا اسم مبارک فاطمہ تھا۔ اور بعد میں "اُمّ البنین" کی کنیت سے مشہور ہوئیں۔ چنانچہ اس مبارک و طاعت شعار خاتون سے پہلے جناب امیر المومنین کے لئے ایک بیٹا پیدا ہوا تھا جس کا نام اس نوروں مسعود کا "عباس" رکھا گیا۔

چودہ سال پدر مہربان کے سایہٴ شفقت و عاطفت میں رہے۔ ان کی زندگی میں بعض جنگوں میں شریک رہے۔ اور آدابِ حرب اور فنونِ قتال اپنے باپ حیدر کرار اور فوجِ اسلام کے علمدار فاتحِ خیبر سے سیکھے۔ ہاشمی شجاعت باپ کی جانب سے اور کلابی دلیری و جہت کے اپنی ماں کی طرف سے وارث ہوئے۔ شجاعت اور دلیری جدِ اقدس میں ولایت تھی اور اس کے اظہار کے طریقے رہبرِ کامل اور استادِ ماہر سے سیکھے۔ اس واسطے امیر المومنین کے بعد یہ شجاع زمانہ اور بہادر روزگار تھے۔ شہرہ کہ جناب امیر المومنین کی کوفہ میں شہادت ہوئی، تو اس کے بعد دس سال تک جناب امام حسن مجتبیٰ کی زیرِ تربیت رہے۔ شہرہ میں امام حسنؑ شہید ہوئے اور ان کے بعد واقعہٴ کربلا تک جناب سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے ساتھ رہے اور یہ ساتھ ایسا تاجرِ منقطع نہ ہوا۔ زندگی میں بھی ساتھ رہے اور موت میں بھی رفاقت کی۔ بلکہ حقِ رفاقت ادا کر دیا۔

تقریبِ خدا اور عظیمِ قربانی دینے کی وجہ سے انہیں بابِ الحوائج کا لقب عطا ہوا۔ علاوہ ازیں "الشہید" "العبد الصالح" صاحبِ وفا بھی ان کے

العقاب و کنیت

لقابِ جلیلہ ہیں۔ حسن و جمال کی وجہ سے قبر بنی ہاشم پکارے جاتے ہیں کہ بلا میں علمدارِ حسینی اور سقائے سکینہ کے لقب انہیں حاصل ہوئے۔ ان کی مشہور کنیت ابوالفضل ہے۔ اور ابوالقاسم بھی کیفیت ہے۔

شکل و شمائل

آپ کا قامت دراز، اعضا متناسب، رنگت سفید اور چہرہ خوبصورت تھا۔ آپ کی شخصیت رعب و جلال کے قالب میں ڈھلی ہوئی تھی۔ آپ کو دیکھ کر دشمنوں کے زہرے آب اور دل بے تاب ہو جاتے تھے۔ آپ جہاں شجاعت و بہت میں بے مثال تھے وہاں دولتِ حسن و جمال سے بھی مالا مال تھے۔ مؤرخین بالاتفاق کہتے ہیں: **رَأَى الْعَبَّاسُ كَأَن وَسِيمًا جَسِيمًا جَمِيلًا يُرْكَبُ الْفَرَسُ الْمَطْمَحُ وَرَجُلًا يَخْطَانِ عَلَى الْأَرَمَنِ وَيُقَالُ لَهُ كَمَرُ بَنِي هَاشِمٍ**۔ جناب عباسؑ خوبصورت، قدآور اور پُر وقار شخصیت کے مالک تھے۔ دور کا یہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اور ان کے پاؤں زمین پر نہ خط کھینچنے جاتے تھے۔ انہیں قبر بنی ہاشم کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اگر کبھی ہم شکل علی جناب عباسؑ اور ہم شکل نبی جناب علی اکبرؑ کو مدینہ کے کسی کوچہ و بازار سے گزرتے تو مدینہ کے زن و مرد حسن و جمال اور ہدایت و وقار کا نظارہ کرنے کے لئے گھروں سے باہر نکل آتے اور شوقِ نظارہ ان لوگوں کو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے مجبور کرتا۔ اس واسطے یہ کہتا ہوں کہ مثل نبی و علی جناب عباسؑ علی اکبرؑ آسمانِ مدینہ کے چاند اور ارضِ یثرب کی زریب و زینت تھے۔

فضائل و مناقب

سیرتِ پاکِ مبارکِ احسناقی کا مجموعہ تھی۔ ایمان و عمل میں بند مرتبہ پر فائز تھے۔ روحانیت و جد کمال پر تھی، عبارت و تقویٰ کی وجہ سے **الْعَبْدُ الصَّالِحُ** سے ملقب تھے۔ کبریٰ احمد اور فرسانِ ایسحار میں مذکور ہے: **"رَأَى الْعَبَّاسُ مِنْ أَكْبَرِ الْفُقَهَاءِ وَأَفْضَلِ أَهْلِ الْبَيْتِ وَكَانَ مِنْ فُقَهَاءِ أَزْوَاجِ الْأُمَمَةِ**۔ جناب عباسؑ بڑے فقہار اور اہل بیت کے صاحبانِ علم و فضل میں سے تھے۔

جناب امام علی زین العابدینؑ ان کے ایمان و یقین، علم و عرفان، عمل صالح اور جذبہ جہاد و خلوص کی بنا پر اس طرح تعریف فرماتے ہیں: **"رَحِمَ اللَّهُ عَمِّي الْعَبَّاسُ فَقَدْ أَثَرُوا إِلَيَّ وَفَدَى أَخَاهُ بِنَفْسِهِ حَتَّى قُطِعَتْ يَدَاهُ فَأَبْدَلَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْهُمَا بِجَنَاحَيْنِ يَطِيرُ بِهِمَا مَعَ الْمَلَائِكَةِ فِي الْحُجَّةِ كَمَا جَعَلَهُ لِبَعْضِ رِبِّ أَبِي طَالِبٍ وَإِنَّ لِلْعَبَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنُورَةَ عَظِيمَةً لِيُغْبَطَ جَمِيعُ الشَّهَادَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"**۔ اللہ تعالیٰ میرے چچا عباسؑ پر رحمت نازل کرے۔ وہ معائب و آلام میں مبتلا رہے۔ اور اپنے بھائی کے غم گسار و جان نثار ہو کہ اپنی جان کی قربانی واہِ حق میں دے دی۔ یہاں تک کہ ان کے دونوں بازو قلم کئے گئے جن کے بدلے خدا نے دو پر عطا

فرمائے۔ جن کے ساتھ وہ جنت میں ہمراہ ملائکہ پر واز کرتے ہیں۔ جس طرح کہ حضرت جعفر طیارؓ کو دو پہر عطا فرمائے تھے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں جناب عباسؓ کا اتنا بلند مرتبہ ہے کہ روزِ قیامت سارے شہیدان پر رشک کریں گے۔

اسی طرح جناب امام جعفر صادقؓ ان کی نشان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **كَانَ عَمَّنَا الْعَبَّاسُ كَافِدَ الْبَصِيرَةِ صَلَبَ الْإِيمَانِ جَاهِدَ مَعَ أَخِيهِ الْحُسَيْنِ وَأُبْلَى بِلَاءَ حَسَنًا وَمَضَى شَعْبُهَا** ہمارے چچا عباس تیز بصیرت اور مضبوط ایمان والے تھے۔ انہوں نے اپنے بھائی حسینؓ کی رفاقت میں جہاد کیا۔ مصائب و شدائد میں آزمائشیں گئے۔ اور اس آزمائش میں کامیاب اترے۔ شہادت کا بلند مرتبہ پایا۔ عقیدہ توحید میں بڑے راسخ تھے۔ منتر سخی کے عالم میں ایک مرتبہ بابا کی خدمت میں حاضر تھے۔ جناب امیر علیہ السلامؑ نے فرمایا: **"قُلْ وَاحِدٌ"**۔ بیٹا کہو: "ایک" آپ نے کہا: **"وَاحِدٌ"**۔ آپ نے کہا: **"وَاحِدٌ"**۔ ایک۔ پھر فرمایا: **"قُلْ أَتَانِ"**۔ شہزادے نے عرض کیا: بابا جس زبان سے ایک کہہ چکا ہوں اس زبان سے دو کہتے ہوئے تشرم آتی ہے۔ جناب امیرؑ نے بیٹے کا یہ جواب سن کر آنکھوں کے مابین پیشانی کا بوسہ لیا۔ (یہ فردِ محبت کی نشانی تھی)

جناب عباسؓ کی اولاد | جناب عباسؓ کی شادی حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلبؓ کی دختر و دختر نیک اختر حضرت کلبا بے سے ہوئی تھی۔ ان سے دو صاحبزادے ایک "فضل" جن سے آپ کی کنیت "ابوالفضل" ہے۔ دوسرے "عبید اللہ" آپ کی نسل حضرت عبید اللہ سے بڑھی ہے۔ علاوہ انہیں آپ کی مزید اولاد بھی معتبر کتاب میں مرقوم ہے۔ چنانچہ ایک کینز کے بطن سے آپ کے فرزند پیدا ہوئے۔ جن کا نام "حسن" ہے۔ چوتھے قاسم، جن سے آپ کی کنیت "ابوالقاسم" بھی ہے۔ پانچویں ایک دختر بھی بیابا کی جاتی ہے۔ جن کا نام کتب میں مسطور نہیں ہے۔ اور چھٹے صاحبزادے آپ کے محمد ہیں۔ اس طرح پانچ لڑکے اور ایک لڑکی، چھ اولاد کے آپ باپ ہیں۔ ان میں سے دو صاحبان قاسم و محمد بعض کتب مقاتل کے مطابق شہداءِ کربلا میں شامل ہیں۔ آپ کی اولاد اجداد بڑھی ہے۔ آپ کی اولاد میں سے بہت سارے صاحبِ علم و فضل گزرے ہیں چنانچہ آپ کی اولاد میں سے جناب حمزہ بن قاسم بن علی بن حمزہ بن حسن بن عبید اللہ بن عباسؓ "جلیل القدر" صاحبِ علم و فضل، ثقہ اور رفیع الشان بزرگ گزرے ہیں۔ ان کی کنیت ابوالکلیلی ہے اور ان کا مزار مقدس شہرِ حلقہ سے پانچ فرسخ دور ایک گاؤں حمزہ نامی میں مرجع زیارت عام و خواص ہے۔ اور اسی مرقدِ مقدس سے کرامات اور غوارق عادات امور کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

جناب عباس کی خدما اور ان کی شخصیت کے اثرات

جناب امیر علیہ السلام کی بنی کلاب کی خاتون سے شادی کا مقصد ہی یہ تھا کہ ایک ذی شتم طاقتور صاحبِ رعب و جلال لڑکا پیدا ہو جو مصیبت کے وقت 'مشکل حالات اور غم کی ساعات میں اہل بیت کا معاون و حامی ہو۔ اور اس شجاع و دلیر فرزندی وجہ سے اہل بیت کے دکھے ہوئے دل سکون حاصل کر سکیں۔ اور ان کے سہمے بچے سایہ امن میں رہیں۔ خوف اعداء اور دشمنوں کی یورش سے مخدرات عصمت محفوظ و مامون رہیں۔ کیونکہ کسی خاندان اور کنبہ میں بہادر اور دلیر مرد مرکز امن و سکون ہوتا ہے۔ اور اس کے سایہ حفاظت میں تمام افراد قرار حاصل کرتے ہیں۔ اسی کے وجود سے خوف امن کے ساتھ 'اضطراب سکون کے ساتھ' رنج راحت اور دکھ سکھ کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ اس کے دیکھتے ہی بہتے ہوئے آنسو تم جاتے ہیں۔ جگر کے زخم بھر جاتے ہیں۔ آہیں اور سسکیاں رگ جاتی ہیں۔ اور دل کی دھڑکنیں معمول پر آ جاتی ہیں۔

یہ مقام اہل بیت عظام اور حینی قافلہ مسافرین کربلا میں ہاشمی اطفال و مستورات، مرکز وفا و محبت، قرار گاہ غیرت و شجاعت جناب عباسؑ کو حاصل تھا۔ ان کے نام سے دشمنوں کے بدن کانپتے، ان کے تصور سے فوج اشتیاق کا خون سوکھ جاتا۔ ان کی پُر رعب آواز سے اعصاب بے حس اور نہرے گداز ہو جاتے، ان کی ہیبت و خشم کی وجہ سے کسی شقی کو خیام اہل بیت کی طرف آنکھ اٹھانے کا جرأت نہ ہوتی۔ تمام اہل بیت و انصار و اصحاب کے لئے یہ سایہ امن و سکون تھے۔ اس سلسلہ میں جناب عباس علیہ السلام کے اثرات اور خدمات سے ہم حاضرین و قارئین کو مستفید کرتے ہیں۔

وطنِ مایوں سے کوچ کے وقت مسافرین کے دل گھبرائے ہوئے تھے۔ طبیعتیں غم گین اور چہرے اُداس تھے۔ اسی طرح کسی اجنبی منزل پر قیام کے وقت یہی حالات پیش آتے ہیں۔ یعنی کوچ و قیام کے وقت گھبراہٹ اور خوف و امن گیر ہوتے ہیں۔ مسافرین کربلا کے لئے باعث سکون و راحت کوئی چیز تھی تو جناب عباسؑ و علی اکبرؑ ایسے مردانِ جہد و وجود تھے۔ چنانچہ کوچ و قیام کے وقت اطفالِ خرد و سال اور ہاشمی مخدرات کے محلوں پر سوار کرتے وقت اور اتروانے کی نگرانی جناب عباسؑ و علی اکبرؑ کے سپرد تھی۔ جن سے اہل بیت کی مستورات کی دھارس بندھی

رہتی تھی۔ اور اطمینان قلب حاصل رہتا۔

یہ حقیقت ہے کہ جناب زہراؑ کی بیٹیوں کی نظر جناب عباس اور علی اکبر کے چہرے پر پڑتی تو رسول زاد یوں کی سفر کی تھکاوٹ دور ہو جاتی، اور خوت و ہراس جاتا رہتا۔ اور ان کے گھوڑے سفر کے وقت جناب بتوں کی بیٹیوں کے محلوں کے ہمراہ رہتے۔ اور جب کسی جنگل میں شب کے وقت قیام ہوتا تو اسد اللہ کے لال کا ہاتھ قبضہ تلوار پر ہوتا۔ اہل بیت چلتے خواب میں ہوتے اور علی کا شیر جاگ کر خمیوں کا پہرہ دیتا۔ کیونکہ مدینہ اور مکہ سے رخصت کے وقت ہوا خواہان بنو امیہ نے دمشق میں امام حسین علیہ السلام کے سفر کی اطلاعات پہنچا دی تھیں۔ اور جوں جوں سفر کی منزلیں آگے بڑھیں، خوف بڑھتا جاتا تھا۔

ہوتے تھے اور صبحی شہ معلوم کے انصار پر جاگتے تھے حضرت عباس خوش الطوار پھرتے کبھی گردِ خیام شہ ابرار ڈیوڑھی پہ کبھی آتے تھے باندھے ہوئے متیار یوں رات بسر ہوتی تھی اس عاشقِ رب کو جس طرح سے جنگل میں اسد پھرتا ہے شب کو

اسدِ آلِ محمد کی ستائی

ساتویں تاریخ محرم سے اہل بیت رسول اور اصحاب و انصار پر مکمل طور پر پانی بند کر دیا گیا۔ اور گھاٹ پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ ظالموں کا یہ اقدام جناب عباس کی غیرت کو ہلکا کر دیتا تھا۔ اور خیرِ حیدر کردار آزمائش میں تھا۔ اس وقت یہاں سی مستورات اور تشنہ دہان اطفال کی نگاہیں دانا جناب عباس کی طرف اٹھی چوں کہ اطفال کی صدا میں جب غیرت بنی ہاشم کے کانوں سے گزرائی جوں کی اور کھانے ہوئے معصوم چہرے جب حیدر کردار کے خوند اور سرمہ زیب کا غلغلہ امینہؑ کے دیکھنے والوں کے تو اس جسدِ غیرتِ جبرائی کے دل پر کیا گزری ہوگی، کیا جناب عباس کی غیرت گوارا کر سکتی تھی کہ سکینہ پانی مانگے اور غازی خیمہ کے سایہ میں آرام بیٹھے، کیا مولائے مظلوم عباس کے ارمانوں سے واقف نہ تھے؟ کیا امام پاک غازی کے جذبات اس وقت کچل سکتے تھے؟ نہیں، ہرگز نہیں! مولائے جب یہ کیفیت دیکھی، تو خود ہلاکے جناب عباس کو سیرابی اطفال و اہل بیت کے لئے پانی لانے کا حکم دیا۔ اور اس طرح مولائے عباس کو اس خدمت کے بجالانے کا حکم دیا۔

واقعاتِ کربلاء کے مورخین شیعہ و سنی و غیر مسلم بالاتفاق لکھتے ہیں کہ ساتویں محرم کو جب اہل بیت رسول پر بندشِ آب ہوئی اور اہل بیت پر پیاس کا غلبہ ہوا تو جناب عباس علیہ السلام کی قیادت میں تیس سوار اور بیس پیادے بیس مشکوں کے ساتھ پانی لانے کے لئے گھاٹ پر روانہ

فرمائے جو کامیابی کیساتھ مشکیں پُر کر کے لائے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

جناب امام پاكٹ نے حضرت عباسؓ کو فرمایا : " يَا اَبْنِي اَمِضْ اِلَى الْفُتُورِ وَ اتَّبِعْنَا الْحَمْدَ " فَقَالَ حَاضِرًا " بھائی ! فرات کی طرف جاؤ اور ہمارے پاس پانی لے آؤ۔ جناب عباسؓ نے اس حکم کو خوش ہو کر قبول کیا اور اس خدمت کے بجالانے کا موقع پا کر " اسدِ آلِ محمدؐ " اختیار سجا کر گھاٹ کی طرف یوں چلا جس طرح شیر شکار کی طرف چلتا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے :

جب اہل بیت امام علیہم السلام پر پیاس کا غلبہ ہوا تو آپ نے جناب عباسؓ کو بلایا۔ تیس سوار بیس پیادے بیس مشکوں کے ساتھ ہمراہ کئے۔ جناب عباسؓ کی قیادت میں یہ قافلہ تحصیل آب کے لئے جانبِ فرات روانہ ہوا۔ نافع بن ہلال آگے آگے تھے، جب حضرت نافع نہر میں داخل ہوئے تو پانچ سو پہرہ دار سواروں کے سردار عمرو بن حجاج نے آواز دی۔ کون ہو؟ اور یہاں کیوں آئے ہو؟ جناب نافع نے جواب دیا : " میں نافع بن ہلال تمہارا چچا زاد بھائی ہوں، یہاں پانی پینے آیا ہوں۔ عمرو بن حجاج نے کہا بڑی غوثی سے ہو۔ نافع نے کہا نہیں! ہرگز نہیں۔ گو پیاسا ہوں مگر جب تک فرزندِ رسول سیراب نہ ہوں میں ایک قطرہ بھی نہ پیوں گا۔ اس اثناء میں عمرو کی نگاہ پڑ گئی کہ کئی آدمی نہر میں اتر کر مشکیں بھرنا چاہتے ہیں۔ عمرو بن حجاج نے کہا " میں اسی کام پر مامور ہوں کہ خیام حسینی میں پانی نہ جلانے پائے۔ نافع نے اس بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پیادوں کو مشکیں پُر کرنے کا حکم دیا۔ اوہ عمرو بن حجاج نے اپنے فوجیوں کو حکم کرنے کا حکم دیا۔ احرار سے حسینی سپاہ نے جوابی کارروائی شروع کر دی۔ خاص طور پر جناب " اسدِ آلِ محمدؐ " حرمِ نامیہؓ کو بلانے دل کے اربابانہ کالے، کھل کر دادِ شجاعت دی، گھاٹ خالی ہو گیا۔ کئی مردود مارے گئے، باقیوں نے راہِ فرار اختیار کی اور غازیانِ اسلام بیس مشکیں بھر کے سلامتی کے ساتھ خیام حسینی میں پہنچ گئے۔ جناب امام حسین علیہ السلام، اہل بیت و انصار نے پانی پیا۔ مگر یہ پانی پوری طرح پیاس نہ بجھا سکا۔ کیونکہ پینے والے کافی تھے۔ بیس مشکیں کیا کرتیں۔ اس کے بعد پیاس کا پھر غلبہ ہو گیا۔ اسی وجہ سے جناب عباسؓ کا لقب سقا مشہور ہوا۔ بعض ساتویں کا دن اور بعض ساتویں اور آٹھویں کی درمیانی شب کا یہ واقعہ تحریر کرتے ہیں۔ اسی واسطے یہ تاریخیں جناب عباسؓ علیہ السلام ستلئے اہل حرم کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں۔

شمر نے اماں نامہ لکھوا کر جناب عباسؓ کو امام پاكٹ کی

ایمان گئی پختگی اور عزم و ثبات

مفاقت سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر جناب عباسؑ نے شمر اور اس کے امان نامہ پر لعنت بھیجی۔ جناب عباسؑ کے یہ الفاظ ہیں: "تَبَّثْ يَدَاكَ وَبَيْتُ مَا جِئْتَابِهِ اَمِنْ اَمَانِكَ يَا عَدُوَّ اللَّهِ اَنَا مُرْنَا اَنْ نَتْرُكَ اَحَاثَا وَ سَيِّدَا الْمُحْسِنِينَ بِنَا طَلْحَةَ وَ مَذْحَلَّ فِي طَاعَةِ اللِّعْنَاءِ وَ اَوْلَادِ اللِّعْنَاءِ"۔ تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ بہت ہی بُرا ہے تیرا امان نامہ جو تو لایا ہے۔ اسے دشمنی خدا تو ہیں یہ کچھ کی جہات کرتا ہے کہ ہم اپنے بھائی و سردارِ فرزندِ نبول کو چھوڑ کر لعینوں اور ان کی اولاد کی اطاعت کریں۔ جناب عبدالرزاق الموسوی المصنف اپنی کتاب مقتل الحسینؑ میں رقم طراز ہیں کہ جب عباسؑ فخرِ لعین کے امان نامہ کو مسترد کر کے واپس آئے تو زہیر بن قین نے علم اٹھایا اور جناب عباسؑ کے پاس جا کر کہنے لگے: "یا ابنِ امیر المومنین! میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں، کہ جناب امیر علیہ السلام نے بنی کلاب کی خاتون اور آپ کی والدہ ماجدہ سے اس غرض سے شادی کی تھی کہ شجاع لڑکا پیدا ہو۔ جو میرے بیٹے حسینؑ کا قوتِ بازو اور زورِ کمر ہو۔ اور آپ ایسے ہی دل کے لئے ذخیرہ قوت اور خیریت طاقت ہیں۔ پس فرزندِ نبول کی نصرت اور ہاشمی خدرا کی حفاظت سے کوتاہی نہ کرنا۔ زہیر بن قین کی اس تقریر سے جناب غازی عباسؑ کے غول میں مزید حرارت پیدا ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جناب عباسؑ گھوڑے پر سوار تھے۔ حیدری شجاعت نے جو جوش مارا۔ علی کے شیر نے اُگرائی لی۔ رکابوں کے تسے ٹوٹ گئے۔ اور فرمایا کہ زہیر! ایسے دل میں میری شجاعت کو جوش دلاتے ہو۔ میری غیرت کے ارمانوں کو ٹکارتے ہو۔ زہیر! آج میں تمہیں شجاعت کے وہ جوہر اور قوت کا وہ کمال دکھاؤں گا جو تم نے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ زہیر بن قین کی یہ بات جناب عباسؑ کے ساتھ یوم عاشورہ بیان کی جاتی ہے۔

چنانچہ جناب فاضلِ مرقم مزید تحریر فرماتے ہیں کہ جناب عباسؑ نے میدانِ کارزار میں شجاعانِ فوج کو فہ و شام کے چمکے چھڑا دیئے اور بہادرانِ بے دنیوں کے سر مثلِ گیند اڑتے اور بدنِ خون میں لوٹتے اور ان کے جھنڈے اٹے گر تے نظر آتے تھے حالانکہ اس وقت ان کا مقصد جدال و قتال نہ تھا بلکہ اطفالِ حسینؑ کو پانی پہنچانا مقصود تھا۔

عمر بن سعد کے ساتھ مختلف راتوں میں گفت و شنید کے وقت جناب عباسؑ اور علی اکبرؑ ہمراہ رہے۔

نویں کے دن جب سپاہِ ابنِ سعد ہجوم کر کے حملہ کی نیت سے خیامِ حسینی کے قریب پہنچ

گئی تو اس وقت جناب امام پاک نے جناب عباس کو ان کا ارادہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا اور جنگ ملتوی کرنے کیلئے بھیجا۔ مہلت طلب کرنے میں آپ جناب امام پاک کے سفیر کی حیثیت سے ابن سعد وغیرہ سے گفتگو کرتے رہے اور اس کام کو نہایت حسن تدبیر، حکیمانہ انداز، کلمہ سے سرانجام دیا۔ شب عاشور خطبہ کے بعد امام پاک نے اقرباء و انصار کو جانے کی رخصت دی اور بیعت کا فائدہ گمہ دفوں سے اتارنے اور آزاد کرنے کا مشورہ دیا تو اہل بیت علیہم السلام میں سے سب سے پہلے اسی قمر بنی ہاشم اور اسد آل محمد نے عزم و وفا، مضبوط ایمان، دلیرانہ انداز اور مومنانہ و مخلصانہ اطوار کے ساتھ قربانیاں دینے اور نصرتِ امام اور حمایتِ اسلام کا اعلان کیا۔ روزِ عاشور جناب سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ سایہ کی طرح ہمراہ رہے۔ اور اکثر شہدائے لاشوں پر آپ امام مظلوم کے ساتھ پہنچے۔ کئی ایک مجاہدین شہداء جب نزعِ اعداء میں گھر گئے تو جناب عباس ان کی امداد کو پہنچے۔ جیسا کہ کتبِ مقاتل میں مذکور ہے کہ عمرو بن خالد ان کے غلام سعد، مجمع بن عبد اللہ اور جنادہ بن حارث جب جنگ کرتے ہوئے نزعِ اعداء میں گھر گئے تو مولائے مظلوم نے جناب عباس کو ان کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ جناب عباس نے تنہا اعداء بے دین پر حملہ کیا اور ان اصحاب با وفاء کو نزعِ اعداء سے نکالا اور لشکرِ اعداء کو ان سے مار بھگایا۔ لیکن یہ حضرات زخموں کی کثرت سے بڑھال ہو چکے تھے اور ثمرتِ شہادت نوش کرنے کی سعادت کے لئے بے قرار تھے۔ اس واسطے جناب عباس کے ساتھ واپس جانے کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم زندگی کے نہیں موت کے طلب گاریں۔ اور واپس جانے کے لئے نہیں آئے۔ شہادت کی تمنا ہمیں میدان میں لانی ہے۔ اس واسطے وہ میدان میں پھر مصروفِ جہاد ہوئے یہاں تک کہ یہ چاروں حضرات اسی ایک جگہ مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

واقعات شجاعت و شہادت

جناب عباس علیہ السلام کی تاخیرِ شہادت کی وجہ غالباً یہ ہے کہ آپ جناب امام پاک کے قوتِ بازو تھے اور فوجِ مختصر کے سپہ سالار، دستور ہے کہ جب کسی فوج کا سپہ سالار اور غازیوں کا قائد مارا جائے تو فوج کے حوصلے اور مجاہدین کے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔ جذباتِ پست ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد عزمِ بلند، ارادے مضبوط اور جمعیتِ مستحکم رہتی ہے۔ اس واسطے جناب

عباس کو آخر تک اپنے ساتھ رکھا۔ اور کئی مشکلات میں یہ قوت بازو اور زور کمر رہے۔

علاوہ ازیں مستورات و اطفال کی ڈھارس جناب عباس کے وجود پاک سے بندھی رہی۔ کیونکہ یہ ان کی تسکین قلب اور اضطراب کے وقت باعث تسلی تھے۔ حفاظتِ خدشات عصمت اور خیام اہل بیت کی نگرانی کا ہر دم امام پاک کو خیال رہا۔ اعداءِ اشتیاق نے خیموں کی جانب رخ کیا لیکن انصار و جوانانِ بنی ہاشم نے جناب عباس کی قیادت میں ان کے ہر حملہ کو ناکام کیا اور اشتیاق بے دین کو اس مقصد میں بُری طرح ناکام کیا۔ اپنے حینِ حیات میں ان غازیانِ حق و صداقت اور ناصرانِ امام وقت نے خیام اہل بیت کی پوری طرح حفاظت کی اور مستورات و اطفال کو کسی قسم کی کوئی گزند نہ پہنچنے دی۔ اس واسطے آخر تک جناب عباس کا وجود ضروری تھا۔ خیام پاک میں جب کبھی اضطراب پھیلتا، مستوراتِ اہل بیت پر خوف و ہراس طاری ہوتا اور اہل بیت کے حور و سالِ بچے ڈر سے بے تاب ہو کر نالہ شیون و غم بلند کرتے تو امام پاک ان کو تسلی دینے، کبھی آپ خود آتے اور کبھی جناب عباس کو بھیجتے۔ جن کی آرام دہ آواز و حرکت دلوں کو مطمئن، گھبراہٹ کو دور اور حوصلوں کو بلند کر دیتی اور خیموں میں گریہ و بکا کی آوازیں خاموش ہو جاتیں۔ کیونکہ یہ کوئی دلوں کا سہارا اور خدشاتِ عصمت و طہارت کے پردوں کے محافظ تھے۔ جب مولائے مظلوم کی جمعیت ختم ہو گئی، مختصر سی بہادر فوج و اوشجاء بت دیتے ہوئے شہید ہو گئی، تمام زخماں عہد و فنا پورا کر کے راہی ملکِ بقا ہو گئے، خیموں کا خیمہ خستہ ہو گئیں، انصار و اقرباءِ رخصت ہو گئے، زہرا کا لالہ تنہا رہ گیا اور خیموں میں معصوم بچوں کے گلوں سے العطش العطش کی صدائیں زور پکڑ گئیں۔ برباد گھر اور سیدائوں کے کھلے سر جناب عباس سے دیکھے نہ گئے، ام البنین کے لال کے جذباتِ غیرت ابھر گئے، دل خفاش دلوں سے حیدری شجاعت کے ارمان غازی کے سینے میں چلنے لگے تو اب جناب عباس کو صبر کا یارا نہ رہا۔ زندگی سے دل بے زار ہو گیا، اندرونِ سینہ گھٹن بڑھ گئی۔ جناب امام مظلوم کی خدمت میں حاضر ہو کر رخصت طلب کی، "یا اُخِیْ هَلْ مِنْ رُخْصَتِیْ؟" "بھائی جان! مجھے بھی اجازت مرحمت فرمائیں گے، امام نے آو سو بھری اور کٹر لیلِ جوانِ پزنگاہ ڈالی۔ فرمایا "یا اُخِیْ اَنْتَ صَاحِبِ یَوَائِیْ"۔ بھائی تم تو میرے عہدار ہو۔ اس کے بعد امام پاک بھائی کو گلے لگا کر بہت روئے۔ میں عرض کر دوں گا کہ اس سے زیادہ رونے کا اور کون سا مقام تھا۔ تمام سپاہ کی رخصت ایک طرف اور سپہ سالار کی رخصت ایک طرف۔ تمام انصار و اقرباء کی جدائی کے صدمہ سے وفادار و

زور کر بھائی کی رفاقت کا صدمہ کم نہ تھا۔

جناب عباس نے پھر عرض کی: "لَقَدْ ضَاقَ صَدْرِي وَسَمِعْتُ مِنَ الْحَيَاةِ وَأُرِيدُ أَنْ أَطْلُبَ ثَارِي مِنْ هَؤُلَاءِ الْمَنَافِقِينَ" میرا سینہ تنگ ہو گیا ہے۔ زندگی سے طول ہو گیا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ ان منافقین سے انتقام لوں، امام مظلوم نے جواب میں اتنا فرمایا: "كَأَطْلَبَ لِهَؤُلَاءِ الْأَطْفَالِ قَلِيلًا مِنَ الْمَاءِ"۔ منتخب میں ہے کہ جناب نے فرمایا: "إِذَا غَدَوْتُ إِلَى الْجِهَادِ كَأَطْلَبَ لِهَؤُلَاءِ الْأَطْفَالِ قَلِيلًا مِنَ الْمَاءِ"۔ جب جہاد کے لئے آپ جانا چاہتے ہیں تو ان پیارے بچوں کے لئے کچھ پانی لے آئیں۔

یاد رہے کہ امام پاکؑ نے جناب عباسؑ کو دفاعی جنگ سے روکا نہیں۔ امام پاکؑ اور ان کے انصار و اقربا کی یہ تمام لڑائی دفاعی تھی۔ آغاز جنگ تو عمر بنی سعد نے تیر بھینک کر کیا تھا۔ اس وقت پانی لانے کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔ کیونکہ ان کے بعد پانی لانے والا اور کوئی نہ رہ گیا تھا۔ کسی روایت میں یہ نہیں ملتا کہ امام پاکؑ نے جناب عباسؑ کو دفاعی جنگ سے روکا ہو اور امام علیہ السلام کو یہ بھی معلوم تھا کہ گھاٹ پر چار ہزار کا پہرہ ہے اور بغیر لڑائی کے پانی کا حصول ناممکن ہے۔ اس واسطے پانی کے لئے بھیجا ایک قسم کی اجازت جنگ تھی۔ تنہا حضرت عباسؑ کا چار ہزار لشکر چار سے لڑنا یہ جنگ اور اجازت جنگ نہیں؟

حضرت عباسؑ اجازت پاکر خیام سے کس طرح رخصت ہوئے اور تم رسیدہ بیبیوں نے کس طرح اس کڑیل جوان کو وداع کیا۔ زبان بیان نہیں کر سکتی۔ قلم کفہ نہیں سکتا کیونکہ ان کی امتیادوں کا ذخیرہ اور ان کے مضمکوں کا مداوا ختم ہو رہا تھا۔ ان کے بے چہرے دلوں کا سہارا ٹوٹ رہا تھا۔ عباسؑ ہی سے ان کی آس وابستہ تھی۔ پردہ داروں کو اپنے پردوں کی فکر پڑ گئی۔ انہیں غیموں کے ستون گرتے نظر آ رہے تھے۔ نیچے کیچے پڑ کر رہ گئے۔ عباسؑ درمیان میں تھے۔ گریہ کی مداؤں اور درو بھری آہوں نے عباسؑ کو گھیر لیا۔ بہتے ہوئے آنسوؤں، دھڑکتے ہوئے دلوں، درو بھرے نالوں، چلاتے ہوئے بچوں اور سر بٹختی ہوئی بہنوں نے درغیمہ سے رخصت کیا۔ جناب عباسؑ نے مشک لی، ہتھیار اٹھائے اور غیمہ سے باہر نکلے۔ اس مقام پر میر انیسؑ موعوم نے غیمہ سے نکلنا نظم کیا ہے۔

یہ سن کے سکینہ نے جودی مشک بعد غم
آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ موئے ہم
سبغلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلہ عالم
عباسؑ چلے گھر سے بپا ہو گیا ماتم
یوں غیمے کے پردے سے وہ صفدر تکل آیا

گو یا کہ قسطنطنیہ سے باہر نکل آیا

جناب عباسؑ گھوڑے پر ہتھیار اور مشک لئے میدان جنگ میں آئے۔ عمر بن سعد کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "پسر سعد! یہ حسینؑ نواسہ رسولؐ ہیں، تم نے ان کے اقرباء و انصار کو شہید کیا۔ اب ان کے پاس سوائے کس بچوں اور مستورات کے کوئی نہیں رہ گیا۔ مرد تو صوب مارے گئے، اب تنہا حسینؑ رہ گئے ہیں۔ بچے اور اہل حرم خدمتِ پیاسی سے تڑپ رہے ہیں۔ کیا بندش آب ختم نہیں ہوتی؟ اس درد بھری تقریر سے بعض لوگ رونے لگ گئے۔ اور بعض بے جاؤں نے فرزندگی سے سر جھکائے فرج کی حالت بدل گئی۔ قسطنطنیہ اور شیش بن ربیعہ کیلئے نہایت خفاقت سے کہا: "ابو تراب کے بیٹے! اگر تمام روئے زمین پانی ہو جائے اور وہ ہمارے قبضہ میں ہو تو پھر بھی ہم ایک قطرہ فرزندِ رسولؐ اور ان کے عیال کو نہ دیں گے۔ تاوقتیکہ وہ بیعتِ یزید میں داخل نہ ہوں۔" ان منافقوں کا کافرانہ جواب سُن کر جناب عباسؑ مولائے مظلوم کے پاس یلوسانہ حالت میں آئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔

غریب و بے کس امام کچھ نہ کہہ سکے، سر جھکا کر اتنا روئے کہ گریبانِ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ ادھر خیام سے العطش العطش کی جگہ پاشِ حدائیں غازی کے کانوں سے ٹپکتا رہی تھیں۔ پیاس بڑھ گئی۔ اور جحیت ختم ہو رہی تھی۔ اس وقت امام پاک اور غازی عباسؑ کی پوری توجہ پانی کی طرف تھی۔ مولائے مظلوم کی انتہائی خواہش تھی کہ زندگی میں درد رسیدہ مستورات اور یتیم بچوں کو پانی سے سیراب دیکھ لوں، میرے بعد انہیں کوئی پانی پلائے گا۔ جناب عباسؑ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور رجز پڑھتے ہوئے فرات کا رخ کیا۔

لَا أَرْهَبُ الْمَوْتَ إِذَا الْمَوْتُ وَقَا حَتَّىٰ إِذَا رِي فِي الْمَصَالِيحِ الْإِلْقَاءُ
نَفْسِي لِنَفْسِ الْمَصْطَقِ الْعَظِيمِ وَفَا وَلَا أَخَافُ طَارِقَاتِ طَرُوقَا
بَلْ أَضْرِبُ أَثْمَامَ وَأَفْرَى الْمَفْرَا اِنِّیْ اَنَا الْعَبَّاسُ اَعْدُو بِالْمَقَا
وَلَا أَخَافُ الشَّرَّ یَوْمَ الْمَلْتَمَلِ

جیدہ کرار کا فرزند مشک سبھائے جانبِ فرات بڑھا۔ اعداد کی معنیں حائل ہوتی رہیں لیکن صغیر کے پسر نے صفوں کو چیرتے ہوئے حملہ آور بہادروں کو ہلاک کرتے ہوئے فرات کی جانب پیش قدمی جاری رکھی۔

جس وقت ابتدائے بندشِ آب میں حسینیؑ گروہ طلب آب کے لئے گیا تھا تو اسدِ آلِ محمد گھاٹ پر اس وقت پچاس مجاہد تھے۔ اور پانچ سو مخالف پہرہ دار تھے، اب

تنہا صرف ایک عباس ہیں اور چار ہزار پہرے دار کیونکہ عمر بن سعد نے پانی روکنے کے انتظام سخت کر دیئے اور پہرے داروں کی تعداد بڑھا دی تھی۔

آل محمد کا ضرغام تیغ بڑاں اور نوک سناں سے راستہ بناتا ہوا۔ سپاہ بے پناہ کو راہ سے ہٹاتا ہوا، روکنے والوں کو روندتا ہوا اور گھیراؤ کو چیرتا ہوا لب فرات پر پہنچ گیا۔ چار ہزار ناری جو محافظین فرات تھے یکدم حرکت میں آگئے۔ اور چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے۔

ساحل پر قیامت کی صف آرائی ہوئی تھی لشکر تھا کہ دریا پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی

اسب اسد اللہ کو اظہار شجاعت کا موقع ملا۔ ضرغام بنی ہاشم نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا۔ بس کیا تھا۔ بجی تھی جو تہہ خدا بن کر اعداء اشتیاء پر گری۔ سر اڑتے اور دھڑکتے نظر آ رہے تھے صفیں بکھر گئیں، دم سینوں میں رک گئے۔ حوصلے چھوٹ گئے۔ دل ٹوٹ گئے۔ "اسد آل محمد" غضناک ہو کر کوفہ و شام کے ریوڑ میں گھس آیا۔ حمزہ کی آن، جعفر طیار کی نشان، حیدر کے ار کی جان، فرات کے کنارہ پر جلوہ گر تھی۔ بدر و خیبر کی لڑائی اور خندق و حنین کے معرکے، آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ ام المہاجر کا لال، مادری تمناؤں کو سرخرو کر رہا تھا۔ ہاشمی شجاعت اموی زالت سے برسرِ پیکار تھی کشتوں کے کشتے اور لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ ناریوں کا لہو مثل سیل بہہ رہا تھا اور نابکاروں کے ناپاک مردوں سے ساحل فرات پٹ گیا تھا۔ یکایک اس بے دین لشکر میں جگہ رنج گئی۔

چھوڑ دو گھاٹ یہ فعل لشکر بے میر میں ہے قوت دست خدا بازوئے شہر میں ہے

ہاشمی و کلابی شجاعت کے مالک نے ان بے غیرت و بے حیافوج کی صفوں کو اس طرح درہم برہم کیا کہ اگر دائیں طرف سے داخل ہوتے تو مار بھگاتے بائیں جانب سے آنکلتے۔ اور اگر بائیں جانب سے گھستے تو ان حرام لاشوں کو کچلتے ہوئے دائیں حصے سے برآمد ہوتے۔ چار ہزار کا لشکر اور ان پر ایک عباس اس طرح غالب آ گئے کہ پرے پر اگندہ ہو گئے۔ صفیں صاف ہو گئیں۔ پہرے کے بادل چھٹ گئے۔ کچھ ہٹ گئے کچھ کٹ گئے۔ گھاٹ خالی ہو گیا۔ اور ساحل فرات پر ایک عباس ہیں اور ایک ان گھوڑا۔ پسیر تیر خدا نے فرات پر مکمل قبضہ کر لیا۔ ترائی میں گھوڑا اترنا۔ پانی میں داخل ہوا۔ سوار بھی پیاسا، راہوار بھی تشنہ۔ مولا عباس نے باگیں ڈھیلی کر دیں کہ اس پر بادشاہ میراب ہوئے۔ مگر وفادار کا وفادار راہوار تھا۔ وفا و حیا کے ماحول میں پلا پلا رہا تھا۔

پانی پئے کس طرح علمدار کا گھوڑا پیاسا ہے ابھی سید ابدار کا گھوڑا علمدار شبیر گھوڑے سے اترے۔ شدت پیاس اور قلب و جگر کباب ہو رہے تھے۔ ہاتھوں

نے پانی کو چھوڑا۔ پانی کی ٹنڈک محسوس ہوئی۔ لیکن آقا حسینؑ اور ان کے اطفال و عیال کی پیاس کی تقلید میں دین و زبان کو پیسا سا رکھا۔ ان کی تشنہ و دہانی پر اپنی سیرابی کو سبقت نہ دی۔ پانی سے چلو بھرا۔ دشمنوں کو اپنا قبضہ و غلبہ دکھایا۔ مگر اُم البنین کے پیاسے لال نے فرزندِ فاطمہ کے جانباز سپاہی اور زینب کے وفادار بھائی نے وہی پانی دریا کی لہروں کے سپرد کر دیا۔ مشک بھری اور خود سوکھے گئے اور تشنہ بھوں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔

یہ سن کے عمار کا آنکھیں ہوئیں پریم میراب کیا مشکِ سکینہ کو بعدِ غم
مُنہ باندھ کے قمر سے رکھا دوش پہ جس دم کی عرض مدد کی بیوے حافظِ عالم
تو مشک کا حافظ، نگہ بان ہے عسکرم یارب میں بہشتی ہوں چمبے کے حرم کا
سقتائے سکینہ گھوڑے پہ سوار دریا کی ترائی سے باہر نکلا۔ عمر بن سعد نے دیکھا کہ اگر
پانی غیموں میں پہنچ گیا تو علی کے دونوں پسرخیز اور عباسؑ ہماری بقیہ فوج کے لئے کافی ہیں اس
وقت اس تمام لشکر کو اکٹھا کر کے چاروں طرف سے بھرپور حملہ کیا۔ اور کمان داروں کو چلے
چڑھانے کا حکم دیا۔

حضرات! آپ غور فرمادیں کہ ادھر تنہا علیؑ کا لال، پھر دکھا ہوا دلِ صدقات سے دوچار
قلب و جگر و فکر تشنہ لب، ادھر شکرِ جزا، ہر قسم کے ہتھیاروں سے آراستہ، گھاٹ خالی کر دینا
کنارے پر قبضہ کر لینا۔ اور فوجِ مخالف کا بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگنا۔ عباسؑ کی شجاعت و بہمت
کا ثبوت ہے یا نہ؟ ہاشمی و کلابی خاندانوں کی بہادری کا مظاہرہ ہے یا نہ؟ پھر سامنے آکر کوئی
مقابلہ نہیں کرتا۔

عمر بن سعد کے حکم سے تیر اندازوں نے کمانیں سنبھالیں اور سیکنڈوں تیر بیک وقت
کمانوں سے نکلے۔ جن کا ہدف جہمِ عباس تھا۔ یہی ایک ہتھیار۔ فوجِ مخالف کے پاس تھا۔ جس کی
وجہ سے ابنِ سعد کو مادی فتح اور غلبہ ہری کامیابی حاصل ہوئی۔

تلوار اور نیزہ کی لڑائی، دستِ بدست جگ، اور مہاندہ طلی کی نبرد آزمائی میں اگر تمام
عرب و عراق اور شام و مصر کی افواج بھی اکٹھی ہو جاتیں تو انصارِ حسینی اور جوانانِ نبی باشم کے مقابلہ
میں کبھی کامیابی حاصل نہ کر سکتیں۔ جو آتا زندگی سے ہاتھ دھو کر جاتا۔ مگر تیرا بے ہتھیار تھے جو دود
سے پھینکے جاتے۔ یہ کام تو بُروں اور ہر قسم کے لوگ بھی کر سکتے ہیں۔ اور یہ تیر انداز سیکنڈوں
نہیں ہزاروں کا تعداد میں تھے۔ بیک وقت سیکنڈوں تیر جب ایک بدن کی طرف رخ کرتے

تو حُصینی مجاہد کا بدن چھلنی کی مانند سو جاتا، خون بہہ جاتا اور زخموں کی کثرت نا تو اں کہ دیتی اور مروجِ مجاہد ہڈی حال ہو کر سفرِ آخرت اختیار کر جاتا۔

یہ حال "اسدِ آلِ محمد" کے ساتھ دریا کی ترائی سے باہر نکلنے وقت ہوا۔ چاروں طرف سے تیروں کی برسات شروع ہو گئی۔ سواروں کے مینے میں بھی علی کے شیر نے گھوڑے کو دوڑائے اور مشک کو گلے لگائے رکھا۔ جب فرات کا کنارہ چھوڑا تو رخِ سیدِ حاخیمہ گاہ کی طرف کیا۔ مشک دائیں شانے میں تھی۔ "تلوارِ نیزہ" یہ دو ہتھیار تھے۔ علم کو بلند رکھنے کی ذمہ داری بھی تھی۔ راہوارِ وفادار بھی نہایت تیز رفتاری کے ساتھ تیروں کی زلزلہ باری کا مقابلہ کرتے ہوئے جانبِ نیام رواں تھا اس وقت سقائے اہلِ حرم کے سامنے زندگی سے بھی عزیز تر مقصد تھا۔ تو یہ کہ پانی خیموں میں پہنچ جائے۔ یہ آرزو بھی سقائے سکینہ کی اور انتہائی آرزو تھی۔

تاہم سپاہِ ابنِ سعد پسپا ہو رہی تھی۔ غازی نوکِ نیزہ کے ساتھ اپنے سامنے سے بھڑکھڑاتا اور راستہ بناتا آگے بڑھ رہا تھا۔ مکینے دشمن نے مکین گاہوں کو تاکا اور چھپ کر حملے کرنے کی سازش کی۔ عمار گھوڑا بڑھانے تیزی سے خیام کی طرف جارہا تھا کہ ایک شقی طعون اور سکینہ بے دین زید بن ورقاء نے مکین گاہ سے چھپ کر دائیں جانب پر اس زور سے وار کیا کہ غازی کا دایاں بازو کٹ کر زمین پر گر پڑا۔ ہوشیار مجاہد نے تیزی کے ساتھ مشک بائیں کندھے پر بٹال دی۔ اور نیزہ و علم کو سنبھال کر بائیں ہاتھ سے دفاع کرنے لگا۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اس وقت سپر حیدر کرار نے یہ اشعار پڑھے۔

وَاللّٰهُ اِنْ قَطَعْتُمْ يَمِيْنِيْ
اِنِّىْ اُحَاجُّ اَبَدًا عَنْ دِيْنِيْ

وَعَنْ اِمَامٍ صَادِقٍ الْبَقِيْنِ
نَحْلُ النَّبِيِّ الطَّاهِرِ الْاَمِيْنِ

زبان پر اشعار ہاتھ میں تلوار، کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ جراحات کی کثرت اور تیروں کی زلزلہ بازی نے غازی کے جسم کو کمزور کر دیا۔ خون زیادہ بہہ گیا اور طاقت بدن گھٹ گئی۔ لیکن دفاع بدستور جاری رکھا۔ رفتار میں کمی نہ آئی، اس اثناء میں نوفل بن ارق نے مکین گاہ سے چھپ کر حملہ کیا اور حسینی سپہ سالار کا بایاں بازو بھی کٹ کر زمین پر گر پڑا۔ عمار نے فوراً مشک کا تسہ مینے میں ڈالا۔ تسہوں کو دانتوں سے دبایا۔ بازوؤں کی پرواہ نہ کی۔ پوری توجہ مشک کی حفاظت پر رہی۔

بایاں نشانہ ظلم ہونے کے بعد خباب عباسیؓ یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

يَا نَفْسُ لَا تَخْشَى مِنَ الْكَفَّارِ = وَابْتَصِرِي بِرَحْمَةِ الْجَبَّارِ
مَعَ الْيَتِي السَّيِّدِ الْمُخْتَارِ = قَدْ قَطَعُوا بِبَغْيِهِمْ كَيْسَارِي

فَاَصْلِهِمْ يَارَبِّ حَوَالِ النَّارِ

اب جناب عباسؓ بازوؤں سے محروم ہو گئے، بدن نڈھال ہو گیا۔ زخموں کی کثرت سے خون بہہ گیا۔ مگر دل قوی تھا۔ عزم بختہ اور قوتِ ارادی مضبوط تھی۔ اب لڑائی کے تو قابل نہ رہے، نہ تلوار پکڑ سکتے تھے اور نہ نیزہ۔ مشک بھی دانتوں سے سنبھالی ہوئی ہے۔ مقصد منٹ مشک بچانا اور پانی خیمہ میں پہنچانا ہے۔ مگر کیا کریں تیروں کی بارش ہے۔ پہلے ہی کتنے تیر بدنِ اقدس میں پیوست ہیں۔ اب غازی کا طریقہ یہ ہے کہ سامنے سے جو تیر آتا ہے آپ اپنا سیدہ مشک پر رکھ دیتے ہیں۔ مشک پر جھک جلتے۔ جو تیر آتا بدن پر لے لیتے اور مشک بچانے کی کوشش کرتے، مگر یہاں کوئی دس بیس تیر تو نہ تھے۔ ہزاروں کمائیں تیر برسا رہی تھیں، باوجود امکانی کوشش کے ایک نیرِ مشک میں آگیا۔ مشکیزہ چھید گیا اور محنتوں و جانفشانی سے بھرا ہوا پانی زمین پر بہہ گیا۔ عباسؓ کی آہ نکلی۔ اتنا کہا کہ کاش میرا خون سارا بہہ جاتا، پانی بچ جاتا۔ اب اس ٹوٹ گئی۔ امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ارمانوں کا خون ہو گیا۔ طاقت ختم ہو گئی۔ اتنے میں حکیم بن طفیل نے سراقدس پر آہنی گرز مارا۔ سر پہلے ہی زخموں سے بھرا ہوا تھا۔ گرز لگنے سے شگافہ ہو گیا۔

ختم تھے کہ پڑا فرق پر گرز ایک شقی کا شق ہو گیا سر حضرت عباسؓ علیؓ کا جناب عباسؓ اب گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور کٹے ہوئے بازوؤں کے ساتھ ناچار زمین پر گر پڑے۔ آہ! وہ بہادر جس کی بارعب آواز سے بہادریوں کے دل دہل جاتے تھے۔ جس نے گھاٹ خالی کر دیا تھا۔ وہ شیرِ مجروح ہو کر فرشِ زمین پر گر پڑا اور گرتے ہی آواز دی۔ "عَلَيْكَ مَقِي السَّلَامُ يَا اَبَا عَبْدِ اللَّهِ"۔ حسینؑ پر میرا آخری سلام قبول ہو۔ جناب فاضلِ محترم "مقتلِ الحسین" میں لکھتے ہیں کہ میں نے عالم فاضل جناب شیخ کاظم سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک فاضل جلیل معتبر و مستند عالم آئے۔ اور کہا کہ میں جناب عباسؓ کا قاصد ہوں، میں نے آنجناب کو خواب میں دیکھا۔ وہ آپ پر ناراض ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ "اے شیخ کاظم سبکی! تو میری خاص معیبت کا ذکر نہیں کرتا۔" وہ عالم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حالتِ خواب میں آنجناب سے عرض کیا کہ حضور میں ہمیشہ

ان کی زبان سے آپ کے درو بھرے مصائب سننا رہتا ہوں۔ تو جناب نے فرمایا کہ شیخ کاظم
سبقتی سے کہو کہ یہ مصیبت مجلس میں بیان کرے کہ جب سوار گھوڑے سے گرنا ہے تو زمین پر
ہاتھوں کا سہارا لیتا ہے۔ جب سوار کے سینے میں تیر پورست ہوں اور بازو تلخ ہو چکے
ہوں وہ کس چیز کا سہارا لے اور کس بل پر زمین پر گرے۔

جناب امام مظلوم نے بھائی کی حدائے استغاثہ سنی اور آخری سلام کی آواز پہنچی تو
کیا حالت ہوگی۔ دنیا آنکھوں کے سامنے اندھیر ہوگئی، کمر پر ہاتھ رکھ کے اٹھے۔ اور اٹھتے
بیٹھتے میدان میں تشریف لائے اور جان نثار بھائی کے سر ہانے کھڑے ہو گئے، دیکھا کہ
قوت بازو اور زور کمر غون میں غلطان، زخموں سے چور زخمی سینہ اور کٹے ہوئے بازوؤں کے
ساتھ خاک کہ بلا پر میری و اندرونی دردوں سے کراہ رہا تھا۔ بدن پاک تیروں سے
بھرا ہوا ہے اور بے شمار زخم کھلے ہوئے، آنکھیں بند کئے ہوئے حسرتوں اور ارمانوں
کے ساتھ گرم ریت پر سویا ہوا ہے۔ اس وقت میرے آتانی آہ مرد کے ساتھ کہا:
”اَلَا نَ اُنْكُسِرْ ظَهْرِي وَ قُلْتُ حَيْلَتِي“ اب میری کمر ٹوٹ گئی۔ اور تدبیر ختم ہوگئی۔ سب
شہیدوں سے جناب عباس کے بدن پر زخم زیادہ تھے۔ ایک آنکھ میں بھی تیر کی نوک کا شدید
زخم تھا۔ جس سے بصارت ختم ہوگئی تھی۔

وفادار بھائی نے حق و ادا کر دیا۔ عباس کی موت کے غم سے زیادہ عباس کی حسرتوں اور
ارمانوں کا غم تھا۔ اگر پانی خمیہ میں پہنچ جاتا تو غم کسی قدر ہلکا ہو جاتا مگر اس حسرت نے موت
عباس کا مدد بڑھا دیا۔ امام مظلوم نے کڑیل جوان بھائی کی لاش پر نوحہ پڑھا۔ عربی شاعر نے
نظم کیا۔ جو ترجمہ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

اَحَقُّ النَّاسِ اَنْ يُنْبِكِلَ عَلَيْهِ فَتَى ابْنِ الْحُسَيْنِ بَكْرًا

جس پر گر کر یہ کیا جاتا ہے ان سب سے زیادہ وہ جوان ہے جس نے کہ بلا میں حسین کو
رہا یا۔

اَهُوُّ وَ ابْنُ الْوَالِدِ عَلِيٍّ اَبُو الْقَضَلِ الْمَضْرُجِ بِالْذَّمِّ

حسین کا بھائی اور اس کے والد کا بیٹا عباس جس کی لاش بھونہاں تھی۔

وَاسَاؤُهُ لَا يَتَنَبَّلُ شَيْءٌ وَ جَاوِلَةٌ عَلَى عَطَشٍ بِمَاءٍ

جس نے بھائی کے ساتھ انتہائی غم گساری کی اور باوجود پیاس کے بھائی کی پیاس پر

پانی نہ پیا۔

ایک شاعر نے جناب مظلوم کو بلا کا یہ مرثیہ نقل کیا ہے۔

اَحْيَا نُوْرَ عَيْنِي يَا شَقِيْقَتِي
میرے بھائی میری آنکھوں کے نور، میرے دلور

اَيَا بَنَ اَبِي نَصَعْتَ اَهَاكَ حَتَّى
سَقَاكَ اللهُ كَمَا سَاوَتْ رَحِيْقَ

میرے باپ کے بیٹے تو نے بھائی کیساتھ بھڑکی۔ خدا تجھے شرابِ مہور کا جام پلائے۔

اَيَا قَمَرًا مُنِيْرًا كُنْتَ عَوْنِي
عَلَى كُلِّ التَّوَابِيْ فِي الْمُنِيْقِ

اے میرے روشن چاند تم ہر تنگی کے وقت مصیبتوں میں میرے مددگار تھے۔

فَبَعْدَكَ لَا تَطِيْبُ لَنَا حَيَوَةٌ
سَنَجْمَعُ فِي الْعِدَاةِ عَلَى الْحَقِيْقِ

عباس! تیرے بعد زندگی کا مزہ جاتا رہا۔ کل ہم ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں گے۔

جناب غاضل مقرر بیان کرتے ہیں کہ وفادار اور کرمیل جوان بھائی عباس کی موت کے بعد

حسین صرف ظاہری شکل و صورت رہ گئے تھے۔ زندہ صورت تھے، درحقیقت زندگی ختم ہوگئی تھی

بیٹوں اور بھائیوں کی موت نے روحِ حیات سلب کر لی تھی۔ چلتے پھرتے جسم رہ گئے آثارِ زندگی

مٹ گئے تھے۔ اس شہید کا ایک نرالا غم یہ بھی تھا کہ باقی شہداء و بھائی ہاشم کی لاشیں جوں توں غموں

میں پہنچی مگر لاش برادرِ خیمے میں نہ پہنچ سکی، باقی لاشوں پر تو سیدائوں نے سر کے بال کھولے

ماتم کیا۔ مگر عباس کی لاش کے لئے ترستی رہیں۔ لاش خیمے میں کیوں نہیں گئی کٹی وجہ ہیں۔

لاش اس قدر مجروح ہو چکی تھی کہ اٹھانے کے قابل نہ تھی۔ کیونکہ پانی روکنے کے لئے سپاہ

عمر بن سعد نے اس مردِ چری پر زیادہ حملے کئے۔ کسی جاہد پر اتنے تیر نہیں برسائے گئے جتنے غازی

پر تیروں کی بارش ہوئی۔ ان کا نشانہ بدنِ عباس کے علاوہ مشکِ عباس بھی تھی اور مشک

کے حقے کے تیر بھی یہ اپنے بدن پر لیتے رہے۔

پہلے شہیدوں کی لاشیں اٹھوانے کے لئے کچھ جمعیت باقی تھی، جو لاشیں اٹھوانے میں مدد

دیتے تھے۔ زخموں کی اس قدر کثرت تھی کہ فرزندِ رسول لاش پر بوسہ دینے کے لئے جھکے تو بوسہ

دینے کے لئے کوئی جگہ نظر نہ آئی۔ اب جمعیت تو ختم ہو چکی تھی اور حسین کی طاقت زائل ہو چکی

تھی۔ کمر ٹوٹ چکی تھی۔ مرنے والا کوئی معمولی جوان نہ تھا۔ چونتیس برس کا کرمیل جوان تھا۔

حسین لاش اٹھانہ سکتے تھے۔

یہ باب انوائج اور مقبول وسیلہ ہیں۔ باقی شہداء سے علیحدہ۔ ان کو حاجات براری کے لئے اور مرجع خلافتی ہونے کے لئے الگ مقام دیا گیا۔ جن کا روضہ مبارک کرامات و معجزات کا منظر ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب فرزند رسول لاش برادر پر پہنچے تو گود آلود اور شکافہ سر گود میں لیا اور چہرہ منور سے خاک و خون صاف کرنے لگے تو جناب رونے لگے۔ پوچھا: رونے کا کیا سبب ہے؟ عرض کیا: "مولا! اس بات پر روتا ہوں کہ میں آپ کا آخری مددگار تھا۔ آپ نے تو میرا سر گود میں لیا۔ غبار سے صاف کیا۔ مولا جب آپ خاک و خون میں غلطان ہوں گے۔ آپ کے چہرے سے گرد و خون کون صاف کرے گا۔ اور آپ کی لاش پر کون روئے گا۔ اس کے بعد لاش اٹھانے کا قصد کیا تو آواز آئی: مولا! میری لاش خیمے میں نہ لے جائیں۔" کیوں بھائی عباس؟ مولا! میری حسرتیں اور میرے ارمان دل میں رہے میری آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔ اور میں پیاسے بچوں کی آس بچا اور پیاس بھانہ سکا۔ مجھے خوشی ہوتی جب میرے بدن کے ساتھ پانی کی مشک بھی ساتھ جاتی۔ اب بغیر پانی کے میں خیموں میں جانا گوارا نہیں کر سکتا اور العطش العطش کی صدائیں میرا غیور بدن سننے کی تاب نہیں رکھتا۔

حُصَیْنِ یَاوُس و غلگین ہو کر لاش سے اُٹھے۔ علم اٹھایا اور خیمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اشکبار اکھموں، ٹوٹے ہوئے دل اور جھکی ہوئی کمر کے ساتھ حُصَیْنِ خیموں میں آئے۔ حضرات! آپ خود اندازہ لگائیں کہ عباس ایسا غیور و جوان بھائی میدان میں جائے تو کیا بتول کی بیٹیاں خیمے میں آرام سے بیٹھی ہوں گی؟ پانی لینے کے لئے مشک لے کر جائے تو پیاسے بچوں کو کتنی آس و اُمید ہوگی؟

سامعین کرام! جب سے عباس میدان میں سدھارے متواتر کسی جگہ خیمے سے بیٹھ نہ سکیں۔ کبھی کسی خیمہ میں اور کبھی کسی خیمہ میں۔ خصوصاً زہرا جانیوں کی یہ حالت تھی، کبھی زمین پر بیٹھتی تھیں۔ کبھی اٹھتی تھیں۔ کبھی خیمہ کے درپر کبھی قنات کے قریب بے آرامی کے ساتھ عباس کی خبر پوچھتی تھیں۔

بنی ہاشم کے میں بچے ہاتھوں میں پیالے لئے، مرجھائے ہوئے چہروں، کلائے ہوٹوں کھلے ہوئے بالوں اور خاک آلود کپڑوں کے ساتھ درخیمہ پر پانی کی آس لگائے، میدان کی طرف نظر پی جمائے اور آمد عباس کے منتظر بیٹھے تھے۔ ان کے آگے مولا کی پیاری بیٹی

سکینہ تھیں۔ شدت سے مستورات کو انتظار تھا کہ ناگاہ حسین نظر آئے۔ جھکی ہوئی کمرہ عامر کے کچھ بیچ گلے میں ہیں۔ اور آستینوں سے آنسو پونچھتے ہوئے کبھی اٹھتے بیٹھتے آرہے ہیں۔ قرینے سے پہچان گئیں کہ خضر نیک نہیں، عباس کی خیر نہیں۔ بچے حسین کی طرف دوڑے، سب سے آگے سکینہ تھیں۔ پوچھا بابا! چچا جان نہیں آئے۔ رو کر فرمایا، بیٹی وہ تو ہمیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلے گئے۔ بیٹی! تیرے چچا کے بازو قلم ہو گئے۔ مشک تیروں سے چھد گئی۔ عباس شہید ہو گئے۔ عزا دارو! بچوں نے جب یہ خضر سنی ہوگی ان پر کیا کیفیت گزری ہوگی۔

شہزادیاں نہایت بے قراری سے قنات کے پیچھے جمع تھیں۔ باز پارٹنات کا پردہ حرکت کرتا تھا۔ جس طرح ٹھیلی پانی سے باہر تڑپتی ہے۔ شہزادیاں بیقراری کے ساتھ تڑپ رہی تھیں۔ پردہ باہر نکلنے سے روکے ہوئے تھا۔ اندر بیٹھنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ حسین خیمہ کے اندر داخل ہوئے اور کہا: "زینب و ام کلثوم! تمہارا ماں ختم ہو گیا۔ میرا زور کمر مر گیا۔" سکینہ کو گلے لگا کر فرمایا: "بیٹی! تمہارے چچا مجھ سے پانی نہ لاسکے۔" یہ سن کر کہا: "بابا! پانی نہ لاسکے تو خود تو آجاتے۔" نہیں بیٹی! انہیں وہ جگہ پسند آگئی۔ انہوں نے دریا کے نزدیک رہنا پسند کیا۔ فضل و عبید اللہ کے سروں پر شفقت اور بیٹی کا ہاتھ پھیرا۔ سیدائینوں پر موت عباس کی خضر بجلی بن کر گری۔ زہرا کی بیٹیاں غش کھا کر زمین پر گر پڑیں۔ دردناک بکینوں سے زمین تھرا رہی تھی۔ آسمان کانپ رہا تھا۔ بچوں کی چیخ و پکار سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا تھا۔ فضا اداس ہو چکی تھی۔ مایوسی نے جیہیوں کو گھیر لیا تھا۔

یہ نہر لا شہید تھا کہ آخری بار جس کا منہ نہ دیکھ سکیں۔ خیر کی لاشیں پر بہنیں سر کے بال نہ کھول سکیں، نہ گلے لگا سکیں، نہ کٹے ہوئے بازوؤں کے بوسے لے سکیں۔ نہ حلقہ بازو کے ماتم کر سکیں، بال! عباس کے علم کو چوما۔

زینب لیٹ کے دونی عباس کے نشان سے۔ تجھ سا غیور بھیا لاٹے بہن کہاں سے دراصل عباس کی موت سے جنگ کر بلا کا خاتمہ ہو گیا۔ پردہ داروں کی آس و امید ختم ہو گئی۔ بنات رسول اور ہاشمی مستورات نے جس سہارے سفر کا صوبتیں برداشت کی تھیں وہ سہارا ٹوٹ گیا۔ اب سفر کی نوعیت بھی بدلنے والی تھی۔ یہ ایک ایسا بین تھا جس سے پتھر بھی ٹکڑے ہو جاتے تھے، جب دروستانیوں کی دلدوز آواز آتی تھی اب ہماری کون حفاظت کر لگا۔ ہمیں کون آرام کی نیند سلائے گا۔ کون راتیں جاگ کر ہمارا پہرہ دے گا۔ "اللعنة الله على القوم الظالمين"

سوٹھوں مجلس

صراطِ مستقیم کی تشریح۔ امامِ حق کی معرفت۔
حضرت علیؓ کی شہادت۔ حضرت سید الشہداءؓ
میدان میں اور حالاتِ شہادت امامِ پاکؑ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ
”ہیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھ“

ہدایت کا معنی ہے راہ دکھانا اور راہ پر چلانا۔ اہل علم و فضل حضرات نے ہدایت کے دو معنی لکھے ہیں۔

۱۔ راہ دکھانا۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: **اَمَّا تَمُودُ فَمَدِينًا مِّمَّنْ حَرَفَا سَتَحْبُوا لَعَلِّي عَلَى الْهُدَى**۔ ”تو قومِ ثمود، ہم نے ان کو راہ دکھائی مگر انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی“۔ اس آیتِ مبارکہ میں ہدایت سے مراد رہنمائی ہے۔ اسی طرح اس قسم کی اور بہت سی آیات ہیں ”ہدایت“ راہنمائی کا معنی دیتی ہے۔

۲۔ منزلِ مقصود پر پہنچانا۔ جیسا کہ ارشادِ پروردگار ہے: **اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ**۔ ”جس کو تو پسند کرتا ہے اسے ہدایت نہیں دے سکتا یعنی منزلِ مقصود پر نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن خدا جیسے چاہے ہدایت کر سکتا

ہے یعنی منزل مقصود پہنچا سکتا ہے۔ (س قصص آیت ۵۶)

وَمِنْ آيَاتِهِمْ خُرُوجُ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (س انعام آیت ۷۷) "اُن کے آباد و اجداد اُن کی اولاد اور برادران میں سے اور ہم نے ان کو چھ لیا اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کی یہاں سے بھی مراد ہدایت سے "ایصال الی المطلوب" ہے یعنی مطلوب و مقصود تک پہنچا دینا۔ اسی طرح اور بہت سی آیات سے یہی معنی مراد ہے۔

دراصل ہدایت کے تین مرتبے ہیں۔ (۱) راہِ راست دکھانا۔ (۲) راہِ راست پر چلانا اور (۳) منزل مقصود پہنچانا۔ اور یہ تینوں ہادی کی مہربانی کا اثر ہیں۔ پہلا مرتبہ راہ دکھانا عام مہربانی ہے۔ دوسرا مرتبہ راہِ راست پر چلانا خاص مہربانی ہے۔ تیسرا مرتبہ منزل مقصود پر پہنچانا کمال مہربانی ہے۔

اسی طرح ہدایت کی تین منزلیں ہیں۔ راہ دکھانا۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ابھی راہِ راست سے دور ہیں۔ گمراہی میں پھنسے ہوئے ضلالت کی تاریکی میں ڈل گئے پھرتے ہیں۔ ان کی راہنمائی کے لئے خدا ہادی بھیجتا ہے جو انہیں راہِ راست دکھاتے ہیں۔

۲۔ ثبات قدم رکھنا۔ راہِ راست پر چل رہے ہیں منزل مقصود کی نشان دہی انہیں کر دی گئی ہے۔ لیکن پھسلنے کا اندیشہ ہے کئی رہن بھی راہ میں موجود ہیں۔ راہ سے بھٹکانے والوں سے بھی خطر ہے۔ شک و شبہ بھی ساتھ ساتھ ہے۔ بھٹک جانے کا ڈر ہے۔ اس واسطے اس قسم کے لوگوں کے لئے ہدایت کرنے کا مقصد ہے۔ راہِ راست پر ثبات قدم رکھ۔

۳۔ معرفت اور روحانیت کا بڑھنا اور ایک درجہ کمال پر فائز ہوتے ہوئے مافوق مرتبہ کمال کا حاصل کرنا کیونکہ معرفت و روحانیت کی کئی منازل اور کمال کے کئی مراتب ہیں۔ نہ عرفان و روحانیت کی منزلیں ختم ہوتی ہیں اور نہ کمال کے درجات بیک وقت طے ہوتے ہیں۔ سالک جاوہ حق جوں جوں صراطِ مستقیم کی منزلیں طے کرتا جاتا ہے اس کی معرفت اور کمال بڑھتا جاتا ہے لیکن نہ سالک چلتے چلتے تھکتا ہے نہ مراتب ختم ہوتے ہیں اور نہ اس کے ذوق و شوق سلوک کی رفتار رکتی ہے۔ جوں جوں قدت وصال بڑھتی ہے اس کا ذوق ترقی کرتا ہے اور جوں جوں تقرب خدا حاصل ہوتا ہے اس کا شوق آگے بڑھتا ہے۔ یعنی انبیاء مرسلین، ائمہ طاہرین، اولیاء و صالحین اور

مقربین کے لئے ہے۔ اس واسطے گمراہ کے لئے ہدایت کا معنی ہے۔ راہِ راست دکھا اور اس پر چلا۔
مومن اور ہدایت یافتہ کے لئے ہدایت کا معنی ہے راہِ راست پر نہایت قدم رکھنا اور انبیاء و ائمہ علیہم
السلام جب اٰھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہتے ہیں تو وہاں مُراد ہے مراتب کمال بڑھا، زیادہ سے
زیادہ اپنے قریب کر اور ہر ممکن درجہ کمال پہنچنا۔ جس طرح کہ خدا نے فرمایا ہے، اور خطاب ہے
جنابِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طرف ”قُلْ ذٰبِ زُرْنٰی عِلْمًا“؛ اے پیغمبر کہ میرے
پچھو رکھا، میرا علم زیادہ کر۔

”الصراط المستقیم“

(سیدھا راستہ)

صراط : سبیل، طریق ہم معنی الفاظ ہیں۔ منزل مقصود تک پہنچانے والے ذریعہ کو راستہ
کہا جاتا ہے۔ اگر منزل مقصود مادی ہو تو راستہ بھی مادی ہوتا ہے اور اگر منزل مقصود روحانی و
معنوی ہو تو راستہ بھی روحانی و معنوی ہوگا۔

یہاں منزل مقصود مادی نہیں بلکہ ”وصول الی الحق“ یعنی حق تک پہنچنا۔ دوسرے معنی میں خدا تک
رسائی تو یہاں صراطِ مستقیم سے مُراد وہ طریق کار ہوگا۔ جو بندہ کو خدا کا مقرب اور خدا رسیدہ بنا دے
اور خدا تک پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا محبوب اور پسندیدہ بنا دے۔

یوں تو خداوندِ عالم ہر بندہ کے قریب ہے، بلکہ اس کی شہِ رگ سے بھی قریب، لیکن یہ قرب
قدرتی ہے۔ یہاں مُراد ”قرب“ اصطلاحی مُراد ہے۔ اسلامی اصطلاح میں تقرب سے مُراد ”قربِ روحانی“
ہے۔ ”قربِ مکانی“ نہیں۔ بعض اوقات مکانی قرب حاصل ہونے کے باوجود روحانی قرب حاصل نہیں
ہوتا۔ جس طرح کہ حضرت نوح اور حضرت نوح علیہما السلام کی بیویوں کو مکانی قرب تو حاصل تھا۔ ایک
ہی مکان بلکہ ایک ہی جگہ بسر ہوتی رہی، دونوں کی بات نہیں، مہینوں اور برسوں کا عرصہ نہیں، طویل
مدت تک قربِ مکانی رہا۔ زوج اور زوجہ سے بڑھ کر اور کیا قربِ مکانی ہو سکتا ہے۔ لیکن قربِ
روحانی حاصل نہ تھا۔ اس واسطے بالآخر اس قدر دونوں میں دوری پیدا ہو گئی کہ زوجِ جنت
میں اور زوجہ جہنم میں۔ اگر حضرت نوح اور حضرت نوح علیہما السلام کی قبروں کے ساتھ ان کی بیویوں
کی قبریں بنا دی جاتیں تو یہ قرب اور اتصال ان کو کوئی فائدہ نہ پہنچاتا، جب زندگی میں جہنم کا قرب
کوئی مفید نہ ہو سکا تو مرنے کے بعد قبروں کا اتصال کیا نفع دے سکے گا۔

کہتے ہیں کہ گھر دور ہو تو ہو لیکن دل دور نہ ہوں۔ ایک گھر میں دونوں رہتے ہیں لیکن باوجود ایک مکان اور یکجا ہونے کے دل دور ہیں۔ زوجہ سے بڑھ کر اور کس کو صحبت پیغمبر حاصل ہو سکتی ہے۔ لہذا صرف صحبت میں رہنا سہنا نجات کے لئے کافی نہیں۔ اگر صرف صحبت نجات دے سکتی تو ان دونوں پیغمبروں کی بیویاں نجات پا جاتیں۔ لیکن قرآن شہد ہے کہ یہ دونوں جہنمی ہیں۔ جب بیوی اثر نہ لے سکی تو بیوی کے باپ اور بھائی کا اثر قبول کرنا ضروری نہیں کیونکہ وہ تو ایک قدم دور ہیں۔ ہاں باوجود بُعد مکانی کے قرب روحانی حاصل ہے۔ گھر دور ہیں لیکن دل دور نہیں۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے کو دیکھا تک نہیں۔ ایک مدینہ میں ہے دوسرا یمن میں جس کا نام اویس قرنی ہے۔ لیکن اتنا قرب روحانی حاصل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں یمن سے بوئے رحمن سونگھ رہا ہوں۔ انہیں دیدار مبارک حضرت رسالتا ب تو حاصل نہ ہو سکا۔ حنیس کے بابا کی اس خوشبو رحمن نے زیارت بھی کی اور جنگ جمل میں ساتھ بھی دیا۔ زیارت رسول سے محروم رہا اور وحشی رسول کا مددگار رہا۔ بندہ اپنے علم و عمل کی بنا پر خدا کی رضا و خوشنودی حاصل کر کے اس کی خاص رحمت و انعام کا مستحق ہو جائے اور اس کے غضب و ناراضگی سے مامون ہو جائے۔ اس واسطے صراطِ مستقیم سے دینِ اسلام اور شریعتِ مقدسہ مراۃ ہے جس پر عمل پیرا ہو کہ بندہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو کر مقبولِ خدا ہو جائے اور اس کے عوض میں ’رِضْوَانِ الہی‘ کا مورد بن کر نعمات اور دائمی خوشگوار زندگی حاصل کر لے جس طرح کہ منزلِ مقصود مادی آنکھوں سے نہیں دیکھی جاتی اسی طرح اس کا راستہ بھی بصارتِ ظاہری سے بند ہے۔ اسے بصیرت یعنی دل کی آنکھوں اور عقل کی فکر سے پہچانا جاتا ہے۔

صراطِ مستقیم کی پہچان

مالک یعنی راہ چلنے والے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے منزلِ مقصود کا تعین کرے اور پھر اس منزل تک پہنچانے والے راستے کی معرفت حاصل کرے۔ اگر منزل کوئی متعین نہیں۔ نصب العین اور نظریہ کوئی قائم نہیں تو وہ آوارہ گرد ہے اور اس کا سفر بے معنی اور سلوک بے مقصد اور بے فائدہ ہے۔ محنت و لگائیں۔ اسی طرح راستے کی پہچان نہیں ہے۔ صحیح راہ سے بے خبر ہے۔ منزلِ مقصود معین ہے لیکن راہ اور منزل میں کوئی رابطہ نہیں، کوئی تعلق نہیں۔ منزل راہ سے بیگانہ اور راہ منزل سے جدا۔ تو چلنے والا جتنا سفر کرے منزل سے نا آشنا رہے گا۔ اس کی تمام مشقت ضائع ہو جائے گی۔ مثلاً کسی شخص نے کراچی جانا ہے اور وہ پشاور کا رخ کر کے پشاور جانے والی سڑک پر گا منزل

ہو جاتا ہے۔ تو وہ جتنا سفر کرے گا منزل سے اتنا ہی دور ہوتا جائے گا۔ جس قدر تیزی سے مسافت طے کریگا اسی قدر منزل مقصود سے دور ہوتا جائے گا۔ بے چارہ غمت و مشقت کر رہا ہے۔ مصروفِ عمل ہے جہاں تک اُس کے عمل کا تعلق ہے اس میں وہ کوتاہی نہیں کر رہا عمل پر زور ہے۔ لیکن اس کا عمل بجائے فائدہ کے نقصان پہنچا رہا ہے۔ اور نفع کی جگہ زیان حاصل ہو رہا ہے۔ یہ اس واسطے کہ صراطِ مستقیم کی معرفت سے محروم ہے۔ عمل ہے لیکن معرفت نہیں۔ اس واسطے وہی عمل نفع رساں ہوتا ہے جو صحیح معرفت کے تابع ہو۔ لہذا خدا تک پہنچنے، اس کا تقرب حاصل کرنے اور اپنے اعمال کا ثمرہ حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے بندہ "الصراطِ المستقیم" کی پہچان کرے۔ اسی طرح روحانی اور ایمانی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے روحانی و ایمانی صراطِ مستقیم کی معرفت حاصل کرے لہذا معرفت پہلے ہے اور عمل اس کے بعد۔

تَقَرُّبٌ اِلَى اللّٰہِ پس تقرب اور وصل حاصل کرنے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں ۱۔ منزل مقصود کا تعین ۲۔ راستے کی پہچان ۳۔ سلوک۔ یعنی اس راہ پر چلنا منزل کا تعین نہیں تو آوارہ گردی اور بے مقصد سیر بے فائدہ سفر راہ کی معرفت نہیں تو پھٹکتے پھرتا ڈانواں ڈول پھرتا تاریکی میں ہاتھ پاؤں مارنا، آخر تھک مار کے بیٹھ جانا۔ اگر منزل بھی متعین ہے۔ راہ کی پہچان بھی ہے۔ لیکن چلنے والا چلتا نہیں، پاؤں کو حرکت نہیں دیتا۔ بیٹھا بیٹھا، پڑا پڑا منزل مقصود لپکا رہا ہے۔ منزل مقصود کے نام کا ورد کر رہا ہے۔ تو صرف پکارنے سے رسائی ٹھوڑی ہو جاتی ہے؟ وہاں عمل کی ضرورت ہے۔ منزل پر پہنچنے کیلئے چلنا بھی ضرور کا ہے۔ کوئی نظریہ بھی ہو وہ منزل مقصود ہے۔ اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ "صراطِ مستقیم"۔ منزلیں جدا جدا ہیں۔ اُن کے راستے بھی جدا جدا ہیں۔ مثلاً بیمار ہے، اس کی منزل مقصود "تندرستی" ہے۔ اسے منزل تک پہنچنے کے لئے راستہ چاہیے۔ اور وہ راستہ اس کا علاج ہے۔ اگر جاہل، غلط مصنوعی طبیب و ڈاکٹر کے پاس جئے گا تو منزل مقصود یعنی تندرستی تک نہ پہنچے گا، کیونکہ جس راہ پر چلے گا وہ مستقیم نہیں، راہ غلط ہے۔ وہ منزل سے زیادہ دور چلا جائے گا۔ یعنی اس کا مرض بڑھے گا۔ اگر ماہر طبیب اور قابل ڈاکٹر کے پاس بغرض علاج کیا تو یہ راہ "صراطِ مستقیم" ہے۔ لیکن "صراطِ مستقیم" کا صرف پہچان لینا کافی نہیں، اس پر چلنا بھی ضروری ہے۔ طبیب نے جو نسخہ تجویز کیا ہے اسے مریض گلے میں ڈال لے یا ہاتھ میں تھامے رہے۔ اس کی دواؤں کا ورد کرتا رہے۔ رٹ لگاتا رہے تو وہ صحت سے ہلکا نہ ہوگا۔ صحت کی منزل سے وہ جب قریب ہوگا جب اس

نئے کو استعمال کرے گا۔

ہماری منزل مقصود ہے تقرب خدا، محبت خدا، خدا تک رسائی، مرض ضلالت کا مریض، صحت روحانی کا طلب گار ہے۔ اگر وہ مستند روحانی طبیب کے مطب میں جلے گا، صحیح ہادی اور سچے پیشوا کا دامن پکڑے گا تو روحانی امراض سے نجات پائے گا۔ ضلالت کی تاریکی سے نکل کر جلوہ گاہ ہدایت میں قدم رکھے گا۔ اگر طبیب روحانی کے شفا خانہ میں پہنچ کر اس نے استعمال نسخہ کا سفر طے نہیں کیا تو صحت کی منزل سے دور ہی رہا۔ بعض بد نصیب صحیح ہادی اور سچے پیشوا کی معرفت سے محروم رہ کر ضلالت کی وادی میں بھٹکتے رہے اور بعض امام حق کو پہچان کر سچے ہادی کو مالی کر، صراط مستقیم کو جان کر ان کی راہ پر چلے نہیں، عمل کے پیروں کو حرکت نہ دی، صرف منزل اور اس کی راہ کی رٹ لگاتے رہے وہ بھی منزل سے دور ہی رہے۔ لہذا شیعہ حضرات اس غوش فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ سچے ہادیوں کو صرف پہچان کر جنت کا ٹکٹ لے لیں گے، نہیں۔ علی پیروی بھی ضروری ہے۔ عمل، عمل، عمل ضروری ہے۔

صراط مستقیم کی پہچان

صراط مستقیم کی پہچان ضروری ہے۔ کیونکہ منزل مقصود پر سالک کو پہنچانے والی یہی چیز ہے۔ سالک اور منزل کے درمیان یہی ذریعہ و وسیلہ ہے۔ صراط کسی فنے کا دروازہ ہوتا ہے، اور اسی کے ذریعے انسان اس میں داخل ہوتا ہے۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے

وَإِذَا اتَّيْتِ الْأَمْسَرَ مِنْ غَيْرِ بَابِهِ
ضَلَلْتِ وَإِنْ تَقْصِدِي إِلَى الْبَابِ تَهْتَدِي

جب تو کسی کام کے بغیر دروازہ پائے تو گمراہ ہو جائے گا، اور اگر تو دروازے کا قصد کرے تو ہدایت پا جائے گا۔

اس واسطے تو دیکھ کہ تیری منزل کیا ہے؟ تو نے کہاں جانا ہے؟ یقیناً تیری منزل مقام مصطفوی اور در رسول ہے۔ اگر محمد مصطفیٰ تک پہنچ گیا تو یقین جان کہ خدا تک رسائی ہو گئی۔ "وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ - قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ" (پ ۷) تو کہہ دے اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا تم سے محبت کرے گا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں

بصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ دوست اگر باد نرسیدی تمام بولہبی است

اپنے آپ کو محمد مصطفیٰ تک پہنچا دے کہ وہی سب کا دین ہیں، اگر تو وہاں تک نہ پہنچا تو تیرے تمام اعمال ابولہب تک پہنچائیں گے۔ جس کا مقام نار جہنم ہے۔

اور پیغمبر اسلام نے اپنے تک پہنچانے کا راستہ اور دروازہ امت کو بتا دیا ہے کہ اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ عَلَى بَابِهَا۔ میں علوم دین کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ مزید بتایا مَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَأْتِهِ۔ جو شخص اسلام دین کی معرفت صراطِ مستقیم کی پہچان چاہے وہ اس دروازہ پر آئے۔ جو اس دروازہ پر پہنچ گیا، وہ صراطِ مستقیم پر گا مزن ہو کہ منزلی مقصود پر پہنچ گیا۔

شد فیض یاب ہر دوسرا از درِ علیؑ

بے بہرہ آنکہ گشت حُدا از درِ علیؑ

بکشتود مصطفیٰ در حیدر بمسجدش

یعنی کہ میری بحث حُدا از درِ علیؑ

دروازہ علیؑ سے دونوں جہان فیض یاب ہیں۔ وہ شخص فیض سے محروم رہا۔ کہ جو در علیؑ سے حُدا ہوا۔ جناب محمد مصطفیٰ نے جناب حیدرؑ کو آد کا دروازہ مسجد کی جانب کھلا رکھا، باقی تمام صحابہ کے دروازے جو مسجد کی طرف کھلتے تھے بند کر دیئے، یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ علیؑ کے در سے ہی حُدا تک رسائی ہوتی ہے۔

اگر کسی وقت راہ چلتے والا راہِ راست کی پہچان میں پریشان ہو تو اس سے راہ دریافت کرے جو راہ سے باخبر ہو۔ اسلام، صراطِ مستقیم ہے۔ اس کی رہنمائی وہی کر سکتا ہے جو اسلام کے تمام امور، اصول و فروع اور جملہ احکام قرآن سے واقف ہو، کیونکہ یہ تمام امور اسلام میں شامل ہیں۔ احکام اسلام سے ناواقف رہنمائی نہیں کر سکتا۔ اس واسطے ہر تین حکومتیں مسائل اسلام اور احکام قرآن سے ناواقف تھیں۔ جب ہی مسائل دین حل کرنے سے عاجز آکر در علیؑ پر سائل بن کر آتے تھے۔ اس سے ان کی دین سے بے علمی ظاہر ہوتی تھی۔ دین سے بے علم اسلام کا رہنما نہیں بن سکتا۔ اسلام کا رہنما تو وہ ہے جو ہر مشکل کو حل کر کے مسائل کی تشنگی بھجوا دے اور مدینۃ العلم بن کر صراطِ مستقیم کی رہبری کر سکے۔

چنانچہ جناب شاہ عبد العزیز دہلوی اپنی موقر کتاب 'تفسیر عزیزی' میں اَلْحَمْدُ اور حروف مقطعات کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ تمام حروف مقطعات کو یکجا جمع کرنے سے ایک جملہ بنتا ہے: صِرَاطُ عَلِيٍّ حَقٌّ مُسَيِّكٌ۔ علی کا راستہ حق ہے جسے ہم مضبوطی سے پکڑتے ہیں جب

علی کا راستہ حق ہے تو جو راہیں صراطِ علی کے مقابل اور مخالف ہوں وہ باطل ہیں۔ لہذا راہِ علی پر چلنے والا تو منزلِ مقصود پر پہنچ جائے گا اور مخالف راہِ علی کسی راہ پر چلنے والا بے شکست رہ جائے گا، جتنا چلے گا منزل سے دور ہی رہے گا۔

نیز تفسیرِ تعلیٰ اور معالم التنزیل میں زیرِ آیت 'اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ' ہے، عن مسلم بن حبان کمال سمعت ابا سبیر یذکر یقول صراط محمد صلی اللہ علیہ وسلم والہم یسلم بن حبان کہتے ہیں کہ میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ صراطِ مستقیم سے مراد پاک پیغمبر اور ان کی آل کا راستہ ہے۔ علاوہ ازیں ایک یہ بھی پہچان ہے کہ جنہوں نے دین کو پھیلانے، قوت دینے، اور اسلام کی حفاظت کے لئے قربانیاں دی ہیں وہی سچے دین کے حامی ہیں۔ کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین سے فائدہ اٹھایا، گھر بھرے، کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین کو فائدہ پہنچایا اور دین کی خاطر بھرے گھر باٹے، وہ دین کے سچے حامد و مدد ہیں۔

حضرات! اگر دین پر خرچ ہوا ہے تو ابوطالب کے گھرانے کا، کسی کا کچھ خرچ نہیں ہوا۔ باقی لوگوں نے تو کمایا۔ مگر آلِ ابیطالب نے ہمیشہ قربانیاں دے کر شجرِ اسلام کی حفاظت کی۔ کہ بلا میں کون سا خاندان اجڑا۔ کس کا گھرانہ برباد ہوا۔ کس کا گلشن تاراج ہوا۔ ابوطالب کا سارا گھرانہ کہ بلا میں قربان ہوا۔ اولادِ عقیل، اولادِ جعفر طیار، اولادِ علی، اولادِ حسن اور اولادِ حسینؑ یہ ابوطالب کا گھرانہ ہے۔ یہ سارا گھرانہ مدینہ سے کہ بلا آیا اور سارے کا سارا گھرانہ قربان ہوا۔ آپ شہداءِ کربلا کے واقعات پڑھ چکے ہیں۔ اور واقعات سن چکے ہیں۔ قافلہ سالار نے اپنا قافلہ پہلے سوئے جنت روانہ کر دیا۔ اب صرف قافلہ سالار تنہا رہ گیا۔ نیچے مردوں سے خالی ہو چکے ہیں۔ ہاں سو گواروں کے لئے ایک نیچے میں شہداءِ بنی ہاشم کی لاشیں رکھی ہیں۔ جو فرزندِ رسول میدان سے لاتار ہوا۔ اور دردِ ستائیاں ان لاشوں پر قائم کرتی رہیں۔ عباس کی لاش مجبور یوں کی وجہ سے نہ لاسکے۔

واقعات شہادت حضرت سید الشہداء

حضرت عباسؑ کی شہادت کے بعد حسینؑ کی ساری سپاہ ماری گئی ہے۔ زورِ فوٹ چکا ہے۔ کمر بھک گئی ہے۔ عینِ مذول کی موت نے فرزندِ رسول کو ناتواں کر دیا ہے۔
گر پڑتے ہیں اٹھ اٹھ کے یہ کمزور ہیں شبیر
جیتے ہیں مگر غم سے لبِ گور ہیں شبیر

امام مظلوم کڑیل جوان برادر کی موت میں آستینوں سے آنسو پونچھ رہے ہیں۔ امام مظلوم نے دائیں بائیں دیکھا۔ خیمے مردوں سے خالی ہو چکے تھے۔ جس خیمے میں بیٹھتے تھے اس میں جاں نثار وائیں بائیں قربان ہونے کے لئے تیار رہتے تھے، سونا پڑا تھا۔ اور ایک خیمے میں جوانانِ بنی ہاشم کی لاشیں تیروں، نیروں کے زخم کھلے راحت کی نیند سو رہی تھیں۔ اس لئے کہ شبِ عاشور جاگ کر کاٹی تھی۔ بڑی گہری نیند سو رہے تھے اس واسطے کئی بار پکارا "یا اَبطال الصفا و قُرسان الہججنا" مگر ہمیشہ کی نیند سو رہے تھے۔ کہاں جواب دیتے۔ آپ نے آواز دی۔ اَمَا مِنْ مُغِيثٍ يُغِيثُنَا کوئی مدد کرنے والا نہیں جو ہماری مدد کرے؟ "اَمَا مِنْ مُجِيرٍ يُجِيرُنَا" کوئی دشمنوں سے ہمیں پناہ دینے والا نہیں؟ "هَلْ مِنْ ذَايَتٍ يَذِّبُ عَنْ حَرِّهَا" رسول اللہ! کیا کوئی ایسا نہیں جو حرمِ رسول اللہ سے دشمنوں کو دور کرے۔ کیا بناتِ رسول کا پردہ بچانے والا کوئی نہیں۔

امام مظلوم کے اس استغاثہ سے کائنات متزلزل ہو گئی، عالم امکان میں اضطراب پیدا ہوا۔ شبلیہ کی تنہائی دیکھ کر زمین کہلاتا تھا اٹھی، فضا سو گوار تھی، استغاثہ کی دردناک آواز فضا کو چرتی ہوئی بسترِ بیمار پر جنابِ سجاد کے کانوں میں جاںکوائی، بیمار کر بلانے کو ٹ بدلی، بے چین ہو کر پوچھا پھوچی اماں! بابا ہی تو رہ گیا ہے۔ پھوچی اماں! چچا عباس کہاں ہے۔ اکبر و قاسم کہاں گئے؟ فرمایا بیٹا! سارے مارے گئے۔ دیکھ تو سہی خیام میں کوئی مردہ گیا ہے؟ اب اکیلا تیرا بابا ہی میدان میں ہلّ مِنْ مُغِيثٍ کی آواز دے رہا ہے۔ یہ سننا تھا کہ بیمار کر بلانے پر ر ہوا کڑھے، اٹھتے تھے، لیکن بیماری کی وجہ سے پھر بیٹھ جاتے تھے۔ عصا کا سہارا لے کر اٹھے۔ تلوار سنبھالی اور میدان کو جانا چاہتے تھے۔ جنابِ ام کلثوم نے تمھارے کی کوشش کی، بیٹا! کہاں جاتے ہو، پھوچی اماں! مجھے چھوڑ دو، دیکھو میرا بابا تنہا رہ گیا۔ میں اس کی مدد کو جانا چاہتا ہوں، بیمار میدان کی طرف بڑھتا تھا۔ مگر جنابِ کلثوم روک لیتی تھیں۔ اس اثناء میں امام مظلوم کی نظر پڑی۔ فرمایا: اختاہ احبیہ "مہن اے روک لو کہ زمینِ حجتِ خدا سے خالی نہ رہ جائے، جنابِ ام کلثوم اور جنابِ زینب نے بیمار بچے کو گلے لگایا۔ تسلیاں دیں اور سہارا دے کر بسترِ بیماری پر لٹا دیا۔

جناب علی اصغرؑ کی شہادت

میدان میں تو امام مظلوم صدائے استغاثہ کر رہے تھے۔ اور خیام میں مستورات کی

صدائے ماتم بلند ہوئی۔ شبیر کی تنہائی اور غربت بہنوں سے دیکھی نہ گئی، کہرام ماتم برپا ہو گیا۔ امام مظلوم خیمے میں تسلی دینے کے لئے آئے، یہ تسلی کہاں تک خاموشی کر سکتی جن کا بھر گھر ایک دن میں اتر گیا ہو، جن کے سامنے بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجیوں کی لاشیں پڑی ہوں وہ گریہ کس طرح ضبط کر سکتیں۔ بہر حال امام مظلوم تسلی دے رہے تھے کہ اس آئندہ میں کم سن، شیر خوار چھ ماہ کے علی اصغر کے رونے کی آواز مظلوم کو بلا کے کانوں میں پڑی۔ جو شدت پیاس سے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ ماں دودھ پلانے سے معذور تھی۔ باپ پانی پلانے سے مجبور، معصوم بچہ بار بار زبان باہر نکالتا تھا۔ اس دردناک منظر نے اہل بیت کو اور زیادہ مغموم کر دیا۔ امام مظلوم نے جناب ام المصائب سے فرمایا: **يَا وَلِيَّتِي وَلَدِي الصَّغِيرُ حَتَّى اَوْدَعَهُ**۔ بہن میرے صغیر بیٹے کو دلیکر کولا دے تاکہ میں اس سے دوا کر لوں۔ جناب شریکۃ العین نے پیسے معصوم کو حسین کے ہاتھوں میں دے کر کہا: **اماں جابا**! اصغر بہت پیاسا ہے کئی دن سے پانی نہیں پیا۔ ماں دودھ پلانے سے معذور ہے۔ اس واسطے کچھ پانی کا انتظام کر لو۔ اپنی زندگی میں اسے پانی پلا دو، بھائی! تمہارے بعد کوئی پانی پلائے گا۔

اس خیال سے کہ معصوم بچہ ہے کسی مذہب و ملت میں بچہ تصور وار نہیں سمجھا جاتا۔ فوج اشقیاء میں بھی صاحب اولاد ہیں۔ شاید کسی کو ترس آجائے، امام مظلوم نے بچے کو ہاتھوں میں لیا۔ لیکن سارے دن کا معمول بیٹیوں کو معصوم کی موت کا تصور دلارہا تھا۔ کسی دل اور کسی جگہ سے معصوم ملی کو سوئے میدان رواذ کیا ہوگا۔

دستور ہے کہ بچہ جب ماں سے جدا ہوتا ہے، روتا ہے اور روتی ہوئی آنکھوں سے ماں کی طرف بار بار دیکھتا ہے۔ ماں نے خشک ہونٹوں اور مروحائی ہوئی صورت کو چوما۔

جھک جھک کے جو فرزند کا منہ پاس سے دیکھا

ماں کو علی اصغر نے جب پیاس سے دیکھا

حسین نے صغیر کو ہاتھوں پر اٹھایا۔ دیکھا معصوم بچہ زبان کو منہ میں پیاس کی دھبے چپا

رہا ہے

جھانی ہوئی زردی تھی جو دل بند کے منہ پر

فرزند رسول اپنے نئے فرزند کو لے کر میدان میں آئے، کس لئے آئے، امت جد سے پانی مانگنے کے لئے آئے۔ **آہ! ساقی کوثر کا فرزند کوئیم بن کوئیم**۔ محمد کی فوج کو صحرائے بے آب میں پانی سے

لہذا بقیہ اب کہہ دیئے آج بوند پانی کے لئے کمینوں سے سوال کرتے ہیں۔ حضرات یہ مرحلہ بھی بہت دشوار اور
 جگہ گداز ہوتا ہے جب کوئی کریم سائل بن کر لٹیم (کہنے) کے پاس آئے، بقراط سے کسی نے پوچھا:
 "موت سے کوئی چیز زیادہ تلخ بھی ہے؟" اس نے کہا: "ہاں! ایک کریم کا لٹیم کے پاس سوال کرنا۔"
 فرزند رسول سے بڑھ کر اس زمانے میں کون کریم تھا اور ان اشتیاء سے بڑھ کر کون لٹیم تھا۔
 امام مظلوم کریم بن کریم پچہ اٹھا کے اُمتِ جد کے سامنے آئے اور ان لفظوں سے سوال آب کیا:
 "يَا قَوْمِ قَدْ قَتَلْتُمْ شَيْعَتِي وَاهْلَ بَيْتِي وَقَدْ بَقِيَ هَذَا الْبَطْلُ وَبَلَكُمْ اسْقَوْ هَذَا
 السَّرَّ ضَيْعٌ اَمَّا تَرَوْنَهُ يَسْلُطُ عَلَيَّ عَطَشًا مِنْ غَيْرِ ذَنْبٍ۔" لوگو! تم نے میرے انصار و اہل بیت
 کو قتل کر دیا۔ اب ہمارے گھرانے میں یہی صغیر بچہ رہ گیا ہے۔ میرے گھر کا تم نے خاتمہ کر دیا۔
 اب اس معصوم بچے پر تمہیں رحم نہیں آتا۔ دیکھو تو سہی یہ بے گناہ اور بے قصور بچہ کس طرح شدت
 پیاس سے جل رہا ہے۔ تمہیں ترس نہیں آتا۔ اس شیر خوار کو تو پانی پلا دو۔ اس کے بعد مولانا معصوم
 چہرے سے چادر کا دامن ہٹایا۔ منہ فوجِ اشتیاء کی طرف کیا۔ اور ساتھ ہی جناب اصغر سے فرمایا:
 "بَنِيَّاءُ تَوَجَّهْتَ خُذْ كَافِرْزَنْدَہِ۔" حجت تمام کر۔ معصوم بچے نے سوکھی زبان ہونٹوں پر پھیری، یہ
 ایسا دردناک منظر اور رقت خیز حالت تھی کہ سنگدل بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ واقعی بچہ تو
 بے قصور ہے اگر اسے پانی پلا دیا جائے تو کیا جرم ہے۔ فوجِ اشتیاء میں مہمہ پیدا ہو گیا۔ بعض ظالم تو منہ
 پھیر کر رونے لگ گئے، بعض صاحبِ اولاد شقیوں کے دل بھرتے۔ آنکھوں سے دیکھا نہ گیا غرضیکہ
 فوجِ ابنِ سعد کی کیفیت بدل گئی۔ اور حسین کے ننھے اصغر نے فوجِ کوفہ میں ایک ایسا تاثر پیدا کر دیا۔
 کہ سنگدل بھی آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکے۔ اس واقعہ کو جناب میر انیس مرحوم نے منظوم بیان کیا ہے۔
 کی آہ کسی نے کوئی منہ پھیر کے رویا دامن کسی جلاوٹے آنکھوں سے جگھویا
 ہر شخص کے اک تیر لگا قلب پہ گویا بولا کوئی ایمان بھی گیب دین بھی کھویا
 یوں پھول کوئی دھوپ سے مرجھا نہیں جاتا
 بچے کا یہ عالم ہے کہ دیکھا نہیں جاتا
 پسرِ سعد نے فوج کی بدلی ہوئی حالت دیکھی تو فوراً حرم کو پکار کر کہا: اقْطَعْ كَلَامَ الْخُسَيْنِ۔
 حسین کی بات ختم کر یعنی اس بچے کا کام تمام کر دے۔ واضح رہے کہ یہ حرم بن کاہل ملعون کوفہ کا مشہور
 تیر انداز اور ماہر نشانہ باز تھا۔ تیر انداز کا افسر تھا۔ اسی شقی و نہایت نے جناب عباس کی آہ اس
 کیا تھا۔ اسی ملعون کی تیر بارانی سے غازی کا بدن چلنی ہوا تھا۔ اور اسی کے تیر سے غازی کی مشک

چھدن گئی تھی اور پانی خاک پر بہہ گیا تھا۔ اس زمانے میں اتنے بڑے اور نوکدار تیر ہوتے تھے کہ ایک تیر سے بھی جوان آدمی کا کام تمام ہو سکتا تھا۔ اور بعض اس قسم کے تیر تھے جن کی تین نوکیں ہوتی تھیں۔ کوفہ کے اسلحہ سازوں نے کچھ ایسے ہتھیار خاص طور پر تیار کئے تھے، زہرا کا گھر برباد کرنے کے لئے نیزوں اور تیروں کی نوکیں تیز کر دی تھیں۔ کیونکہ جتنا ہتھیار تیز اور مضبوط ہوتا اسی قدر قیمت زیادہ ملتی تھی۔ اس ملعون نے وہ تیر کمان میں رکھا جس کی لمبائی جناب اصغر کے قد سے زیادہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس شقی کا ہاتھ بھی کانپا۔

حارث نے کئی بار کمان کھینچ کے رکھ دی دیکھا کبھی اصغر کو کبھی تیر کو دیکھا ابن سعد کے حکم سے اس کیلئے دل کو سخت کیا اور وہ تیر چڑھایا جس کی تین نوکیں تھیں کیونکہ ابن سعد کی طرف سے حکم تھا کہ بچہ زندہ واپس نہ جائے۔ معصوم بچہ حسین کے ہاتھوں پر تھا۔ منہ قوم اشتیاق کی طرف تھا۔ کہ یہ تیر معصوم کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ چونکہ تیر وزنی تھا، اس واسطے ایسا دھچکہ لگا کہ صغیر کا رخ باپ کے ہاتھوں پر بدل گیا۔ فَاثْقَلَتِ الصَّغِيرُ عَلَى بَيْدَى اَبِيهِ۔ بچہ باپ کے ہاتھوں پر منقلب ہو گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ تیر ایک کان میں لگا اور نوک دوسرے کان سے پار نکل گئی۔ خون کا فوارہ باہر نکلا۔ اور وہ باپ کا لالہ باپ کے ہاتھوں پر ترپ کہ مال کی آغوش برباد کر گیا۔ دستور ہے کہ مال کا دل ہمیشہ چھوٹے بچے سے بہلتا ہے۔ کم سن بچیاں گود والے بچوں سے بہت مانوس ہوتی ہیں۔ پر ویس میں رباب کی آنکھوں کا جو تار اور دل کا سہارا تھا وہ ٹوٹ گیا، اور جناب سکینہ کا بہلاوا جاتا رہا۔ حسین کے خزانے میں یہ آخری لالہ تھا جسے بارگاہِ ایزدی میں پیش کر دیا۔

حسین کے دل پر کیا گزری ہوگی جبکہ کہیم کے سوال کا اس طرح جواب دیا گیا۔ عزادارو! حسین کو لاش اٹھانے میں تو کوئی دشواری پیش نہ آئی ہوگی کیونکہ چھ ماہ کا صغیر تھا۔ لیکن ایک دشواری ضرور پیش آئی۔ جو جوانوں کی لاش اٹھانے سے کم نہ تھی۔ ہائے ہائے کس دل سے مولا نے معصوم کی گردن اور کانوں سے تیروں کی نوکیں نکالی ہوں گی۔ جواں بدن سے ٹوٹا ہوا نیزہ نکالنا اتنا دشوار نہیں جتنا کہ معصوم بدن سے تیر کی نوک دشوار ہے۔

مولائے فظلم نے جب تیر نکالا تو خون کی دھار نکلی، جو مولائے ہاتھوں پر لے لی، منہ آسمان کی طرف کر کے کہا: خدایا! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر، ان ناکاروں نے مدد کے لئے بلا یا تھا۔ مگر میرا بھرا گھر آج برباد کر دیا۔ خدایا! میرے پاس یہ آخری قربانی تھی جسے تیرے

حضور پیش کر دیا ہے۔

باقی لاشیں تو امام مظلوم خیمے میں لے گئے۔ لیکن کسی مصلحت سے اس شیر خوار کی لاش شہداء بنی ہاشم کی لاشوں میں نہ رکھی۔ تلوار سے ایک چھوٹی سی قبر کھودی اور اس معصوم میت پر نہا نماز جنازہ پڑھی۔

عزا دارو! وہ شخص کس قدر غریب و بے کس شمار کیا جاتا ہے جس کے ساتھ دفن کرنے کے لئے قبرستان میں کوئی نہ جائے۔ یہ جس کے عزیز پر نماز جنازہ پڑھنے والے کم ہوں۔

حضرات! یہ نہالا شہید تھا جس کی معصوم اور نچھی میت پر امام مظلوم نے نماز جنازہ پڑھی، پڑھائی نہیں۔ پڑھائی جب ہوتی جب چھپے کوئی پڑھنے والا ہوتا۔ نمازی مولا کے تمام رخصت ہو گئے تھے، تنہا امام باقی تھا۔ اور تنہا مولا نے رباب کے اس معصوم تارے کو قبر کے سپرد کر دیا۔ مٹی برا بر کی۔ قبر بنائی اور دامن بھاڑ کے اٹھ کھڑے ہوئے، بارِ الہا! اب میرا گھر خالی ہو گیا ہے میرے پاس مردوں میں کوئی قربانی باقی نہیں رہی۔

نچھی سی قبر کھود کے اصغر کو گاڑ کے
شبیر اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو بھاڑ کے
إِلَّا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

حضرت سید الشہداء میدان میں

مخدراتِ عصمت سے پہلا واقع

انصار و اقرباء رخصت ہو چکے ہیں۔ اب پسرِ بتول کی بادی اور پردہِ سبکینہ کی تیاری ہے۔ منہ بھگام عصرِ قریب ہے۔ غریبِ کربلا زندگی سے مایوس اور طائرِ عالم لاہوتِ موت سے مانوس ہو چکا ہے۔ کئی روز کا بھوکا پیاسا صدموں اور دکھوں میں آڑا یا ہوا، اُمتِ جَد کا بے حور ستایا ہوا، رات بھر کا جاگا ہوا۔ لاشیں اٹھا اٹھا کر دن بھر کا تھکا ہوا، اپنا مہذبہ جانے کے لئے سوئے میدانِ جلنے سے پہلے اہلِ حرم سے وداع کرتا ہے۔ شیعو! مظلوم کہ بلا کا بیواؤں اور بے سہاراؤں سے رخصت ہونا اور یتیموں اور بے آسرا بیبیوں کا حسین کا دامن بچرنا اور یہ کہنا کہ ہمیں کس کے سہارے چھوڑ کر چلے ہو، آپ تو جا رہے ہیں، ہم کہاں جائیں، ہمارا کون ہے؟ پھر مستورات کا سر پٹیا اور یتیم بچوں کی درو بھری فریادیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کی گھنٹی تھی۔ اور جناب سید الشہداء کی خیام میں بے آسرا مستورات اور بے سہارا یتیموں سے رخصت بہت معصیت ہے۔ جناب ثقۃ الاسلام محدثِ توری قدس سرہ اپنی کتاب ”دارالسلام“ میں ایک مرد صالح فاضلِ حلیل جناب میرزا یحییٰ البحری کا ایک خواب نقل کرتے ہیں۔ وہ عالم و بزرگ بیان کہتے ہیں کہ میں عرَف کے روز کو بلا آیا اور شبِ دہم ذوالحجہ حرمِ شریف سے فارغ ہو کر اپنے مقام پر آیا اور سو گیا۔ عالمِ خواب میں تھا کہ میں نے دیکھا ایک شخص آواز دے رہا ہے کہ ملا محمد باقر مجلسی صحنِ مقدس میں درس دے رہے ہیں۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ صحنِ مقدس کی کسی جگہ پر اس نے اشارہ کرتے ہوئے جگہ کا پتہ بتایا، میں اس جگہ گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی سجد ہے اور اس میں خلقِ عظیم جو علماء و فضلاء پر مشتمل ہے۔ جمع ہے اور علماء تقریباً پانچ سو۔ جناب مجلسی علیہ الرحمہ کے درس میں ہیں۔ اور جناب مجلسی منبر پر درس میں مشغول ہیں، درس سے فراغت کے بعد وہ وعظ میں مشغول ہوئے اور وعظ کے بعد جناب سید الشہداء امامِ مظلوم کے مصائب بیان کرنے لگے۔ اسثناء میں ایک شخص حجرہ سے باہر نکلا۔ اور جناب مجلسی علیہ الرحمہ سے فی طلب ہو کر کہنے لگا کہ مادرِ حسین فرماتی ہیں کہ

ایک عجیب و غریب خواب

مجلی! میرے فرزند کے وداع کے واقعات بیان کرو کہ مستورات ہاشمیہ اور یتیم و یتیم سے بچوں سے میرا مظلوم بیٹا کس طرح مرنے کے لئے رخصت ہوا۔ جناب مجلسی نے حضرت سید الشہداءؑ کا خیام سے وداع کے مصائب بیان کئے۔ اس قدر گریہ اور ماتم ہوا کہ زندگی میں میں نے ایسا گریہ و بکا نہ دیکھا تھا۔

حاضرین! سو گوارو! آؤ فرزندِ بتولی چند لمحوں کے مہمان کی خیام سے رخصت کے حالات سنو، ہم الدمعہ الساکیہ سے مصائب وداع بیان کرتے ہیں۔

جب میرے مولا مظلومؑ کو بلا اکیلے و تنہا رہ گئے۔ اپنے بھائیوں کے خیموں میں آئے۔ جہاں ام البنین کے لال کی قیام گاہ تھی۔ دیکھا کہ خیمے خالی ہیں۔ بیشک سے شیر رخصت ہو گئے، ان کی بیواؤں اور یتیموں پر نظر پڑی، یہ روح فرسا منظر دیکھا، دل بھر آیا۔ پھر جناب عقیل کی اولاد کے خیموں میں گئے۔ یہی منظر تھا اپنے بڑے بھائی حسن مجتبیٰؑ کی اولاد کے خیموں کی یہی حالت اور یہی دردناک منظر اصحابِ با وفا کے خیموں کا تھا۔ جن خیموں میں غریب کو بلا جاتا، بیواؤں کی سسکیاں اور یتیموں کے نالے استقبال کرتے۔ دلبندِ بتولیؑ کا دل بھر آیا۔ اور اجڑی ہوئی قیام گاہیں دیکھ کر خیزندہ فاطمہؑ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے ابل پڑے۔ گویا ان اٹلے ہوئے بستروں اور سونی پڑی خوابگاہوں کو دیکھ کر وہ جوانانِ بچی ہاشم آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے جو مدینہ سے ساتھ چلے تھے، اور اب کہ بلایں اسی دن ساتھ چھوڑ کر غلہ بریں کو روانہ ہو چکے۔ قافلہ سالار تنہا کھڑا رو رہا ہے۔ اور قافلہ اپنی منزل پر پہنچ گیا ہے۔

اس کے بعد مستورات کے خیام میں آئے۔ دیکھا کہ ہاشمی شہزادیاں گریاں ہیں۔ سر کے بال پریشان ہیں۔ انہیں وارثوں اور عزیزوں کی موت کا اتنا صدمہ نہیں جتنی مستقبل کی فکر ستاتی ہے کہ آبِ ہمارا کیا ہوگا۔ وطن جانے کی آس ختم ہوئی، مرد کوئی نگہبان نہیں رہا۔ بے حیا اور سنگدل ظالموں کے ہاتھوں ہمارا کیا حشر ہوگا۔

ان خیموں کے بعد اپنے فرزندِ اکبر علیؑ پسر زین العابدینؑ کے خیمے میں داخل ہوئے، چڑے کے بستر پر بیمار پسر کو لیٹے ہوئے دیکھا۔ پھوپھی بھتیجے کے پاس بیٹھی تیمارداری کر رہی ہے۔ تیمارداری کیا تھی۔ بیمار بھتیجے کا دل بہلا رہی تھی، نہ دوا دارو، نہ غذا نہ پانی۔ جناب سجادؑ نے باپ کو خیمے میں داخل ہوتے دیکھا۔ تو اٹھنے کی کوشش کی، لیکن اٹھ نہ سکے، نحیف آواز سے کہا پھوپھی! آماں مجھے سہارا دیں تاکہ میں فرزندِ رسولؐ، پسرِ بتولیؑ، امام زمانہؑ کا احترام کروں، ضعف و نقاہت کی وجہ سے کھڑے تو نہ ہو سکے۔ جناب زینبؑ نے سہارا دیا اور ام المصائب کے سہارے بیٹھ گئے، اس طرح

جناب سجادؑ کی پشت کا سہارا بنتِ رسول تھیں۔

مظلوم پدر نے بیمار سپر سے بیماری کا حال دریافت کیا۔ سجادؑ نے حمد و ثناء خدا بیان کی پھر بیمار سپر نے مظلوم پدر سے یومِ عاشورہ اور میدانِ کارزار کے حالات دریافت کئے، مظلوم آقاؑ نے فرمایا، 'بیٹا! ان لوگوں پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے۔ ان کی دنیا پرستی ان کے دین پر چھا گئی ہے۔ یہ لوگ حرصِ دنیا اور جاگیر کے طمع میں خدا کو بھول گئے ہیں۔ بیٹا! تمام دن میدانِ کارزار گرم رہا۔ زور کا معرکہ جاری رہا۔ زمین کہ بلاخون سے لالہ زار ہو گئی۔ اس آئنا میں جناب سجادؑ کا رنگ بدل گیا۔ پوچھا بابا! چچا عباس کہاں ہے؟ عباس کا نام آنا تھا کہ حضرت علیؑ کا دل بھر آیا۔ بھائی کی طرف دیکھا کہ کس طرح جواب دیتے ہیں۔ ڈبڈبائی آواز میں بتایا تیرا چچا تو شہید ہو گیا ہے۔ اُس کے دونوں بازو معرکہ قتال میں کام آئے۔ جناب عباس کی موت سنتے ہی بیمار کہ بلاغشی کر گئے۔ جب غشی سے افادہ ہوا تو ہر ایک جوانِ نبی ہاشم کے متعلق دریافت کیا۔ اکبر و قاسم، عون و محمد کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا، 'بیٹا! وہ مارے گئے، غرضیکہ جناب سجادؑ ہر ایک کے متعلق دریافت کرتے، امام مظلوم فرماتے، قاتلِ سجادؑ نام لیتے، حسینؑ فرماتے، قاتلِ حسینؑ، آخر میں مولائے مظلوم نے آہ بھر کر فرمایا، 'بیٹا! سوائے تیرے اور میرے کوئی باقی نہیں بچا۔ بیٹا، جن کے متعلق تم نے دریافت کیا ہے وہ سب خاک و خون میں غلطان اپنے عہد و خاک کے رنگِ کربلا پر مقفول پڑے ہیں۔

جناب سجادؑ کے بدن میں خون گردش کرنے لگا، چہرے کا رنگ بدل گیا۔ بے تاب سے بھونچے زینب سے کہا، 'آپ مجھے عصا اور تلوار دے دیں۔ امام مظلوم نے فرمایا، 'بیٹا! عصا اور تلوار لے کر کیا کرو گے؟ عرض کی، 'بابا عصا کا سہارا لوں گا اور تلوار سے جہاد کروں گا، دین کی حمایت آپ کی نصرت اور مستورات کی حفاظت کروں گا۔ فرزندِ رسول کے بعد زندگی میں کیا بھلائی رہ گئی ہے۔ اس وقت میرے مولائے بیمار فرزند کو گلے لگایا اور فرمایا، 'بیٹا! تیرا جہاد تلوار سے نہیں، تیرا جہاد میدانِ کربلا میں نہیں، تیرا جہاد شام کے راہوں اور دشوار گزر گاہوں، کوفہ و دمشق کے بازاروں اور ابنِ یزید کے درباروں میں تقریروں اور خطبوں سے ہوگا۔ اب میرے بعد تو امام ہے۔ میرا خلیفہ ہے اور حجتِ خدا ہے۔ تو بھی اگر میدان میں جلتے تو ان بے وارث بیواؤں اور بے سہارا یتیموں کا کون محافظ ہوگا۔ میرے بعد میرے نانا کی مقدس امانتیں آپ کے سپرد ہیں۔ اور بحرِ غم میں مبتلا مسافر کشتی کے اس مظلوم و بے کس پور کے آپ تلاح ہیں۔ بیٹا اضطراب کے وقت انہیں تسلی دینا۔ یہ آپ سے اور آپ ان سے تسلی حاصل کریں گے۔

اسرارِ امامت اور موارثِ انبیاء کی سپردگی

اسرار و اماناتِ امامت دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض وہ جنہیں امام خود اپنے جانشینی و ولایتِ امام کے سپرد کر لیتا ہے۔ اور خود موجود ہو کر اسرار و موارثِ سپرد کرتا ہے۔ جس طرح کہ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نوزدانِ بغداد سے باعجازِ امامت خود مدینہ جاکر اپنے فرزند جناب امام علی رضا کے سپرد کر آئے۔ یہ تحویل بلا واسطہ ہوتی ہے۔ اور بعض امانات اور تبرکات بلا واسطہ بھی منتقل ہو سکتے ہیں۔ کتبِ تواریخ میں مرقوم ہے کہ اسمِ اعظم و دیگر موارثِ انبیاء امام مظلوم نے بوقتِ وداع جناب امام علی زین العابدین کے سپرد کر دیئے تھے۔ اور جو خیموں میں مستورات اور یتیمی موجود تھے ان سب کو بلا کہ بلند آواز سے فرمایا کہ میرا بیٹا علی زین العابدین تم پر میرا خلیفہ ہے۔ اور میرے بعد امام وقت جس کی اطاعت تم پر فرض ہے۔ اس کی اطاعت کرنا یہ میرے بعد حجتِ خدا ہے۔

اور بعض امانتیں، تبرکات، صحیفے اور سلاح، مدینے سے روانگی کے وقت جناب اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کئے تھے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی واپسی پر ان کے سپرد کر دیں، اور جناب امام علی زین العابدین کو جناب اُم سلمہ کے پاس ان امانتوں و تبرکات سے مطلع کر دیا تھا۔ بعض اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تبرکات اور امانات جناب فاطمہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کے سپرد کئے تھے۔ اور بعض روایات بتاتی ہیں کہ یہ تبرکات عقیلہ بنتی ہاشم جناب زینب سلام اللہ علیہا کی وساطت سے امام زین العابدین تک پہنچائے گئے۔

اس وقت ایک خاص و عابری آپ کے بعد امام اور وارثِ سپرد کو آخری وقتِ تعلیم کی تھی جس کی اہمیت کے پیشِ نظر ہم قارئین کو اس سے مستفید کرتے ہیں وَ هُوَ هَذَا۔

بِحَقِّ يَسِينَ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ وَ بِحَقِّ طَلَّةٍ وَالْقُرْآنِ الْعَظِيمِ يَا مَنْ يُهْدِي عَلَى خَوَاصِّ السَّائِلِينَ وَيُعَلِّمُ مَا فِي الضَّمِيرِ يَا مَنْقَسُ عَنِ الْمَكْرُوبِينَ يَا مُعْرِجُ عَنِ الْمُخْمَرِ مَيْنِ يَا رَاحِمَ الشَّيْخِ الْكَبِيرِ يَا رَازِقِ الطِّفْلِ الصَّغِيرِ يَا مَنْ لَا يَحْتَاجُ إِلَى النَّصِيرِ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَفَعَلَ بِي كَذَا وَكَذَا۔ (کذا و کذا کی جگہ اپنی حاجتوں کا ذکر کرے)

اس جگہ ایک اور دُعا کا ذکر بھی مؤرخینِ کرام نے کیا ہے۔ جو مغایع الجنان اور مصباحِ کنفی وغیرہ کتبِ ادعیہ میں مذکور ہے۔ ہم نے اختصار کی خاطر نقل نہیں کی۔ خواہشمند حضرات کتبِ ادعیہ

کی طرف رجوع کریں۔

مصیبت زوہد بیبیوں اور لاوارث یتیموں کے وداع

زوہد بیبی قبیلہ جہاں سے سفری ہے

اب فاطمہ کا لال چہ درخ سحری ہے

”یا اُحْتَاہ اِیْتِنِیْ یُثَوِّبُ عَنِّیْ لَا یَرْغَبُ فِیْہِ اَحَدٌ مِّنَ الْقَوْمِ اَجْعَلْہُ تَحْتَ تِیَابِیْ لِشَلَا اَحْبَدَ مِنْہُ بَعْدَ قَتْلِیْ فَاِنَّیْ مُقْتُولٌ مَّسْلُوْبٌ“۔ بہن! مجھے ایسا پُرانا کپڑا ملاؤ جس کی طرف پُرانا اور بے قیمت ہونے کی وجہ سے کوئی رغبت نہ کرے، میں اسے ان کپڑوں کے نیچے پہنوں گا کہ میری شہادت کے بعد میرا بدن عرباں نہ ہو جائے، کیونکہ مقتول ہونے کے بعد میرے بدن سے یہ بے حیا اُمت اور بیغا شعار لوگ لباس اتار لیں گے۔

جناب ام المعائب نے حسبِ خواہش پرانا لباس دیا۔ اور پھر غریب کہلانے مزید پھاڑ کر پوشاک کے نیچے پہنا۔ اس پوشاک پر آپ نے جناب رسول خدا صلعم کی چادر اور ہی جعبہ مبارک ایک قیمتی کپڑے کا تھا۔ جس کا رنگ سیاہی مائل تھا اور پر اور گلابی رنگ کا تمامہ سراقہ پر جناب رسول پاک کی زرہ جس کا نام ”فاضل“ تھا۔ بدن پر سجائی۔ تلوار حائل کی اور حسرت بھری نظر سے عیال و اقرباء کی طرف دیکھا اور آواز دے کر کہا:

یا زینب یا اُمّ کلثوم یا فاطمہ یا رباب یا سکینہ علیکم ینتی السلام۔ یہ کہتا تھا کہ یتیموں سے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ اُوْدَاع، اُوْدَاع الْفِرَاقِ الْفِرَاقِ کی صدائیں، مظلوم سیدانوں اور معصوم یتیموں کی زبانون پر تھیں۔ تمام بیبیاں حنین کے آس پاس حلقہ کئے ہوئے تھیں۔ درمیان میں امام مظلوم تھے۔ ہر بی بی کے ہاتھ میں حسین کا دامن تھا۔ کوئی بی بی بھائی کہہ کر پکارتی تھی۔ کوئی ماموں کہتی تھی۔ کوئی چچا، کوئی بابا، ایسے دل خراش بی بی تھے کہ پہاڑ بھی یہ فریادیں سن کر پگھل جاتے، کیونکہ ان دکھی اور دروستائیوں کا آخری سہارا تھا جو ٹوٹ رہا تھا۔

ہاں اس وقت مولائے مظلوم سے ایک بات کہتا ہوں، مولا! جب مکہ سے روانہ ہوتے وقت عبد اللہ بن عباس نے گزارش کی تھی کہ اگر آپ کو عراق جانا ہی ہے تو پردہ داروں اور معصوم بچوں کو ہمراہ نہ لے جائیں، تو آپ نے فرمایا تھا یہ رسول اللہ کی امانتیں ہیں، ان کو کن کے سپرد کر دوں۔ اور یہ بھی مجھ سے جدا ہونا گوارا نہ کریں گی۔ مولا! اب کیا مجبوری بن گئی ہے کہ ان امانتوں

سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے ہو، ان امانتوں کو کس کے سپرد کر کے جا رہے ہو۔ دختر رسول! آپ نے مکہ سے روانگی کے وقت عبداللہ بن عباس سے کہا تھا کہ میں حسین سے جدا نہ ہوں گی۔ جہاں میرا بھائی جائے گا درواری بہن بھی ساتھ جائے گی۔ ہاں! ام المصائب اب کس دل سے مال جائے کو موت کے میدان میں بھیج رہی ہو۔

عزادار و اخدا شاہد ہے۔ بڑا دردناک منظر اور روح فرسا نظارہ تھا۔ یتیم بچے میلے کپڑوں اور پیاسے لبوں کے ساتھ دھائی دے رہے تھے اور بے آسرا بے وارث بیبیاں الگ سرپیٹ رہی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت لیسائی کو اکبر کی موت بھول چکی تھی۔ رملہ کو قاسم یاد نہ رہا۔ اور زینب کو عون و محمد یاد نہ تھے۔ سب بیبیاں اپنے مستقبل کی فکر اور فرزند رسول کے فراق میں اپنا سرپیٹ رہی تھیں۔ اتنے میں جناب سکینہ نے آگے بڑھ کر کہا: ”یا اَبَتِ اسْتَسْلِمْتُ لِلْمَوْتِ؟ فَاِنِ مَعِيَ اَتَكَلَّمْتَنَا“۔ بابا! آپ مرنے کی تیاری کر رہے ہیں، تو ہمیں کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں۔ مولائے مظلوم نے فرمایا: ”كَيْفَ لَا يَسْتَسْلِمُ لِلْمَوْتِ مَنْ لَا نَاصِرَ لَهُ وَلَا مُعِيْنٌ“۔ بیٹی! جس کا کوئی ناصر و مددگار نہ رہے تو وہ موت کو کس طرح قبول نہ کرے۔ اس کے بعد جناب سکینہ نے عرض کی: ”رُدُّنَا اِلَى حَرْحَرِ جَدِّ نَا“۔ بابا تو ہمیں جدا مجد کے حرم مدینہ میں پہنچادیں۔ بیٹی کی یہ دلفگار فریاد سن کر مظلوم و غریب باپ بے چین ہو گئے۔ سینے سے لگا کر ان لفظوں سے پیاری بیٹی کو تسلی دی: ”سَيَطُولُ بَعْدِي يَا سَكِينَةُ فَاَعْلَمِي، مِنْكَ الْبُكَاءُ اِذَا الْحِمَامُ رَدَّ هَانِي“۔ سکینہ بیٹی! میرے بعد تیرے مرنے کی مدت طویل ہوگی، تو بہت روئے گی، جب موت مجھے آئے گی۔ تیرے رونے کے بہت مواقع آئیں گے۔ لا تَحْبِرِي قَلْبِي بِدَمْعِكَ حَسْرَةً۔ مَا دَاوِ مَنِيَّ الشَّوْخُ فِي جُمُعَاتِي“۔ بیٹی! اب تیرا حسرت سے رونا میرا دل جلا رہا ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں، اس وقت تک اس انداز سے گریہ نہ کرو، میرا دل پھٹا جاتا ہے۔ فَاِذَا قُتِلْتُ فَاَنْتِ اَوَّلِي بِالَّذِي تَاْتِيْنِهٖ يَا خَيْرَةَ السَّوَانِ جب میں مارا جاؤں تو اے بہترین دختران تجھے میری لاش پر رونے کا حق سب سے زیادہ ہے۔

اس کے بعد تمام بیبیوں کو صبر کی تلقین کی، تسلی دی، اور خیمہ سے باہر اس طرح آئے، جس طرح ایک شاہ نے کہا۔

شبگیر برآمد ہوئے یوں خیمہ کے در سے
جس طرح نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے

سید الشہداء میدان میں

جناب سید الشہداء امام حسینؑ اسلحہ جنگ زیب تن فرما کر میدان قتال میں آئے، عمر بن سعد کو بلا کر کہا۔ جس طرح ابتداء

جنگ میں تین باتوں میں سے ایک بات کو قبول کر لینے کے لئے میں نے تمہیں کہا تھا، اب انتہائے جنگ پر بھی ان باتوں میں سے کسی ایک کو ماننے کے لئے کہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے واپس مدینہ جانے دے تاکہ میں اپنے جد امجد رسول پاکؐ کے حرم مبارک میں جا بیٹھوں، عمر بن سعد نے کہا: ایسا تو نہیں ہو سکتا، آپ نے دوسری بات یہ کہی کہ مجھے تھوڑا سا پانی دو تاکہ کلیجہ کی حرارت بجھا سکوں، عمر بن سعد نے اس سے بھی انکار کیا۔ مولانا نے تیسری بات یہ فرمائی: کہ اگر تم نے مجھے قتل ہی کرنا ہے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ سوائے میرے اور کوئی باقی نہیں، تو تم میں سے ایک ایک آدمی نکلی کر میرے مقابلہ کے لئے آئے۔ اور اسی طرح لڑائی ہو۔ ابن سعد نے یہ بات منظور کر لی۔ آپ آمادہ جنگ ہو کر دشمن کی صفوں کے سامنے اکھڑے ہوئے اور یہ رجزیہ اشعار پڑھے۔

أَنَا نَبِيٌّ عَلَى الْمَطَهْرُونَ أَلِیْ هَاشِمٍ كَفَافِي بِهِذَا الْفَخْرِ حَبِيبِ الْفَخْرِ
میں طاہر و مطہر علیؑ کا فرزند ہوں جو آلِ ہاشم سے ہیں جب میں فخر کرنے لگوں تو میرے لئے یہی کافی ہے۔

وَجَبَدَنِي رَسُولُ اللَّهِ أَكْرَمُ مَنْ مَشَى وَحَنِي بِسَرَّاجِ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ يَزْهَرُ
میرے جد امجد رسول اللہؐ اشرف ہیں جو سب لوگوں سے بزرگ ہیں۔ اور ہم زمین میں خدا کے روشن چراغ ہیں۔

وَقَا طِمَّةُ أُمِّي مِنْ سُلَالَةِ أَحْمَدَ وَفَيْتَنَا الْهَدَى وَالْوَحْيَ بِالْغَيْرِ يُدْكَرُ
اور جناب فاطمہ بنت احمد مصطفیٰ میری مادر ہیں اور ہم ہدایت اور نزولِ وحی کے احکام ہیں۔ جن کا خیر کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

وَحَنِي أَمَانُ اللَّهِ لِلنَّاسِ كُلِّهِمْ وَكُسِّرَ بِهِذَا فِي الْأَنَامِ وَتَجَهَّرُ
ہم سب لوگوں کے لئے باعثِ امان ہیں۔ ظاہری اور باطنی طور پر لوگوں کو معلوم ہے۔
وَحَنِي وَلَاؤُهُ الْخَوْنِ نَسَقِي مَحَبَّتَنَا بِكَا سِرِّ رَسُولِ اللَّهِ مَنْ لَيْسَ يَنْكُرُ
ہم حوضِ کوثر کے مالک ہیں، اپنے محبوبوں کو رسولِ خدا کے ساغر سے سیراب کریں گے۔

إِذَا مَا أَتَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ ظَا مًا إِلَى الْخَوْنِ يَسْقِيهِ بِكَفِّهِ حَبِيرُ
جب روزِ قیامت ہمارا حوضِ کوثر پر پایا سا وارد ہوگا تو میرے بابا حیدرؑ کو اس کو اپنے

ہاتھوں سے سیراب کر دی گئے۔

امام مطاع وَجِبَ اللَّهُ حَقَّهُ عَلَى النَّاسِ جَمْعًا وَالَّذِي كَانَ يَنْظُرُ
وہ امام واجب اطاعت ہیں تمام لوگوں پر خدا نے ان کا حق واجب کیا اور ہر اس شخص پر
جو دیکھے اور سمجھے۔

وَشَبَّعْنَا فِي النَّاسِ الْكُرُوشِيْعَةَ وَمُبْخَضًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَخْسِرُ
ہمارے شیعہ تلام لوگوں میں ہر گمراہ سے افضل ہیں، اور ہمارا دشمن روز قیامت گھاٹے میں
رہے گا۔

فَطُوْنِي الْعَبْدَ زَارًا بَعْدَ مَوْتِنَا بِحَبَّةِ عَدْنٍ صَفْوَهَا لَا يَكْدُرُ
بس اس شخص کیلئے مبارک ہو جس نے ہماری شہادت کے بعد ہماری مزار کی زیارت کی، اور
جنت کی راحت و نعمتیں ہیں جن میں کسی رنج و غم نہ ہوگا۔

شجاعت حسینہ | امام مظلوم نے تمام محبت کے لئے اپنا تعارف کراتے ہوئے اشقیاء
کو پسند و نصیحت کی۔ مگر ہزاروں کی جمعیت میں کسی مردود نے کوئی اثر نہ

لیا۔ اور جواب نہ دیا۔ آپ نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! جو میرا منصب و فرض تھا ادا کر چکا۔ اب تمہاری کوئی
محبت مجھ پر باقی نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ
ثَقَتِيْ فِيْ كُرْبِيَّةٍ وَعُدَّتِيْ فِيْ شِدَّةٍ وَقَوِيْ فِيْ شَامَةِ وَمَحَانِيْ فِيْ كُلِّ حَالَةٍ اَنْتَ
وَلِيٌّ وَدَلِيٌّ مَا اَلْعَمْتُ عَلَى وَمُسْتَعْلَى كُلِّ غَايَةٍ فَاقْضِنِيْ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ خدا یا! تو
ہی ہر مصیبت میں میرا بھروسہ اور ہر شدت میں میرا سہارا ہے۔ ہر اقدت میں میری قوت اور
ہر حالت میں میری اُمید ہے۔ تو میرا اور ان تمام نعمتوں کا جو تو نے مجھ دی ہیں، اے اللہ! میری
حاجت و آرزو کی انتہا تیری طرف ہے۔ اے ارحم الراحمین میری کفایت کر۔

اب معرکہ قتال شروع ہوا۔ اور حیدر کو آ کر کے فرزند نے ہاشمی شجاعت کے جی بھر کر جوہر دکھائے
لیکن ان کی شجاعت اور دلیری کے واقعات بیان کرنے سے پہلے ان کی مظلومانہ حالات اور اسباب
بے کسی و غربت اور اسباب ضعف و نقاہت کو قلمبند کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین ان کے اسباب ضعف و
نقاہت پر مطلع ہو کر ان کی بہادری، حوصلہ مندی اور دلیرانہ اقدام کی جی بھر کر داد دے سکیں۔
غریب الوطن، سامان خورد و نوش کا فقدان، کئی روز سے بھوکے و پیاسے، بے آرمی و کئی
شب و روز سے متواتر بے چینی و بے قراری جو بہادروں کے اعصاب کو بھی مضطرب کر دیتی ہے۔

دشمنانِ دین اور سگلدی مخالفین کی طعن و تشنیع، دوستوں، محبتوں اور ساتھیوں کا بے دردی سے قتل ہو جانے کا غم، بیٹیوں، بھتیجیوں، بھائیوں اور بھائیوں کے ظلم و جور سے شہید ہو جانے کا صدمہ، لاشوں کے اٹھانے، ان پر رونے، اور ان کی لاشوں سے دشمنوں کو دُور کرنے کے لئے لڑنے کی تھکاوٹ اور زخموں کا اثر، بھرے گھر کی بربادی۔ جناب ابوطالب کے سارے خاندان کی تباہی کا دردناک منظر خود آنکھوں سے دیکھتا اور لاشوں کا بے گور و کفن خاک پر بکھرا ہوا ہونا اور آنکھوں کے سامنے ہونا۔

مستوراتِ ہاشمیات جو اپنے شہر کے اپنے محلہ سے باہر نہ نکلتی تھیں، جو خود اپنے شہر کی گلیوں سے ناواقف تھیں، ان کے بے وارث اور یتیم بچے کے بے سہارا رہ جانے کا غم و فکر بے حیا اور کینہ دشمنوں کے ماحول میں رسولِ علیؑ کی بیٹیوں کا گھر جانا، اوسان کے مستقبل کے بارے میں تشویش، یہ ایسے اسباب ہیں جو پہاڑ کی طاقت کو زائل اور لوہے کے پہاڑوں کو گھلا دینے والے ہیں۔ شبیر کے ظاہری زخم کیا کم تھے کہ اندرونی زخم بہت زیادہ اور گہرے تھے۔ مذکورہ مصائب میں سے ہر مصیبت قوی سے قوی انسان کو مفلوج اور طاقتور و بہادر کے اعصاب سُن کر دینے کے لئے کافی ہے۔ مگر ان تمام مصائب کے اجتماع کے باوجود فرزندِ حیدرؑ کو مارنے جو دفاعی جنگ لڑی ہے اسی کے سامنے بڑے بڑے بہادروں کے سرمایہٴ افتخار کا رنمے اور خیبر و خندق، بدر و حنین کے معرکے بیچ ہیں۔

اب ہم بنو ہاشم کے چشم و چراغ، بطالتِ مطلبی، شجاعتِ ہاشمی اور زورِ میداری کے وارث کے جنگی کارنامے سپردِ قرطاس کرتے ہیں۔

چونکہ باہمی معاہدہ کی رو سے یہ قرار پا چکا تھا کہ ایک ایک شخص امامِ مظلوم کے مقابلہ کے لئے نکلے گا۔ سب سے پہلا شخص "تیم بن قحطیہ" نہایت ہوشیاری سے امامِ پاکؑ پر حملہ آور ہوا۔ جو دم کے دم میں قتل ہو کر زمین پر لوٹنے لگا۔ اس کے بعد دوسرا شخص آیا۔ ایک لحظہ میں زمین پر تر پڑنے لگا۔ تیسرا آیا۔ اپنے ساتھیوں کی طرح داخلِ جہنم ہو گیا۔ کیفیت یہ تھی کہ معاہدہ کی رو سے فوجِ اشقیاء اپنے بہادروں کو میدانِ قتالی میں پیش کرتی رہی۔ اور حیدرؑ کو مار کر فرزندِ اند نہیں دم بھر میں ہلاک کرتا رہا۔ اس طرح پسرِ سعد کی اتنی جمعیت ہلاک ہو گئی کہ اسے اپنا معاہدہ توڑنا پڑا۔ اور مبارزِ مطلبی کا سلسلہ توڑنا پڑا۔ عمر بن سعد کو اپنے ہزاروں پرستشکن لشکر میں کافی غلامسوس ہونے لگا۔ اس نے بلند آواز سے چلا کر کہا کہ اس طرح اگر سلسلہ قتال جاری رہا تو ساری فوج

لَقَدْ اَجَلَ هُوَ جَائِعٌ۔ اور ہماری کوششیں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گی۔ "فَاَحْمِلُوا عَلَيْهِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ" تم ہر طرف سے اس پر حملہ کرو۔ پھر کیا تھا۔ چاروں طرف سے اس ایک دلیر پر رسالے کے رسالے، فوجوں کی فوجیں اور پرے کے پرے ٹوٹ پڑے۔ "تلاوریں فضا میں چمکنے لگیں، نیزے ہوا میں لہرانے لگے، تیرکانوں میں جڑ گئے، اور پتھروں کی بارش شروع ہو گئی، لیکن اس شجاعت کے کوہ گراں کی ہمت ڈولاوری میں سر مو فرق نہ آیا۔ گھوڑے پر جم کر بیٹھ گئے۔ اور یہ رجز پڑھ کر دشمنوں کی صفوں میں اس طرح گھس آئے جس طرح غضبناک شیر بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں داخل ہو جائے۔

الْمَوْتُ اَوَّلَىٰ مِنْ دُرُوبِ الْعَارِ وَالْعَارُ اَوَّلَىٰ مِنْ دُخُولِ الشَّارِ

موت عار سے بہتر اور عار آگ میں داخل ہونے سے بہتر ہے۔

پھر لشکرِ ستم شعار کے دائیں حصہ پر حملہ کیا۔ اور تیغِ شعلہ بارہنے ناریوں کے سر جموں سے جدا کرنا شروع کئے۔ سواروں، گھوڑوں سے اور سر دھڑوں سے گرنے لگے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے بجلی گر رہی ہے جو اشقیاء کے خرمن کو جلا رہی ہے۔ بادِ صرصر کے جھونکے ہیں جو عذاب بن کر بے دنیوں کو بھسم کر رہے ہیں۔ پھر میسرہ پر یہ رجز پڑھ کر حملہ کیا۔

اَنَا الْحَسِيُّ بْنُ عَلِيٍّ = الْكَيْتُ اِنْ لَا اَنْشَىٰ
اَحْيَىٰ عِيَالَتِ اَبِي = اَمْضَىٰ عَلٰی دِيْنِ النَّبِيِّ

میں حسینؑ فرزند علیؑ ہوں، میں نے قسم کھالی ہے کہ اپنے مقصد سے نہ پھروں گا، اپنے والدِ بزرگوار کے کعبے کی حفاظت کروں گا اور اپنے نانا نبیؐ کے دین پر قائم رہ کر دنیا سے رخصت ہوں گا۔

ان صفوں کو پرانگندہ کیا جو حملہ آور تھیں اور رسالوں اور پیادوں میں یوں پھیل چکے تھے کہ ایک دوسرے پر گرتے بھاگتے جاتے تھے، ان بزدل کمینوں کو اس طرح ہنکاتے تھے جس طرح ریوڑ کو آگے آگے ہنکاتے ہیں۔ ان بے دنیوں کے خون سے زمین لالہ زار بن گئی تھی، اور اشقیاء کے ناپاک خون کی ندیاں ارضیٰ کہ بلا پر بہہ رہی تھیں۔

اس حملہ میں کوفیوں اور شامیوں کے ایک ہزار نو سو پچاس مرد و فی التار ہوئے اور زخمیوں کی تعداد علیحدہ تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ بشریتِ حسینؑ میں قوتِ ربانی کا رکت تھی، یہ ہمت و دلیری آپ کی امامت

کی تصدیق کا معجزہ تھا۔ جہانی تقابہت کے ساتھ روحانی طاقت پر زور تھی۔ ہئیت حسینیہ میں ہئیت الہیہ کا فرما تھی۔ فرزندِ تبار کو اپنی حقانیت پر ناز تھا۔ یہ کارنامہ ان کی امامت کا اعجاز اور صداقت کا راز تھا۔ واقعہ کہ بلا سے پہلے شجاعت امیر المؤمنین کے فسانے زبانِ زوہدِ خلّاق تھے۔ بیسویں روز عاشور کو غریب کہ بلا کی بہادری اور دلیری نے حیدری کا نام بے جلاوٹے تھے۔ محفلوں اور اجتماعوں میں حسینی شجاعت بطور ضرب المثل بیان کی جاتی۔

جناب علی بن عیسیٰ "کشف الغمہ" میں بیان کرنے ہیں کہ حسینی شجاعت اور حسینی صبر کی نظیر نہ پہلے لوگوں میں ہے اور نہ پچھلے لوگ پیش کر سکیں گے۔ عزم کے پہاڑ تھے جسے ظلم و ستم کی نیر اندھیاں متحرک نہ کر سکیں۔

رنگ از گیس حکومت بدعت شعار کا عزم حسین عزم تھا پد و درگاہ کا تیس ہزار کاشکہ ہر قسم کے ہتھیاروں سے آراستہ تنہا پسہ حیدر کے مقابلے سے عاجز آگیا۔ دم بھر میں صفیں صاف تھیں بیدا و گدگد کی تھی مینہ کی طرح خاک پہ بوجھار سردی کی اگر دونوں طرف سے مقتولوں کی تعداد گنتی جلے اور مقتولوں کی تعداد پر فتح و شکست کی بنیاد رکھی جائے تو بے شک فتح غریب کہ بلا اور مسافرِ نبوی امامِ ہدیٰ کی ہے۔ بے شک امامِ مظلوم کی جمعیت ساری ماری گئی مگر فوجِ اشتیاء اور سپاہِ بے حیا کے مقتولین کی تعداد اتنی ہے کہ کوفہ میں کسی دشمن کا گھر اور کسی مخالف کا صحن ایسا نہ تھا جہاں اس کے مقتول پر سونے کی آواز بلند نہ ہوتی ہو۔ کوفہ کی ہر گلی میں ناریوں کے وارثوں کے رونے کی صدا آتی تھی۔ اور بے دیوں کے گلوں میں صف ماتم بھی ہوتی تھی۔

حمید بن مسلم یا عبد اللہ بن عمار بن یثوب کا بیان ہے: "وَاللّٰهُ مَا دَأَيْتُ مَكْتُوْرًا قَطُّ قَدْ قَتَلُوا وَلَدَهُ وَآخِلَ بَيْتِهِ وَأَصْحَابَهُ أَرْبَطَ جَانِبًا مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَإِنْ كَانَتْ الرِّجَالُ لَتَشْتَدُّ عَلَيْهِ فَتَشَدُّ عَلَيْهِ فَيَشْتَدُّ عَلَيْهِ بِسُفْهِهِ فَتَنْكَشِفُ عَنْهُ الْكُشَاةُ الْمُعْشَرَى إِذَا شَدَّ فِيهَا الذُّبُّ وَلَقَدْ كَانَ يَحْمِلُ عَلَيْهِمْ وَقَدْ تَكَلَّمُوا ثَلَاثِينَ أَلْفًا فَيَنْهَزُ مَوْنٌ بَيْنَ يَدَيْهِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُنْتَشِرٌ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى مَوْكُزِهِ وَيَقُولُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ"

حمید بن مسلم یا عبد اللہ بن عمار کہتا ہے کہ میں نے کسی ایسے تنہا شخص کو زخمِ اعداء میں گھرے ہوئے نہیں دیکھا جس کی اولاد جہاں اہل بیت، سارا کنبہ، اور انصار سب قتل ہو چکے ہوں۔ ایسا مضبوط دل باہمت، مثل حسین نہیں دیکھا۔ وہ بے دھڑک پیش قدمی کرتے، پیادوں کی صفیں جب ان پر ٹوٹ

پڑتیں تو آپ اس انداز سے لڑتے کہ دائیں بائیں کی سپاہ ابنِ سعد اس طرح بھاگتی نظر آتی۔ جس طرح ریوڑ میں شیر کے گھس آنے سے بھیڑ بکریاں بھاگ کھڑی ہوتی ہیں۔ حالانکہ لشکرِ مخالف کی تعداد تیس ہزار تھی۔ جب امام پاک ان پر تابڑ توڑ حملہ کرتے تو بزدلوں کی یہ فوج آپ کے سامنے یوں درہم برہم نظر آتی جس طرح پرلنگدہ ٹڈیاں ہیں۔ امامِ مظلوم محمد کے بعد لا حول ولا قوۃ پڑھتے اپنے مرکز کی طرف واپس آجاتے۔

شمر ملعون کا خیام پر حملہ کرنے کا ارادہ

دورانِ جنگ بھی امامِ مظلوم کو مستورات اور اہلِ حرم کی فکر دامگیر رہی۔ جب ہی حملہ کر کے واپس مرکز کی طرف لوٹتے سوئے خیام نظر کرتے۔ اس کا اندیشہ امام پاک کو ہر وقت رہتا کہ کہیں اور بے حیا دشمنی خیام کی طرف بڑھ کر حملہ نہ کر دیں۔ چنانچہ شمر ملعون اپنی فطری کمینگی اور پسنداشی بدزواقی سے باز نہ آیا۔ اور ایک دستہ فوج کالے کر جانبِ خیام بڑھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ خیام پر حملہ کر کے خدِ راتِ عصمت و طہارت کو ٹوٹ لیا جائے پھر خیموں کو آگ لگا ٹی جائے، اس ناپاک اور مذموم نیت سے وہ جنابِ امام اور خیام کے درمیان سپاہ لے کر حائل ہو گیا۔ ان بدفطرت لوگوں نے کئی بار خیام پر حملہ کرنے کی کوشش کی، مگر اصحابِ حسین اور جوانانِ بنیِ ہاشم نے ان کی ہر کوشش کو ناکام بنادیا اور تاحیات ان کو خیموں کے قریب نہ پھٹکنے دیا۔ اب تنہا امام تھے اور مرث اکیلے میدان میں مصروفِ قتال۔ جو نہی ان کے مذموم ارادے اور ناپاک مقصد کی خبر ہوئی اور بے جیاؤں کو خیام کی طرف بڑھتے دیکھا تو راہوار کی باگ سوئے خیام موڑ دی اور فوراً خیام کی طرف پلٹے بے دینوں اور کمینوں کو مخاطب ہو کر فرمایا: "اے گمراہِ اوسفیان! اگر تمہیں مذہب کا خیال اور آخرت کا خوف نہیں تو دنیا میں تو آدمی بنے رہو۔ اگر تم عرب نسل ہو تو عرب غیرت و حمیت کا پاس کرو" آپ کا کلام سن کر شمر بے دین نے کہا: "حسین! اس بات سے آپ کا کیا مقصد ہے؟" مولانا فرمایا: اَقُولُ اَنَا اَبْدِي اُقَاتِلُكُمْ وَتَقَاتِلُوْنِي وَالنِّسَاءُ وَلِكُنَّ عَلَيْنَهُنَّ جُنَاحٌ كَمَا مَنَعُوْا عَنَّا قَتْلَ عَن النَّحْرِ عَنِ الْحَرْبِ مَا دُمْتُ حَيًّا۔ "میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ لڑ رہا ہوں۔ اور تم میرے ساتھ قتال کر رہے ہو۔ مردوں مردوں کی لڑائی ہے۔ اس میں عورتیں بے قصور ہیں۔ شرافت اور غیرت عورتوں پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ تم اپنے سرکش اور گستاخ و بے حیا سپاہ کو روک لو، کہ میری مستورات و حرم کی جانب نہ بڑھیں۔ جب تک میں زندہ ہوں یہ

برداشت نہیں کر سکتا۔

مولا کی اس تقریر سے بے حیائوں کو کچھ حیا اور بے شرموں کو کچھ شرم آ ہی گئی، اور شمر نے شرمزدہ ہو کر کہا آپ کا مطالبہ منطوق ہے۔ اور فوج کو خیام سے ہٹا کر میدان میں بھیج دیا۔ اسی کے بعد تمام فوج کا رخ سوئے امام تھا۔ اور یہ سپاہِ بدنہاد چار حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ شمشیر زن، انہوں نے تلواروں سے حملہ کیا۔ نیزے بردار نیزوں کے وار کرتے تھے۔ تیر انداز بیک وقت چار ہزار کمائیں کھیں اور چار ہزار تیر بیک وقت چلوں سے نکلتے تھے۔ پتھر مارنے والے تیروں کی بارش اور پتھروں کا مینہ جاری ہو گیا تھا۔

پیاسا امام لبِ فرات پر

ادھر ایک جسم ایک بدن تیروں کا نشانہ بھی ہے، پتھروں کا ہدف بھی، نیزوں کا مقام بھی اور تلواروں کی بجائے ضرب بھی۔ شدتِ پیاس سے کلیجہ ٹپک رہا ہے۔ پانی طلب کرتے ہیں تو بے دین استہزاء اور مسخر کرتے ہیں۔ طعن و تشنیع سے کام لیتے ہیں۔ گستاخانہ جواب دیتے ہیں۔ امام مظلوم نے جانبِ فرات گھوڑے کی باگ موڑی اور صفوں کو چیرتے ہوئے، ناہنجاروں کو راہ سے ہٹاتے ہوئے، دائیں بائیں ناریوں کو اس طرح کاٹتے چلے جس طرح مالی باغ کے درختوں کی شاخیں اور کسان درانتی نے فصل کاٹتا ہے۔

پیاسا امام لبِ فرات پہنچ گیا۔ ابو اعراسی اور عمرو بن حجاج چار ہزار سواروں کے ساتھ گھاٹ کے پہرہ دار تھے۔ مزاحمت کی مگر مقابلے کی تاب نہ لاسکے۔ کنارہ خالی ہو گیا۔ اور ساتی کو ترکہ کا فرزند دریل نے فرات کی مٹی اپنی منصوبہ جاگیر میں داخل ہو گیا۔ پیاسے راہوار کو پانی کی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔ اس کا جگر جل رہا تھا۔ منہ سٹلج آب کے قریب کیا۔ مولا نے فرمایا کہ گھوڑے! تو بھی پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا ہوں۔ میں اس وقت تک پانی نہ پیوں گا جب تک تو نہ پی لے، وفادار راہوار نے پیاسے آقا کا کلام سنا۔ منہ پانی سے اٹھا لیا۔ گویا وہ اپنی زبان میں کہہ رہا ہے کہ یہ شانِ وفائیں کہ سوار اور مالک پیاسا ہے، راہوار پانی پیئے۔ مولا نے چلو بھرا۔ اس اثناء میں ایک تیر آیا جو حلق میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے تیر کھینچا۔ خون کا فوارہ باہر آیا۔ پانی کی بجائے ہاتھ خون سے بھر گیا اور وہ خون جانبِ آسمان پھینک کر کہہ: "خدا یا! اس قوم جفاکار کی شکایت تیری بارگاہ میں کرتا ہوں، جس نے میرا خون بہایا اور پانی سے روکا۔ اس اثناء میں آواز آئی: "حیٰ! تم تو پانی میں کھڑے ہو ادھر آپ کے خیام ٹوٹے جا رہے ہیں۔ پیاسے

امام نے ایک لمحہ دیر کئے بغیر فوراً خیام کی جانب رخ کیا۔ گو امام مظلوم بے حد پیاسے تھے اور پانی پر پہنچ گئے تھے۔ چلو میں پانی بھی لیا اور اگر پانی پی کر کوٹھتے تو کونسی دیر لگتی مگر امام پاک پانی پینا نہیں چاہتے تھے۔ کیا زینب، ام کلثوم، سکینہ، فاطمہ، رباب اور اولاد عباس کی پیاس بھول گئے تھے؟ اگر اس وقت پانی سے سیراب ہو جاتے تو یہ کہا جاسکتا کہ امام پیاسے شہید ہوئے ہوتے قوت بازو سے فرات کا کنارہ خالی کر کے اور اپنے کھوئے ہوئے حق پر قبضہ کر کے ہاشمی شجاعت اور سکینہ فوج کی بزدلی اور بے حیائی دکھا دی، جب تک اہل حرم کو پانی نہ پہنچاتے خود کبھی نہ پیتے۔ اس واسطے تشنہ و ہل سے واپس خیمہ گاہ کی طرف پلٹے۔

خیام میں اگر امام مظلوم کا اہل حرم سے دوسری باوراء کرنا

خیمے تو صحیح و سالم تھے مگر چند لمحوں کیلئے جب تک کہ شبیر کا تن سلامت ہے۔ امام مظلوم خیموں میں داخل ہوئے۔ سو گوارہ بیدیاں خیموں میں خاک پر بیٹھی شہداء کے غم و ماتم میں مصروف تھیں۔ معصوم بچے العطش العطش پکار رہے تھے۔ امام مظلوم کے آنے سے بچے اکٹھے ہو گئے۔ سیدانوں کو کچھ سہارا مل گیا۔ لیکن پہلے وداع اور دوسرے وداع میں حسین کی حالت بدلی ہوئی تھی۔ ابکی مرتبہ کپڑے خون میں تر تھے۔ بدن زخمی تھا، ایک مرتبہ پھر خیموں میں کہرام ماتم بپا ہوا۔ امام مظلوم نے تسلی دی۔ اور صبر و سکون کی تلقین کی۔ اور اجرِ کریم و ثوابِ عظیم کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

اَسْتَعِذُّوْا لِّلْبَلَاءِ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی حَافِظُكُمْ وَاَحْمٰیُكُمْ سَمِیْعٌ بِکُمْ مِنْ شَرِّ الْاَعْدَاءِ وَیَجْعَلُ عَاقِبَةُ اَمْرِکُمْ اِلٰی خَیْرٍ یَّعْذِبُ اَعْدَآئِکُمْ بِاَحْوَاغِ الْبَلَاءِ۔ بلا و مصیبت ان پہنچی ہے۔ میرا امتحان ختم ہونے کو ہے، تمہارا امتحان شروع ہو رہا ہے۔ میری منزل کی انتہا ہے تمہاری منزل کی ابتداء۔ جان لو اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ و حامی ہے۔ وہ تمہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے گا اور تمہارے امتحان کا نیک انجام ہوگا۔ اور تمہارے دشمنوں کو مختلف قسم کا عذاب دے گا۔

امام مظلوم مستورات اور پس ماندہ بچوں کو دلاسے دے رہے تھے کہ اس آئنا میں دشمن گھٹا کی مانند چڑھ آیا تھا۔ تیر بارانی شروع ہو گئی اور کچھ تیر خیموں میں بھی آئے۔ امام پاک میدان کا زراد میں دوبارہ وارد ہوئے اور قوتِ ربانی اور طاقتِ یزدانی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ اب معرکہ قتال دوبارہ گرم ہوا۔ گھسان کا رن پڑا۔ تیروں کی برسات اور پتھروں کے مینہ میں سپر حیدر کے مارنے جہاد

جاری رکھا اور لاشوں کے انبار لگاتے اور خون کے دریا بہاتے رہے۔

سابقہ تجربہ ناکام ہونے پر شمر نے اپنے لشکر کو نئے سرے سے اسی طرح ترتیب دیا کہ لشکر سے آگے پیادوں کی صفیں تھیں اور پیادوں کے پیچھے گھوڑے سوار ایک تنظیم کے تحت صفیں بنائے کھڑے تھے۔ چار ہزار تیر اندازوں کو دوسرے تیر چلانے پر مامور کیا اور دوسروں کو پتھر مارنے کا حکم دیا۔ یکساں کی حملہ شروع ہوا مگر اسد اللہ کے فرزند نے صفوں کو درہم برہم رسالوں کو تیر بترا اور پیادوں کو منتشر کر دیا۔ تنظیم اور کیا ترتیب جس طرح تیر ہوا کا جھونکا خس و خاشاک کو اڑا پھینکتا ہے اسی طرح ہاتھی شجاع کی تلوار قہر خداوندی اور غضب الہی بن کر دارالبوار پہنچا رہی تھی۔ ہاں تیروں کی بارش نے مولا کا بدن بڑھ چلا کر دیا تھا۔ امام یوابی حملہ بھی کرتے اور فرماتے جاتے: **يَا أَمَّةَ الشُّوْعِ بِسْمَا خَلَفْتُمْ مُحَمَّدًا فِي عَثْرَتِهِ أَمَا أَتَاكُمْ لَنْ تَقْتُلُوا الْعَبْدَ ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ فَتَهَابُوا قَتْلَهُ بَلْ يَعْزُونَ عَلَيْكُمْ عِنْدَ قَتْلِكُمْ يَا أَيُّهَا بَيْتُ اللَّهِ إِنِّي لَا دُجْوَاءَ أَنْ يَكُونُ مَعِيَ مَرِيٌّ بِالشَّهَادَةِ بِهَوَايَاكُمْ ثُمَّ يَنْتَقِرُ مَعِيَ مِنْكُمْ مِنْ حَيْثُ لَا تَشْعُرُونَ**۔ اسے بد کردار و بے حیا امت تم نے بعد رسول ان کی عترت کے ساتھ کس قدر ہنسنا سلوک کیا، آگاہ رہو کہ اس کے بعد تم کسی بندہ خدا کو قتل کرتے وقت خوف نہ محسوس کرو گے اور نہ ڈرو گے، بلکہ میرے قتل کے بعد تمہیں اور بندگان خدا کا قتل آسان ہو جائے گا۔ خدا کی قسم مجھے امت ہے خدا مجھے شہادت کی عزت اور رسالت بخشنے کا اود تم پر دولت مسلط کرے گا۔ اود تم سے اس طرح قتل کا انتقام لے گا کہ تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔

جناب اسد اللہ کے فرزند نے اس ضعف و تقاہت اور زخموں کی کثرت کے باوجود وہ شجاعت اور دلیری دکھائی کہ فوج بڑھاد سے میدان خالی ہو گیا۔ اور امام مظلوم ان کا تعاقب کرتے ہوئے بارہ میل مقام ذوالکفل تک پہنچ گئے اور میدان قتال ناپاک لاشوں اگس طرح پٹ گیا تھا کہ گھوڑے کو زمین پر چلنا دشوار ہو گیا۔ یہ آخری حملہ تھا۔ اس کے بعد کمر پر تشریف لائے۔ اس شاندار میں ہاتھ غیبی کی آواز آئی: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ**۔ اے ایمان والو! وعدہ وفا کرو۔ جناب مظلوم کہ بلا مطلب سمجھ گئے، قتال سے ہاتھ روک لیا۔ لڑائی ختم کر کے تلوار نیام میں ڈال دی اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ**، ماضی بقضائہم و تسلیما لا مریہ۔ اس کے فیصلہ پر راضی ہوں اور اس

کے حکم کے آگے تسلیم خم ہے۔

اب اظہار شجاعت کا وقت گزر گیا، امتحان میں کامیابی کی گھڑی آن پہنچی۔ آواز آئی غیب سے وعدہ وفا کرو۔

عصر کا وقت آگیا وعدہ وفا ہونے کو ہے = زیرِ خنجر آج سبطِ مصطفیٰ ہونے کو ہے جس کی خاطر زینبِ منہوم نے چھوڑا وطن = عالمِ غربت میں بھائی سے جدا ہونے کو ہے

تیروں اور تیروں کے وار اور زین ذوالجناح سے سقوط

تلوار کا نیام میں ڈانٹا تھا کہ بھری ہوئی فوج پھر جمع ہو گئی۔ اب تنہا جسمِ پاک تیروں، تلواروں اور تیروں کا نشانہ ہے۔ شیعو! تمہارے امام ابھی گھوڑوں پر سوار ہیں۔ ہر چہار طرف سے تیر آرہے ہیں۔ اور ناز میں بول تیروں کا استقبال کر رہا ہے۔ فوجِ شمر میں سے ایک تیر انداز ہے نام اس کا ابوالحتوف جعفی ہے۔ اس فتنی نے ایک زبردست تیر چلایا۔ جو غریب کربلا کی پیشانی پر لگا۔ پیشانی سے خون کی دھار بھوٹی، چہرہ مبارک خون سے لالہ گوں ہو گیا۔ مولانا آسمان کی طرف منہ کر کے کہا: "یا اللہ! تو دیکھ رہا ہے کہ تیرے سرکش بندے میرے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔ بدن زخموں سے چور ہے۔ جسم نڈھال ہو چکا ہے۔ کتنے زخم ہیں ان کا کوئی شمار نہیں۔ ایک ہتھیار کے زخم نہیں تھے۔ تلواروں کے زخم تھے۔ تیروں کے علاوہ، تیروں کے الگ اور پتھروں کے علاوہ تھے۔ کتنے زخم تھے، مختلف روایات ہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ بدنِ پاک کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں دردِ ستائیاں اور مصیبتِ زدہ زہرا جاثیہاں بوسے دے سکیں، ایک میں کئی زخم تھے تمام ملا کہ ایک ہزار نو سو پچاس زخم شمار کئے گئے ہیں۔

روایت است کہ برتنِ شہید وجود ہزارو نہ صد و پنچہ جراحت بود

ابھی فرزندِ رسول زین ذوالجناح پر بیٹھ سستا رہے تھے کہ اس آثناء میں ایک سنگدل ظالم نے پتھر مارا جو پیشانی مبارک پہ لگا۔ خون جاری ہو گیا۔ آپ نے پیراہن کا دامن اٹھایا کہ خون پونچھا۔ ادھر خون پونچھ رہے تھے کہ ایک سہ شہید تیر فضا کو چیرتا ہوا سینہ آدس میں پیوست ہو گیا۔ چونکہ تن مبارک زخموں سے کھوکھلا ہو چکا تھا۔ تیر کی نوکیں بدن سے پار نکل گئیں اس تیر کا پیوست ہونا تھا کہ غریب کربلا کی زبان ذکرِ خدا میں مصروف ہو گئی کہا کہ: بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ وَ عَلَى مِلَّةِ سُلُوْلِ اللّٰهِ۔ آپ ہر تیر کے استقبال میں یہ جملے فرماتے۔ پھر آسمان کی طرف

منہ کر کے کہا: اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقْتُلُوْنَ رَجُلًا لَّيْسَ عَلٰی وَجْهِهِ
 الْاُذُنُ ابْنِ نَبِيٍّ غَيْرُهُ، اہنی تو جانتا ہے کہ یہ لوگ ایسے شخص کو قتل کر رہے ہیں کہ روئے
 زمین پر اس کے سوا کوئی فرزند پیغمبر نہیں ہے۔ تیر زور سے آیا تھا۔ نوکیں پشت کی جانب
 پار ہو گئیں۔ امام نے تیر کا نا چا ل۔ مولا تیری مظلومی و غربت بے کسی و تنہائی پر قربان
 تو نے دوسرے شہیدوں کے بدنوں سے نوکیں نکالیں۔ آج تیرے بدن سے تیر کھینچنے
 والا کوئی نہیں۔ آپ نے دونوں ہاتھوں سے تیر کھینچنے کی کوشش کی، مگر یہ تیر نہ نکلا۔
 اس واسطے مظلوم کہہ بلانے جھک کر تیر کو پشت کی طرف سے نکالا۔ حنیو! اس تیر کے
 نکالنے سے خون کتنا نکلا ہوگا۔ عربی کے الفاظ ہیں: "فَانْبَعَثَ الدَّمُ كَالْمِيْزَابِ"
 خون پرنا لہ کی طرح جوش مار کر نکلا۔ آپ نے پشت کے پیچھے ہاتھ رکھا۔ خون بھر کر آسمان
 کی طرف پھینکا۔ جس میں سے ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرا۔ دوبارہ ہاتھ بھر کر سر اور ریش پر
 مل لیا۔ اور کہا: "اسی طرح خون کا خضاب لگا کر روز قیامت نانا کے پاس جا کر کہوں گا: نانا!
 تیری امت نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ شیعو! تمہارے زخمی امام ابھی تک گھوڑے
 پر سوار ہیں۔ بے شک خون کثرت سے بہہ چکا ہے۔ اور بہت بڑھ چکا ہے۔ تاہم زمین پر سوار
 ہیں۔ اب تمہارے امام کا وقت آ گیا ہے کہ زمین چھوڑ دیں۔ مولا نے زمین خود نہیں چھوڑی۔
 مولا سے زمین چھڑائی گئی ہے۔ اترے نہیں۔ بلکہ اترے کئے ہیں۔ کس نے زمین چھوڑائی؟ سنو گے
 کلیجہ پکڑ کر اور دل تھام کر سنو۔ ایک ملعون صالح بن وہب مرنے لگا کہ میں ایسا نیزہ مارا کہ
 بتوں کی فریاد مچ گئی، قبر رسول کا پگھل گئی، عرش لرز اٹھا۔ زمین تھرائی اور دلبند بتوں نے گھوڑے
 کی زمین چھوڑ دی۔ آپ وہی محلے جو تیر کے استقبال کے وقت پڑھتے تھے، نیزے کا استقبال
 اہنی جلوں سے کیا۔ اور بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ پڑھتے ہوئے دائیں رخسار
 کے بل فرشتہ زمین کے جہان ہوئے۔

جناب قائم آل محمد زیارتِ ناجیہ میں فرماتے ہیں:

فَصَوْنَيْتَ اِلٰى الْاُذُنِ جَبْرِيْحًا

آپ زنجیوں سے چور ہو کر تیروں اور نیروں کی تاب نہ لا سکے زمین پر گر پڑے۔

السَّلَامُ عَلٰی الْخِدِّ السَّيْرِيبِ

خاک آلود رخسار پر سلام ہو۔

بلند مرتبہ تھا ہے نہ صدرِ زمین افتاد اگر غلط نہ کنم عرش بر زمین افتاد
قرآن رحلِ زین سے سوئے فرش گر پڑا دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی عرشِ گم پڑا
شہسوارِ دوشِ رسول اور ناز پروردہ آغوشِ قبولِ سیکنڈوں زخم کھا کر خون میں نہا کر زخموں
سے چورِ سنبھلنے سے معذورِ زینِ عرش سے فرشِ زمین پر آ رہا شہزادیاں جو درِ خیمہ پر برادرِ مظلوم کا یہ
دردِ ناک منظر دیکھ رہی تھیں قرآنِ مطلق کا رحلِ زین سے گرتا دیکھنا سخت دلِ قبول کو بے بس ہو کر زین
کو چھوڑتے دیکھ صحنِ خیمہ سے بے تاب ہو کر باہر نکل آئیں اور زبان پر یہ فریاد تھی: **وَأَهْلُ بَيْتَاهُ**
لَبِثَ السَّمَاءِ طَبَقَتْ عَلَى الْأَرْضِ وَكَبِثَ الْجِبَالُ تَدَكَّدَتْ عَلَى السَّهْلِ۔ پہاڑ ریزہ ریزہ
کیوں نہیں ہوتے۔ ہمارے سردار، ہائے اہل بیت۔ آسمانِ زمین پر کیوں نہیں گرتا۔ پہاڑ ریزہ ریزہ
کیوں نہیں ہوتے۔ معصوم مظلوم شریکۃ الحسین اب خیمہ میں کس طرح قرار سے بیٹھے۔ اس مقام پر آگئیں
جسے "تلِ زینبیہ" کہتے ہیں۔ خیموں سے باہر ایک اونچا مقام تھا جہاں درو سنائی اپنے مظلوم بھائی کی دائمی
جُدائی کا منظر دیکھتی رہی۔ پسرِ سعد کو پکار کر کہی: **"وَيَحْيَا يَا عَمْرُو! يَقْتُلُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ**
وَأَنْتَ تَنْظُرُ إِلَيْهِ"۔ افسوس ہے تم پر اسے پسرِ سعد! فرزندِ رسول! دلبندِ قبولِ ابو عبد اللہ
حُصَيْن قتل ہو رہا ہے۔ اور تو دیکھ رہا ہے۔ درو بھری فریاد اور زہرا بھائی کا اس طرح جنگل میں ڈائی
دینا، قبول کی بیٹی کا اس قدر غریب و بے کس ہو جانا، حسین کی مظلومی کا اثر تھا کہ ابنِ سعد منہ پھیر کر رونے
لگ گیا۔ اور یہ افسوس کے رخسار پر بہنے لگے۔ اس کے بعد درو ستائی اور دلِ چلی بہن نے بلند
آواز سے سنگدل فوج کو مخاطب ہو کر کہا: **وَيَحْيَا أَمَا فَيَكُنْ مُسْلِمًا**، افسوس ہے تم پر کیا تم
میں کوئی مسلمان نہیں۔ افسوس کہ دخترِ رسول کی آواز صدِ البصرِ اثابت ہوئی اور کسی بد بخت نے توجہ
نہ دی۔ کسی شقی نے جواب نہ دیا۔ اور علی کی بیٹی مایوسی کے ساتھ خیمہ میں چلی گئی۔

شہادتِ حسین اور جنگ کا خاتمہ

عزادارو! میرے مولائے مظلوم کے مسقط اور مقتل میں فاصلہ ہے۔ جہاں گسے ہیں وہاں قتل
نہیں ہوئے۔ گرنے کے بعد کچھ دیر تو زمین پر بے حس پڑے رہے۔ اس کے بعد سنبھلے اٹھ بیٹھے اور
پہچان کئے کہ یہ جگہ میری مقتل نہیں۔ اس واسطے اپنی مقتل کی جانب روانہ ہوئے مگر دشواری یہ
تھی کہ سنبھلنے کی طاقت اور چلنے کی قوت ختم ہو گئی تھی۔ چند قدم چلتے پھر ضعف و نقاہت کی وجہ
سے گر پڑتے، بعضی مورخ بیان کرتے ہیں، چلتے وقت مظلوم آقا کمزوری کی وجہ سے نہ گرتے تھے۔

بلکہ ہر قدم پر نیزے کا وار اور تلوار کی ضرب لگتی اور غریب کو بلا کر پڑنے۔ مقام سقوط سے جلنے قتل تک چند قدموں کا فاصلہ نیزوں اور تلواروں کے واروں میں طے کیا۔

شیعو! اب تمہارا آقا اصلی وعدہ گاہ پر پہنچ چکا ہے۔ دوسرا سنبھل کر بیٹھے، منہ آسمان کی طرف

کیا اور کہا :

تَمَرَكْتُ الْخَلْقَ طَرَفًا فِي هَوَاكَ وَ اَيَّمْتُ الْعِيَالِ لِكُلِّ اَرَاكٍ
فَلَوْ تَطَعْتَنِي فِي الْحَبِّ اِزْبَا كَمَا حَقَّ الْقَوَادُ اِلَى سَوَاكَ

میرے معبود! میں نے تمام مخلوق کو تیری محبت میں چھوڑ دیا۔ اور تیرے وصال کے شوق میں بچوں کو قیمہ بنا دیا ہے۔ اگر تیری محبت کے جرم میں میرا بدن پارہ پارہ کر دیا جائے تب بھی میرا دل تیرے غیر کی طرف مائل نہ ہوگا۔

اب حسین زرم گاہ میں نہیں بلکہ قتل گاہ میں ہیں۔ تیرا اور تیرا تواتر آرہے ہیں۔ زانوؤں کے بل زمین پر بیٹھے ہیں۔ اور یہ دعا پڑھ رہے ہیں: صَبِرُوا عَلَى قَضَائِكِ يَا رَبِّ لَا إِلَهَ سِوَاكَ يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيثِينَ مَا لِي رَبِّ سِوَاكَ وَلَا مَعْبُودَ غَيْرَ صَبِرُوا عَلَى حِلْمِكَ يَا غِيَاثَ مَنْ لَا عِيَاذَ لَهُ دَائِمًا لَا نِقَادَ لَهُ يَا عَجَّ الْمُؤْتَى يَا قَامًا عَلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ أُنْكُمُ بَنِي وَ بَيْنَهُمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ :

باوجود اس نقاہت و ناتوانی کے قریب جا کر وار کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی، عمر بن سعد نے حکم دیا: اب اس بے کس و ناتواں کا قتل دشوار نہیں، بھائیوں، بھتیجوں کے گہرے زخم اس کے اندرون جسم میں ہیں۔ اور بیرون بدن زخموں کی کثرت سے چور اور اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہے۔ اندرون کی بیرونی طور پر سخت گھاٹل ہو چکا ہے۔ جو اس کا سر لائے گا اُسے خاص انعام ملے گا۔ جلدی کہ وہ اس کی شیعہ حیات گل کہہ دو۔ تاہم اس گناہ عظیم کو کوئی اپنے سر لینے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ شمر ملعون نے ترغیب دی۔ چالیس سواروں نے آگے بڑھ کر مظلوم کو بلا کر گھیرے میں لے لیا۔ اور آپ پر یکے بعد دیگرے حملے کرنے لگے۔ یوں تو بیس ہزار اشتقاق قتل امام کے ذمہ دار ہیں۔ مگر جو قتل میں شریک ہیں۔ یعنی جنہوں نے پتھروں، تیروں، تلواروں اور نیزوں سے امام مظلوم کو زخمی کیا۔ بے شک وہ بھی قاتل ہیں۔ اور قاتل حسینؑ میں شریک اور حصہ دار ہیں۔ مگر خاص قاتل جنہوں نے آخری دم پیختہ پاک کا خاتمہ کیا اور جناب زہراؑ کا گھر برباد کیا۔ چراغ رسول بجایا اور روزِ حشر تک جناب بتول کو گولایا وہ سات ملعون ہیں۔

حصین بن نمیر اس ظالم نے دہن اقدس پر تیر مارا۔ یہ ملعون پہلے بھی اپنے تیروں سے بدنِ امام زنجی کو چکا تھا۔ ابوا یوب غنوی نے حلقِ مبارک کو تیر سے چھید دیا۔ نصر بن خرقمہ نے دائیں شانے پر تلوار ماری۔ زرارہ بن شریک نے بائیں بازو پر تلوار کا وار کیا۔ صالح بن وہب مرنے کے نیزہ مارا۔ غولی بن یزید اصبحی نے مدِ شہید تیر مارا۔ جو دل کے مقام پر لگا۔ دلی میں ایک رگ ہے جسے "دین" کہتے ہیں۔ اسی رگ سے تمام جسم میں خون گردش کرتا ہے۔ اس ملعون نے وہ رگ کاٹ دی۔ جس سے بہت سائون بھل گیا۔ پھر فوراً سنان بن انس نے ایسا نیزہ مارا کہ زینب کا مظلوم بھائی، زہرا کا لال سنبھل نہ سکا، اور منہ کے بل گر پڑے اور تین ساعت دوشِ پیغمبر کا سوار خون میں غوطان زمین پر پڑا رہا۔ اس دوران لوگوں کو معلوم نہ ہو سکا، بتول کا بیٹا زندہ ہے یا غریب کر بلا رحلت کر گیا ہے۔ اس کے بعد جوں توں کر کے سکینہ کا بابا اٹھ بیٹھا اور حلق سے تیر نکالا۔ زینب کا بھائی اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ہے۔

مالک بن نصر کتبہ خاندان کا ایک سنگدل ملعون ہے جس نے آگے بڑھ کر فرزندِ رسول کو سب و شتم کیا۔ اور میرا اقدس پر تلوار ماری۔ عاتکہ کے نیچے ایک ٹوپی تھی وہ کٹ گئی سر چھٹ گیا۔ ٹوپی خون سے بھر گئی۔ امام مظلوم نے ٹوپی اتار دی اور سر کو ٹی سے باندھ دیا۔

اس کے بعد شمر ملعون نے لٹکار کر کہا کہ اب کیا انتظار ہے۔ آگے بڑھو اور جلد ان کا کام تمام کر دو۔ خولی ملعون تلوار لے کر شمع بتول بھانے کے لئے آگے بڑھا۔ جب غریب کر بلا کے قریب گیا تو بدن میں زہر طاری ہو گیا۔ ہاتھ کاٹنے لگے، واپس بھاگ آیا۔ اس کے بعد شیدت بن ربیع اسی ناپاک ارادہ سے آگے بڑھا۔ مگر اس پر بھی ایسا رعب طاری ہوا کہ ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی۔ اور گھبرا کر واپس آ گیا۔ سنان بن انس نے ان شیعوں سے پوچھا تمہاری ماں تمہارے سوگ میں بیٹھے۔ تیر اور نیزے مارتے رہے۔ اب تلوار کا آخری وار ہی اس مجروح کے لئے کافی تھا۔ تم کانپتے ہوئے واپس آئے، ان ملعونوں نے کہا کہ جب قتل کے ارادے سے مظلوم کے قریب گئے اور غریب کر بلا نے آنکھیں کھولیں تو یہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رسول اللہ کی آنکھیں ہیں، اور رسول اللہ کی ہیبت آنکھوں کے سامنے آ گئی۔

اس کے بعد سنان بن انس آگے بڑھا کہ امام کا رشتہ حیات منقطع کرے جب قریب گیا تو اس پر بھی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ بدن کانپنے لگا اور تلوار ہاتھ سے گر پڑی۔ شمر نے سنان سے پوچھا تو کیوں واپس آ گیا اور قتل کیوں نہ کیا تو سنان نے کہا جب میں تلوار اٹھ کر قریب گیا اور حسین نے میری طرف دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ علی مجھ دیکھ رہے ہیں تو مجھ پر شدید رعب طاری ہو گیا۔

شمر ملعون اب آخری قاتل اور بڑا قاتل تلوار سونت کر آگے بڑھا۔ اس ملعون نے جاتے ہی گستاخانہ کلمات کہے اور سینہ اقدس پر نہایت بے ادبی سے چڑھ گیا۔ امام مظلوم کی نظر پڑی، پوچھا تو کون ہے جواب دیا میں شمر بن ذی الجوشن ہوں۔ امام نے فرمایا کہ تو مجھے پہچانتا بھی ہے۔ شمر نے کہا ہاں جان کر اور پہچان کر مار رہا ہوں، یہ زید سے انعام کی خاطر مجھے آخرت کی ضرورت نہیں۔ زید کے انعام کا طلب گار ہوں۔ امام نے فرمایا، زنا اپنا سینہ تو کھول دے۔ اس نے اپنے پیٹ پر سے کپڑا ہٹایا۔ تو ابلیس (چنگبرے) کتے کی طرح اس کے پیٹ اور سینے پر سفید داغ ہیں اور بال سُر کے بالوں کی طرح ہیں۔ اس وقت امام نے فرمایا میرا آخری قاتل تو ہی ہے میرے نانا نے فرمایا زمین کہلا پر میرے فرزند کو ایسا شخص قتل کرے گا جو کتے کی مانند مبروس ہوگا اور سُر کی طرح اس کے بال ہوں گے، بے شک میرا قاتل تو ہی ہے۔

جس حلق کے بوسے لئے زہرا و علیؑ نے
فریاد ہے کاٹا اسے خنجر سے شقی نے

اس ملعون نے جوش غضب میں پس گردن پر بارہ ضربیں پہنچائیں۔ تلوار کند تھی۔ آخر وقت میں اس ملعون کی نیت اذیت سے فرج کرنے کی تھی۔ فرزند رسولؐ کی گردن پر خنجر چلتا رہا۔ اور سیدانیاں درقعات پر حالات دریافت کرنے کے لئے بے چینی سے منتظر تھیں۔ آگے زبان بیاں سے قاصر اور قلم لکھنے سے عاجز ہے۔ کیا ہوا؟ کعبہ منہدم ہو گیا۔ عرش تھرا یا۔ زمین میں زلزلہ آیا۔ آسمان سے خون برسنے لگا۔ مچھلیاں پانی میں بے تاب ہو گئیں۔ پرندوں نے پرواز چھوڑ دی۔ حیوانوں نے چرنا چھوڑ دیا۔ مجھ کا دل تھا، عصر کا وقت تھا، بتول کی فریاد آئی۔ رسولؐ کے سر سے دستار گر پڑی۔ لشکر ابن سعد میں تکبیریں بلند ہوئیں۔ ادھر زہرا کا گھبراہٹ گیا۔ زینب دامن کثوم کا آخری سہارا ختم ہو گیا۔ ادھر فوج میں شادیانے بجنے لگے۔ جنگ کا غبار چھا۔ کیا نظر آیا۔ غولی کے نیزہ پر بتول کا لال سوار ہے۔ زلفیں ہوا میں لہرا رہی ہیں۔ خون کے قطرے گر رہے ہیں۔ اَلَا قَتِلَ الْحُسَيْنِ بِكَوْبَلَا۔ اَلَا ذُحِمَ الْحُسَيْنُ بِكَوْبَلَا۔ کاوازیں بکس رہی ہیں۔

اسبِ با وفا

امام مظلوم مجروح ہو کر گھوڑے سے گرے۔ وفادار گھوڑا زخمی آقا کے پاس رہا۔ پیاسا تھا۔

دیر پر چلا جاتا، بھوکا تھا، خوراک تلاش کرتا، زخمی تھا کسی جائے امن پر چلا جاتا لیکن اتنا عرصہ معصوم امام اور کریم آقا کی خدمت میں رہا۔ ان ذواتِ مقدسہ کے پاک اور طیب ماحول میں رہنے والے جانور بھی نیک عادت اور محمود اطوار سے متصف ہو جاتے ہیں۔ آقا تو کثرتِ جہر آحت سے خاک پر خون میں لوٹتے رہے اور گھوڑا غریب آقا کی حفاظت و حمایت کرتا رہا۔ گھوڑا غیموں میں آیا۔ لیکن اس وقت تک ساتھ نہیں چھوڑا جب تک آقا امام کا سر گردن سے جدا نہیں ہوا۔ جو نہی شمر کینہ سینے سے اترا، سر کو جدا کیا اور بالوں سے سر پکڑ کر فوج میں ابنِ سعد کے پاس چلا گیا، راہوار نے اپنی زبان میں فریاد کرتے ہوئے بے سر لاش کا طواف کیا۔ میرے خیال میں بعد از شہادت لاشِ حسینؑ کی زیارت کا سب سے پہلے اسی راہوار کو تصرف حاصل ہوا، لاش کا طواف کرنے کے بعد اعزاء بدن کے بوسے لئے، لاش کو چوما اور اپنی گردن اور سر کو خونِ آقا سے سُرخ کیا۔ نہایت اُداسی اور پریشانی کے ساتھ موتِ حسینؑ کا قاصد بن کر خیمام کی طرف روانہ ہوا۔ اس وفادار ذوالجناح کا عجیب حال تھا۔ اس انداز سے بے چارہ نہنہرا ہاتھ گویا اپنی زبان میں کہہ رہا ہو، لوگو! میرا سردار مارا گیا۔ میرا سوار مارا گیا، یہ تو حال تھا میدانِ کار۔

ادھر خیمام میں یہ کیفیت تھی کہ مصیبت زدہ عورتیں اور بھوکے پیاسے یتیم بچے سب ایک خیمہ میں قنات کے پیچھے اکٹھے تھے، جب سے امام دوبارہ الوداع کہہ گئے تھے، زہرا کی بیٹیاں اور ستوراتِ بنی ہاشم قنات کے پیچھے جھانک جھانک کر صحرائی جانب دیکھتی تھیں۔ ایسا مرد تو کوئی تھا نہیں جو میدان میں جا کر خبر لاتا۔ فوجوں کی بھیڑ اور گھوڑوں کے گھسان میں بچوں کا کام نہ تھا۔ جو بچے گئے بھی وہ زندہ واپس نہ آئے۔ گھبراہٹ اور بے قراری کا عالم تھا۔ اداسی اور مایوسی چھائی ہوئی تھی، سراسیمہ بچے ماؤں کی انگلیاں پکڑے پریشان کھڑے تھے، بیٹیاں بار بار میدان کی طرف دیکھتی تھیں۔ مگر جہاں تک نظر کام کرتی تھی اعداد بے دین کی کثرت نظر آتی، فوجوں کے سرد کھائی دیتے، گو بمشیر بے کس نے اس شیلہ پر جس کو "تل زینبہ" کہتے ہیں جا کر مظلوم بھائی کی خبر گیری کی کوشش کی، مگر زہرا کا نورین اور اجڑی بہن کے دل کا چین ہمیشہ دل گیر کو نظر نہ آیا۔ کیونکہ زہرا کا چاندِ ظلم کی گھاٹوں میں پوشیدہ تھا اور خورشیدِ ظلم فوجوں کے جفا کار بادلوں میں نہماں تھا۔

جوں جوں انتظار کی گھڑیاں لمبی ہوتی جاتی تھیں، زہرا حبشیوں کے قلوب کا اضطراب برابر زیادہ ہو رہا تھا۔ نگاہیں سوئے میدان تھیں، کہ گھوڑے کے نہنہرا نے بلکہ رونے اور فریاد کی آواز سُنی۔ دُور سے دیکھا کہ زینب خالی ہے۔ راہوار آ رہا ہے، مگر پشت پر سوار نہیں، راہوار کی عجیب حالت ہے کہ زینب دائیں طرف جھکی ہوئی، باگیں کٹی ہوئیں۔ پیشانی اور گردن خون آلود ہے۔ جو بات دل میں

کھٹک رہی تھی۔ ماسے اٹھی۔ بس یقینی ہو گیا کہ آخری سہارا ختم ہو گیا۔ حسین ماسے گئے۔ رابواری اس خبر نے سیدانوں کے کیلے زخمی کر دیئے۔ دل فگار ہو گیا، دل دوز ناوں، دخترش بینوں، دلغا زمریوں سے صحرا بھر گیا۔ سروں سے پیادیں گر پڑیں۔ والہواہ، واد علیہ، وحیناہ کی صدائیں دھرتی کو ہلا رہی تھیں۔

زہرا کی بیٹیاں جو کھلے سر نکل پڑیں سب بیسیاں خیاں سے باہر نکل پڑیں ہر بی بی کے الگ الگ ہیں تھے اور جدا جدا فوسے تھے، سر پہ ہاتھ تھے، سروں کے بال کھل گئے تھے، کسی کا منہ مدینے کی طرف تھا اور کوئی بھٹ کی طرف منہ کر کے سر پٹتی تھیں۔ مہنڈ پر طہانے نازتی تھیں۔ سیکنے کے ہاتھ میں گھوڑے کی باگ تھی اور اُتم کلڈم کے ہاتھ گھوڑے کی گردن میں تھے، گھوڑا رو رو کر اپنی زبان میں کہتا تھا: "الظلیمة - الظلیمة" آج اُمت نے اپنے نبی کے فرزند کو ظلم و جور سے قتل کر دیا۔ زہرا کی بیٹیوں کی دخترش پکار تھی۔ رابواری تو نے سوار کو کہاں اتارا، ہمارے بھائی پر قضا، الہی کہاں نازل ہوئی، اُسے رابواری آج دشمنوں کو تشفی حاصل ہوئی اور زہرا کا گھر برباد ہو گیا۔ گلشن رسول تاراج ہو گیا۔ اب بیواؤں کا کوئی سہارا نہ رہا۔ یتیموں کا مددگار نہ رہا۔ ہمیں وطن کون پہنچائے گا۔

اس کیفیت کو ہم زیارت ناحیہ مقدسہ کے الفاظ میں بیانی کرتے ہیں۔

وَأَسْرَعُ فَزْرُكَ شَارِدًا إِيَّانِي خِيَامِكَ قاصِدًا حُجَّيْمًا بَاكِيًا فَلَمَّا رَأَيْتِ الْيَسَارَ مَجْرَاؤُكَ خُزْنِيًّا وَنَظَرْتِ سَرْجِيكَ عَلَيْهِ مَلُويًا بِسُوزٍ مِنَ الْخُذُودِ نَاشِرَاتِ الشُّعُورِ عَلَى الْحُذُودِ لَا طِمَاطِ الْأُجُوهِ سَافِرَاتٍ وَبِالْحَوِيلِ دَانِيَاتٍ وَبَعْدَ الْحَزْمِ مَذَلَاتٍ "یہ زیارت حضرت حجت قائم آل محمد عجل اللہ فرجہم کی طرف منسوب ہے۔ اس میں حضور اپنے عہدِ اجد کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ آپ کا رابواری تیزی کے ساتھ بھاگا بھاگا دوڑا۔ ہتھکتے اور روتے ہوئے آپ کی موت کا قاصد بن کر۔ جب مستورات نے گھوڑے کو پریشان دیکھا اور جسکی ہوئی زین پر نظر پڑی تو کھلے ہوئے بالوں کے ساتھ منہ پیٹتی ہوئی باہر نکل آئیں۔ بین اور نوحہ کر کے کیلے ہلا رہی تھیں۔ سیکنے یتیم ہو گئی، سیدانوں کا آخری سہارا اور یتیموں کا آخری آسرا ختم ہو گیا۔ سیدانیاں سر پیٹ رہی تھیں۔ یتیم رو رہے تھے۔ فوج شام میں خوشیاں منور ہی تھیں، شادیانے بچ رہے تھے، اور پنجتن پاک کی روحیں لاش حسین کا طواف کر رہی تھیں۔ رسول پاک کے گھروں میں ماتم ہو رہا تھا۔

گھوڑا جس کا نام ذوالجناح مشہور ہے۔ اسے مرتجز بھی کہتے ہیں۔ اور بعض کتابوں میں اسی کا نام "میمون" لکھا گیا ہے۔ اپنے آفاقی شہادت کے بعد زندگی سے دل تنگ ہو گیا۔ ابن سعد نے اپنے

آدمیوں کے ذریعے پکڑوانے کی کوشش کی۔ مگر وفادار گھوڑے نے اپنی زین غیر کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ بعض ہدایات میں ہے کہ چالیس پیادوں اور دس سواروں کو ہلاک کر ڈالا۔ جب خیام میں آیا، اور خیموں کو مردوں سے خالی پایا۔ آقا کی جدائی اور سیدانہوں کی مصیبت دیکھی تو خیمہ حسین کے سامنے نہ مین پڑ گئیں مار مار کر مر گئیں۔ اس طرح وفادار راہوار نے اپنے کریم سردار کا زندگی اور موت میں ساتھ دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ موت حسین کی خبر خیام میں پہنچی کہ آقا کے دائمی فراق کا صدمہ برداشت نہ کر سکا۔ اور اپنے آپ کو دریائے فرات میں ڈال کر اپنی زندگی ختم کر لی۔

ظلم بالائے ظلم۔ لاشِ مطہرہ کی عربانی

محرانے کہ بلا میں غریب کہ ہلاک بے سر لاش پڑی ہے۔ بدن کا کوئی حصہ زخموں سے خالی نہیں۔ سیاہ آندھی تمچسکی ہے۔ خون کی بارشیں رگ گئی ہے۔ مسلمانوں کو چلیے تھکا۔ تدفین کا انتظام کرتے۔ مگر بے دردی سے شہید کر دینے کو کافی نہ سمجھا۔ آتشِ عناد فرو نہ ہوئی، فرزندِ رسول، اور لعنتِ جگر بتوں کی لاش پر اُمتِ بے حیائے لوٹ چادی۔ بے وارث سمجھ کر جو بے ادبیاں کیں، بیان کرنے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اور پتھر کا دل بھی رونے پر مجبور ہوتا ہے۔ مجروح بدن پر جو لباس تھا، وہ بھی بے رحمی سے اتار لیا گیا۔ اسحاق بن حیوۃ حضرمی نے فیضِ اناری۔ ابجر بن کعب نے شلوار اتاری۔ اخنس بن مرثد آپ کا عمامہ لے گیا۔ تلوار جمیع بن حلق ازدی نے لے لی، زرہ جس کا نام بتر تھا خود عمر بن سعد نے حاصل کی، خالد بن اسود ازدی نے نعلین اتاری۔ ردائے مبارک قیس بن اشعث نے اتاری۔ ذوالفقار اور خاص انگوٹھی جس پر نقش تھا اور ہر دو تبرکاتِ امامت میں ملی تھیں، آپ نے وداع کی وقت اپنے جانشین پسر امام علی زین العابدین کے حوالے کر دی تھی، ایک اور تلوار تھی، جو لوٹی گئی، اسی طرح ایک اور انگوٹھی تھی، جسے بجد بن سلیم کلبی نے ظلم کے ساتھ اتارا۔ انگوٹھی اتارنے میں اس ملعون کو دشواری پیش آئی، جلدی کی وجہ سے اس نے منظرِ لاش کے ساتھ یہ بے ادبی کی کہ انگوٹھی کے لالچ میں انگلی کاٹ دی۔

منزل صبرِ رضا

علی کی بیٹیاں دکھوں کے منہج ہا میں

بھائی بھی مارے گئے اور گھر بھی جلانے گئے

راہِ حق میں تکلیفوں کا برداشت کرنا خاصانِ خدا کا ثبوت ہے اور خودِ خودی خدا اور تقویٰ پر دین کے لئے دکھوں کا استقبال کرنا مقربانِ خدا کا طریقہ ہے۔ اعلیٰ کلمۃ الحق اور ظلم و جور کی خلاف مصیبتوں کا گلے لگانا، آذائش، ارتقاء انسانیت کے رہنماؤں اور باطل کی خلاف سینہ سپر ہونے والے مجاہدین کا نصب العین ہے۔

اگر انسانیت میں کچھ رقی ہے۔ حق کی کچھ قدر و منزلت ہے۔ مظلومی سے مواسات اور ظلم و جور سے نفرت، برائیوں سے پرہیز اور نیکیوں سے اُلفت ہے تو انہی مجاہدینِ حق، حریت پسندوں اور باہمت پُر خلوص، سرفروش شہیدوں کی قربانیوں کی بدولت ہے۔ جنہوں نے جان، عزت اور مال راہِ حق کی خاطر قربان کر دیئے اور ظلم و تشدد کا حوصلہ مندی سے مقابلہ کیا۔

آج مساجد میں اذانیں گونج رہی ہیں، جُمعے و جماعتیں برپا ہیں۔ درسِ قرآن جاری ہیں، حلال و حرام کی تمیز باقی ہے۔ حق و باطل اور سچ و جھوٹ میں فرق قائم ہے، تو کہ بلا کے شہیدوں کے وارث بیواؤں، بے گھر ستیادنیوں، بے نوا اور اسیرِ ظلم و جفا بنی زانیوں کے صدقے۔

شہداء کہ بلا اور اسیرانِ کونہ و شام کا مقصد بلند اور نصب العین ارفع تھا، اس واسطے ثابت قدمی کے ساتھ راہِ حق میں ہر آنے والی مصیبت کو حقدہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا۔ پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور نہ استقلال کے قدم ڈگر لگئے اور نہ ہمت و عزم میں کوئی کمزوری آئی۔

گر یہ دلاوری اور نوص و ماتم، یہ بشری تقاضے اور انسانی غامضیتیں ہیں۔ جہاں حوصلہ مندی، شجاعت، صبر و استقلال اور بلند صفات ہیں، وہاں رحمہ و ہمدردی، دل کا بھر آنا اور آنکھوں کا آنسو بہانا، دردناک واقعات سے متاثر ہونا۔ شدتِ غم سے نوص و بین کرنا، درد و الم سے سر اور متہ پیٹ لینا، یہ بشری جذبات کی صحیح ترجمانی اور انسانی فطری عادات ہیں جو نہ دبائے و بھسکتی ہیں اور نہ روکے روکے

سکتی ہیں۔

کہ بلا والوں نے ہر مصیبت اور ہر دکھ کو گلے لگایا اور ہر قسم کی قربانی کھلے دل سے دی جس مقصد کو کہ مدینہ سے نکلے تھے، آخر دم تک وقت شہادت تک بلکہ کوئٹہ و شام کے بازاروں و باروں بلکہ واپسی مدینہ تک اسی مقصد پر قائم رہے۔ ان کے مقصد اور نصب العین میں کوئی برابر فرق نہ آیا۔

ہاں روئے، ماتم کیا، فوج و عین کئے، آنسو بہائے، سرو منہ پٹیا، اور بتایا کہ ہم انسان ہیں پہلو میں دل سینے میں کلیجہ ہے۔ بشری جذبات ہیں اور امتحان گاہ میں ہیں۔ احساس درد و الم ہے۔ اگر غم و ماتم نہ کرتے تو یہی خیال کیا جاتا کہ یہ انسان نہیں ہیں، ان میں بشری جذبات نہیں ہیں۔ انہیں بھائی بہنوں سے محبت نہیں، انہیں جان و عزت پیاری نہیں، انہیں درد و فراق نہیں، انہیں موت کا صدمہ نہیں، اسی لئے تو ان پر کوئی اثر نہیں، نہ روتے ہیں نہ غم کرتے ہیں، نہ بھوک و پیاس کا اثر ہے نہ زخموں کا درد، یہ کون سی مخلوق ہے۔ اور جب تک احساسات نہ ہوں، بشری جذبات نہ ہوں، امتحان بے کار ہے۔ آزمائش بے سود ہے۔ امتحان کا مقصد ہی یہی ہے کہ درد و الم کا اثر ہو۔ دل و دماغ کو صدمہ پہنچے، بشری بدن کو تکلیف پہنچے، جسمانی و اعصابی اذیتیں محسوس ہوں۔

اس واسطے ان مقدس نفوس کا رونا، نالہ و ماتم کرنا، انسانی احساسات کی ترجمانی کرتا ہے، ان کے مقصد اور نصب العین کی مخالفت نہیں کرتا، اور نہ صبر و آزار مالش کی خلاف ہے۔ بلکہ جدیہ رحم اور رقت قلب کا اظہار ہے۔ صبر و رونا کو مقام تکمیل تک پہنچایا۔ کسی مصیبت اور کسی دکھ کے موقع پر صغیر و کبیر اور مردوں اور عورتوں نے کوئی شکوہ نہیں کیا بلکہ ہر منزل پر کامیابی حاصل کر کے شکر ادا کیا۔ عام طور پر انسان مصیبتوں سے گھبرا کر نصب العین سے ہٹ جاتا ہے یا شکوہ کے الفاظ لب پر لاتا ہے۔ لیکن یہ کامل انسان اور افضل بشر ہر مصیبت کے وقت ذکر خدا کرتے اور اپنے خالق اور مالک کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ چنانچہ جناب سید الشہداء علیہ السلام تیر گنے کے وقت بسم اللہ و باللہ و علی ملکہ رسول اللہ کے کلمات پڑھتے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب دکھ اور مصیبتیں اللہ کی رضا کے لئے برداشت کر رہے تھے۔

کہ بلا میں آنے، تمام مصیبتوں کو برداشت کرنے، زندگیاں وقف کرنے کا مقصد جناب امام پاک نے ایک شب کی مہلت طلب کرنے اور رات بھر عبادت خدا اور تلاوت قرآن اور تسبیح و استغفار میں بسر کرنے سے واضح کر دیا تھا۔ خدا کسی کا امتحان اتنی ہی مصیبتوں سے لیتا ہے جتنی اس میں قوت برداشت اور طاقت صبر ہوتی ہے۔ اگر وسعت قلب محدود ہو تو امتحان اور شدائد بھی محدود

ہوتے ہیں۔ اور جس قدر وسعتِ قلب اور قوتِ برائیت بڑھتی جلتے۔ مصیبتوں کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام پر حدود و مصائب آئے اور ان میں کامیاب اترے، لیکن کربلا دلوں کے قلوب میں اتنی وسعت تھی، کہ تمام مصیبتیں اور ہر قسم کے دکھ ہجوم کر کے آئے۔ اور جوں جوں دکھ بڑھتے گئے اور ظلم و جور زیادہ ہوتے گئے، ان کے حوصلے بڑھتے گئے۔ اور قوتِ برداشت زیادہ ہوتی گئی، حتیٰ کہ ظالم ظلم کرتے کرتے تھک گئے، لیکن شہداء کربلا اور اسیرانِ کوفہ دھام میر کرتے کرتے نہ تھکے، ظالم اپنے ظلم پر رونا پر مجبور ہو گئے، لیکن شہداء نے دامنِ صبر و شکیبائی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

عزاداد! جنابِ حسین تو اپنے ساتھیوں سمیت آزمائش میں کامیاب حاصل کر کے اپنے نانا کے پاس پہنچ گئے۔ اب عیٰ کی شیر دل بیٹیوں کے مصائب و آلام دیکھو، اور ان کے بلند حوصلوں، قوتِ برداشت اور عزم کی نچستگی دیکھو۔

غارتِ خیام

جس گھر سے کوئی ایک جنازہ نکلے اس گھروالے مصروفِ غم ہو کر دوسرے حالات سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ اپنے ہوش و حواس قائم نہیں رکھ سکتے۔ مگر جس گھر سے ایک دن میں بہتر یا اس سے زیادہ جنازے نکلے ہوں، اور بے دردی اور ظلم و جور سے جس گھر کے جوانِ خون میں نہا کر سامنے بے گور و کفن پڑے ہوں۔ پھر صحنِ ماتم بچانے کی مہلت نہ ملے۔ تعزیت اور ماتم پرسی کے لئے کوئی مسلمان نہ آئے تو اس سے بڑھ کر کوئی غریب و مظلوم ہے؟ دخترانِ بولِ خود پیاسی تھیں، ان کے بھائی، بیٹے، بیٹھنے اور بھانجے پیاسے تھے۔ مگر ساتھی کوثر کی پیاسی شہزادیوں نے کبھی پیاس کی شکایت نہیں کی۔

لوٹو تبرکاتِ علی و بتول کو

مرتبہ شہادتِ حسینؑ کی خبر سنا کر مرگیا اور شہزادیاں فراقِ برابر میں مصروفِ ماتم تھیں۔ خیموں میں فوج و بکا کہ رہی تھیں اور اس فکر میں پریشان تھیں اب سہارا کیا حال ہوگا۔ کوئی محاذ اور ناہم نہیں رہ گیا۔ ظالم ہیں قید کریں گے یا قتل کریں گے کہ تاگاہ سپاہِ ابنِ سعد بے وارث سیدانوں کو لوٹنے کی غرض سے خیامِ مساوات میں داخل ہو گئی۔ اور نام نہاد مسلمان نبی زادوں کا سامان لوٹنے لگے، زیورات اتارنے میں مصروف ہو گئے۔ جس گھر میں مرد کوئی نہ ہو۔ بے وارث عورتیں اور یتیم بچے رہ جائیں، لوٹنے والے بے خوف ہو کر لوٹتے ہیں۔ انہیں نہ خوفِ خدا تھا نہ کسی مرد کا ڈر، ان میں نہ دین تھا نہ انسانیت، ان وحشی دزدوں نے متابعِ رسولِ لوطی، تبرکاتِ بتولؑ کو لوٹنے یتیموں کے در چھینے، بیواؤں کے زیورات اتارے، مصیبتِ دودہ مستوراتِ ڈرنے مارے پناہ ڈھونڈتی تھیں مگر کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ علی و بتولؑ کی شہزادیاں ہر اس

تھیں۔ بچے سہمے ہوئے تھے، فریاد کرتے تھے مگر فریاد رس کوئی نہ تھا۔ ڈھائی دیتے تھے مگر عدل کوئی نہ تھا۔ سادات کے گھر تھے اور بے تحاشا لوٹ پڑ رہی تھی، آسمان دیکھتا رہا اور آلِ عدل لٹی رہی، لوٹ کے واقعات بیان کرنے سے زبان میں کثرت آتی ہے اور لکھنے میں ظلم تھا۔ اتنے ہی معلوم ہے آسمان کیوں نہ گم پڑا زمین کیوں بے قرار رہی۔ اور کس جگہ سے فضا مظلوم شہزادیوں کے بین سنتی رہی، سوگواروں کو اپنے عزیزوں کا سوگ اور ماتم داروں کو اپنے اقرباء کا ماتم بھول گیا تھا۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے اور جگر پھٹتا ہے۔ کس طرح بیان کروں کہ ہاشمی شہزادیاں جیلوں میں جھپتی پھرتی تھیں، اور بے حیا رظام بے رحمی سے سروں سے چادریں اور پاؤں سے غلغلہ اور کانوں سے گوشوارے اتار رہے تھے۔

لوٹ کے ان واقعات کو خود شریکۃ الحسینؑ ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں۔

ام المصائب کی روایت

میں درخیمہ پر کھڑی مستقبل کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ اتنے میں ایک نیلگوں چشم خیمہ میں گھس آیا۔ مال و اسباب بے خوف ہو کر لوٹا۔ میرا بیمار بھتیجا پھڑپھڑے کے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس نے بیمار کو بستر سے ہٹا دیا اور نیچے سے چڑھ کیچ لیا۔ تاریخ تو کچھ اور کہتی ہے۔ جناب کے الفاظ تو کچھ اور ہیں۔ مگر میں بیان نہیں کر سکتا، مظلومہ فرماتی ہیں، میں گوشواروں سے غروم ہو گئی، اس کے ہاتھوں میں گوشوارے تھے اور ظالم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میں نے کہا ظالم! ظلم بھی کر رہا ہے اور رو بھی رہا ہے۔ اس لئے رو رہا ہوں کہ میں آج علی کی دختر کو لوٹ رہا ہوں اور اتار اس لئے رہا ہوں کہ تم بے وارث ہو۔ اگر میں نے نہ لئے تو کوئی اور لوٹ لے گا۔

جناب فرماتی ہیں، میں نے بد دعا دی، ظالم خدا تیرے ہاتھ کاٹے، جن ہاتھوں سے تو نے دختر بتول کے گوشوارے لئے ہیں۔ خدا تیرے پاؤں قطع کرے جن سے تو چل کر ہمارے پردوں میں گھس آیا اور خدا تجھے دنیا کی آگ میں جلا دے دچا پنچہ اس کا شتر جناب کی دعا کے مطابق حضرت مختار علیہ الرحمہ کے ہاتھوں ایسا ہی ہوا۔

جناب فاطمہ بنت حسینؑ بیان کرتی ہیں کہ خیمہ کے دروازے پر کھڑی اپنے بابا اور عزیزوں کی بے گوروں کو دیکھ

جناب فاطمہ کبریٰ کی روایت

رہی تھی۔ ریت پر خون میں غلطان اور بے وارث میتوں پر آنسو بہا رہی تھی، اور اپنے انجام قتل یا قید کے بارے میں سوچ رہی تھی، کہ اچانک غارت گر بے ڈر خیموں میں داخل ہوئے، میں ڈر کر دوڑ پڑی، اس ظالم کے ہاتھ میں نیزہ تھا، زیادہ بیان کی طاقت نہیں۔ جو حقیقت کی مظلوم بیٹی نے کہا

اتنا کہتا ہوں کہ معصومہ بے ہوش ہو کر گر پڑی، سر سے چادر اتاری گئی اور زیورات چھین کر ظالم تو چلا گیا۔ بی بی کا بیان ہے کہ جب میں ہوش میں آئی تو دیکھا کہ پھوپھی اماں میرے پاس بیٹھی رو رہی ہیں۔ اور مجھے فرمایا کہ بیٹی! اٹھو جا کہہ بیٹہ کریں، دوسری مستورات اور تیرے پیار بھائی پر کیا گزری ہے۔ میں نے کہا پھوپھی! میرے سر پر چادر نہیں، کوئی کپڑے کا ٹکڑا نہیں، جس سے میں اپنا سر ڈھانپ لوں، جناب زینب نے جناب کبریٰ سے کہا: يَا بِنْتَ اَهْ حَتْمَتِكَ وَهَتْلِكَ۔ بیٹی! تمہاری پھوپھی بھی تیری طرح سر عریاں ہے۔ دیکھا کہ خیموں میں تمام بیبیاں سر عریاں ہیں۔ کانوں میں زیورات نہیں، سن سکو تو بیان کروں، مستورات اور بچیوں کے کان زنجی تھے۔ جناب کبریٰ کا بیان ہے کہ خیموں میں شہیدوں کی خواجیاں بھی خالی تھیں۔ اب وہ بستر بھی لٹ چکے تھے اور خیمے سامان و اسباب سے یکسر خالی ہو چکے تھے، بچے سہمے ہوئے خیموں کے کونوں میں دیکھے بیٹھے تھے، اور بیبیوں کے بدن نوٹ کے مارے کانپ رہے تھے، انقلاب زمانہ تھا کہ جن گھروں میں مافرم کس معصوم بچے نہ آسکتے تھے، کہ آج غیر محرموں کے ہاتھوں وہ ستیانیاں ٹٹیں، معصوم فرماقی ہیں کہ ہم نے پیار اماں کو دیکھا جو جھوک و پیاس کی شدت اور بیماری کی وجہ سے حرکت نہ کر سکتے تھے، اوندھے منہ زمین پر پڑے ہیں۔ ہم نے سنبھالا دیا۔ وہ ہماری حالت زار پر اور ہم ان کی بے کسی پر رونے لگے۔ یہ غارت گری یہود اور عیسائی نہ تھے بلکہ کلمہ گو مسلمان کہلاتے تھے، بے وارث غریب الوطن سو گوار عورتوں پر کسی کو رحم نہ آیا۔

ہاں! ایک عورت کو ترس آیا۔ بکر بن وائل قبیلہ کی ایک عورت ہے۔ جو اپنے شوہر کے ساتھ میدان کہ بلا میں آئی ہوئی تھی۔ اس نے خاندان محمد کی بے وارث عورتوں کا یہ بے کسی و مظلومی دیکھی، اس کا دل بھر آیا۔ کہنے لگی، ماہیں بھائی بھی ان کے مارے جائیں، عزیز واقربا قتل ہو جائیں، مردوں کا سہارا ختم ہو جائے، خاندان محمد کی مستورات کے ساتھ پھر یہ ظلم عورت ذات تھی، اتنا ظلم اور تشدد برداشت نہ کر سکی۔ ہاتھ میں تلوار سنبھالی، اور نعرہ بلند کرتی ہوئی ان بے کس اور غریب سادات کے خیمام کے دروازہ پر آکر کھڑی ہو گئی، اور پکار کر کہا: "يَا اَهْلَ بَكْرِ بْنِ وَاہِلِ اَنْتُمْ بَنَاتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ؟ كَلَّا حَكْمُ اللّٰهِ يَنْتَازِلُ اَنْتُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ"۔ اے بکر بن وائل کی آل! تم دیکھ رہے ہو، اور رسول اللہ کی بیٹیوں کو ٹوٹا جا رہا ہے؟ خدا کے سوا کسی کا فیصلہ قبول نہیں۔ لوگو! آؤ اور خاندان رسالت کی اولاد کا بدلہ لو، اتنے میں اس کا خاوند آیا۔ اور اس کو مجبور کر کے اپنے خیمہ میں لے گیا۔ آپ مدینہ سے روانگی کے حالات ہیں، بڑھ چکے ہیں کہ امام پاک نے اس طویل سفر کا کتنا سامان ساتھ لیا تھا۔ کتنے اونٹ یہ سامان اٹھانے کے لئے مخصوص تھے۔ مگر عصر کے بعد تمام خیمے اس سامان سے

خالی ہو گئے تھے۔ اور ظالم سارا سامان لوٹ کر لے گئے تھے۔ ہاں جنہوں نے اسباب لوٹا استعمال کرنا نصیب نہ ہوا۔ جو بھی استعمال کرتا بیمار ہوتا اور طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا۔

بیمارِ کربلا کے قتل کا ارادہ

لوٹنے والے خالی ہاتھ نہ آئے تھے بلکہ نیزے اور تلواریں بھی ان کے ہمراہ تھیں ان میں سے بعض کینے اور سنگدل دشمن اس مذہوم ارادے سے آئے تھے کہ مردوں میں سے جو خیموں میں موجود ہو، چھوٹا خواہ بڑا، کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ میں پوچھتا ہوں کہ اے آسمان! تو نے زمین پر کبھی ایسے ظالم اور ایسے مظلوم بھی دیکھے ہیں؟ جواب ملے گا کہ دھرتی ظالم مظلوم سے خالی نہیں۔ ظالم بھی گزرے اور مظلوم بھی، مگر ایسے ظالم اور سنگدل ستم گار اور ایسے مظلوم اور صبر شعار میری آنکھ نے میرے سائے کے نیچے اور زمین کے اوپر نہیں دیکھے ہیں۔ ہمیشہ مظلوموں پر رویا کیا۔ لیکن کربلا کے مظلوموں پر خون کے آنسو رویا ہوں، اس واقعہ ہائیکہ نے میرا جگر تھکا کر دیا ہے۔

جوں ہی غارت گر، جفاکار اور بے حیاء ستم شعار ان عصمت سرا گھروں میں داخل ہوئے اور بیمار امام کو بستر پر دیکھا قتل کے بارے میں اختلاف کرنے لگے۔ بعض نے کہا جلدی نہ کرو امیر لشکر عمر ابن سعد سے مشورہ کر لو۔ اس افتاد میں غیبتِ اذی سب اہل حق تلوار سنوت کو داخل ہوا۔ اور بیمار امام کو شہید کرنے کا ارادہ کیا کہ اتنے میں حمید بن مسلم نے ہاتھ پکڑ کر کہا یہ بیمار لڑکا ہے۔ کبھی بیمار بھی قتل کئے جاتے ہیں دوسری روایت میں ہے کہ جب شمر حرام زادے نے قتل کرنے پر اصرار کیا تو ام المصائب جناب زینب نے فرمایا: لَا يُقْتَلُ حَقٌّ أَقْتُلُ۔ پہلے مجھے قتل کرو پھر اسے قتل کرنا۔ میں اسے اپنی زندگی میں قتل نہ ہونے دوں گی۔

حضرات یہ تو تھا پاک خیام اور مقدس گھروں کا کٹنا۔ ان ظالموں کی فطرت میں ذرہ بھر رحم کو دخل نہ تھا۔ اور پیدائشی سنگدل، اولادِ حرام، عداوتِ اہل بیت پر پیدا ہوئے تھے، جب لوٹ مار سے فارغ ہوئے تو خیموں میں بیدردی سے آگ لگا دی۔

خاندانِ رسالت کی آفت زدہ اور دروِ رسیدہ بیباںِ جب ابیاتِ آلِ محمد آگ کی لپیٹ میں

اس سے بڑھ کر ہوتی آن کہ گھیر لیتی۔ عزیزوں، بھائیوں اور وارثوں کا ماتم کیا کم مصیبت تھی کہ عصمت سراؤں اور باپردہ گھروں میں ظالم جنفاکاروں کے ہاتھوں بے رحمی سے لٹیں۔ سروں سے چادریں اتر گئی تھیں، مگر

خیموں میں ناخرووں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھیں۔ بتول زادیوں کی اس فریاد کو کسی نے دُسا نہ

دختر ہوں نبی کی مسلمانہ! کیوں لوٹ رہے ہو گھر میرا

کچھ شرم کہ دستبازی ہوں عریاں نگہم سر مہیرا

آخر وہ وقت آگیا جب عصمت سراسے خاندان ہاشم اور ابوطالب کے گھرانے کی مستورات اور دختران بتول جو مدینہ میں کبھی گھروں سے باہر نہ نکلی تھیں اور اپنے محلے کی گلیوں سے ناواقف تھیں، ننگے سر اور پابرہنہ کھلے میدان میں گھبراہٹ سے بے قرار رہیں اور دولت و بے عزتی کے ساتھ نکلتی پڑیں۔

خیموں کو آگ لگائی گئی۔ جن خیموں میں عبادتِ خدا اور تلاوتِ قرآن ہوتی تھی جو خیمے ایک رات قبل ہاشمی ستاروں کی منور سے منور تھے، جن میں عہدِ وثنا اور تسبیح و تہلیل کی صدائیں گونج رہی تھیں، عصرِ عاشور کے بعد آگ کی لپیٹ میں آ گئے۔ خیمے تھوڑے نہ تھے۔ آس پاس دہائیں تھیں۔ جب ایک خیمہ جلتا تھا بے وارث بیٹیاں دوسرے خیموں میں پناہ لیتیں اور سر جھپاتی تھیں۔ چونکہ آس پاس بے جہا سپاہ کا ہجوم تھا۔ لہذا باہر نکلتا گوارا نہ تھا۔ جب تک کوئی خیمہ بچا رہا اور پردہ کی صورت باقی رہی باہر نہ نکلیں۔ جب تمام خیموں کو آگ نے گھیر لیا تب اس قدر مجبور ہوئیں کہ اندر رہیں تو آگ بے اواز باہر نکلیں تو بے حیاؤں کا مجمع عام ہے۔

امام زمانہ سیدِ سجاد کی طرف رجوع کیا۔ حکم ہوا کہ جان بچا کر باہر نکل جاؤ۔ اس وقت دریا عصمت کی مچھلیاں آبِ مہر سے باہر نکل آئیں۔ پردہ داری تو تڑپ تڑپ کے مر گئی تھی اور بے پردہ زندہ رہیں۔

نہرا کی بیٹیاں جو کھلے سر نکل پڑیں سب بیٹیاں خیم سے باہر نکل پڑیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام بیٹیاں اپنے پاؤں باہر نکل گئیں۔ بچے بھی باہر صرا کی طرف بھاگ گئے۔ لیکن امام مظلوم کا علیل پسر جو بیماری کے بستر پر بیٹھنے کے قابل بھی نہ تھا کس طرح باہر نکلتا۔

حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے ایک بی بی کو دیکھا، بار بار ایک خیمہ میں داخل ہوتی اور باہر نکلتی تھی۔ بے قراری کے عالم میں دائیں بائیں دیکھتی۔ میں سمجھ گیا کہ کوئی قیمتی چیز اس خیمہ میں رہ گئی ہے۔

جسے باہر نکالنے کے لئے یہ بی بی بے تاب ہے۔ اور چیز بھی کوئی قدرتی ہے جسے اٹھانے پر قادر نہیں ہے عین بھی بہت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بی بی! کوئی قیمتی چیز اس خیمہ میں رہ گئی ہے؟ اس معصوم نے رو کر فرمایا کہ

باقی قیمتی چیز کہاں رہیں وہ تو لوٹ لی گئی ہیں۔ میرے بھائی کی یاد کا رمیرا بیمار محتاجا جو چلنے پھرنے اور

حرکت کرنے سے مجبور ہے، لنگھ گئی کے سخلوں سے بچانا چاہتی ہوں۔ آخر جوں توں کہ کے بیمار

امام کو نیچے سے نکال لائیں قضا سامان، پارچات مدینہ سے ساتھ لائی تھیں۔ ہر بی بی کے پاس کئی پوشاکیں کتنی چادریں تھیں، جنہیں کئی اونٹ اٹھائے ہوئے تھے لیکن عصر عاشور کے بعد سوائے بدنی لباس کے کوئی کپڑا نہ تھا۔ جس سے منہ چھپا سکیں اور سر پر اوڑھ سکیں۔

دہشت شدید اور گھبراہٹ سخت تھی، چنانچہ جب جلتے ہوئے خیام سے بے کس آفت زدہ مستورات

شدید دہشت اور یتیموں کی موت

گھبراہٹ کے عالم میں باہر نکلیں، ماؤں کے دامن بچوں کے ہاتھوں سے چھوٹ گئے اور بچے دہشت زدہ ہو کر بے تحاشا جنگل کی طرف دوڑ پڑے۔ بچے ماؤں سے جدا ہو گئے تھے اور مائیں بچوں سے بے خبر تھیں۔ معصوم بچے تھے، ایسے واقعات کب دیکھے تھے، روز عاشور اگر باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، بھائی شہید ہو گئے، تو مائیں تو زندہ تھیں، جو عالم غربت میں باوجود اتنی مصیبتوں کے پھر بھی یتیموں کے دھڑکتے دلوں کا سہارا تھیں۔ میدان میں ان بچوں کو جلنے کا اتفاق نہ ہوا۔ اس وقت خیموں میں مائیں سنبھلے تھیں اور میدان میں جانے سے روکتی تھیں۔ چند ایک بچے دامن چھڑا کر بے تاب ہو کر گئے بھی لیکن ظلم و جور کے ساتھ شہید کر دیئے گئے۔

لیکن جو نہی صفاک غارت گریموں میں داخل ہو گئے۔ بچوں کے اوسان خطا ہو گئے اور ماؤں کی بے عزتی انہوں نے آنکھوں سے دیکھی، بدن کا پنے لگے۔ اور دل و جان پریشان ہو گئے۔ سہمے ہوئے مجھے خیموں کے کونوں میں چھپتے تھے اور جب خیموں میں آگ لگی۔ شدید دہشت طاری ہو گئی۔ حتیٰ کہ ہوش و حواس بھی بجا نہ رہے۔ مستورات حجابوں سے باہر نکل آئیں۔ بچے جنگل کی طرف دوڑے۔ ماؤں سے جدا ہو گئے۔ پیادوں کی بھڑتھی۔ رسالوں کا گھمسان تھا۔ گھوڑے دوڑ رہے تھے۔

خاندان رسالت کے کئی بچے دہشت زدہ ہو کر اس دنیا سے رحلت کر گئے اور کئی یتیم و معصوم گھمسان میں گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے کچلے گئے۔ ماں کو لال کی خبر نہ تھی اور یتیم ماؤں سے غافل تھے۔ چنانچہ کتاب "ایقان القلوب" میں "مقتل ابن عربی کے حوالے سے مرقوم ہے کہ دو معصوم بچے دہشت گھبراہٹ اور شدتِ پیاس سے جاں بحق ہو گئے تھے۔ چنانچہ معصوموں کی اس موت سے متاثر ہو کر فوجِ اشقیاء کے چند دستوں نے لٹی ہوئی مستورات اور یتیم بچوں کے پاس پانی بھجوا دیا۔

سلیمان بن محمد بن الحسین الشویخی نے اپنے مقتل میں عبد الوہاب الشعرانی کی کتاب المنن کی دسویں جلد کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ جناب عبدالرحمن بن عقیل تو روز عاشور جناب سید الشہداء کے ساتھ شہید ہو گئے لیکن ان کے دو صاحبزادے سعد اور عقیل جو ان کے ہمراہ کر بلا میں موجود تھے، بعد

شہادتِ حقیقہ شدتِ پیاس اور دہشت سے گھبرا کر جاں بحق ہو گئے تھے اور یہ بچے جناب امیر المومنین علیہ السلام کی دختر جناب خدیجہ بنت علی کے فرزند تھے۔

جناب مسلم بن عقیل کے دو صاحبزادے واقعہ کربلا میں جن کا نام محمد بن مسلم اور عبد اللہ بن مسلم ہے۔ روزِ عاشور شہید ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ جناب رقیۃ الکبریٰ بنت امیر المومنین ہے اور جناب مسلم بن عقیل کی ایک دختر جناب رقیۃ الکبریٰ کے بطن سے تھیں جن کا نام عاتکہ ہے۔ کس نے سچی تھیں۔ ان کی والدہ بھی کربلا میں موجود تھیں۔ لیکن جب خیام کو آگ لگی، معصومہ ماں سے پھیر گئیں، بے تحاشا صحرا کی جانب دوڑ رہی تھیں کہ گھوڑوں کی زردیوں آکر پاٹھال ہو گئیں۔ اس طرح جناب مسلم کی اولاد کو فو کربلا میں نہایت بے دردی سے شہید ہوئی اور معصومہ کا نازک بدن گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے پاٹھال ہو گیا۔ اسی طرح دو اور یتیم بچیوں کی اس طرح کی موت کا واقعہ جناب علامہ علی نے "بحار" اور "وسعی" نے "تحریر" میں تحریر کیا ہے کہ یہ معصوم بچیاں روزِ عاشور عصر کے بعد گھبراہٹ کے عالم میں شدتِ پیاس اور دہشت سے گھبرا کر مر گئیں اور گھوڑوں کے سموں تلے پاٹھال ہو گئیں۔ علی کی بیٹیوں نے گب رھیں کی رات دو بچوں کی نہیں بلکہ کئی بچوں اور بچوں کی لاشیں منبھالی ہیں۔

شامِ غریباں اور شبِ آلام

اس میں کوئی شک نہیں کہ شبِ عاشور آلِ محمد پر نہایت سخت تھی۔ جبکہ اہل بیتِ رسول پوری طرح دشمنوں کے گھیرے میں آ گئے تھے۔ زندگی سے ناامید ہو چکے تھے، اور موت سامنے مسئلہ رہی تھی، ہر ماں اپنے فرزند، ہر بہن اپنے بھائی اور ہر زوجہ اپنے خاوند کی موت کا یقین کر چکی تھی۔ تاہم اس رات کو نیچے تھے۔ غیموں میں قمرِ امامت اور نجومِ اہل بیت کی حضور تھی۔ خواب کا میں بستر اور سامانِ پارچات وغیرہ تھے۔ ماں کو نہال کا مکھڑا دیکھ رہی تھی۔ بہنیں بھائیوں کے دیدار سے محروم نہ تھیں اور زوجہ اپنے ستراج کے سایہ میں تھی۔ لیکن مصائب و شدائد کے اعتبار سے شبِ دہم کو گیارھویں کی رات سے کیا نسبت ہے؟ بہنیں بھائیوں کے سوگ میں مائیں اولاد کے غم ازدواج اپنے آقاؤں کے ماتم میں اس طرح نالہ و فریاد اور نوحہ و بیکہ کر رہی ہیں۔ کہ نضا آنسو بہا رہی ہے۔ زمین کا جگر چھٹ گیا ہے۔ آسمان خون رو رہا ہے۔ پتھروں کے کیلے شق ہو گئے ہیں، فرات کا پانی کھول رہا ہے۔ خود قاتل اشکبار ہیں۔ ظالم بھی رونے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ آسمان لاکھوں راتیں اور زمین نے لاکھوں دن دیکھے ہیں۔ مگر اس دنیا میں مصائب و آلام اور ہجومِ مہوم و غوم کے لحاظ سے

عاشور کے برابر کوئی دن نہیں جس روز کہ بنی ہاشم کا بھرا کنبہ مقتول سرا گلشنِ بول تاراج ہو گیا اور ابو طالب کا خاندان تباہ و برباد ہو گیا۔

اور گیارہویں کی رات کے برابر کوئی دکھ بھری رات نہیں۔ بنی ہاشم کی مستورات، خاندان ابو طالب کی بہو بیٹیاں اور دخترانِ رسول و بول ننگے سر زیرِ آسمانِ عالم غربت میں اپنے سارے عزیز و اقارب شہید کر کے ذلت و رسوائی کی قید میں بے وارث دے آ مرے ریت کے ٹیلوں کی اوٹ میں بے پردہ بیٹھی ہیں اپنے محلہ کی گلیوں سے ناواقف بیبیاں نا محرموں کے گھیرے میں ہراساں و پریشان، غربت و حسرت کے سایہ میں بیچارگی کے عالم میں اپنے شہیدوں کے غم میں سو گوارہ ہیں۔ خیمے جو کل تک جوانانِ بنی ہاشم اور انصارِ جانناز سے بھرے ہوئے تھے۔ راکھ میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ اور راتوں جاگ کہ پہرہ دینے والے ہمیشہ کی نیند سو چکے ہیں۔ سامان و اسباب لٹ چکا۔ اتنا کپڑا پاس نہیں کہ نا محرموں سے منہ چھپا سکیں خیام جل چکے اور سر کے بال کھل چکے ہیں۔ زیورات کانوں اور پیروں سے اتارے جا چکے ہیں۔ سامنے اپنے تمام عزیزوں کی لاشیں خون میں نہاٹی اور ریگ و خاک میں اٹی ہوئی بے گور و کفن پڑی ہیں۔ کوئی پرہیز دینے والا نہیں، کوئی دلاسا دینے والا نہیں۔ اب کوئی ناصر و مددگار نہیں رہا۔ کوئی مہر و دنگسار نہیں۔ خاک کا فرش ہے۔ حسرت چھاٹی ہوئی ہے۔ غربت طواف کر رہی ہے، حسین تو پار چلے گئے مگر زہرا جانیوں کا سفینہ دکھوں کے منہ دار میں پھنس گیا ہے۔ کشتی غموں سے بھر پور ہے۔ نہایت دکھی پور ہے۔ کنارہ دور ہے۔ کلاچ بہت رنجور ہے۔ یتیموں سے ظالموں نے یہ سلوک کیا ہے کہ بچپنوں کے کانوں سے خون بہہ رہا ہے۔ بچوں کے چہروں پر ٹھانچوں کے نشان ہیں۔ بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں سے دامنِ صحرابھرا ہوا ہے۔ مرد کوئی نہیں رہا صرف اللہ رکھوالا ہے۔ بے کس بیبیاں کبھی مدینہ کی کھوکھلی گھر کے واعدہ پکارتی ہیں۔ کبھی سوئے نجف منہ کر کے وعلیہ کی صدا میں دیتی ہیں۔ کبھی نہرِ زرا کی جانب متوجہ ہو کر عباس کو پکارتی ہیں۔ اور کبھی فرزندِ زہرا کی لاش کو مخاطب کر کے کہتی ہیں اماں جایا تیرے سہارے آئی تھیں، اب بتا ہمارا سہارا کون ہے؟ ہمیں کس کے سپرد کر گئے ہو؟

یہ رات غم و ماتم اور تعزیت و سوگ کی رات تھی۔ کہ بلا کے شہیدوں اور شام کے غریبوں پر کائناتِ رو رہی تھی۔ عالمِ ملکوت میں سوگ تھا۔

سب سے بڑا غم ہر مستور اور ہر بچہ کا کلیجہ کھار رہا ہے کہ رات کے بعد صبح کی سفیدی ہمیں موت کا پیغام سنائے گی یا بے حیا ظالموں کی قید کی خبر دے گی۔ وطن جانے کی امید تو ختم ہے۔ ہمیں قید کر کے کہاں بھیجا جائے گا؟ یہ فطرتی بات ہے کہ جب کوئی دل گداز سانحہ رونما ہوا اور

عظم کا پہاڑ گمے تو آخر تفری پیدا ہو۔ اور ایسے دلخراش واقعہ سے جب مستورات اور: یہ منتشر ہو جائیں تو طوفانِ غم ٹھننے کے بعد ہمیشہ والدین اپنے ننھے مٹے بچوں کو سنبھالتے ہیں۔ خیور، لوٹ مار اور ان کے جل جانے سے بیبیاں اور بچے بے تحاشا روتے پیٹتے سحر کو دوڑے، غور و خط بے حد تھا۔ گھبراہٹ اور دہشت چھائی ہوئی تھی۔ اس واسطے مائل کو بچوں کی ہوش نہ رہی اور بچوں کو ماؤں کی خبر نہ رہی۔ نہ بچے کے ہاتھ میں ماں کا دامن رہا اور نہ ماں کے ہاتھ میں معصوم کی انگلی رہی۔ جب جو دہشت کا اندھی کچھڑکی تو ماؤں نے بچوں کو سنبھالا۔ بیواؤں نے اپنے لالوں کی خبر گیری کی اور جنابِ زینب و ام کلثوم نے اپنے یتیموں کو گنا۔ دو نہیں دو سے زیادہ معصوم گم تھے۔ یہ آنکھوں کے تار سے اور ماؤں کی غریب کے پہاڑ کمر بلا میں گم ہو گئے۔

اور جب کسی ماں کا لال گم ہو جائے، ماں بے حد بے قرار ہو جاتی ہے۔ اب ان آفت رسیدہ قوم بیبیوں کی قافلہ سالار و خیران علی و بتول جنابِ زینب و ام کلثوم تھیں۔ انہیں اٹھ کر سنبھالنا پڑا۔ جب ان گم شدہ یتیموں کو تلاش کرنے کے لئے نکلیں تو دیکھا کہ ایک نشیب میں دو فوجیتے سوئے ہوئے ہیں اور یہ دونوں لال جنابِ عبدالرحمن بن عقیل کے تھے اور ایک یتیمہ جنابِ مسلم تھیں اور جنابِ امام حسن علیہ السلام کی دو بچیاں تھیں۔ جن کی لاشیں بتول کی بیٹیاں تلاش کر کے لائی تھیں۔ کس قدر مصیبت کی کہانی ہے۔ کہ حسین و بھرتہ شہیدوں کی لاشیں اٹھاتے رہے اور بہنیں رات کو یتیموں کی پاؤں مال لاشیں سنبھالتی رہیں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ ان ماؤں کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ جنہوں نے دن کو بیٹوں کی لاشیں اور رات کو بیٹیوں کی لاشیں دیکھی ہوں گی۔

عمر بن سعد نے ایک جماعت ان بے داروں کی حفاظت کے لئے مامور کی تھی، نہیں معلوم اس امر کی حفاظت مطلوب تھی کہ اس کی فوج کوئی مزید ظلم و ستم نہ کرے یا اس بات کی حفاظت تھی کہ یہ مسافرات کو کہیں نکل شجائیں کیونکہ صبح گزرتا کہ اسے ابنِ زیاد کے دربار میں قیدی بنا کر لے جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ گھبراہٹوں کی رات سو گوار یتیموں اور یتیم بچوں کے لئے کھانے اور پانی کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ قرینِ قیاس بات ہے۔ کیونکہ ظاہری طور پر ابنِ سعد کو مستح حاصل ہو چکی تھی۔ ہاشمی کنبہ پر باد ہو چکا ہے۔ مرد مارے گئے ہیں۔ یتیموں اور بیواؤں پر شعل پس ماندگان ہیں۔ آخر حیا آگئی ہوگی۔ ان کی مظلومی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اس واسطے ان ظالموں نے بعدِ شہادت سید الشہداء پانی کی پابندی ختم کر دی۔ بہر حال پانی پہنچا یا گیا لیکن کس طرح اور کس قدر؟

تاریخیں خاموش ہیں۔ جو روایت بیان کی جاتی ہے قابلِ تردید نہیں کیونکہ قرینِ قیاس ہے اور قابلِ

تائید نہیں کیونکہ تاریخوں میں مذکور نہیں۔

ارواحِ پنجتن پاک کی کربلا میں آمد

جناب سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت اور جناب زینب و کلثوم کی امیری سے قبل جناب خمسہ سنجہ اہل عبارتِ پنجتن پاک علیہم السلام کو اس واقعہ کا علم تھا۔ اور اس سرزمین سے جناب امیر علیہ السلام کا گزر ہوا۔ تو وقتِ قیام بہت روئے، جیسا کہ تاریخوں میں مذکور ہے۔ جناب امام مظلوم کی روانگی کے وقت جناب رسالتؐ سے عالم خواب میں ملاقات و گفتگو بھی مذکور ہے۔ بلکہ امام پاک مطابق حکم رسول وار و کربلا ہوئے۔

جب پنجتن پاک علیہم السلام کو معلوم ہے کہ ہمارا کنبہ کربلا میں شہید ہو گیا۔ گھر برباد ہو گیا اور ظلم و جور سے بنی ہاشم مارے گئے۔ اس کا انہیں علم بھی ہوا اور وہ عالم ارواح میں زندہ بھی ہوں۔ اور آنے پر قدرت بھی رکھتے ہوں۔ انہیں اس شہادتِ عظمیٰ اور حادثہ کبریٰ سے سخت درد اور شدید غم بھی ہوا ہو۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ کربلا میں نہ آئیں۔ چنانچہ آئے اور ضرور آئے، اور اس طرح آئے جس طرح پُر سادینے والے آتے ہیں۔ غم کی صورت بنا کر روتے ہوئے آئے۔ اس طرح جس طرح وارث میت پر آتے ہیں۔ اس طرح آئے جس طرح والدین بیٹے کی اور بہن بھائی کی لاش پر آتی ہے۔ جناب رسول خدا کا آنا، کھلے سر آنا۔ بادوں پر خاک کربلا کا ہونا، گریہ و بکا کرنا، اور خون شہداء کربلا کا ایک شیشی میں محفوظ کرنا تو زندگی و مشکوٰۃ کی حدیثوں اور جناب ام سلمہ و ابن عباس کی شہادتوں سے ثابت ہے۔

روز عاشور پنجتن پاک کی ارواح مقدسہ متاثرہ مغومہ و محزونہ دن بھر کربلا میں شہیدوں کے دردناک مناظر دیکھتی اور اپنی بیٹیوں کے جگر تراش بین اور دل نگار لوہے سنتی رہیں۔ وہ اس وقت بھی کربلا میں موجود تھیں جب حسین اکبر کی لاش پر آئے اور بے تاب ہو کر لاش پر گر پڑے۔ وہ اس وقت بھی دیکھ رہی تھیں جب حسین عباس کی لاش کے سر لانے بیٹھے بھائی کا سرگوو میں لے کر مبارک صاف کر رہے تھے، وہ اس وقت بھی حسین کے گرد گھوم رہی تھیں جب پیاسے گلے پر شمر کا کنڈخیر چل رہا تھا۔

جناب عبدالرزاق المقرم اپنی کتاب "مقتل الحسین" میں لکھتے ہیں: **بَلَى لَقَدْ حَضَرَ رَسُولُ اللَّهِ الْمَعْرَكَةَ وَشَهِدَ ذَلِكَ الْجَمْعَ الْمُتَّالِبَ عَلَى اسْتِصْغَالِ أَهْلِهِ مِنْ جَدِيدِ الْأَذْنِ!** ہاں

جناب رسول خدا اسی معرکہ قتال میں موجود تھے، اور اس گروہ جفا کار کی ظالمانہ و قاتلانہ کارروائیاں دیکھ رہے تھے کہ روئے زمین سے ان کی آل کا خاتمہ کرنے پر تھے ہوئے تھے اور بیواؤں اور دل جلی ہاشمیت کی فریادیں اور پیلے بچوں کی لعشش کی صدائیں بھی سن رہے تھے، موصوف مزید لکھتے ہیں کہ لشکرِ کوفہ نے ایک خونناک آواز سنی۔ "وَلَيْكُم يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ إِنِّي أَرْسِلُ إِلَيْكُمْ رَسُولَ اللَّهِ يَنْظُرُ إِلَى جَمْعِكُمْ مَرَّةً وَآلِ الشَّعْبَاءِ مَرَّةً أُخْرَى وَهُوَ قَائِمٌ عَلَى الْحَبِيبَةِ الْمُقَدَّسَةِ" افسوس ہوتا ہے اسے اہل کوفہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ تمہاری جماعت کو کبھی دیکھتے ہیں اور کبھی آسمان کو دیکھتے ہیں۔ اور انہوں نے اپنی ریش مبارک کو پکڑا ہوا ہے۔ "وَأَنَا أَخَافُ أَنْ يَدْعُوَ اللَّهُ عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ كُلِّهَا فِيهِمْ" مجھے خوف ہے کہ وہ بددعا کریں تو اہل زمین ہلاک ہو جائیں گے۔ اور میں بھی ان میں شامل نہ ہو جاؤں۔ لیکن اہل کوفہ طبع دنیا اور ضلال میں مبتلا تھے۔ کسی نے آواز دی کہ لوگو! اس بات کی طرف توجہ نہ کرو اور نہ ڈرو یہ کسی دیوانے انسان کی آواز ہے۔ جناب امام صادق فرماتے ہیں کہ وہ جبرئیل تھے۔ صرف تنہا حضرت رسولؐ نہ تھے بلکہ جناب علیؑ و فاطمہؑ اور جناب حسنؑ بھی ہمراہ تھے۔

جمال ملعون کا قصہ

بحار الانوار میں سید بن سبیب نے خود جمال ملعون کی زبان سے اس کے ظلم و شقاوت کی کہانی بیان کی ہے۔ یہ ملعون کہتا ہے کہ امام پاک کا ساربان تھا جب مدینہ سے عراق آئے ہیں۔ جب وہ اپنا زبرد جامر شلوار کسی وقت تبدیل کرتے تو وہ میرے سپرد فرماتے۔ اس سر اوپل (شلوار یا پاجامہ) میں ازار بند نہایت چمکدار اور قیمتی تھا۔ جس کے دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہوتیں۔ جب ہی میرے سپرد وہ شلوار ہوتی، میں اس کمر بند کو دیکھ کر یہ تمنا کرتا، کاش کہ ایسا کمر بند مجھے بھی نصیب ہوتا۔ وہ ملعون بیان کرتا ہے کہ یہ حسرت میرے دل میں رہی۔ جب غریب کے بلا شہید ہو گئے اور ان کی لاش بے ادبی کے ساتھ لوٹی گئی تو میرے دل میں بھی یہ حسرت بیدار ہوئی، کہ اب حسین مظلوم ہو کے مارا گیا ہے۔ لاش لوٹ لی گئی ہے۔ جا کر کمر بند کا پتہ کروں، شاید قسمت یاوری کرے۔ اور مدت کی تمنا کامیاب ہو اور کمر بند ہاتھ آجائے۔ چنانچہ مذموم ادادہ سے اور بُری نیت سے میں سوئے مقتل بڑھا۔ میں چپٹا چپٹا میدان میں گیا۔ رات چھا چکی تھی۔ اور ہر شخص اپنے اپنے ٹھکانہ پر تھا۔ میدانِ قتال دن بھر گرم رہنے کے بعد سرد ہو چکا تھا۔ خون سے زمین سُرخ تھی۔

جہاں بھاڑے نیروں شکستہ تیروں اور تلواروں کے ٹکڑے نظر آتے تھے، سارا دن کی گہما گہمی سواروں کے فراتے، تلواروں کی جھنکار اور لڑائی کا شور و غل ساکن ہو چکا تھا۔ میں نے میدان میں مختلف بے سر لاشیں دیکھے جن سے نور کی شعاعیں بلند ہو رہی تھیں۔ ان لاشوں میں میں نے لال بتول کی لاش تلاش کی، جو اوندھے منہ زمین پر سر کے بغیر پڑی تھی۔ باوجودیکہ خاک و خون میں غلط تھی۔ جراحات کی کثرت تھی۔ لیکن نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہی غریب مدینہ، مظلوم کربلا، قافلہ سالار شہداء کی لاش ہے یہی جناب رسول خدا کا دلبر، امیر المومنین کا نورِ نظر، جناب زہرا کا لختِ جگر اور زینب و امّ کلثوم کا برادرِ حسین ہے۔ مجھ پر خجاست اور شقاوت غالب آچکی تھی۔ میں لاش کے قریب گیا، اور اس خیال سے کہ کوئی دیکھ نہیں رہا ہے وارث لاش ہے۔ کمر بند اتارنے کے ناپاک ارادے سے میں کمر بند تلوار سے کھولنے لگا۔ دیکھا کہ امام مظلوم نے اس میں کئی گریں باندھی ہوئی ہیں۔ اور مضبوطی سے بندھا ہوا ہے۔ میں نے ہر چند کوشش کی۔ مگر ایک گرہ کھول سکا کہ اتنے میں کمر بند پر امام کا ہاتھ نہایت مضبوطی سے آگیا۔ میں نے کمر بند کو امام کی گرفت سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔ میں امام پاک کا ہاتھ کمر بند کی گریوں سے ہٹانے لگا۔ بدبختی غالب تھی۔ حیا اور ایمان رخصت ہو چکا تھا۔ کمر بند کے لالچ میں خوفِ خدا نہ رہا۔ دنیوی خطرہ تھا نہیں کیونکہ مظلوم اور بے وارث لاش تھی۔ مجھ سے پہلے بھی زہرا کا نورِ نظر ظالموں کے ہاتھوں لٹ چکا تھا۔ میں بھی بے ڈر ہو کر میدان کی طرف بڑھا۔ ٹوٹی ہوئی تلوار کا ایک ٹکڑا اٹھا لیا۔ جھکنا کھڑا تھا۔ مظلوم کا ہاتھ کھٹنے لگا نہایت بے رحمی سے دلبر بتول کا دایاں ہاتھ میں نے کلائی سے کاٹا۔ میں کمر بند اتارنے کی فکر میں تھا کہ ناگاہ کمر بند پر اس بے کس و بے وارث مظلوم کا بایاں ہاتھ آگیا اور بائیں ہاتھ سے انہوں نے کمر بند کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ میں نے بایاں ہاتھ گریوں سے ہٹانے کی کوشش کی مگر ہٹ نہ سکا۔ میں نے تلوار کے ٹکڑے کو دوسرے ہاتھ پر چلایا۔ کمر بند ہونے کی وجہ سے دیر تو لگی۔ میں دوسرا ہاتھ بھی کاٹنے میں کامیاب ہو گیا۔ دونوں ہاتھ کاٹ چکنے کے بعد میں نے کمر بند کو کھولنے کا ارادہ کیا۔ امام پاک اٹھ بیٹھے۔ زمین کانپنے لگی۔ آسمان ٹھہرنے لگا۔ میدان کربلا رونے پینے کی درناک آوازوں سے بھر گیا۔ میں لاش سے دور بھاگ گیا اور لاشوں میں چھپ کر لیٹ گیا۔ مجھ پر دہشت طاری ہو گئی اور کانپنے لگا کہ اس آئنا میں ایک نور کی عکاسی نازل ہوئی۔ جن میں سے تین مرد اور ایک عورت باہر آئے۔ سرید ہاتھ تھے۔ اس طرح نالہ و فریاد آدھ آدھ وزیر سی کر رہے تھے جس طرح ضعیف والدین جوان فرنگ پسر کی لاش پر نوحہ و ماتم کرتے ہیں، آواز آتی تھی ہائے اور میرے مظلوم

بیٹے، واقیتاً، وا ذبیحہ، کوئی کہتا تھا میرے ناز پروردہ بیٹے! میرے پیاسے بیٹے، میرے بے وارث بیٹے۔ کیا مرنے کے بعد بھی تیری لاش پر ظلم بند نہیں ہوئے؟

ان چار اشخاص کے ساتھ اور بھی بہت سے نرم و مرد تھے، سب ماتی لباس میں تھے اور کہ بلا میں مظلوم پر گریہ و بکا کرنے آئے تھے۔ فرشتے گریاں صورت میں کثیر تعداد میں ان کے ساتھ تھے، گھیر رکھیں کی رات تھی، میں نے دیکھا کہ انسانوں کی صورتوں اور ملائکہ کے پردوں سے صحرا، کہ بلا بھر گیا۔ رونے پینے اور گریہ و بکا کی آوازیں بلند تھیں۔ کہ اتنے میں آواز آئی کہ میرے لختِ دل حسین! تیرا ناما تجھ پر قربان جلسے۔ تیری موت نے تیرے نانے کے جگہ کو زخمی کر دیا۔ بیٹا! تو نے اپنا فرض خوب ادا کر دیا۔ میری نصیحت پر پورا عمل کیا۔ میرا سلام قبول کر۔ بیٹا! یہ تیرا بابا علی ہے۔ یہ تیری مہربان ماں بتول ہے۔ یہ تیرا شفیع بھائی حسن مسموم ہے۔ بیٹا! تجھے رونے آئے ہیں۔ تجھے تیرے بیٹوں بھاپوں بھتیجوں تیری غوث کی موت کو پرہز دینے آئے ہیں۔ بیٹا! تیری لاش پر رونے والا کوئی نہ تھا تیرے رونے والے اپنے دکھوں میں مشغول ہو گئے۔ بیٹا! ہمارا سلام قبول کر تو نے میرے دین کی حفاظت کی میری شریعت کو شکنے سے بچا لیا۔

لاش اٹھ بیٹھی اور آواز آئی، نانا مظلوم تولے کا بابا مجروح پسرا، اماں بے وارث نورِ نظر کا بھائی، غریب و بے کس لاش کا سلام ہو، نانا راضی ہو، بابا راضی ہو۔ نانا ہمارے مرد مارے گئے۔ نانا تیری امانتوں کو صحرا میں لایا۔ مگر میری موت کے بعد انہیں ظلم و جور سے ٹوٹا گیا۔ ان کے گھر جلانے گئے۔ ان امانتوں کو جنگل میں بے سہارا چھوڑ چکا ہوں، نانا، بابا، اماں بھائی، اپنی آنکھوں سے ہمارا حال دیکھ لو۔ نانا یہ تیری امت کا سلوک ہے۔

عزا دارو! لٹی ہوئی اور کٹی ہوئی لاش کے آس پاس یہ وارث بیٹھ کر رولے گئے۔ جنابِ مظلوم و محرومہ مادرِ حسین کی آواز آئی، بابا اجازت ہے میں اپنے غریب و مظلوم بیٹے کے خون سے اپنے سر کے بال خضاب کر لوں۔ آواز آئی بیٹی تو بھی سر اور پیشانی پر خون مل، ہم بھی سر اور پیشانی خون سے سرخ کر دیں گے۔ اور روزِ قیامت اسی حال میں دوبارہ تمہا میں پیش ہو کر فریاد کریں گے۔ بیٹا! تیری بے کس اور مظلومی ہم پر کس قدر گراں ہے۔ بیٹا! تیرے ہاتھ کس ظلم نے کٹے ہیں؟ اسے شرم نہ آئی کیا تجھے بے وارث سمجھا تھا۔ کس ظلم نے انگوٹھی کے لالچ میں تیری انگلی کاٹ لی۔ انگوٹھی میں کمر بند کی حرص میں تیرے ہاتھ قطع کر ڈالے تو اتنا بے وارث اور غریب رہ گیا ہے؟ جمالِ لعین کا بیان ہے کہ مظلوم کہہ بلانے تمام ماجرا نانا کو سنایا اور کہا نانا وہ ملعون لاشوں

میں چھپا پڑا ہے۔ پس جناب رسول خدا میرے پاس آئے۔ اور کہا کہ ظالم! میں ان ہاتھوں کے بوسے لیتا تھا، ملائکہ چوتھے تھے، بوسہ گاہ علی و تبول تھے، ناز پروردہ بتوں کے کس بے دردی سے تو نے ہاتھ قطع کئے۔ کیا ظالموں کے ظلم کم تھے؟ کوئی کسر رہ گئی تھی جو تو نے ہاتھ قلم کے پوری کی۔ خدا تیرے ہاتھ قطع کرے۔ جمال کا بیان ہے کہ رسول رب العالمین کی بددعا سے میرے ہاتھ قلم ہر گئے اور چہرہ مانند شب سیاہ تاریک ہو گیا۔ اس طرح شہداء کی لاشوں اور جلے ہوئے جمیوں بے وارث مسافروں، بیکیں یتیموں اور بے سہارا بیواؤں کے پاس پختن پاک کی ٹمگین و مخزون روئیں مصروف گریہ و بکا رہیں۔

شہادتِ امام مظلوم پر قدرتی آیات و آثار کا ظہور

جناب سید الشہداء علیہ السلام کی مظلومی و بے کسی اور بے دردی کی شہادت نے عالم امکان میں تلاطم پیدا کر دیا۔ عالمِ ناسوت کیا عالمِ لاہوت اور کرات کائنات میں تزلزل و تفریر روغا ہوا۔ سیاہ آنکھیاں چلنے لگیں۔ آسمان سے خون کی بارش نازل ہوتی رہی۔ بعد از قتل امام مظلوم اس قدر تاریکی چھا گئی کہ دن میں تاریے نظر آنے لگے۔ آہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ یہ کیفیت ایک گھنٹہ برابر جاری رہی۔ لوگ سمجھے کہ قیامت آگئی ہے کپڑوں اور دیواروں پر خون کے آثار دکھائی دیئے۔ ٹمکے اور گھڑے بجائے پانی کے خون سے بھرے ہوئے نظر آئے۔ اگر زمین سے کوئی ڈھیلا یا پتھر اٹھایا جاتا تو اُس کے نیچے سے خون جوش مار کر نکلتا۔ شہادت سے قبل آسمان کے کنارے شفق سے خالی تھے۔ بعد از شہادت طلوع و غروب کے وقت خون حسین سے یہ کنارے رنگین ہو گئے۔

جناب سفیان ثوری اپنی وادی سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں میں زمانہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت جوان تھی۔ آسمان کئی دن تک ان کے ناحق قتل پر روتا رہا اور بغیر بادل کے بارش ہوتی رہی۔ جو گریہ و بکا آسمان کی دلیل ہے۔

آسمان سے خون کا مینہ برسا جس کا اثر کپڑوں اور دیواروں پر کئی روز تک رہا۔ خود حوروں نے جَنّاتِ عالیات میں، ملائکہ نے طبقاتِ سلوات میں، پرندوں نے ہوا میں پھیلیوں نے دریا میں، اور وحشی جانوروں نے صحرا میں مظلوم کی بے کھی کی موت پر اپنے اپنے ماحول میں گریہ و بکا کیا۔ حقائقِ عالم جبار وقت سارنے اپنے فہر و غضب کا اظہار مذکورہ بالا نشانیوں کی صورت میں کیا۔

فرزند رسول کی غریب اولیٰ اور بے گناہی پر تمام انبیاء و اوصیاء روئے۔ اپنے بھی روئے پر اسے بھی روئے اور یہی وہ مظلوم ہے جس کی بے جرم و بے خطا موت پر دوست اور دشمن دونوں روئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور ام المؤمنین حضرت اُمّ سلمیٰ کے خواب اس واقعہ فحشہ کے اثرات کے متباد ہیں۔ دوسرے عالم خواب میں دیکھا کہ جناب رسول پاک کے سر کے بال کھلے ہوئے ہیں اور سر اور ریش مبارک خاک سے بھری ہوئی ہے۔ جناب اُمّ سلمہ نے پوچھا۔ تو جواب دیا۔ میرا بیٹا حسین قتل ہو گیا۔ میں ان کی اور ان کے ساتھی شہیدوں کی قبریں کھودتا رہا۔ وہ گھبرا کر اٹھیں اور جناب اُمّ سلمہ نے اسی شیشی کو دیکھا جس میں جناب رسول پاک کی دی ہوئی خاک کمرلاتھی۔ وہ مٹی خون بن کر جوش مار رہی تھی اسی طرح جناب عبداللہ بن عباس نے دیکھا پوچھا تو جواب ملا کہ میں کربلا گیا تھا۔ میرا تختِ مکرّم و جد سے شہید ہو گیا۔ میرے ہاتھ میں شیشی میں ان کا اور ان کے اصحاب کا خون ہے۔ جو آج کے دن شہید کی لاش سے جمع کرتا رہا۔

جناب وعلٰیٰ خراسانی بیان کرتے ہیں اپنے دادا سے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میری ماں نے اس درخت کو دیکھا۔ جو خشک ہو چکا تھا۔ اس کے نیچے جناب رسول پاک نے وضو فرمایا۔ وہ درخت "اُمّ عبدالمؤمنین" کا تھا۔ حضور کے وضو کے پانی کی برکت سے وہ درخت سرسبز ہو گیا۔ کہ نہیں بیٹھیں برگ و بار آئے اور اپنے ٹھنڈے سائے اور پھلوں سے لوگوں کو فیض یاب کرتا رہا۔

حضور کی وفات کے بعد اس کے پھل کم ہو گئے اور شادابی میں کمی آگئی تھی۔ امیر المؤمنین کی شہادت کے بعد اس پر پھل آنے بند ہو گئے تھے اور لوگ اس کے پتوں سے اپنی بیماریوں کا علاج کرتے تھے کچھ مدت تک بعد لوگوں نے دیکھا کہ اس کے تنے اور شاخوں سے خون اُبل رہا ہے۔ اس حادثے نے لوگوں کو درمشتِ ناک کر دیا۔ اور جب رات چھا گئی تو نغمائیں رونے والوں کو نہ دیکھتے تھے یہ شعر پڑھا گیا۔

يَا ابْنَ الشَّهِيدِ يَا شَهِيدًا عَمْدَهُ
خَيْرًا لِّعُمُومَةِ جَعْفَرِ الطَّيَّارِ
جَهَابًا لِّمَقْتُولِ اَمَّا بَلَدٌ حَدُّهُ
فِي الْوَجْهِ مِنْكَ وَقَدْ عَدَاكَ عِبَادُ

اس کے بعد جب قتلِ حسین کی خبر لوگوں کو پہنچی تو معلوم ہوا کہ درخت کے تنے میں جوشِ خون کا وہی وقت تھا جب بتول کے لال پر شمر کا خنجر چل گیا تھا۔

الدمعة الساكبة میں بیلکی کیا گیا ہے کہ بعد از شہادت جناب مظلوم کے اونٹ بھی ظالموں نے لوٹ لئے تھے۔ ان میں ایک خاص مولیٰ کی سواری کا تھا۔ اسی ناقہ پر سوار ہو کر امام مظلوم

روزِ عاشور لشکرِ ابنِ سعد کو وعظ و نصیحت کرنے گئے تھے۔ جب قتلِ امام پر فوجِ پسرِ سعد میں تمکیریں بلند ہوئیں اور سادات کے خیموں میں سر پیٹنے اور نوحہ و مراثی کی آوازیں بلند ہوئیں تو یہ ناقہ میدان میں شہیدوں کے درمیان اپنے آقا کی لاش کو تلاش کرنے لگا۔ اس نے اپنے مقتول آقا کی لاش پہچان لی۔ فرطِ غم سے بلبلا لے لگا، دائیں بائیں دیکھتا، اپنی زبان میں آہ و بکا کرتا رہا۔ کہ فوجِ اعداء کے تیس سو ارب سے پکڑنے کے لئے آئے، اس نے خیمہ گاہ کا رخ کیا۔ وہ اسے خیمہ گاہ سے روک کر اپنے خیموں میں لے جانا چاہتے تھے، مگر وہ اسے اپنے مقامِ مقصود سے روک نہ سکے، جس خیمہ کے سامنے وہ بیٹھنے کا عادی تھا۔ اسی جگہ آیا مگر دیکھا کہ خیمہ جل چکا ہے۔ نہ گھر ہیں اور نہ گھروالے ہیں۔ ناچار بیٹھ کر اور غم سے بے قرار، ہڈی حال ہو چکا تھا، جانور تھا مگر وفادار، اس کا اندر زخمی ہو چکا تھا ظالموں نے اسے ذبح کیا، اور گوشت تقسیم کیا، تو جب پکایا دیکھیں میں آگ جیسا اور گوشت کا مزہ سخت تلخ تھا۔ جتنے بھی اونٹ ذبح کئے سوخت کر ڈوا گوشت نکلا۔

ہلال بن نافع کا بیان ہے کہ میں نے امامِ مظلوم کا سر دیکھا۔ باوجودیکہ خاک و خون میں غلطان تھا مگر چہرہ مبارک سے ایسا نورِ ساطع تھا اور ان کے جمالِ مبارک کی ایسی سیدیت تھی کہ میں ان کی موت کا غم بھول گیا۔ اور زہرا کے لال کاحن و جمال دیکھنے میں محو ہو گیا۔ ریشِ مبارک اور زلفوں پر دمہ کا رنگ تھا۔ سفید نورانی چہرہ زلفوں کے سیاہ حجاب میں گہرا ہوا تھا۔ اس منظر کو جناب میر انیس یوں بیان کرتے ہیں۔

وہ ریشِ خضب وہ رُخِ سید والا ہے چاند نے منہ شام کے پردے سے نکالا
وہ کیسے مشکیں کا رُخِ پاک پہ ہالا تھا صبح پہ دامنِ شبِ معراج نے ڈالا
زُہراؤں پہ کچھ زلف سی لہرائی ہوئی ہے
خودِ شید پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہوئی ہے

سترھویں مجلس

اہل بیت کا تعارف، اہل بیت رسول بعد از رسول
سچے ہادی ہیں۔ سر ہائے شہداء اور اسیران آل محمد کا
کربلا سے سفر، شہداء سے وِواع

صِرَاطُ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ
ان لوگوں کا راستہ جن کو تو نے خاص نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔

بندۂ مومن نے اللہ تعالیٰ کی سکھائی ہوئی دعائیں "صراطِ مستقیم" پر چلنے اور ثبات قدم رہنے کی حمد و ثناء اور تخصیصِ عبادت و استعانت کے بعد دُعا مانگی "خدا یا! ہمیں صراطِ مستقیم پر چلا" اس کے بعد خدا نے تعالیٰ کی تعلیم کی ہوئی اسی دعائیں "صراطِ مستقیم" کی وضاحت کر دی کہ ان لوگوں کی راہ پر چلا جنہیں تو نے اپنی نعمتوں اور خاص مہربانیوں سے نوازا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو ذواتِ مقدسہ موردِ انعاماتِ الہی اور مستفیضِ فیوضاتِ خدائی رہے ہیں، ان کی راہ، راہِ راست اور منزلِ مقصود تک بغیر کھٹکے اور اندیشے کے پہنچانے والی ہے۔ اس میں رہن کا گزیر نہیں، چور کا ڈر نہیں، اس کے پڑاؤ و خطرات سے مامون اور موڑ ہلاکتوں سے مصئون ہیں۔ یہ راہ ہموار ہے۔ اس میں نشیب و فراز نہیں۔ اور اس قدر صاف ہے کہ خار و خاشاک نہیں۔ سفری سہولتیں اس میں بھرپور اور صعوبتیں اس سے دور ہیں۔ اب اس راہ کو پہچانا اور پہچان کر گامزن ہونا سالک کا فرض ہے۔ ہاں ان لوگوں کی پہچان ازلیں ضروری ہے۔ جن کی یہ راہ ہے۔ اور جن پر فیضانِ الہی کی بارش ہے۔

اِنَّ لِّفَوْسٍ مَّقْدَسَہٗ کَا فَرَسٍ یَّاکٍ مِّمَّنْ اَبَیْکَ جَسَدِ اس طرح ذکر ہوا ہے : وَ مَن یُطِيعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ
 قَاوَلِیْکَ مَعَ الَّذِیْنَ اٰخَصَّ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ السَّیِّئِیْنَ وَالصَّیِّدِ الْبَغِیِّیْنَ وَالشَّہْدَاۃَ وَالصَّالِحِیْنَ وَحَسَنَ
 اَوْ لَیْکَ رَفِیْقًا ۚ جِس کیسی لے اٹھا اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ان مقدس حضرات کے ساتھ ہوگا جن
 کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ وہ لوگ نبی ہیں، صدیق، شہداء اور صالح حضرات
 ہیں۔ اور یہ بزرگ بہترین رفیق ہیں۔ اگر مسافر کے ساتھ کوئی ایسا رفیق سفر ہو جو پورے راہ سے واقف
 اور منزل سے آشنا ہو، ایسے رفیق مہربان کی معیت میں وہ سفر کرے تو اس کے بھگنے کا سوال ہی پیدا
 نہیں ہوتا۔ سائیک اور منزل کے درمیان دوری ختم ہو جاتی ہے۔ اس آیت مبارکہ میں چار گروہ رہنمائے
 منزل قرار پائے ہیں۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ چونکہ منزل روحانی ہے اس واسطے اس کا راستہ بھی روحانی ہے تو
 یہاں راہ سے مراد وہ روحانی اعمال اور اخلاق و اطوار ہیں جو خدا کے قریب اور اس کا پسندیدہ بندہ بنانے
 ہیں۔ اسی طرح صراطِ مستقیم سے مراد وہ آداب زندگی، حیاتِ دنیوی کو بسر کرنے کے وہ طریقے جو زندگی
 کے تمام پہلوؤں کو خوشنودی خدا کے سلچنے میں ڈھال کر بخیر و خوبی انجام تک پہنچائیں۔

چونکہ صراطِ مستقیم، اقوال و اعمال اور علم و عمل پر مشتمل ہے۔ اس کا تعلق فکر و نظر کے ساتھ بھی
 ہے اور قول و عمل کے ساتھ بھی۔ اس واسطے صراطِ مستقیم کی ہدایت کے لئے خدا نے ایسے رہنما بھیجے جو
 ہندول میں رہ کر، ان میں گھل مل کر زبان کے ساتھ عملی تبلیغ بھی کر سکیں تاکہ کانوں کے ساتھ ہدایات
 سن لیں، آنکھوں کے ساتھ ان کا عمل دیکھ لیں، قلب و دماغ کے ساتھ انہیں پہچان لیں، اور اپنے عقیدہ
 میں ان کو مان لیں نیز اعمال و آداب میں ان کی پیروی کریں۔

جب ایک شاہراہ چھوٹی راہوں میں بٹ جاتی ہے اور ایک راہ کی چار راہیں بن جاتی ہیں تو چلنے
 والے کو راہِ راست کی پہچان میں دشواری پیش آ جاتی ہے۔ اسی طرح ایک سڑک کا مسافر جب چوک
 کی بھول بھلیتوں میں پھنس جاتا ہے تو اسے منزل پر پہنچانے والی اصلی سڑک کی شناخت میں وقت و دوش
 آتی ہے۔ اگر ایک ہی راہ ہو تو دشواری کیسی؟ راہوں کی کثرت چلتے قدم روک دیتی ہے۔ اور مسافر بے چارہ
 حیران و پریشان رہ جاتا ہے۔ اس وقت ایسے کا مل رہنما کی ضرورت ہوتی ہے اور صحیح اور سچے رہبر کی
 ہدایت و رکار ہوتی ہے۔

اسلام چونکہ متعدد فرقوں میں تقسیم ہو چکا ہے اور ہر فرقہ اپنی صداقت کا دعوٰی دے رہا ہے اور ہر
 کوئی اپنی راہ کو صراطِ مستقیم خیال کرتا ہے۔ حالانکہ نہ تمام فرقے حق پر ہیں اور نہ سب کی راہیں صراطِ مستقیم

ہیں۔ اس واسطے ہیں سچے ہادیوں اور کامل رہنماؤں سے صراطِ مستقیم کا پتہ کرنا چاہیے اور اس کے سوا ہمارے لئے کوئی چارہ کار نہیں کہ ”مہرِ اعظم“ ہادیِ کامل، مالکِ اُمت، جنابِ پیغمبرِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کریں کہ یا رسول اللہ! آپ کے فرمان کے مطابق آپ کی اُمت تہتر ذوقوں میں بٹ گئی، مسلمان گروہوں میں تقسیم ہو گئے، اور ہر گروہ کی ایک راہ ہے اور ہر گروہ کا رہنا ہے، ہم کس راہ پر چلیں اور کس رہنما کا ساتھ دیں۔ یہ ایک ضروری سوال ہے جو ہر مسلمان کے دماغ میں ابھرتا ہے لیکن اس سوال سے پہلے ہادیِ اُمت، رسالتِ مآب نے اپنے اقوال اور اعمال کے ذریعے اُمت کو اس کا جواب پیشگی دے دیا تھا۔ جب انہیں علم تھا کہ اُمت ذوقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور صحیح راہ کثیر راہوں میں پوشیدہ ہو جائے گی۔ جھوٹے ہادی بکثرت پیدا ہوں گے۔ اصلی رہنما نقلی رہنماؤں میں چھپ جائیں گے۔ تو سرکارِ رسالت خود اس بد امر کا بندوبست کر گئے اور جانے سے پہلے کئی مرتبہ کئی مقامات پر قول اور عمل کے ذریعے سچے ہادی اور ان کی سچی راہ دکھا گئے۔ ان کی معرفت کر گئے اور ان کا طریقہ بتا گئے۔ ان کا اور ان کی راہ کا نقشہ سمجھا گئے۔

اہل بیت کی شان
راہِ راست تلاش کرنے والے سچے امام کی پہچان کرنے والے کچھ کوشش تو بھی کر، دل و دماغ اور عقل و فہم سے کام لے، سچی نیت سے حق کی تلاش کر، خالقِ خود مدد کرے گا۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا جو لوگ ہمارے بارے در راہِ حق کی تلاش میں کوشش کرتے ہیں۔ ہم انہیں اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں اور جو صحیح راہ پر چلنے کی کوشش کریں ہم انہیں منزل پر پہنچا دیتے ہیں۔

حضراتِ سُنُّوا کَانَ کُجَا کَر، دِل لُگَا کَر، تعصّب کے حجاب ہٹا کر، پرانے نقوشِ دل سے مٹا کر اور نیت کو خلوص سے سجا کر سُنُّوا! سرکارِ رسالت نے ابہام کے پردے چاک کر دیئے۔ شک و شبہات کے غبار صاف کر دیئے۔ یقین کی شاہراہ متعین کر دی۔ جزئی سرک کو گمنام پگڈنڈیوں سے جدا کر دیا۔ اور ”صراطِ مستقیم“ کو سچ راہوں سے ممتاز کر دیا۔ بعد از رسالت مآب اس زمانے میں اُمت کے دو حصے تھے۔ ایک اصحاب دوسرے اہل بیت، اصحاب میں ملے اور سسرال، اہل بیت میں بھائی اور آل اس زمانے میں مسلمان انہی دو حصوں میں تھے، یعنی آل اور اصحاب، اگرچہ آل بھی اصحاب ہیں، کیونکہ انہوں نے محبتِ رسول کا شرف حاصل کیا ہے۔ لیکن انہیں قرابت واری اور غرضی نسبِ رشتہ میں شریک ہونے کے علاوہ خاص اوصاف اور خاص فضائل میں حضورِ پاک سے اشتراکِ حاصل تھا۔ اور صحابہ کرام ان خصوصیات سے محروم تھے۔ اصحابِ آلِ رسول اور اہل بیت پیغمبر تھے۔ اس دور کا ہر سچا مسلمان صحابی تھا۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ اصحاب میں آل کا کیا مقام تھا۔ اور آل کے ساتھ اصحاب کو کیا نسبت تھی بسرکار رسالت اب تاب صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کو جس مقام پر پیش کیا ہے، بحیثیت پیشوا امام اور رہنما کے پیش کیا ہے۔ صحابہ کو ان کی اطاعت، محبت اور ان کے دامن سے متمسک رہنے کا حکم دیا ہے۔ کوئی ایسا مقام نہیں جہاں اہل بیت کو صحابہ کی پیروی کا حکم دیا ہو۔ صحابہ سے حاصل کرنے، ان سے فیض یاب ہونے اور کسی مسئلہ میں ان کی طرف رجوع کرنے کا امر صادر فرمایا ہو۔ بلکہ بیسیوں مقام پر صحابہ کو، امت کو، اور تمام مسلمانوں کو نیز ہر دور کے اہل ایمان کو تاقیامت اہل بیت کا دامن پکڑنے، ان پر درود بھیجنے، ان سے محبت کرنے، ان کی اقتداء اور اطاعت کرنے، ان کے در سے فیض یاب ہونے، قرآن مجید میں ان کے پاس جانے، علمی مشکلات میں ان سے مدد مانگنے اور ان سے مسائل دین حل کرانے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور خاص تاکید کی ہے۔ تو معلوم ہوا ہے کہ ”صَوَاطِئُ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ میں اہل بیت نبوت مروا ہیں جن میں نبی بھی ہیں بلکہ سید الانبیاء بھی ہیں۔ صدیق اکبر بھی ہیں۔ سید الشہداء بھی ہیں اور سید الصالحین بھی ہیں۔

اضافہ ایمان، زیادتی یقین اور ترقی درجات عرفان کے لئے پیغمبر اسلام کی اہل بیت کے حق میں احادیث درج کرتے ہیں۔

۱۔ مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي فِيكُمْ كَمَثَلِ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَافِعَهَا فُجِيَ وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غُرِقَ وَهَوَىٰ (ترجمہ: لوگو! میرے اہل بیت کی مثال تم میں کشتی نوح کی مانند ہے۔ جو اس پر سوار ہو گیا وہ گمراہی سے نجات پا گیا، اور جو اس کشتی نجات پر سوار ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا، اور بحرِ ضلالت میں غرق ہو گیا)

اس حدیث کی صحت سے کسی کو انکار نہیں۔ اس میں اہل بیت کو نجات دہندہ اور امت کو صحابہ کو نجات خواہندہ قرار دیا گیا ہے۔ یہاں کشتی سے مراد مادی کشتی نہیں بلکہ روحانی سفینہ ہے جس کو مادی کشتی کے ساتھ تشبیہ دے کر سمجھایا گیا ہے۔ کہ اگر گمراہی سے بچنا چاہو، نجات حاصل کرنا چاہو، جہنم سے برأت آگ سے نجات، اور جنت کے درجات چاہتے ہو تو اہل بیت کی کشتی پر سوار ہو جاؤ، یعنی ان کی پیروی کرو ان کی راہ پر چلو، ان کی ہدایات پر عمل کرو، انہی کو رہبر بناؤ، حدیث مذکورہ تو کافی تشریح چاہتی ہے مگر اختصار کی خاطر صرف ترجمہ و مختصر وضاحت پر ہی اکتفا کی ہے۔

۲۔ اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا مَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَأْتِہ۔ دین علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ جو علم حاصل کرنا چاہے وہ در کے پاس یعنی علی ابن ابی طالب کے پاس آئے۔

چونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: **لَيْسَ الْبِرَّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُوْرٍ هَاذِلِكِ الْبَرَّ**
مَنْ اَتَقٰی وَاَتَا الْبُيُوتَ مِنْ اٰخُوْرٍ اٰمًا۔ ”یہ نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کی دیواروں سے آؤ لیکن
 نیکی تو اس شخص کی ہے جو تقویٰ اختیار کرے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آئے آنا جانا گھروں میں
 دروازوں سے ہوتا ہے۔ اور اس زمانے میں ہر بڑے شہر کے آس پاس فصیل ہوتی تھی، اور اس فصیل میں
 دروازے ہوتے جن سے شہروں میں آنے والا داخل ہوتا۔ اور جانے والا خارج ہوتا۔ اسی وجہ سے کسی شہر
 میں دخول و خروج دروازے ہی سے ہوتا، یہی مثال گھروں کی ہے۔

جس طرح کہ حاجت مند شہر یا گھر میں سے کچھ حاصل کرنا چاہے تو دروازے سے داخل ہوتا ہے اور
 وہی نفع و منافع حاصل کرنے کی راہ ہے۔ اس واسطے آپ نے آپ کو شہر سے مثال دے کر خزانہ علم ظاہر کیا۔
 اور علی کہ دلدانہ سے تشبیہ دے کہ علوم کے خزانے حاصل کرنے کا واحد ذریعہ بنایا۔ یعنی جو کچھ پیغمبر اسلام کے
 پاس ہے اس کے وارث علی بن ابی طالب ہیں۔ اس خزانے کے تقسیم کرنے والے امیر المؤمنین علی ہیں۔ اس سے بھی
 یہی ثابت ہوا کہ حدیثی معتزل کے وارث اور مہوی نعمتوں و خزانوں کے وارث علی ابن ابی طالب ہیں۔ اور انہی
 کی راہ ”صراطِ مستقیم“ اور راہِ نجات ہے۔ بن علوم کے جناب پیغمبر اسلام شہر ہیں انہی علوم کا دروازہ جناب
 علی ہیں۔ پس علوم پیغمبر و دین نبی اور اسلامی شریعت کی سند صرف جناب امیر علیہا السلام ہیں۔ اسلام اگر ان سے
 حاصل کیا جائے تو وہ صحیح اسلام ہے۔ اور اگر ان کے مخالف سے حاصل کیا جائے تو وہ غیر معتبر ہے۔ کیونکہ
 ہر فرم کا ایک ایجنٹ ہوتا ہے جس کے پاس اس فرم کا مال ہوتا ہے، غیر ایجنٹ اس مال کی بیع کا مجاز نہیں،
 اسی طرح فرم نبوی کے ایجنٹ علی ابن ابی طالب ہیں۔ لہذا نبوی دین علی کے پاس ہے غیر جو کچھ ایجنٹ
 نہیں لہذا ان کے پاس جعلی مال ہے۔

۳۔ **يَا عَلٰی اَنْتَ مِنْنِيْ بِمَنْوَلَةٍ هَادُوْنَ مِنْ مُّوسٰی اِلَّا اَنْتَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ** ”اے علی!
 تیری نسبت میرے ساتھ ایسی ہے جیسی ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی“ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں،
 ہر نبی کا وزیر ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ کے وزیر جناب ہارون تھے، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کے وزیر جناب علی بن ابی طالب ہیں۔ حضرت موسیٰ نے دعا کی ”رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ
 اَمْرِيْ وَاَحْلِلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ هَادُوْنَ اَخِيْ۔
 ”میرے رب میرا سینہ کھول دے۔ میرے کارِ نبوت کو میرے لئے آسان کر دے، میری زبان کی گڑبگڑ
 دے، لکنت دور کر دے، تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے اہل میں سے میرے بھائی
 ہارون کو میرا وزیر بنادے۔“ حضرت موسیٰ کی دعا تھی ”مطلب ہے تمہے جو حقیقت پر مبنی تھے اور تبلیغ رسالت

کے لئے ان امور کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کی دُعا مستجاب ہوئی اور ان کے مطالبات منظور ہوئے۔ جناب ختمی مرتبت کو حضرت موسیٰ کو ساتھ اور ان کی اُمت کو اُمت کے ساتھ مطابقت دی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: **اِنَّا اَرْسَلْنَا الْيَسْرَ سُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَنْزَلْنَا اِلَیْ فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔** ”ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا جو تم پر گواہ ہے۔ جس طرح کہ فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ رست میں مطابقت تھی، اُمت میں مطابقت تھی، وزارت میں بھی مطابقت ہوئی، ہارون موسیٰ کے اور علی محمد مصطفیٰ کے وزیر، جویا نبی کی وہی راہ وزیر و وصی کی،

اِنِّیْ تَاوَدْتُ فِیْکُمْ الشَّکْلِیْنَ کِتَابِ اللّٰهِ وَعِثْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِیْہِمَا لَنْ کُنْتُمْ اَبْعَدَیْ وَ اَنْتُمْ لَنْ یَفْشَرَا حَتّٰی یُرَدَّ عَلَی الْخَوْضِ ”دیں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنی عزت اہل بیت، جب تک تم لوگ ان دونوں کا دامن پکڑے رکھو گے یعنی اطاعت کر دو گے اور ان کے ساتھ رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے، اور یہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی، یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچ جائیں گی۔

یہ حدیث مبارک بھی شک و شبہ سے بلند ہے۔ اس کی صحت و اعتبار پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے۔ کیونکہ علاوہ دوسری کتب احادیث کے صحاح میں بھی مذکور ہے۔ اور اس حدیث کی دلالت، اہل بیت کی امامت خلافت پر واضح ہے۔ خطاب مسلمانوں سے اور تمام مسلمانوں سے ہے۔ اس زمانہ کے مسلمان سے لے کر تا قیامت جملہ مسلمانوں کے لئے ہے۔ اس خطاب میں ہر ملک و قوم کے مسلمان شامل ہیں۔ اور ہر دور کے جن میں پہلے دور کے مسلمانوں کو صحابی اور دوسرے دور کے مسلمانوں کو تابعی کہتے ہیں، تمام مسلمانوں کو خطاب فرماتے ہیں۔ میں تم میں کتاب اور اہل بیت چھوڑ رہا ہوں، اور ان کو زنی اور نفیل فرمایا ہے۔ یقیناً تمام تمام امت پر ایمان، معرفت، عمل، مرتبہ اور درجات میں بھاری ہیں۔ اور وہ ان سے ہلکے ہیں۔ قرآن اور اہل بیت افضل، جملہ مسلمان مفضول ہیں۔

اس لئے چھوڑا کہ مسلمان میرے بعد گمراہ نہ ہوں۔ مگر ابھی سے بچانے ضلالت سے ہٹانے، راہِ راست پر چلانے کیلئے قرآن کو قانون کی حیثیت حاصل ہے اور اہل بیت کو اسلامی قانون کی انتظامیہ و عدلیہ کی حیثیت سے چھوڑا۔

یعنی مسلمان ضلالت سے بچنے والے اور اہل بیت بچانے والے، مسلمان صراطِ مستقیم پر چلنے والے اور اہل بیت صراطِ مستقیم دکھانے والے، الغرض چلنے والے مسلمان اور چلانے والے اہل بیت، پیر و کار تمام مسلمان جن میں صحابہ، تابعین، اولیاء صالحین، غوث و ابدال متقین، یہ سب اہل بیت کی امامت کے سائے اور ولایت کی

حدود کے اندر ہیں۔ دامن اہل بیت کا ہاتھ امت کے رہنمائی اہل بیت کی قدم امت کے امامت اہل بیت کی اتباع امت کی شرط ہدایت ہے کہ جب تک دامن میں ہاتھ رہا، ادھر ہاتھ کانپا، کمزوری آگئی، سستی و کوتاہی ہوئی دامن چھوٹ گیا۔ گمراہی کے گڑھے میں گر پڑو گے پھر نکل نہ سکو گے۔

ہدایت کرنے والا امام ہوتا ہے ہدایت پانے والا مقتدی لہذا اہل بیت امام اور ماسوا اہل بیت خواہ کوئی بھی ہو کہیں ہو، کسی زمانے میں ہو۔ ان کا مقتدی پیروکار، سوا ان کی اقتدار سے گیا۔ مومن بے توایمان سے، مسلم بے تو اسلام سے، منتفی ہے تو تقویٰ سے گیا۔

پیغمبر نے بعد اپنے ایک کو بطور ہادی نہیں چھوڑا۔ دو کو چھوڑا۔ کتاب یعنی قرآن کو اور اہل بیت کو اور شرط ہدایت دونوں سے تمسک قرار دیا۔ اگر کسی نے اہل بیت کو چھوڑا تو وہ بھی گمراہ، کسی نے قرآن کو چھوڑا تو وہ بھی گمراہ۔ جس نے اہل بیت کا ذکر نہ کیا وہ بھی شقی اور جس نے قرآن سننا گوارا نہ کیا وہ ملعون، جس نے اہل بیت سے بنیاری کی جتنی، جس نے قرآن سے نفرت کی دوزخی، جس نے اہل بیت سے منہ پھیرا اور دے منہ جہنم میں گیا۔ جس نے قرآن سے روگردانی کی وہ روسیاء و دوزخ کا ایندھن بنا۔ جس نے اہل بیت کو غلط کہا اس کا ایمان غلط ہے۔ جس نے قرآن کو غلط کہا اس کا دین غلط ہے۔ ہدایت یافتہ وہ ہے جس کے ایک ہاتھ میں قرآن کا دامن اولیٰ دوسرے میں اہل بیت کا دامن۔ دونوں سے ولا، دونوں سے تمسک، ایک قوی رہنا، دوسرا عملی رہنا، ایک الفاظ میں ہادی، دوسرے ان لفظوں کے معانی میں کر ہادی، لہذا اہل بیت علیہم السلام "صراط الذین انعمت علیہم" کے مصداق ہیں۔

قرآن اور اہل بیت معصوم ہونے، ہادی ہونے اور خدا کی جانب سے ہونے میں مشترک ہیں۔ قرآن قوی اور لفظی تبلیغ کرتا ہے، اہل بیت اس کی تفسیر اور عملی تبلیغ کرتے ہیں۔

قرآن الفاظ ہیں اہل بیت اس کے معانی ہیں۔ قرآن الہام ہے اہل بیت وضاحت ہیں، قرآن اجمال اہل بیت تفصیل ہیں۔ قرآن متن ہے اہل بیت تشریح ہیں۔ قرآن کا حکم حجت ہے۔ اہل بیت کا قول و عمل حجت ہے۔ قرآن امت کی بے وفائی کا شکوہ کرے گا۔ اہل بیت بھی امت کی بے وفائی کی فریاد کریں گے، قرآن امت کے مظالم کا نشانہ بنا رہا۔ اہل بیت بھی امت کی بے وفائیوں اور ستم شعاریوں کا بدن بنے۔ قرآن کو چھڑا گیا اس کے پارے زمین پر پھینک دیئے گئے۔ اہل بیت رسول بھی پیاروں کی صورت میں خاک و خون میں غلٹا کر بلا کے میدان میں بے گور و کھن سبھے۔ قرآن پاک کو جلایا گیا۔ اہل بیت کے گھروں کو مدینہ میں جلانے کی دھمکی دی اور کر بلا میں ان بے داروں کے خیمے جلائے گئے۔

قرآن کو نیزے پر اٹھایا گیا، کر بلا میں اہل بیت رسول کی ہاشمیں میدان میں بے گور و کفن رہیں اور سرزن

کو نیزوں پر سوار کیا گیا۔ حضرات! کہ بلا میں جب گلشنِ بتول تاراج ہوا، قرآنِ ناطق کے پاس سے صحرا کی ریت میں بکھر گئے، بے وارث بیبیان اور یتیم بچے باقی رہ گئے، تو حکم ملا، قیدی بنا کے لے چلو آئی رسول کو، یہ اُمت نے ذریتِ رسول کے ساتھ سلوک کیا کہ مردوں کو بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ اور مستورات کو ذلت و رسوائی کے ساتھ قید کیا۔ و سب سے خرم کو جنابِ نہرا کا گھراڑ گیا۔ اور گیارہویں کو بتول کی بیٹیاں قید کر لی گئیں۔ اور بعدِ ظہر کو دس عمرو بن سعد کی نگرانی میں دربارِ ابنِ زیاد میں پیش ہونے کے لئے روانہ ہوئیں۔

قیدی قافلے کا کہ بلا سے سفر

بنی ہاشم اور آلِ رسول جو مدینہ سے چلے تھے، کہ بلا میں نو روز قیام کرنے کے بعد کوئہ کی جانب روانہ ہوئے مدینہ سے چلے تو بہت سے افراد تھے مگر کہ بلا میں پہنچ کر بہت سے حضرات نے کہ بلا ہی میں مستقل قیام کر لیا۔ مرد تو تقریباً تمام ہی اس میدان میں مقیم ہو گئے۔ یہ جگہ انہیں پسند آگئی، عورتوں میں سے بھی چند معصوم اور یتیم بچیاں رفاقتِ امامِ مظلوم میں یہیں کی ہو گئیں۔ مکہ سے روانگی کے وقت جناب عبد اللہ بن عباس نے جب منثورہ دیکھا کہ ایسے پُر آشوب حالات میں مستورات کو ساتھ نہ لے جائیں تو امامِ پاک نے جو جواب دیا۔ اس میں یہ ایک جملہ بھی ہے کہ ”یہ رسولِ خدا کی امانت ہیں میں انہیں کس کے سپرد کروں؟“ مزید یہ بھی فرمایا کہ ”یہ مجھ سے جدا ہونے پر راضی نہیں اور میں ان سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا۔“ وہاں سے تو یہ اکٹھے چلے تھے اور کہ بلا تک اکٹھے ہی گئے، مگر کہ بلا میں جدائی پیدا ہو گئی۔ اتنا سوال کرتا ہوں مولا حسین! مدینہ و مکہ میں تو آپ نے فرمایا: ”رسولِ خدا کی ان امانتوں کو کس کے سپرد کروں، مگر کہ بلا میں کس طرح بے وارث چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، ہائے مولا! یہ رسول و بتول کی امانتیں، فخرِ نحوی اور زہرہ بن قیس ایسے سنگدل لعینوں کے مظالم کے زیرِ سایہ ہیں۔ یہ پاک امانتیں آپ سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھیں، مگر آپ تو ان سے جدا ہو گئے، عصرِ عاشور جدا ہوئے پھر گیارہویں کے روز جدا ہوئے، واقعاً یہ آپ سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھیں، وہ تو آپ کی لاش دھنکنا چاہتی تھیں۔ خیمے نہ سہی وہ تو بغیر خیموں کے وھوپ ہی میں رہنا پسند کرتیں لیکن تیری لاش سے جدائی گوارا نہ کرتیں۔ وہ تیری لاش سے جدا نہیں ہوتیں مگر ظالموں کے تشدد و کینوں کی سختیوں اور لعینوں کے کوڑوں نے ان مصیبت کی ماری بیواؤں کو عزیزوں کی لاشوں سے جدا کیا۔

کہ بلا سے قیدی مستورات کا قافلہ چلا ہے۔ مردوں سے ایک علیل و مریض پسر حسین بے کچھ بچے ہیں۔ اور باقی بیوہ اور بے وارث ہاشمی مستورات! کہنا پڑتا ہے مستورات! مگر مستورات تو انہیں کہا جاتا ہے جو ستر پردوں میں ہوں۔ اب پردہ کہاں رہا؟

سروں کا کوفہ روانہ ہونا

عاشور کے دن ابن زیاد ملعون کوفہ سے بائیں نخلہ ایک مقام ہے، وہاں آگیا تھا۔ جو کہ بلا کے نزدیک ہے۔ اور وہاں سے وہ جنگ کر لاکر تازہ خبریں سناتا رہا۔ جب عصر کے وقت اس جنگ کا خاتمہ اور ساتھ ہی بنی ہاشم کے کنبے کا خاتمہ ہو گیا اور متقی حسین کی خوش خبری اُسے سنائی گئی تو وہ ملعون سرور ہو کر ظاہری مسیح کے نشہ میں غمور ہو کر کوفہ واپس چلا گیا۔ ابن سعد نے سر امام مظلوم نیرے پر سوار کر کے غزلی بن یزید اور حمید بن مسلم ازوی کے ہاتھ کوفہ بھیج دیا۔

عاشور کے دن بعد شہادت امام مظلوم کا سر کہ بلا سے سفر کر گیا تھا۔ صرف بدن بغیر سر کے رہ گیا۔ پھر ابن سعد ملعون نے باقی شہیدوں کی لاشوں سے سر کاٹنے کا حکم دیا۔ وقت شہادت صرف پیر بتول کا سر کاٹا گیا۔ باقی شہیدوں کے سر لاشوں کے ساتھ تھے۔ ملعون کے مغز حکم سے شہید دوبارہ شہید ہونے لگے۔ فقہی مسئلہ ہے کہ میت کے بدن کو آہستہ چھو جاتے اور دھبے کی کوئی شے میت پر نہ رکھتی جاتے۔ مگر ان بے وارث شہیدوں کے بدن جو پہلے ہی سے سیکنڈ دن زخم کھا کر مرے تھے۔ گروہیں مرنے کے بعد مزید ظلم پہننے کے لئے تیار ہو گئیں۔ اور ان مظلوم و بے وارث شہیدوں کے دھڑ سروں سے محروم ہو گئے۔ ادھر کنبے سر دھڑوں سے جدا کرتے اور ساتھ ہی غمزدگی کے مارے نعرہ تکبیر بلند کرتے۔

جب سر کاٹ لئے گئے تو وہ مختلف قبیلوں میں تقسیم کئے گئے۔ تاکہ جو قبائل کوفہ سے باغ بولی، اور کذبہ رسول برباد کرنے کے لئے آئے تھے وہ ان سروں کو اٹھا کر کوفہ کے بازاروں اور گلیوں میں اپنے کارناموں پر فخر کریں۔ اور حرام زادہ ابن زیاد کے ہاں سر فروشی حاصل کر کے اپنی متفاوت کا انعام حاصل کریں اور ملعون کا قرب و خوشنودی پائیں۔ پس ہو کتبہ تیرہ سراٹھا کر کوفہ لائے، اس قبیلہ کا سردار قیس بن اشعث تھا۔ یاد رہے کہ یہ قیس جدہ بن اشعث کا بھائی تھا، جس ملعون نے فرزند رسول جناب حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو زہر دے کر قاسم و عبداللہ اور ان کے معصوم بھائیوں اور بہنوں کو قتل کیا تھا۔ اور محمد بن اشعث کوفہ میں جناب مسلم کے مقابلے میں کوفہ کی گلیوں میں برسرِ پیکار رہا۔

بنی ہوازن بارہ سر کوفہ لائے، اس قبیلہ کا سردار شمر بن ذی الجوشن تھا۔ جو قبیلہ ہوازن سے تھا بنی تمیم کو مٹرہ سر دیئے گئے، اور بنی اسد کے سردار مولہ سر لاکر دار و کوفہ ہوئے۔

ساتھ سر بنی مذحج اور باقی سب مختلف قبیلے لائے۔ حضرت عمر کا سر جب کاٹنے کے لئے لے گئے تو ان کا قبیلہ جو کافی تعداد میں کربلا میں موجود تھا آئے آیا اور ان کا سر لاش سے جدا نہ ہوا اور نہ ان کی لاش

پائمال ہونے دی۔

رسول کی روانگی کے بعد خود ابی سعد وہی کہہ لائیں رہا اور دوسرے روز گیا رسولِ مہم کو ظہر کے بعد کہہ لیا سے روانہ ہوا۔ اور کوئی آیا۔ اپنے ناپاک کشتوں کو دفن کیا۔ "وَسَوَّكَ الْحُسَيْنِ وَاعْتَابَهُ" حسین اور ان کے ساتھی شہیدوں کو بے گور و کفن چھوڑ دیا۔

خولی کے گھر میں فرزندِ رسول کا سر

خولی نیزہ کی نوک پر شہسوارِ دوشِ نبی و جبرئیل کے رسول پر راحت کرتے ولے فرزندِ علیؑ نوچشمِ رسولؐ لغتِ دلِ بتول کا چہرہ انوارِ سرِ کجیر کے فخر بلند کرتا ہوا قلبِ رسولؐ و جگرِ علیؑ و بتول کو زخمی کر کے کوئی نہ کی جانب روانہ ہوا۔ خولی رات کو ابنِ زیاد کے 'دارالامارہ' میں نہ گیا۔ رات چھا چکی تھی، اس واسطے وہ رات گھر میں ٹھہر گیا۔ اور سرِ مبارک ایک تغار کے نیچے رکھ کر تنہا رہا اور تنہا ہی سے بندہ کر کے اپنی آرام گاہ میں چلا گیا جن منبر اور پاک زلفوں میں بتولِ عظمیٰ اپنے ہاتھوں سے لٹکھی کرتی تھیں۔ وہ زلفیں خونی ملعون کے ناپاک ہاتھوں میں تھیں۔ اور جو سرِ گودِ پیغمبر میں راحت کرتا تھا آج وہ ملعون کے غصے میں زیرِ تغار تھا۔ خولی کی دو بیویاں تھیں۔ ایک بیوی جس کا نام نوار بنتِ مالک بن مقرّب ہے کے گھر رہا۔ جب وہ اپنی آرام گاہ پر آیا۔ اس کی بیوی نوار بنتِ مالک نے سفر کے حالات دریافت کئے۔ ویسے آنے کی وجہ دریافت کی، خولی نے کہا کہ اب ہم مالا مال ہو جائیں گے۔ غربت دور ہو جائے گی۔ جنگ میں ہم نے فتح حاصل کر لی ہے۔ ہمارے مقابل تمام مارے گئے ہیں۔ ان کے بچوں کو یتیم اور ان کی عورتوں کو ہم نے بیوہ کر دیا ہے۔ ان کے مقتولوں کے سردار اور اس قافلہ کے سالار کا سر آج تیرے گھر میں ہے۔ خولی کی زوجہ نے دریافت کیا کہ اس قافلہ کے سالار کا نام کیا ہے؟ اور وہ کون ہے؟ کہنے لگا نام اس کا حسین بن علی ہے۔ بولی وہ حسین جو علی امیر المومنین اور فاطمہ سیدۃ النساء کا تختِ جگر ہے۔ وہ حسین جو نواسہ رسولؐ ہے؟ کہا: ہاں۔ وہی حسین، جنگ ہار گیا ہے۔ اس کے ساتھی مارے گئے ہیں۔ اور وہ خود بھی مارا گیا ہے۔ اب اس کا سر ہمراہ لایا ہوں، صبح ابنِ زیاد کے دربار میں پیش کر دوں گا۔ منہ مانگا انعام لوں گا۔ تھی تو اس ملعون کی زوجہ مگر نیک دل مومنہ تھی۔ آلِ محمد کے مراتب سے واقف تھی۔ چونکہ جناب امیر کوئی نہیں چار سال مع اہل و عیال رہ چکے تھے۔ لہذا ان سے اور ان کی اولادِ پاک سے متعارف تھی۔ حسین بن علی کا سر؟ "ہاں! حسین بن علی کا سر ہے۔" اس نیک دل مومنہ کا رنگ نفق ہو گیا۔ خون کھولنے لگا۔ کہنے لگی لوگ سونا اور چاندی نے آئیں تو فرزندِ رسولؐ کا سر؟ "دل تنگ ہو گیا طبیعت غمناک ہو گئی۔ کہنے لگی: "خولی! اب تک میں تمہارے ساتھ ایک گھر میں تھی، خدا کی قسم! اب میں تمہارے

ساتھ ایک گھریں ہرگز نہ رہوں گی۔ تو دل بند بتول کے غون میں ہاتھ رنگین کر کے آیا ہے۔ اور غوش ہو رہا ہے۔
جناب بتول و رسول کی کیا حالت ہوگی۔ یہ کہتی ہوئی وہ بستر سے اٹھی اور اس کی دوسری بیوی جو بنی اسد
سے تھی کو بلایا۔

زوجہ غولی بیان کرتی ہے کہ میں معنی میں بیٹھ کر اس پر نور سر کا نظارہ دیکھنے لگی، اس نور سر سے نور کی
شعاعیں ستون کی مانند آسمان کی طرف بلند ہو رہی تھیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تنور اور آسمان کے درمیان
نور کا ایک ستون قائم ہو چکا ہے اور اس کے آس پاس سفید رنگ کے پرندے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ غولی
کی دوسری زوجہ اسدیہ القاریہ کا بیان ہے کہ جب میں سر کے قریب گئی تو میرے کانوں میں عورتوں کے رونے
کی آواز آئی، جس طرح ماں اپنے جوان پسر اور بہن اپنے جوان بھائی کی میت پر نور و ماتم کرتی ہے۔ نہایت
دردناک اور بگڑاؤں والے تھے۔ وہ کوئی عورتیں ہو سکتی ہیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جناب خدیجہ الکبریٰ
اور دکھیا ماں بتول کی دل دکاؤں فرما رہی تھیں۔

اس عورت کا نام "عیون" ہے۔ اس کے بعد وہ عورت اس قدر غمگین و غمگین ہوئی کہ اس نے نہ کبھی غمگین
لگائی اور نہ آنکھ میں نمروہ والا۔

کربلا سے روانگی

جس طرح اہل بیت پر دو راتیں نہایت سخت گزری ہیں دسویں محرم کی اور گیارہویں شب محرم، اس
طرح اہل بیت علیہم السلام پر دو دن نہایت شدید گزرے، دسویں محرم کا دن اور گیارہویں محرم کا دن۔
دسویں کی صبح اہل بیت کے مردوں کی شہادت کا پیغام لے کر طلوع ہوئی اور گیارہویں کی صبح زمانہ بنی ہاشم
کی قیسد کی خبر لا کر نمودار ہوئی۔ شام غریبان اور شبِ آلام گزر گئی، کس طرح گندمی؟ اس کا حال ان کو معلوم
ہے جن پر گزری یا خدا کو علم ہے۔ ہم آنا کہہ سکتے ہیں کہ مصیبتوں کی انتہا اور دکھوں کی آخری حد تھی گیارہویں
کا دن آیا اور دختران علی و بتول کی قید کا پیغام لایا۔ دینے والے ساتھی تو ساتھ چھوڑ چکے تھے، اب صرف
عورت کا قافلہ باقی رہ گیا تھا۔

گیارہویں کی ظہر تک بغیر سایہ اور بغیر شیو کے دھوپ میں بے وارث شہزادیاں اور یتیم بچے نور و ماتم
کرتے رہے۔ خاکِ کربلا پر صفِ ماتم بھی ہوئی تھی۔ خود ہی آہ دیکھا کرنے والی مستورات تھیں۔ باہر سے پُرسا
دینے والا اور قمزیت ادا کرنے والا کون تھا۔

عمر بن سعد ظہر کے بعد کربلا سے قیدیوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ ان کے سوار کرنے کے لئے کچھ اڈنٹ

بیچے گئے جن پر محل نہ تھے، باپردہ عمارتیں نہ تھیں، اور ہاشمی مستورات کا یہ پہلا سفر بغیر غلوں کے تھا۔ نضاد و قد نے یہ دن بھی دکھایا جب کہ بھیلیاں خود ایک دوسرے کو سوار کرنے پر مجبور تھیں، جو لوگ اونٹ لے کر آئے تھے اور فوج کا جو دستہ سوار کرنے کے لئے آیا تھا، ان کو دخترانِ رسول نے قریب آنے سے روک دیا۔ خود ہی ایک دوسرے کو اونٹوں پر سوار کیا، ہاشمی مستورات کے ساتھ شہید اصحاب کی مورتیں بھی قید ہو کر ناقوں پر سوار ہوئیں۔ وہ دن گئے جب جناب عباس و علی اکبر اپنی نگرانی اور جناب امام پاک اپنی حفاظت میں غیر عادی مخدراتِ عصمت کو باپردہ عمارتوں میں سوار کرتے، اور اتارتے تھے، اب سوار کرتے اور اترتے وقت سنگدل اشتیاق کی سختیاں اور جھڑکیاں بھی شامل تھیں۔

جب سجاد بیمار کہلا اونٹ پر سوار ہوتے تو بیماری اور نقابت کی وجہ سے اونٹ پر بیٹھ نہ سکتے تھے، گر پڑتے تھے، عمرو بن سعد کو جب یہ حال بتایا گیا تو اس نے حکم دیا کہ بیمار قیدی کے دونوں پاؤں شتر کے پیٹ سے باندھ دیئے جائیں۔ اس حال میں جناب سجاد اونٹ پر سوار ہوئے۔

یہاں یہ بھی بیان کر دوں کہ جناب سجاد کو بیمار ہونے، تائیدیں و صافحت سے انکار کرتی ہیں اور کتبِ مقاتل صراحت سے قاصر ہیں۔ مدینے سے چلے تھے تو تندرست تھے۔ مدینے سے مکہ اور مکہ سے کربلا تک کسی منزل پر ان کی بیماری کی خبر مذکور نہیں، کربلا میں آنے کے بعد ہی ان کی بیماری لائق ہوئی۔

پچھلا سارا سفر ان کا خاموشی میں گزرا۔ خاص واقعات تاریخ نے بیان نہیں کئے۔ پسر امام تمام واقعات خاموشی سے دیکھتے اور سنتے رہے۔ برواقت کرتے رہے۔ کیا صرف اجمالی اخبارِ شہادت و قید نے دل پر اثر کیا۔ شہداء کے غم اور قیدیوں کی خبر سے یہ روگ لاحق ہوا۔ یا کسی خاص مصلحت کے تحت خالق نے ان کو بیمار کیا۔ حشرائی اسرار اور الہی حکمتیں وہ خود ہی جانے، یا امام زمانہ سمجھیں، ایک بات ذہن میں آتی ہے۔ کہ چونکہ طویل سفر کرنا تھا، بازاروں اور درباروں کھلے سرے مفقوعہ دے چادر ماؤں، بہنوں، اور چھو بھٹیوں کے ساتھ جمع عام کے غلوں کے دریاؤں کو عبور کرنا تھا، جو موت سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس واسطے بیماری کی صورت میں شہداء کو ہلاک و دوناک شہادت کے منظر کو ان کی نظروں سے پنہاں رکھا، ممکن تھا کہ اگر روزِ عاشور آنکھوں سے مناظرِ شہداء دیکھتے تو بے تابی سے ہرگز برداشت نہ کرتے، چنانچہ گویا رحیمی کے دن جب لاشہائے شہداء پر پہنچے تو لاشوں کی حالت دیکھ کر رنگ زرد ہو گیا۔ جسم سرد پڑ گیا۔ قریب تھا کہ روح بدن سے پرواز کر جائے، جناب بی بی عالیہ عقیلہ قریش کی نظر پڑی، تو فوراً بیمار بیٹھے کے قریب آئیں، اور تسلی دی، پہلایا غم دور کرنے کی کوشش کی، تب جا کر کہیں سنبھلے، اگر

روزِ عاشور جوانِ نبی ہاشم کی لاشیں غیروں میں آتے دیکھتے اور نثارِ ہاشمیت کے ہر لاش پر کھلے بال دیکھتے تو کیا صورت ہوتی۔

ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب روزِ عاشور تمام جوانِ نبی ہاشم اور اصحابِ باوفا میدانِ کارِ نزار میں داخلِ شجاعت دے رہے ہیں اور مردانگی کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ یہ بھی جوان تھے، بہادر تھے، ہاشمی طہرت اور حیدری شجاعت انہیں بھی میدانِ جنگ میں دفاعی جنگ پر ابھارتی۔ لیکن وارثِ امامت اور جانشینی مندر رسالت کی بقا ضروری تھی۔ بیواؤں کے قافلے کی نگرانی کے لئے ایک ہاشمی جوانِ مرد کا ساتھ ہونا بھی لازمی تھا۔ ویسے ہوش و حواس کے بجا رہنے میں ان کا جذبہ جہاد کا سرور نہا اور شجاعت و شہادت سے محروم رہنے کا مدد بھی ناقابلِ برداشت تھا۔ اس وجہ سے بیماری کو بطور غدر اور سببِ سقوطِ جہاد اور صرفِ اظہارِ خیال کے لئے لاحق کیا گیا۔

علاوہ ازیں کہ بلا کے بعد تمکا دینے والے سفر اور صعب ترین منزلوں میں سجاد کی وہ بیماری نہ تھی جو کہ بلا میں تھی۔ کہ بلا میں تو بغیر سہارا بیٹھ بھی نہ سکتے تھے، لیکن کوفہ و شام کے لمبے سفروں اور منزلوں، درباروں اور بازاروں میں اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کلام کرتے اور غلبے پڑھتے رہے۔ بہر حال کہ بلا سے سفر کے بعد بیماری کی وہ شدت نہ تھی۔ کہ بلا میں تو وہ اکثر غش کی حالت میں ہوتے تھے۔ غموں سے غافل کرنے کے لئے کہ بلا میں بیماری ڈی گئی "وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ"۔

قیدی بہترین شہید بھائی کی لاش پر
 قیدیوں کا قافلہ چلے ہوئے نیمہ گاہوں سے روانہ ہوا۔ جب قافلہ چلا تو ان مظلوم بیبیوں نے دھمی زبان سے خواہش کی، "يَا اللّٰهُ عَلَيْنَا مَا مَرَدُّنَا عَلٰى الْقَتْلِ" خدا کے واسطے ہمیں شہداء کی لاشوں پر لے چلو۔ تو بیبیوں کی خواہش تھی، ویسے خود اشیقہ کی بھی یہی خواہش تھی جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

جب دھمی ماؤں نے اپنے فرزندوں، مظلوم بہنوں نے اپنے بھائیوں اور دروِ رسیدہ بیواؤں نے اپنے سرتاجوں کو اس حال میں دیکھا کہ گرم ریت پر سینکڑوں زخم کھائے، خون میں نہائے بے وارث و بے گور پڑے ہیں۔ کہ بلا کا صحرا ان بیکس لاشوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور لاشیں گر و غبار سے اٹی پڑی ہیں۔ ان بیبیوں نے وہ دلخراش بین کئے کہ صحرا کو کہ بلا نامہ و فریاد سے گونجنے لگا۔ فضا

میں حسرت چھا گئی، غربتِ آلسر بہانے لگی بے کسی اور مظلومی نوحہ کرنے لگی، اونٹ بھٹائے گئے، بیبیاں اتریں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ بعض بیبیاں پشتِ ختران سے گر پڑیں۔ کتابِ تعلیمِ الزہراء میں ہے کہ جب ام کلثوم نے بھائی کی لاش دیکھی کہ ہاتھ اور انگلیاں کٹی ہوئی ہیں۔ نیزوں اور تلواروں سے تمام

بدن زخمی ہے۔ لاش ٹوٹی ہے۔

وَقَعَتْ مِنْ أَعْلَى الْبَعِيرِ إِلَى الْأَرْضِ دہشتِ شتر پر سنبھل نہ سکی، بے تاب ہو کر زمین پر گر پڑی) اس طرح اذیتوں سے اترنے اور گرنے کے بعد ہر بی بی اپنے عزیز کی لاش سے چٹ گئی، رادی بیان کرتا ہے اس کا نام قرہ بن قیس تمیمی ہے۔ کہ اور تو میں سب کچھ بھول سکتا ہوں، لیکن زینب، حسین کی بہن کا وہ حال اور وہ کلام نہیں بھول سکتا کہ جب اُجڑی اور دروستانی بہن مظلوم و مملوبہ برادر کی لاش پر آئی تو معلوم کسی سوزِ جگہ اور مجروح دل سے مدینہ کی طرف رُخ کر کے نانا کو خطاب کر کے کہا:

”يَا مُحَمَّدًا! صَلِّ عَلَيْكَ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ هَذَا حُسَيْنٌ مُرْتَمِلٌ بِالدِّمَاءِ مُقَطَّعَ الْأَعْصَادِ مَسْلُوبَ الْعِمَامَةِ وَالسَّوَادِ يَا مُحَمَّدًا! وَبَنَاتُكَ سَبَايَا وَذُرِّيَّتُكَ مُتَمَلِّئَةٌ حَسَنًا عَلَيْهِ الصَّلَاةُ فَابْكَيْتُ وَاللَّهِ كُلُّ عَدُوٍّ وَصِدِّيقٍ حَتَّى جَرَتْ دُمُوعُ الْخَيْلِ“ نانا آپ پر تو آسمان کے فرشتے درود و سلام بھیجیں، یہ آپ کے حسین کس بکسی میں خون میں غلطان بے وارث و بے گھر پڑے ہیں، نانا! دیکھ تو سہی تیرے ناز پر درودِ فرزند کے اعضاء بدن پارہ پارہ ہو چکے ہیں۔ نہ ان کے سر کا ٹکڑا رہا اور نہ بدن کی چادر رہی۔ تیری اُمت بے وارث سمجھ کر کپڑے اتارتی رہی، اور ہاتھ کاٹتی رہی، نانا تیری بیٹیوں کو تیری اُمت نے قید کر لیا۔ ہم مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار، جو روحِ جفا اور اسیرانِ سرخ و بلا ہیں۔ تیری اولاد کو تیری اُمت نے قتل کر دیا۔ جن کے زخمی بدنوں اور مجروح لاشوں پر ہوا گرد و خرابا اڑ رہی ہے اور خاک کی تہہ جا چکی ہے۔ جب تیز ہوا طوق ہے تو خاک اڑا کر بدنوں پر جم جاتی، خون پہلے جا ہوا تھا۔ اس واسطے لاشیں خاک و خون میں غلطان تھیں۔ رادی کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! مظلوم کے پُرسوزہ اور وردِ ناک بیٹوں نے ہر دوست و دشمن کو رلا دیا، حتیٰ کہ جانوروں کے آنسو بھی گرنے لگے۔

جب دروستانی بھائی کی لاش کے قریب آئی تو کہا: ”اماں جایا! بے بس ہوں، کیا کروں، تیرے خاکِ خون آلودہ بدن کا بوسہ لینا چاہتی ہوں مگر کوئی جگہ زخموں سے خالی نہیں۔ کس جگہ کا بوسہ لوں۔ اس کے بعد یہ بھی کہے۔ میرے باپ اس مظلوم برادر پر قربان جو اس دنیا سے پیاسا رخصت ہوا۔ ماں صدمے جس کا سر نوکِ نیرہ پر سوا ہے۔ زلفوں اور ریش سے خون کے قطرے گر رہے ہیں۔ اور بدنِ خون میں لٹھڑا ہوا ہے۔ جس کے گھر کو ٹونا اور جلا گیا۔ ہر بی بی اپنے عزیز کی لاش پر گریہ و بکا کر رہی تھی، لیلا اکبر کے سر ہانے، رملہ قاسم کی لاش پر، رقیہ اپنے پسران پر آہ و بکا کر رہی تھیں۔ چونکہ تمام لاشیں یکجا نہ تھیں، اس واسطے ہر بی بی کو اپنے عزیزوں کی لاشیں تلاش کرنا پڑیں۔ کیونکہ لاشیں سروں کے بغیر تھیں۔ حمید بن مسلم بیان کرتا ہے کہ اس اثنا میں دیکھا کہ ایک بی بی لاشوں کے درمیان پھرتی ہے۔ اس کو

مطلوبہ لاش نہیں مل رہی۔ اس کے بعد اس نے نہر علقمہ کی طرف رخ کیا اور زبان سے یہ جملے نکل رہے تھے:

ولا! اخاف عباس! میں نے پوچھا یہ بی بی کون ہے؟ جو عباس کی لاش کی جانب جا رہی ہے۔ جواب ملا:

یہ بی بی اُمّ کلثوم ہے۔ ان کے پردوں کا محافظ اور ان کے خیوں کا پہرہ دار عباس تھا۔ اس کی لاش پر فریاد کرنے جا رہی ہے۔

جناب ام المصائب عقیلہ بنی ہاشم کے عزم و استقلال اور قوت ارادی کے شاہد یہ واقعات شدید ہیں کہ یہ مصیبتیں اگر پہاڑوں پر آتیں تو مہرہ کی مانند پس جاتے، زمیں و آسمان سے اٹھانے کے لئے کہا جاتا تو وہ کانپ جاتے، بہادران زمانہ اور شجاعان گیتی کے پتے پگھل جاتے، جگر پھٹ جاتے، یہ مصائب کے گراں پہاڑ نہ اٹھا سکتے، مگر عقیلہ بنی ہاشم کی شیر دل بیٹی نے ایک بلند نصب العین اور پاک مقصد کی خاطر ان آلام و شدائد کو برداشت کیا۔ کوئی اور مرد یا عورت ہوتی تو بے تاب ہو کر رحلت کر جاتی، مگر جس طرح امام ہدیٰ نے اپنے عہد کو نبھایا، اسی طرح شریکۃ الحنین نے بھی اپنے عہد کو کمال صبر اور استقامت سے پورا کیا۔ بیشک بدن میں تقابلیت آگئی لیکن قوت روحانی میں ضعف نہ آیا۔ عزم و استقلال مضبوط رہا۔ اور نصب العین اور حیلنی تحریک اور مقصد اقدام پر ثابت قدم رہیں۔ بہن بھائی کے پکیر جدا تھے۔ لیکن قوت قدسیہ کسی قدر تفاوت کے ساتھ ایک تھی، جب گریہ و بکا سے فارغ ہوئیں اور آسوسوں نے غم دل کو کچھ ہلکا کیا۔ جلالِ پدرِ عصمت مادر اور کمالِ برادر کی وارث، قوت قدسیہ کی مالک کہ بلا کی شیر دل خاتون نے اپنے دونوں ہاتھ لاش کے نیچے رکھے اور دونوں ہاتھوں پر مظلوم بھائی کا لاشہ رکھ کر آسمان کی جانب رخ کیا اور کہا: "اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا هَذَا الْقُرْبَانَ" خداوند! ہماری یہ قربانی قبول فرما۔

جناب سیکندہ شیمہ کی یہ حالت تھی کہ بابا کی لاش سے لپٹی ہوئی تھیں اور جدا نہ ہوتی تھیں، مظلوم و مقہور بابا کی لاش کو گلے لگائے اپنی مظلومی کے واقعات بیان کے معروف لوح و بکا تھیں۔ جناب سیکندہ کا بیان ہے کہ میں نے جب بابا کے گلوٹے بوسیدہ پر بوسے دیئے تو میرے کانوں میں یہ آواز آئی:

شِبَعَتِي مَا اِنْ شَرِبْتُمْ عَذْبَ مَا وَكَانَ كُزُونِي = اَوْ سَمِعْتُمْ بِعَرِيْبٍ اَوْ شَهْدٍ كَانَتْ بُونِي
میرے شیعو! جب تمھارا پانی پینا تو میری پیاس کو یاد کرنا اور جب سنا کہ کوئی مسافر گیا ہے۔ یا کسی شہید کی لاش دیکھنا تو مجھ پر گریہ کر لینا۔

لَيْتَكُمْ فِي يَوْمٍ عَاشُورَا جَمِيعًا تَنْظُرُونِي = كَيْفَ اسْتَقْبَلُ بَطْلًا اَنْ يَرَهُمْ فِي
لاش! تم یوم عاشورہ میری بے کسی و مظلومی کو دیکھتے کہ طفلِ صغیر کو ہاتھوں پر اٹھائے امت سے
مطلب آب کہ رہا تھا اور وہ ظالم بے رحمی اور بے دردی کا سلوک کر رہے تھے۔

یہ تو متواتر خدشات کی گریہ و زاری اور عزیزوں کی لاشوں سے دواغ کی صورت تھی۔ بیمار کہہ بلانے جب میدان میں بابا کی لاش اور بنی ہاشم کے جوانوں اور بچوں کے لاشے دیکھے کہ جنگل میں نینروں اور تیروں سے چھدے ہوئے بدن، ملواریوں سے کٹی ہوئی گردنوں سے محروم لاشے، گرد و غبار سے آٹی ہوئی مشک بار زلفیں، خاک و خون میں غلطان لگھانے ناز میں خصوصاً ناز پروردہ رسول جس کے گوشہ بتوں علی کے نور عین حسن کے دل کے جین، غریب و مظلوم حسین کو اس حالت میں دیکھا کہ بے وارث اور بے گور و کفن پڑا ہے۔

رنگ زرد ہو گیا، جسم معطل ہو گیا۔ حالت متغیر ہو گئی، قریب تھا کہ روح بدن سے پرواز کر جائے۔ جناب ثنائی زہرا، نگہبانِ قافلہ اُساری کی نظر پڑی، کہ بیمار بھتیجے کی حالت غیر ہو رہی ہے۔ فوراً قریب آئیں گے لگایا دستِ شفقت پھیرا۔ تسلی و تشفی دیتے ہوئے فرمایا: **مَا لِي أَرَاكَ تَجُودُ بِنَفْسِكَ يَا بَقِيَّةَ جَدِّي وَ أَيْنِ اخْوَتِي**۔ بیٹا! استجاد کیا بات ہے، میں تجھے قریب الموت پارہی ہوں، میرے نانا، بابا اور میرے بھائیوں کی یاد گار بیٹا! لاشیں دیکھ کر گھبرا گئے ہو! بیٹا اپنے آپ کو سنبھالو!

جناب استجاد نے جواب دیا: **كَيْفَ لَا أَجُرُّ وَأَقْلَعُ وَقَدَارَى سَيِّدِي وَإِخْوَتِي وَ عُمُوَّتِي وَ وَلَدَ عَمِّي وَ أَهْلِي مَصْرَعَيْنِ بَدَا بَهُمَا مَرْمَلَيْنِ بِالْعَرَاءِ مُسْلِمَيْنِ لَا يَكْتُمُونَ وَ بَيَّارُونَ لَا يُعْرِجُ عَلَيْهِ أَحَدٌ وَلَا يَقْرِبُهُمْ كَبْشَرٌ كَأَنَّهُمْ أَهْلُ بَيْتٍ مِنَ الدِّيمِ وَالْخَزَرِ**۔ میں کیونکر جڑے فزع نہ کروں، جب کہ میں اپنے سید و سردار والد بزرگوار اور اپنے بھائیوں، چچاؤں اور چچا زاد بھائیوں اس سبکی و غریبی کی حالت میں قی و وق سحر میں خاک و خون میں غلطان لٹی ہوئی لاشیں بے گور و کفن دیکھ رہا ہوں۔ کوئی آدمی ان کے قریب نہیں، بے وارث میت پڑے ہیں۔ میری حالت کیوں نہ متغیر ہو۔ جناب ثیرول

خاتون نے فرمایا: **لَا يَحْزُنُكَ مَا شَرَىٰ فَوَ اللَّهِ إِنَّ هَذَا الْعَهْدُ مِنَ اللَّهِ إِلَىٰ جَدِّكَ وَ أَيْتِكَ وَ لَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ آدَمَ لَا تَعْرِفُهُمْ فَرَاعَتْهُ هَذِهِ الْأَرْضُ وَ هُمْ مَعْرُوفُونَ فِي أَهْلِ الْمَسْجِدِ إِنَّهُمْ يُحْمَلُونَ هَذِهِ الْأَعْصَابُ الْمُقَطَّعَةَ وَ الْجُسُومَ الْمَفْرَحَةَ فَيَرَاؤُنَهَا وَيُقَبِّلُونَهَا**۔ لہذا اللہ نے تمہارے سید الشہداء کو یاد دلا دیا کہ اشرہ و کفر کا عہد علی کو رد الیائی لا الہ الا یم و لیجہد ان ائمۃ الکفر و اشیاع الضلال فی فحومہ و تطہیہ فیہم فلا یزاد اشرہ الا ظہورہ۔ ثنائی جو دردناک منظر آپ دیکھ رہے ہیں۔ آپ اس سے دل تنگ نہ ہوں، یہ ایک مہد تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے جہاد اور والد ماجد سے لیا تھا۔ (سو اس مہد کو وہ اچھی طرح پور کر چکے) اور خداوندِ عالم نے کچھ لوگوں سے ایک مہد لیا تھا جن لوگوں کو اس زمین کے فرمانِ وقت نہیں پہچانتے۔ لیکن ان لوگوں کو باشندگانِ آسمان پہچانتے ہیں۔ وہ ان لاشوں کے کٹے ہوئے اعضاء اور خاک و خون میں آلودہ اجسام کو اکٹھا کریں گے اور زمین میں دفن کریں گے۔

اور تیرے مظلوم بابا کی قبر پر علم بلند کریں گے (جو زائرین کو قبر کی نشان دہی کرے گا) اگرچہ کفر و نفاق کے آئہ اور منکالت کے پیروکار ان قبور مقدسہ اور ان کے آثارِ مطہرہ کے مٹانے کی کوشش کریں گے، مگر دن اور رات گزرتے جائیں گے نہ ان کا اثر ختم ہوگا اور نہ ان کا نشان مٹے گا۔

مظلوم کی بے نشانانی زہرا عالمہ غیر معلّمہ کا یہ کلام ان کی قوتِ تدبیر اور آئندہ آنے والے واقعات کے علم کی ترجمانی کرتا ہے۔ اور ان کی یہ پیش گوئی آنے والے زمانہ اور رد و ماہر نے والے حالات نے حرفِ بخت سچی کر دکھائی یہ ثنائی زہرا وارثِ عصمتِ بقرہ کا علمی معجزہ ہے۔ اور ان کے علم و عرفان کی بے دلیل ہے۔ اسیرانِ کوفہ لاشوں سے جدا ہونا نہ چاہتے تھے۔ بہر بی بی اپنے عزیز کی لاش سے لپٹی ہوئی تھی، کوچ کا حکم ملا۔ انہوں نے تو لاشوں کو نہ چھوڑا ہاں جبراً انہیں لاشوں سے علیحدہ کیا گیا۔

جناب سکینہ کے متعلق ہے :

تَقْبَلُ جُثْمَانِ الْحُسَيْنِ سَكِينَةُ وَالشَّمْرُ لَهَا بِالسَّوْطِ حَصْرًا يَمْنَعُ

سکینہ لاشِ پدر کے بوسے لے رہی تھی اور شمر تازیانے سے ان کو لاش سے جدا کر رہا تھا۔

آخر ثنائی زہرا نے لاشِ برادرِ بادلِ خواستہ چھوڑ دی اور کہا : كُوْنُ خِيَرَتِ بَيْنِ الرَّحِيلِ وَالْمَقَامِ

عندك لا خَيْرَتُ الْمَقَامِ عِنْدَكَ " اہاں جایا ! اگر مجھے یہاں سے کوچ کرنے اور تیرے پاس رہ جانے میں سے کسی ایک چیز کے اختیار کرنے کا حق دیا جاتا تو میں تیرے پاس اس محرابِ بسیرا اختیار کر لیتی۔ لیکن بھائی حسین مجبور ہوں۔ تو تو دکھوں سے راحت پا گیا۔ تیری بہن کا سینہ دکھوں کے موجدِ حار میں ہے۔

اتنے میں ایک سنگدل ملعون بنام زحر بن قیس آیا اور کرخِ آواز سے مستورات کو لاشیں چھوڑنے کا حکم دیا۔ اس ملعون کا تازیانہ ہوا میں لہرایا۔ اور غمزہ و بے ہوش شہزادیوں نے لاشوں کو چھوڑ دیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اٹھارویں مجلس

نعمت کی تشریح۔ ولایت علی بن ابیطالب کا اعلان۔ کوفہ میں ورود۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝
ان لوگوں کی راہ جنہیں تو نے اپنی خاص نعمتوں سے نوازا ہے۔ یعنی جن پر تیری خاص مہربانیاں و عنایاں ہیں، نہ
ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا غضب و عقہ ہوا۔ اور نہ ان لوگوں کی راہ جو خود سیدھی راہ سے ہٹکے ہوئے ہیں۔
اس آیت مبارکہ میں تین گروہوں کا تذکرہ ہے۔ اول جو روحانی درجات طے کرنے والے مقربینِ خدا
ہیں اور محبوب رب العالمین ہونے کی وجہ سے اس کی خاص نعمتوں کے مستزاوار ہیں۔ اس کی مخلوق کو اس کے احکام
کی تبلیغ اور سالکانِ جاوید حق کو صراطِ مستقیم کی رہنمائی کے لئے حق سبحانہ کی نماندگی کا شرف حاصل کئے ہوئے
ہیں۔ ان کی راہ طالبِ ہدایت طلب کر رہا ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو موردِ عذاب و غضبِ خداوندی ہے۔ اپنی کجروی، ناشکری، سرکشی و
بغاوت اور ظلم و تعدی کی بنا پر خالق کی ناراضگی اور اس کے غضب کے مستزاوار قرار پائے۔
تیسرا گروہ وہ ہے جو خود راہِ راست سے دور ہے۔ جس راہ پر وہ چل رہا ہے۔ وہ سیدھی نہیں راست
نہیں، غلط ہے۔ یہ گروہ اپنی تنقادات و بغاوت اور مادی لذات میں مبتلا ہو کر دنیا کو آخرت پر ترجیح دے کر
صراطِ مستقیم سے دور ہٹ گیا۔ جو گروہ خود راہِ راست سے ہٹکا ہوا ہے وہ منزلِ مقصود کہاں پائے گا۔ اور
دوسروں کو منزل پر کس طرح پہنچا سکے گا۔

اس واسطے طالبِ راہِ راست کو یہ دُعا سکھائی گئی ہے کہ پروردگار! ان لوگوں کی راہ پر چلا جو تیرے
خاص بندے ہیں۔ اور جنہیں تیری خاص نعمتوں کی فراوانی دی گئی ہے نہ ان لوگوں کی راہ جو تیری رحمتِ خاص

سے مُرد ہیں اور تیرے بغض، مغضوب اور تیری لعنت کے موردِ مستحق ہیں اور نہ ان لوگوں کی راہِ ہجاء اور گدے اور راہِ راست سے بھٹکے ہوئے کتنی ہی منزلیں طے کر لیں کتنا ہی سفر کریں اور کتنا ہی تیز چلیں، غلط راہ پر گامزن نہیں، منزل سے دُور ہی رہیں گے۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضراتِ مفسرین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ پہلے گروہ سے مُراد انبیاء و مرسلین اور مومنین و صالحین ہیں۔ جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہے۔ اَفَحَسَرَ اللَّهُ عَلَيْكَ هِمٌّ مِنَ الْبَيْتَيْنِ وَالصِّدِّيقَيْنِ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ۔

دوسرے گروہ سے مُراد یہود ہیں جو حضرت موسیٰ کی اُمت ہے۔ ان کے پیروکار کہلاتے ہیں، قذات پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن قسوتہ میں ذاتی اغراض اور مادی مفاد کے تحت تغیر و تبدل کر دیتا تھا۔ یہ لوگ جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ ”وَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ“ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے رہے۔ ”وَيَقْتُلُونَ الْبَنِيَّيْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ“ نبیوں کو بے گناہ اور ناحق قتل کرتے۔

شرارتوں۔ سرکشوں اور ظلم و ستم و ان کی بنا پر موردِ لعنت و غضبِ خدا ٹھہرے۔ جیسا کہ ارشاد ہے : وَحُشِرَتْ عَلَيْهِمُ الدَّلِيلَةُ وَالْمُسْتَكْنَفَةُ وَبَاءُ الْغَضَبِ مِنَ اللَّهِ۔

یہود حضرت عزیز علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ وَكَانَتِ الْيَهُودُ مُشْرِكِينَ بِرَبِّهِمُ اللَّهُ۔ نصاریٰ تین خداؤں کے قائل ہیں، اللہ تعالیٰ، حضرت مریم، حضرت عیسیٰ۔

انہوں نے انجیل میں حسبِ مرضی تبدیلی کر دی تھی، اس واسطے یہ گمراہ ہو گئے۔ اور ان کے متعلق ارشادِ

باری تعالیٰ ہے : فَسَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ / وہ راہِ راست سے بھٹک گئے۔ اس واسطے وہ ضالین ہیں۔

گوشتِ جنتِ الفرقہ جماعتی حیثیت سے یہود الْمُفْضُوبِ عَلَيْهِمُ اور نصاریٰ ضَالِّينَ کے مصداق ہیں۔ مگر انفرجی

طور پر ہر وہ شخص جو ایسے عقائد و افعال کا مرتکب ہو جو غضبِ الہی اور لعنتِ خدائی کے موجب ہوں، مغضوب

علیہم کے مصداق قرار پاتے ہیں۔ مثلاً ارشاد ہے : وَمَنْ يُقْتَلْ مُؤْمِنًا مَّتَعِدًا فَنَجَزَاهُ بِهِ خَالِدًا

فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَقَدْ عَذَّبْنَا عَذَابًا أَلِيمًا (س نسا، آیت ۹۵) جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر

ناحق قتل کرتا ہے تو اس کی سزا جہنم ہے۔ وہ ہمیشہ جہنم میں جلتا رہے گا۔ اور اس پر خدا کا غضب ہے اور اس کی

نفت ہے۔ اور خدا نے اس کے واسطے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، اسی طرح کسی معصوم و معصومہ کو اذیت

دینے والا، امام و نبی کو ستانے والا موردِ غضبِ خدا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ پیغمبرِ اسلام ہے : اِنَّ اللَّهَ يُغْضِبُ

بِغَضَبٍ قَاطِعَةٍ بَشْعَةً مِّنْ مَنْ اَغْضَبَنَاهَا فَقَدْ اَغْضَبَنِي وَمَنْ اَغْضَبَنِي فَقَدْ اَغْضَبَ اللَّهَ۔

ظالم میرا ٹھوڑا ہے۔ جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا، اور جس نے مجھے غضبناک کیا اس نے خدا کو

مغضوب کیا۔

”غضبناک کیا تو معلوم ہوا کہ جنابِ فاطمہؑ بھضۃ الرسول کو ناراض کرنے والا ”مغضوبِ خدا“ اور وہ بھی ”مغضوبِ علیہم“ کی فہرست میں داخل اور انعمت علیہم کے مصداق کی فہرست سے خارج ہے۔ لہذا اس کی راہِ راست ”غضب“ کی ضد ”رضا“ ہے۔ ”مغضوب“ کے مقابل ”مَرْضٰی“ ہے۔ یعنی بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے خدا کی رضا اور مرضی خریدی وہ ”انعمت علیہم“ کے مصداق، کیونکہ خدا جن پر راضی ہوتا ہے جو خدا کی رضا حاصل کرتے ہیں، وہی خدا کی خاص نعمتوں کے سزاوار ہوتے ہیں انہی کی راہِ راست ہے۔ ہر وہ شخص جو علومِ قرآن اور احکامِ شریعت سے جاہل ہے۔ وہ ضال ہے۔ لہذا باغی سرکش، ظالم، مشرک اور جاہل فاسق و فاجر، مشرک و منافق کی راہ ”مراطِ مستقیم“ نہیں، اس سے بیزاری واجب ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ”مراطِ مستقیم“ وہ ہے جو افراط و تفریط سے پاک ہو۔ نہ مرتبہِ صحیح سے کسی کو گھٹایا جائے اور نہ مقامِ راست سے کسی کو بڑھایا جائے۔ گھٹانے والے مقصر ہیں۔ اور بڑھانے والے غالی یہود گھٹاتے تھے ان پر خدا کا غضب، نصاریٰ بڑھاتے تھے وہ گمراہ، مومنین مراطِ مستقیم پر ہیں۔ لہذا وہی طریقہ صحیح ہے جس میں نہ غلو ہو اور نہ تقصیر۔

رحمت و نعمت

جس طرح رحمت عام بھی ہے اور خاص بھی۔ اسی طرح نعمت عام بھی ہے اور خاص بھی، اس کی عام رحمت میں اس کی ہر مخلوق کا حصہ ہے۔ جان دار ہے یا بے جان، کافر ہے یا مسلمان، مومن ہے یا منافق، صالح ہے یا فاسق، اسی طرح اس کی عام نعمتوں، صحت، زندگی، آب و ہوا، وصوب و سایہ، معادن و جواہر، نبات و حیوانات وغیرہ میں بھی ہر ملحد و مجاہد اور ہر مومن و عابد، ہر غلیظ و صالح، اور ہر مشرک و طالح شریک ہے۔ لیکن خاص رحمت اور خاص نعمت کے وہی مستحق ہیں جو اُس کے مقرب اور پسندیدہ بندے ہیں۔ جن کی زندگیاں اس کی محبت و رضا کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں۔

”عام رحمت و نعمت“ جو انسان کے بدن کی پرویش کے، اسبابِ مہیا کسے وہ ”رحمتِ عامہ“ ہے اور عام رحمت کے تقاضے، جو اسبابِ معیشت مادی زندگی کی ضروریات پوری کریں وہ عام نعمتیں ہیں۔ اسبابِ تربیتِ جسمانی اور ضروریاتِ مادی زندگانی، نعماتِ عامہ ہیں جو ہر فرد کے لئے ہیں۔ اور جو انسان کی روحانی زندگی اور حیاتِ آخری کی تربیت کسے وہ رحمتِ خاصہ ہے۔ اور رحمتِ خاصہ کے تقاضے کے مطابق اُس کی روحانی زندگی کے ارتقاء کے لئے جو اسباب اور عنایاتِ الہی مہیا ہوں

وہ نعماتِ خاصہ ہیں۔ جو خاص بندوں کے لئے ہیں۔ رحمتِ سبب ہے نعمت کا نعمتِ مسبب ہے۔ عام رحمت عام نعمت کا سبب اور خاص رحمت خاص نعمت کا سبب نعمتیں تو بے شمار ہیں: "وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصَوْهَا" اگر اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو ہرگز شمار نہ کر سکو گے۔

خاص نعمتوں سے مراد اس کے بلند مناصب وحی، نبوت، رسالت اس کا پیغام وغیرہ ہیں، جیسا کہ
 اِن آیات میں اِن کا ذکر ہے: **وَكَمْ كُنُفُوسًا أَهْلَتْ بِرَحْمَةِ رَبِّكَ لَوْلَا مَعْجُونُكَ** "اَلَا كَمْ يَد
 وَلَا تَدْرِ اپنے رب کی نعمت کے ساتھ کتنی (بخوشی) نہیں اور نہ دیوانہ ہے۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ اپنے رب کی نعمت بیان کر لوگوں کو بتا۔ (والفقی)
 أَفَبِعِصْمَةِ اللَّهِ يُجَادُونَ ۝ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ هُمْ يَقْمُرُونَ ۝ (النمل آیت ۲۳، ۲۴) وہ خدا
 کی خاص نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

يَحْصِرُونَ نِعْمَةَ اللَّهِ ثُمَّ يُكْفُرُوا بِهَا ۚ وَنَهَاہُ وہ خدا کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر انکار کر جاتے ہیں
اِذْ قَالَ اللَّهُ لِيٰعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَاَعْلٰی وَاِلٰدَتِكَ (المائدہ : ۱۰۹)
اے عیسیٰ بن مریم اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں اور تمہاری والدہ کو دی ۔

وَكَذَٰلِكَ يُجَنَّبُكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نَجْمَكَ
عَلَيْكَ وَعَلَى الْإِسْمَٰءِ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَى أَبْنَائِكَ مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّا
رَبُّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ سورة يوسف کی ابتدائی آیات ہیں) جب حضرت یوسف علیہ السلام نے
اپنے پدرِ نرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام سے خواب عرض کیا تو اس وقت مہربان پدر نے پیارے بیٹے کو
فرمایا، اسی طرح تجھے چُن نے کاتیرا رب اور تجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا۔ اور وہ اپنی نعمت تجھ پر اور
آلِ یعقوب پر تمام کرے گا۔ جس طرح کہ اُس نے تجھ سے پہلے تیرے باپ ابراہیم اور اسحق پر تمام کی تھی، چٹک
تیرا رب علم و حکمت والا ہے۔

اس آیت میں چار نمبروں کا ذکر ہے جن پر نعمت تمام ہوئی، یعنی حضرت یوسف، حضرت یعقوب، حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم۔ یہاں نعمت سے مراد نبوت ہے اور نبوت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔

مذکورہ بالا آیات میں نعمت سے مراد وہ نعمت ہے جو روحانی درجات، بڑھائی اور قوتِ قدسیہ کو تیز کرتی ہے۔ اور حضرت یعقوب کا حضرت یوسف کو، اور ان پرہ اور آلِ یعقوب پر اتمامِ نعمت کی بشارت دینا، یہ دلیل ہے کہ یہاں نعمت سے مراد بقوت ہے۔ نعمت تمام ہونے سے مراد ہے پیغامِ خداوندی اور اس کے احکام کا مکمل ہو جانا۔

تکمیل دین و اتمام نعمت

جب حضور ختم المرسلین پر احکام وحی مکمل ہو گئے اور پیغامات الہی پورے کے پورے نازل ہو چکے تو تکمیل رسالت اور اتمام نعمت کی بشارت آئی: اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَاضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا ۝ (المائدہ، پ ۶) "آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کی، اور تمہارے واسطے دین اسلام کو پسند کیا۔" لفظ "آج" کی قید بتاتی ہے کہ کل تک دین مکمل نہ تھا نعمت تمام نہ تھی۔ آج مکمل ہوئی۔ کل اور آج میں ویسے تو ایک دن کا فرق ہے لیکن ایک دن کا فرق بھی بہت کچھ کام کر دیتا ہے۔ شب قدر بھی صرت ایک رات ہے۔ لیکن شرف و فضیلت میں ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

ختم عنیدہ

اسی طرح اٹھارہ ذوالحجہ ۱۱ سالہ کا دن صرت ایک دن ہے۔ لیکن عظمت و شرف میں ہزار دنوں سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس دن دین کی تکمیل ہوئی، نعمت نبوت و رسالت تمام ہوئی، اور اسلام کو پسندیدگی کی سند ملی۔ غار حرا کو فرمایا کہ اس میں وحی کا آغاز ہوا اور نزول قرآن کی ابتداء اور نبوت یعنی اہلبار نبوت کا حکم ملا۔ تو سیدان ختم عنیدہ کو بھی یہ فخر و شرف حاصل ہے کہ یہاں آخری وحی نازل ہوئی۔ پیغام ربانی کا اختتام ہوا۔ قرآن و دین اسلام کی تکمیل ہوئی، نعمت نبوت تمام ہوئی اور رضا الہی کی سند عطا ہوئی۔ اس واسطے اٹھارہ ذوالحجہ کا دن بڑی عظمت والا ہے۔ سترہ ذوالحجہ کو نہ دین کامل تھا نہ نعمت تمام تھی۔ حالانکہ وحید نبوت تھی۔ ملائکہ و کتب سماویہ پر ایمان تھا۔ قیامت پر عقیدہ تھا۔ نماز تھی روزہ تھا۔ زکوٰۃ تھی جہاں تھا۔ حج تھا اور حج ہی سے واپسی تھی۔ اسلام کے اصول و فروع نئے مگر دین کامل نہ تھا۔ ۱۸۔ ذوالحجہ کو کامل ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تکمیل دین اور اتمام نعمت میں ایک اہم چیز کی کمی تھی۔ جو اٹھارہ ذوالحجہ کو پوری ہوئی۔ اور جس کے لوگوں کو پہنچانے اور عمل کر کے دکھانے کا حکم نازل ہوا۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ تَكُنَ مِنْ سَاقِطِ
وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۝ اے رسول! وہ حکم لوگوں کو پہنچاؤ جو تیری طرف میرے رب کی جانب سے نازل ہوا ہے۔ اور اگر تم نے اس پر عمل کر کے نہ دکھایا تو گویا آپ نے رسالت کو پہنچایا ہی نہیں خدا تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

جب اس آیت کی تبلیغ ہوئی اور اس خاص امر کی تعمیل ہوئی تو آخری آیت نازل ہوئی: "اَلَيْسَ وَاكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي"۔ آج میں نے تمہارا دین کامل کیا اور اپنی نعمت کا سلسلہ تمام کیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس امر خاص کی تکمیل دین اور احکام نعمت یعنی نبوت میں بڑا دخل تھا۔ اس کے بغیر دین ناقص اور نعمت ناقص ہے۔ آخر یہ اہم امر اور خاص کام ہے۔ کیا جس کے بغیر دین کامل نہیں نعمت تمام نہیں، اسلام پسندیدہ نہیں۔ اُدھڑات! اس خاص امر پر تھوڑی سی بحث کر لیں اور کھوج لگالیں۔

اول ایک تریہ کہ اگر تم نے یہ کام کر کے نہ دکھایا تو گویا رسالت پہنچائی نہیں۔ اتنا ضروری ہے کہ اگرچہ پیغمبر یہ پیغام پہنچائیں نہیں اور عمل کر کے دکھائیں نہیں تو جتنے امور رسالت انجام دیئے، ان کی قدر کوئی نہیں۔ سب بے قدر ہیں۔ اگر یہ خاص امر ساتھ نہ ہو تو معلوم ہوا کہ تمام امور اسلام اور کار رسالت کی قدر و قیمت اسی خاص کام کے ساتھ وابستہ ہے۔

تو جتنا پہنچانا رسول کے لئے ضروری ہے اتنا ہی اُمت کے لئے بھی ماننا ضروری ہے۔ اگر رسول پہنچائیں نہیں تو ان کی رسالت میں ضعف اور اگر مسلمان مانیں نہیں تو ان کے ایمان بے کار۔ اگر رسول کی رسالت اس کے بغیر بے کار ہو سکتی ہے تو مسلمان کا اسلام اور مومن کا ایمان اس کے بغیر کس طرح فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ اس امر خاص کی تبلیغ اور اس کی تعمیل خطرہ سے خالی نہیں۔ کیونکہ آیت کا آخری جملہ :

دوم "وَاللّٰهُ يَخَصِّصُكَ مِنَ الْاٰمِيْنَ"۔ اَللّٰہ تجھے لوگوں کی شریعت سے بچائے گا۔ حفاظت کی ضمانت وہاں دی جاتی ہے جہاں خطرہ ہو، نفقہ امن کا ڈر ہو، اس مقام پر جہاں یہ آیت نازل ہوئی کیا ڈر تھا؟ اور کس سے ڈر تھا؟

ولایت علی کی تبلیغ عام مسلمان کہتے ہیں کہ تمام امور اسلام اور احکام شریعت تھے۔ انہی کی تبلیغ کی تاکید تھی۔ مگر مجھے ان سے اختلاف ہے۔ کیونکہ خون و خطرہ گھڑیاں

بیت چکی تھیں۔ ڈر کا زمانہ گزر چکا تھا۔ اب سارا عرب اسلام قبول کر چکا تھا۔ اب تمام امور اسلام کی تبلیغ کرنے سے کیا ڈر تھا؟ آغاز اسلام میں یہ امور پہنچائے۔ جب کہ کفر و شرک کا غلبہ اور دشمنوں کی کثرت اور کفر کو قوت حاصل تھی اس وقت نہ ڈر ہے۔ اب جبکہ علم اسلام تمام سرزمین عرب پر لہا رہا تھا۔ کفر و شرک کا زور ختم ہو گیا۔ دشمن کمزور اور علیا میٹ ہو گئے اور تمام عرب زیر نگیں ہے۔ اب احکام اسلام پہنچانے میں کیا ڈر تھا۔ پھر وقت نزول آیت مبارکہ جو لوگ ساتھ ہیں۔ صحابہ ہیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ جمع ہے۔ ماشاء اللہ! سب مسلمان ہیں، ان میں کوئی یہودی نہیں نصرانی نہیں۔ مشرک نہیں کافر نہیں۔ تمام کلمہ گو

صحابی اور سارے مسلمان حاجی ہیں۔ لیکن خطرہ بدستور ہے۔ کیونکہ ”اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔“ کا جملہ بھی خطرہ کی گنتی بجا رہا ہے اور حفاظت کی تسلی بھی دے رہا ہے۔ حکم خطرناک ضرور ہے اور اس حکم کی تبلیغ و تعمیل سے ساتھیوں کے دل پر چوٹ لگنے اور ان کی اُمیدوں پر اوس پڑنے کا امکان ہے۔ آؤ حضرات اس حکم کا کھوج لگائیں۔

کیا نماز کا حکم تھا؟ ہرگز نہیں، نماز تو تیس سال سے پڑھ رہے تھے۔ ماشاء اللہ سارے کے سارے نمازی تھے۔

روزہ کا حکم تھا؟ نہیں ہرگز نہیں، سارے روزے رکھتے تھے۔ بغلا روزے کے حکم سے انہیں کیا کد تھی۔

زکوٰۃ کا حکم تھا؟ نہیں جناب! یہ زکوٰۃ کا حکم بہت پہلے سُن چکے تھے۔ اور عمل کر چکے تھے۔ زکوٰۃ لیتے بھی تھے اور دیتے بھی تھے۔

حج کا حکم تھا؟ نہیں حضور! حج تو کر کے آ رہے تھے۔ حج کے حکم سے ان کی کون سی اُمید ضائع ہو جاتی۔

جہاد کا حکم تھا؟ ہرگز نہیں، مدینے میں ساری عمر جہادوں میں جلنے میں گزری۔ میدانِ قتال تک جاتے تھے۔ مجاہد تھے یا نہ تھے، میدانِ جہاد کے مسافر تھے۔

پھر کون سا حکم تھا؟ جس کی ادائیگی عین دوپہر کے وقت تپتی زمین اور چلتی دھوپ میں ضروری تھی۔ حضور! بات یہ کہ جب اقتدار حاصل ہو جاتا ہے۔ حکومت مضبوط ہو جاتی ہے تو لوگ برسرِ اقتدار جماعت میں فوج در فوج داخل ہو جاتے ہیں۔ اولاً تو اتنے عہدے ہوتے نہیں جو سب میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ جنہیں کوئی عہدہ مل جائے وہ معاون اور مداح اور جو بد نصیب محروم رہ گیا وہ لگا شرا تیں کرنے، عیب جوئی کرنے، عیب نکالنے اور صاحبِ عہدہ اور صاحبِ منصب سے حد کرنے۔

علامہ ازہبی اسلام میں عہدہ کی عطا صرف اہلیت اور لیاقت پر ہے۔ اور یہ عہدے اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں۔ کیونکہ ظاہری و باطنی خوبیوں، ماضی و مستقبل کے حالات سے وہی واقف ہے۔ اس واسطے یہ منصب وہی عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

آج یعنی اٹھارہ ذوالحجہ کو مقامِ خم غدیر پر اس عہدہ کی عطا کا اعلان تھا اور اس منصب کو اس کے اہل یکے سپرد کرنا تھا۔ محروم لوگوں کے حمد اور ان کے احساسِ محرومی کے ردِ عمل کا خوف تھا۔ جو حاسدوں اور محروم اقتدار لوگوں سے عموماً توقع میں آتا رہتا ہے اور یہ خطرہ بیرونی نہ تھا اندرونی تھا، بیرونی خطرے ٹل

کئے تھے۔ اندرونی سازشوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ بیرونی دشمنوں سے اندرونی دشمن زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ عہدہ کی عطا تھی، بلکہ عطا کا اعلان تھا۔ نبوت تو ختم تھی مگر خلافت و ولایت باقی تھی۔ تاریخ و احادیث کی کتابیں بالاتفاق بیان کرتی ہیں کہ حضور رسالت کا مہمبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مدین میں اونٹوں کے پالانوں کا منبر بنایا تاکہ عام سطح سے بلند ہو کر اعلان کریں۔

مجمع عام اور ہزاروں کے اجتماع میں آواز پہنچانے کے لئے مقرر بلند مقام پر کھڑا ہوتا ہے تاکہ سارا مجمع اس کی آواز سُن لے۔ چونکہ اہم اور سخت ضروری اعلان تھا، اس واسطے اس کے پہنچانے کا اہتمام بھی شاندار اور موثر طریقے پر کیا کہ پالانوں کا اونچا منبر بنایا۔ اور عہدہ تاج پہنانے کے لئے امیدوار بلکہ حقدار کو اپنے ساتھ منبر پر لے گئے۔ بحسب فرمانِ خداوندی اس حکم کی زبانی تبلیغ "مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ" کے لبوں سے قولی صورت میں کی اور فرمایا: "هِيَ كُنْتُ مُؤَلَّاهُ فَهَذَا عَبْدِي مُؤَلَّاهُ"۔ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔ صرف زبانی تبلیغ کافی نہ تھی عملی مظاہرہ بھی ضروری تھا۔ ادھر سے لبوں نے جنبش کی اور من کنت مولا کی صدا صحابیوں کے کانوں سے "مولا" ساتھ ہی نبوت و امامت کے ہاتھ ایک ساتھ فضا میں بلند ہوئے۔ عہدہ کا اعلان کیا اور عہدہ دار کی تعین کر دی۔ انگلی کے اشارے سے نہیں تاکہ بہت سے لوگ دعویدار نہ بن جائیں کہ میری طرف اشارہ تھا۔ اس واسطے ہاتھ پکڑ کر دکھایا۔ مقام الگ بنایا۔ عام مجمع سے علیحدہ جگہ تھی۔ ایک منبر تھا جہاں نبی و علی کے سوا کوئی جا نہ سکتا تھا۔

ناظرین کرام! مولا اور ولی ایک مصدر کے دو مشتق ہیں مادہ ایک ہے۔ دونوں کا معنی اس مقام پر ایک ہے۔ یعنی حاکم، منتصف، دوسرے معنوں میں اپنے بعد اپنے جانشین کا اعلان کیا۔ یہاں اس نشست کے لئے انتخاب امت اور لوگوں کے چناؤ کو دخل نہ تھا، یہ خدا کی طرف سے نامزدگی تھی۔ جب کسی نشست پر خلائق کسی کی نامزدگی کر دے، مخلوق کو اس نشست کے لئے کسی امیدوار کے انتخاب کا حق نہیں ہے۔ لہذا استیفاء کی کارروائی فضول، مہمل اور بے کار ہے۔ ذرا ان سے پوچھئے کہ جس نشست کے لئے آپ انتخاب کر رہے ہیں وہ خالی بھی ہے؟ وہ تو کبھی ماہ پہلے حیدرانِ خم غدیر میں پُر ہو چکی ہے۔

مخلوق کے انتخاب کو تو خدا منسوخ کر سکتا ہے لیکن خلائق کے انتخاب کو مخلوق منسوخ نہیں کر سکتی۔ حضرات! وہ حکم پہنچایا گیا۔ ولایت علی ابن ابی طالب اور خلافت برادر رسول زوجِ بول کا اعلان ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ ولایت علی بن ابی طالب اسلام میں اتنی اہم اور دین میں اتنی ضروری تھی کہ اس کے بغیر رسالت بے کار، دین ناقص اور نعمت ناقص اس کے آنے سے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد آیت نازل ہوئی: اَلَيْسَ هَآؤُلَآءِ اَكْمَلَتْ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَيَكْمُلُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

حالانکہ اس سے قبل کلمہ توحید "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" تھا۔ کلمہ رسالت "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ" بھی تھا۔ ملائکہ اور کتبِ سماویہ اور آخرت پر ایمان بھی تھا۔ نماز بھی تھی، روزہ بھی تھا۔ حج بھی اور زکوٰۃ بھی تھی۔ کونسا حکم ہے جو قبل ازیں نازل نہ ہو چکا تھا۔ اور اس پر عمل نہ ہو چکا تھا۔ صرف اسی آخری حکم کا اعلان اور تعمیل باقی تھی۔ جس کے بغیر دین نامکمل اور نعمت نامتام تھی۔ سب کچھ تھا۔ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ" تھا۔ لیکن "عَلَىٰ وَرِثَةِ اللَّهِ" نہ تھا۔ تو علی ولی اللہ شرط ہے تکمیل عقیدہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ" کی اور احکامِ شریعت کے قبول ہونے کی، "علی ولی اللہ" نے نعمتِ تمام کی جس طرح نبوت ایک نعمت ہے اسی طرح ولایت علی بھی ایک نعمت ہے۔ یہ لوگ مصداق ہیں "أَتَمَّتْ عَلَيْهِمُ" کے جن پر نبوت ولایت کی نعمتیں نازل ہوئیں، انہی کی راہ راہِ راست اور صراطِ مستقیم ہے۔ جس کا آخری کنارہ جنت کے دروازے پر حاکمِ ختم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور ان کی متضاد راہیں کوئی "مَعْصُوبٌ عَلَيْهِمْ" ہے اور کوئی "ضَالِّينَ" میں شامل ہے۔

حاضرین! بابا علی کی ولایت نے اسلام کو تکمیل کی سند دی اور بیٹے کی شہادت نے اس مکمل اسلام کی حفاظت کی۔ علی نے رسالت کا حصہ یا شرط بن کر اسلام کو مکمل کیا حسین نے شہید ہو کر مٹتے اسلام کو زندہ کیا۔ مکمل کرنا آسان ہے لیکن مٹتے ہوئے دین کو بچانا دشوار ہے۔ اسلام مٹ جاتا اگر حسین سمر نہ دیتے۔ اسی طرح حسین کی شہادت کے مقصد کو اگر زندہ رکھا ہے تو جناب زینب نے! جہاں اسلام کی خاطر ہاشمی جوانوں نے میدانِ کارزار میں قربانیاں دی ہیں وہاں ہاشمی مستورات نے بازاروں اور درباروں میں اپنے پسووں کی قربانیاں دے کر اسلام کی حفاظت کی ہے۔ کہ بلا کے واقعات آپ سُن چکے ہیں۔ اب کوفہ کے حالات سنیں۔

کوفہ میں ورود

اہل بیت رسول اور بناتِ بتول اب ابنِ زیاد کے قیدی ہیں۔ عمر بن سعد اہل بیت کا قیدی قافلہ لے کر روانہ ہوا۔ کوفہ پہنچنے سے قبل فنام ہو گئی۔ لہذا اس قافلہ کو کوفہ سے باہر قیام کرنا پڑا۔ ۱۲۔ محرم کو کوفہ شہر میں وارد ہوئے۔ اس کوفہ میں بیس سال قبل امیر المومنین کا عہدِ خلافت تھا۔ آپ نے حسبِ مصلحت کوفہ کو داراِ خلافت تجویز فرمایا۔ اور اپنے اہل و عیال کو کوفہ میں طلب فرمایا۔ امیر المومنین کے زمانے میں جناب حسنین شہزادے اور دخترانِ علی شہزادیاں تھیں۔ اشرافِ کوفہ کی عورتیں بارگاہِ زینب و ام کلثوم میں باریابی پر فخر کرتی تھیں۔ پہلی بار کوفہ میں آئی تھیں تو عزت و احترام کے ساتھ جناب امام حسن و امام حسین، محمد بن حنفیہ

جناب عباس، حضرت عبداللہ بن جعفر ہمراہ سفر اور نگرانِ قافلہ عصمت و طہارت تھے۔ خورد و نوش کا مکمل انتظام اور سفر حسبِ مرضی تھا۔ اور جب کوفہ میں آئیں تو جناب امیر المومنین عزت و احترام کے ساتھ عصمت سراہیں لائے۔ جتنا عرصہ رہیں تعظیم و تکریم کا ماحول رہا۔ اس دوران ان کا حلقہ درس و تبلیغ تھا۔ زنان کوفہ اسلامی احکام سیکھنے کے لئے اور درسِ قرآنی و حدیث لینے کے لئے بے حد شوق و رغبت آئیں، دخترانِ علی و تبویٰ شریعتِ رسول کے احکام نشر کرتیں، اسلام کی تبلیغ کرتیں۔ دینِ اسلام کی یہ مقدس مقامات اپنے قول و عمل سے زنان کوفہ اور مستوراتِ مسلمین کو فقہی مسائل اور اسلامی احکام سے آگاہ کرتیں۔ کوئی عورت قرآن پڑھ رہی کوئی حدیث کا درس لے رہی ہے۔ کوئی فقہی احکام حاصل کر رہی ہے۔ غرضیکہ مقدس اسلامی درسی ماحول تھا۔ اور دارِ شریعت کی بیٹیوں سے زنان کوفہ اپنی دینی تربیت لے رہی تھیں۔

چالیس ہجری کو امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت ہوئی۔ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ جناب حسین علیہما السلام کوفہ سے واپس مدینہ چلے گئے۔ بیس سال بعد اسی علی کی بیٹیوں کو قضاً مقتدر کوفہ میں لے آئی۔ اب کی مرتبہ کوفہ میں بغیر وارثوں کے آئیں۔ حسنِ معینی تو دس سال قبل مدینہ میں زہر سے شہید کر دیئے گئے۔ باقی مردانِ اہل بیت کہ بلا میں شہید ہو گئے۔ دخترانِ علی اب جو کوفہ میں آئیں تو بھائی مراکے بیٹے کوٹواکے، اور گھربا لٹواکے آئیں۔ عرم کی بارہ تاریخ تھی۔ ابنِ زیاد گورنر کوفہ کو اطلاع ملی کہ قافلہ کوفہ میں داخل ہونے والا ہے۔ شہداء کہ بلا کے سر بلحوں کے دربار میں پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ اس ناراضی حکم دیا کہ تمام سرنیزوں پر سوار کئے جائیں اور قافلہ کے پاس بجوا دیئے جائیں تاکہ قیدیوں کا قافلہ اور شہیدوں کے سرائیک ساتھ واردِ شہر کوفہ ہوں۔ ابنِ زیاد کے حکم کی تعمیل ہوئی، قافلہ کے آگے نیروں پر سوار تھے۔

عام لوگوں کو مطلع کیا گیا کہ کہ بلا کی جنگ میں ابنِ زیاد کو فتح حاصل ہوئی ہے حسین بن علی اور ان کے تمام ساتھی مارے گئے ہیں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر کے کوفہ لایا گیا ہے۔ شہیدوں کے سر نوکِ نیزہ اور قیدی شتران بے کجاوہ پر سوار ہیں۔ جو قیدیوں کا تماشا اور سرور کا نظارہ دیکھنا چاہے، اذنِ عام ہے۔ کچھ لوگ بے علمی میں کچھ عداوت کی بنا پر اور اکثر اوباش لوگ تماشا بنا کر اور بطورِ شغل یہ منظر دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔

حضرات! آپ جانتے ہیں، اس قسم کے اشغال اور مناظر میں سرفراہم آتے ہیں۔ اور ردیل کھینے، نیزہ اوباش لوگوں کی کثرت ہوتی ہے۔ شریفِ خاندانوں پر جب انقلاب کے دور آتے ہیں اور ان کی عزت و ذلت میں اور بڑائی رسوائی میں تبدیل ہوتی ہے تو وہ گھروں سے باہر کم نکلتے ہیں۔ برسرِ عام اپنی رسوائی

سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خیرین لوگ تو ان سے ہمدردی کرتے ہیں لیکن کینے لوگ اپنی کینہ عسرت یا کسی امیر کی ناجائز خواہش کے پیش نظر ایسے انقلاب کے ستارے ٹرناد پر آوازے کتے ہیں۔ اور تو یہی آمینر فقرات سے اُن کے دلوں کے زخم دکھاتے ہیں۔

اہل بیتِ محمد سے بڑھ کر کوئی شریف گھرانہ نہ تھا اور ابنِ زیاد اور اُس کے ساتھی کوفیوں سے بڑھ کر کوئی کینہ نہ تھا۔ اہلِ عام ملتے ہی تمام شہر کے مرد و زن کوفہ سے باہر کناسہ کے مقام پر جمع ہو گئے۔ اور قیدیوں اور سزوں کا انتظار کرنے لگے۔ ابنِ زیاد نے یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ کوئی عورت یا مرد جگہ ہتھیار لے کر نہ نکلیں تاکہ بغاوت نہ ہو جائے۔ اور اس پابندی پر عمل درآمد کے لئے اس نے حبا بجا پولیس کے دستے مقرر کر دیئے۔

مسلم جصاص

مسلم جصاص یہ ایک راج (محار) تھا۔ ابنِ زیاد کے محل "دارالامارہ" کی مرمت کے لئے بلایا ہوا تھا۔ اور اس محل کی مرمت کے کام میں مشغول تھا۔ کوفہ کے اطراف و جوار میں سے لوگوں کے گروہ اور ان کے شور و غل کی آوازیں سن کر حیران ہوا کہ آج کیا ماجرا ہے۔ لوگ اچھے لباس میں گروہ درگروہ مقام کناسہ پر جمع ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے "دارالامارہ" کے خادم سے ماجرا دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ ایک خارجی نے (معاذ اللہ) یزید پر خروج کیا تھا۔ وہ مارا گیا ہے اور اس کا سر اور اس کی ٹور توں اور پتوں کو قید کر کے کوفہ لایا جا رہا ہے۔ میں نے نام پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ وہ حسین بن علی ہے۔ مسلم جصاص کا بیان ہے کہ جب میں نے یہ نام سنا تو میں دم بخود رہ گیا۔ میرے دل پر رنج کا نثار چھا گیا۔ جب خادم باہر چلا گیا تو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں منہ پیٹ لیا۔ اور اس زور سے میں نے اپنے منہ پر ہاتھ مارے کہ قریب تھا کہ میری آنکھیں ضائع ہو جائیں۔ دردِ عالم میں ڈوبا میں مقام کناسہ پر گیا جہاں لوگ سزوں اور قیدیوں کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک قافلہ پہنچا۔ اونٹوں پر دخترانِ رسول اور کچھ بچے سوار تھے۔ اور امام زین العابدین بے پلان اونٹ پر سوار تھے ان کے زخمی بدن سے خون بہہ رہا تھا۔ اشکبار آنکھیں تھیں اور دردناک آواز کے ساتھ یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

يَا اُمَّةَ السُّوَرِ لَا تُقْيَا لِرَبِّكُمْ
يَا اُمَّةَ لَعْنُ رَاغِي حَيْدًا نَا فَيَدُنَا
اے بُری اُمت خدا تمہارے مسکن کو کبھی سیراب نہ کرے۔ اے بدکار اُمت تم نے ہمارے
جد امجد کا ہمارے بارے کچھ حیا و لحاظ نہ کیا۔
كُوْا اَنَّا وَرَسُولُ اللّٰهِ جَمِيعًا
يُذْهِرُ الْقِيَامَةَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

اگر ہم رسولِ خدا کے ساتھ روزِ قیامت اکٹھے ہوں تو تم کیا جواب دو گے؟

تَسِرُوْنَا عَلَى الْأَقْتَابِ عَارِيَّةً ۖ كَاتِنًا لَّهُمْ نُشَيْدٌ فَيَكْفُرُوا بِدِينِنَا

ہمیں بے پلانے اذیتوں پر برہنہ چل رہے ہو گویا ہم نے تم میں دین کی بنیادیں مضبوط نہیں کیں۔

بِغَيْرِ أَمِيَّةٍ مَّا هَذَا الْوَقُوفُ عَلَى تِلْكَ الْأَمْثَالِ لَا تُكُونُ دَاخِلِنَا

اسے نبی اُمیہ ان معاصی پر قیام و قیوت کیا ہے۔ ہماری پکار کا جواب نہیں دیتے۔

تَصِفُقُونَ عَلَيْنَا كَفَّكُمْ قُرْحًا ۖ وَأَنْتُمْ فِي فَجَاجِ الْأَمْرِ تَسْبُونَا

تم آج مسرت سے ہم پر بتالیاں بجا رہے ہو اور زمین کے کشادہ راہوں میں ہمیں قیدی بنانے کے پھرا

رہے ہو۔

أَلَيْسَ جَدِّي رَسُولُ اللَّهِ وَيَلْكُمُ ۖ أَهْدَى الْبَرِّيَّةِ مِنْ سُبُلِ الْمُضِلِّينَا

اے سوس ہے تم پر کیا ہمارے جدِ امجد رسولِ خدا نہیں، جو لوگوں کو گمراہی کے راستوں سے نکال کر

ہدایت پر لے آئے۔

يَا وَفَعَةُ الطَّمْعِ قَدْ أَوْرَشْتَنِي حُزْنًا ۖ وَاللَّهُ يَجْتَلِكُ اسْتَارَ الْمُسِيئِينَ

اے واقعہ کربلا تو نے مجھے غم کا وارث بنا دیا۔ اور غم بیکاروں کے پردے چاک کر دیتا ہے۔

زنی و مرد قیدیوں کی خستہ حالی، بے کسی اور مظلومی پر آنسو بہانے لگے۔ بچوں کی قیمتی اور غربی پر لوگ

کھجوریں۔ روٹیوں کے ٹکڑے پھینکنے لگے۔ جناب ام کلثوم یہ کھجوریں اور ٹکڑے یہ کہہ کر زمین پر پھینک دیتیں کہ

ہم اہل بیت ہیں۔ صدمہ ہم پر حملہ ہے۔

جناب سیدِ سجاد کی گریہ و زاری اور بے پلانے اونٹ پر زلفت کے ساتھ سواری اور بناتِ رسول کی

قیید اور لاچاری دیکھ کر کہنے والے وحاشاں مارا کر رونے لگے۔ جناب ام کلثوم نے فرمایا :-

يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ تَقْتُلُنَا رَجَالَكُمْ وَتَبْكُنَا نِسَاءَكُمْ فَالْحَاكِمُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اللَّهُ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ (اے اہل کوفہ! تم ہمارے مرد بھی قتل کر رہی اور تمہاری عورتیں ہم پر روتی ہیں۔ اچھا اللہ

ہمارے اور تمہارے درمیان روزِ قیامت فیصلہ کرے گا۔

مسلم کہتا ہے کہ اُن دنوں اُنسا شور و غل بلند ہوا۔ لوگوں کی نگاہیں پھر گئیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ شہداء کربلا کے

سر نیزوں پر بند ہیں۔ اور سب سے آگے آگے میرے نوا حسین کا سر آ رہا ہے۔ وَهُوَ رَأْسُ زَهْرَتِي

قَمَرِي أَشْبَهُ الْخَلْقِ بِرَسُولِ اللَّهِ ۖ لِحَيْتِهِ كَسَوَادِ الْبُسْجِ قَدْ ائْتَصَلَ بِهَا الْخِضَابُ وَجْهَهُ

نَارَةً قَمَرٍ طَالِعٍ وَالسَّرِيحُ تَلْعَبُ بِهَا يَمِينًا وَشِمَالًا (وہ سر جو چھوٹیں رات کے چاند

کی طرح چمک رہا ہے۔ اور رسول خدا کے ساتھ مشابہ تھا۔ اور ولش مبارک خضاب کی وجہ سے سیاہ تھی۔ اور چہرہ مبارک چودھویں مات کے چاند کی طرح گول اور روشن تھا۔ جب ہوا چلتی تو ولش مبارک کے بال دائیں بائیں لہراتے، جو لوگ یہ نظارہ دیکھنے آئے اور تماشا کی خاطر جمع ہوئے تھے یہ کرب ناک منظر دیکھ کر بے اختیار رونے لگے۔ ان کی آہ و بکا دیکھ کر بیمار کربلا اسیرِ معن و جفا سیدِ سجاد نے خیف آواز میں کہا: "تَنْزُحُونَ وَتَبْكُونَ مِنْ أَجْلِنا فَمَنْ ذَا الَّذِي قَتَلَنَا" (کوئی دالہ! ہم فوج و بکا کر رہے ہو، یہ تو بتاؤ پھر ہمیں قتل کس نے کیا ہے۔ یعنی تم قتل بھی کرتے ہو اور آنسو بھی بہا رہے ہو)

اس اثناء میں ایک عورت نے کوٹھے کی چھت پر جھانک کر کہا: "مَنْ أَيْ الْأَسَارَى أَنْتُمْ؟" قیدیو! یہ تو بتاؤ تم کس قوم و قبیلہ سے ہو؟ بیبیوں نے جواب دیا: "نَحْنُ أَسَارَى مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ" ہم خاندانِ نبوت کے قیدی ہیں۔ یہ سن کر اس کا دل بھر آیا۔ ہمدردی کے انداز میں اس نے بے پردہ مستورات کے لئے کچھ برقعے اور چادریں اکٹھی کر کے ان بے پردہ بیبیوں کی خدمت میں پیش کیں، لیکن روایات بتاتی ہیں کہ ظالموں نے برقعوں اور چادروں سے انہیں منہ نہ چھپانے دیا۔ اور بے دردی سے چھین لیں۔

دخترانِ حیدر کے خطبے

تقریر کرنے کے وقت ہوش و حواس بجا اور ذہنی قوتوں کا سلامت ہونا ضروری ہے۔ دماغی پریشانی اور بے چین طبیعت، رنج و اذیت سے دل کا غبار آلود ہونا ادائیگی بیان میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ کوئی غم زدہ اور مصیبت میں مبتلا بشر ایک کلمہ بھی منہ سے نہیں بول سکتا۔ حضرات! آپ خود اندازہ کر لیں، کہ حیدر کمدار کی بیٹیاں کن مصائب کے پہاڑ سروں پر اٹھائے ہوئے تھیں۔ دل و دماغ پر کس قدر پریشانیاں چھائی ہوئی تھیں۔ دکھوں کے کرب ناک اور ہولناک سمندر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ کتنے مدد سے اور رنج اٹھا چکی تھیں۔ پھر عورت ذات، بے حیاؤں کا مجمع عام، دشمنوں کا شہر، بے وارث و بے وطن بیبیاں، مگر قوتِ ارادی اور روحانی طاقت کی مالک، صبر و تحمل کے اعلیٰ مدارج پر فائز، کمالِ استقلال کے آخری درجہ پر فائز شہزادیوں نے قاتلین کے شہر اور دشمنوں کے مجمع میں وہ مؤثر اور فیصلہ و بلین خطبے ارشاد فرمائے کہ لوگ در طہجرت میں ڈوب گئے اور کمالِ فصاحت و بلاغت سے اپنے مافی الضمیر کو لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ باطل کے مکہ و فریب کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا۔ اور حقیقت کو اس طرح آشکار کیا کہ تماشاگوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ قعرِ ظلم کی شیلوئیں گل گئیں۔ اور جبر و استبداد کے محل کی دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں۔ حسینی اقدام کا پس منظر بیان کیا۔ اور سید الشہداء کا نصب العین اور مقصدِ شہادت فصاحت کے ساتھ پیش کیا۔ کو فدوالوں کو ان کا بے وفائی اور ان کے مکہ و فریب

افعالِ شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے اور ایسا جرم تم سے سرزد ہوا ہے کہ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے۔ زمین
شگافتہ ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں، یہ ایک معصیتِ عظمیٰ ہے، کچھ وچھید، بدترین اور شوم و
منحوس کہ جس سے چارہ نجات نہیں، تم نے قبلِ امام معویٰ کھا ہے۔ اس قدر عظیم ہے کہ زمینوں اور آسمانوں کی دست
کے برابر ہے۔ تم حیران ہو کہ آسمان سے حور برسا۔ تو آخرت کا عذاب اسے سے شدید ترین دوا کرنے والا ہے۔
اور ظالموں کی کوئی مدد نہ کی جائے گی، اس وقت جو تم عذاب سے بچے ہوئے ہو اور تمہیں مہلت ملی ہے اس سے
خوش نہ ہوں، خدا بدلہ لینے میں جلدی نہیں کرتا۔ وہ ظالموں کو مہلت دیتا ہے کہ ان کا نامہ اعمال جبرائیل سے بھر
جائے، کیونکہ اسے اتمام کے قوت ہو جانے کا خدشہ نہیں، وہ جانتا ہے کہ ظالم بھاگ کر کہاں جائے گا، بیشک
تمہارا پسوردگار اپنے ظالم بندوں کی تار میں ہے۔

اس کے بعد یہ اشعار پڑھے :-

مَا ذَا اتَّقُوْا اِذْ قَالَ السَّبْحِی
بِعِزَّتِیْ بِاَھْلِیْ نَعْدُ مُنْقَضِی
مَا کَانَ ذَاکَ جَزَائِیْ اِذْ نَصَحْتُ لَکُمْ
اَنْیَ لَا تُحْشِیْ عَلَیْکُمْ اَنْ تُحِلَّ بِکُمْ
مَا ذَا صَنَعْتُمْ وَاَنْتُمْ اٰھَرَاکُمْ
مِنْهُمْ اَسَارِیْ وَاِنْهُمْ حُرِّجُوْا بَدِی
اَنْ تُخَلَّفُوْا فِیْ بُسُوْرِیْ ذُوْیْ رَحِمٍ
مِثْلَ الْعَذَابِ الَّذِیْ یَاْتِیْ عَلٰی الْاُمَمِ

راوی کا بیان ہے کہ اس خطبے کا اتنا اثر ہوا کہ لوگ حیران و سرگردان منہ میں انگلیاں ڈالے زار و
قطار رو رہے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ ضعیف شخص میرے پہلو میں کھڑا رو رہا تھا۔ اس کی دائرہ آئسوئل سے
بھیک چکی تھی۔ ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے کہہ رہا تھا :

یَا بٰی اٰتَمَّ وَاُمِّیْ کَمُوْا لَکُمْ خَیْرٌ اَلْکُلُوْلُ وَشَبَابُکُمْ خَیْرٌ اَلشَّبَابُ وَنِسَاءُکُمْ خَیْرٌ
النِّسَاءُ وَنَسْلُکُمْ خَیْرٌ النَّسْلُ وَفَضْلُکُمْ عَظِیْمٌ دُتھارے بزرگ تمام دنیا کے بزرگوں سے تمہارے
جوان سب جوانوں سے، تمہاری عورتیں عالمین کی عورتوں سے بہترین اور تمہاری نسل جہاں کی نسلوں سے اشراف
اور اعلیٰ ہے۔ اور تمہارا فضل و مرتبہ بہت بڑا ہے۔

جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے پیو پی کو خاموش کر دیا اور کہا کہ : اَنْتَ یَحْمَدُ اللّٰہَ عَالِمَہٗ
غَیْرُ مَعْلَمَہٗ وَفَہْمَہٗ غَیْرُ مَفْہَمَہٗ۔ پیو پی آناں ! آپ بغیر کسی کے سمجھائے خود فہم و ادراک رکھتی
ہیں۔ اور بغیر کسی کی تعلیم کے عالم علم لائق ہیں

فاطمہ بنت حسین

اس کے بعد جناب فاطمہ بنت حسین نے خطبہ پڑھا۔ جناب حمیدؒ گمراہ کی پوتی اور بلاغتِ حسینی کی وارث

سے آگاہ کیا۔ اور اپنے مقصد پر ثبات اور عزم و استقلال کا اظہار کیا۔ اور شہیدوں کی داستان کے خاکے میں وہ شہوخ رنگ بھرا کہ فضائے زمانہ نے ان نقوش کو اپنے دامن میں بجا طاعت قائم و دائم رکھا۔ اس وقت رُخِ زینب سے ربیع محمدی اور جلالی حیدری ٹپک رہا تھا۔

عقیلہ بنی ہاشم

سب سے پہلے فصاحت و بلاغت علمی کی وارث اور جلال حیدری کی امانت دار عباس کی بہن جناب زینب علی کی شیر دل بیٹی نے پشتِ شتر کے منبر سے ہزاروں سامعین کے سامنے اپنے خطبے کا آغاز کیا۔ غم اور دکھ کے سفر کی تھکی ہوئی مسافر نے مجمعِ عام پر پوری طرح قابو پایا۔ شور و غل کی دہر سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی مگر ربیع جلال پدر کا غونہ بن کر لوگوں کی طرت اٹھلی کا اشارہ کیا کہ "اَلصُّنْتَا" خاموش ہو جاؤ۔ "كَانَ قَدْ تِ الْأَنْفَاسُ وَ سَكَتَ الْأَجَاسُ" آتے ہوئے سانس بدنوں میں رُک گئے۔ کارواں کی گھنٹیاں خاموش ہو گئیں۔ لوگ ہمہ تن گوش ہو کر تقریر کی طرت متوجہ ہوئے، اس قدر پُر تاثیر خطبہ تھا کہ ایک شخص حُذام اسدی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! میں نے کسی پروردہ نشین عورت کو دختر علی سے زیادہ پر زور تقریر کرتے نہیں دیکھا۔ "كَانَهَا تَنْطِقُ وَ تَقْصِرُ عَنْ لِسَانِ امِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ" جناب زینب کے انداز بیان اور لب و لہجہ فصاحت و بلاغت سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ جناب امیر کی زبان سے کلام کر رہی ہیں۔ چونکہ لوگ مسجد کوفہ کے منبر سے بلیغ عرب جناب امیر کے خطبے سن چکے تھے انہیں یوں محسوس ہوتا تھا کہ جناب امیر کلام کر رہے ہیں۔ ہم خوب طوالت کی دہر سے پورا خطبہ نقل کرنے سے قاصر ہیں، صرف ایک اقتباس درج کرتے ہیں جب بی بی پاک نے یہ مجھے کہے:

وَيَلْعَنُ يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ: اتَذَرُونَ أَيَّ كَبِدٍ لِرَسُولِ اللَّهِ فَرَيْتُمْ؟ وَ أَيَّ كَرِيمَةٍ لَهُ أَبْرَزْتُمْ؟ وَ أَيَّ دَمٍ لَهُ سَفَكْتُمْ وَ أَيَّ حُرْمَةٍ لَهُ أَتْلَهْتُمْ وَلَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِذَا تَكَادَ السَّمَلُوتُ يَتَفَطَّرُونَ مِنْهُ وَ تَشْتَقُّ الْأَرْضُ وَ تَحْزَنُ الْجِبَالُ هَذَا:

وَلَقَدْ أَتَيْتُمْ بِهَا خُرْقَاءَ شَوْهَاءَ كَطِلَاعِ الْأَرْضِ وَمِلْحَ السَّمَاءِ أَفَعَجِبْتُمْ أَنْ مَطَرَتِ السَّمَاءُ دَمًا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى وَ هُمْ لَا يُنْصَوُونَ. فَلَا يَسْتَحْفِظُكُمْ الْمَهْلُ فَإِنَّهُ لَا يَحْفَظُهُ إِلَّا ذَاؤُكَ وَلَا يُجَاوِزُ قُوَّةَ النَّارِ وَإِنْ مَرَّ بِكُمْ لَبَا الْمَرَادُ۔

اے اہل کوفہ! تم جانتے ہو کہ تم نے رسول کے کس جگہ پر چھری چلائی؟

اس کا کون سا خون بہایا۔ اس کی کون سی ہتک حرمت کی، ان کی خیران کو بے پردہ کیا۔ تم نے ایسے

تھیں۔ ایسا پرجوش خطبہ اور ایسی عبرت انگیز تقریر تھی کہ اہل کونڈ کی رونے رو تے ہچکچایاں بندھ گئیں، درودِ الہم میں ڈوبے ہوئے فقرات نے سنگدل اعداء کو بھی رونے پر مجبور کر دیا۔

"كَانَ لَخُفَّتِ الْأَصْوَاتُ بِالنِّكَارِ وَالْجَيْبِ وَكَانُوا حَسْبَكَ يَا بِنْتَ الطَّيِّبِينَ فَقَدْ أُخْرِجَتْ قُلُوبُنَا وَأُلْصَقَتْ نُحُوزُنَا وَأَصْصَمَتْ أَجْوَادُنَا" نور و بکائی آوازیں بلند ہوئیں۔ لوگوں نے کہا اے دخترِ طاہرین تو نے ہمارے دلوں کو آتشِ غم سے جلا دیا ہے۔ ہمارے سینوں میں درد کا مواد پکا دیا اور ہمارے اندر حزن و ملال کی آگ بھڑکا دی۔ چنانچہ معصومہ خاموش ہو گئیں۔

بعد ازاں جنابِ اُمّ کلثوم نے رزقِ آمیز لہجے اور درد انگیز پیرائے میں خطبہ پڑھا اور آخرہ میں یہ اشعار پڑھے:-

قَتَلْتُمُنِي أَيْحَى صَبْرًا قَرِينِي لِأَمْكُرٍ لَتَجْزُونَ نَارًا حَرًّا يَتَوَقَّدُ
تم نے میرے بھائی کو بے جرم و خطا قتل کیا۔ یہیں تو صبر ہے۔ مگر تمہیں اس کی سزا جہنم کی بھڑکتی آگ میں ملے گی۔

سَفَكْتُمْ دِمَاءَ حَرِّهِ اللَّهُ سَفَكْنَا وَحَرَّمَهَا الْقُرْآنُ ثُمَّ مُحَمَّدٌ
تم نے وہ خون بہائے جن کا بہانا قرآن اور محمدؐ نے حرام قرار دیا۔
أَلَا نَبَشِّرُكَ يَا بَشِيرُ إِنَّكُمْ عَدَا لَنِي سَفَرٌ حَقًّا يَقِينًا تَخْلَدُ
آگاہ رہو تمہیں جہنم کی آگ کی بشارت ہو، تم یقیناً اس کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گرفتار۔
غدا رہو گے۔

وَأَيُّكَ ابْنِي فِي حَيَاتِي عَلَى أَيْحَى عَلَى خَيْرٍ مِنْ بَعْدِ النَّبِيِّ سَيُؤَلِّدُ
میں اپنے مظلوم بھائی پر زندگی بھر روتی رہوں گی۔ ایسا بھائی کہ بعد از رسول پیدا ہونے والوں سے

بہتر ہے۔

بَدِّعْ عَزِيزٌ مُسْتَحَلٌّ مَكْفُوفٌ عَلَى الْخَلْدِ مِتِّي ذَائِبًا لَيْسَ بِمَجْدٍ
اشکوں کا سیلاب میرے چہرے پر رواں رہے گا۔ اور آنسوؤں کا چشمہ خشک نہ ہوگا۔

قَالَ السَّارِوِيُّ فَصَحَّ النَّاسُ بِالنِّكَارِ وَالنُّوحِ وَنَشَرْنَ النِّسَاءَ شُعُورُهُنَّ وَصَنَّ
السُّرَابَ عَلَى مِرْءٍ وَسَهْلٍ وَحَصْنٍ وَجُوهُهُنَّ وَلَطْمُنَ خُدَّوَهُنَّ وَدَعَوْنَ بِالْوَيْلِ
وَالشُّبُوحِ وَبَكَى ابْرَاجَالُ وَتَقَوَّ لِحَا هُمُ فَلَمْ يَرَى بَاكِيَةً وَبَاكِ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ
الْبُيُوتِ رِ لُوكُلِ كَ آہ و بکائی آوازیں بلند ہوئیں۔ عورتوں نے اپنے سروں کے بال کھول دیئے اور

اپنے مُردوں میں مٹی ڈال کر اپنے رخسار پیٹ کر اپنے چہرے زخمی کر دیئے۔ نالہ و فریاد کی صداؤں سے کوفہ کی نصف بھر گئی۔ مُرد شدتِ غم اور فطرتِ درود و کلم سے اپنی ڈاڑھیاں فوج رہے تھے۔ رونے والے مُردوں اور عورتوں کا اتنا ہجوم تھا کہ پہلے اس سے بڑھ کر شہر کوفہ میں کسی رونے والے مُرد اور عورتیں نہیں دیکھے گئے۔

سید سجاد امام زین العابدین کا خطبہ

اسیر امام جناب سجاد نے پھوپھیوں اور ہمشیر کے خطبوں کے بعد لوگوں کو مخاطب ہو کر فرمایا: "اَشْكُوْا فِسْكُوْا" خاموش ہو جاؤ، لوگ خاموش ہو گئے، خوفِ طوالت کی وجہ سے عربی عبارت نقل نہیں کر سکتے۔ صرت ترجمہ پر اکتفا دیکھتے ہیں۔

"لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے سو وہ تو پہچانتا ہے، اور جو نہیں پہچانتا، اسے میں اپنا تعارف کراؤں دیتا ہوں۔ میں علی بن الحسین ہوں۔ میں حسین بن علی بن ابی طالب کا بیٹا ہوں۔ جو بے جرم و بے خطا نہرِ فرات کے کنارے تشنہٴ ذبح کیا گیا۔ میں اس حسین کا بیٹا ہوں جس کی ہنکِ حریت کی گئی۔ جس کا مال و اسباب لوٹا گیا۔ جس کے اہل و عیال کو قید کیا گیا۔ میں اس مظلوم کا پسر ہوں جسے بے دردی اور ظلم و جور سے شہید کیا گیا۔ لوگو! یہ بات ہمارے فخر کے لئے کافی ہے کہ ہم نے حفاظتِ اسلام اور تقویتِ دین کے لئے قربانیاں دی ہیں۔

کو فیرو! میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم نے میرے پدرِ عالی قدر کو دعوتی خطوط لکھ کر نہیں یلایا تھا؟ کیا تم نے ان کی نصرت کے عہد و پیمان نہیں کئے تھے؟ جب تمہاری دعوت کو قبول کرتے ہوئے وہ تشریف لائے تو تم نے مکر و فریب اور بے وفائی کا مظاہرہ کر کے اُن کی نصرت و امداد سے دست برداری اختیار کی۔ نصرت نہ کرنا تو درکنار تم نے اُن کے ساتھ قتال کیا۔ ان کا پانی بند کیا۔ ان پر راہیں بند کر دیں۔ تم نے ان کو قتل کیا۔ اُن کے اہل و عیال کو قید کیا۔ تمہارے لئے ہلاکت ہو۔ تم نے بدترین اعمال کا ذخیرہ کیا ہے تمہاری رائے اور تدبیر پر تفت ہے۔ تم کہن آنکھوں سے جناب رسولِ کریم کی طعن دیکھو گے، جب وہ تم سے فرمائیں گے تم نے میری عزت اہل بیت کو قتل کیا۔ میری ہنکِ حرمت کی۔ اس لئے تم میری اُمت میں نہیں ہو۔

راویانِ اخبار بیان کرتے ہیں کہ جب قیدی امام کا کلام یہاں تک پہنچا تو پھر ہر طرف سے رونے اور زور سے چیخنے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اور لوگ ایک دوسرے سے یہ کہنے لگے "تم بے علمی میں ہلاک و

بر باد ہو گئے۔

○ اس کے بعد فرمایا: "خدا اُس بندہ پر رحم کرے جو میری نصیحت قبول کرے اور میری وصیت کو خدا و رسول اور اہل بیت رسول کے بارے میں یاد رکھے۔ کیونکہ ہمارے لئے جناب رسول پاک کی ذات میں اعلیٰ نمونہ ہے۔"

سامعین گریہ کرتے ہوئے ایک زبان بول اٹھے کہ "فرزند رسول! ہم سب آپ کے فرماں بردار ہیں آپ جو حکم دیں ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ ہم آپ کے اور آپ کے دوستوں کے دوست ہیں۔ اور آپ کے دشمنوں کے دشمن ہیں۔"

○ امام نے فرمایا کہ "اب تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی، تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کہ جو تم نے میرے باپ دادا سے کیا تھا۔"

كَارُ الْأَمَّارِ (دربارِ ابنِ زیاد میں داخلہ)

یہ تمام واقعات اور منقولات آلِ محمد اور سیدِ سجاد کے خطبے، ابنِ زیاد کے دربار سے باہر کے ہیں۔ ان خطبوں کے اتمام کے بعد اہلِ حرم کو دربارِ عبید اللہ بن زیاد میں لے جایا گیا۔ اس نے دربار اپنے سرکاری محل میں منعقد کیا۔ دربار کو پوری طرح سجایا گیا تھا۔ اور عام لوگوں کو داخل ہونے کا اذن عام تھا مگر مہتمم رکھنے پر پابندی تھی۔ ملعون کا مخوس دربار لوگوں سے کچا بیچ رہا ہوا تھا۔ سب سے پہلے جناب سید الشہداء علیہ السلام کا سر لایا گیا۔ اس کے بعد باقی شہداء کے سر بلا کے سر دربار میں پیش کئے گئے۔ اس کے بعد اہلِ حرم داخل دربار ہوئے۔

حُوسِن کا سر

ابنِ زیاد نے ہر نفع کے نشہ میں خود تختِ حکومت پر بیٹھا ہے۔ دائیں بائیں پہرے دار سپاہی اور غلام کھڑے ہیں۔ فرزندِ رسول کا سر اہلِ یک سنہری طشت میں ابنِ زیاد کے سامنے رکھا گیا۔ آج ابنِ زیاد مسرور ہے کہ اس نے جگہ کہ بلا نفع کی، حسین بن علی کا سر اس کے سامنے موجود ہے۔ اہلِ حرم رسالت دربار میں پیش ہیں۔ اس ملعون کے ہاتھ میں ایک چھڑی ہے۔ یہ ملعون ہنس ہنس کر حسین کے ساتھ استہزاء (خفاق) کرتا ہے۔ اپنی چھڑی کو دندانِ حسین پر مارتا ہے۔ اور کہتا ہے: لَقَدْ اسْوَعَ الشَّيْبُ الْبَيْتَ

يَا اَبَا عَبْدِ اللَّهِ - اے ابوعبداللہ حسین بڑھاپا بہت جلد تجھ پر آیا ہے۔ کبھی کہتا ہے: "حسین تیرے دانت کیسے خوبصورت ہیں۔ تیرا چہرہ کیسا حسین ہے۔ اگر عجیب چیز یہ کہ لیتا تو آج تیرا یہ حال نہ ہوتا۔"

نفس المہوم میں ہے کہ یہ بدنہا کبھی ہونٹوں پر چھڑی مارتا، کبھی آنکھوں کے درمیان کبھی رخساروں پر۔ وہ جو چاہتا کر سکتا تھا۔ آج اس کی غرضی کی انتہا نہ تھی، اقتدار کے نشے میں بدست تھا پیغمبر کا گھر برباد تھا۔ اولاد قید تھی، فخر و لباس پہنے اس کے ہم نشین کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، دربار میں قتلِ حسین کا جشن منایا جا رہا تھا۔ زید بن ارقم صحابی رسول ضعیف العمر ہیں، ابن زیاد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ابن زیاد کی رسولِ پاک کے نور عین کے ساتھ بے ادبی و گستاخی ان سے دیکھی نہ گئی، انہوں نے زمانہ رسالت اور حسین کے ساتھ پیغمبرِ خدا کے ساتھ محبت و پیار کے انداز دیکھے ہوئے تھے۔ ابن زیاد کی گستاخی اور بار بار چھڑی کا پاک لبوں پر مارنا دیکھ کر بے تاب ہو گئے، جوش میں آکر کہا: "ارْفَعْ فَضِيلَكَ عَنْ هَاشِمِیْنَ الشَّفَقَتِیْنِ فَوَاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ غَیْرُهٗ لَقَدْ سَرَّ اَیْتُ شَفَقَتِیْ سُرَّ سُوْلُ اللّٰهِ عَلٰی هَاشِمِیْنَ السَّفَقَتِیْنِ مَا کَانَ اَحْمَدَیْہِ یُعْبَدُ" "ابن زیاد! ان ہونٹوں سے اپنی چھڑی ہٹا لے، مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے ان آنکھوں سے دیکھا کہ حسین کے انہی لبوں کے بوسے رسول اللہ کثرت سے دیا کرتے تھے۔ حسین کے یہ لب بوسہ کا رسول ہیں۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ انہی لبوں پر بار بار چھڑی مار رہا ہے۔ اس کے بعد اس بوڑھے صحابی نے یھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا۔ اس ضعیف صحابی کے جرات مندانہ کلام سے ابن زیاد آگ بگولہ ہو گیا، جھٹاکر کہا: "خدا تیری آنکھوں کو ڈلائے، تو آج ہمارے جتنی مسرت پر آنسو بہا رہا ہے اگر بڑھاپے کی وجہ سے تیری عقل زائل نہ ہو گئی ہوتی تو آج میں تیری گردن اڑا دیتا۔"

اس کے بعد زید اس ناپاک دربار سے یہ کہتے ہوئے نکل گئے: "لوگو! آج کے بعد تم غلام ہو گئے ہو، تم نے پسِ پرستِ طمع کو قتل کیا۔ اور ابنِ مرجانہ (ابن زیاد) کو حاکم بنایا۔ جو تمہارے نیک لوگوں کو قتل کرتا ہے اور بدوں کو غلام بناتا ہے۔ اس کے لئے ہلاکت اور لعنت ہے جو ذلت و رسوائی اور عار پر راضی ہوتا ہے۔"

اہلِ حرم اور ابنِ زیاد
سر کے ساتھ بے ادبی کرنے کے بعد اس نے قیدیوں پر نگاہ ڈالی معصوم اور یتیم بچے رسمی بستہ پیش تھے، خاندانِ پیغمبر کی مستورات بے وارث قیدیوں کی طرح زبوں حال پابندِ رسن تھیں۔ حسرت سے سروں کو جھکا لے کھڑی تھیں۔ قیامت خیز منظر تھا۔

جب ہاشمی شہزادیاں ولادت و رسوائی کے لباس اپنے عزیزہ مراکز دشمن کے دربار میں کینے فاتح کی کچہری میں سرور ہنہ پیش کی گئیں، اگر عود کشتی حرام نہ ہوتی اور موت انسان کے لبس میں ہوتی تو ہاشمی شہزادیاں دربار میں داخل ہونے سے قبل موت قبول کر لیتیں اور ابن زیاد کے دربار میں پیشی قبول نہ کرتیں۔ آج ان کے جد امجد جناب ہاشم کی روح تڑپ رہی تھی، جناب عبدالمطلب قبر میں بے چین تھی۔ حضرت ابوطالب کی روح بخروج ہو رہی تھی، رسول پاک خود سر میں خاک ڈالے فریاد کر رہے تھے، علی رو رہے تھے۔ بتول کے سر کے بال کھل گئے تھے۔ زہرا کو پہلو کی ضرب عین کی موت بھول گئی تھی۔ اور حسن مجتبیٰ کو اپنے جگر کے ٹوٹے یاد نہ تھے۔ جب ان کی ارواح مقدسہ نے اپنی بیٹیوں کو دست بستہ اور سر سر ہاں ابن زیاد کے سامنے پیش ہوتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ اپنی بیٹیوں کی لاچاری اور ابن زیاد کی شراب خواری، مستورات کی مسرت و بے کسی اور ابن زیاد کی مسرت و مہنسی دیکھی ہوگی، ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ شہادت حسین کا مدد نہ بھول گئے ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ میدان کربلا میں ہاشمی جوانوں خصوصاً جناب سید الشہداء کی موت سے ہاشمی مستورا کا دربار میں آنا مصیبت میں کم نہ تھا۔

مَوْرَعِينَ بِالْإِتِّفَاقِ بَيَانِ كَرْتِهِ فِي كَدِّ وَخَلَّتْ زَيْنَبُ ابْنَةُ قَاطِمَةَ مُشْكِرَةً۔

بنت زہرا بالوں سے منہ چھپائے حالت بدلائے تھیں تاکہ پہچانی نہ جائیں۔ جناب زینب معمولی لباس پہنے ہوئے محل کے ایک کونے میں بیٹھ گئیں۔ قَالَ الْمَقِيدُ "فَمَضَتْ حَتَّى اجْلَسَتْ نَاحِيَةَ مِنَ الْقَصْرِ" دربار میں آئیں اور ایک کونے میں الگ ہو کر بیٹھ گئیں۔ وَحَقَّقَتْ بِهَا "أَمَّا هَا" کنیزوں نے اس پاس گھیرا ڈال دیا۔ تاکہ ناخرواں کی نگاہوں سے مستور رہیں۔

ابن زیاد کی نظر پڑی، پوچھا: "مَنْ هَذِهِ الْمُنْكَرَةُ" یہ گوشتہ دربار میں منہ چھپا کر بیٹھنے والی کون ہے؟ بی بی نے یہ دل خراش جملے سنے، کوئی جواب نہ دیا۔ نظر زمین کی طرف تھی۔ دوبارہ اس ملعون نے دریافت کیا۔ جناب تو پھر بھی دل پکڑ کے بیٹھی رہیں۔ اس ملعون کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ ہاں ایک کنیز نے دکھے ہوئے دل کے ساتھ کہا: هَذِهِ زَيْنَبُ بِنْتُ قَاطِمَةَ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ یہ دختر رسول جناب فاطمہ کی بیٹی حضرت زینب ہیں۔ وَاوَادُوا كُنِيزَةَ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ كَذَا ذَكَرَ اس لے کیا تھا کہ یہ ملعون اپنے کئے پر نادم و شرمسار ہوگا اور دختران رسول کو بے عزت نہ کرے گا۔ اور لوگ احترام رسول کے پیش نظر نظریں نیچی کر لیں گے۔

لیکن اس ملعون نے جذبہ بغض و عناد سے سرشار اور شرم و حیا سے بے زار ہو کر کہا: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَحَكُمْ وَفَتَكَكُمْ

مکالمہ ابن زیاد با زینب

اَلْكَذِبُ اَحَدُ ذُنُوبِكُمْ (معاذ اللہ) یہ مجھے اس ملعون نے دیکھوں کو مزید دکھانے اور شہادت کے طور پر استعمال کئے۔ حد ہے اس خدا کی جس نے ہمیں رسوا کیا اور قتل کیا، اور تمہارے افسانے اور ڈھونگ کو رسوا کیا۔ مادی طاقت کے غرور میں وہ بکواس کر سکتا تھا۔ ادھر سادات بے بس تھیں، اس کی قیدی تھیں۔ مگر باقیمی غیرت اور مطلبی خون بدلوں میں موجود تھا۔ گو عورت ذات تھی اور کمینوں کا دربار تھا۔ دشمنوں کا گھر تھا۔ بنتِ رسول مسافرہ تھیں مگر دینی جمہات کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیر دل خاتون نے حاکم کو دندان شکن جواب دیا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَكْرَمَنَا بِبَنَاتِهِ مُحَمَّدٌ وَطَهَّرَنَا مِنَ السَّرِیْسِ طَهْرًا یُّبَارَکُ۔ اِنَّمَا یُعْتَصِحُ الْفَاسِقُ وَیَكْذِبُ الْفَاجِرُ وَهُوَ عَلَیْنَا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ” اللہ پاک کی تعریف ہے جس نے ہمیں اپنے رسولِ کریم جناب محمد مصطفیٰ کے ذریعے عزت و بزرگی بخشی اور ہمیں ہر قسم کے گناہوں اور نجاستوں سے پاک و پاکیزہ بنایا اور رسوا تو فاسق ہی ہوتا ہے۔ اور بدکاری جھوٹ بولتا ہے اور وہ بہارِ غیر ہے۔

فقال پھر ابنِ زیاد بولا: کَیْفَ رَأَیْتَ فِعَلَ اللّٰهِ بِاَهْلِ بَیْتِكَ؟ تم نے اپنے خاندان کے ساتھ خدا کا سلوک کیسا پایا؟

قالت عَلَیْهَا السَّلَامُ جناب زینب نے جواب دیا: مَا رَأَیْتُ اِلَّا جَمِیْلًا هُوَ لَا رِقْمَ کَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْقَتْلَ فَبَرُّوا اِلٰی مَقَاجِیْعِهِمْ وَ سَیَجْمَعُ اللّٰهُ بَیْنَكَ وَبَیْنَهُمْ فَتُحَاجُّ وَتُحَاجَّ هُمْ فَانْظُرُوا لِمَنِ الْقُلُوبُ یَوْمَئِذٍ ثَقُلَتْ اَمْ لَكَ یَا نَعْنِیْ مَرْجَانَةٌ ” میں نے تو خدا کا سلوک بہترین پایا ہے۔ یہ وہ دیہادر اور غیور لوگ تھے جن کے نصیب میں کاتبِ تقدیر نے شہادت تحریر کر دی تھی۔ پس یہ مجاہد جذبہ شہادت سے سرشار اپنی قتل گاہوں کی طرف بڑھے، خدا تجھ کو اور ان کو روزِ قیامت اکٹھا کرے گا۔ پس تیرا مقدمہ بارگاہِ احکم الحاکمین میں پیش ہوگا، ان شہداء کا دعویٰ تیرے خلاف عادلِ حقیقی کی عدالت میں دائر ہوگا۔ پس تو دیکھ کے کامیابی حاصل ہوگی اے مرجانہ کے بیٹے! میری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے،

ابنِ زیاد ملعون نے دربارِ عام میں اپنی جیسی کامیابی کا اظہار کیا تھا، اور باتوں میں اہل بیتِ رسول کو جھٹلانے کی جو کوشش کی تھی، وہ ناکام ہو گئی، عالم غیرِ مُعَلِّمہ دخترِ حیدر کو لارنے باتوں میں اسے لا جواب کر دیا۔ اور جو شخص مکالمہ میں شکست کھا جائے اسے قصہ آتا ہے۔ یہ اس وقت امیرِ کوفہ تھا۔ اسے اپنی مادی طاقت پر گھمنڈ تھا۔ ظاہری فسق کے خمار میں غمور اور سطوت و جبروت کے غرور میں مجور تھا۔ پھر دربار میں اس کے فعلِ قبیح اور کفر و نفاق کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔ غصے میں دیوانہ ہو کر بی بیِ پاک کے قتل

پر آمادہ ہوا۔ لیکن عروینِ حریت کے سمجھانے پر باز رہا۔ پھر متوجہ ہو کر بولا: قَدْ شَفَى اللَّهُ نَفْسِي
 مِنْ طَائِفَتِكَ الْخَصَائِدِ مِنْ أَهْلِ بَيْتِكَ۔ خدا نے میرے دل کو تیرے سرکش بھائی اور تیرے
 خاندان کے دوسرے نافرمان لوگوں سے شفا بخشی۔ جب اس نے اہل بیت رسول اور فرزندِ بقول کو
 باغی و نافرمان کہا تو بی بی پاک کے دل پر چوٹ لگی۔ معصوم نے آبِ دیدہ ہو کر کہا: لَعَمْرِي لَقَدْ
 قَتَلْتُ كَهْلِي وَابْنُ ذَاتِ أَهْلِي وَقَطَعْتُ مَرْعِي وَاجْتَنَنْتُ أَهْلِي فَإِنْ يَشْفِكَ
 هَذَا فَقَدْ اشْتَفَيْتُ۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم! تو نے میرے بڑوں کو قتل کیا۔ میرے خاندان کو برباد
 کیا۔ میرے شجر کی شاخیں تو نے کاٹ دیں۔ اور اس کی جڑوں کو تو نے اکھاڑ دیا۔ (دکھینے) میرا خاندان تباہ
 ہوا۔ اور تجھے شفا ہوئی؟ اگر خاندانِ رسالت کی بربادی سے تیرا دل شفا پاتا ہے تو شفا پاتا رہے۔
 کھسیانا ہو کر مردود نے کہا کہ یہ قافیہ سے عبارت آرائی کرتی ہے۔ اس کا باپ بھی مقفی و مسجع
 کلام کرتا تھا۔ بی بی پاک نے فرمایا: مجھے قافیہ اور مسجع کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو نمبر کی آواز تھی۔ اور
 مناسب حال کلام تھا۔ جس کے اظہار کا موقع خود تو نے فراہم کیا۔

سید سجاد کے ساتھ مکالمہ قیدی قافلے میں متواتر اور تیمہ پچے تھے۔ صرف ایک امام زین العابدین
 جوان سال مرد تھے جو کہ بیماری کی وجہ سے مضعی اور کمزور تھے۔
 تمام شہداء کہ بلا کے عموماً اور شہیدانِ نبی ہاشم کے خصوصاً ماتم دار تھے۔ اٹھارہ جوانانِ بنی ہاشم کی
 موت کے داغِ قلب دیکر پرے ہوئے تھے، پھر پھیول، بہنوں، ماؤں کی قید اور جنگِ حریت کے
 زخمِ تلخ تھے۔ اور دشمنِ دین اور معاندِ خاندانِ رسالت کے دربار میں مغترب کا پسر اور قیدی ہو کر
 پیش ہونے کا صدمہ مزید تھا۔ پابندِ زنجیر و رس ہونے کے علاوہ مصائبِ و آلام اور دکھوں کے اثر و اہم
 میں مبتلا تھے۔ رسن بستہ دربار میں پیش تھے۔ ابنِ زیاد نے سوئے امام متوجہ ہو کر کہا: "مَنْ أَنْتَ؟"
 قیدی امام نے جواب دیا: "أَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ"۔ "میں علی پسر حسین ہوں"۔ شاید ابنِ زیاد کو شہداء
 کہ بلا کی فہرست پہنچ چکی تھی۔ اور اُسے علم تھا کہ ایک علی پسر حسین کہ بلا میں مارے گئے ہیں۔ حیران ہو کر
 پوچھا: أَوَلَيْسَ قَدْ قَتَلَ اللَّهُ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ؟ کیا خدا نے علی بن حسین کو کہ بلا میں قتل نہیں
 کیا؟ بیمار امام نے جواب دیا: حَسْبُكَانِ بِي أَخِي يُسْتَشَى عَلِيًّا قَتَلَهُ النَّاسُ۔ "ہاں میرا
 ایک بھائی تھا جس کا نام بھی علی تھا۔

ابنِ زیاد: بَلَى اللَّهُ قَتَلَهُ۔ بلکہ خدا نے اسے قتل کیا۔

سید سجاد: اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا

<http://fb.com/ranajabirabbas>

مقتل حسین مقرر اور نفس المہوم میں مذکور ہے کہ جناب رباب نے سر امام اٹھایا شاید طلب کرنے پر بل گیا تھا اور گود میں لے لیا۔ آنکھوں سے لگایا، دردناک بین کئے۔

وَاحْسَيْنَاهُ فَلَا تُسَيِّتُ حُسَيْنًا
أَفْصَدَتْهُ أَمْسَةٌ أَلَا عُدَاءُ
ہائے حسین! میں کبھی حسین کو فراموش نہ کروں گی، جن کو دشمنوں کے نیزوں نے نشانہ بنایا۔
عَادَ دُودُهُ بِكَوْبَلَاءٍ حَسْرَةً
لَا مَسْقَى اللَّهِ جَانِبِي كَسْرَ بِلَاءٍ
خون میں تر پایا۔ خدا کبھی جانب کر بلا کو میرا ب نہ کرے۔

متواتر ہے جناب اور ہاشمی خدوات کے خطاب اور سید سجاد کے خطبہ لاجواب سے لوگوں کے تیور بدل گئے تھے گو کہ نیزہ پر سروں کی سواری اور پشتِ شتران پر قیدیوں کی آہ وزاری نے کوئی فصاحت میں ماتم و غم کی لہر دوڑا دی۔ خصوصاً بازار اور دربار میں قیدی شہزادیوں اور قیدی امام کے کلام نے لوگوں کے دلوں میں غم و غصہ کی آگ جلا دی تھی۔ خود ابن زیاد کے معاصی اسے علامت کرنے لگے۔ اور اس مردود کی مال جس کا نام مرجان ہے، سر دربار اپنے بیٹے کو لعنت و علامت کرنے لگی۔ گو اس کے اپنے قصور سے اس کی غلط ولادت ہوئی۔ مگر چونکہ امام مظلوم قَتِيلَ الْعَبْرَاتِ تھے۔ درست دشمن سب رونے پر مجبور ہو گئے۔

زندانی کوفہ

ابن زیاد نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان قیدیوں کو جامع مسجد کے پاس قید خانے میں بند کر دو۔ جب یہ قیدی دربار سے جانبِ زندان روانہ ہوئے تو ابن زیاد کے دربان کا کہنا ہے ایک مرتبہ پھر کوفہ کے زن مرد اکٹھے ہو کر رونے لگے، اور منہ دوسرے پٹنے لگے۔

جناب زینب نے دربار سے جاتے وقت اہل کوفہ سے یہ فرمائش کی کہ اشرف کوفہ کی عورتوں کو ہمارے پاس نہ آنے دینا۔ اور سوائے کنیزوں کے کوئی آزاد عورت ہمیں دیکھنے کے لئے نہ آئے۔

قیدی امام اپنے دادا کے دارالحکومت اور جناب زینب و ام کلثوم بابا کے حکومتی شہر کوفہ کی شہزادیاں کہلاتی تھیں۔ انقلابِ زمانہ ہے اور فلک کچھ رفتار کا ستم ہے کہ جو کسی زمانے میں امیر المومنین کی شہزادیاں کہلاتی تھیں اور جامع مسجد کے پہلو میں اشرف کوفہ کی عورتیں درسِ قرآن لیا کرتی تھیں اسی امیر المومنین کی بیٹیاں اسی شہر کوفہ میں آج اسیرِ امت ہیں۔ اسی مسجد کے پہلو میں جہاں امیر المومنین خطبہ پڑھا کرتے تھے، شہزادیاں ایک زندان میں قید ہیں۔

اس کے بعد ابن زیاد نے حکم دیا کہ حسین کا سر نیزہ پر سوار کر کے تمام گلی، کوچوں اور بازاروں میں پھرایا جائے۔ چنانچہ جو انانِ جنت کے سردار کا سر کوفر کے گلی کوچوں میں پھرایا جانے لگا۔ زید بن ارقم کا بیان ہے کہ میں اپنے مکان کے بالا خانے پر بیٹھا تھا۔ جب سر مبارک میرے بالائے بالائے کے قریب پہنچا تو میں نے اس نرے شہید کے سر کو نیزہ پر تلاوت قرآن کرتے دیکھا۔ اس وقت نور عین رسول اور نختِ دل بتول نبیہ کے منبر پر تارائی بے عدیل خطیب بے مثیل یہ آیت تلاوت کر رہا تھا: اَفَرِحْتُمْ اَنْ اَصْحَبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَاُنْوَاجِنِ اَيْدِنَا عَجَبًا ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ سَمِعُوْا اللّٰهَ اُعْجِبْ وَاَعْجِبْ ؕ فَرَزْنٰهُ رَسُوْلَ تِيْرٍ سُرٍّ شَانِ اِلٰہ سے زیادہ عجیب ہے۔

اس کے بعد دارالامارہ عبید اللہ بن زیاد کے سرکاری محل کے دروازے پر لٹکایا گیا۔ جہاں نبی شہم کے شہیدِ اول حضرت مسلم بن عقیل کا سر آویزاں کیا گیا تھا۔

عبداللہ بن عقیف کی شہادت

ابن زیاد نے قیدیوں کو زندان بھیجنے کے بعد "اَلصَّلٰوۃُ جَامِعۃٌ" نماز باجماعت کے لئے تمام لوگوں کو مسجد میں حاضر ہونے کے لئے منادی کرائی۔ چونکہ حکومتِ بدکار کا رنگ اڑ چکا تھا اور ابن زیاد کے مظالم آشکار ہو چکے تھے، خانوادہ رسول کی بربادی و خیران علی و بتول کی تنگِ حرمت اور قیدِ ذلتِ لوگ آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور رائے عامہ حاکمِ وقت کے خلاف ہو چکی تھی۔ اور لوگوں کے دل امیرِ بدبہاد سے متنفر ہو چکے تھے۔ اس لئے اس نے لوگوں کو ہم خیال بنانے اور خطباتِ آلِ محمد کا اثر مٹانے کے لئے لوگوں کو جامع مسجد میں اکٹھا کیا۔ اور خود منبر پر جا کر درج ذیل خطبہ پڑھا یہ خطبہ اس کی بے دینی، شقاوتِ قلبی اور بعض وعائدِ خاندانِ رسالت کا مظہر ہے۔ "نقل کفر کفر نہ باش" کی بنا پر اس کی بے ہودہ گوئی و کجواس کو مجبوراً نقل کرنا پڑتا ہے۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَظْهَرَ الْحَقَّ وَاَهْلَكَ وَنَصَرَ اَصِيْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ یَزِیْدًا وَحَزَبَہٗ وَقَتَلَ الْکَذَّابَ الْحُسَیْنَ بْنَ عَلِیٍّ وَشِیْعَہٗ" اس اللہ کی تعریف ہے جس نے حق اور حق والوں کو غالب کیا اور امیرِ زید اور اس کے گروہ کی مدد کی۔ اور حسین بن علی اور اس کے شیعوں کو قتل کیا۔

قبیلہ ازد کا ایک پاکباز مومن اور حبِ علی سے سرشار مجاہد عبداللہ بن عقیف سن رسیدہ بزرگ ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کا غلص اور مجاہد صحابی ہے۔ جنگِ جمل اور صفین میں اسے ہمراہی

اَقْسَمُ لَوْ يَفْسَحُ لِي عَنْ بَصْرِيْ ضَاقَ عَلَيْكُمُ مَّوَدِيْ وَمَضَلِيْ

قسم کھا کر کہتا ہوں اگر میری بینائی باقی ہوتی تو تمہارے آنے اور جانے کی راہ تنگ ہو جاتی۔ بالآخر گھیرا تنگ ہوتا گیا اور نابینا ہوڑھا جا ہذا لموں کی گرفت میں آگیا بلکہ یوں کہوں کہ جرأت و ایمان کا یہ درخشندہ ستارہ ظلم کی گٹھاؤں میں پوشیدہ ہو گیا۔

حکماء اور اے گرفتار کر کے دربار میں ابن زیاد کے روبرو لے گئے۔ ابن زیاد نے کہا: "خدا کا شکر ہے جس نے تجھے رسوا کیا"۔ جناب عبداللہ نے کہا: "مجھے خدا نے کس طرح رسوا کیا"۔ اور سابق شعر دہرایا۔ ابن زیاد نے کہا: "او دشمن خدا! تیرا عثمان کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟" عبداللہ نے کہا: "تجھے عثمان کے بارے میں پوچھنے کا کیا حق ہے؟" تیرا عثمان سے کیا تعلق؟ وہ اچھا تھا یا بُرا اس کا حساب خدا کے پاس ہے۔ وہ عدل و حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا تو اپنے اپنے باپ، یزید اور اس کے باپ کے بارے میں سوال کر"۔ ابن زیاد نے کہا، اب مزید کوئی سوال نہیں ہوگا۔ اب تمہیں موت کا تلخ ذائقہ چکھنا پڑ جائے گا۔ یہ سن کر جناب عبداللہ نے کہا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" میں اپنے پروردگار سے تمہاری پیدائش سے پہلے یہ دعا کرتا تھا کہ مجھے بدترین مخلوق کے ہاتھوں شہادت نصیب ہو۔ لیکن جب میری دونوں آنکھیں جاتی رہیں تو میں اس حصول سعادت اور مرتبہ شہادت سے مایوس ہو چکا تھا لیکن اب خدا کی حمد و ثناء اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے میری قدیمانہ دعا کو مستجاب فرماتے ہوئے درجہ شہادت عطا فرمایا اور شہادت کے لہو سے سرخ و کیا ہے۔

اس کے بعد اس بدنہاد کے حکم سے یہ نابینا صحابی شہید کر دیئے گئے۔ اور ایک مقام سبغہ پر ان کی لاش کو سولی پر لٹکایا گیا۔

حضرات! جناب عبداللہ بن عقیف نے لے شہید ہیں شہادت کے طلبکار کو مایوسی کے بعد شہادت نصیب ہوئی اور بدترین اُمت مبغوض و ملعون خدا جنس العین ابن زیاد بدنہاد کے ہاتھوں ان کی شہادت کا قصہ عجیب و زوالا ہے۔ مگر ان کا جہاد بھی عظیم و عجیب ہے۔ صرف ایک جہاد نہیں بلکہ دو جہاد ہیں۔ "جہاد بالسیف اور جہاد باللسان" تلوار کے ساتھ اور زبان حق بیان کے ساتھ۔ "كَلِمَةٌ حَقٌّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِلٍ اَفْضَلُ اَلْجِهَادِ"۔ جابر حکمران کے سامنے حق بات کہنا افضل جہاد ہے۔ جو اس حق گو کو حاصل ہوا۔

ابن زیاد کے بھرے دربار میں ہزاروں لوگ اسی کی بیہودہ گوئی اور آل رسول پر سب دشتم

سننے رہے مگر سوائے عبداللہ بن عقیف کے کسی نے حق گوئی اور ایمانی جرات کا مظاہرہ نہ کیا۔

اے عقیف کے فرزند عقیف تو نے اعلاء کلمۃ الحق کا افضل جہاد کیا۔ تو نے آلِ اہلبار اور فُوریتِ اختیار کی نصرت کی حق ادا کر دیا۔ تو نے جان دے کر ابنِ زیاد کے مکہ و قریب اور کھڑ باطنی کا پردہ چاک کر دیا مظلوم حسین کی صدا اُٹھل مٹھل نا اُجڑے پر تو نے کوفہ کے دربار میں لبیک کہی۔ جنابِ مسلم دہانی تھیں بنِ مہر صدیادی اور عبداللہ بن یقطر کی رُو میں تیرے استقبال کو آگے بڑھیں، خدا تم پر رحمت و برکات کی بارش کرے۔

تدفینِ شہداء

گیارہویں محرم کو اہلِ حرم پابندِ سلاسل ہو کر کوفہ چلے گئے۔ عمر بن سعد اپنے مقتولین کو دفن کر کے قیدیوں کو لے کر کوفہ روانہ ہوا۔ اور جو انانِ بنی ہاشم اور انصارِ کرام کے لاشے بے گور و کفن میدانِ کربلا میں بغیر سرور کے بے وارث پڑے رہے۔ بہن بھائی کو، زوجہ اپنے وارث، اولاد اپنے باپ، اور مائیں اپنی اولاد کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی کھیں۔ تقدیر نے میدانِ کربلا میں لاشوں اور ان کے وارثوں کے درمیان جدائی پیدا کر دی۔

اگر کوئی مسافر آدمی کسی شہر میں انتقال کر جائے تو اس شہر کے مسلمان جمع ہو کر عزت و احترامِ انسانیّت کے پیشِ نظر مذہبی رسوم ادا کر کے اسے دفن کر دیتے ہیں۔ لیکن امتِ رسول نے اپنے رسول کے خاندان کے مقتولوں کو گرم ریت پر یوں ہی چھوڑ دیا۔ بدنوں میں تیروں کی نوکیں پیوست تھیں، خون کا غسل تھا اور خاکِ کربلا اُن کے بدنوں پر کفنِ نجی ہوئی تھی۔ آسمانِ شہادت کے یہ تارے زمینِ کربلا پر چمک رہے تھے۔ اور خوشبوئے ابدانِ شہداء سے صحر اچک رہا تھا۔

میدانِ کربلا کے آس پاس چھوٹی چھوٹی بستیوں تھیں۔ جہاں بنی اسد قوم کے لوگ لشکاری بنی اسد کرتے تھے لڑائی کے حالات سننے رہے مگر ابنِ زیاد کے لشکرِ جرار سے سہم کر گھروں میں گھسے رہے۔ بنی اُمیہ کے مظالم سے ڈرے ہوئے تھے۔ گیارہویں محرم کو جب "شقی الدارین" ابنِ سعد بعد از ظہر کوفہ چلا گیا تو بارہویں محرم کو بنی اسد کی عورتیں میدانِ کربلا مکرر قتال میں آئیں شہداء کی لاشوں کی زیارت کے لئے یا نہر فزات پر کپڑے دھونے آئیں یا میدانِ قتال کا نقشہ دیکھنے۔ اثراتِ جنگِ خیمہ گاہوں کی بربادی یا جلانے جلانے کے بالبعد اثراتِ یا مقتولین کا نظارہ یا جنگ کے اثرات وغیرہ دیکھنے کے لئے آئیں۔ تو دیکھا زمینِ کربلا پر ریت کے بستر پر ہاشمی مجاہدین اور انصارِ حسین دُنیا سے تعلق توڑ کر اور آخرت سے رشتہ جوڑ کر ابدی نیند سو رہے ہیں۔ تیسرا دن تھا شہیدوں کے

بدن کو خاک و خون میں آلودہ تھے مگر گلشنِ توحید کے ان پھولوں سے خوشبو اتنی تیز تھی کہ مخمک و مہربان
 شرماسہ تھے۔ ان گل بدلوں کی باس سے جنگل مہک رہا تھا۔ اور آسمانِ شہادت کے ان ستاروں
 کی کہ نہیں پھوٹ رہی تھیں۔ کہنے لگیں کہ یہی خانوادہٴ رسول کے شہداء ہیں، اور یہی حسین کی جماعت
 ہے۔ ان عورتوں نے جب ان اجسام کو بے گور و کفن دیکھا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں عورت ویسے ہی
 نرم دل ہوتی ہے پھر میدان میں بے وارث بدن اور بکھری ہوئی لاشیں، دل بھرا آئے۔ یارائے ضبط نہ رہا
 آنسو ابل پڑے۔ جب انگلیوں کی روانی خمی، دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا، کہنے لگیں، کہ آؤ واپس جا کر اپنے
 مردوں سے ان لاشوں کے دفن کے لئے کہیں۔ وہ واپس آئیں اور اپنے مردوں سے تند و تیز لہجے میں کہا
 کہ رسول کی اولاد تمہارے قرب و جوار میں بے دردی سے قتل ہوتی رہی، جس نبی کا تم کلمہ پڑھتے ہو، اس کا
 نواسہ، اس کی محنت، جگہ کا فوری عین تمہاری زمینوں میں آیا، لیکن تم سے کچھ امداد نہ ہو سکی، رسول کی
 بیٹیاں تمہارے سامنے لٹی تھیں تم گھروں میں بیٹھے رہے۔ گلشنِ زہرا بادِ خزاں کی لپیٹ میں آیا
 اور تم دیکھتے رہے۔ وہ قافلہ مدینے سے چل کر تمہارے پاس آیا تھا، تم نے نہ حقِ مہمانی ادا کیا اور نہ حقوقِ
 مسافروں کی پاسداری کی۔ اور نہ مظلوموں کی کچھ مدد کی۔

اولادِ علی و بتول کشتی رہی، منابعِ رسول لٹی رہی، لیکن تمہیں غیرت نہ آئی۔ اگر زندگی میں مدد نہیں
 کر سکے تو مرنے کے بعد وہ مدد کے محتاج ہیں۔ ان کی لاشیں بے گور و کفن پڑی ہیں۔ اٹھو اور شہداء
 خاندانِ رسالت اور انصار و اصحابِ حسین کی لاشوں کو دفن کرو۔ یاد رکھو اگر یہ کام بھی تم سے نہ ہو سکا تو
 یہ وارغ ہمیشہ کے لئے تمہاری پیشانی پر رہے گا اور آئندہ آنے والی نسلیں تمہیں بُرائی سے یاد کریں
 گی اور عورتوں کی غیرت و حمیت پر ضربِ کاری لگے گی۔ اور اگر تم اس کام کو سارا انجام نہیں دے سکتے تو ہم جا کر
 یہ مقدس فریضہ انجام دیں گی۔

عورتوں کے طعنے سن کر مردوں کو جوش آیا۔ غفلت کے پردے آنکھوں سے ہٹے۔ غیرت کے جذبات
 بھی کسی قدر ابھرے۔ ضمیر نے بھی ملامت کی۔ ان کے احساس نے انکڑائی لی، بیلچے سنبھالے۔ چٹائیاں
 اکٹھی کیں، اور دفن کا پختہ ارادہ کر کے میدانِ کربلا میں آئے۔

امام سجاد کی آمد

جب لاشوں کے درمیان آئے۔ ان کی عورتیں بھی ساتھ تھیں، ان عورتوں کے بال کھلے ہوئے
 تھے اور تمام عورتیں نوم و بین اور گم بہ و ماتم کہتی ہوئیں سو گوار بن کر مردوں کے ساتھ شہداء کی لاشوں

ہر آئیں۔ غالباً زمینی باشندوں میں تعزیت کی رسوم اور غم خواری کے فرائض ادا کرنے کے لئے پہلا گروہ بنی اسد کا بارہ محترم کو کہہ بلایا گیا۔ اور جناب سیدۃ النساء کو ان کی اولاد کے پیاسہ اہل قتل ہونے کا پُر سادیا۔

جب بنی اسد لاشوں کے درمیان آئے تو لاشیں چونکہ سروں سے محروم تھیں۔ تشاخصت کرنے سے قاصر تھے۔ حیران و پریشان کھڑے تھے کہ کس طرح دفن کریں۔ اپنے اہل و عشیقہ سے دریافت کرتے تھے لیکن پہچان نہ سکے۔ یہ سوچ رہے کہ ہر ایک کی الگ الگ قبریں کھودیں یا بعض لاشیں یکجا دفن کر دیں۔ اسی حیرت و پریشانی میں تھے کہ کوفہ کی جانب سے غبار بلند ہوا۔ دیکھا کہ ایک گھوڑا سوار لاشوں کی جانب آ رہا ہے۔ پہلے تو یہ لوگ گھبرا گئے۔ جب ان کی گھبراہٹ اس سوار نے دیکھی تو پکار کے فرمایا گھبراؤ نہیں۔ میں تدفین شہداء کے بارے میں تمہاری مدد کے لئے آیا ہوں۔ میں علی بن الحسین زین العابدین ہوں۔ اور اپنے بابا کی لاش دفن کرنے کے لئے آیا ہوں۔

اب چونکہ شہیدوں کا وارث بھی مل گیا تھا۔ خوف و خطر بھی نہ تھا۔ اب بنی اسد کے زن و مردوں نے دل کھول کر سید سجاد کو بابا، بھائیوں، عزیزوں اور انصار کی موت کا پُر سادیا۔ گریہ پہلے بھی تھا، مگر وارث ماتم اور مالک صدف عزا کے آجانے سے سخت ماتم ہوا۔ گریہ و ماتم کی آوازوں سے دشتت کر بلا بھر گیا۔ عورتوں نے بال کھول دیئے۔ منہ پر طمانچے مارے اور پہلا پُر سادیا اور پہلی مکان کا شرف بنی اسد کی عورتوں کو حاصل ہوا۔ شہداء کو کہہ بلا علیہم السلام کی لاشیں یکجا تھیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سید الشہداء علیہ السلام نے خیمہ گاہ کے ایک حصہ میں ایک علیحدہ خیمہ نصب کیا تھا۔ جس میں بنی ہاشم اور انصار کی لاشیں میدان سے اٹھا کر لائی جاتیں۔ اور اس خیمہ میں رکھی جاتیں۔ جب کسی شہید کی لاش آتی تو جناب امام فرماتے: قَتْلَةُ مِثْلُ قَتْلَةِ النَّبِيِّينَ وَالْأَنْبِيَاءِ۔ یہ قتل انبیاء و اولاد انبیاء کے قتل کی مانند ہے۔ سوائے ان کے لاشوں کے جو خیام میں کسی وجہ سے نہ آسکیں، جیسے حضرت عباس کی لاش یا علی اصغر یا عون و محمد کی لاشیں۔ باقی تمام لاشیں یکجا ”گچ شہداء“ مخصوص خیمہ میں محفوظ تھیں۔

عصر عاشور کے بعد شہداء کو کہہ بلا کی لاشوں سے بید روی سے جب سر کاٹ لئے گئے تو اشقیاء بے یق نے خیمے کی گناہیں کاٹ کر خیمہ اکھاڑ لیا تھا۔ اور ہر ایک لاش کا دوسری لاشوں سے جدا کر کے سر کاٹ لیا جاتا اور لاش دہیں چھوڑ دی جاتی۔ اس طرح خیمہ ختم ہو گیا اور لاشیں بکھر گئی تھیں۔ امام حسین علیہ السلام کی لاش، ان لاشوں سے جدا تھی۔ کیونکہ ان کی لاش مطہر کو خیموں میں لے آئے والا کوئی نہ تھا۔ اور نہ خیمے میں لانے کی کسی کو فرصت ملی۔ تاہم لاش حسین علیہ السلام اور باقی تمام شہداء کی لاشوں میں کوئی زیادہ فاصلہ نہ تھا۔

بنی اسد کا ایک کاشتکار بیان کرتا ہے کہ عمر بن سعد کے روانہ ہونے کے بعد جب میدان کربلا خالی

ہو گیا تو وہ معرکہ قتال میں آیا۔ دیکھا کہ ابدان شہداء سے لڑکی شعا میں پھوٹ کر آسمان کی طرف بلند ہو رہی ہیں۔ اور خوشبو سے میدان کربلا محضر ہے۔ پھر وہ بیان کرتا ہے کہ میں نے ایک شیر کو دیکھا جو کہ شیرانِ بیشع شباعت اور دیرانِ عرصہ شہادت کی لاشوں میں گھومتا رہا، بعد ازاں جناب سید الشہداء کی لاش پر آیا۔ گھوٹا۔ وہ اپنا سر اور منہ خون میں آلودہ کرتا اور اپنی زبان میں نوحہ و نالہ کرتا۔ میں حیوان رہ گیا اور چپ کر اس کا لاشوں کے ساتھ سلوک دیکھتا رہا۔ شیر کی عادت ہوتی ہے لاشوں کو نقصان پہنچانا۔ مگر میں نے دیکھا کہ عقیدت سے ہر ایک لاش سے محبت کرتا۔ زیارت کرتا اور اسی طرح بہم کرتا جس طرح کوئی ماں اپنے جواں پسر پر نالہ کرتی ہے۔ بنی اسد کے اس مرد کی روایت ہے کہ نصف رات کے وقت میں نے لاشوں پر نور کی قندیلیں روشن دیکھیں جن سے میدان بھرا ہوا تھا۔ اور رونے پٹینے نوحہ و فریاد کی آوازیں سنیں۔

جناب امام زین العابدین با اہل بیت کوفہ سے کربلا میں آئے اور لاشوں کی تدفین میں بنی اسد کی رہنمائی کی۔ ان کو شہداء کی لاشوں کے نام بتائے اور ان کو شہداء بنی ہاشم اور انصار کی لاشوں کی پہچان کرائی۔ اس کے بعد آپ جناب سید الشہداء اپنے مظلوم و مسلوب بابا کی لاش پر آئے لاش کو گلے لگایا۔ بوسے لئے اور بہت روئے۔ پھر ایک جگہ سے تعویذی سی ٹی ہٹائی۔ اور قبر کھدی کھدائی ظاہر ہوئی۔ آپ نے اپنے بابا اور تمام شہداء پر نمازِ جنازہ پڑھائی۔ قبر تیار تھی اور محلہ اس میں کھدی ہوئی تھی۔ قیدی امام نے اپنے ہاتھ پھیلائے اور تنہا بابا کی لاش کو اٹھا کر قبر میں رکھا۔ جس طرح میت کو محلہ میں اتارتے وقت پڑھا جاتا ہے، امام سجاد نے وہ جملے ارشاد فرمائے:

بِسْمِ اللَّهِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ وَسَلَّمَ اللَّهُ وَسُؤْلُهُ مَا شَاءَ
اللَّهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ه جب لاش اٹھانے لگے تو بنی اسد نے لاش
اٹھانے اور دفن کرنے میں معاونت کرنے کا قصد کیا۔ جناب سجاد نے فرمایا: ”تم الگ رہو، میری
مدد کرنے والے ہیں۔ جناب سید الشہداء کو جناب سجاد نے جب قبر میں اتارا تو اپنا رخسار کٹی
ہوئی گردن پر رکھا اور روتے ہوئے یہ کہا: طُوبَى لِأَرْضٍ تَقْبَلُ مَقْدَتَ جَسَدِكَ الطَّاهِرِ
بَنَاتِ الدُّنْيَا بَعْدَكَ مُظْلِمَةً وَالْآخِرَةِ يُتَوَرَّكُ مُشْرِقَةً إِنَّمَا اللَّيْلُ فَمُسْهَدٌ وَالْحَزَنُ
سَرْمَدٌ أَوْ يَخْتَارُ اللَّهُ لَكَ خَلِيلُكَ دَارَكَ النَّبِيَّ أَنْتَ بِهَا مُقِيمٌ وَعَلَيْكَ مَعِيَ السَّلَامُ
يَا بَنِي رَسُولِ اللَّهِ وَسَرْحَمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“

اس زمین کے لئے سعادت ہے جس نے تیرے پاک جسم کو اپنی آغوش میں لیا۔ پس دنیا بے شک آپ کے بعد تاریک ہے اور آخرت آپ کے نور سے روشن ہے۔ رات کے وقت بیداری زیادہ اور نیت کم رہے گی۔ غم ہمیشہ رہے گا جب تک خدا تیرے اہل بیت کے لئے وہی گھر پسند نہ کرے گا۔ جس میں آپ مقیم ہیں۔ یعنی تازہ زندگی آپ کے پس ماندہ اہل بیت پر غم کی کیفیت چھائی رہے گی۔ یا بن رسول اللہ! شہید بابا قیدی بیٹے کا آخری سلام قبول ہو۔ اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں آپ کو ڈھانپ لیں۔

اس کے بعد قبر مبارک کو مٹی سے بھر دیا۔ اور انگلی مبارک سے قبر پر یہ لکھا: هَذَا قَبْرُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ الَّذِي قَتَلُوهُ عَطَشًا نَاغِرِيًّا۔
اس کے بعد دریائے فرات کی جانب رخ کیا۔ "اسد بنی ہاشم" ام البنین کے لال، چچا عباس کی لاش پر آئے۔ کٹے ہوئے بازوؤں والی لاش اور زخموں سے پُور بدن دیکھا، جس کے ارمان بھرے لاشہ اور جراحات کی کثرت پر ملائکہ آسمانوں میں اور حُوریں جنت میں ماتم کناں تھیں۔ قیدی امام اپنے غیور چچا کی لاش پر گر پڑے اور کٹے ہوئے بازوؤں اور سر کی جھڈائی کے مقام کے بوسے لٹے لاش کو گلے لگا کر روتے رہے۔ جب آنسو ر کے تو فرمایا: "عَلَى الدُّنْيَا لَعْنُكَ الْحَقَّ يَا قَاصِرَ بَيْتِي هَاشِمٍ وَعَلَيْكَ مِنْ سُلَاطَةِ مَنْ شَهِدَ مَحْتَسِبٍ وَرَحْمَةِ اللَّهِ وَبَرَكَاتِهِ" غارِ جنازہ پڑھائی۔ اسی کے بعد قبر کھودی اور تنہا ہی اپنے وفادار چچا کو لٹکی آغوش کے سپرد کیا جس طرح کہ تنہا اپنے بابا کو لحد میں رکھا۔ بنی اسد کے لوگوں سے وہی جملہ فرمایا۔ کہ تم الگ رہو، میرے ساتھ میری مدد کرنے والے موجود ہیں۔ پھر بنی اسد کو فرمایا اب تمہاری ادا کا وقت آیا۔ باقی شہداء کی تدفین میں ان لوگوں کو شریک کیا۔ تمام شہداء پر غارِ جنازہ پڑھانے کے بعد ایک قبر کھدوائی، جناب سید الشہداء علیہ السلام کی قبر کے پیروں کی جانب اس قبر میں جناب علی اکبر ہم شکل پیغمبر جناب لیلٰی کی آنکھوں کے تارے کو زمین میں چھپایا۔ پھر اس کے پاؤں کی طرف ایک بڑھا گڑھا کھدوایا۔ جس میں تمام شہداء کو دفن کیا۔ اس طرح تمام شہداء ہاشمیین کی ایک قبر بنائی۔ دوسرا گڑھا کھدوا کر اس میں انصار و اصحاب کی لاشیں دفن کرائیں اور تمام انصار ایک قبر میں مدفون ہوئے۔

جناب حُرّ علیہ الرحمہ اس سے پہلے دفن ہو چکے تھے۔ کیونکہ حضرت حُرّ کا قبیلہ لشکرِ ابنِ سعد میں موجود تھا۔ اُس نے حُرّ کی لاش "گچ شہداء" سے اٹھالی، اور ان کا سر بھی لاش سے کٹنے نہ دیا۔ اور ان کے قبیلہ نے اس جگہ جناب حُرّ کو دفن کیا، جہاں آج ان کی قبر ہے۔

شاہ اسماعیل صفوی اور حضرت حمر کی لاش

کبریٰ تِ احمر اور انوارِ نعمانیہ میں ہے کہ جب شاہ اسماعیل صفوی کربلا میں آیا تو اس نے ایک مقام کو کھدوایا۔ ایک قبر ظاہر ہوئی اور اس میں میت نظر آئی۔ لاش تازہ تھی اور کوئی اس میں تغیر نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی دفن ہوئی ہے۔ اس کے سر پر ایک رومال کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ شاہ اسماعیل نے رومال کھولا تو خون کی دھار پھوٹ نکلی، بسیار کوشش کے باوجود خون کی روانی بند نہ ہوئی۔ تو شاہ اسماعیل کو وہی رومال مجبوراً لاش کے سر پر باندھنا پڑا۔ جونہی رومال باندھا خون ٹوک گیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ جناب محمد علیہ الرحمۃ کی قبر ہے۔ جو تازہ مہاں تھا۔ جب اس نے شہادت پائی تو امام پاک اس کی لاش پر گئے، سر سے خون بہہ رہا تھا۔ جناب سید الشہداء نے اپنے پاک رومال سے سر پر اس رومال کی پٹی باندھی، خون ٹوک گیا تھا۔ گویا جناب محمد کی لاش کہہ رہی تھی کہ فرزندِ توی کا تحفہ میں مجھ کو ناگوار نہیں کہتا۔ چنانچہ جناب اسماعیل صفوی نے اس قبر مبارک پر گنبد بنوایا اور اس کی حفاظت کے لئے ایک خادم مقرر کیا۔

شہداء کربلا علیہم السلام کی لاشوں کی تدفین کے بعد جناب امام سجاد علیہ السلام نے بنی اسد کو فرمایا کہ زائرین کو قبورِ طیبہ کی نشان دہی کرنا۔

اس کے بعد قیدی امام گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے قید خانہ کو فہ کی طرف غائب ہو گئے۔ بنی اسد کے لوگوں کو تدفینِ شہداء کی سعادت حاصل ہوئی، چنانچہ روایات میں مذکور ہے کہ بنی اسد فرماتے تھے کہ ہم وہ ہیں جنہوں نے شہداء کربلا پر غائب ہوئے۔ اور ان کے لاشے دفن کئے۔

یہ پاک اجماعِ زمین کربلا میں دفن ہو گئے، حضرت قائم آل محمد حجتِ خدا علی اللہ وجہہ الی القاب میں انہیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ "بَابُنِیْ اَنْتُمْ وَاُمِّیْ طِبْتُمْ وَطَابَتْ الْاَرْضُ اَلَّتِیْ فِیْهَا دُفِنْتُمْ وَحُزِنْتُمْ وَاَللّٰهُ مَعُنَا عَظِیْمًا" میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ تم خود بھی پاک اور وہ زمین بھی پاک ہو گئی جہاں تم دفن کئے گئے اور خدا کی قسم تم نے بہت بڑا رتبہ پایا۔

مدینہ پاک میں خبرِ شہادت

سب سے پہلے جناب سید الشہداء کی شہادت کی خبر حسین مظلوم کے زمانے پر پیشم گریاں دیا ہوئے پر لیشاں خاک آلودہ ریش و سر کے ساتھ جناب عبداللہ بن عباس اور اُمّ المؤمنین حضرت ام سلمہ کو دی

جب سے جناب سید الشہداء نے مدینہ سے سفر کیا باقی ماندہ خاندان بنی ہاشم کو بے قراری رہی یروں
میں جناب محمد بن الحنفیہ، حضرت عبداللہ بن جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن عباس رہ گئے تھے
اور مستورات میں سے حضرت ام المومنین ام سلمہ۔ جناب ام البنین، حضرت ام ہانی، حضرت اسماء
ام لقمان، رملہ، زینب دختران جناب عقیل بن ابی طالب مدینہ میں موجود تھیں بنی ہاشم کے خاندان کے
اکثر افراد کی مسافت جناب امام حسن و حسین، حضرت عباس اور جناب عقیل کے گھروں کی بربادی اور
ان کے صحنوں کی غیر آبادی، زمانہ کے تغیرات اور پُر آشوبی سے ہر وقت اُداس اور پریشان رہتی
تھیں۔ اور نہایت بے چینی سے اس مسافر قافلہ کی خبر کی منتظر رہتی تھیں۔

عاشور کے دن جناب عبداللہ بن عباس نے نہایت ہی ہولناک خواب دیکھا۔ اِسی اہل
عباس سے سَوَّلَ اللہُ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اَشْعَثَ مُغْبِرًا وَبَیْدًا قَاؤُۡمَہٗ فِیْہَا
دَمٌ فَقَالَ لَہٗ یَا بَنِیَّ اَنْتَ وَاَبْنِیَّ مَا هٰذَا؟ قَالَ ! هٰذَا اَدَمُ الْحُسَیْنِ وَاصْحَابُہٗ لَہٗ
اَذَلُّ النَّقْطَۃِ مِنْذَ الْیَوْمِ۔ جناب عبداللہ بن عباس نے حضرت رسول پاک کو دیکھا کہ ان
کے سر کے بال کھلے ہیں اور خاک آلودہ ہیں۔ اور اُن کے ہاتھ میں ایک شیشی خون سے بھری ہے۔
جناب ابن عباس نے دریافت کیا، حضور! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ کیا ہے؟
فرمایا: یہ حسین اور اصحاب حسین کا خون ہے جسے میں اکٹھا کرتا رہا۔

اس سے ایک بات واضح ہے کہ اس شیشی میں جہاں بنی ہاشم کا پاک خون تھا، اس میں انصار
اصحاب حسین کا پاک خون بھی شامل تھا۔ واضح رہے کہ جب حضرت جون حبشی غلام نے مولا حسین
سے اجازت جہاد چاہی اور مولا نے حسب معمول کچھ پیس و پیش کیا تو حضرت جون نے درد بھرے
دل سے یہ التجا کی کہ مولا! میرا سیاہ بدن اور بدبو دار خون ہے مگر میں آپ سے ہرگز جدا نہ ہوں گا۔
جب تک اپنا بدبو دار خون آپ کے پاک اور معطر خون میں نہ ملا لیں گا چنانچہ حضرت جون کی شہادت
کے بعد آپ کے بدن سے خوشبو آ رہی تھی۔ اور آپ کا خون اس قدر عزت پا گیا کہ جناب سرور
کائنات نے اپنے ہاتھ سے اُن کے خون کے قطرے دوسرے اصحاب و اہل بیت کے خون کے ساتھ
شیشی میں جمع کئے اور حضرت جون کی یہ پیش کش شرف قبول حاصل کہ گئی کہ ان کا خون اہل بیت کے
مقدس خون میں بدستِ رسول اس شیشی میں مخلوط ہو گیا۔

یہ تو جناب ابن عباس کا خواب تھا اب حضرت ام سلمہ کا خواب سنئے۔

اُمّ سلمہ کا خواب رَاَتْ رَسُوْلَ اللہِ اُمِّ سَلَمَۃٌ فِی الْمَنَامِ اَشْعَثَ مُغْبِرًا وَّ عَلٰی

رَاسِهِ وَلَحِيَّتِهِ السُّرَابُ فَقَالَتْ كَيْفَ يَأْتِي سَوَّلَ اللَّهُ مَا لِي أَمَّا أَكْ أَشْعَثُ أَعْبَرُ؟ قَالَ تَمَسَّلَ
وَلَدِي الْحُسَيْنُ وَمَا زِلْتُ أَحْفَرُ الْقُبُورَ لَهُ وَلَا أَصْحَابِهِ فَأَبْتَهَمْتُ فَرْعَهُ وَفَطَرْتُ
إِلَى الْقَارُورَةِ النَّحْيُ خِيَمَتَا شَرَابٍ. أَرْغَى كَسْبِلَاءَ فَأَذَاهُ يَفُورُ دَمًا. جناب امّ سلمہ نے
نواب میں حضور رسول پاک کو دیکھا۔ سر کے بال کھلے ہیں اور ریش مبارک اور سر پر خاک پڑی ہوئی ہے۔
پس انہوں نے حضور سے پوچھا کہ میں آپ کو اس حالت میں کیوں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کے سر مبارک
اور ریش مبارک پر مٹی پڑی ہوئی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ میرا بیٹا حسین کہ بلا میں شہید ہو گیا اور میں
ان کی اور ان کے اصحاب کی قبریں کھودتا رہا۔ پس جناب امّ سلمہ نواب سے گھبراہٹ کے عالم میں بیدار
ہوئیں اور اس شیشی کو دیکھا جو حضور پاک نے ان کو دی تھی۔ اور بغنا طٹ رکھنے کا حکم دیا تھا۔
اور فرمایا تھا کہ جب یہ مٹی سرخ ہو کہ خون بن جائے تو مسجد لینا کہ حین کہ بلا میں شہید کر دیئے گئے۔ جناب
امّ سلمہ نے جو شیشی کو دیکھا تو اس میں بجائے مٹی کے خون جوش بارہا تھا۔ امّ سلمہ سمجھ گئی کہ جگہ رسول
کٹ گیا اور قلب زہرا چھڑ گیا۔ اور علی کا نور عین شہید ہو گیا۔

جناب امّ سلمہ کی فریاد بلند ہوئی اور بلند آواز سے رونے لگیں۔ جب ان کی آواز خاندان ہاشم کی
مستورات نے سنی تو بے قرار ہو کر جناب امّ سلمہ کے پاس آئیں۔ اور واقعہ دریافت کیا۔ جناب امّ سلمہ
نے جب واقعہ بیان کیا تو خاندان عبدالمطلب پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس خبر کی تائید ہاتھ غیبی نے
بھی کی۔ جناب امّ سلمہ کا بیان ہے کہ گیارہ سوویں کی رات نصف گز چکی تھی کہ نساء مدینہ سو گوار تھی۔
اور غم کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہاتھ غیبی کوت حسین کی خبر سنا رہا تھا اور یہ شعر سن رہا تھا ہے۔

أَيُّهَا الْقَاتِلُونَ جَهْلًا حُسَيْنًا ابشروا يا العذاب والتكليف
قَدْ لَعْنَتْهُمْ عَلَى لِسَانِ بَنِي دَاوُدَ وَمُوسَى وَمُصَاحِبِ الْإِبْرَاهِيمِ
كُلُّ أَهْلِ السَّمَاءِ يَدْعُو عَلَيْكُمْ مِنْ نَبِيِّ وَمُوسَى وَتَحِيلِ

عبد اللہ بن زیاد کی طرف سے خبر شہادت

عبد اللہ بن زیاد جب اس قبیح کارروائی سے فارغ ہو چکا تو اس نے ایک تیز رو قاصد دمشق
میں یزید کے پاس بھیجا جس میں اس ملعون نے یزید کو کہہ بلا کے واقعہ کی خبر اور قتل حسین اور اپنی کامیابی
کی اطلاع دی۔ اور یزید سے دریافت کر بھیجا کہ قیدی مستورات اور سُرور کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا
دمشق بھیج دیئے جائیں؟

دوسری اطلاع اس نے گورنر مدینہؒ عمرو بن سعید لاخندق کے پاس بھیجی۔ اس مقصد کے لئے اس نے عبدالملک بن الحارث السلمی کو بلایا اور شہادت حسین کی خبر مدینہ لے جانے کے لئے کہا۔ پہلے تو اس نے حیدر بہاؤ کیا مگر اس ظالم وجابر کا حکم رد کرنا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔ ابن زیاد نے اس کا غدر قبول نہ کیا اور اسے طوعاً و کرہاً جانا پڑا۔

ابن زیاد نے اس قاصد کو تاکید کی کہ بجلت تمام اس خبر کو مدینہ لے جائے۔ یہاں تک کہ تجھ سے پہلے قتل حسین کی خبر اس تک نہ پہنچے۔ ایک تیز رو سواری دی اور ساتھ کچھ دینار بھی دیئے۔ اور کہا کہ اگر سواری چلنے میں رہ جائے تو قوت نہ کرنا اور نئی تیز رفتار سواری خرید لینا تاکہ عامل مدینہ اس خوش خبری سے جلد مسرت حاصل کرے۔ یہ سوار ماحلہ پر سوار تیزی سے منازلِ مضر طے کرتا ہوا جب مدینہ پہنچا تو اسے خاندان قریش کا ایک مرد ملا۔ اس نے اس قاصد سے حال دریافت کیا اور پوچھا کیا خبر ہے؟ اس نے کہا کہ یہ خبر میں امیر کے پاس جا کر بیان کرتا ہوں اگر خواہش ہے تو وہاں آکر سن لو۔

عامل مدینہ کے پاس پہنچ کر اس نے قتل حسین کی خبر بیان کی یہ ملعون شقی، عدوتِ خاندانِ رسالت میں یزید و ابن زیاد سے کم نہ تھا۔ بہت خوش ہوا۔ اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ خاندانِ رسالت کی بربادی اور ابن زیاد کی کامیابی اس مردود کے لئے عید بنی۔ اس نے منادی کو بلا کر حکم دیا کہ مدینہ کے بازاروں اور گلی کو چوں میں جا کر اعلان کر دے کہ حسین بن علی کو بلا میں قتل ہو گیا۔

قتل حسین کی منادی اس مدینہ میں کرائی جا رہی ہے جو حسین کے نانا کا شہر تھا جن گلیوں میں شہسوارِ دوشِ نبی کا اعزاز صحابہ کو دکھایا جاتا تھا۔ اور ختمِ نبوت جس سوار کا مرکب بنتی تھی۔ صحابہ "نعم المركب" کا نعرہ لگاتے اور "نعم المركب" کہہ کر شانِ حسین ظاہر کرتے۔ آج اس حسین کی شہادت کی خبر منادی گلیوں میں نشر کر رہا ہے۔ بنی ہاشم کے گھروں میں جب یہ صدائے دلفگار پہنچی تو نساء بنتی ہاشم اور بناتِ عقیل پر غم و غمخیزان کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ سارا مدینہ ماتم کدہ بن گیا اور گلی گلی کو چپے گوچے سے رونے پٹنے والوں کا سیلاب اُٹھ آیا۔ جب رونے کی یہ آوازیں عامل مدینہ اموی گورنر عمرو بن سعید ملعون کے کانوں میں آئیں تو یہ بہت خوش ہوا اور اس نے ایک شاعر کا یہ شعر پڑھا۔

عَجَّتْ هِنَا رُبَّيْ زِيَادٍ عَجَبَةً كَعَجَجِجْ هَسَوْتَنَا عَدَاةَ الْأَرْبَابِ

بہنِ زیاد کی عورتوں نے نالہ و بکا کیا جس طرح کہ ہماری عورتوں نے واقعہ "ارباب" کی صبح کو آواز کر یہ بلند کی۔ پھر اس نے کہا: "وَأَعْيَبَتْ جَوَاعِيْبَهُ عُثْمَانُ" یہ گم یہ و بکا اس گم یہ و بکا کا بدلہ ہے جو عثمان پر کیا گیا۔ پھر اس شقی و ناری نے جناب رسولِ پاک کی قبرِ مبارک کی طرف منہ کر کے کہا:

يَوْمَ بَيَّعَ مُحَمَّدٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ" یہ دن پدر والے دن کا بدلہ ہے یعنی جگاہ بدلے میں بنی اُمیہ کے جن سرداروں کو بنی ہاشم خصوصاً علی بن ابیطالب نے قتل کیا تھا اس کا بدلہ ہم نے کر بلا میں لیا ہے۔ دینہ دینے بھی دربارِ شام میں وقتِ دخولِ سرحد میں اسی قسم کے اشعار پڑھے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت تو اک بہانہ تھا یہ بہر حال میں اولادِ رسول کو بدلے کے مقتولوں کے بدلے میں قتل کرنا چاہتے تھے، انصارِ مدینہ نے اس جملہ کا بہت برا منایا اور سخت ناپسند کیا مگر اخلاقی جرات کمزور اور جذبہ جہاد ماند تھا پھر یہ ردِ ذیل منبر پر چڑھا جس منبر پر رسول پاک اپنے آنکھوں کے ٹوڑ اور دل کے سردِ حنین کو آغوش میں لے کر پیار و محبت کا سلوک کرتے تھے۔ آج اسی پاک منبر پر ناپاک بنی اُمیہ کا پلید گور نہ قتل حسین کی خوش خبری فخر و انبساط کے ساتھ سنارہا ہے۔ اس نے خطبہ پڑھا۔ یہ اہل مدینہ کی بے حس اور دینی حیثیت کے فقدان کی دلیل ہے کس دل سے اس کا یہ خطبہ انہوں نے سنا۔ اس خطبہ میں اس نے بیان کیا۔ یہ ضرب کے بدلے ضرب اور صدمے کے بدلے صدمہ ہے۔ ہم تو چاہتے تھے کہ حسین بیچ جلے مگر اس نے ہماری اطاعت نہ کی، اگر وہ بیعت کر لیتے تو آج ان کی یہ حالت نہ ہوتی۔ ہم ان کی مدح کرتے تھے اور وہ ہمیں سلاہیں دیتے تھے۔ جس طرح جھوٹے خطیبوں اور مکار سیاسی مقررین کی عادت ہوتی ہے۔ اس نے یا وہ گوئی کی تو ایک شخص عبداللہ بن سائب اٹھ کر کہنے لگا: اے عمرو! اگر ماورِ حسین جناب سیدہ زندہ ہوتیں اور اپنے تختِ جگہ کو مقتول یکمیتیں تو وہ ضرور روتیں، گور نہ نے عبداللہ کو جھڑکتے ہوئے کہا۔ ہم تجھ سے زیادہ قریب فاطمہ ہیں۔ ہم خاندانی طور پر ان سے زیادہ قریب ہیں ان کا والد ہمارا چچا، ان کا شوہر ہمارا بھائی۔ اگر وہ زندہ ہوتیں ضرور روتیں، مگر ہمیں اس قتل پر ملامت نہ کرتیں (جناب فاطمہ کا باپ تمام نبیوں کا سردار تم سب پر لعنت کر گیا ہے) بہر حال بنی اُمیہ کے گھروں میں عید تھی اور بنی ہاشم کے گھروں میں ماتم تھا، بنی عبدالطلب کی طور قتل کے سروں سے چادریں گر گئیں اور بال بکھر گئے۔ منہ پر اور سروں پر موتِ حسین کے صدمہ کے طمانچے تھے، جب ام المومنین حضرت اُم سلمہ نے یہ خبر سنی تو زہرہ رسولِ بخش کھا کر گھر پڑی، جب افاقہ ہوا تو شدتِ درد سے کہا: "خدا ظالموں کی قبروں کو جہنم کی آگ سے بھر دے۔"

اس کے بعد یہ زمانہ بنی ہاشم، حضرت اُم سلمہ، ام البنین، ام ہانی، حضرت اسماء، رملہ، زینب، اُم لقمان، دخترِ ابی جناب عقیل اور دیگر میتوں کا بنی ہاشم سرِ بیٹی ہوئیں اور نوحہ و فریاد کنانِ قبرِ رسول پر آئیں۔ ان کو نوا سے کی موت اور بنی ہاشم کے شہیدوں کا پرہیز سادیا۔ پھر جب کربلا کی قبر پر آمد کہ تعزیت ادا کی۔ انصارِ مدینہ کے گھر بھی ماتم کہہ بن گئے۔ انصار کی عورتیں گریہ و بکا کرنے لگیں۔ غرضیکہ سارا

مدینہ موت حسین کے صدمہ سے ماتم سرا بنا ہوا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جناب سید الانبیاء کی موت تازہ ہو گئی تھی۔ درود یار متزلزل تھے۔ جناب اسماء بنت عقیل کا یہ نوحہ مرثیہ تھا۔ جسے سن کر انصار بہت روئے۔ مدینہ کی گلیاں رونے کی آوازوں سے بھر گئی تھیں۔ قبر رسول کانپ رہی تھی اور مدینہ کے درود یار متزلزل تھے۔

مَاذَا اتَقَوْكُمْ اِنْ قَالَ النَّبِيُّ لَكُمْ: يَوْمَ الْحِسَابِ وَ مَدَدِي الْقَوْلُ مَسْجُوعٌ
 خَذْ لَتْمًا عَثَرْتِي اَوْ كُنْتُمْ غِيَاً = وَالْحَقُّ عِنْدَ وَلِيِّ الْأُمْرِ عَجُوعٌ
 أَسْلَمْتُمْ مَّا هُمْ بِأَيِّدِي الظَّالِمِينَ فَمَا = مِنْكُمْ عِنْدَ اللَّهِ مَشْمُوعٌ
 مَا كَانَ عَذَابَ الطَّلَعِ اِذْ حَضَرُوا = تِلْكَ الْمَنَامَا وَلَا عَقْلُنِ مَذْفُوعٌ

پُر ساوینے والے قبر رسول اور قبر جناب سیدہ پر اظہار غم کے لئے آتے رہے۔ اور بنی ہاشم کے گھروں میں تمام مسورات مدینہ اور موت حسین کی خبر سننے والیاں جمع ہوتیں اور فرزند رسوا، پر گریہ و بکا کرتیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر نے بھی صفت ماتم بچائی۔ یہ امام مظلوم کے زیادہ قریبی تھے۔ اور واقعات کربلا میں ان کا بہت زیادہ حصہ تھا۔ بنی ہاشم اور انصار حسین کا پُر ساوینے کے لئے لوگ ان کے پاس آتے رہے۔ ان کے دو بیٹے عون و محمد کربلا میں مارے گئے تھے۔ ان کے ملازم ابوالسلاس نے کچھ نامناسب کلمات کہے۔ جناب عبداللہ نے اسے منراوی اور فرمایا کہ اگر میں موجود ہوتا تو یقیناً شہادت کا مرتبہ پاتا۔ مگر میرے دو بیٹوں کی نصرت وادلو اور ان کی شہادت سے میرے دل کا غم کچھ ہلکا ہے۔ پھر حاضری کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ مجھ پر شہادت حسین اور ان کے ساتھیوں کا صدمہ بہت منظم ہے۔ اور میں خود اپنی جان قربان نہیں کر سکا۔ مگر میرے بیٹوں نے تو راہ حق میں قربانیاں دی ہیں۔

جناب ام البنین کا مرثیہ

جناب کا اسم گرامی فاطمہ بنت حزام بن خالد ہے۔ خاندان بنی کلاب ہے۔ یہ چار فرزندوں کی ماں ہیں۔ ان کے چاروں بیٹے شجاعت اور دلیری میں شیر تھے۔ ان چاروں بیٹوں کی بہادری اور وفا پر ان کو ناز تھا۔ اور یہ چاروں آسمان شجاعت کے چاند تھے۔ انہی جوان و بہادر بیٹوں کی وجہ سے آپ کی کینیت ام البنین ہے۔ ان چاروں دلیروں کا نام عباس، عبداللہ، عثمان اور جعفر ہے جانی نثار اور وفاداری میں ان کی نظیر نہیں۔

جناب فاطمہ کے نام پر ان کی کینیت غالب ہے اور ام البنین کی کینیت سے ہی زیادہ مشہور ہیں۔ ان کا مدینہ میں جناب حسین اور بنی ہاشم کے جوانوں کی موت کے لئے عزرا خانہ بنا ہوا تھا، ہر وقت نالہ و

نداری میں مصروف رہتیں جنت البقیع میں جا کر اس قدر دردناک مین کرتیں کہ دوست و دشمن سبھی متاثر ہو کر رونے لگ جاتے۔ ان کے دلخاش اور جگر سوز اشعار سے اہل مدینہ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں حتیٰ کہ مروان البیاضقی القلب اور شدید ترین دشمن، خاندان رسالت بھی رونے اور آنسو بہانے پر مجبور ہو جانا۔ کتب مقاتل اور مغایع الجنان میں جناب کے دردناک اور زلفت انگیز اشعار مذکور ہیں۔ وہ تاریخین کے لئے ہم ہدیہ نظر کرتے ہیں

لَا تَدْعُوْنِيْ وَ يَكُ اَمَّ الْجَنِيْنِ سَدَّ كَرِيْمِيْ بِسُلُوْمَتِ الْغُرْبِ
كَانَتْ بَنُوْنِيْ اُدْعَى بِهْمُ وَالْيَوْمَ اَصْبَحْتُ وَلَا مَنَ بَيْنِيْ
اَمْرًا بَعْدَ مَعْنَى مُسَوِّرِ السَّرْبِ فَدَوَّ اَصْلُوْا الْمَوْتَ بِقَطْعِ الْوَتِيْنِ
تَمَارَعُ الْحَزَنَاتُ اَشْلَاءَ هُوَ فَكَلَّمَهُمْ اَمْسَلِيْ صَوْرِيْعًا طَعِيْنِ
يَا لَيْتَ شِعْرُوْنِيْ كَمَا اَحْبَبُوْا يَا نَاعَبَا سَا قَطِيْعِ الْمَيْمِيْنِ

افسوس اب مجھے ام البنین کہہ کے نہ پکارنا۔ تم مجھے اُم البنین پکار کر ان شیرانِ بیشہ کی یاد دلاتی ہو۔ جب میرے بیٹے زندہ تھے تو میں "اُم البنین" پکاری جاتی تھی اور آج میں بغیر بیٹوں کے تنہا رہ گئی ہوں۔ میرے چار بیٹے جو گردنیں کٹا کر موت سے بغل گیر ہو گئے۔ نینروں کی کثرت نے ان کا گوشت چیر دیا۔ وہ سب کے سب نینروں کے بار بار لگنے سے مجروح ہو کر زمین پر گر پڑے۔ انہیں ہے جس طرح کہ بیان کیا گیا ہے۔ میرے عباس کے بازو کٹ گئے تھے، وہ زمین پر گرنا۔ یہ بھی انہی مضمومہ مادرِ عباس کے اشعار ہیں۔

يَا مَنْ سَرَّ اَيُّ الْعَبَّاسِ كَرَّ عَلَى جَاهِلِيَّةٍ النَّقْدِ = وَ ذَرَاهُ مِنْ اَبْنَاءِ حَيْدَرٍ كُلِّ كَيْتٍ ذِي لَيْدِ
اے وہ شخص جس نے عباس کو بھیڑ بکھریوں کے ریوڑ پر بار بار حملے کرتے دیکھا اور اس کے پیچھے فرزندِ ندان حیدر کو ار تھے جو سب کے سب ببر شیر تھے۔
اُنْجِثْتُ اَنْ اَبْنِيْ اَصِيْبَ بِرَاْسِهِ مَقْطُوْعُ عِيْدِ

وَبِلِيْ عَلَى شَيْبَتِيْ اَمَالَ بِرَاْسِهِ ضَرْبُ الْعَمْدِ
مجھے بتایا گیا کہ میرے بیٹے کے سر پر اس وقت وار کیا گیا جب اس کے ہاتھ کٹ چکے تھے ہائے افسوس اُس وقت گزری کہ ضرب نے میرے بیٹے کا سر توڑا۔

كُوْكَانَ سَيَقْلَقُ فِيْ يَدِيْكَ لِحَادِيْ مِنْهُ اَحَدٌ

بیٹا عباس! اگر تیرے ہاتھ سلامت ہوتے اور تیرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تیرے قریب کوئی

آسکتا۔ تیرے ہاتھ کٹ جانے کے بعد تیرے سر پر گرز مار کر تجھے شہید کیا۔

کوفہ شام تک منازل کے حالات

پسرمر جانے لے ایک تیز رفتار سواری پر ایک قاصد مدینہ میں شہادت جناب سید الشہداء علیہ السلام کی خبر دینے کے لئے روانہ کیا اور دوسرا آدمی شام میں یرید کے پاس خط دے کر بھیجا۔

اس خط میں پسرمر جانے یرید کو جنگ کہ بلا کی فتح کا حال لکھا اور چند امور یرید سے دریافت کئے کہ شہداء کہ بلا کے سر میرے پاس کوفہ میں محفوظ ہیں جو مستورات کہ بلا میں حسین کے ساتھ آئی تھیں، وہ اور ان کے یتیم بچے میرے پاس زندان میں قید ہیں، میں تیرے حکم کا منتظر ہوں کہ :-

- ۱۔ انہیں سرور سمیت تیرے پاس دمشق بھیج دوں۔ ۲۔ انہیں قتل کر دوں
 - ۳۔ انہیں مدینہ واپس بھیج دوں یا اپنے پاس قید میں رکھوں۔ جس طرح آپ حکم دیں اس کی تعمیل کی جائے گی۔ صرف تیرے حکم کا انتظار ہے۔
- گو بعض روایات میں مذکور ہے کہ ابن زیاد نے بغیر حکم و مشورۃ یزید مستورات و عذرات کو سرور کے ساتھ دمشق روانہ کر دیا تھا لیکن معتبر اور قابل اعتماد روایت یہی ہے کہ اس نے قاصد کے ذریعے یرید کی طرف سے جواب آنے پر اتنے دن دختران امیر المومنین اپنے بابا کے دارالحکومت حجاج مسجد کے قریب زندان میں مقید رکھیں

قاصد کی دمشق روانگی کے بعد زندان میں ایک پتھر پھینکا گیا جس کے ساتھ ایک رقعہ بندھا ہوا تھا کہ اے اہل بیت حسین دختران ابوطالب قاصد دمشق بھیج دیا گیا ہے۔ آپ کی قیمت کا فیصلہ یرید کے پائے تخت و دمشق میں ہوگا۔ اس کی واپسی پر اگر آپ نعرۂ تکبیر کا بلند آواز سنیں تو سمجھ لیں کہ آپ کی موت کا فیصلہ کیا جا چکا ہے اور اگر نعرۂ تکبیر کی آواز بلند نہ ہو تو سمجھ لیں کہ آپ قتل سے بچ گئے ہیں۔ اتنے دنوں مدینہ کی شہزادیوں زندان میں قید رہیں، اور موت و حیات میں فیصلے کا بے قراری و درہمے چلتی سے انتظار کرتی رہیں۔ چونکہ یہ شہزادیاں کبھی زمانہ میں تو شہزادیاں تھیں لیکن قتل حسین کے بعد اپنے نانا کی امت کے ہاتھوں گرفتار بلا تھیں۔ اسے کہتے ہیں زمانہ کا انقلاب اور تغیر روزگار! جن کے در پہ ہر قسم کا سائل اپنی مرادیں پوری کرتا تھا۔ شاہان وقت

سائل اور ملائکہ آسمان خادم تھے۔ حورانِ جنت کنیزِ ایل بن کہ آتی تھیں۔ انہماکِ کوفہ کی عورتیں درسِ قرآن اسباقِ اسلام اور علومِ شریعت سیکھتی تھیں۔ وہ اسلام کی معجزات اور امیر المومنین حاکم کوفہ کی شہزادیاں زندان میں موت و حیات کے فیصلے کا انتظار کر رہی ہیں۔

چنانچہ جب قاصدِ دمشق سے واپس آیا تو نعرہٴ بکھر بلند ہوا۔ شہزادیاں سمجھ گئیں کہ حاکم ظالم نے قتل کا حکم نہیں دیا۔ البتہ انہیں دمشق روانہ کئے جانے کا انتظام کیا گیا ہے۔

قاصدِ خط کا جواب لایا کہ شہیدوں کے سر اور خاندان کی مستورات کو قیدی بنا کر میرے پاس دمشق بھیج دو۔ پس ابنِ زیاد نے شہداء کے سروں اور جنابِ ابی طالب کی دختران کو اور بچے ہوئے یتیم بچوں کو کوفہ سے دمشق روانہ کر دیا۔

"کوفہ سے روانگی تفصیل"

ابنِ زیاد نے سرہانے شہداء ایک جماعت اہل کوفہ کے ساتھ جن کا تعداد پچاس تھی، زحر بن قیس کی نگرانی میں شام روانہ کئے اور زحر بن قیس کے ساتھ ابو بکر بن عوف ازری اور طارق بن ظبیان بھی شامل کر دیئے۔ نیز اسی دن مستوراتِ مخدرات کو مع تیامی کے اونٹوں پر سوار کر کے، اور سیدِ سجاد کے گلے میں طوق ڈالا اور ایسے بے پلان اونٹ پر سوار کیا جولاغر تھا۔ اور سگڑا کر چلتا تھا اور اس طرح جنابِ قیدی امام کے بوجھِ ضعیف و نقابت اور بیماریِ پشتِ شتر سے گرنے کا خطرہ تھا۔ ان کے پاؤں اونٹ کے پیٹ کے ساتھ ایک رسی کے ذریعے باندھ دیئے گئے تھے۔ قیدیوں کے نگرانِ عفر بن ثعلبہ حائذی، قمر بن الجوشن، عمرو بن حجاج اور شعیث بن ربیع تھے۔ اور ایک ہزار سوار کی جماعت ان کے ساتھ کر دی۔ انہیں تاکید کر دی گئی کہ جلد ہی سروں والی جماعت کے ساتھ مل جانا۔ تاکہ ایک ہی قافلہ ہو جائے۔ جس شہر سے گزرا قیدیوں اور سروں کی خوب تشہیر کرنا۔

سیدِ سجاد اور بناتِ علی و رسول اس نسبتِ عالی اور ظلم و تشدد کے ساتھ قیدی بنائی گئی تھیں کہ سننے والے انسان کے بدن کے رنگ گھٹے ہو جاتے ہیں۔ پتھر کا کلو بھی پگھل جاتا ہے۔ تاریخِ دنیا میں لڑائیاں ہوتی رہیں، عورتیں اور مرد قید بھی کر لئے گئے۔ مگر تاریخِ عالم کا کوئی دن نہ تھا کہ کوفہ و شام کے تشدد کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بے دردی اور ظلم سے کسی لڑائی میں کوئی فریق قتل نہیں ہوا۔ اور اس جور و جفا اور ذلت و رسوائی سے کسی مقتولِ جماعت کے پس ماندگان قید نہیں ہوئے۔

پھر سفر بھی مختصر نہ تھا۔ طویل سفر تھا کہ دینے والی منزلیں، اور نہ عربین قیس اور شمر ملعون ایسے سنگدل و بے رحم، بے رحم، بے رحم و ستم کی شدید ترین نگہانی اور ہر کوچ و مقام پر تشدد اور دھمکیاں، ان کی قوتِ قدیم، روحانی طاقت اور مقصد و نصب العین کی عظمت و شرافت نے اس شدید امتحان میں ان کی مدد کی اور قوتِ اداوی اور عزم و استقلال کو مضبوط و مستحکم رکھا۔

مستوراتِ بنی ہاشم کی روانگی اور زنانِ انصاری ہائی

کہ بلا میں بعض انصار و اصحابِ جنابِ امام مظلوم کے ساتھ ان کی مستورات بھی تھیں جنہیں بعدِ شہادت سید الشہداء، نساءِ بنی ہاشم کے ساتھ قید کر لیا تھا۔ کوفہ میں بڑے بڑے قبیلوں نے ابنِ زیاد کی حمایت کی تھی۔ اور انہیں قبائلِ کوفہ کی امداد پر ابنِ زیاد نے کہ بلا میں غاہری کامیابی حاصل کی۔ کوفہ کے وہ سردار جنہیں رفاقتِ سید الشہداء میں درجہ شہادت حاصل ہوا۔ ان کی انہیں قبائل کے ساتھ رشتہ داریاں اور خاندانی قرابتیں بھی تھیں۔ اس وقت ان کی مستورات کی قید قبائلِ کوفہ کو گوارا نہ تھی، چنانچہ انصاریہ کی عورتوں کو ان کے خاندان والوں نے سفارش کر کے کوفہ میں ہی رہا کر لیا تھا۔ چونکہ وہ کوفہ کی رہنے والی تھیں، اُن کے خاندان والوں کو درد پہنچا۔ مگر مدینہ کی رہنے والی شہزادیاں بے وارث ہو چکی تھیں اور ان کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا۔ ان میں کچھ رسولِ پاک کی نواسیاں تھیں۔ جنابِ بتولِ عظمیٰ کی بیٹیاں اور پوتیاں تھیں اور جنابِ ابوطالب کی اولاد کی مستورات و خدرات تھیں۔

ان کا کوئی سفارشی نہ تھا۔ جن کے ذریعے قیدیوں کو رہائش ملتی ایصلہً فاضلِ سادی نے "البصار العین" میں تحریر کیا ہے کہ بنی ہاشم کے سوا انصار و اصحابِ حسین کی مجیدہ مستورات کو جو کہ بلا سے زنانِ بنی ہاشم کے ساتھ قید ہو کر آئی تھیں۔ اپنے رشتہ دار اور اہلِ قرابت خاندانوں کی سفارش سے کوفہ ہی میں قید سے آزاد ہو گئی تھیں اور شام جانے والی صرف خاندانِ بنی ہاشم کی خدراتِ طاہرہ اور پردگیانِ عصمت تھیں۔ جو مدینہ سے ہمراہ جنابِ امام آئی تھیں، اسی طرح "وقائعِ ایامِ محرم" میں بھی مکتوب ہے۔

صوبتِ سفر

کوفہ سے شام طویل سفر اور دراز مسافت تھی۔ راستے میں کمی منزلیں آئیں، کسی منزل کو چلتے چلتے عبور کیا گیا اور کسی منزل میں قیام کیا۔ اتنے بڑے لمبے سفر میں ان سنگدل نگہانوں نے کسی مقام پر اہل بیتِ رسول کے ساتھ نرم سلوک نہیں کیا۔ جہاں کڑیوں کی اہمیت اور نت نئے اور طویل سفر کی تکلیف تھی، اس سے

بڑھ کر ان غلاموں اور شقیوں کا مشورہ اور نصیحتوں کے ساتھ تشدد آمیز رویہ تھا۔ ہر کوچ و مقام پر یہ ملعون و تم کا شہزادوں پر سختیاں کرتے۔

شمر ملعون اور زحر بن تبیس و زحر نوحہ جاکے ساتھ صحیح ہے گو بعض کتب میں جیم کے ساتھ لکھا ہے ایسے سنگدل ملعون تھے جنہوں نے ساری راہ ان بے وارث قیدیوں کو ستایا اور اذیتیں دیں۔

اہل بیت کے معصوم بچے اس کی مغویں شکل کہ یہہ آوازوں اور سختیوں سے غمزدہ گھبرائے ہوئے تھے۔ ان کی تمکبیں دیکھ کر سہم جاتے۔ منہ سے کوئی آواز نہ نکلتی۔ اور تلک ستانی مظلوم بیبیان خاموش رہ جاتیں۔ جناب سجاد تو ساری راہ تازیانے کھاتے گئے اور خاموشی سے آنا لباس فرط کیا کہ ان لنینوں سے تمام تک کوئی بات نہ کی۔ اور میر کے تلخ گھونٹ پیتے رہے۔

دیوار سے ایک ہاتھ کا برآمد ہونا

جب قیدیوں کا قافلہ کوفہ سے روانہ ہوا تو انہوں نے اس سفر کی پہلی منزل پر قیام کیا۔ وہ منزل غیر آباد تھی۔ انہوں نے ہر آدمی کو صندوق سے نکالا اور اپنے سامنے رکھا۔ ان حایان سر مطہر کا یہ دستور تھا کہ دوران سفر سر کو صندوق میں بند رکھتے۔ جب کسی منزل پر قیام کرتے تو صندوق کھول کر سر سامنے رکھتے۔ کسی دیوار پر یا کسی پتھر پر رکھ دیتے۔ اور کبھی کبھی جب خوف و خطر سے امن پاتے اور اہل شہر کو اپنا ہم خیال یا زید اور ابی زیاد کے پیروکار اور مطیع دیکھتے تو اس وقت سر پاک کو نیزہ پر سوار کر کے شہر میں پھرتے۔ اس منزل پر انہوں نے جناب فرزند رسول کے سر مبارک کو سامنے رکھا اور خود شراب خوری میں مشغول ہو گئے، اور مسرت و شادمانی کا اظہار کرنے لگے کہ یکایک سامنے والی دیوار پر ایک ہاتھ نکلا جس نے لوہے کے قلم کے ساتھ یہ شعر تحریر کیا ہے

اَسْرَجُوا اُمَّةً قَتَلَتْ حُسَيْنًا

شِفَاعَةً حَبِذَا يَوْمَ الْحِسَابِ

کیا وہ امت جس نے قتل حسین ایسے جرم کا ارتکاب کیا، قیامت کے دن اس کے ناماں شفاعت کی امید رکھ سکتی ہے؟

یہ اشتیاق اس واقعہ سے اس قدر گھبرائے اور غم زدہ ہوئے کہ قیام نہ کیا اور آگے چلے گئے۔

انبیاء و ملائکہ کا سر حسین کے پاس آنا

ابن کثیرؒ ایک محدث اور تاجی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ میں خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول تھا، ایک شخص کو دیکھا جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا: ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَمَا أَرَيْكَ فَاعِلًا“ خدا یا مجھے بخش دے، لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ تو مجھے نہیں بخشنے گا، ابن ہشیم نے کہا: ”يَا عَبْدَ اللَّهِ إِنَّكَ اللَّهُ وَلَا تَقُلْ مِثْلَ ذَٰلِكَ“ اے بندہ خدا! خدا سے ڈر اور ایسی بات نہ کہہ کیونکہ اگر تیرے گناہ بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں کے برابر بھی ہوں اور تو خدا سے مغفرت کا طالب ہو تو وہ تجھے بخش دے گا کیوں کہ وہ غَفُورٌ رَحِيمٌ ہے۔

ابن ہشیم کی بات سن کر اس شقی نے کہا: میرے قریب آ، میں تجھے اپنے گناہ کا قصہ سناتا ہوں۔ ابن ہشیم اس کے قریب گیا۔ اور اس شقی نے اپنا واقعہ بیان کیا۔

ہم بچاس آدمی تھے جو بعد شہادتِ فرزندِ رسول حسین ابن علی کا سر لے کر کوندہ سے دمشق روانہ ہوئے میں بھی ان میں شامل تھا کہ رات کے وقت سر مقدس کو ایک صندوق میں بند کر کے شراب نوشی میں میرے ساتھی مشغول ہوئے اس رات میں نے شراب نہیں پی۔ لیکن میرے ساتھی شراب کے نشہ میں بدمست ہو گئے۔ جب رات کی تاریکی خوب چھا گئی تو میں نے بجلی کے چمکنے اور کڑکنے کا آواز سنی اور دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور حضرت آدم، نوح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور ہمارے پیغمبر اکرم (علیہم الصلوٰۃ والسلام) نازل ہوئے اور ان کے ساتھ جناب جبرئیل اور بہت سے فرشتے بھی تھے۔ جناب جبرئیل نے صندوق کا قفل کھولا اور سر مقدس کو باہر نکالا۔ اس سر کو اپنے سینہ، مقامِ قلب و جگر سے لگایا اور بوسہ دیا۔ اس کے بعد ان انبیاء نے جو نازل ہوئے تھے، باری باری سر کو اپنے سینوں سے لگایا اور ساتھ ساتھ بوسے لٹے اور بہت روئے، ان کے بعد جناب محمد مصطفیٰ نے سر کو گود میں لیا۔ بوسے بھی لیتے تھے اور بہت روتے تھے۔ انبیاء ان کو تعزیت کرتے اور رورور کر فرزند کا پرہ سادیتے۔ جناب رسالتؐ و ارشادِ تامم حسینؑ تھے۔ درمیان میں حسین کا سر تھا اور اس پاس اولوالعزم پیغمبرؐ رورہے تھے۔ اتنے میں جناب جبرئیل نے جناب پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا: ”رَأَيْتَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَمَرَنِي أَنْ أُطِيعَكَ فَإِنْ أَمَرْتَنِي ذُلْتُ رَبِّي ذُلْتُ بِهَذَا الْأَذَى وَحَبَلْتُ غَالِيَهَا سَافِلَهَا كَمَا فَعَلْتُ بِقُحُوطٍ“ اے محمد! اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کی امت کے بارے میں آپ کی فرمانبرداری کروں، اگر آپ مجھے حکم دیں تو ان ظالموں اور ملعونوں پر

نہیں کو الٹ دوں، اور ان کو ہلاک و برباد کر دوں۔ جس طرح میں نے قومِ لوط کے ساتھ سلوک کیا تھا۔ جناب محمد مصطفیٰؐ نے فرمایا: **فَإِنَّ تَكْلَمَهُ مِثْلِي مَوْقِفَابَيْنِي يَدِي اللَّهُ تَعَالَى إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ**۔ جبرئیل! ایسا نہ کرنا۔ میں اپنا حساب کتاب ان ظالموں کے بارے میں قیامت کے دن پیش کر دوں گا۔ پھر وہ فرشتے ہمیں قتل کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ میں نے کہا: **أَلَا مَأْنِ الْكَأْمَانِ يَا رَسُولَ اللَّهِ** پھر ہمارے پیغمبر نے فرمایا: **إِذَا حَبَبٌ فَلَا حَقَّ لِلَّهِ لَكَ** جاؤ اور ہر جا خدا تجھے کبھی نہ بخشے۔ یہ قسم بیان کرنے کے بعد اس شخص نے کہا کہ اس صورت میں مجھے بخشش کی کوئی امید ہے؟

قطرہ خون کا کرشمہ

جب عاملانِ سرِ موصل کے قریب پہنچے تو ان اشیاء نے حاکمِ موصل کو کہلا بھیجا کہ وہ ان کے قافلہ کے لئے اور قافلہ کی سواریوں کے لئے کھانے پینے اور چارہ کا انتظام کرے اور رہائش کا بندوبست کرے۔ یہ لوگ جب بڑے شہروں کے پاس آئے تو حاکمِ شہر کو رہائش اور خورد و نوش کے انتظام کے لئے پیغام بھیجتے۔ چنانچہ حاکمِ شہر نے تو ان کی درخواست منظور کر لی مگر موصل شہر کے لوگوں نے ان بد ذات لوگوں سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ چنانچہ ان لوگوں نے شہر باہر ایک فرسخ دور ایک پہاڑ کے دامن میں قیام کیا۔ حاکمِ شہر نے ان کیلئے طعام اور ضروریات باہر شہر سے بھجوا دیئے۔ خاندانِ محمد مصطفیٰؐ کی مستورات اور قیدی بچوں نے بھی وہیں قیام کیا۔ کیونکہ جہاں نگہانوں کا قیام ہوتا وہیں ان کے پابندِ قید یوں کو دہنایا جاتا۔ مگر جو آرام و سکون اور سامانِ خورد و نوش اپنے لئے ہتیا کرتے مستوراتِ آلِ محمدؐ اور یتیمانِ خاندانِ رسالت ان سہولتوں سے محروم رہتے۔ وہی سلوک کرنے جو گھٹیا اور پست خاندان کے قیدیوں سے کیا جاتا ہے۔ اس جگہ مولاؑ نے مظلوم کا سراںہوں نے ایک پتھر پر رکھا۔ سرے خون کا ایک قطرہ پتھر پر گرنا۔ اس وقت قافلہ تو وہاں سے چلا گیا مگر خونِ پاک کا وہ قطرہ اپنا اثر دکھا گیا۔ ہر سال روزِ عاشور اس مقام سے خونِ جوش مار کر آتا۔ مظلوم کے خون نے گرد و نواح کے لوگوں کے دل مائل بہ ماتم کر دیئے۔ لوگوں پر شہادتِ حسین کی حقیقت آشکار ہو گئی۔ لوگ اس قطرہ خون کا کرشمہ دیکھنے کیلئے آئے۔ دل کھول کر گریہ و بکا کرتے۔ مراسمِ عزاء بجالاتے۔ اور جنابِ سیدہِ مادرِ حسین کو کربلا کے شہیدوں کا پر سا دیتے۔ یہ سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ اور اس مقام کو ایک عزاء خانہ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ عبدالملک بن مروان نے اپنے زمانہ حکومت میں وہ پتھر وہاں سے اٹھوا کر کسی اور مقام پر فائب کر دیا۔ مگر خون کا جوش مار کر اپنا تو موقوف ہو گیا کیونکہ پتھر فائب کر دیا گیا تھا۔ مگر عزاء داری قائم

رہی وہاں عزا داروں نے ایک گنبد بنا دیا جو ”مشہد النقطہ“ کے نام سے مشہور ہوا۔

دیرِ راہب

سر کا اعجاز

کتاب ”الدرعۃ السکیہ“ اور بعض کتب قدیمہ میں ابو سعید شامی سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ میں ان لوگوں کے ہمراہ تھا جو ابن زیاد کے حکم سے شہداء کو بلا کے سر اور مستوراتِ بنی ہاشم کو شام لے جا رہے تھے۔ یہ لوگ جب ایک راہب نصرانی کی عبادت گاہ کے پاس پہنچے تو انہیں خبر ملی کہ ایک شخص ”نصر خدائی“ نے لشکر جمع کیا ہے اور تم پر رات کے وقت حملہ کر کے تم سے شہداء کے سر اور اسیرانِ اہل بیتِ محمد چھین لے گا۔ اس خبر سے روسا قافلہ میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ انہوں نے دیرِ نصرانی میں رات کے وقت پناہ پکڑ لینے کی تجویز کی۔ وہ دیر مضبوط تھا اور حملہ سے محفوظ مقام تھا۔ چنانچہ انہوں نے دیر کے راہب سے درخواست کی کہ رات وہ اپنے گرجا میں گزارنے کی اجازت دے۔ اس نے جواب دیا کہ میرے عبادت خانے میں اتنے آدمیوں کی گنجائش نہیں۔ اگر تمہیں حملہ کا خطر ہے اور قیدیوں اور سروں کے چھن جانے کا ڈر ہے تو اسیروں اور سروں کو میں اپنے دیر میں جگہ دیتا ہوں۔ اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری بھی لیتا ہوں۔ اگر حملہ آدر آجائے تو تم اس سے لڑنا اور قیدیوں اور سروں کی طرف سے تم مطمئن رہو وہ محفوظ رہیں گے۔

راہب کی اس تجویز کو ان ملاعین نے قبول کر لیا۔ خود دیر سے باہر رہے اور سر ہائے شہداء اور اسیرانِ کربلا دیر میں چلے گئے۔ جناب سید الشہداء کا سر صندوق میں بند کر کے اندر رکھ دیا گیا۔ وہ راہب بیان کرتا ہے کہ رات چھا چکی تھی، اندھیرا پھیل گیا۔ شب کافی گزر چکی تھی میں حیرانی میں ڈوبا ہوا سوچ رہا تھا کہ یہ کون قیدی ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں اور یہ سر کن کے ہیں؟ کیا ان قیدیوں کا کوئی وارث نہیں؟ ان سروں کا کوئی مالک نہیں جو ان سروں کو بدنوں کے ساتھ دفنانے قیدیوں کو رہا کرالیتے؟ یہ بے وارث ہیں؟ یہ سوچ کر وہ اٹھے اور ایک روشندان سے اس نے صندوق کو دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ جس کمرے میں وہ صندوق ہے۔ بغیر چراغ کے روشن ہے اور بغیر تبدیل کے بقیعہ نور بنا ہوا ہے۔ اس صندوق سے نور کی شعاعیں بلند ہو رہی ہیں۔ یہ ایک انوکھا واقعہ تھا اور اس کے فہم و ادراک سے بلند، حیران کھڑا دیکھ رہا ہے اور قدرت کے کرم پر تعجب

کہہ رہا ہے۔ اتنے میں اس کمزور کی چھت خشکافہ ہو جاتی ہے۔ ایک نورانی عمارت نازل ہوئی۔ جس میں چند مستورات ہیں۔ اچانک آواز آئی "اَطْرُقُوا اِلَآئِہٖ ظُنُّوْا"۔ "سر جھکا لو اور نظریں نیچی کر لو" ان عورتوں کے رونے کی آوازیں سننا رہا۔ ہر عورت نے سر کہہ گود میں لیا۔ اور اس کے پورے نے کہہ گریہ و بکا کیا۔ آخر میں ایک مستور نے دردناک آواز میں کچھ اس قسم کے بین کئے کہ میرے عبادتِ خدا کی دیواریں لرزتی تھیں۔ غصا سو گوار معلوم ہوتی تھی۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ بی بی اس مظلوم سر کی ماں ہے۔ اور اس کا بیٹا نہایت بے دردی سے مارا گیا ہے۔ وہ بیبیاں ماتم کر کے چلی گئیں۔ نصرانی اس کمرے میں داخل ہوا۔ آخر پڑھا کھٹا تھا۔ سمجھ گیا کہ کسی مقدس اور مقرب انسان کا سر ہے۔ نبی ہے یا ولی ہے۔ اس نے صندوق کا قفل کھولا اور سر نکالا۔ اس مقدس سر کو اس نے عزت و احترام سے غسل دیا۔ کافر سے خطوط کیا۔ خوشبو لگائی، پھر اپنے سامنے رکھ کر دُعا فرمائی اور اسی طرح اس سر سے خطاب کیا۔ فرطِ محبت اور شدتِ درد و الم سے آنسو بہا کر کہنے لگا۔ "تو بنی آدم کے کس عظیم فرد کا سر ہے؟ اے کریم مجھے بتا تو کون ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تو شہیدِ راہِ خدا ہے۔ تو ان لوگوں میں سے معلوم ہوتا ہے جن کی مدح خدا نے توراۃ اور انجیل میں کی ہے۔ تو روحانی منزلت اور ربانی قوت کا مالک معلوم ہوتا ہے۔ جس پر نساء آسمان اتار کر ماتم کریں۔ تو وہ عظیم الشان انسان ہے۔ مجھے اپنا تعارف تو کر اے۔ حسن اتفاق سے آج تو میرا مہمان ہے۔ تو نے مجھے شرفِ میزبانی بخشا۔ نزلے شہید، نزلے مہمان مجھے اپنے نام و مقام سے آگاہ تو کر۔" راہب کا بیان ہے کہ وہ سر مقدس قدرتِ خدا سے گریا ہوا۔ "اَنَا الْمَظْلُوْمُ" اَنَا الْمَہْمُوْمُ، اَنَا الَّذِیْ بِسِیْفِ الْعَدُوِّ وَالظُّلْمِ قُتِلْتُ۔ اَنَا الَّذِیْ بِحَرْبِ اَہْلِ الْبَغِیِّ ظَلَمْتُ" نصرانی نے کہا یہ تو آپ پر ظلم ہوا۔ بے شک آپ مظلوم ہیں۔ لیکن اپنا نام و نسب تو بیان کریں۔ سرِ اطہر سے آواز آئی "اَنَا ابْنُ مُحَمَّدٍ الْمَصْطَفٰی اَنَا ابْنُ عَلِیِّ الْمُرْتَضٰی اَنَا ابْنُ خَاطِمَةِ السَّرْحِ اَنَا ابْنُ خَدِیجَةِ الْکُبْرٰی اَنَا شَہِیدُ کَرْبَلَا اَنَا قَتِیلُ کَرْبَلَا اَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ" نصرانی پہچان گیا کہ یہ نواسہ رسول اور فرزندِ علی و رسولِ حسین کا سر ہے جو معرکہ کربلا میں شہید ہوا۔ اس راہب نے اپنے تمام شاگردوں اور اہلِ دیر کو اکٹھا کیا۔ واقعہ بیان کیا اور سراسر تقدس کی کرامت اور نواسہ رسول کی شہادت سے انہیں دینِ حقانیت ظاہر ہو گئی، کلماتِ شہادت ادا کئے اور عیسائیت ترک کر کے دینِ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جنابِ امامِ زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، دینِ اسلام قبول کیا۔ سروں سے گھنٹیاں تار دیں۔ گمہ بیان چاک کئے۔ گمہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ بتول کے مظلوم فرزند پر ماتم کیا۔ پہلے وہ عیسائیوں کا عبادت خانہ تھا اب وہ بتول کے لال کا عزا خانہ بن گیا۔ اس طرح اس شہیدِ اعظم کے مقدس سر

کی کرامت سے عیسائیوں کا بہت بڑا عالم اپنے شاگردوں سمیت حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اور بتوں کے
فرزند کا ماتم دار بن گیا۔

اظہار طاعت و اظہار نفرت

چونکہ سفر طویل تھا۔ راستے میں کئی منزلوں پر قیام کرنا، سپاہِ ابن زیاد کا دستور تھا کہ جب کسی
بڑے شہر کے قریب پہنچتے تو اس کے حاکم کو کہلا بھیجتے کہ ہم تیرے شہر میں آج قیام کریں گے۔ ہمارے
کھانے پینے، رہائش کا انتظام کرنا نیز ہماری سواریوں کے چارے دانے کا بھی انتظام کرنا۔ ہم ابن زیاد کے
آدمی ہیں۔ ہم نے کربلا کی جنگ فوج کی ہے۔ مخالفین مارے گئے ہیں۔ اور ان کی پس ماندہ عورتیں اور ان
کے معصوم اور یتیم بچے قید کر لئے۔ چنانچہ یہ قیدی اور مقتولین کے سر ہم امیرِ یزید کے پاس تمام
لے جا رہے ہیں۔ اس واسطے ہماری شب بانشی کا انتظام کریں۔ مختلف منازل پر مختلف ردِ عمل کا اظہار
کیا گیا۔ بعض بے ضمیر حاکم و شہریوں نے فوجِ یزید کا خیر مقدم کیا۔ ان کا خوشی و مسرت اور شان و عزت
کے ساتھ استقبال کیا۔ یزید کی خوشی میں اپنی خوشی ملا کر اس سے محبت اور اطاعت کا اظہار کیا۔ اپنی
خوشامد اور دنیا پرستی اور یزیدی ہوا خواہی کا ثبوت دیا۔

بعض اہلِ دل غیور شہریوں نے ظالم و بے دین لشکریوں سے اظہارِ نفرت کیا۔ ان کے ظالمانہ افعال و
کردار اور کافرانہ اقدامات کی ان کے سامنے مذمت کی، جوہنی انہوں نے قیدی مستورات اور سر ہائے
شہداء کو دیکھا تو خاندانِ محمد پر درود و سلام پڑھا۔ اور ملازمین کو فہ و شام پر لعنت بھیجی۔
ہم ان کا مختصر تعارف قارئین و سامعین کو کراتے ہیں۔

ابنِ مکریت۔ تکمیل کے حاکم نے اطلاع ملتے ہی خوشی کے شادیاں بجا لے، جھڈے فضا میں لہرائے۔
بازار سنبلائے۔ ہر بستی اور ہر قبیلہ کے مردمان کو اکٹھا کیا اور ایک بھاری جمعیت کے ساتھ سردارانِ فوج
ابن زیاد کا استقبال کیا۔ ان کی خاطر و تواضع کی کہ یزید کو میری طاعت گزاری کی رپورٹ پیش کریں گے اور
اور یہ ظالم بادشاہ خوش ہو کر مجھے انعام دے گا۔ اگر کوئی آدمی ان سے پوچھا کہ یکس کا سر ہے اور کس ملک کے
قیدی ہیں۔ تو ظالم جواب دیتے کہ ایک خدا جی نے حاکمِ وقت امیرِ یزید سے بناوت کی تھی۔ وہ مارا گیا۔ یہ
اس باغی کا سر ہے۔ اور قیدی اسی کے خاندان کی مستورات ہیں۔ جب تک یہ ہیں وہ لوگ۔ اس قیدی غلط
باتیں اور الزامات کا ذبہ بیان کر رہے تھے۔ ایک نصرانی یہ باتیں سن رہا تھا۔ اُس نے کہا کہ میں اس وقت کو فہ
میں موجود تھا۔ جب یہ سر اور قیدی شہر میں وارد ہوئے۔ میں نے تحقیق کی ہے، یہ غلط بات ہے کہ نہ

سُربے۔ یہ تو حسین بن علی کا سُربے۔ نواسٹر رسول اور فرزندِ علی و بتول ہے مسلمانوں! جس پیغمبر کا تم کو لہ پڑھتے ہو اس کا نواسہ ہے۔ جب نصرانیوں نے حقیقتِ حال سنی تو انہوں نے ناقوس بجاکر اپنی قوم کو اکٹھا کیا۔ انہوں نے اپنے عبادت خانے بند کر دیئے، اور کہا کہ اے اللہ! اے ہمارے معبود و سردار! ہم اس قوم سے بری ہیں، بیزار ہیں۔ جو اپنے نبی و رسول کی ذیت کے مرقع قتل کرتی اور اس کی عورتوں کو قید کرتی ہے۔

۲. **عسقلان :** جب شہرِ عسقلان کے قریب پہنچے تو انہوں نے امیرِ عسقلان کو اطلاع دی۔ اس کا نام یعقوب عسقلانی تھا۔ اس نے زیبا لشکرِ شہر کا حکم دیا۔ دف و ظنبر اور آلاتِ لہو و لعب بجلنے، خوشی و مسرت کے نغمے گانے اور کامیابی و شادمانی کا جشن منانے کی تاکید کی۔ حسبِ الحکم خوشیاں ہونے لگیں، زن و مرد اکٹھے ہونے لگے، اور شرابِ خوشی کا دُور چلا، معلوم ہونا چاہیے کہ جب کوئی کینہِ خوشی و مسرت کا اظہار کرتا ہے تو شرابِ نوشی، لہو و لعب اور افعالِ شنیعہ نیز فحشاء و منکہ میں مشغول ہو جاتا ہے۔ یہ فاسق و ناجائز لوگ ہر منزل پر اس قسم کی خوشیاں مناتے تھے۔ ایک تاجرِ شخص ہے، اس کا نام "وزیر الخزانہ" ہے، اس نے یہ اجتماع دیکھا۔ وہاں جا کر یہ عجیب حالات اس کے سامنے آئے۔ اس نے خوشی کا سبب اور جشنِ مسرت کی وجہ دریافت کی، اسے یہی جواب ملا کہ باغی مار گیا، اور اس کا سر اور اس کے ساتھیوں کے سر ہیں اور ان کا کتبہ قیدی ہے۔ نام دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کا نام حسین ہے۔ ماں فاطمہ زہراؑ بھائی حسنؑ، عقیلی، بابا علی مرتضیٰ اور نانا محمد مصطفیٰ ہے۔ یہ سننا تھا کہ وزیر الخزانہ کی نظریں دنیا تارک ہو گئی۔ اس کے بدن کا بند بند کاٹنے لگا، وہ سمجھ کر کہ خاندانِ پیغمبر تباہ و برباد ہو گیا۔ اور جناب زہراؑ کا گھروں سے ہو گیا۔ قیدیوں کے پاس آیا آہ و بکا کرتا ہوا۔ جناب سجاد کو نظر آیا، مولانا نے فرمایا: "اے بندہ خدا! ساری دنیا خوش ہے، تو رو رہا ہے، لوگ مسرور ہیں تو محزون ہے (جب ان صبر آزماتِ مسافروں، دکھ بھری منزلوں اور دشوار گزار راہوں میں کوئی غم گین اور سوگوار نظر آتا ہے۔ جناب سجاد کو ان سے محبت ہوتی اور دل کے غم کا بوجھ ہلکا ہو جاتا، وہ پُرسا اور تعزیت ادا کرتا۔ جناب سجاد آنسو بہا کر دل کو طحت ویتے) وزیر الخزانہ نے جواب دیا کہ مولانا مجھے تو اس خبر سے صدمہ عظیم پہنچا ہے میرا جگہ چٹ گیا ہے، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ حَاجَۃً، مولانا کوئی حاجت بیان کیجئے تاکہ اس حالتِ امیری اور عالمِ غربت میں آپ کی کدِ خدمت کر سکوں۔ جناب سید سجاد نے فرمایا تیرے دل میں ہماری معرفت و محبت معلوم ہوتی ہے۔ اتنا کہ کہ جس کے ہاتھ میں میرے بابا کا سر ہے، اے کہہ دے کہ اس سر اور سر ہائے شہداء کو ہماری متواتر کے آگے آگے رکھے تاکہ لوگ ان سروں کا تماشا دیکھنے میں مصروف رہیں اور ہماری متواتر ان تماشا بین لوگوں کی نگاہوں سے بچ سکیں۔

وزیر الخزانہ نے حاملِ راس کو کچھ درہم و دینار دیئے۔ اور وہ سر کو آگے لئے گیا۔ اوباش لوگ سروں کو دیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ اور خدرا ت اہل بیت اس کے بناک منظر سے کسی قدر محفوظ ہو گئیں۔ اس کے بعد وہ مومن مولائی جناب سجاد کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی مولا! کوئی اور خدمت، امام نے فرمایا کہ اگر تیرے پاس کچھ چادریں ہوں تو ہماری مستورات کو سر ڈھانپنے کے لئے لادے، اس مردِ مومن الخزانہ نے ہر مستور کے لئے چادر اور امام پاک کے لئے عمامہ پیش کیا۔ اتنے میں بازار میں شور و غل ہوا۔ اس کی نظر شمر لعین پر پڑی۔ اس نے شمر لعین کی گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا: "خالم! تجھے کچھ خوفِ خدا نہیں، تو نے کس کا سرنیرے پر اٹھایا ہوا ہے؟ یہ کس کی مستورات ہیں، جنہیں بے پالان اڈٹوں پر قیدی بنا کر بازار میں پھرا رہا ہے؟ خدا تجھے اندھا کرے اور تیرے ہاتھ کاٹ ڈالے، تجھے کچھ شرم نہیں؟ یہ سننا تھا کہ شمر لعین آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے اپنی فوج کے آدمیوں کو پکارا۔ جنہوں نے اس مومن مولائی کو اس قدر مارا کہ قندتِ ضرب سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ یہ بے ہوشی کے عالم میں پڑا رہا۔ ظالموں نے سمجھا کہ مر گیا ہے۔ قافلہ چلا گیا اور یہ مضروب و زخمی مومن ہوش میں آیا۔ جب رات ہو گئی اور اندھیرا چھا گیا تو اُٹھتا بیٹھتا وہاں سے روانہ ہوا۔ کبھی گھٹنوں کے بل چلتا، کبھی زمیں پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھتا۔ آخر یہ ایک مسجد میں پہنچا جسے "مسجدِ سلیمان النبی" کہا جاتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ سر پر تہ نہ گریبان چاک، بقلبِ فکار و بادیۃ اشکبار ماتم کر رہے ہیں۔ وزیر الخزانہ نے پوچھا کہ لوگ تو خوشنماں کر رہے ہیں اور تم لوگ مصروفِ ماتم ہو۔ انہوں نے کہا۔ اگر تو ہم میں سے ہے تو ہمارے ساتھ شریکِ ماتم اور شاملِ گریہ و بکا ہو جا۔ وزیر الخزانہ نے اپنا دروناک قصہ بیان کیا اور بدن کے زخم دکھائے، وہ لوگ حسینِ مظلوم اور ان کے اہل بیت کی مصیبت پر روتے رہے اور یہ مردِ مومن ان کے ساتھ شاملِ گریہ و بکا رہا۔

غنی نہ رہے کہ شام کے راستے میں جتنے بڑے شہر آئے، ان ظالموں نے سر ہائے شہداد اور مستورات کو بازار میں تشہیر کے لئے گزرا اور ان کا دل دکھانے کے لئے شہر اور بازار سجائے گئے۔ اور فتح کے جشن منائے گئے۔ یہ مسلمانوں کی حالت تھی۔ راستے میں جتنے عیسائیوں کے دیر آئے اور نصرا نیوں کی بستیاں آئیں۔ انہوں نے خاندانِ رسالت کے ساتھ سچی ہمدردی ظاہر کی، کئی ایک راہب کراماتِ سر مطہر دیکھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ چونکہ شام میں عیسائیوں کی کافی آبادی

تھی۔ کئی بشتیاں اور عبادت خانے تھے۔ اسکا واسطے صرف ایک راہب کا قیدہ نہیں، بلکہ کئی راہبوں کے واقعات ملتے ہیں جنہوں نے اہل بیت رسول کی راہ میں آنکھیں بچھائیں، اور عزت و تکریم کی، مگر مسلمانوں نے پتھروں، طعنوں اور زبان درازی سے سادات کا استقبال کیا۔

راہب کا واقعہ

الخصائص میں مذکور ہے کہ جب ملائین نے ایک منزل میں قیام کیا۔ تو انہوں نے سر مقدس کو نیزے پر سوار ایک دیدار کی دیوار کے ساتھ لکھ دیا۔ جب رات کافی گزر گئی اور پہریداروں کے سوا سب لوگ سو گئے تو راہب نے دیکھا کہ سر مقدس سے نور کی شعاعیں پھوٹ کر آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں اور سر اقدس سے تسبیح و تہلیل کی آواز آرہی ہے۔ اور غیب سے کوئی شخص السَّلَامُ عَلَیْكَ یا ابا عبد اللہ کہہ رہا ہے۔ تو وہ راہب یہ عجیب و غریب نظارہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اُس نے جھانک کر پہرہ داروں سے دریافت کیا کہ تم کون کون لوگ ہو؟ اور یہ سر مبارک کس ہستی کا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ابن زیاد عامل کوفہ کے آدمی ہیں۔ اور سر لے کر دمشق یزید کے پاس جا رہے ہیں۔ اور یہ سر حسین ابن علی کا ہے، جس کا نام محمد مصطفیٰ اور ماں فاطمہ زہرا ہے۔ راہب نے پوچھا اس محمد مصطفیٰ کا نواسہ ہے جو تمہارا پیغمبر ہے اور جس کا تم لوگ کلمہ پڑھتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا "ہاں وہی" راہب نے جواب دیا: بِشَى الْهُدُومِ اَشْتَمُ كَذَّابًا لِلْمَسِيحِ وَكَذَّابًا سَكَنَاهُ عَلٰی اَحْدَا قَنَا۔ تم بہت بُری قوم ہو، اگر حضرت عیسیٰ کا کوئی فرزند ہوتا تو اُسے ہم آنکھوں پر بٹھاتے، اسی لئے آسمان سے خون برسنا رہا۔ یہ سر کسی نبی کا یا وصی کا ہے۔ اس وقت راہب نے کہا، یہ سر مجھے صبح تک دے دو اور اس کے بدلے دس ہزار درہم تم مجھ سے لے لو۔ جب تم کو سچ کرنے لگو تو یہ سر مجھ سے لے لینا۔ انہوں نے راہب کی پیش کش قبول کر لی۔ راہب نے اسے غسل دیا۔ خوشبو لگائی، اور اپنی گود میں رکھ کر ساری رات روتا رہا۔ جب صبح نمودار ہوئی تو اُس نے سر سے خطاب کیا: اے مقدس و مطہر سر اس وقت میں سوائے اپنی ذات کے کسی نئے کاماک نہیں۔ میں تیری کرامت راہ حق میں شہادت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرے گا۔ پھر اس نے کلمہ شہادتین پڑھا۔ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں آپ کے جبراً محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں آپ کا غلام ہوں، یہ کہہ کر اُس نے سر ان لوگوں کے حوالے کر دیا۔

پھر وہ اپنا دیر چھوڑ کر پہاڑوں میں چلا گیا۔ اور وہیں عبادت کرتے کرتے راہی ملک بقا ہوا۔ جب یہ ملائین دمشق کے پاس پہنچے تو کہا کہ لاؤ وہ مال جو راہب سے ملا تھا باہم تقسیم کر لیں، جب تعمیلاں کھولی گئیں تو وہ درہم ٹھیکریاں بن چکے تھے جن کی ایک جانب تحریر تھا: لَا تَحْسِبَنَّ اللَّهُ تَعَالَى غَافِلًا عَمَّا يُعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۝ اور دوسری جانب منقوش تھا: وَ سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۝

مخص بہ شام کے راستے میں ایک شہر آتا ہے۔ اس کے حاکم کو اطلاع ملی، اس کا نام حن لدین نشیط تھا۔ اس نے شہر کی "آئینہ بندی" کی۔ جھنڈے بلند کئے، لوگوں کو جمع کیا۔ اور تین میل استقبال کے لئے آگے بڑھا۔ جب یہ قافلہ شہر کے دروازہ پر پہنچا تو عام لوگوں کو جب حقیقت حال معلوم ہوئی اور اہل بیت رسول کی زبوں حالی دیکھی، تو انہوں نے بے دین فوج اور لشکرِ اشقیاء کی مزاحمت کی، ان ناپاک لوگوں کو شہر میں داخل ہونے سے روکا، کچھ لڑائی بھی ہوئی، ابن زیاد کے کچھ سوار مارے بھی گئے۔ انہوں نے دروازے بند کر لئے، اور سپاہ ابن زیاد کی طرف رخ کر کے کہا: "اَكْفُرُوا بَعْدَ اِيْمَانٍ اَمْ ضَلَلْتُمْ اَبْغَدَ هُدًى" کیا ایمان کے بعد کفر ہے یا ہدایت کے بعد گمراہی، آخر یہ ملائین رسوا ہو کر وہاں سے چلے گئے۔

بَعْلَبَكْتُ :- اس شہر کے حاکم نے بھی زیدی ہوا خواہ ہونے کا ثبوت دیا۔ اور پورا شہر سجا یا۔ نحو شیاں منائیں۔ اور چھ میل شہر سے دور ان ملائین کا استقبال کیا۔ اور عمدہ قسم کے کھانے اور تحائف ان کو پیش کئے، جناب اُمّ کلثوم نے جب شہر کا نام دریافت کیا، تو لوگوں نے "بعلبک" بتایا۔ جناب اُمّ کلثوم نے بدو عادی کہ خدا ان کی کثرت کو ہلاک کرے، ان کی آبادی کو برباد کرے ان کے پانی کو میٹھا نہ کرے۔ اور ظلم وجود میں یہ لوگ مبتلا رہیں۔

"نصیبین" اس شہر کا حاکم منصور بن ابیاس تھا۔ اس نے اطلاع ملتے ہی شہر کو سجا یا اور ہر قسم کی مسرت ظاہر کرنے کا حکم دیا۔ جب حاملِ سر مبارک شہر میں داخل ہونے لگا تو اس کے گھوڑے نے شہر میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ اُس نے دوسرا گھوڑا تبدیل کیا۔ اس انکار کر دیا۔ اس اثناء میں سر مبارک نیزہ سے زمین پر گر پڑا۔ ایک شخص "ابراہیم موسیٰ" نے بڑھ کر سر مبارک اٹھایا جب اس نے غور سے دیکھا تو اُسے فرزندِ رسول حسین ابن علی کا سر نظر آیا۔ اُس نے اپنی ظلم بے دینیوں کو لعنت ملا مت کی، جس کے بدلہ میں ان ستم شعاروں نے جناب "ابراہیم موسیٰ" کو شہید کر دیا۔ وہ لوگ سر مبارک شہر میں نہ لے جاسکے۔ باہر ہی رہے۔ اور جس جگہ سر مبارک گر تھا، وہاں مزار اور مشہد

بنا ہوا ہے۔ جسے "مسقط الراس" کہتے ہیں۔

کفر طاب :- شام کی راہ کی ایک منزل ہے، وہاں ایک چھوٹا سا قلعہ ہے۔ اسی ضلع والوں نے دروازے بند کر دیئے۔ اور ان بے دین ملائین کو داخل شہر ہونے سے روک دیا تھا۔ جب ان ملائین نے ان سے پانی طلب کیا تو انہوں نے کہا کہ کس منہ سے پانی مانگتے ہو۔ ابلا رسول اور ذریت رسول کو کنارہ دریا تم نے پیسا رکھا۔ ان پر پانی بند کیا۔ پیسا شہید کیا۔ خدا کی قسم! ایک قطرہ پانی کا تمہیں نہ دیں گے۔ بے حیاء فرما چلے جاؤ۔ چنانچہ بے شرم و بے حیاءوں سے چلے گئے۔

سیبور :- یہاں بھی انہیں لعنت و ملامت کی گئی۔ اور شہر کے دروازے بند کر کے لوگوں نے انہیں داخل ہونے سے روک دیا۔ اس شہر میں ایک بوڑھے آدمی نے عثمان بن عفان کے ہاں حاضری دی ہوئی تھی۔ شہر کے بوڑھوں اور جوانوں کو جمع کر کے کہا کہ میری قوم فتنہ و فساد بڑی چیز ہے اور یہ سر تمام بڑے شہروں میں پھرا گیا۔ وہاں کسی نے مزاحمت نہیں کی۔ تم کیوں روکتے ہو۔ شہر سے گزرنے دو۔ جوانوں کے تیور بدلے، غیرت نے جوش مارا۔ اسلامی حجت پھٹک اٹھی، انہوں نے کہا۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ قاتلان حسین خوشیاں مناتے ہوئے رسول کی بیٹیوں کو قید کر کے ہمارے شہر میں داخل ہوں۔ وَاللّٰہُ ایسا ہرگز نہ ہونے دیں گے۔ انہوں نے تمت کر کے شہر سے باہر عبور کرنے کا پل توڑ دیا۔ سپاہ ابن زیاد نے ان غیور جوانوں پر حملہ کر دیا۔ خون ریزہ معرکہ ہوا۔ ابن زیاد کے بہت سے سوار داخل جہنم ہوئے۔ اور ان جوانوں میں سے پانچ سو سوار شہید ہوئے۔ لیکن ان ملائین کو پل توڑ کر داخل ہونے سے روک دیا۔

جناب اُمّ کلثوم نے اس شہر کا نام دریافت کیا تو جواب ملا کہ اس کا نام "سیبور" ہے جناب نے دعائے خیر فرمائی۔ "پروردگار! ان کے پانی کو ٹھنڈا دیکھا کر، اشیائے خورد و نوش عام اور ارزاں کر۔ اور ان کو ظلم و جور سے مصئون و مأمون رکھ۔"

حماة :- جب ملائین کا قافلہ شہر "حماة" پہنچا تو ان لوگوں نے بھی دروازے بند کر دیئے۔ ان کو داخلہ سے روک دیا اور نعد شہر کی دیوار پر چڑھ گئے۔ اور فوج اختیار سے کہا کہ بخدا ہم تم نجس آدمیوں کو اپنے شہر میں ہرگز نہ داخل ہونے دیں گے۔ تمہارا گزرا ہماری لاشوں پر سے ہوگا جب اہل شام نے ان لوگوں کا عزم دیکھا، وہاں سے چلتے بنے۔ نفس المہوم میں ہے کہ ایک صاحب قتل نے بیان کیا ہے کہ ایک سال سفر حج کے دوران میں نے "حماة" کے باغوں میں ایک مسجد دیکھی۔ اس کا نام "مسجد الحسین" تھا۔ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو اس کے ایک طرف پردہ لٹکا ہوا دیکھا۔ میں نے

پردہ اٹھایا تو دیکھا کہ دیوار میں ایک پتھر منصوب ہے۔ اور پتھر کے اوپر دیوار میں ایک طاق سی کشادہ ہے۔ اس پتھر پر ایک سر کی گہرے دن کا نشان ہے اور اس سر پر خون جما ہوا ہے۔ میں نے خادم سجد سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو اُس نے جواب دیا۔ کہ اہل شام سرور کو لے کر یہاں سے گزرے، تو اس جگہ فرزندِ نبوی حسین بن علی کا سر رکھا رہا۔ صدیوں گزر جانے کے باوجود گہرے دن کا نشان اور خونِ فرزندِ رسول کی یاد تازہ کر رہی ہے۔

قصہ بنی مقاتل :- "الدمعة الساکية" میں مذکور ہے۔ جب قافلہ قصر بنی مقاتل پہنچا، اہل قافلہ کا پانی ختم ہو گیا۔ لعینوں نے اس جگہ نہ دل کیا۔ اشتیاء نے دھوپ سے بچنے کے لئے خیمے لگائے اور ہاشمی شہزادیوں اور یتیمان آلِ محمد کو دھوپ میں بٹھایا۔ لعینوں نے ٹھنڈا پانی منگوا کر پیا۔ اور خاندانِ رسالت کے بے وارث قیدی دھوپ کی دھبہ سے اونٹوں کے سائے میں پناہ لیتے پیاں کی شدت تھی۔ قبیلہ مقدار میں گرم پانی ملتا تھا۔ اشتیاء اپنی مرضی سے کوچ و قیام کرتے، انہوں نے کبھی جنابِ ستار اور دخترانِ بتول سے نہ پوچھا۔ جب قافلہ قیام کرتا تو جنابِ بتول کی بیٹیاں قافلہ سے دور کسی ٹیلہ کی اونٹ یا درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے قیام فرماتیں۔ اہل بیت کے قیمتی شہر اور زحر بن قیس سے بہت دُرتے تھے۔ یہ قیمتی جگہ کبھی تھکاؤٹ کی دھبہ سے سوجلتے تو ظالم ایسی سخت جھڑکیاں دیتے کہ معصوم اماں اماں کہتے ہوئے گھبرا اٹھتے، جنابِ سیدِ ستار خون کے گھونٹ پی کے رہ جاتے۔ کسی ظالم سے کبھی کسی غرض کے لئے کوئی فرمائش نہیں کی کیونکہ پتہ تھا۔ ظالم کوئی بات نہ مانیں گے۔ اٹال دل کو دکھائیں گے۔ چنانچہ تاریخیں لکھتی ہیں کہ سارا راستہ سیدِ ستار نے غاموشی سے گزرا دیا۔ آنسو بہاتے۔ بلیچہ پکڑ کر رہ جاتے۔ کسی ظالم سے بات نہ کرتے، سخت شدت کے وقت کبھی آسمان کی طرف اور کبھی مدینہ و مکہ بلا کی طرف منہ پھیر دیتے۔ ایک منزل میں جب قیام ہوا۔ سفر کی تھکی ماندی قیئہ حسین جنابِ سکینہ نے ریت کا ایک ٹکچہ سا بنایا اور سو گئیں۔ یہ آرا مگاہ جنابِ سکینہ نے ایک درخت کے نیچے چند قدم کے پیچھے پر بنائی۔ معصومہ عالمِ خواب میں تھیں۔ قافلہ نے کوچ کی تیاری کی، تمام بیٹیاں سوار ہو گئیں۔ جنابِ سکینہ جنابِ فاطمہ مغربی کے ساتھ ایک اونٹ پر سوار ہوا کرتی تھیں، ساربان نے اس اونٹ کی مہار پکڑی، جس پر جنابِ فاطمہ و سکینہ سوار ہوتی تھیں، وہ چلنے لگا اور کہا جلدی سوار ہو، جنابِ فاطمہ سوار ہوئیں۔ انہوں نے ساربان سے کہا کہ جلدی نہ کرو میری بہن سکینہ رہ گئی ہے۔ اسے آواز دو۔ ساربان نے بلند آواز سے پکارا: "هَلُمَّ يَا كِبْرَى مَعَ الْقِسَاءِ يَا سَكِينَةَ" اے سکینہ جلدی آ اور سوار ہو جا۔ قافلہ روانہ ہو چکا۔ معصومہ ڈرتی گھبراتی

ہوئی بیدار ہوئی۔ یتیمہ دوڑتی تھی پیچھے سے آواز دیتی تھی۔ جناب فاطمہ صغریٰ نے ساربان سے کہا کہ اونٹ روک لے ورنہ اونٹ سے اپنے آپ کو گمراہ کر دوں گی اور روز قیامت اپنے خون کی نمانہ سے شکایت کر دوں گی۔ میری موت کا تو ذمہ دار ہوگا اور آخر کار اس نے اونٹ روک لیا اور معصومہ سکیڑہ سوار ہو گئی۔

jabir.abbas@yahoo.com

انیسویں مجلس

عقیدہ و عمل - ایمان اور عمل صالح

ورود شام - بازار کا سفر - دربارِ نرید

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کو مان لینے کا نام عقیدہ ہے۔ اور اس کے حکم کی تعمیل کا نام عمل ہے۔ اسی طرح ہر پیغمبر کو مس جانبِ خدا ہادی و معلم تسلیم کر لینے کو عقیدہ اور ان کی عملی طاعت اور ان کے فرمودات پر عمل پیرا ہونے کو عمل کہا جاتا ہے۔ اور ہر امام کو معصوم، برگزیدہ خدا اور دینِ حق کا رہنما ماننا یہ عقیدہ ہے، اور ان کی پیروی کرنا، ان کی سیرت کو اپنے کردار کے لئے مشعلِ راہ بنانا اور ان کے نقشِ قدم پر چلنا عمل ہے۔ خلاصہ یہ کہ خدا، نبی، امام پر ایمان لانا اور زبان و دل سے ان کو ان کے مرتبہ کے مطابق ماننا عقیدہ اور اعضاء بدن کے ذریعہ ان کے فرمودات اور احکام کی تعمیل غلو میں قلب کے ساتھ عمل ہے۔ عقیدہ ماننے کا نام اور عمل کرنے کا۔ دل قبول کرنا ہے اور اعضاء اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اس عقیدہ اور عقیدہ کے مطابق عمل کا نام اسلام ہے۔ اسلام کے یہ دونوں اہم جزو ہیں۔ اور اسلام کی بنیاد کے دونوں نہایت ضروری حصے، جن کی باہمی ترکیب و تعاون سے اسلام کی عمارت استوار ہوتی ہے۔

عقیدہ شجرِ اسلام کی اصل اور عمل اس پاکیزہ و زحمت کی فرع اور پھول و پھل ہیں۔ عقیدہ کی اہمیت اپنے مقام پر بجا اور درست ہے۔ عقیدہ کی رُو سے ایک غیر مسلم حلقہ اسلام میں داخل ہو کر اپنی جان، عزت، مال محفوظ کر لیتا ہے۔ اور اپنے زندگی کے گلشن کی شادابی کا مرکزِ چشمہ معین کر لیتا ہے۔ اسی طرح عقیدہ اس کے سیرت و کردار کی مضبوط بنیاد ہے۔ لیکن جب تک عمل

نہ ہو۔ اور سیرت و کردار عقیدہ کی تائید و رفاقت نہ کرے۔ عقیدہ اگر بنیاد ہے تو یہ اساسی بے بنیاد ہے اور شجر اسلام کی جڑ ہے۔ تو ایسی جڑ اور ایسا تنا کہ جس کی شاخیں کٹی ہوئی اور مرجھائی ہوئی ہیں۔ برگ و بار سے خالی، نہ پھولی نہ پھل، اور نہ سایہ۔ درخت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، اگر اس کا سایہ نہ ہو، پھول و پھل نہ ہوں، اس کی شاخیں پھلیں پھولیں اور پھلیں نہیں۔ صرف لٹکند تنا کس کام کا، حضرات جس طرح عقیدہ ضروری ہے اسی طرح عمل بھی ضروری ہے۔

جہاں رب العالمین نے ہادی اور رہنما، عقائد و خیالات، تصورات و نظریات کی اصلاح کے لئے بھیجے، وہاں انہوں نے سیرت و کردار کی تشکیل پر بھی زور دیا ہے۔

عقیدہ کی اصلاح اور یقین کا استحکم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ عمل تابع رہنا ہے اور کردار خالق کی مرضی کا آئینہ دار ہے۔ وہ عمل باطل ہے جو خالق کی رضا اور اس کی خوشنودی کا باعث نہ ہو۔ وہ کردار غلط ہے جو معصوم رہنما اور انبیاء و مرسلین ائمہ طاہرین جو اللہ کے فائز اور اس کے سفیر ہیں۔ اور انسان کے لئے قوی و علیّٰ مستغ و معلم ہیں کے فرمان اور احکام کے مطابق نہ ہوں۔ کیونکہ ہر نیک عمل کا مقصد ہوتا ہے خُشْوۃَ رَآئِ اللہ۔ اور ہر عبادت کی غایت اس کی رضا و خوشنودی ہے۔ جو عبادت اللہ کی رضا کی سند حاصل نہ کر سکے، وہ بے کار اور بے مقصد عبادت ہے جو عمل معصوم رہنماؤں کی منظوری سے محروم ہو وہ ایک بے فائدہ مشقت ہے۔ سیونکہ راہِ مذکورہ پر چلنے سے پہلے کسی سچے واقف کار رہنما سے اپنی اس راہ کا تعین کر لینا چاہیے۔ جو اُسے منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔ غلط راہ پر چلنے سے سوائے تھکاوٹ، پریشانی اور محرومی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن صحیح رہبر مل جانے اور سچے ہادی کی پہچان اور صراطِ مستقیم صحیح مذہب کی پہچان کے بعد اگر کوئی مسافر راہ پر نہیں چلتا تو بد نصیب ہے کہ سید سے راستے اور سچے مذہب کی معرفت کے باوجود وہ اس صراطِ مستقیم کا راہرو نہ بن سکا۔ منزلِ مقصود کی رٹ لگاتا رہا۔ صراطِ مستقیم کا لفظی و ظنیفہ پڑھتا رہا لیکن بد بخت منزل پر نہ پہنچ سکا۔

جہاں سچے ہادی اور صحیح رہنما کی پہچان ضروری ہے۔ وہاں اس کی تعلیمات پر عمل بھی ضروری ہے، اگر عمل نہیں، تعمیلِ ارشاد نہیں، احکام رہنما کی پیروی نہیں، ان کی زندگی کو نمونہ عمل نہیں بنایا گیا تو صرف دماغی شناخت اور قلبی معرفت فائدہ مند نہیں۔ صرف زبانی رٹ لگا لینے اور قوی و ظنیفہ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ قوی دنیا نہیں سیرت و کردار کا جہاں ہے۔ عملی کوشش کی امتحان گاہ ہے۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا“ اس نے موت و حیات کو پیدا کیا۔

تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے؟ قرآن مجید کی تلاوت کہ نبوئے اصحاب جانتے ہیں کہ خداوندِ عالم نے عقیدہ کے ساتھ عمل کو لازم قرار دیا ہے۔ ایمان کا جہاں بھی ذکر ہوا ہے وہاں اس کے ساتھ عملِ صالح کا تذکرہ بھی ہے۔ قرآن پاک میں جہاں لفظ ”اٰمَنُوْا“ آیا ہے وہاں اس کے بعد ”وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ“ کا ذکر بھی ہے۔ صرف ایمان لانے سے جنت نہیں مل سکتی اور عقیدہ مضبوط کر لینے سے قربتِ خدا حاصل نہیں ہوتی، جب تک کہ ایمان کے ساتھ ”عملِ صالح“ نہ ہو۔ اور اعضاء بدن نہ بان کی اور عملِ قبول کی تائید نہ کر دے۔

اگر قرآن مجید کی ان آیات کو جمع کیا جائے جن میں عملِ صالح کی اہمیت بتائی گئی ہے اور عملِ صالح پر تاکید کی گئی ہے تو ایک باقاعدہ کتاب کی صورت اختیار کر جائیں گی۔ صرف چند آیات کو قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفِیْ خُسْرٍ - اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَّصَوْا بِالصَّبْرِ

قسم ہے زمانے کی یقیناً ہر انسان نقصان میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے عملِ صالح کیا اور ایک دوسرے کو حق و صبر کی تلقین کرتے رہے۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ امن و امان اور حفظ و سلامتی کا مجسمہ چار عناصر سے مرکب ہے۔ ایمان، عملِ صالح، حق اور صبر، اگر ان عناصر میں سے عملِ صالح کو نکال دیا جائے تو امن و سلامتی کے جسم کی ایک خط بگڑ جائے گی، اور بدن کی سلامتی کا ارتقا ٹک جائے گا اور خسران کی لپیٹ سے نہ نکل سکے گا۔

اِنَّہٗ یَصْعَدُ الْکَلِیْمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ خدا کی طرف پاکیزہ کلمات صعود کرتے ہیں۔ اور عملِ صالح ان کو بلند کرتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبٰی لَهُمْ وَحُسْنُ مَاۗبٍ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے صالح عمل کئے، اُن کے لئے طوبیٰ اور بہترین بازگشت ہے۔

انسان کی نجات اور کامیابی کا انحصار عمل پر ہے: ”حَقُّ خَفْسٍ یَّمَا کَسَبَتْ رَہِیْمَتَہٗ“ ہر نفس اپنے کئے ہوئے کاموں میں رہن ہے۔ جگڑا ہوا ہے۔ اگر اعمال نیک ہیں تو نفع شحال ہے۔ اور اگر اعمال بد ہیں تو بد حال ہے۔ اور بد حالی کا وبال ہے۔ ”کَیْسُ

”لَا تُسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ وَإِنَّ مَسْعِيَهُ سُوْفٌ يُّبْرَىٰ“ انسان کے لئے نہیں ہے مگر اس کی کوشش اور عنقریب اس کی کارگزاری دیکھی جائے گی۔ کما ماکسبت وعلیہا ماکسبت اس کے فائدہ کے لئے ہے جو اس نے نیک کی اور اس کا وبال اس پر پڑے گا جس نے بدی کی۔ عمل صالح ہی ماویٰ روحانی و دنیوی۔ اخروی ترقی و کامیابی کا واحد سبب ہے۔ اگر عمل صالح نہ ہو تو ہر قسم کی ترقی رک جاتی ہے۔ اور عمل صالح نہ ہو تو نسبی امتیاز بھی ختم ہو جاتا ہے۔ عمل صالح کے نہ ہونے سے خاندانی وجاہت بھی بے اثر رہ جاتی ہے۔ خود حضرت نوح علیہ السلام کا اپنا بیٹا اور پیارا بیٹا عمل صالح نہ ہونے کی وجہ سے بحر عذاب میں غرق ہو گیا۔ اور انتقام کی طوفانی موجوں نے نہنگ اجل کے سپرد کر دیا۔ اور نافرمانِ خدا ہونے کی صورت میں اور بد عمل کی جہت سے نبی کی محبت پوری بھی کام نہ آئی۔ محبت پوری جو شش مارتی ہے۔ بیٹے کو پکار کر کہتے ہیں: ”یا بُکْیَ اَرْکَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْکَافِرِیْنَ“ نافرمان بیٹے نے مہربان باپ کے فرمان کی کوئی پرواہ نہ کی۔ طوفانی لہروں نے پسر نوح کو ڈھانپ لینا چاہا۔ جناب نوح متوجہ ہو گئے۔ خدا کی طرف نہایت عاجزی سے عرض کیا۔ ”اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اٰھْلِیْ وَاِنَّ ذٰلَکَ لَخُبْرٌ“۔ خدایا! میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ حق ہے۔ یہ ایک التجا تھی کہ شاید قدرت میرے بیٹے کو قدرت کا ملہ سے بچالے۔ بے شک وہ بچا سکتا تھا۔ مگر بچایا نہیں۔ اس میں جناب نوح کی سفارش بھی شرف قبول حاصل نہ کر سکی۔ جواب ملا: ”اِنَّہٗ فِیْسٍ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَلٰی عَیْرٍ صٰلِحٍ“۔ نوح وہ تیری اہل سے کہاں؟ وہ تو غیر صالح عمل ہے۔ بد عمل ہے۔ اس کا کردار درست نہیں۔ عمل صالح نہ ہونے کی وجہ سے رشتہ قرابت بھی ختم ہو گیا۔ اور روح بدن کا رشتہ بھی جاتا رہا۔ روح بدن سے خارج ہو گئی۔ اور کنگھان اہل نوح سے خارج ہو گیا۔ نبی کا بیٹا تھا۔ بد عمل کی وجہ سے نبی کے اہل سے خارج ہو گیا اور حضرت سلمان فارسی عمل صالح کی بدولت سید الانبیاء کے اہل میں داخل ہو گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ نافرمانی اپنے کو بیگانہ اور فرمانبرداری بیگانے کو اپنا بنا دیتی ہے۔ یہ تو پسر نبی کا قیقہ ہے۔ اب دو نبیوں کی بیویوں کا قیقہ بھی قرآن پاک میں پڑھیں۔ شوہر نبی ہیں۔ صالح اور متقی ہیں۔ بیویاں نافرمان ہیں اور جہنم کے لائق۔ بد عمل ہیں نافرمان ہیں۔ دنیا میں بیوی سے بڑھ کر کسے صحبت حاصل ہوتی ہے؟ لیکن ان قریبی صحبت داروں کو اپنے

پیغمبر اور شہر کی صحبت جہنم سے نہ بچا سکی، کیونکہ عملِ صالحہ نہ تھا۔ ارشادِ ربّانی ہے:-

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأةَ نُوحٍ وَ امْرَأةَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحِينَ فَخَانَتَا هُمَا فَلَمْ يَغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰٓخِلِيْنَ ۝ خدا نے کافر لوگوں کے لئے مثال بیان کی ہے۔ نوح اور لوط کی بیویوں کی۔

جو ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں۔ ان دونوں عورتوں نے اپنے پیغمبروں کی خیانت کی، پس ان دونوں ان کو فائدہ نہ پہنچایا اور فرمائی خدا کی صورت میں) اور ان سے کہا گیا کہ آگ میں داخل ہونے والے دوسرے لوگوں کے ساتھ تم بھی نارِ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

یہ دونوں عورتیں دو نبیوں کی بیویاں ہیں۔ شرفِ زوجیت اور شرفِ صحبت حاصل ہے۔ مگر خدا کی نافرمان ہیں۔ عملِ صالح نہیں۔ حکیمِ خدا ہے جہنم میں جاؤ۔ اور صاف ارشاد ہے کہ دونوں پیغمبر خدا کے مقابلہ میں انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ جہنم میں جاتی ہیں دو پیغمبروں کی بیویاں۔ اور جنت میں جاتی ہے تو فرعون کی بیوی۔ جیسا کہ ارشاد ہے:-

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأةَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ بِسَيِّئَاتِيْ عِنْدَكَ فِى الْجَنَّةِ وَ تَخَيَّئِ لِيْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلَهُ وَ تَخَيَّئِ لِيْ مِنَ الْقَوْرِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ خدا مومنوں کے واسطے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے۔ "جب اس نے کہا میرے پروردگار! میرے لئے اپنے جوارِ رحمت جنت میں مکان بنا۔ اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے۔ اور ظالم لوگوں سے بچا۔" فرعون کی بیوی ہے۔ پہلے یہ کافرہ تھی۔ جب حضرت موسیٰ فرعون کی جادوگرہوں پر غالب آئے اور انہیں میدانِ مقابلہ میں کامیابی ہوئی تو جہاں حب دوگرہ جناب موسیٰ کی صداقت جان کر موسیٰ اور اس کے رب پر ایمان لائے، اس نیک دل ملکہ مصر پر بھی صداقتِ موسیٰ کا اثر ہوا اور خفیہ ایمان لائی، یہ فرعون کے عمل بد سے متنفر تھی۔ زندگی میں اسے جنت کی بشارت دی گئی اور جنت کا عمل دکھایا گیا۔

حضرات! دو قسم کے رشتے ہوتے ہیں۔ نسبی اور سببی۔ یہاں دونوں قسم کے رشتہ دار۔ انبیاءِ عملِ صالح سے محمدی کی بنا پر جنت کے حقدار نہ بنے۔ معلوم ہوا کہ جنت میں جانے کا انحصار ایمان اور عملِ صالح پر ہے۔ ہاں ایمان اور عملِ صالح کی موجودگی، پھر پیغمبرانہ و ائمہ علیہم السلام کی قربت بہت بڑا شرف اور بہت بڑی بزرگی ہے۔

واضح ہو کہ یہاں یہ کلمۂ بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالطَّيِّبَاتُ

لِّلطَّيِّبَاتِ: کہ ناپاک عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور پاک عورتیں طہاہر مردوں کے واسطے۔
درحقیقت یہاں سے عورتیں مراد لینا ہی درست نہیں بلکہ کلمات اور اعمال ہیں۔
نیکوں کی بیویاں بد اور بدوں کی بیویاں نیک ہوتی آئی ہیں۔ شرع نے یہ پابندی
عاید نہیں کی کہ نیک عورت کا نکاح بُرے آدمی کے ساتھ اور بُری عورت کا عقد نیک فرد
کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

ہاں عصمت میں پابندی ضرور ہے کہ معصومہ کا شوہر غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔ البتہ
معصوم کی بیوی غیر معصوم ہو سکتی ہے۔

چنانچہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر سارے معصوم ہیں کسی کی بیوی معصوم نہیں۔ نیک
اور صالحہ ہیں۔ بد عمل بھی ہیں، نیک عمل بھی ہیں۔ لیکن معصومہ نہیں ہیں۔ اور کسی معصومہ کا
شوہر غیر معصوم نہیں ملتا۔ اس سے ایک کلمہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ معصوم کی بیوی تو غیر معصومہ
ہو سکتی ہے لیکن معصومہ کا شوہر غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جناب مریم کی شادی کسی
غیر مرد سے اسی بنا پر نہ ہوئی کہ کوئی مرد ان کے جوڑ کا نہ تھا۔ حضرت زکریا ان کے بہنوئی تھے
اور حضرت یحییٰ ان کے بھانجے، دونوں سے عقد حرام۔ خدا نے پسر بھی دیا مگر قدرت کاملہ
سے بغیر پدر کے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے کسی کو یہ خسر حاصل نہیں کہ الہی
بیوی معصومہ ہو۔ یہ شرف حاصل ہے حسنین کے بابا علی کو اور زینب کی ماں جناب زہرا کو
یہ دونوں عصمت کا جوڑا ہیں۔ شوہر بھی معصوم اور زوجہ بھی معصومہ۔
علامہ اقبال فرماتے ہیں:-

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
مریم کو عزت کی ایک نسبت حاصل ہے کہ وہ عیسیٰ معصوم کی ماں ہیں۔ فخر کر سکتی ہیں کہ
معصومہ ہیں اور معصوم کی ماں۔ لیکن جناب زہرا کو اس عزت کی تین نسبتیں حاصل ہیں
خود تو معصومہ ہیں ہی۔ معصوموں کی ماں ہیں، معصوم کی زوجہ ہیں۔ معصوم کی دختر ہیں۔
اس لئے انہیں بتولِ کبریٰ اور فخرِ مریم کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں ملتی جس میں صرف عقیدہ رکھنے اور ایمان لانے پر جنت
کا وعدہ کیا گیا ہو۔ جہاں بھی عقیدہ اور ایمان کا ذکر ہے۔ وہاں عمل صالح کی شرط لگائی گئی اور
جنت کا وعدہ انہی لوگوں سے کیا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ کے پابند رہے ہیں۔

ارشاد ہے : قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ
خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ
لِلزَّكَاةِ قَاعِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِوُجُوهِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا
عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ
ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ كَمَا كَانُوا
وَعَمَلُهُمْ شِرَآءُ بَعْدَ عَمَلٍ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ
هُمُ الْكَارِهُونَ ۝ الَّذِينَ يَسِرُّونَ الْفَرْدُوسَ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝
دس۔ المؤمنون) اس آیت میں مومنین کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ وہ مومن کامیابی
حاصل کر گئے۔ جو اپنی غائزین خشوع و خضوع سے پڑھتے ہیں، اور مومن وہ لوگ ہیں جو
بیہودگی سے پرہیز کرتے ہیں جو زکوٰۃ باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔ جو اپنی شرمگاہوں
کی حفاظت کرتے ہیں (یعنی بے حیا اور زنا کار نہیں) سوائے اپنی ازواج اور لونڈیوں
کے، کیونکہ شرمی احکام کے مطابق اپنی ازواج اور کنیزوں کے ساتھ کوئی ملامت اور بُرائی
نہیں۔ جو رشتہ زوجیت اور ملک مبین لونڈیوں کے بغیر اس قسم کا کام کریں۔ وہ حد سے
تجاوُز کرنے والے ہیں اور قابلِ عتاب ہیں۔ پھر مومنین کی تعریف جاری ہوتی ہے۔ وہ
لوگ ہیں جو امانتوں اور وعدوں کی پاسداری و پابندی کرتے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو نماز
پابندی سے پڑھتے ہیں۔ درحقیقت وہی لوگ جنت کے وارث ہیں جو فردوسِ بری
میں جائیں گے۔ اور وہاں ہمیشہ رہیں گے۔

حضراتِ مومنین! یہ ان مومنین کی تعریف ہے جو جنت میں جانے کے قابل ہیں۔
ہر مومن اپنے مقام پر سوچے کہ کیا یہ اوصاف اس پر صادق آتے ہیں۔ اور اس معیار پر
وہ پورا اُترتا ہے جو خلاقِ عالم نے جنیتوں کے لئے مقرر کیا ہے۔ اگر اس معیار سے محروم ہے
تو کوشش کرے اپنے آپ کو اس معیار پر پورا کرے۔ اور مومنین کی ان صفات کا مصداق
بٹے ورنہ صرف خوش کن باتوں اور موہم اُمیدوں سے اور خام خیالوں سے منزلِ مقصود نہیں
پاسکتا۔ اور کوئی بغیر عملِ صالح اور تقویٰ کے جنت کی جعلی و فریبی رسید اور غلط پیش گوئی کرتا
ہے تو ظاہر میں وہ خوش گپ دوست ہے مگر درحقیقت وہ دشمن ہے۔ جو بے عمل!
بدعمل بنا کہ اہل ایمان بھائیوں کو جنت سے باز رکھنے کی مذموم کوشش کرتا ہے اور ایسا

شخص وقتی طور پر آپ کو خوش کر کے آپ سے دائرِ تحسین حاصل کر لیتا ہے۔ مگر آپ سمجھیں تو اس سے بڑھ کر آپ کا کوئی دشمن نہیں۔ وہ بیٹھی باتوں سے آپ کو جہنم کا ایندھن بنا رہا ہے۔
حضرات! یہ تو قرآن پاک کی چند آیات پیش کی ہیں۔ اب ائمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی چند احادیث بھی پڑھیں۔

جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولادِ جناب عبدالمطلب کو فرمایا: "يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ إِنِّي لَا أَفْخِجُ عَنْكُمْ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا۔" سنو! اے میرے خاص شریعت دارو اور عزیزو۔ میں خدا کے مقابلہ میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ خدا کی فرمانبرداری کرنا۔ اس کی نافرمانی نہ کرنا۔ اگر کسی عالم، واعظ، مدرس، پیش نماز، مجتہد کا فرزند بے عمل ہو، بد عمل ہو تو اس کی بد عملی کا طعنہ اُس کے باپ کو دیتے ہیں کہ وہ فلاں پسرِ عالم ایسا ہے۔ اس کا باپ کیسا ہے۔ اور وہ خود کیسا ہے۔ کسی بزرگ اور اونچی ذات کی طرف منسوب ہونے سے ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ اگر نیک عمل ہو تو دو گنا عزت بڑھ جاتی ہے۔ ایک خاندانی اور نسبی وجاہت سے اور دوسرے عملِ صالح کی وجہ سے، اور اگر عمل بد ہو تو اس کی اپنی عزت بھی گھٹ جاتی ہے اور خاندان کے لئے بھی وہ محسوس باعثِ ننگ و عار ہوتا ہے اور اپنی بد عملی سے بزرگوں کو بھی شرمسار کرتا ہے۔ خاندانی شرف اسی وقت باعثِ فقر ہوتا ہے جب عملِ صالح بھی ہو۔ اسی واسطے ساداتِ کرام جن کا انتساب کائنات کی ایک اعلیٰ اور اسفل شخصیت کی طرف ہے۔ خاندانی وجاہت اور شرف تب حاصل ہوگا جب وہ اعمالِ صالحہ کے مالک بنیں، اگر وہ نیک عمل کریں تو دو گنی جزا کے حقدار ہیں اور بد عملی کی صورت میں بھی دو گنی سزا کے مستوجب۔ جس طرح کہ ازواجِ رسول کے متعلق ہے: يَذْنَبُ الْبَنِيُّ كَسَبَتْ كَأَحَدٍ مِنَ الذِّسَاوِ۔ اے نبی کی عورتو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ تمہاری نیکی اور بدی سے خود رسول پاک متاثر ہوتے ہیں۔ تم اشرف کائنات کی بیویاں ہو۔ تمہاری حالت عام عورتوں سے امتیازی ہو۔ نسبتاً عام عورتوں سے تمہاری ذمہ داری زیادہ ہے۔: مَنْ يَأْتِ مِنْكُمْ بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ يُضَاعَفْ كَمَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔ (اس احزاب) جو کوئی تم میں کسی گناہ کا ارتکاب کرے گی، اس کی سزا عذاب دو گنا کر دیا جائے گا جو سزا اس گناہ کی عام عورتوں کو ملے گی۔ اسی گناہ کی سزا تمہیں اس سے دو گنا ملے گی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: "مَنْ أَطَاعَ

اللّٰهُ فَمَوْلَانَا مُحِبٌّ وَمَنْ عَصَى اللّٰهَ فَهُوَ لَنَا عَدُوٌّ۔ جو شخص اللہ کی اطاعت کرے وہ ہمارا دوست ہے اور خدا کی نافرمانی کرے وہ ہمارا دشمن ہے۔ (اصول کافی)

جناب رسالت یاربِ مرغن الموت میں مبتلا ہیں۔ بیماری کے تیسرے روز حضور پاک اس صورت سے مسجد میں تشریف لائے کہ سر مبارک پر درد کی وجہ سے پٹی باندھے ہوئے تھے۔ دایاں ہاتھ حضرت امیر علیہ السلام کے دوش مبارک پر اور بایاں ہاتھ جناب فضل بن عباس کے کندھے پر تھا۔ مسجد میں تشریف لاکر حضور منبر پر بیٹھ گئے۔ پس فرمایا، اے گروہ مردم! مہاجرین و انصار، اب وہ وقت قریب ہے کہ میں تم سے غائب ہو جاؤں، جس کا مجھ سے وعدہ ہو وہ آئے اور مجھ سے وعدہ پورا کر لائے۔ جس کا قرض ہو وہ مجھ سے قرض وصول کر لے۔ اے گروہ مردم کسی آدمی اور خدا کے درمیان کوئی وسیلہ بجز عملِ صالح اور طاعتِ خدا کے نہیں۔ جس کے سبب کوئی عمل خیر ہو، یا کوئی شر اس سے دفع ہو۔

اَیُّهَا النَّاسُ! لوگو۔ کوئی مدعی یہ دعویٰ نہ کرے کہ میں بغیر عمل کا میاب ہو جاؤں گا اور جنت میں پہنچ جاؤں گا۔ کوئی شخص یہ آرزو نہ کرے کہ میں بغیر طاعتِ خدا رضائے خدا حاصل کر سکتا ہوں۔ میں قسم کھاتا ہوں اس خدا کی جس نے مجھے بحق و راستی بھیجا ہے کوئی شخص عذابِ خدا سے نجات حاصل نہیں کر سکتا مگر عملِ صالح اور رحمتِ حق سے یہ حبابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اُمت کو فرمان اور وصیت ہے۔ آئیے اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے ارشاداتِ عمل کے بارے میں سنئے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "اے! ہم سے تعلق رکھنے والی جماعت، تم میں سے جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ایمان ایسا کر دے کہ وہ مسلم کامل مومن ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ خدا سے ڈرے ان شرطوں کے ساتھ جو شرطیں اس نے ایمان کے ساتھ مومنین پر لگائی ہیں۔ پس شرط لگائی ہے اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص پر جو خدا اور رسول اور ائمہ اہل بیت کی ولایت کا قائل ہے کہ مومن کامل جب ہو سکتا ہے جب وہ نماز کو قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور خدا میں خضوع کرے، ہر ظاہری اور باطنی بُرائی سے بچے۔ (روضہ کافی)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی شخص نوحید۔ نبوت اور امامت پر ایمان

لانے سے مومن کا بل نہیں ہو سکتا جب تک اعمالِ صالحہ کا پابند نہ ہو۔ اور ہر قسم کی بُرائی اور گناہ سے نہ بچے۔

محمد بن حنفیہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب صادق آلِ محمدؑ سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ ایمان ایک دعویٰ ہے اور کوئی دعویٰ بغیر ثبوت کے صحیح نہیں۔ ایمان کے دو گواہ ہیں ایک عملِ صالح اور ایک نیک نیت۔ لہذا ہر مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کا ثبوت اور قول کی تصدیق عملِ صالح اور نیک نیت کے ساتھ کرے۔ (اصولِ کافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایمان اور عمل کا تعلق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام صادقؑ سے سوال کیا کہ کیا عمل ایمان کا حصہ ہے۔ مولانا نے فرمایا ہاں! ایمان نہیں ہوتا مگر عمل کے ساتھ، عمل ایمان کا حصہ ہے، اور ایمان عمل سے ہی ثابت ہوتا ہے۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اسلام نام ہے تسلیم کا اور تسلیم نام ہے تصدیق کا اور تصدیق نام ہے اقرار کا اور اقرار نام ہے عمل کا (اصولِ کافی)

ایک مقام پر حضرت امام صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں جس نے زنا کیا وہ ایمان سے خارج ہو گیا۔ جس نے شراب پی بے ایمان ہو گیا یعنی ایمان سے خارج ہو گیا اور جس نے جان بوجھ کر بغیر عذر شرعی ماہِ رمضان کا روزہ نہ رکھا ایمان سے خارج ہو گیا (اصولِ کافی)

اب وہ حضرات غور فرمائیں جو اپنے آپ کو مومن شیعہ کہلاتے ہیں۔ جن کی زندگیاں زنا و شراب میں بسر ہوئیں اور ساری زندگی ماہِ رمضان کی بے عزتی کرتے رہے اور کبھی روزہ نہ رکھا۔ کہاں تک مومن ہیں۔ اور امام معصوم کی نظر میں ان کا ایمان اور زبانی دعویٰ کہاں تک صحیح ہے؟

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں تحقیق بہت سے لوگ بے عمل ہیں۔ تختوں (چارپائوں) پر گھاؤنیکے لگا کر اور کہ سیول پر بیٹھ کر کہتے ہیں کہ ہم علی کے شیعہ ہیں ہم علی کے شیعہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں وہ لوگ جھوٹے ہیں۔ علی کے شیعہ وہ لوگ ہیں جن کے قول کی تصدیق ان کا عمل کرے۔

مومنین کرام! اس قسم کی آیات و احادیث بہت ہیں۔ ہم نے خوفِ طوالت سے صرف چند نقل کی ہیں۔ اور اصولِ کافی کی احادیث کا اختصار کے پیش نظر صرف ترجمہ کیا ہے۔

ان آیات و احادیث کی روشنی میں صاحب بصیرت کو عمل صالح کی اہمیت نظر آجائے گی۔ کہ بغیر عمل صالح کے اور گناہوں سے پرہیز کے خدا راضی ہے نہ معصومین اور نہ جنت میں جگہ ملتی ہے۔ اور نہ جہنم سے نجات۔ اگر کوئی شخص تمہیں بغیر عمل صالح کے اور مست و مجور کے ساتھ جنت کی فریضی ٹکٹ اور غلط بشارت دیتا ہے۔ تو وہ جھوٹا ہے۔ درستیقت تمہارا دشمن ہے۔ جہالت کی وجہ سے یا تمہیں خوش کر کے عارضی مفاد کی وجہ سے تمہیں دھوکہ دیتا ہے۔ اور اگر اس قسم کی کوئی غلط حدیث پیش کرتا ہے تو وہ حدیث جھوٹی ہے۔ یوں ہی معلوم کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

تَقْوٰی ! اس کا معنی ہے بچنا۔ خدا سے ڈرنا اور ایسی باتوں اور ایسے کاموں سے پرہیز کرنا، جو خالق و مالک کی ناراضگی کا باعث ہوں۔ قرآن مجید میں ”تَقْوٰی“ پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اور ”تَقْوٰی“ ہی کو دخولِ جنت اور قربِ خدا کا ذریعہ بتایا ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والے حضرات جانتے ہیں کہ بار بار ”اتَّقُوا“، ”اتَّقُوا“، ”اتَّقُوا“، ”اتَّقُوا“ کے الفاظ ذکر کر کے ”تَقْوٰی“ کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ ”فَاِنَّ خَيْرَ مَا لَكُمْ مِنَ التَّقْوٰی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ“۔ ”اِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ“۔ ”وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ“ کثرت سے آیات تقویٰ اختیار کرنے اور متقین کی تعریف میں وارد ہوئی ہیں۔

”اتَّقُوا اللَّهَ“ خدا سے ڈرو کا یہ معنی نہیں کہ خدا سے بھاگ جاؤ۔ اس کی طرف رخ نہ کرو اس کے قریب نہ جاؤ۔ بلکہ خدا سے ڈرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے غضب، اس کے عذاب اور اس کے عذاب و عقاب سے ڈرو۔ اور ایسے کام نہ کرو جن سے وہ ناراض ہو جائے۔ ایسی باتوں اور کاموں سے پرہیز کرو جن کے کرنے پر اس نے عذاب کا وعدہ کیا ہے اور وہ ناراض ہوتا ہے۔

”تَقْوٰی“ برائیوں، نازیبا باتوں، ناپسندیدہ امور سے بچنے کا نام ہے۔ جن سے اُس نے اپنے پیغمبروں و ہادیوں کے ذریعے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے۔

عمل صالح ایسے امور جن کے کرنے سے وہ خوش ہوتا ہے، ایسے کام اور اعمال جن کے بجالانے سے خدا راضی اور مخلوق کا بھلا ہوتا ہے۔ معاشرے کی اصلاح اور روحانی زندگی کو طاقت ملتی ہے۔ اور بندہ ان اعمال کے ذریعے خدا کے قریب ہو جاتا ہے۔

تقویٰ بدنِ انسان کو برائیوں کی گندگی، گناہوں کے جراثیم اور فسق و فجور کی نجاست سے پاک رکھتا ہے۔ اور عملِ صالح نیکیوں کے ذریعے اور خوبیوں کے لباس سے آراستہ کرتا ہے۔ طاعتِ خدا کی خوشبو سے معطر اور روحانی بالیدگی اور دل کو قوی کرتا ہے۔ جس شخص میں تقویٰ اور عملِ صالح پایا جائے وہ خوش نصیب مومن، متقی اور صالح ہوتا ہے اور ایسے نیک بخت افراد "مُخْلِصِينَ" کہلاتے ہیں۔ جو داخلی و خارجی شیطان کے وسوسوں سے محفوظ و معصوم رہتے ہیں۔ گو یہ افراد معصوم نہیں ہوتے مگر درجہ عصمت کے قریب ہو جاتے ہیں۔ اور فیضانِ الہی اور رحمتِ خدائی کی بارش ان پر ہوتی ہے۔ یہ معصوم علیہ السلام کے نائب ہوتے ہیں۔

جب انسان کسی بُرائی کا ارتکاب کرتا ہے تو اُس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اور جس قدر اس کی برائیاں بڑھتی جاتی ہیں اس کے دل پر سیاہی کی تہ جمی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ برائیوں سے اس قدر مانوس ہو جاتا ہے کہ بُرائی کے بغیر وہ بے قرار ہو جاتا ہے اور بدی اس کے گوشت پرست میں رچ بس جاتی ہے۔ اور کوئی نصیحت و پند اس پر کارگر نہیں ہوتی، وہ مقام ہوتا ہے: **خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ** "خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ اس کے سارے دل پر سیاہ تہ جم جاتی ہے۔

جب کوئی انسان نیکی کرتا ہے۔ تو اُس کے دل میں نور کا نقطہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کی نیکیوں سے اس کے دل کا نور بڑھتا جاتا ہے۔ اور کثرتِ خیرات اور ترکِ سیئات سے اس کا دل نورانی ہو جاتا ہے اور اُسے نیکیوں سے اس قدر انس و رغبت ہو جاتی ہے جس طرح پرندے کو کھلی فضا سے اور مچھلی کو پانی سے، ایسے ہی متقی لوگ ہیں جن کے متعلق ارشاد ہے: **نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ** "اُن کا نور ان کے سامنے پھیلتا ہے۔ ان لوگوں کی روحانی طاقت بلند اور قوتِ قدسیہ تیز ہوتی ہے جن پر ملائکہ آسمانی رشک کرتے ہیں۔

احساسِ عبدیت

جو احکامِ خداوندِ عالم کی طرف سے بندگان پر فرض ہوئے ہیں وہ ان بندگان کی ذاتی تکلیف ہیں۔ ان کی ادائیگی ہر انسان پر فرض ہے، اور وہ خود ادا کرے، اس میں وکالت یا نیابت نہیں۔ یہ نہیں ہے کہ ایک انسان خود بخود ادا نہ کرے اور اپنی طرف سے روپے دے کر

کسی سے نماز پڑھوالے اس کی تکلیف ٹل جائے گی۔ حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔ فرض ادا ہو جائے گا۔ یا کسی سے روزہ رکھوالے کسی کو روپے پیسے دے کر حج کر دالے۔ اور خود سفر سے محفوظ رہے۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ احکام ہر انسان پر بذات خود فرض ہیں۔ انہی احکام کی نافرمانی کا نام اصطلاح فقہ میں "تکلیف" ہے۔ کیونکہ نماز ادا کرتے وقت خود اسے احساسِ عبادت ہو چلا بیٹھتا ہے۔ میں اس کا بندہ ہوں۔ وہ خالق و مالک ہے۔ وہ عبادت کے لائق ہے۔ اس کی نعمتوں کا شکر مجھ پر واجب ہے۔ عبادت کی اہمیت کا اس کی ذات کو احساس ہونا چاہیئے۔ اور یہ فرضی وہ خود ادا کرے۔ اسی طرح روزہ سے بھوک و پیاس اور تعب و تکلیف خود اس کے بدن پر وارد ہو۔ حج کے لئے وہ خود سفر کی صعوبتیں برداشت کرے۔ خود جاکر مناسک حج ادا کرے۔ خود طواف کرے۔ سعی کرے اور مقامات مقدسہ پر حاضری دے کہ اعمال حج بجالائے۔ اس طرح خصوصیت پائیزہ دل اور خشوع و خضوع کے ساتھ جنابِ الہی کی طرف دل کا رخ موڑ کے جب یہ احکام اسلام بجالائے گا تو اس کا نفس اور نفسیاتی کثافتوں، مادی آلائشوں اور خواہشاتِ نفسانیہ کی غلامیوں سے پاک ہو کر روحانی آرائشوں، تجرد کی زیبائشوں اور تقرب کی سجاوٹوں سے مزین ہو کر مجال کی لذتوں سے محفوظ ہو گا۔

ایک شخص اچھا خاصا تندرست ہے تمام کام دن میں کرتا رہتا ہے۔ نماز نہیں پڑھتا غفلت و کوتاہی کی وجہ سے نماز کو اہمیت نہیں دیتا یا نماز کو حقیر سمجھ کر پرواہ نہیں کرتا، یا غیر ضروری تصور کرتا ہے۔ وہ زندگی بھر بے نماز رہتا ہے۔ پھر مرنے کے بعد اس کی نماز اجاہ کسی غیر کو روپے پیسے دے کر اس کی زندگی بھر کی نمازیں پڑھوا لینے سے اُسے کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ جیسا کہ عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ اس قسم کی نماز اجاہ پڑھنے والے کو تو معمولی رقم کا فائدہ پہنچتا ہے۔ مگر مرنے والے عادی بے نمازی کو کوئی فائدہ نہیں بخشتی۔

اسی طرح ایک تندرست و خوش حال آدمی جان بوجھ کر روزہ نہیں رکھتا۔ کون بھوک و پیاس کا صدمہ سہے۔ تمام دن کون مٹہ بند کئے رہے۔ مرنے کے بعد کسی مزدور سے روزہ رکھوا دیں گے کیا اس کی موت کے بعد ضروری کا روزہ اس کا فرضی ادا کر سکتا ہے؟ اپنے بدن کو تو اُس نے قبر کے کیڑوں کیلئے موٹا تازہ بنا رکھا۔ تکلیف نہ سہی۔ راہِ خلا میں اس نے اس مشقت کو گوارا نہ کیا۔ روپوں کے زور پر، دولت کے بل بوتے پر اُس نے یہ کام مزدوروں سے کر دیا۔ کیا اس قسم کی مزدوری والی عبادت اور اجرت کا روزہ اصل ذمہ دار سے ذمہ داری ساقط کما سکتا ہے؟ ہرگز نہیں

ہرگز نہیں۔ یہ ایک فرضی فرض کن بات ہے۔ اور خیالِ خام ہے۔ خدا کو تو اپنے بندے کا امتحان مقصود ہے۔ کہ بندہ اپنے معبود کے لئے کیا قربانی دے سکتا ہے۔ بندے کی صرف بھوک و پیاس مطلوب نہیں کہ اس کی جگہ کوئی اور بھوک و پیاس برداشت کر کے خدا کی راہ میں وہ بھوک و پیاس ارسال کر دے، خدا خوش ہو جائے گا۔ یہ حکمِ شرع کی تعمیل نہیں بلکہ خدا کے ساتھ مذاق اور شریعت کے ساتھ استہزاء ہے۔ اسی طرح ایک شخص عمداً زندگی بھر میں فریضہ حج ادا نہیں کرتا، بدلے پیسے کی فراوانی ہے۔ مال و دولت کی کثرت ہے۔ اجازت بھی مل جاتی ہے۔ راستہ ہلکا ہے۔ سواریاں موجود ہیں۔ گھر میں سفر میں کوئی امر مانع نہیں، تندرست ہے۔ سفر کر سکتا ہے۔ لیکن بے پروائی ہے۔ فرض کی ادائیگی کا احساس نہیں یا حفاظت کی نظر سے اس کو ٹھکرا دیتا ہے۔ ایسے شخص کی موت کے بعد حج بدل یا اس کی نیابت میں کسی غیر کا حج کہتا اس تارک حج کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

یہ نیابت و وکالت کی نمازیں۔ روزے حج وغیرہ اسی صورت میں مرنے والے مومن کے لئے مفید ہیں جب اس کی شدید خواہش و تقاضے کے باوجود بیماری، کمزوری یا کسی اور عجز کی وجہ سے قضا ہو گئی ہوں اور ان کے ادا کرنے کی حسرت دل میں ٹپ رہی ہو۔ عادی نمازی ہو، عادی روزہ دار ہو، حج کرنے کا خواہش مند ہو لیکن بعض نمازیں، بعض روزے محبوباً اس سے قضا ہوئے ہوں، اور ان کی قضا کا اُسے رنج ہو۔ اسی طرح ایک شخص عمر بھر حج کی ادائیگی کے لئے ترستار ہا مگر رکاوٹ کی وجہ سے وہ اس حسرت کو لے کر مرا۔ اس کی نیابت میں جو زندہ کسی نائب وکیل سے حج کروائیں گے تو قبر میں خوشی حاصل ہو گی، اور ثواب جڑا ملے گا۔

اس صورت میں تو ”اجارہ“ صحیح ہو سکتا ہے۔ پہلی صورت میں ہرگز صحیح نہیں۔ ورنہ عبادت قیماً پکے گی، دولت مند لوگ قیماً خرید لیں گے۔ اور عبادت کی گانتھیں خود آدمی خرید کر خدا کو پارسل کر دیں گے۔ اور جنت کا انحصار مال و دولت اور کرنسی پر ہو جائے گا۔ مالدار آدمی احساسِ عبدیت سے خالی ہو جائیں گے۔ غل کی کوئی اہمیت نہ رہے گی۔ پڑھی پڑھائی نمازیں، رکھے رکھاٹے روزے اور کئے کرائے حج قیماً مل جائیں گے۔ اور یہ زر خرید مال خدا کو دے کر اس کے عوض جنت کے باغوں کا اور حور و قصور کا سودا ہو جائے گا۔

روحِ عبادت ختم، احساسِ عبدیت معدوم، عبد و معبود کا تعلق قطع۔ اور روحانی تربیت

ترقی مفقود۔ صرف کہ نسی کا اقتدار رہ جائے گا۔ اس سے دُنیا بھی خریدو آخرت بھی مول لو۔
دنیاوی سامان اور جنت کی نعمات سستی بے تکلیف مل جائیں گی۔ لیکن نادار اور غریب پھر
بھی محروم رہے گا۔ اس قسم کا تصور روحِ اسلام و دین کے سخت مخالف ہے۔ اور لوگوں کو
بے عمل بنانے کا یہ اجارہ ایک دل فریب نعرہ ہے۔

ہم شیعہ اور عزادار ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے زیادہ منسلک ہیں۔ ہمارا خاص ربط اور
واسطہ ہے۔ ہم ان کے فضائل و مصائب کی مجالس منعقد کرتے ہیں۔ ان کی قربانیوں کی یاد تازہ
کرتے ہیں۔

اسلام کی اہمیت اور احکام شریعت کی پابندی کا احساس جتانے والی ان کی قربانیوں کی
داستانیں ہیں۔ ہم زبانی دعویٰ تو نہایت شد و مد کے ساتھ کرتے ہیں۔ مگر ان کے فرمان کی
تعمیل اور ان کی سیرت کی پیروی کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ امام
ہمارے ایسے ہیں کہ ایمان اور عمل صالح میں دُنیا نے ان کی مثال نہیں پیش کی۔ اور ہمیں ان سے
محبت اور ولا رکھنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ جن سے انسان محبت کرتا ہے۔ اس کے اخلاق و
عادات سے متاثر ہوتا ہے۔ محبوب کی سیرت محبت کے دل پر نقش چھوڑتی ہے۔ بلکہ عربی میں
ایک مقولہ ہے: **اَلْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنَ يَخَالِلُ**۔

”آدمی اپنے دوست کا دین اور اس کے طور طریقے اختیار کرتا ہے۔ پس اسے چاہیے کہ سوچ
سمجھ کے دوست بنائے۔“ اگر غلط دوست بنائے گا۔ ناسق و ناجس اور جاہل دوست ہو گا تو
اس سے فسق و فجور، جہالت اور زوال کے سبق سیکھے گا۔ اور اگر متقی صالح، اہل علم، کریم
دوست ہو گا تو تقویٰ، عمل صالح، صدق و کم اور علم و عرفان ایسے اوصاف اس کے دل میں
اثر کریں گے۔ اور نیک سیرت و نیک خیالات اس کے دل و دماغ پر چھا جائیں گے۔

اہل بیت رسول کے ساتھ تمسک کرنے اور ان سے محبت و ولا کا رشتہ قائم کرنے کا
حکم علیم و کبیر نے اسی لئے دیا ہے کہ میرے بندے میرے رسول کی امت، ان کی محبت سے
ان کے اخلاق کریمہ، عاداتِ صالحہ، اوصافِ حمیدہ اور درسِ ہائے اثبات و قربانی سیکھیں گے۔ یہ
ایسے معصوم رہنما اور سچے ماہر ہیں کہ جن کا قول، جن کا عمل، ان کی گفتار، ان کا کردار حتیٰ کہ
ان کی نشست و برخاست اور رفتار و حرکت اور نمونہ ہے۔

ان کو رفیقِ قرآن اسی لئے قرار دیا کہ قرآن عمل کی الفاظ میں تلقین کرتا ہے اور یہ عمل کر کے

الفاظ قرآن کی تشریح کرتے ہیں، قرآن کہتا ہے اور یہ کر کے دکھاتے ہیں۔ قرآن قولی ہادی ہے اور یہ عملی ہادی ہیں۔ قرآن غماکہ پیش کرتا ہے اور یہ اس میں رنگ بھرتے ہیں۔ قرآن احکام دیتا ہے یہ مجسمہ عمل بن کر اس کی تشریح کرتے ہیں۔ قرآن متن ہے یہ اس کی تشریح ہیں۔ قرآن مجمل ہے۔ یہ اس کی تفصیل ہیں۔

قرآن نے اسلام کی صورت الفاظ میں پیش کی ہے۔ انہوں نے اسلام کی سیرت کا نقشہ اپنے کردار میں کھینچا ہے۔ قرآن ہدایت کا کلام ہے یہ ہدایت کے عملی نمونے ہیں۔ جس طرح قرآن ہر غلطی سے پاک ہے۔ اسی طرح یہ ہر خطا سے معصوم ہیں۔ اسی لئے انہیں قرآن کا قوام جوڑا بیان کیا گیا ہے۔

قرآن خدا کی جانب سے ہے کسی بندہ کا کلام نہیں۔ کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں۔ اسی طرح یہ بھی خدا کی طرف سے ہادی و رہنما ہیں۔ بندوں کے بنے ہوئے اور مخلوق کے چنے ہوئے نہیں۔ جو مقام و مرتبہ قرآن پاک کا ہے وہی مقام و مرتبہ آل پاک اہل بیت اطہار کا ہے۔ قرآن شک و شبہ سے پاک ہے۔ اس کے کلام حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں، ان کے امام حق ہونے میں کوئی شک نہیں۔ وہ کلام حق ہے یہ امام حق ہیں، جو ان میں شک کرے خود اس میں شک ہے۔ قرآن تمام کتابوں سے افضل اور یہ حضرات تمام ہادیوں سے اکمل۔

قرآن میں تمام سابقہ کتب کے علوم موجود، ان میں تمام انبیاء و سابق کے علوم و معارف موجود قرآن جامع کتب سابقہ۔ اور یہ حضرات جامع علوم انبیاء۔ قرآن قیامت تک محفوظ، ان کی امامت قیامت تک قائم۔ باقی کتب نے قرآن سے علوم لئے ہیں۔ قرآن نے کسی کتاب سے علوم اخذ نہیں کئے۔ اسی طرح اہل بیت رسول نے تمام دنیا کو علوم سکھائے ہیں۔ کسی سے حاصل نہیں کئے۔ قرآن کو کتب دنیا سے ممتاز کرنے کے لئے کپڑے کے خلاف میں لپیٹا جاتا ہے تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ کلام خدا ہے۔ یہ عام کتب سے بلند و ممتاز ہے۔ اسی طرح جناب پیغمبر خدا نے اپنے اہل بیت کو چادرِ قطعیہ کے لباس میں لپیٹ کر صحابہ و ازواج سے ممتاز کر دیا تھا کہ ان کا مقام ان سے بلند ہے۔ تو حضرات ان سے تمسک کرنے اور محبت کرنے کا حکم اسی لئے ہے کہ ان سے اعمالِ صالحہ اور آثار و قربانی کا درس لیں۔

تو ان کی قربانیوں کے تذکرہ سے ہمیں اسلام کی عظمت اور احکام شرع کی اہمیت کا درس ملتا ہے۔ کہ ان عبادِ مقدسہ نے اسلام کو اپنے اوپر قربان نہیں کیا۔ اور اپنے آپ کو اسلام پر

قربان کیا ہے۔ اسلام کی زندگی کو ختم نہیں کیا بلکہ اپنی زندگیاں اسلام کے لئے ختم کر دیں۔
دو چیزوں میں سے جب ایک کو باقی رکھنا اور دوسری کو قربان کرنا ضروری ہو تو جو چیز اہم
ہوتی ہے اسے باقی رکھا جاتا ہے۔ امام مظلوم جناب سید الشہداء اور جناب شریکۃ الحسین حضرت
یغیبہؑ اپنی زندگی اور عزت کو باقی نہیں رکھا۔ بلکہ اسلام کی بقا کے لئے جانوں کی قربانی دی۔ مال قربان
کئے عزیزیں متارکین۔

اگر ہمیں اہل کی جانی، مالی اور عزتوں کی قربانیوں کا احساس ہے تو ان کی عظمت و اہمیت کا
احساس کریں۔ جس کیلئے انہوں نے قربانیاں دیں۔ ہم اسلام اور شرع کو حقیر سمجھیں تو اس کا مطلب
یہ ہے کہ ہم نے اہل بیت کی قربانیوں کی قدر نہیں کی، امام مظلوم کا نعرہ آج بھی فضا میں گونج کر ندا
دے رہا ہے۔ "هَلْ جِئْنَا بِمِصْرًا" اب شہادت حسین کے مقصد کی مدد کی ضرورت
ہے۔ مقصد شہادت اور غرض شہادت کی تائید و حفاظت کی ضرورت ہے۔ جس مقصد کی پاسداری
عقیدۂ قریش شریکۃ الحسین نے کر بلا سے تمام تک ہر منزل پر کی ہے۔ جس کی شہادت کے مقصد
کی تائید میں جناب ام کلثوم، جناب فاطمہ صغریٰ اور سیدہ سجاد نے کوفہ میں خطبے پڑھے ہیں۔
مولا کی شہادت اور کر بلا کے شہیدوں کی قربانیاں کا پیغام دیارِ شام میں خواہرِ امام نے
مجمع عام میں بیان کیا۔ اسلام کی خاطر سید الشہداء نے مدینہ سے کر بلا کا سفر کیا۔ اور
اسلام کی خاطر مستورات بنی ہاشم اور امیران آلِ محمد نے کر بلا سے شام تک سفر کیا۔
حسین فاتح کر بلا ہیں اور خواہرِ حسین فاتحہ شام ہیں۔ اولادِ ابوطالب اور آلِ رسول
کر بلا میں شہید ہوئی اور مخدرات بنی ہاشم بناتِ رسول قید ہو کر شام میں آئیں۔
قید کا قصہ قتل کی داستان سے کم نہیں۔ اور بازار کا واقعہ میدانِ شہادت سے کم درناک
نہیں۔ رسول کی بیٹیوں اور دخترانِ زہرا کو شام کے سفر کرنے پڑے، کس طرح نبیؐ فرادیاں شام
میں آئیں۔ ذرا تفصیل سے سنیں۔

ورودِ شام

عابد سے یہ وطن میں کسی نے کیا کلام
گزرے ستم زیادہ کہاں تم پہ یا امام
رو رو کے تین بار کہا شام شام شام
سرخنگے میرا کنبہ تھا اور گردِ خاص و عام

نیز ہلا ہلا کے غم شاد ہوتے تھے بابا کا سر بھی روتا تھا اور ہم بھی روتے تھے
 بِنَفْسِي رُؤْسٌ مُعَلَّنَةٌ عَلَى الثَّنَا اِلَى الشَّامِ تُهْدَى بَارِقَاتُ الْاَسْتَا
 بِنَفْسِي خُذُوْنِي الْتَرَابِ تُعْفَرْتُ بِنَفْسِي جُسُومٌ بِالْعَصَا لِعَرَبِ
 ذَبِيحُ الْيَتَامَى وَادْرَا بِلِ قَابِلِكُهَا مَدَارِسُ الْفُقَرَانِ فِي كُلِّ سَحْرَةٍ
 وَ اَغْلَامُ دِيْنِ الْمُصْطَفَى وَ اَوْلَاتِهِ وَ اَصْحَابُ قُرْآنٍ وَ حُجَّ وَ عُمْرَةٍ

میری جان قربان ہوا ان تقدس سروں پر جو نیرں پر آشکار کئے گئے چکدار نیروں
 پر سوار کر کے شام بطور تحفہ دیئے گئے۔ میری جان ندامتوں ان رخساروں پر جو خاک آلودہ
 اور ان صبروں پر جو میدانِ کربلا میں برہنہ بے گور و کفن تھے۔ وہ یتیموں اور بیواؤں کی
 بہار تھے ان پر آنسو بہا جو ہر صبح قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ جو دینِ مصطفیٰ کے
 علم، اس کے دال وہ اصحابِ قربانی اور حج و عمرہ تھے۔

بِنَفْسِي الْيَسَاءُ الْفَاطِمِيَّاتِ اُصْحَبْتُ = مِنْ الْاَسْرِ كَيْتُوْنُ كُنْ مِنْ نَفْسِي يَرْفَعُ
 وَ قَدْ اَبْرُوْذُهَا جِهْرًا مِنْ خُذُوْنِهَا = عَشِيَّةً لَا حَامِ يَذُوْ وَ يَكْفُ
 كَوَاذِبُ يَخْذِرُ مِنْ جَلَالَةِ قُدْرِهَا = بِهَيْبَةِ اَنْوَارِ اِلَهِ يُسَجِّعُ
 لَقَدْ قَطَعَ الْاَكْبَادُ حَزَنًا مُصَابِهَا = وَ قَدْ غَاذَرَ الْاَحْشَاءُ وَ هَفُوْ دَرْجِفُ

ہماری جانیں قربان ان نامی مستورات پر، نبات علی ربّوں پر جو قید کی وجہ سے اس
 قدر بے وارث تھیں، ان لوگوں سے رحم و کرم کی طالب تھیں جو رحم سے نا آشنا تھے
 گندل بے حیاؤں نے انہیں اس وقت بے پردہ و بے حجاب کر دیا جبکہ ان کے
 حامی و مددگار مارے گئے تھے۔ ان کی کوئی حمایت کرنے والا نہ تھا۔ جو دشمنوں کو ان سے
 دور کرتا۔

جلالتِ قدر کے پردے میں وہ محبوب تھیں اور ہیبتِ انوارِ الہی کی پوشش میں مستور
 تھیں۔

ان کی مصیبت اور دکھوں نے غم و حزن کی وجہ سے کچھ پارہ پارہ کر دیئے اور دل سینوں
 میں لڑنے اور کا نپتے تھے۔

آخر کار بیمارِ پسرِ حسینؑ اور تیدیٰ امامِ اپنی پھوپھیوں، ماؤں، بہنوں اور یتیم بچوں کے
 ساتھ دکھوں کا دریا عبور کر کے، غموں کے منہرِ حار اور مصیبتوں کے گردابِ دُشمن میں پہنچ گیا۔

ہماری لاکھ جانیں قربان ہوں مدینہ کی ان شہزادیوں اور ہاشمی مستورات پر جنہوں نے سیکڑوں میل کی مسافت دکھی دلوں، تھکے ہوئے زخمی بدنوں، بے ہنہ سروں کے ساتھ شتران بے کچا وہ کی پشتوں پر بٹے کی، دشوار گزار راہوں، اونچے نیچے پہاڑوں اور خارزار جنگلوں کو بھوک و پیاس کی تکلیفوں کے ساتھ طے کیا۔ ایک شہر کے ہجوم سے وداع ہوتیں دوسرے شہر کے تماش میں لوگ انتظار میں ہوتے کسی منزل پر قیام کو کوچ اپنی مرضی سے نہ ہوتا۔ یہ بے وار شہزادیاں اور غریب الوطن قیدی ان ظالموں کی مرضی کے پابند تھے جن کی فطرت میں ظلم و تشدد تھا۔ کوئی اور مستورات ہوتیں تو یقیناً راہ میں مرجاتیں۔ لیکن ہاشمی، مستورات تھیں جنہوں نے عزم و ہمت کی غذا اور صبر و تحمل کی خوراک سے پرورش پائی تھی۔ بیت الوحی اور مدارس آیات قرآن کی تعلیم یافتہ تھیں۔ نبوت و امامت کے چشموں سے میراب ہوتی رہیں۔ حق و صداقت کی خاطر قربانی دینے کی تربیت سے آراستہ تھیں۔ عزم و استقلال کا کوہ گراں تھیں۔ ہیبت الہیہ، عزیت محمدیہ، جلالت حیدریہ، عصمت فاطمیہ، خشم حسینیہ اور استقامت حسینیہ نیز قوت قدسیہ کی مالک و وارث تھیں۔ جس مقصد کو لے کر حسین مدینہ سے کربلا آئے، اسی مقصد کو لے کر یہ کربلا سے تمام آئیں۔ حسین نے اپنا عہد و پیمان پورا کیا۔ اور انہوں نے اپنا عہد و پیمان نبھایا۔ مقصد شہادت حسین اور ان کے اقدام کو جنگلوں، شہروں، بازاروں اور درباروں میں اس انداز کے ساتھ پیش کیا کہ ان کی تقریر کا ہر لفظ سامعین کے دلوں میں اتر گیا۔ اسی مقصد کی عظمت، نصیب العین کی پاکیزگی اور بندگی اور حق و صداقت کے پرچار اور اعلا کلمۃ الحق نے ان کی قوتوں کو مضاعف نہ ہونے دیا۔ بدن تھک گئے۔ مگر ارادے اور دل لے تازہ رہے۔ جسم کمزور ہو گئے مگر دل و دماغ مضبوط رہے۔ پیاس کی وجہ سے ہونٹ خشک ہو گئے خلق کا تابن گئے مگر زبانیں حق و صداقت بیان کرنے میں تر رہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے اہم امور عظیم فرائض عظیم دینے کیلئے خدا ایسی ہی ہستیاں خلق فرماتا ہے۔ الغرض تمام آگئی۔ سفر ختم ہو گیا۔ یزید کے پایہ تخت دمشق کی دیواریں نظر آنے لگیں، دمشق سے باہر ایک مقام ہے۔ جسے جبرون کہتے ہیں۔ اس مقام پر یزید کا ایک محل تھا۔ یہ اپنے محل کی بالائی منزل پر بٹھا تھا۔ قیدیوں کے قافلہ اور سروں کی آمد کے انتظار میں تھا۔ اسے دور سے یثرب کے قیدی اور شہداء کے سر نظر آنے لگے۔ یہ سرور کے نقشہ میں غمور تھا اور

اپنی فتح و کامیابی کے گھنٹہ میں شامیان۔ اس اثناء میں ایک کوسے نے کامیں کاٹیں کی۔ نیند نے یہ شعر پڑھے :-

لَمَّا بَدَتْ تِلْكَ الْحَمُولَ وَأَشْرَفَتْ تِلْكَ الرُّؤْسُ عَلَى رُبَا حَبِيرٍ دَنْ
لَحِبِ الْحُرَابِ نَقَلْتُ مَحْجَ أَوْكَ نَصَح فَلَقَدْ قَضَيْتُ مِنْ الرُّسُولِ دُيُونِي

جب سواریاں ظاہر ہوئیں اور سر حیران کے ٹیلوں پر نمودار ہوئے تو کوسا چلانے لگا۔ میں نے اسے کہا اب تو چلا یا نہ چلا، میں نے رسول سے اپنے قرضے چکا لئے ہیں۔
یزید کا یہ اشارہ تھا کہ عہد نبوی کی اسلامی جھگڑوں خاص کر بدر کی جنگ میں جو بنی اُمیہ کے افراد خصوصاً انوی سردار مارے گئے تھے میں نے جنگ کر بلا میں پیغمبر کی اولاد قتل کر کے اور ان کی بیٹیاں قید کر کے ان کا بدلہ لے لیا ہے۔

یزید کو قتل حسین اور جنگ کر بلا کی ظاہری فتح پر انتہائی خوشی تھی۔
اپنی مادی کامیابی اور مستورات بنی ہاشم کی درباری پیشی پر اس

دشمن کی سجاوٹ

نے جشنِ مسرت منانے کا فیصلہ کیا۔ ہر قبیلہ کے سردار کو دشمن میں ایک گروہ کثیر کیساتھ حاضر ہونے کی دعوت دی۔ دشمن کی آئینہ بندی، بازاروں اور دوکانوں کی آرائش اور دربار کی زیبائش کا حکم دیا۔ درباری افسروں کو شاہی خلعتیں تعظیم کی گئیں۔ اور باشندگانِ دمشق اور اطراف و اکناف کے لوگوں کو لباسِ فاخرہ پہننے، خوشبوئیں لگانے اور خوشیاں منانے کی تاکید کی گئی۔ زن و مرد اس مسرت میں شریک تھے۔ آلاتِ لہو و لعب، شادیانے، طبلہ، ڈھول بجانے کا خاص تاکید حکم تھا۔ ہر قبیلہ کا امیر اپنے ساتھ ایک گروہ لے کر، اور شادیانوں اور گانے بجانے کے آلات کے ساتھ قیدیوں کا نظارہ دیکھنے کے لئے باہر نکلتا۔ ایسے موقعوں پر اشرار، اوباش، کینے اور ذلیل قسم کے لوگ زیادہ تعداد میں جمع ہوتے ہیں۔ اور بے دینی، پست اور خوشامداری کینے شاہوں کی خوشامد، چالوسی میں کس قدر غلط تعریف و توصیف بیان کرتے ہیں۔ اور ان کے مخالفین خواہ کتنے ہی ٹھیک ہوں، کے حق میں نازیبا و گستاخانہ اور دل دکھانے والے فقرات استعمال کرتے ہیں۔ یہی حالت دمشق کے بازاروں اور بیرونِ شہر جمع عام کی تھی۔

اہلِ حرم کو بلا سے شام تک ہر بڑے شہر میں جمع عام اور لوگوں کا اثر و ہام خلق کثیر تشریروں کی بھیڑ دیکھ کے اور ہجومِ انہرا کو عبور کر کے تنگ آچکے تھے۔ ایک شہر کی تماض میں

نگاہوں سے نجات ملتی۔ تو دوسرے شہر کے لوگ قیدیوں کے آنے کے انتظار میں ہوتے اور
 دمشق تو تمام بے حیائیوں کا مرکز تھا۔ اور اہل بیت کے دل دکھانے اور انہیں ذلیل کرنے
 کا ہر قسم کا سامان مہیا کیا گیا تھا۔

اہل حرم ابھی دمشق شہر سے باہر تھے کہ لوگوں کا سیلاب
 شہر سے باہر اُٹ پڑا۔ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں تماشائی

اُمّ کلثوم کا سوال

جمع تھے۔ جن کی نظریں قیدیوں کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ سخی

قدرت خدا کی جتن ہے قتل حسینؑ کا

تماشاؤں کا اتنا بڑا ہجوم دیکھ کر جناب اُمّ کلثوم بنت علیؑ نے شمر سے کہا: شمر!
 میرا ایک سوال ہے۔ حضرات! جناب اُمّ کلثوم کا سائل ہونا اور پھر شمر کہنے سے۔
 دمشق سے باہر دشمن کے شہر میں، کتنی اذیت ناک بات ہے۔ یہ ہے انقلابِ زمانہ؟
 شمر نے سوال پوچھا۔ جناب اُمّ کلثوم نے فرمایا! دیکھ شمر! ہم رسول کی بیٹیاں، علیؑ کے
 کی شہزادیاں ہیں۔ گھروں سے باہر کبھی نہ جاتی تھیں۔ آج دربار کی پیشی ہے۔ ہمارے
 سر اور منہ بغیر چادروں کے ہیں۔ ہزاروں کے مجمع عام سے ہمیں نہ گزارے۔ لوگوں کی
 نگاہوں سے بچا۔ اور ہمیں ایسی گلی سے دربار میں لے جا جہاں لوگوں کا ہجوم کم ہو۔ تماشائی
 زیادہ نہ ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ شہزاد کے سروں کو مستورات کے محلوں سے دور رکھ تاکہ
 لوگ سروں کے دیکھنے میں مشغول ہو جائیں اور ہماری طرف تماشائیوں کی نگاہیں
 شریف زادوں کا سوال تھا۔ شریف ہی شرفاؤ کی تذکرہ کرتے ہیں۔ کہنے لوگ شریفوں
 کی تذکرہ کیا جائیں؟ یہ کیا کم مصیبت ہے کہ شریف زادی کہنے سے سوال کہنے پر
 مجبور ہوئی۔ اور پھر کہنے نے جس کینہ انداز سے جواب دیا۔ شریف زادی دختر رسول
 خون کے گھونٹ پی کے رہ گئی۔ سوائے ضبط کے کوئی چارہ نہ تھا۔ فریاد کا کوئی مقام نہ تھا۔
 خود کشی حرام تھی۔ بے نیاز کی آزمائش پر صبر کیا۔ سر جھکا لیا۔ خاموشی سے جانبِ آسمانی
 دیکھا۔ مدینہ کی طرٹ نظر کی۔ اور امتحان دیکھ کہ عزم و استقلال کو سنبھالا۔ شمر نے
 کہا۔ رسول زادو! یہ مجمع عام تو تمہارے تماشے کے لئے ہی اکٹھا کیا گیا ہے۔ بازار
 تمہارے لئے سجائے گئے ہیں۔ اور عام لوگوں کو تمہارے ہی استقبال کی دعوت

دی گئی ہے۔ یہ جتنی مسرت تمہارے واسطے منایا گیا ہے۔ لہذا تمہیں مجمع عام اور بازار کی بھیڑ سے گزاروں گا۔ اور سراسر اٹھانے والوں کو حکم دیا کہ سب کو محلوں کے ساتھ ساتھ رکھو۔ اور ایسے نازیبا و گستاخانہ کلمات کہے کہ ہاشمی شہزادیوں کے دل زخمی ہو گئے۔ اور کلیجے پھٹ گئے۔ اس ملعون نے سادات کو باب الساعات سے گزارنے کا حکم دیا جس میں لوگوں کی سب سے زیادہ بھیڑ تھی۔

ایک تابعی کی روپوشی

تابعین وہ لوگ ہیں جنہوں نے جناب رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا زمانہ نہ پایا ہو۔ لیکن ان کے اصحاب کا زمانہ پایا ہو۔ ایک تابعی کے متعلق وارد ہے کہ شہر دمشق میں رہتا تھا۔ جب عمر بن الخطاب شہداء اور امیران آل محمد نہایت خستہ حالت اور بے عزتی کے ساتھ ذیل قیدیوں کی طرح شام میں لائے گئے تو اس کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ شدت غم کی وجہ سے وہ ایک مہینہ روپوش رہا۔ اس کے دوستوں نے اس کی تلاش شروع کی، اور ایک مہینہ بعد اس کو ڈھونڈ نکالا۔ تو اس کی روپوشی کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ تم نے نہیں دیکھا کہ ہم پر کیا مصیبت نازل ہوئی، خاندان رسالت کے ساتھ اُمت نے کیا سلوک کیا۔ پھر اس نے نہایت دروالم میں ڈوبے ہوئے اشعار کہے:

جَاءَ وَبِرَّاسِكَ يَا بَنِي بَنِي مُحَمَّدٍ = مُتَمِلًّا بِدَمَائِكَ تَرْمِيْلًا
وَكَا تَمَّا بِكَ يَا بَنِي بَنِي مُحَمَّدٍ = قَتَلُوا جِهَارًا عَامِدِينَ رَسُولًا
قَتَلُوا عَطَشًا نَاوَلْمُ يَتَرَقِبُوا = فِي قَتْلِكَ الشَّوِيلَا وَالشَّزِيلَا
وَيَكْبَرُونَ بِأَنْ قَتَلْتَ وَإِنَّمَا = قَتَلُوا بِكَ التَّكْبِيرُ وَالْتَهْلِيلَا

اے نواسہ رسول! تیرا سر خون آلودہ نیرے پر سوار کر کے شام لائے گویا کہ انہوں نے جان بوجھ کر اپنے رسول کو قتل کیا ہے۔

ان ظالموں نے تجھے پیا سا شہید کیا اور تیرے قتل کرنے میں قرآن اور اس کی تاویل کا کچھ لحاظ نہ کیا۔

تیرے قتل پر ان سگدروں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔ تیرے قتل کے ساتھ انہوں نے تکبیر و تہلیل کو قتل کر ڈالا۔

سہیل بن سعد ساعدی

سہیل بن سعد ایک صحابی رسول پاک ہیں۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر بیت المقدس کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ وہاں سے میں شام پہنچا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ شہر کے دروازے آراستہ ہیں۔ بازار سجائے گئے ہیں۔ جھنڈے بلند کئے گئے ہیں۔ لوگ ٹوٹیوں کی صورت میں، زرق برق لباس پہنے چل پھر رہے ہیں۔ دکانوں پر زنگار پر سے ٹکائے گئے گئے ہیں۔ گلیاں اور بازار ہجوم خلق سے بھرے ہوئے ہیں۔ شادی بیاہی ہوئی ہے۔ عورتیں خوب صورت لباس پہنے فرط مسرت سے طبلے اور دھنیں بجا رہی ہیں۔ زن و مرد نہایت خوشی کے عالم میں بازاروں اور گلیوں میں گھوم رہے ہیں۔ گویا ایک عظیم الشان جشن مسرت منایا جا رہا ہے۔ شام کی یہ حالت دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ یا اللہ! آج عید بھی تو نہیں ہے۔ اور یہ اسباب سرور کیوں ہیں؟ سہیل کہتا ہے کہ میں نے ایک گروہ دیکھا۔ وہ آپس میں کچھ خفیہ باتیں کر رہے تھے۔ میں ان کے قریب گیا اور وجہ مسرت دریافت کی کہ آج یہ خوشیوں کے سامان کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا: یا شیخ! تم کوئی اجنبی اور بادیہ نشین اعرابی معلوم ہوتے ہو۔ اور شہر کے حالات سے ناواقف ہو۔ میں نے کہا میں صحابی رسول ہوں۔ میرا نام سہیل بن سعد ہے۔ تمہارے شہر میں اجنبی ہوں۔ انہوں نے کہا۔ اے سہیل! زمین پھٹ کیوں نہیں جاتی اور آسمان کیوں نہیں گر پڑتا؟ خون کی بارش کیوں نہیں ہوتی۔ دنیا کیوں قائم ہے؟ کتنی بڑی مصیبت واقع ہوئی ہے۔ یہ نواسہ رسول کا سر عراق سے دربار ینبیر میں لایا جا رہا ہے۔ حسین مع اقرباء و انصار میدان کربلا میں پیاسے مارے گئے۔ ان کی مستورات کو ذلیل قیدیوں کی طرح اذیتوں پر سوار کر کے سر برہنہ بازار میں ہجوم سے گزارنے کے لئے لا رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی اور مصیبت ہو سکتی ہے۔ سہیل کہتا ہے۔ یہ سن کر میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ہائیں! حسین بن علی کا سر نیزے پر۔ اور رسول کی بیٹیاں اونٹوں پر بلوہ عام میں بے مقصد و چادر!

اتنا ظلم! اور لوگ خوش ہوتے ہیں۔ واہ مصیبتا! قتل حسین پر جشنِ مسرت اور نبی زادوں کی قید پر عید، سہیل نے سر پیٹ کر کہا۔ کس دروازے سے آرہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔

”بابِ الساعات“ سے داخل ہو رہے ہیں۔ شدتِ غم سے یہ بوڑھا صحابی روتا ہوا اس جانب بڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے جھنڈے آ رہے ہیں۔ ان کے پیچھے نیزوں پر سرسوار ہیں۔ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے۔ اس کے ہاتھ میں نیزہ ہے۔ جس پر ایک سر نورانی چہرہ دوشنِ پیشانی، چاندک مانند گول ہے۔ زلفیں ہرا میں لہرا رہی ہیں۔ ریش مبارک پر حجاب کا اثر ہے۔ سیاہ چکدار آنکھیں۔ جلالِ محمدی، جلالِ حیدری آشکار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسولِ پاک ہیں۔ سہیل کا بیان ہے کہ سب ہیروں سے آگے جناب عباس کا سر تھا۔ رعب و جلال چہرہٴ آدم سے نمایاں تھا اور امیر المومنین علی کے مشابہ تھا۔ ان سرور کے بعد چند عورتیں کہند لباس میں بے کچارہ اڑھنوں پر سوار تھیں۔ ان کے سروں پر چادریں نہ تھیں۔ غربت برس رہی تھی۔ بے پردہ بیبیاں حسرت سے سر جھکائے ہوئے تھیں۔ لوگوں کی نظریں ان کی جانب اٹھتی تھیں اور وہ سونے زمین دیکھتی تھیں۔ کوٹھوں کی چٹوں پر عورتوں کا ہجوم تھا۔ قریب ہوں لاکھوں جانیں ہم عزاداروں کی اسے دخترانِ رسول، بتوں کی بیٹیاں پشتِ خنجران پر غم کے آنسو بہا رہی تھیں اور زندانِ فاحشہ کوٹھوں پر مسکرا رہی تھیں۔ بعض عورتوں کی جھولیوں میں پتھر تھے۔ یتیم بچوں اور سر بہنہ نبی زادوں پر شام کی عورتوں نے پتھر برسائے شروع کر دیے۔ سہیل بن سعد بیان کرتا ہے کہ جب یہ لاوارث بیبیاں اور یتیم بچے بے کسی و مظلومی کی حالت میں بازار سے ہجوم کو چیر کر گزر رہے تھے، تو یکایک کوٹھوں سے پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔ ایک مکان کے دربار میں پانچ عورتیں کھڑی ہیں۔ ان میں ایک کبڑی اور بوڑھی عورت تھی جب جناب زہرا کا چاند اس منزل کے قریب سے گزرا تو اس ملعونہ نے پتھر مارے، ایک پتھر نور رسول اور عین بتوں کے دندانِ مبارک پر لگا۔ سہیل کہتا ہے کہ میرے دل پر سخت چوٹ لگی، میں اور تو کچھ کہ نہ سکتا تھا۔ ہاتھ اٹھائے غم زدہ دل اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ بددعا دی: ”اَللّٰهُمَّ اَهْلِكْهَا وَ اَهْلَیْهَا مَعَهَا یَحْقُّ مُحَمَّدٌ وَّ اٰلِہٖ اٰجَمِیْنَ“ ”خدا یا اسی بدبخت کبڑی عورت اور اس کے ساتھ والی عورتوں کو ہلاک کر، ابھی سہیل کی دُعا ختم نہ ہوئی تھی کہ دربار ٹوٹ گیا اور وہ ناپاک عورتیں ہلاک ہو گئیں۔

سہل کہتا ہے کہ پہلے اونٹ پر ایک صغیر السن لڑکی سوار تھی۔ میں اس کے قریب گیا۔ اور پوچھا۔ ”مَنْ اَنْتُمْ؟“ قَالَتْ: اَنَا سَكِينَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ“ میں سکینہ بنت حسین ہوں۔ میں نے کہا میں سہل بن سعد ہوں۔ آپ کے جد امجد رسول پاک کا صحابی ہوں۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بجالاؤں۔ جناب سکینہ نے فرمایا یا شیخ الیٰہم! تمراٹھانے والوں سے کہو کہ یہ سہم سے دور لے جائیں تاکہ لوگ ان سروں کے دیکھنے میں مشغول ہو جائیں اور ہم نامحرموں کی نگاہوں سے محفوظ ہو جائیں۔

سہل کا بیان ہے کہ میں حاملین کے پاس آیا۔ میرے پاس چار سو دینار تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ چار سو دینار تمہیں پیش کرتا ہوں کہ ان سروں کو مستورات سے دور رکھو تاکہ لوگ غاندنِ رسالت کی شہزادیوں کی طرف نہ دیکھیں اور سروں کو دیکھنے میں مصروف رہیں۔ وہ لوگ اس بات پر آمادہ ہو گئے اور مذکورہ رقم میں نے ان کے حوالے کر دی۔

بازار کا سفر

واضح رہے کہ جس روز مستوراتِ سادات دمشق میں پہنچی ہیں۔ اسی روز داخلِ شہر نہیں ہوئیں۔ کم از کم ایک روز بیرونِ شہر بیٹھی رہیں۔ کیونکہ شہر کی آرائش نہیں ہوئی تھی۔ بازار اور دربار سبجہ نہ تھے۔ اس واسطے شہر سے باہر اسیرانِ مدینہ کو ایک دن اور رات قیام کرنا پڑا۔ ویسے کتابوں میں تو تین دن مذکور ہیں۔ جب پوری طرح شہر کی آئینہ بندی ہو چکی تھی اور مکمل طور پر شہر سچ گیا تھا۔ آس پاس کے تمام رؤسا، امراء اور رعایا کے لوگ دمشق میں پہنچ چکے تھے۔ تب قیدی امام اور اسیرانِ آلِ محمد مستوراتِ ہاشمیہ و خترانِ زہرا کو داخلِ شہر ہونے کا حکم ملا۔ کتنا مجمع تھا؟ شہر کے گلی کوچے، بازار و میدان زن و مرد سے بھرے ہوئے تھے۔ جہاں قیدی قیام پذیر تھے۔ کھلا میدان تھا۔ عرصہ مختصر معلوم ہوتا تھا۔ تاریخیں بتاتی ہیں کہ تقریباً پانچ لاکھ کی تعداد میں قنابیوں نے دخترانِ رسول کا استقبال کیا۔ تماشا دیکھا۔ دوسرے روز باب الساعات کی طرف سے بازار میں اسیرانِ آلِ محمد کو داخل کیا گیا۔

(خوٹے) یہ جو پڑھتے ہیں کہ اسیرانِ آلِ محمد کو تین میل یا نو میل دمشق سے باہر حکم ملا کہ پیدل چل کر شہر میں آئیں اور پیدل بازار کا سفر کریں۔ بالکل غلط ہے۔ سراسر غلط ہے،

سراسر غلط ہے۔ کسی معتبر کتاب میں پیدل چلنے کی روایت موجود نہیں۔

علاوہ ازیں یہ امر مقصدِ تیرید کے خلاف تھا۔ کیونکہ اس ملعون کو اہل بیت کی ہر طرح کی توہین مقصود تھی۔ مجمع عام اس لئے اکٹھا کیا گیا تھا کہ لوگ قیدیوں کو دیکھیں۔ ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں زمین پر چلنے والے قیدی کیسے نظر آسکتے تھے۔ معمولِ سابق کے مطابق اونٹوں پر سوار تھے۔ اور ہر شخص اونٹوں کی بلندی پر دیکھتا تھا۔ جس طرح کہ سرنیزوں پر سوار تھے تاکہ ہر شخص کو نظر آئیں۔ بلند آواز سے ندا دی جاتی تھی۔ لوگو! آلِ محمد کے قیدیوں کا قماشہ دیکھو۔ یہ آلِ محمد کے اسیر آگئے ہیں۔ یہی دردِ سیدِ سجاد اور دخترانِ زہرا کو کھا گیا۔ کہ بتوں کی بیٹیاں پشتِ شتران پر بے مقنعہ و چادر میں۔ اور لاکھوں تماشائی ہیں۔ خود سیدِ سجاد بھی اونٹ پر سوار رہے۔ کہ بلا سے شام تک اونٹوں پر سفر کیا۔ روایات میں اتنا آیا ہے کہ گہ پڑنے کے خوف سے سیدِ سجاد کے پیر اونٹ کے پیٹ سے وہی کے ساتھ باندھ دیئے گئے تھے۔ بازار کا سفر نہیں چار فرلانگ سے زیادہ نہ تھا۔ لیکن طلوعِ آفتاب کے کچھ بعد اسیرانِ کربلا داخلِ بازار ہوئے اور زوالِ آفتاب کے بعد دربار تک پہنچے۔ بازار کی بھیڑ اور ہجوم عام کو چیر کر آنا تھا۔ تماشا یوں کا اصرار تھا کہ بار بار اونٹ روک دیئے جلتے یا یزید کا ارادہ یہ تھا کہ یہ سفر آہستہ آہستہ طے ہو۔ اور مستورات و سیدِ سجاد کو زیادہ سے زیادہ اذیت پہنچے۔

حضراتِ مومنین! بازارِ شامِ معیشت میں میدانِ کربلا سے کم نہیں۔ بلکہ میں تو کہوں گا بازارِ شام کا قیدیوں کا ایک قدم شہداء کربلا کی قربانیوں کے برابر ہے۔ ادبِ اش لوگوں کے طعنے سننے فاحشہ عورتوں کی زبان درازیاں اور پتھروں کی بارش اور بے حیائیوں کے مجمع عام میں سے مستوراتِ ہاشمیہ کلبے حجاب گھنڈنا۔ ان کا ایک ایک قدم ہزاروں شہداء سے زیادہ دردناک اور غم خیز ہے۔ شہیدِ راہِ خدا شہادت پاکر راحت میں چلا گیا۔ لیکن اسیرِ راہِ خدا کا ہر دم دکھ میں اور ہر پل مصیبت میں، پھر جہاں غیرت کا سوال ہو، مستورات اور وہ بھی قید ہوں کہ تمام کائنات اور سامنے جہانوں میں کوئی گھرانہ ان کا ہم مثل نہ ہو۔ اور بے حجاب و برہنہ سرِ بانو میں، آج کوئی شریف خاندان اپنی مستورات کو بازار کی طرف بھیجنے پر رضا مند نہیں ہوتا۔ حالانکہ باپِ مدہ سوار یوں کا انتظام بھی ہوتا ہے۔ لیکن رسول کی بیٹیاں۔ عبدالمطلب کی اولاد، دخترانِ علی و تبول

پرانے میلے لباس میں سر رہنے کنبہ قتل کرا کے، گھر چلا کے، سامان لٹوا کے، عزیز سلسلے نیرول پر اور
خود فتران بے کجاہ پر سوار ہیں۔

غلغلہ یہ ہو گیا تھا خاص وعام میں سرنگے زینب آئی ہے بازار شام میں
شہیدان کربلا صرف ایک دن روزِ عاشورہ سختیاں اٹھا کر رحلت کر گئے۔ لیکن
سید سجاد کربلا سے شام کے زندان تک ہر قدم پر شہید ہوتا آیا ہے۔ شہداء کربلا ایک بار قتل
ہوئے لیکن اسیران کربلا ہر قدم پر بار بار قتل ہوتے رہے۔ ان کی قیدیں ہزاروں قتلوں کا
رد ہے اور ان کے سفر میں کئی شہداء توں کا غم ہے۔
بہر حال قید کا قہر قتل کی داستان سے زیادہ غم انگیز ہے۔ اور بازاروں درباروں کی مصیبت
میدان کربلا سے کہیں زیادہ ہے۔

امام مظلوم سید الشہداء کا سیرا طہر نیر ہے پر سوار تھا جس میں بدر منیر تھا۔ رعب
جلال ٹپک رہا تھا۔ تاریخ نے اس وقت کی یوں تصویر کشی کی ہے۔
بنیتِ محمدیہ اور حشمتِ حیدریہ نمایاں تھی، نور چک رہا تھا۔ رعب ٹپک رہا تھا۔ بڑھاپے
کے آثار نمایاں تھے۔ خضاب لگا ہوا تھا۔ آنکھیں سیاہ اور چمکدار تھیں۔ ابروئیں کمان کی مانند نوکدار
پیشانی کشادہ، ریش مبارک گول، چہرہ پر بنشاشت تھی۔ ریش مبارک اور زلفیں ہوائیں لہرا رہی
تھیں۔ اور لوگ عوجیرت تماشا و جمال تھے۔

جواب میرانیس مرحوم کا ایک بند کیا ہی مناسب مقام ہے۔
وہ ریشِ غضب وہ رُخِ سید والا
ہے چاند نے منہ شام کے پرے نکالا
وہ گیسو مے مشکیں کا رُخِ پاک پہ ہلا
تھا صبح پہ دامنِ شبِ معراج نے ڈالا

رخساروں پر کچھ زلف سنی لہرائی ہے

خورشید پر زہرا کے گھٹا چھائی ہوئی ہے

اس سر مبارک سے آگے آگے ایک شخص سورہ کہف کی تلاوت کرتا جا رہا تھا جب وہ
اس مقام پر پہنچا: اَمْ حَسِبْتَ اَنْ اُفْضَحَ الْكُفْرَ وَالْزَّيْمِ كَاُنْوَ مِنْ اٰیَاتِنَا عَجَبًا نَالِ خَلْقِی
وَحَلْقِی "میرا شہید ہونا اور نوکرِ سنان پر سوار ہونا اصحابِ کہف سے زیادہ عجیب سے ہے

آواز عیاں شد از سرِ شاہ بہت آں عجب یا ایں عجب
تماشا یوں کے ہجوم میں عورتیں بھی تھیں، مرد بھی تھے۔ جنگِ صفین میں شامی مرو کا فی مارے

کئے تھے۔ ان کی عورتیں بعض دیکھنے والوں میں لئے فرجاں و شاداں تھیں۔ طنز پر مجھے کہتی تھیں۔ پتھر مارتی تھیں۔ کچھ لوگ امیر ملک اور حاکم وقت کے حکم کی تعمیل میں آل محمد کو سب و ستیم کر رہے تھے۔ اور کچھ خوشامد اور چالوسی کے سلسلہ میں زبان درازیاں کر رہے تھے۔ اور کچھ خوشامد تماشا کی خاطر جمع ہوئے تھے۔ بہر حال غم خواہ اور ہمدرد کم تھے، اکثر لوگ ان کی شرافت و شان اور عزت و خاندان سے ناواقف تھے۔ عام لوگوں کی روش کے مطابق باغی مجھے ہوئے تھے۔ اور دیکھا دیکھی مصروفِ رقص و مسرت تھے۔ یہی حالت عورتوں کی تھی بعض عورتیں نرم دل ہی ہوتی ہیں۔ ان کے دل بھر آتے ہیں۔ جب کچھ عورتوں نے یہ نرا لے اسیر دیکھے کہنے لگیں کہ شکل و شہادت سے یہ کسی اونچے خاندان کے قیدی نظر آتے ہیں۔ کسی شاہی خاندان کے سرور اسیر ہیں۔ نہ معلوم کس مصیبت میں گرفتار ہو کر آگئے ہیں۔ ہم نے آج تک اس رعب و ہمت والے قیدی نہیں دیکھے۔ زمانہ بدلتا رہتا ہے۔ کوئی عظیم خاندان گرفتار بلا ہے۔ کسی نے جا کر پوچھا: مئی ایتی السبایا ایتقم؟ جناب سکینہ نے جواب دیا: کھنچی سبایا آل محمد۔ (ہم قیدی آل محمد ہیں)

دربارِ نرید

علی بن الحسین بیار کہ بلا اسیر امام بازار کو عبور کر کے ہجوم عام اور اشرار کی بھڑک چکر۔ دربارِ نرید تک پہنچ گیا اور سرسید الشہداء بازار کا سفر طے کر کے فاحشہ عورتوں کے پتھروں سے مجروح ہو کر تمام سروں سمیت دربارِ نرید کی سیڑھیوں پر آگیا۔

مستوراتِ اہل بیت بازار سے گزر کر اس آخری منزل میں پہنچ گئیں۔ جس کے لئے طویل سفر طے کر کے دخترانِ نہر کو طلب کیا گیا تھا۔ منازلِ امتحان کی یہ آخری منزل تھی اور مراحلِ مصیبت کا آخری مرحلہ سروں اور قیدیوں کا قافلہ تماشا میوں کے ہجوم میں سرِ دربار آگیا لیکن ہنوز دربار میں داخلہ کی اجازت نہیں ملی۔ دربار سے باہر روک دیا گیا۔ دربار کی سیڑھیوں کے قریب کھڑا کر دیا گیا۔ کیونکہ دربار ابھی پوری طرح سجانہ تھا۔

اسیرانِ آل محمد کو اس جگہ ٹھہرایا گیا تھا جہاں عام قیدی کھڑے کئے جاتے تھے اور مغلوبہ جنگوں کے گرفتار اسیروں کا مقام تھا۔

دربارِ نرید خوب سجایا گیا تھا۔ نرید کے لئے ایک ایسا تخت بچھایا گیا تھا جس میں ہر قسم کی

آرائش تھی۔ اس تخت کے دائیں بائیں سنہری و روپہلی کرسیاں قرینہ سے رکھی گئی تھیں۔ جن پر
 عمائدین سلطنت اور اکابر قریش بیٹھے تھے۔ یزید تاج حکومت سر پر رکھے فتح کے نشہ میں چور
 اور خمار سلطنت میں غور نشاد و سرور بیٹھا ہے۔ ہر کس کو اذن و دخول حاصل تھا۔ چنانچہ اس کا وسیع
 دربار حاضرین سے بھرا ہوا تھا۔ آج اُسے ظاہری کامیابی پر خوشی تھی۔ اور اس کی خوشی کی کوئی
 انتہا نہ تھی۔ اسے دوسری خوشی تھی کہ ایک تو خالفین مارے گئے تھے، ان کے مقتولین کے سر اور
 ان کی مستورات قیدی بنا کر حاضر کی گئی تھیں، اس کی سلطنت وسیع تھی، اور مضبوط تھی اور
 اس کا غلبہ مستحکم تھا۔ دوسری خوشی اُسے یہ تھی کہ اس نے خاندانی عداوت میں کامیابی حاصل کی تھی
 اور جنگِ بدر کے اموی مقتولین کا بھروسہ بدلہ لے لیا تھا۔

جس طرح دربار میں دخول کا یہ دن آلِ محمد کے لئے بے حد شدید کرہِ ناک تھا اور غم و
 مصیبت کی انتہا تھی۔ اس طرح یہ دن یزید کے لئے نہایت فرحت و سرور کا تھا۔ پنجتنِ پاک
 ماتم کنال تھے۔ بنی ہاشم کا گھرانہ برباد تھا اور بنی اُمیہ کے گھروں میں عید تھی۔ تین گھنٹے
 انتظار کے بعد سر مقدس کو پیش کرنے کا حکم ہوا۔ فرزندِ رسول تختِ بگمہ پر شہیدِ اصول
 تلاوت کے بعد خطیبِ منبر سلطنتی کا خطیب بیٹا نیرہ کے منبر سے اتر آیا اور ایک سنہری طشت
 میں جلوہ افروز ہوا۔ راکیبِ دوشِ رسول طشتِ طلائی میں یزید کے سامنے پیش ہوا۔

یزید نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا۔ دسترخوان بچھا یا گیا۔ شراب رکھی گئی۔ یزید اور
 اس کے ساتھی کھانا کھانے لگے اور شراب پینے لگے، یزید جب کھانے سے فارغ ہوا تو بساط
 بچھا کر یار دوستوں کے ساتھ شطرنج کھیلنے میں مشغول ہو گیا۔ اس کھیل میں جب ساتھیوں پر
 کامیابی حاصل کرتا تو شراب کے جام پیتا اور اس جام میں شراب بچھا کر سرِ امام کے قریب زمین
 پر گر ادیتا۔ ساتھ ہی خاندانِ بنی ہاشم کا بُرائی کے ساتھ ذکر کرتا۔ زبانی اور عملی طور پر روحِ پنجتنِ
 پاک کو شدید ازیت پہنچاتا تھا۔ سرِ امام کے روبرو ان کے رُوح کو ازیت دینے کے لئے اُس
 نے دو کام کئے۔ شطرنج کھیل اور شراب کا دور چلایا۔ جسے قرآنِ پاک میں اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسُورُ
 کے تحت عملِ شیطان کہا گیا ہے۔ یہ اس کی اسلام سے کھلی بغاوت اور دین سے صراحتاً سرکشی تھی۔
 گویا وہ روحِ رسول کو صدمہ پہنچا رہا تھا۔ اور احکامِ قرآنی کی بے دریغ تکذیب کر رہا تھا۔ یہ دونو
 کام شیطانی اور یریزیدِ فعل ہیں۔

لَعْنَةُ الْخَمْرِ وَالْمَيْسُورِ وَالْاِزْمَامِ وَالْاِفْضَابِ رَجَبِيٍّ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ

اس واسطے امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو ہمارا شیعہ ہے وہ شراب اور شطرنج سے سخت بدبر ہنیز کرے اور اگر کسی وقت اس کی نظر شطرنج و شراب پر پڑے تو محمد و آل محمد پر درود پڑھے اور نیز یہ اور اس کے خاندان پر لعنت کرے۔ خدا اس کے گناہ معاف کر دے گا۔

ایک فریب خوردہ شامی کی توبہ و سہارا

سرا امام دربار میں فاسق کے سامنے پہنچ چکا تھا اور اسیر ابی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر تھکے ماندے اور جمع عام کی نظروں سے اکتانے ہوئے تنگ کھڑے تھے کہ اتنے میں چرچا عام سے متاثر اور اموی ہوا خواہوں کی بد زبانوں کا شکار ایک شامی جناب سید سجاد کے پاس آکر طنز و تشنیع کے فقرات ادا کرنے لگا۔

شیخ شامی: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي قَتَلَكُمْ وَ أَهْلَكَكُمْ وَ اَرٰ اَحَ الْبَلَادَ عَنْ رِجَالِكُمْ
وَ اَمَكُنْ اَمِيْنُ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْكُمْ دَالِدًا كَشَكَرَ هِيَ كَرِ اس نے تمہیں ہلاک و
بہ باد کر دیا اور ملک کو تمہارے مردوں سے راحت و سکون بخشا۔ اور امیر بنید کو
تم پر فتح دی، جناب سجاد نے اس کی غلط فہمی دور کرنے اور صحیح حالات سے
آگاہ کرنے کے لئے مؤثر کلام کیا۔ اور جناب قیدی امام کے مؤثر جملے شامی شیخ
کے متاثر دل میں اتر گئے۔

سید سجاد: يَا شَيْخُ هَلْ قَرَأْتَ الْقُرْآنَ؟ شیخ: کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟

شیخ شامی: "نَعَمْ"۔ ہاں پڑھا ہے۔

سید سجاد: قَدْ عَلِمْتُ عَرَفْتُ هَذِهِ الْآيَةَ: "قُلْ لَا اسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اَلَا الْمَوَدَّةُ فِي الْقُرْبَىٰ"۔

شیخ شامی: نَعَمْ عَرَفْتُ: ہاں میں پہچانتا ہوں۔

سید سجاد: "تَحَنُّنُ وَاللّٰهِ الْقُرْبَىٰ" "وَهَ تَقَرَّبَ بِنَدَاهُمْ هِيَ" پھر فرمایا: کیا تو نے اس
آیت کو پڑھا ہے: وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ

وَالنَّبِيُّ وَالَّذِي الْقُرْبَىٰ

شیخ شامی: ہاں پڑھا ہے۔

سید سجاد : وہ قربتِ رسول ہم ہیں۔ پھر فرمایا کیا تو نے یہ فرمانِ خدا قرآن میں پڑھا ہے۔
 اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا
 شیخ شامی : ”لَعَلَّ قُرْآنُكَ ذَالِكَ“ ہاں میں نے یہ فرمان پڑھا ہے۔

سید سجاد : نَحْنُ اَهْلُ الْبَيْتِ الَّذِيْنَ خَصَّنَا اللّٰهُ بِالتَّطَهُّرِ اے شامی، ہم
 ہی وہ اہل بیتِ رسول ہیں جنہیں خدا نے آیتِ تطہیر کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔
 شیخ شامی : بِاللّٰهِ عَلَيْكَ اُتَمُّهُمْ ہم؟ تمہیں خدا کی قسم واقعی وہ تم ہو؟

سید سجاد : وَحَقِّ جِدِّ تَامِرٍ سُوْلِ اللّٰهِ اَنَا لَنَحْنُ هَؤُلَاءِ غَيْرُ شَكٍّ۔ مجھے اپنے
 جدِ امجد رسولِ خدا کی قسم ہے میں سچ کہتا ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعی
 قربتِ دارِ رسول اور اہل بیت ہم ہی ہیں۔

یہ سننا تھا کہ اس شامی کی آنکھیں کھل گئیں۔ اموی ہوا خراہوں اور شامی خلیطوں کی غلط
 بیانیوں کا شکار اور سرکاری اہل کاروں کے پروپیگنڈے کا فریب خوردہ شامی جناب سجاد کے
 قدموں پر گر پڑا۔ اس کے دل کے خانے حق قبول کرنے کے لئے کھل گئے۔ سابقہ گستاخی اور
 گذشتہ بدزبانی اور بدظنی پر نام ہو کر معافی کا طالب ہوا۔ امامِ حق کے قدموں کے بوسے
 لئے۔ شامی نے فرطِ الم اور شدتِ غم سے عاتقہ امار پھینکا۔ گر بیان چاک کیا۔ زار و قطار
 رونا شروع کیا۔ پھر آسمان کی طرف رُخ پھیر کر کہنے لگا۔ ”اللّٰهُمَّ اِنَّا مُسَبِّرُوْا اِلَيْكَ مِنْ
 عُدُوِّ اَبِیْ مُحَمَّدٍ مِّنْ جَنِّ وَّ اِنْسٍ“ خدایا! ہم آلِ محمد کے دشمنوں سے جن ہوں یا انسان بنیں
 ہیں۔ پھر جناب سجاد سے توبہ کی درخواست کی، جناب سجاد نے فرمایا۔ اگر سچے دل سے توبہ
 کرو، تو خدا تیری توبہ قبول کرے گا۔ اس نے سچے دل سے سابقہ خلیطوں اور بد اعتقادوں
 سے توبہ کی، لوگوں نے اس کی اطلاع دربار میں فوراً بڑ بڑکے پہنچادی۔ بڑید نے اس کو قتل کر دیا
 وہ شامی جو غلط پہلے ناری تھا بہشتی ہو گیا۔ شقی تھا سعادت پا کر شہادت حاصل کر گیا۔

سراقدس سے یزید کی گستاخی

جناب سید الشہداء کا سر مبارک یزید کے سامنے تھا۔ اس کی ایک گستاخی تو یہ تھی کہ شراب
 پی کہ باقی ماندہ جام میں شراب سر مبارک کے پاس گرا دیتا تھا اور کہتا تھا، اے حسین! تیرا

کیا حال ہے کہ تیرا باپ ساقی کو تیرے ہے۔ جب میں روز قیامت ان کے پاس سے گزروں تو مجھے کوثر نہ پلائے۔ تیرے نانا نے شراب حرام کی تھی یہ شراب میں پی رہا ہوں۔ اور ساتھیوں سے کہتا تھا کہ خوب شراب پیو۔ یہ برکت والا شراب ہے۔ پھر سر مبارک کے پاس وہی شراب انڈیل دیتا تھا۔ پھر اس نے کہا کہ تیرے نانا نے سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال حرام قرار دیا تھا۔ اسی لئے میں نے تیرا سر سونے کے طشت میں رکھا ہے۔ تیرا باپ فخر کرتا تھا کہ میں نے بدر کی لڑائی میں سردارانِ قریش کو قتل کیا۔ اب تیرا سر میرے سامنے ہے۔ میں نے بدر کے دن کا بدلہ لے لیا ہے۔ پھر اُس نے یہ اشعار پڑھے۔

کَيْتَ اسْتَبَاخِي بِبَدْرِ شَيْهَدُوا
لَا هَلْؤُا وَاسْتَمَلُّوْا فَرْحًا
قَدْ قَتَلْنَا الْقُرْمَ مِنْ سَادَاتِهِمْ
وَ اخْذْنَا الثَّارَ مِنْ ابْنِ عَلِيٍّ
لَسْتُ مِنْ حُدُودِ اِنْ لَمْ تُنْقِمْ
لَعَبْتُ يَوْمَ هَاشِمٍ بِالْمَلِكِ فَلَا
اِنْ يَكُنْ اَحْمَدُ قَدْ مَاسَلَا
خَزْرَجِ الْخَزْرَجِ مِنْ وَفْعِ الْاَسَلِ
ثُمَّ قَالُوا يَا يَزِيدُ لَا تَسْتَلِ
وَعْدُنَا بِبَدْرِ كَا عُدَلِ
وَقَتَلْنَا الْفَارِسَ النَّذْبِ الْبَطْلِ
مِنْ بَنِي اَحْمَدَ مَا كَانَ فَعَسَلِ
خَبْرُ بَجَاءٍ وَلَا وَحْيُ نَزَلِ
فَلِمَ اُقْتُلَ عَلَيْهِ قَدْ اَحْلِ
تَرْجَمَ) کاش میرے وہ نہ رگ بدروالے آج موجود ہوتے جنہوں نے نیزے لگنے سے خنزرج کی جزر خنزرج دیکھی تو وہ بہت خوش ہوتے اور شاد ہو کر کہتے، نیزہ تیرا ہاتھ سلامت رہے کبھی شل نہ ہو۔

ہم نے بنی ہاشم کے بڑے سرداروں میں سے بڑے سردار کو قتل کیا ہے۔ اور جب ہم نے موجودہ واقعہ کا بدر کے واقعہ سے موازنہ کیا تو مقابلہ برابر ہو گیا۔ ہم نے علی کے بصرے انتقام لے لیا ہے۔ اور شہسواروں اور بہادروں کو تہ تیغ کیا ہے۔ میں خند نہ کر سکتا ہوں۔ اگر آلِ احمد سے ان کی کارگزاریوں کا بدلہ نہ لوں۔ بنو ہاشم نے ملک حاصل کرنے اور سلطنت قائم کرنے کا بس ایک ڈھونگ چایا تھا۔ ورنہ آسمان سے کوئی خبر آئی اور نہ وحی نازل ہوئی۔

اگر احمد واقعی رسول ہوتے تو ان کی اولاد پر تلوار کسی طرح چل سکتی اپنی اولاد کو قتل ہونے سے بچا لیتے)

اس کے یہ کافرانہ اشعار تختِ سلطنت پر اس کا تمکّن اور فتح کے نشہ میں بدستی اس کے تکبرِ فرعونیت اور بے دینی کا پتہ دیتے ہیں جس کی نظر میں قرآن غلط اور آخرت ایک فرضی فسانہ ہے۔
 وحقیقت ایسے امورِ شنیعہ اور مظالم و قتال کا ارتکاب وہی کہ تباہی جیسے خوفِ خدا نہ ہو، دلِ ایمان سے خالی اور عذابِ آخرت سے بے پرواہ ہو۔

اس کہنے کی گستاخی اور بے ادبی یہ تھی کہ اس نے ایک چھڑی بید کی منگوائی اور سرانندس کے دندانِ مبارک پر بے رحمی سے مارنے لگا۔ اور بدستی کے عالم میں ایک شاعرِ حصین بن حمام مری کے یہ شعر پڑھنے لگا۔

اَبٰی قَوْمًا اِنْ يَنْصِفُوْنَا فَانْصَفَتْ قَوَاضِيُنَا اَيْمَانُنَا لَقَطَطُ الرِّدْمَا
 فُفْلَقَ هَامًا مِنْ بَرِّ جَالٍ اَعِزَّةٌ عَلَيْنَا وَهُمْ كَانُوا اَعْقَادًا ظَلَمَا
 ہماری قوم نے ہمارے ساتھ انصاف کرنے سے انکار کر دیا۔ پس ان تلواروں نے
 جو ہمارے ہاتھوں میں تھیں اور جن سے خون گر رہا تھا، انصاف کیا، ہم ان مردوں
 کے سر شکافتہ کر رہے تھے۔ جو ہم پر سخت تھے۔ اور وہ ظالم اور نافرمان تھے۔

دربار لوگوں سے کچا کچ بھرا ہوا تھا اور لوگ دیکھ رہے تھے کہ بوسہ گاؤ رسول پر ظالم چھڑی کی ضربیں لگا رہا ہے۔ ابو بزرہ ایک ضعیف العمر صحابی رسول ہے۔ اُس نے جب یہ بے ادبی اور جسارت دیکھی۔ بے قرار ہو گیا۔ یہ ظلم برداشت نہ کر سکا۔ درو بھری آواز میں کہنے لگا۔ افسوس ہے تجھ پر او بے حیائے زید! اپنی چھڑی کو روک لے۔ کس جگہ پر مار رہا ہے۔ تو فرزندِ رسول کے لب و دندان کی بے ادبی کر رہا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ رسول پاک امی حسین اور اس کے بھائی حسن کے لبوں اور دندانِ مبارک کا بوسہ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم دونو جو زمانِ جنت کے سردار ہو۔ خدا تمہارے قاتل ملعون کو قتل کرے، اس پر لعنت کرے اور اس کے لئے جہنم کا بہت بڑا عذاب تیار کرے۔

اس صحابی رسول کی جرأت حق تھی۔ بر ملا سردِ دربار اس نے ٹوک دیا۔ بیزید نے اپنی بے عزتی اور رسوائی سمجھی۔ چنانچہ اس نے اسے دربار سے نکال دینے کا حکم دیا۔ اور درباریوں نے اسے کھینچ کر دربار سے نکال دیا۔

کیفیتِ داخلہ دربار

کئی گھنٹے کے انتظار و قیام کے بعد، طویل سفر، بازار کی مسافت اور قیام کی کوفت سے تھکے ماندے خستہ حال آلہ محمد کے قیدیوں کو دربار میں پیش کیا گیا۔ دربار میں کھلے ہاتھوں پیش نہیں ہوئے۔ بلکہ دس دن رستہ حالت میں صرف ہاتھ ہی بندھے ہوئے نہیں تھے بلکہ گلے بھی رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس کی کیفیت خود امام سجاد قیدیوں کے سربراہ قیدی کیفیت داخلہ اپنی زبانی بیان فرماتے ہیں۔ جناب امام سجاد فرماتے ہیں۔

”جب ہم قریب دربار ہوئے تو ہمیں رسیوں میں اس طرح جکڑا ہوا تھا جس طرح بھیڑ بکریوں کو رسیوں میں جکڑتے ہیں۔ اور ایک یعنی رستی میں ہم کئی قیدی جکڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ میری اور ام کلثوم کی گردن میں رستی تھی۔ اور وہی رستی جناب زینب اور سکینہ کے کندھوں میں تھی۔ یعنی میری اور ام کلثوم کی اسی رستی سے گردن بندھی ہوئی تھی۔ اور مجھ بھی زینب اور سکینہ ہمیں کے کندھے رستی میں جکڑے ہوئے تھے۔ اسی طرح ایک رسی میں بٹول کی کئی بیٹیاں اور خاندان رسالت کی کئی بچیاں گرفتار تھیں۔ اور مثل چوپائیوں کے ہمیں بانگا جاتا تھا۔ اگر ہم میں سے کوئی چلنے میں تھوڑی سی سستی کرتا تو ہمیں تازیانوں سے مارا جاتا۔ اسی حال میں ہم داخل دربار یزید ہوئے۔ وہ ملعون تخت حکومت پر شاد بیٹھا تھا۔ اور میرے بابا کا سر اس کے سامنے تھا۔“

جب امام سجاد داخل دربار ہوئے۔ بھوپھیوں، بہنوں اور یتیم بچوں کے ساتھ ایک ہی رستی میں مقید تھے۔ اور اس کی وجہ سے مستوراتِ بنی ہاشم خصوصاً معصوم شہزادیوں کو اسی وجہ سے سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ چلنا دشوار تھا۔ اور سنگدل ملعون زحر بن قیس اس حالت میں دربار میں لایا۔

دربار جامع مسجد میں منعقد تھا۔ سب سے پہلے جناب سجاد نے یزید سے کہا: ”اے یزید! کیا اس حال میں شرفاء کو گرفتار کر کے لانا مناسب ہے۔ اگر رسول اللہؐ بھی اس حال میں

دیکھیں تو ان کے دل پر کیا گزرے گی۔ حاضرین دربار پر اس کلام کا اثر ہوا۔ چنانچہ یزید نے فوراً حکم دیا اور رسیاں کاٹ دی گئیں۔

یزید نے مستورات بنی ہاشم کو اپنے تخت کے پیچھے بٹھا دیا۔ اور سر کو تخت کے آگے رکھا۔ تاکہ خواہرانِ حسین بھائی کا اور دخترانِ بابا کا سر نہ دیکھ سکیں۔ مگر مصیبت زدہ اور درد ستانی شہزادیوں کی نظر سر پر پڑی۔ جنابِ فاطمہ بنتِ حسین نے کہا: "یزید! فرزندِ رسول کا سر تیرے سامنے ہے۔ اور بناتِ رسول تیرے دربار میں قید ہو کر آئی ہیں۔ اس طرح تشریف خاندانوں کو قید کیا جاتا ہے جس طرح ہمیں قید کیا گیا ہے۔ حاضرین دربار کی کیفیت بدل گئی خوشی کے آثار ختم ہو گئے۔ مجمع پر اداسی چھا گئی۔ ادھر سر کی کیفیت اور ظالم کی گستاخی دیکھ کر جنابِ سجاد کے دل پر اتنی چوٹ لگی کہ تازہ زندگی جانوروں کے سر دیکھنے اور ان کا گوشت کھانے سے پرہیز کرتے رہے۔ جنابِ زینب نے بھائی کے سر کو تخت کے نیچے طشت میں دیکھا۔ سر پر کچھ بے ادبی کے نشان تھے۔ چارہ ضبط نہ رہا۔ بے ساختہ فریاد نکلی۔ سر پیٹ لیا۔ اور سر سے مخاطب ہو کر کہا: "یا حسینا! یا حبیبِ رسولِ اللہ! یا ابنِ مکتہ! یا بنِ فاطمہ! اترھا سیدۃ النساء یا بنِ بنتِ المصطفیٰ۔ یہ ورد بھرے بین اور جگر خراش کلمات سن کر اور منظرِ دل نگار دیکھ کر شامیوں کی مسکراہٹیں آنسوؤں میں بدل گئیں۔ خوشی کا سماں بدل گیا اور غم کی کیفیت چھا گئی۔ قیدیوں کی غریبی، سادات کی بے بسی، مستورات کی مظلومی، قیدیوں کی دلہیز چہنیں اور سجاد کی آہ و زاری نے دربار کا نقشہ بدل دیا۔

اب یزید کے چہرے پر بھی بلشت نہ رہی۔ اس نے حاضرین کے خیالات کا رخ پھرنے کے لئے جنابِ سجاد کے ساتھ سلسلہ کلام شروع کیا۔

مکالمہ یزید باسجادؑ

یزید: اے علی بنِ حسین! تیرے باپ نے میری حکومت کو تسلیم نہ کیا۔ میری نافرمانی کی۔ اور میرا مقابلہ کیا۔ پس بغاوت کا انجام تم نے دیکھ لیا۔ تیرے باپ اور تیرے دادا نے ہمارے ساتھ نزاع کی۔ خدا نے انہیں قتل کیا۔ اس کے بعد اس نے یہ آیت پڑھی: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَ

وَلْيَعْلَمُوا أَنَّ كَثِيرًا مِّنْ جُرْمِهِمْ تُغْفَرُ لَهُمْ وَأَنَّهُمْ لَفِي عَذَابٍ مُّهِينٍ
گناہ معاف کر دیتا ہے۔

امام سجاد: مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَ هَآئِذَا ذَلِك عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ تمہیں کوئی مصیبت نہیں پہنچتی۔ زمین میں یا آسمان میں۔ مگر ہم نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے لوح محفوظ میں لکھ دی ہے۔ اور یہ بات خدا پر آسان ہے۔ تاکہ جو چیز تم سے فوت ہو جائے اس پر افسوس نہ کرو۔ اور جو خدا تم کو دے اس پر خوشی نہ کرو۔ اور خدا ہر غرور و گھمنڈ کرنے والے لشکر کو پسند نہیں کرتا۔ یہ آیت ہمارے حق میں ہے۔

اس کے بعد یزید نے حسینی مستورات کو جو تخت کے پیچھے بیٹھی تھیں سامنے بلایا اور ہر ایک کے متعلق پوچھنے لگا۔ مَن هَذِهِ؟ جواب ملا: "هَذِهِ مُرَيْبَةُ، هَذِهِ أُمُّ كَلْبٍ، هَذِهِ أُمُّ هَآئِذَا، هَذِهِ مُرْقِشَةُ، هَذِهِ فَاطِمَةُ بِنَاتِ عَلِيٍّ وَ فَاطِمَةُ" اس وقت فاطمہ بنت حسین نے فرمایا: یزید! یہ تمام دخترانِ رسول قیدی بن کر تیرے سامنے لائی گئی ہیں۔ اس کلام سے اہل مجلس پر گرہ یہ طاری ہو گیا اور رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ جناب سکینہ اپنی آستین بازو سے منہ کو چھپائے ہوئے تھیں۔ یزید نے پوچھا: یہ کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ سکینہ بنت حسین ہے۔ بلعون نے کہا: تو ہی سکینہ بنت حسین ہے جناب سکینہ نے سر جھکا لیا۔ کجا حسین کا سینہ اور باپ کی گود، کجا مدینہ اور کجا دربار یزید۔ کجا حسین کی شفقت اور کجا ظالموں کا تشدد۔ دربار کی اجنبیت۔ ناخروں کا منہ۔ یزید کی پیشی، معصومہ سخت بے قرار ہو کر رونے لگی۔ یزید نے پوچھا: مَا يُبْكِيكِ؟ سکینہ تجھے کون سی چیز رلا رہی ہے۔ یقیہ نے جواب دیا۔ یزید دختر حسین تیرے دربار میں تیرے سامنے اور مجلس عام کے سامنے برہنہ سر ہے۔ منہ چھپانے کے لئے چادر نہیں، یہی چیز مجھے رلا رہی ہے۔ یزید نے کہا: تیرے باپ نے میری بیعت نہ کی۔ میرے حق کا انکار کیا۔ میرے ساتھ تنازعہ کیا۔ اس کا انجام تیرے باپ نے پالیا۔ معصومہ نے کہا۔ یزید! میرے باپ کے قتل سے خوش نہ ہو۔ میرا باپ خدا اور رسول کا ملیع تھا۔ اس نے حکمِ خدا اور فرمانِ رسول پر لٹیک کہا۔ حق کی خاطر میرے بابا نے جان قربان کی۔ وہ شہادت کی سعادت پا گیا۔ یزید! روز قیامت آنے والا ہے۔ تجھ سے خونِ حسین کی باز پرس ہوگی۔ جواب دہی کے لئے تیار رہ۔ لیکن تیرے پاس کیا

جواب ہو گا؟ یزید کھینا ہو کر رہ گیا۔ آٹا کہا کہ سکیڑ خاموش رہ۔ تیرے باپ کا مجھ پر کوئی
حق نہیں۔

حبشیوں کی غیرت

بنت زہرا بوسیدہ لباس میں ایک گوشہ میں کنیزوں کے جھڑٹ میں تھیں۔ یزید نے
پوچھا: "اَيْنَ بِنَاتِ عَلِيٍّ وَ فَاطمه" شمر نے اشارہ کر کے کہا: "هَذِهِ زَيْنَبُ وَ هَذِهِ اُمُّ
كَلثُومٍ۔ یزید نے چاہا۔ بنت علی سے کلام کر دوں۔ جناب زینب سے کہا۔ میرے قریب ہو
اور کلام کر۔ اس کا منہ تھکا کہ میں طنزیہ کلام سے خواہر حسین کا دل دکھاؤں گا، اور
قتل حسین پر ناز کر کے حسین کو قصور و اثبات کر دوں گا۔ اور اہل دربار کے سامنے حسین برباد
نہیں کر دوں گا۔ یہ عورت ذات ہے میرے سوالوں کا جواب نہ دے سکے گی اور
اہل دربار سے اپنی سچائی ثابت کر کے انہیں مطمئن کر لوں گا۔

اس نے حکم دیا کہ کنیزوں کو دختر بتول سے علیحدہ کر دو۔ شمر نے بی بی کو الگ ہو جانے کا
حکم دیا۔ جناب فضہ و فدا دار کنیز نے جدا ہونے سے انکار کر دیا۔ یہ فدا دار کنیز جناب زینب
کے سامنے آگئی، اور مٹنے سے انکار کر دیا۔ شمر نے تازیانہ لیا اور مارنے کا ارادہ کیا کہ جناب
فضہ کی حبشیوں کی ایک جماعت پر نظر پڑی۔ وہ برہنہ تلواریں لئے یزید کی حفاظت پر مامور
تھے۔ جناب فضہ نے التجائی نظروں سے حبشیوں کو دیکھا۔ رو کر ان سے فریاد کی، او میرے
ملک کے باشندے اور ساکنان حبش! میں تمہارے وطن کی ایک عورت ہوں، تمہاری قوم اور
تمہارے ملک کی غیرت ہوں۔ آج بے کس ہوں، بے وارث ہوں۔ قید ہو کر اس دربار میں
پیش ہو چکی ہوں۔ ایک نامحرم ظالم اجنبی شخص میری دفا کے جرم میں تمہارے سامنے مجھ
پر تازیانہ اٹھا رہا ہے۔ حبش کی جماعت! تمہاری غیرت کہاں گئی ہے؟ تمہارے سامنے
تمہارے ملک کی اور قوم کی بیٹی تازیانہ کھاٹے۔ تمہارے وطن کی سرزمین تمہیں کیا
کہے گی، کیا میری بے عزتی تمہیں گوارا ہے؟ میں تم سے فریاد کرتی ہوں۔ اس بے کس کی
مدد کرو۔ میں بے وارث ہوں، میرے وارث نہ۔

جناب فضہ کی درد بھری فریاد نے حبشیوں کے دل پر نشتر کا کام کیا۔ اس کی آہ و حسرت

کہنا چاہیں کہیں، آسمان کے واسطے رسوا کرنے والا عذاب تیار ہے۔

۵ یٰۤاَبْنَی الطُّلُحَا! اے آزاد کردہ غلاموں کے بیٹے یزید! کیا یہی انصاف ہے کہ تو نے اپنی بیٹیوں اور باندیوں کو اندرون خانہ پردہ میں بٹھا رکھا ہے۔ اور رسولِ زادوں کو گرفتار کر کے شہرِ شہر اور دیار بہ دیار پھرایا۔ غضبِ خدا کا! تو نے رسول کی نوایسوں اور امامِ زادیوں کو بے مقنعہ و چادر کیا۔ رسول اللہ کی امانتوں کو تو نے دشمنوں کے حوالے کیا۔ جو انہیں مجمعِ عام اور بازاروں میں پھراتے رہے۔ شہری اور دیہاتی جنگلی اور پہاڑی، شریف و رذیل، قریب و بعید سب انہیں گھور گھور کر دیکھتے رہے۔ کیونکہ رسولِ زاریاں علی و زہراؓ کی بیٹیاں بے وارث تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے مردوں اور مددگاروں میں سے کوئی نہ تھا، ہائے بے بسی۔ ہمارا کوئی والی وارث نہ رہا۔

وَكَيْفَ يَرْجِي مِرَاقِبَةً مِنْ لَفْظِ فَوْهٍ اَكْبَادُ الْاَذْيَاذِ وَكَيْفَ لِحْمَةٍ مِنْ دَمَاءِ الشَّعْدَاءِ وَكَيْفَ لَا يَسْتَبْطِئُ بَعْضُنَا اَهْلَ الْبَيْتِ مِنْ تَطَرُّفِ النِّسَابِ بِالشَّنْفِ وَالْثَنَانِ وَالْاَحْنِ وَالْاَضْغَانِ ثُمَّ تَقُولُ غَيْرَ مَا تَحْرُوْا لَا مَتَعْنَلِمَ لِاَهْلَوَا وَاسْتَمَلُوا فَرَحَانُمْ قَالُوا يَا يَزِيدُ لَا تَشْتَلْ مَنَاصِيحًا عَلٰی نَسَائِيَا اَبٰی عَبْدِ اللَّهِ سَيِّدِ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ تَسْكُنْتَهَا بِحَضْرَتِكَ۔

بھلا اس شخص سے غیرِ عجب کی کیا امید ہو سکتی ہے کہ جس کی داوی نے پاکبازوں کے بگڑے چاہئے ہوئے۔ اور جس کا گوشتِ شہیدوں کے خون سے لگا ہو۔ جس کے دادا نے رسولِ خدا اور دینِ مسطقی کے خلاف گروہ اکٹھے کر کے لڑائیاں لڑی ہوئی کس طرح ہم اہل بیتِ رسول کے بغض و عناد میں وہ شخص جلدی نہ کرے، جو ہماری طرف دشمنی، کینہ اور بغض و حسد کی نگاہ رکھتا ہے۔ پھر تو خوش ہو کر کہتا ہے کہ آج تیرے بدلے دے مقتول موجود ہوتے تو خوش ہو کر کہتے، "اے یزید! تیرے ہاتھ خلی نہ ہوا۔ اے یزید! تو جو انانِ جنت کے سردار ابی عبد اللہ الحسین کے دندانِ مبارک اور اور معصوم بھول پر اتما کہ چھڑی مارتا ہے۔ نہ تو اسے گناہ سمجھتا ہے اور نہ اس حادثہ کو عظیم خیال کرتا ہے (تو فوج کے نشتر میں بدست اور تختِ حکومت پر نازاں، یہ سب کچھ کر رہا ہے)

۵ جنابِ خطیبہ آلِ محمد نے سلسلہ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

” تو ایسا کیوں نہ کرے۔ جب تو نے ہمیں گہرے زخم لگائے اور تو نے محمد مصطفیٰ کی ذریت اور اولادِ عبد المطلب میں سے ارضی ساروں کا خون بہا کہ ان کی جڑ کو اصل سے اکھڑنے کی کوشش کی ہے۔ پھر خوش ہو کہ اپنے بزرگوں کو پکارتا ہے عنقریب تو ان کے انجام سے دوچار ہوگا اور مقامِ عذاب میں تیرا درود ہوگا۔ اے یزید! ناز نہ کر۔ وہ وقت آنے والا ہے۔ جب تو اس بات کو پسند کرے گا کہ کاش تیرے ہاتھ شل ہو جائے اور تیری زبان گنگ ہو جاتی۔ اور وہ نہ کرتا جو کیا ہے۔ وہ نہ کہتا جو کہتا ہے۔

اللَّهُمَّ خُذْ لَنَا حَقَّنَا وَانْتَقِمْ مِنِّي ظَلَمْنَا وَاحْلُلْ قَصَبِكَ مِنِّي
سَفَلَ وَمَاؤُنَا وَقَتْلِ حَمَاتِنَا فَوَ اللَّهُ مَا فَزَيْتِ الْأَجْلَالَ وَلَا حَزَتْ
الْأَحْمَلَ سَيُّوْنٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بِمَا
تَحَمَّلْتَ مِنْ سَفَلَ دَمَاءِ ذُرِّيَّتِهِ وَانْتَمَكْتَ مِنْ حَرَمِهِ فِي عَتَقِهِ
وَلَحْمِهِ حَيْثُ يَجْمَعُ اللَّهُ شَمْلَهُمْ وَيُلْمُ وَيَأْخُذُ بِحَقِّهِمْ وَلَا
تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ
يُرْزُقُونَ

پھر جناب سیدہ زینب عقیلہ قریش نے فریادِ بجنابِ خدا کی: ”خدا یا! ہمارے لئے ہمارا حق لے اور ہمارے ظالموں سے ہمارا انتقام لے اور جن ستم شعاروں نے ہمارا خون ناحق بہایا ہے اور ہمارے حامیوں کو قتل کیا ہے ان پر اپنا غضب نازل فرما۔

اس کے بعد یزید لعین کی طرف پھر متوجہ ہو کہ اس کی توبیخ کرتے ہوئے فرمایا: ”اے یزید! خدا کی قسم تو نے اپنا ہی چمڑا کاٹا ہے اور اپنے ہی گوشت کے ٹکڑے کئے ہیں۔ اے یزید تو منقریب رسول کی بارگاہ میں پیش ہوگا، اور تیرے سر پر ذریتِ رسول کا خون اور عترتِ رسول کی تھک و حرمت کا بوجھ ہوگا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اس روز عترتِ رسول اور اولادِ علی وبتوں کے بکھرے ہوئے موتی یکجا کرے گا۔ اور پراگندہ جدا جدا قبروں سے آلِ رسول اٹھی ہوگی۔ اور ان کے دشمنوں سے انتقام لے گا اور ان کے عملوں کی انہیں سزا دیگا۔

جناب شریکۃ المؤمنین ام المصائب نے شہداء کربلا کی حیات ابدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ آیت پڑھی: "وہ لوگ جو خدا کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں، انہیں ہرگز مردہ خیال نہ کر رہے ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں" "وَحَسْبُكَ يَا اللَّهُ حَاكِمًا وَبِمَحْمَدٍ خَصِيمًا وَبِحَبِيبِئِيلَ ظَهِيرًا"۔ تیرے لئے یہی کافی ہے کہ خدا حاکم ہے۔ وہ عدل سے فیصلہ کرے گا۔ اور محمد تیرا دشمن ہے۔ ہمارے مقدمہ خون کا وارث اور جبریل تمہارے خلاف ہمارا گواہ و مددگار ہے۔ جن لوگوں نے تیرے لئے زمین ہموار کی ہے اور تجھے مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کیا ہے۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کا انجام بُرا ہے اور کس کا لشکر کمزور ہے۔

وَلَكِنَّ جَسَدًا عَلَى الدَّوَاهِي فَحَا طَبِئْتُكَ إِنِّي لَا سَتَصْغُرُ قَدْرُكَ
وَأَسْتَغْظَمُ تَقْصِيرُكَ وَأَسْتَكْثِرُ تَوْبِيخَكَ وَلَكِنَّ الْغُيُوثَ عِبْرِي
وَالْمُتَّذِرَ وَذُرِّي أَلَا فَالْعَجَبُ كُلُّ لِقَافِلٍ حَزَبَ اللَّهِ التَّجَارِ بِحُزْبِ
الشَّيْطَانِ الْبَطْلَاقَاءِ فَهَذِهِ الْأَبْدَى تَنْطَفِئُ مِنْ دَمَانَا وَالْأَقْوَامُ
تَخْلُبُ مِنَ الْحُومَانَا۔

اے یزید! انقلاب زمانہ اور حوادث روزگار نے مجھے اس قدر بے بس کر دیا ہے کہ تیرے ساتھ ہمہ کلام ہونے پر مجبور ہوں، ورنہ میں تجھے گھٹنا قسم کا انسان سمجھتی ہوں، اور تجھے اس لائق بھی نہیں سمجھتی کہ رسول و علی کی بیٹی تیرے ساتھ کلام کرے۔ میں تیرے مقام کو نہایت پست سمجھتی ہوں اور تجھے زجر و توبیخ کو عظمت کی نظر سے دیکھتی ہوں۔ لیکن کیا کروں، آنکھ گریاں، دل فوجہ کناں اور سینہ بریاں ہے۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ میرے نانا کے آزاد کردہ اور معافی یافتہ لوگوں کی اولاد جو شیطان کا گروہ ہے، خدا کے حبیب و نجیب بندوں کو قتل کرے۔ پس یہی تمہارے ہاتھ ہیں جن سے ہمارا خون بہہ رہا ہے اور ان مومنوں سے ہمارا گوشت رگڑ رہا ہے۔

اے یزید! اگر آج تو ہماری ظاہری کمزوری کو اپنے لئے غنیمت جان رہا ہے، تو کل روز قیامت تو اسی بات کو زیاں سمجھے گا۔ جب تو اپنے ہاتھوں سے کئے کی ہوئی

بد علیوں کے کچھ نہ پائے گا۔ خدا اپنے بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔ ہماری شکایت و فریاد اسی کی بارگاہ میں ہے۔ اور اسی پر بھروسہ ہے۔

تو جس قدر چاہے مکہ و فریب کر لے اور مقدور بھر کوشش کر لے۔ خدا کی قسم تو ہمارے ذکر کو نہیں مٹا سکتا، اور ہماری یاد دلوں سے محو نہیں کر سکتا اور نہ ہم پر نازل شدہ وحی دین اسلام کو ختم کر سکتا ہے اور نہ تو ہمارے مقام و مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے اور نہ اس ظلم و ستم کی عار اپنے سے دور کر سکتا ہے۔ وہ وقت قریب ہے جبکہ ایک منادی ندا کرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ! ظلم و ستم کرنے والی قوم پر خدا کی لعنت ہے۔

مظلوم و امیر شہزادی نے اپنے خطبے کا آغاز بھی حمد و ثنا اور درود و سلام کے ساتھ کیا تھا اور اختتام بھی حمد باری تعالیٰ اور اپنے پاک خاندان کے سید و شہید افراد کے لئے دعا و نیر سے کیا۔ فرمایا: حمد و ثنا ہے اللہ کی جو رب العالمین ہے۔ جس نے ہمارے پہلے کا خاتمہ سعادت و مغفرت کے ساتھ اور آخری کا شہادت و رحمت کے ساتھ کیا ہم خدا سے سوال کرتے ہیں۔ وہ ان مقدس نفوس اور سعادت مندوں کے اجر و ثواب کابل کرے۔ اور مزید اجر عظیم عطا فرمائے۔ اور ہمیں ان کا صحیح جانشین بنائے۔ وہ ہے جو مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔

حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔

تبصرہ

دمشق حکومت یزید کی راجدھانی تھا۔ یزید نے اس سلسلہ میں جشنِ مسرت منعقد کیا تھا۔ کہ اس نے جنگِ کربلا میں فطامہ کی تھی۔ شام کے لوگ زیادہ تر جاہل تھے۔ دمشق مدینہ سے دور تھا، معاویہ بن ابی سفیان نے عہدِ شامیوں کو اسلام سے جاہل اور اہل بیتِ نبوی سے غافل رکھا۔ "النَّاسُ عَلَىٰ ذَنْبٍ مُّلُوكُهُمْ" کے مصداق دمشق اور آس پاس کے باشندے اس جشنِ مسرت میں ایک تو اس لئے شریک ہوئے کہ اپنے ملک کے بادشاہ کو جنگ میں کامیابی ہوئی، اور وطن کی محبت اور بادشاہ وقت کی خوشامد بھی ضروری تھی۔ علاوہ ازیں جنگِ کربلا میں یزید کے مخالف گروہ کی معرفت بھی انہیں حاصل نہ تھی۔ اور عہدِ ان کے تعارف سے شامیوں کو بیگانہ رکھا گیا تھا۔ اکثریت کو یہ علم نہ تھا کہ جنگِ کربلا میں خاندانِ رسول مارا گیا ہے، مستورات جو قید ہو کر آئیں، خاندانِ رسالت اور

آلِ بَیْتِ مَعْدِنِ عَصَمَتِ دُکُورَت کی شہزادی ہیں۔

دِشَق کی جامع مسجد میں تمام مجمعِ سمٹ کر آگیا تھا۔ جامع ہزاروں کے مجمع سے بھری ہوئی تھی۔ اذنِ عام تھا۔ شریف و رذیل۔ اعلیٰ و ادنیٰ۔ امیر و کبیر اور غریب و فقیر ہر قسم کے لوگ تھے۔

اگر ایک خوش بیان مقرر اور شعلہ نوا خطیب کو ایسا سجا سجایا اور بنا بنایا مجمعِ عام بل جائے اور لوگ متوجہ ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ مجمع کی کایا نہ پلٹ جائے اسی ڈر سے اکثر حکمران مخالف خطیبوں پر پابندیاں عاید کر دیتے ہیں۔ خطیبہ اسلام اور عقیلہ بنی ہاشم کو یزید نے خود مجمع اکٹھا کر دیا تھا اور لوگوں کی توجہ تمام تھی۔ ایک تو نرالے قیدی تھے۔ نرالے سر تھے۔ دربار کا نرالا رنگ تھا اور قیدیوں کی غربت و حسرت۔ مظلومی اور حسرتہ حالی نے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

گو خطیب و مقرر کے لئے تازہ دم، دل و دماغ اور اعصابی قوتوں کا خوش حال ہونا اور جھوم افکار اور آلام و غوم سے سلامت ہونا ضروری ہے۔ اور یہ چیزیں خطیبہ آلِ محمد جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کو حاصل نہ تھیں۔ طویل سفر کی تھکاوٹ، بھوک و پیاس کی اذیت اور لوگوں کے طعنوں کا دکھ۔ بہتر کی ماتم داری اور جھوم عام میں بے پردگی۔ ہر قسم کی مصیبت اور ہر نوع کا غم احاطہ کئے ہوئے تھا۔ تاہم ان تمام دکھوں اور غموں پر قابو پاکے، حواسِ ظاہری و باطنی کو مضبوط رکھ کے مجمعِ عام پر غلبہ حاصل کر لیا۔ روحانی طاقت اور قوتِ تقدیر نے جسمانی تھکی ہوئی طاقتوں کو بحال کر دیا۔ انافتہ زبانی اور عنایاتِ الہیہ نے علی کی سطوت کی وارث شہزادی کے دل و دماغ کو قوی اور تازہ کر دیا۔ اور عطاءِ خداوندی نے مطالبِ دمعانی کے چشمے و خیرِ رسول کی زبان سے جاری کر دیئے۔

مظلوم و اسیر شہزادی نے ہیبتِ دربار اور یریزیِ رعب و وقار کے زیرِ پا رکھ کر اس قدر زجر و تویخ کی کہ یزید کا مست پندار فتح سرمار سے ندامت کے جھک گیا۔ اہلِ مجلس پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لوگ ہمتِ تن گدش اسیر شہزادی کا کلام سن رہے تھے۔ سرکاری شینری نے شہداء کہ بلا پر جو بغاوت کے پردے ڈالے ہوئے تھے۔ و خیرِ قبول نے وہ تار تار کر دیئے۔ یزیدِ مظلوم، ابنِ زیاد کی زندگی کو طشتِ انہام کر دیا۔ حقیقت کے حسین رخ سے فوائد کے حجاب سرکائے، اور کلامِ خداوندی سے ظلم اور ظالمین کی بُرائی بیان کی، اور خدا کی

فطر میں ظالم کے مقام اور انجام کو واضح کیا۔

شہداء کربلا اور اسیرانِ شام کا حاضرین کو تعارف کرایا۔ اور مسلمانوں کے خفہٴ احساس کو بیدار کر کے ان کی حمیت کو تازہ بنادیا۔ اور لوگوں کو بتایا کہ کربلا والے باغی نہ تھے۔ غازی تھے غازی تھے۔ حق گو، حق شناس اور حق بین تھے۔ لوگو! ہم خاندانِ رسول کے قیدی ہیں۔ ہم دخترانِ علی و بتول ہیں۔ ہم اس بیتِ الوحی اور معدنِ عصمت کی پروردہ ہیں۔ جس گھر میں قرآن نازل ہوا۔ شریعت آئی میرے بابا علی کی شجاعت سے مسلمانوں کو منبر ملے۔ جس منبر پر آج علی اور اولادِ علی پر سب دُشمن ہوتا ہے۔ دربار کے در و دیوار پر مسرت کی جگہ حسرت چھا گئی۔ فرحت کا ماحول بدل گیا۔ لوگ حیرت کے دریا میں غوطے کھانے لگے۔ لبوں سے مسکراہٹ جاتی رہی۔ اور آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔ "علی کی شیر دل بیٹی" کی پیرِ رعیب و تاثیر آواز دریا میں گونج رہی تھی۔ زبانِ زینب میں لہجہ علی کا تھا۔ بیعتِ الہیہ، سطوتِ محمدیہ، جلالتِ حیدریہ، عصمتِ فاطمیہ کی وارث و مالک شہزادی نے دشمن کے دریا میں شہیدوں کی حقانیت اور اسیروں کی صداقت کو ثابت کر دیا۔ حق یہ ہے کہ بطلہ کربلا شریکۃ الحمین نے قتل و قید کے تمام ارمانِ تقریر میں نکال دیے۔ اور اپنے مقدس خیالاتِ مجمع عام پر بکھیر دیے۔ بلکہ مظلوم کے ناحقِ خون اور اسیروں کی بے گناہ قید اور خانوادہٴ رسول و دخترانِ علی و بتول کی قید و تنگِ حمیت کا محکمِ احساس لوگوں کے دلوں میں بودیا۔ مظلوم مسافرِ شام نے صداقت اور حق گوئی کا حق ادا کر کے اسلام کی ناقابلِ فراموش خدمت انجام دی۔ یزید سن رہا تھا۔ اور پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ ہونٹ چبارہا تھا۔ مگر زبان سے ایک لفظ نہ نکلتا تھا۔ کیونکہ یزیدیت کا رنگ اڑ رہا تھا اور علی کی شیر دل بیٹی کا رنگ جم چکا تھا۔

شاہی خطیب

جناب امامِ سجاد کے مکالمہ اور ستیدہ زینب کے خطبہ سے چونکہ یزید کے مظالم کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔ اور جنابِ خطیبہٴ اسیرانِ آلِ محمد و علی کی شیر دل بیٹی نے دربارِ یزید میں اس کو محرم ثابت کر دیا تھا۔ اور اہل بیت کی عصمت و طہارت اور شہداء کربلا کی حقانیت و صداقت اور ان کا بے جرم و بے قصور ہونا واضح کر دیا تھا۔ اس بیان سے حاضرین دربار کے خیالات یکسر بدل گئے تھے۔ سرکاری افسروں کا مکہ و فریب اور کذب و بطلان ظاہر ہو گیا۔ یزید سخت پریشان ہو گیا۔ اس نے اپنے سرکاری و منشی خطیب کو حکم دیا کہ بالائے منبر بیٹھ کر کہ بنی امیہ کی مدح سرائی کرے اور حسین اور

ان کے بابا کی خدمت کو حکم ملنے کی دیر نہ ہو، سرکارِ شیر فرود شہرِ خطیب رولت و زمر کے پجاری
نے دل کھولی کہ خاندانِ رسالت کی توہین کی۔ اور یزید کے حسبِ منشاد امیر المؤمنین اور سید
الشہداء کے حق میں نہایت ہی زشت کلمات کہے۔ اور معاویہ و یزید کی خوب تعریف کی، تاہم
جنابِ زینب کے خطبہِ بنیلہ کا اثر زائل نہ کر سکا۔

جنابِ امامِ ستار یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہے تھے۔ انہوں نے موقعِ غنیمت جانا اور
خیال کیا کہ اب مجھے بھی منبر پر جانا چاہیے۔ پہلے تو امام نے خطیب کو ڈانٹ کر کہا: اَشْتَرِيتَ
مِنْ خُذَاءِ الْمَخْلُوقِ دَسْطَ الْخَافِقِ كَمْ صَبَوْا مَقْعَدَكَ مِنَ النَّارِ۔ تو نے خالق کو ناراض
کر کے مخلوق کو راضی کیا۔ (آخرت کو فروخت کر کے دنیا کو خریدا) پس تو اپنا ٹھکانہ جہنم کی وادی
میں تیار ہو۔ اور پھر یزید نے کہا: مجھے اجازت دے تاکہ منبر پر باکرہ میں رکھ دوں (بیاں)
کہ وہ جس میں نفاق کی رضا ہو اور مخلوق کو حق گوئی سے فائدہ و ثواب پہنچے۔ یزید نے انکار کیا
لیکن حاضرینِ دربار نے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور امامِ سجاد کو اجازت دینے پر اصرار کیا۔
یزید کا بیٹا معاویہ اس کے پاس بیٹھا تھا۔ اس نے بھی اجازت دینے کیلئے کہا۔ اور یہ بھی کہا کہ
یہ نحیف و نزار قیدی کیا کچھ کہہ سکے گا۔ یزید نے کہا کہ تم نہیں جانتے یہ خاندانِ رسالت، علم و
عرفان، تکلم و بیان کے دارت ہیں۔ علم الہی کے سینوں میں اور فصاحت و بلاغت ان کی زبانوں
میں کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہیں۔ آخر کار بعد اصرارِ یزید ناہنجار کو باغضرابِ اجازت دینا
پڑا۔ خطیبِ آلِ محمدؐ کا ماندہ بیمار و غم خوار قیدی امامِ منبر پر آئے۔

یزید اس سے پہلے جنابِ عقیلہ بنی ہاشم کا خطبہ سن چکا تھا اور مجلس کا رنگ بگڑتا دیکھ چکا تھا
اب یزید امامِ سجاد کو اجازت دینے پر مجبور ہو گیا تھا۔ لیکن نہایت بے قرار اور بے چینی سے
کلامِ سجاد سن رہا۔ اپنے ہونٹ کاٹتا رہا اور پیچ و تاب کھاتا رہا۔ جنابِ سجاد منبر پر جلوہ مگن
ہوئے۔ اہلِ دربار کی بیاب نگاہیں خطیبِ منبر سلونی کی طرف اٹھیں۔ بنی ہاشم کی فصاحت و بلاغت
سننے کے لئے مشتاق و متوجہ ہوئے۔ قیدی امام اور نرے خطیب نے ذیل کا خطبہ پڑھا۔

خطیبِ آلِ محمدؐ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا یَدِیْۃَ لَہٗ وَ الْعَالَمُ الَّذِیْ کَافَقَادِلَہٗ وَ الْاَوَّلُ الَّذِیْ
کَاوَلِیَّۃَ لَہٗ وَ الْاٰخِرُ الَّذِیْ کَاٰخِرِیَّۃَ لَہٗ وَ الْبَاقِیْ یَعْدُ فَنَادَ الْمُحْتَقِ قَدَرُ

اللّٰہی دیکھو اور تسکین دینا بینہم الاقسام فتبارک اللہ الملک العلّٰم۔
 سب تعریف اس خدا کی ہے جس کی ابتداء نہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ اس کے درام کا اختتام نہیں۔ وہ ایسا اول ہے جس کی اولیت سمجھ سے بلند ہے۔ اور ایسا آخر ہے جس کی انتہا نہیں۔ مخلوق کے بنا ہوئے پر بھی اسے بنا حاصل ہے۔ اس نے راتوں اور دنوں کی مقدار بنائی

معاشر الناس! من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا اعرّفه
 بنفسی انا بن مکة وصلى انا بن المروة والصفا۔ انا بن محمد المصطفى
 انا بن من لا يخفى انا بن من على فاستعلى فجاز سدره المنتقى وكان
 من سرّيه كغاب قوسين اودى انا بن من صلى بهلائكة السموات
 انا بن اسرى به من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى انا بن
 على امرت صلى انا بن فاطمة السهلة انا بن خديجة الكبرى۔

اے لوگو! تم میں سے جو مجھے پہچانتا ہے سو پہچانتا ہے۔ اور جو نہیں پہچانتا میں
 اسے اپنا تعارف کرائے دیتا ہوں۔ میں دالّی مکہ و منی اور والی مروه و صفا ہوں۔
 میں محمد مصطفیٰ کا فرزند ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کی شان پوشیدہ نہیں۔ میں اس
 کا فرزند ہوں جس نے اتنا عروج حاصل کیا کہ سدرۃ المنتقی سے آگے نکل گیا۔ اور
 اپنے رب کے اتنے قریب ہوا کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ میں اس
 کا فرزند ہوں جس نے آسمانی فرشتوں کو نماز پڑھائی۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کو
 شب معراج مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی۔ میں علی مرتضیٰ کا فرزند
 ہوں۔ میں سیدۃ النساء فاطمہ الزہرا کا فرزند ہوں، میں خدیجۃ الکبریٰ کا فرزند
 ہوں۔

حاضرین! میں اس کا فرزند ہوں جو ظلم و جور سے شہید ہوا۔ جس کا سر پس گردن سے
 کاٹا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو پیا سا شہید ہوا۔ میں قتیل کہ بلا کا فرزند ہوں، میں
 اس بے وارث شہید کا فرزند ہوں جس کی موت کے بعد اس کی لاش سے عمامہ اور
 چادر اتار لی گئی۔ میں اس مظلوم و شہید کا فرزند ہوں جس کی بے کسی کی موت پر
 ملائکہ نے ماتم کیا۔ میں اس غریب الوطن مقتول کا بیٹا ہوں جس کی غربت پر جنوں نے

کہ بلا کا میدان اور شہیدِ دل کی لاشیں ہر وقت تصور میں رہتیں۔ دن رات روتے میں گزر جاتے۔

شہداء کے سر

سرِ حسین بعد از شہادت تین آدمی سے جدا ہونے کے بعد مختلف منانہل طے کرتا رہا۔ بتوں کے نام پر وردہ لال اور میکانل کے گہوارہ میں سونے والے جبریل کے پردوں پر راحت و آرام حاصل کرنے والے آغوشِ بتوں اور دوشِ بتوں کے ناز میں شہزادہ نے کیا کیا نشیب و فراز دیکھے۔ مگر رُوحِ بتوں ہر منزل پر فرزند کے سر پر طواف کرتی رہی۔ عصرِ عاشور کو تکبیروں کی صداؤں میں نوکِ نیزہ پر بلند ہوا۔ اور گیارہویں کی رات نحویں کے گھر میں شب بھر تنور میں رہا۔ بارہویں غم کے دن بابا کے دارالحکومت کوڑھ میں۔ پھر اس نے عروج حاصل کیا۔

اور بازاروں کی گلیوں کی سیر کی۔ پھر یہ خطیبِ نیزہ کے منبر سے اتر کر طشت میں ابنِ زیاد کے سامنے پیش ہوا۔ یہ منزل بھی دیکھی کہ جس جگہ رسول و بتوں بوسے لیا کرتے تھے۔ ان معصوم ہونٹوں اور پاکیزہ دندان پر ابنِ زیاد لعین کی نجس چھڑی کی ضربیں لگیں۔ معلوم نہیں اس زندہ جاوید سر نے کتنی اذیت برداشت کی اور کس حوصلہ سے یہ ظلم سہتا رہا۔

کوڑھ کے بعد طویل سفر میں کبھی عندوق میں بند کیا جاتا، کبھی نوکِ سنان پر سوار کیا جاتا، کبھی دیواروں، کبھی پتھروں پر رکھا جاتا۔ مسلمانوں کے ہاں تو یہی قدر و توقیر رہی۔ البتہ کبھی نصرانیوں کا مہان ہوتا تو وہ احترام کرتے، غسل بھی دیتے، خوشبو لگاتے۔ بالوں میں کنگھی کرتے۔ مشک و عنبر سے معطر کرتے اور درود کا اظہار کرتے اور غم کے آنسو ہدیہ عقیدت پیش کرتے۔ شام کے بازار میں سنان مرکب رہا اور دربار میں چھڑی کے علاوہ شراب کے جام اٹھایا کہ یزید اپنے کفر و نفاق کا اظہار کر کے باقی شریعت اور اس کے نواسے کی توہین کرتا رہا۔

اسیرانِ آلِ محمد کو زندان میں محبوس کرنے کے بعد اس ملعون نے حکم دیا کہ سرِ حسین یزید کے شاہی رہائشی محل جو کہ جامع مسجد کے قریب تھا کے دروازے پر لٹکایا جائے۔ مظلوم کا سر ظالم کے گھر کے دروازے پر لٹکایا گیا۔ دوسرے شہداء کو بلا کے سروں کو دمشق کے متعدد دروازوں اور جامع مسجد کے مختلف دروازوں پر لٹکایا گیا۔ اور یہ مقدس سرکئی روز تک آنے جانے والوں کی دید کا مرکز بنے رہے۔

ہند زوجہ یزید

سر مبارک جب شاہی محل کے باب پر آوینداں کیا گیا اور ہند بنت عمرو بن سہیل زوجہ یزید کو اس نرالے مہمان کی خبر ملی۔ (قبل ازیں شاید محلات میں گریہ و بکا کی آوازیں پہنچ چکی تھیں اور زمانہ بنی امیہ کو مستورات بنی ہاشم کے بے پردہ قیدی بن کر آنے کی خبر ہو چکی تھی) دروازے پر دیکھا۔ فرزند بتول کے سرے تازہ خون کے قطرے گر رہے تھے اور خوشبو پھیل رہی تھی۔ برداشت نہ کر سکی۔ سلطان وقت کی زوجہ تھی، بے تابانہ بے حجاب باہر نکل آئی۔ سیدھی دربار میں پہنچی۔ یزید تخت پر مرصع تاج پہنے بیٹھا تھا۔ ارد گرد خاص و عام تھے۔ اور ہند برہنہ سر بغیر چادر کے دربار میں آکر زجر و توبیخ کرنے لگی۔ ہائیں یزید! حسین بن بتول کا سر ہے جو میرے دروازہ پر لٹکا ہوا ہے؟ یزید نے فوراً اٹھ کر پہلا کام یہ کیا کہ ہند کے سر پر چادر ڈالی کہ تو بے پردہ دربار میں کیوں آئی ہے۔ کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ اس ملعون کو اپنی زوجہ کے بے حجاب آنے کا اتنا دکھ ہوا کہ فوراً اُسے چادر سے ڈھانپ کر دختران رسول کو اس ملعون نے کربلا سے شام کے دربار تک بے پردہ، برہنہ سر مجمع عام میں پھرایا۔ اور اس کو شرم و حیا نہ آئی۔ پھر اس نے کھسیانا ہو کر ہند سے کہا۔ ہاں یہ حسین کا سر ہے۔ اس پر بے شک گریہ و بکا کہ اور اپنا جہم چھپاتے ہوئے کہا کہ ابن زید نے جلدی کی اور اسے قتل کر دیا۔

شام کے مختلف واقعات

امام سجاد مستورات کے ساتھ قید خانے میں چلے گئے۔ اور شہداء کرام کے سر ہاتھ مقدس مختلف دروازوں پر لٹکائے گئے۔ دربار میں یزید میں سر امام ایک بار نہیں کٹی بار لایا گیا اور امام سجاد بھی کٹی بار پیش کئے جاتے رہے۔ دربار شام کے واقعات جو بیان کئے جاتے ہیں۔ صرف ایک وقت کے نہیں مختلف اوقات میں یزید دربار لگا کر سر امام کی بے عزتی و بے ادبی کرتا رہا اور بعض اوقات اسیران اہل بیت بھی پیش ہوتے رہے۔

سفیر روم

یزید کا معمول تھا کہ دربار میں بساط شطرنج بچھاتا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ لہو و لعب میں مشغول ہوتا۔ سر اقدس کو سامنے رکھتا۔ اور دکھا دکھا کر شراب پیتا۔ یہی کن ان درباروں میں مجمع عام نہ ہوتا اور ہر کسی کو داخل دربار ہونے کی اجازت نہ تھی۔

ایک روز یزید نے حسب معمول دربار لگایا اور مصروف شراب و شطرنج ہوا۔ سر اقدس سامنے طشت میں رکھا تھا۔ اتفاق سے اس روز شاہ روم کا سفیر بھی دربار میں موجود تھا۔ مذہب عیسائی اور نصرانی قوم کا فرد تھا۔ روم میں عیسائی مذہب تھا۔ سفیر روم نے طشتِ طلا میں ایک خوب صورت بارعب و پرہیت سر دیکھا۔ نصرانی نے شکل و شبہت اور رعب و جلال سے اندازہ لگالیا کہ کسی شاہی خاندان کا نروس ہے۔ اس نے یزید سے دریافت کیا۔

سفیر روم : "هَذَا رَأْسُ مَنْ؟ یہ کس کا سر ہے؟"

یزید : "مَالِكٌ وَلِهَذَا اسے" تجھے اس سر سے کیا واسطہ؟

نصرانی : میں جب لوٹ کر اپنے ملک جاتا ہوں تو بادشاہ مجھ سے دیدار و شنیدہ واقعات دریافت کرتا ہے۔ چونکہ مجھے اس جنگ میں فتح حاصل ہوئی ہے اور تیرے مخالف کا سر تیرے سامنے ہے۔ بادشاہ مجھ سے پوچھے گا۔ میں اسے بتاؤں گا۔ ہمارا بادشاہ بھی اس کامیابی میں تیرے ساتھ شریکِ مسرت ہوگا۔

یزید : "هَذَا رَأْسُ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ۔ یہ علی بن ابی طالب کے فرزند حسین کا سر ہے۔"

نصرانی : "وَمَنْ أُمَةُ؟ اس کی مال کون ہے؟"

یزید : "كَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ۔ ہمارے رسول کی دخترِ فاطمہ۔"

نصرانی : "أَفَ تِلْكَ وَلَدُ بَنِي دِيْنِ؟ اَحْسَنُ مِنْ دِيْنِكُمْ۔" تجھ پر اور میرے

دین پر اُت ہے افسوس ہے۔ تم سے میرا دین بہتر ہے۔ اور اپنے پیغمبر کی

اولاد کے قاتل! تمہارا دین تمہیں یہ سکھاتا ہے کہ اولادِ پیغمبر کو قتل و قید

کر دو۔ سنو اور یزید! میں حضرت داؤد پیغمبر کا نواسہ ہوں۔ میرے اور

اُن کے درمیان بسا یہ پشتوں کا تعلق ہے۔ تاہم نصرانی قوم میری اس قدر

تَعْلِيمَ دُكْرِيْمٍ كَرِهْتَ لِمِمْرَيْسٍ يَأْوُدُ كَرِخَاكُ بَطُوْرٍ تَبْرَكَ اُطْلُتْ بِهِي. وَ اَنْتُمْ تَقْتُلُوْنَ اَبْنَ
 يَنْتَ نَبِيَكُمْ وَ مَا بَسِيْكُمْ وَ يَبِيْ كَيْسِيْكُمْ اَكْلًا اُمُّ وَ اَمِيْدَةً فَاَيُّ دِيْنٍ دِيْنَكُمْ؟ اور تم
 لوگو، اپنے پیغمبر کی دختر کے فرزند کو قتل کر رہے ہو جبکہ تمہارے اور تمہارے نبی کے درمیان سرن
 ایک ماں کا فاسلہ ہے۔ تمہارا کون سا دین ہے؟

سفیرِ روم: یزید! تم نے کنفیہ سا فرار گدے کے ٹھم والا گرجا کا واقعہ سنا ہے؟
 یزید: نہیں۔

سفیرِ روم: ایک بنیہ ہے۔ اس میں نصرانیوں کی آبادی ہے۔ اس کے شہروں میں ایک بڑا شہر ہے۔ نہایت
 خوب صورت اور عظیم الشان۔ اس میں بہت سے گرجے ہیں۔ اور وہاں میں سب سے بڑا گرجا
 کنفیہ سا فرار گرجا ہے۔ اس گرجے کے محراب میں سونے کا ایک ٹیٹھم ورنہ ہے۔ اور اس
 ڈبہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوزن کے گدے کا ایک ٹیٹھم ورنہ ہے۔ اچانک پرودوں میں
 لپٹا ہوا ہے۔ ہر سال نصرانی لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں۔ اس کے ارد گرد وٹوان کرتے
 ہیں۔ اسے چرخے ہیں، آنکھوں پر ملتے ہیں اور اس کے پاس کھڑے خدا سے حاجات طلب
 کرتے ہیں۔ ہم تو اپنے پیغمبروں کا اس قدر احترام کرتے ہیں کہ ان کی سوزن کے گدے
 کے ٹھم کی بھی تعظیم دیکریم کرنے ہیں اور تم اپنے پیغمبر کے قلب و جگر کے ٹکڑوں کو قتل کرتے
 ہو۔ اور اس کی بیٹیوں کو قید کر کے مجھ عام میں پھرانے خوش ہو سو کر ڈراہ کے دور
 چلاتے ہو۔ خدا نہیں برکت نہ دے۔

یزید: نصرانی کا یہ غلاب امیر کلام سن کر یزید غصہ سے آگے بگڑا ہو گیا۔ درحقیقت اس کا مطلب
 نہ دے سکا۔ اور اپنا رویا ہی پر پردہ نہ ڈال سکا۔ سلطانی طاقت پر گھڑا کرنے ہوئے اور
 ظالمانہ اقتدار کو استعمال کرتے ہوئے اس کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ اسے
 قتل کر دو۔ یہ اپنے ملک میں باکر میر سے آیا کہ دار کا ذکر کرے گا۔ اور ملک روم میں
 مجھے ذلیل و خوار کرے گا۔

سفیرِ روم نے اپنے قتل کا حکم سنا۔ یزید سے پوچھا:

نصرانی: اَشْرِيْدُ اَنْ تَقْتُلْنِيْ۔ کیا واقعی تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے؟

یزید: نَعَمْ، ہاں۔

سفیر: تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ گذشتہ رات میں نے عالمِ عرب میں دیکھا ہے کہ تمہارے پیغمبر

فرار ہے ہیں اُسے نصرانی تو جنتی ہے۔ میں حیران ہوا کہ میں اس پیغمبر کے دین پر نہیں۔ ان کے نزدیک میرے جنتی ہونے کا کیا معنی؟ لیکن اب اس کا راز کھلا۔ اگر پیغمبر سچا نہ ہوتا تو نواسہ اس کے دین کے لئے قرآنی پیش دکرتا۔ اس نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اسلام قبول کیا اور سر مبارک اٹھا کر سینے سے لٹکایا۔ اپنی آنکھیں ملیں اور رو کر اس کے بوسے لئے۔ اس انار میں نہ بدست بلاندا نے اسے شہید کر دیا۔ اور یہ سعادت انجام نصرانی پیغمبر جابر رحمت صحت جناب پیغمبر خدا میں پہنچ گیا۔

امام سجاد کی معجزانہ زندگی

قاوِدِ مطلق اور علیم و حکیم خدا اپنی حکمت کے تحت جن کی زندگی برقرار رکھنا چاہتا تھا، اُسے ظالموں کے دستِ تعدی اور ظالموں کے مذموم ارادوں سے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کو سلا مت اور محفوظ رکھتا ہے۔ جن مقدس نفوس کے لئے میدانِ کربلا میں موت مقدس کر دی تھی، وہ دائمہ انداز میں اپنی ابدی خواہاں ہول کی طرف بڑھے اور اپنے یثاق کو وفا کر کے شہادت سے سُرخرو ہو گئے۔ لیکن امام سجاد کے لئے معرکہ کارزار مکتوب نہ تھا، بلکہ بازارِ دوبارہ مقدس تھے۔ خاندانِ رسالت کے اس باقی فرد اور مقدس یادگار کے لئے لمبی بیماری اور طویل سفر مقسوم تھا۔ اس بقیہ آلِ محمد کیلئے بامقصد زندگی کو برقرار رکھنا تھا۔ اس لئے ہر مقام پر ظالموں کے ارادے قاوِدِ کریم نے اکام کئے۔ وہ نہ ان سنگدلوں نے تو کئی بار اس دُکھی امام کو قتل کرنے کی تدبیریں کیں۔

عصرِ غانور کو جب ظالم فوج کُٹنے اور غارت گری کے ارادے سے خیامِ اہل بیت میں داخل ہوئی تو بعض عینوں نے جناب سجاد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ بعض نے اس کی مخالفت کی۔ شمر نے تلوارِ سونت کہہ بیمارِ امام کو قتل کرنا چاہا۔ لیکن حمید بن مسلم اڑے آیا اور شمر کو دکا۔ اتنے میں عمر بن سعد بھی آگیا اور اس نے شمر کو روک دیا۔ شمر کا قصد دیکھ کر جناب زینب نے فرمایا۔ میرے بھائی کی یادگار ہے۔ اس سے پہلے مجھے قتل کر دو۔ اس طرح جناب سجاد بچ گئے۔

دوبارہ کہہ میں جب ابنِ زیاد کا امام سجاد سے مکالمہ ہوا تو وہ ملعون جواب نہ دے سکا۔ عُصَہ میں تلملا کر قتل پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے جلاؤ کو حکم دیا کہ سید سجاد کی گردن اڑا دو۔ یہ حکم سننے ہی جناب زینب اپنے بیمار بھتیجے سے پٹ گئیں۔ اور فرمایا۔ ابنِ زیاد! تھوڑا خون بہایا ہے؟ ابھی تیری ظالم طبیعت قتل سے سیر نہیں ہوئی، میں ہرگز اس سے جہاد نہ ہوں گی۔ جب تک

میں بھی اس کے ہمراہ قتل نہ ہو باؤں گی۔ ابن زیاد چھوٹی کی بھتیجی پر جان شماری دیکھ کر متعجب ہوا۔ اور قتل کا حکم اٹھنے واپس لے لیا۔

یزید نے اسیران آل محمد کے جناب سجاد سمیت قتل کا مشورہ درباریوں سے لیا۔ بعض خوشامدی بے دینوں نے نہایت دلیرانہ سے گستاخانہ انداز میں قتل کا مشورہ دیا۔ لیکن نعمان بن بشیر نے اس کے نکالتے رائے دی۔ اس وقت قویزید اس ارادے سے باز رہا۔ مگر امام سجاد کے بارے میں اس کے دل میں خلش باقی رہی۔

دربار میں جب یزید نے جناب سجاد سے کلام کیا اور سوال و جواب ہوا تو اس وقت بھی یزید نے قتل امام کا حکم صادر کیا۔ جناب آتم کثوم نے اس ابوالانہ یادگار حسین کو گلے لگایا اور فرمایا: بڑا! تیرے سوا اب اس پردیس میں ہمارا کون ہے؟ محسوسہ کی جگہ نگار فریاد سے حاضرین دربار رونے لگے۔ اور اہل مجلس نے کہا یہ مریض نوجوان ہے۔ دکھوں اور مصیبتوں میں گھل گھل کر قریب موت ہے۔ اسے قتل نہ کر! ایک روایت میں ہے کہ ایک شامی اٹھا۔ جناب زینب سجاد سے پیٹ لگئیں۔ دربار کا رنگ بدلا دیکھ کر یزید اس وقت توڑک گیا لیکن دل میں قتل کی تدبیر کو خفیہ رکھ کر ایک بار یزید نے امام سجاد کو دربار میں بلایا۔ کئی طرح کے سوالات کرتا رہا۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ کسی طرح ان کی بات گرفت میں آجائے اور قتل کا جواز پیدا ہو جائے۔ لیکن امام نے قتل کا موقع نہ دیا۔

ایک بار یزید نے اپنے سپاہی کو حکم دیا کہ سجاد کو فلاں باغ میں لے جا کر قتل کر دو۔ اور وہیں دفن کر دو۔ چنانچہ وہ سپاہی سجاد کو باغ میں لے گیا اور خود قبر کھودنے میں مصروف ہو گیا۔ جناب سجاد نے موقع فرصت جان کر غار شروع کر دی۔ اور ایک خاص دعا پڑھی۔ سپاہی قبر سے فارغ ہو کر قتل کے ارادے سے سوئے امام بڑھا۔ یکایک فضا سے ایک دست غیبی نمودار ہوا اور سپاہی کو ایک ایسا تھپڑ رسید کیا کہ وہ زمین بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ایک چیخ ماری اور پھر جہنم میں پہنچ گیا۔ اتفاق سے یزید کا ایک بیٹا خالد یہ عبرتناک منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے فوراً واپس آکر یزید کو تمام ماجرا سنایا۔ یزید گھبرا گیا۔ اور کہا کہ امام کو چھوڑ دو۔ اور مردہ سپاہی کو اسی کی کھودی ہوئی قبر میں دفن کر دو۔

منہال کی ملاقات چونکہ خاندان عصمت و طہارت کی مشہرادیوں کا سوائے امام سجاد کے کوئی وارث باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اور برادر مظلوم کی یہی نشانی اور مقتول بھائی

کی یہی یاد دلاتی تھی۔ اس واسطے جناب زینب دام کلثوم متجاد کو آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتی تھیں۔ زندان میں ایک دوسرے کے لئے باعث تسکین تھے۔ ویسے کبھی کبھی زندان سے باہر چلنے پھرنے چلے جاتے تھے منہال بن عمرو بیان کرتا ہے کہ ایک بار امام متجاد کو دیکھا شام کے بازار سے گزر رہے تھے۔ ضنعت و نقاہت کی وجہ عسا کا سہارا لے کر چل رہے تھے جناب کی ٹانگیں سوکھ کر سرکڑے دکائے کی مانند ہو گئیں تھیں۔ رنگ درو تھا۔ پنڈلیوں سے خون بہہ رہا تھا۔ غالباً بیٹریوں کے زخم تھے۔ میں نے بیمار اور قیدی امام کی دکھ بھری حالت دیکھی تو برداشت نہ کر سکا۔ دل بھرا یا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ میں نے کہا:

كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا بُنَيَّ رَسُولَ اللَّهِ - فرزند رسول کیسے گزر رہی ہے؟ میرا سوال سن کر امام رو پڑے۔ اور فرمایا اس خستہ حال دیکھی انسان کا کیا حال پوچھتے ہو جو زید بن معاویہ ایسے شہرے سنگدل بادشاہ کی قید میں ہو۔ جس کی مستورات نے کبھی سیر ہو کر غذا نہ کھائی ہو۔ سر ڈسائے کے لئے ان کو کپڑا میسر نہ ہو۔ اور رات دن نوحہ و مراثی ہو۔ دن کو دھوپ اور رات کو سردی و اوس سستی ہو۔ اے منہال! اس امت میں ہماری وہ حالت ہے جو فرعون کے زمانے میں بنی اسرائیل کی تھی۔ لڑکوں کو قتل کر دیتے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ عرب عجم پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ کہ محمد مصطفیٰ علی ہیں۔ اور قریش فخر کرتے تھے کہ پیغمبر ان کے خاندان سے ہے۔ مگر اہل بیت رسول کی یہ حالت ہے کہ ہمارے حقوق غصب کر لئے گئے۔ قتل کیا گیا۔ قید کیا گیا۔ وطن سے بے وطن ہیں۔ ابھی نہ بدک طرف سے امن میں نہیں۔ ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ جب بھی ہمیں بلاتا ہے تو یہ خیال دل میں گزرتا ہے کہ ہمیں قتل کے لئے تو نہیں بلایا گیا۔ منہال بیان کرتا ہے کہ ہم بائیں کرتے ہوئے قید خانے کے قریب پہنچے تھے کہ اتنے میں ایک بی بی قید خانے سے باہر نکل۔ اور آواز دی:

بیٹا متجاد! جلدی واپس آؤ، بیٹا اتنا باہر نہ نکلا کر۔ ہمیں شامیوں پر اعتبار نہیں رہا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ خواہر حسین و دختر زہرا جناب زینب ہیں۔ متجاد آنکھوں سے اوجھل ہوئے بیاباں بیکار ہو گئیں۔

نواب سکینہ

جناب سکینہ بنت الحسین بیان فرماتی ہیں کہ زندان شام میں چوتھی رات تھی۔ اس رات کو گہریدہ بکا کرتی رہی۔ بابا کو، بھائیوں کو، چچا عباس کو یاد کر کے روتی رہی۔ اور روتے روتے میں

خاک کے بستر پر سو گئی۔

عالم خواب میں دیکھتی ہوں کہ پانچ شتر نورانی ہیں ان پر پانچ بزرگ بیٹھے ہیں اور ہر نورانی نانہ کے آس پاس فرشتوں کی ایک جماعت ہے۔ اور خادم جنت ان کے آس پاس چل رہے ہیں۔ وہ نورانی اونٹ تو گزر گئے۔ ایک خادم جنت مجھے آکر کہنے لگا۔ سکینہ! تیرے جد امجد تجھے سلام کہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ میرے جد امجد رسول پاک پر سلام ہو تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں جنت کا ایک خادم ہوں۔ پھر میں نے دریافت کیا وہ کون بزرگ ہیں جو نورانی اونٹوں پر سوار جا رہے ہیں۔ اس نے کہا پہلے حضرت آدم، دوسرے ابراہیم، تیسرے موسیٰ چوتھے عیسیٰ اور پانچویں آپ کے جد محمد مصطفیٰ ہیں۔ جناب سکینہ بیان فرماتی ہیں۔ پھر میں نے دریافت کیا وہ کہاں جا رہے ہیں۔ اس خادم نے کہا تیرے بابا حسین کے پاس جا رہے ہیں۔ جناب سکینہ ان کی طرف دوڑیں تاکہ نانا کے پاس ظالموں کے ظلم کی شکایت کریں۔ اس اثنا میں پانچ اور نورانی محل اترے، ان میں سے پانچ مستورات ظاہر ہوئیں۔ میں نے پوچھا یہ مستورات کون ہیں؟ جواب ملا پہلی مستورام البشر حضرت خواہیں۔ دوسری جناب آسیہ، تیسری جناب مریم بنت عمران اور چوتھی حضرت خدیجہ الکبریٰ ہیں۔ جناب سکینہ نے پھر پوچھا، وہ مستورات کون ہیں جس نے سر پر ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ کسی اٹھتی ہیں کبھی بیٹھتی ہیں۔ شدت غم سے نڈھال ہیں۔ کمر جھک ہوئی ہے۔ بال کھلے ہوئے ہیں۔ خادم نے کہا۔ سکینہ نہیں پہچانیں۔ یہ تو میری داوی زہرا ہیں۔ کمر امت کے مظالم نے جھکائی اور بال شام کے بازار نے کھلوا دیئے۔ سر پر ہاتھ کربلا کے شہیدوں نے رکھایا۔ پس میں دُرُودِ زہرا سے لپٹ گئی اور امت کے ظلموں کی فریاد کرنے لگی۔ جد امجد کی آواز آئی۔ بیٹی یہ تمام دیکھ چکی ہوں۔ تمہاری تمام فریادیں سُن چکی ہوں۔ اب مزید یہ فریاد کر کے میرا جگہ نہ جلا، اور میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر، میں کربلا سے شام تک تمہارے ہمراہ رہی ہوں، بیٹی! یہ تیرے مظلوم بابا کا خون بھری قمیض ہے۔ اسے اپنے سے جدا نہ کر دوں گی۔ جب تک بارگاہِ خدا میں اسے پیش نہ کر لوں گی۔

ایک معصومہ بچی کی وفات

امام مظلوم جناب سید الشہداء کی ایک صغیر السن دختر تھی۔ جسے حُنین بہت پیار کرتے تھے۔ اور وہ بابا کو بہت چاہتی تھی۔ اس کا نام رقیۃ بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا تین سال کا سن بیان کیا جاتا ہے۔

بابا کا پیار غائب ہو گیا۔ اور ان کی آغوش شفقت سے محروم ہونے کے بعد ان کی شکل دیکھنے کو تھیں اور دن رات ان کو یاد کر کے روتی رہتی تھیں۔ جب وہ بابا کو یاد کر کے روتیں تو تمام بیسیوں کو رلا کر بابا کی یاد تازہ کر دیتیں۔ ایک رات شام کے زندان میں سوئی ہوئی تھیں۔ کہ ان کو بابا حسین نظر آ گئے۔ مقتول باپ کو خواب میں دیکھ کر بابا، بابا کہتے ہوئے بیدار ہوئیں، ماں سے پوچھا بابا جان کہاں ہیں؟ ابھی مجھے بابا ملے ہیں۔ سوچیں سے کہا، میرے بابا آئے تھے۔ معصوم نے فریاد بلند کی۔ مستورات کا غم تازہ ہو گیا۔ بیسیوں نے یتیمہ کو قتل مینے اور خاموش کرنے کی کوشش تو بہت کی۔ مگر جس قدر قتل دیتی تھیں۔ معصوم کا غم بڑھتا تھا۔ یہی کہتی تھیں۔ مجھے بابا سے ملاؤ، مجھے بابا سے ملاؤ۔ میرے بابا آئے تھے۔ گریہ بکا زیادہ ہوا۔ اور کہرام زندان میں مچا ہوا۔ اور یہ زندان یزید کے محل کے قریب تھا۔ کہرام ماتم کی صدا یزید کے کافوں میں آئی۔ یزید نے دریافت کر بھیجا۔ جواب ملا کہ جناب حسین کی دختر صغیرہ نے خواب میں بابا کو دیکھا اور اب وہ بے چینی ہیں۔ یہ بابا کا سر مانگتی ہیں۔ یزید نے سر بھجوا دیا۔ تاکہ معصومہ سر حسین سے قتل حاصل کرے۔ ایک طشت میں رومال سے ڈھانپا ہوا سر امام معصومہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ معصومہ نے بابا کا سر اٹھایا۔ سینے کے ساتھ چٹایا۔ بوسے لئے اور اپنے دھکوں کی سر کے سامنے فریاد کی، بابا تیرے سر کو کس ظالم نے خون سے رنگین کیا۔ یا کس ظالم نے تیری شہ رگ کاٹی۔ کس نے مجھے کم سنی میں یتیم کیا۔ اسی طرح مظلومہ سر کو سامنے رکھ کر فریادیں کرتی رہی۔ آخر میں بابا کے منہ پر منہ رکھا۔ اور معصومہ کو غش آ گیا۔ کسی بی بی نے جو ہاتھ لگا کر اٹھانا چاہا تو معلوم ہوا کہ رُوح بدن سے جدا ہو چکی ہے۔ اور یتیمہ اپنے باپ کے پاس پہنچ گئی ہے۔

حق و باطل

اصل، صیغ، سچا، واقعی، موجود، ہو چکا یا ہونے والا ہے۔ یقینی، ان تمام امور کو حق کہتے ہیں۔ جعلی، غلط، جھوٹا، بے کار، بے فائدہ، معدوم، جو کبھی موجود نہ رہا ہو۔ نہ اس کا وجود ہوگا۔ یہ تمام باتیں باطل کہلاتی ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حق ہے۔ انبیاء علیہم السلام حق ہیں۔ ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم حق ہیں۔ ملائکہ حق ہیں۔ کتب سجادہ حق ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کا

وجود ہے۔ ہوگا رہا ہے۔ ان کا وجود صحیح ہے۔ یہ سچے ہیں اور جب کہتے ہیں کہ موت حق ہے۔ قیامت حق ہے۔ حساب و کتاب حق ہے۔ پُلِ صراط حق ہے۔ جنت و دوزخ حق ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کا وجود یقیناً ہوگا۔ اور یہ آنے والی ہیں۔ اور یقیناً آئیں گی۔ تو یہاں حق کا معنی وجود و قیامت اور یقیناً ہے۔ اور جب ہم کہتے ہیں پیغمبرانِ خدا حق ہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق نبی ہیں، اور جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب امام حق ہیں۔ جناب امیر حق پر تھے۔ امام حسین علیہ السلام حق پر تھے تو اس جگہ حق سے مراد سچ، صحیح اور فی الواقع ہے۔ یعنی یہ لوگ سچے اور فی الواقع پیغمبر تھے۔ حضرت علی سچے اور واقعی امام تھے اور سچائی اور صحت پر تھے۔

حق کے مقابلہ میں باطل ہے۔ ہمارا قول کہ بہت سے خدا باطل ہیں، اس سے مراد ہے کہ ایسے خداؤں کا کوئی وجود نہیں۔ فرعون باطل ہے، اس کی خدائی باطل ہے۔ فرعون دعوائے خدائی میں سچا نہ تھا۔ اس کی خدائی بناوٹی تھی۔ اسی طرح جھوٹے خدا، جھوٹے نبی، جھوٹے امام، ان کو باطل کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ لوگ سچے پیغمبر اور فی الواقع پیغمبر نہ تھے۔ ان کا دعویٰ صداقت پر مبنی نہ تھا۔ اسی طرح یہ باطل امام، یہ جھوٹے تھے صحیح امام نہ تھے۔ معیارِ امامت پر پورے نہ اترتے تھے۔ غلط ہیں۔ بناوٹی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

باطل کا معنی بے کار اور بے فائدہ بھی ہے۔ جیسا کہ آیت قرآن ہے: **مَرْبُتًا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا**۔ خدا یا تو نے زمین و آسمان کو بے فائدہ اور بے کار نہیں پیدا کیا۔ جا دو گروں کے متعلق ہے: **وَ بَطُلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ** ہ ان کا عمل بے کار گیا اور بے فائدہ ثابت ہوا۔ یا یہ کہنا اس کی نماز باطل ہے۔ اس کا روزہ باطل ہے۔ یعنی غلط ہو گیا بے کار اور بے فائدہ ہو گیا۔

حق و باطل کی تشریح کے بعد ہم ان دونوں قوتوں کا ابتداء عالم سے آخرِ جہاں تک مقابلہ و تقادم بیان کرتے ہیں۔

حق و باطل دو متضاد قوتیں ہیں۔ جو ہمیشہ سے برسرِ پیکار رہیں۔ اور ہمیشہ متضادم رہیں گی۔ حق اصل ہے اور باطل نقل۔ حق موجود رہتا ہے اور اس کا قیام صداقت و صحت پر ہوتا ہے۔ اس کے بالمقابل باطل معدوم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے قدم مضبوط نہیں ہوتے۔ اور مکر و فریب کے سہارے کچھ عرصہ تک قائم رہتا ہے۔ چونکہ یہ قوتیں اس دنیا میں دائمی ہیں۔ اس واسطے ان کے مظاہر بدلتے رہتے ہیں۔ باطل میں حد ہوتی ہے اور حق محسوس ہوتا ہے۔ باطل حق کو دبانے اور جھکا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن حق دُب دُب کے ابھرتا ہے۔ اور باطل کے سامنے جھکتا نہیں۔

اس دنیا میں حق حضرت آدم کی صورت میں اور باطل شیطان کے پیکر میں نمودار ہوا۔ حضرت آدم خلیفہ

خدا تھے اور پہلے برحق نبی اور رہنما تھے شیطان حاسد تھا۔ سرکش تھا۔ دراصل ابلیس کو آدم کا سہوہ کرنے سے یہ مقصود تھا کہ مخالف طاقتیں اطاعتِ خلیفہ خدا اور ہادی حق قبولی کر لیں۔ سرکشی و بغاوت نہ کریں لیکن حارث نے آدم کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا۔ باطل ہو گیا اور شیطان بن گیا۔ آدم حق ہیں اور شیطان باطل۔

یہ مقابلہ تو آسمانوں پر تھا۔ روئے زمین پر حق و باطل کا ابتدائی تصادم اور ان کی پہلی آویزش حضرت آدم کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل سے ہوئی، یہ دونوں بھائی ہیں، ایک باپ کی اولاد، ابتدائی انسان ہیں۔ انسانوں کی مختصر آبادی کا پہلا دور ہے۔ زمین ابھی ابھی ان کے وجود سے آشنا ہوئی تھی اور ان کی زندگی کا تہال ابھی پُر بہار تھا کہ حسد کی آندھی چلی جس میں طغیان کے ایک جھونکے نے پُر بہار اور بار آور شجر کو تالچ کر دیا وَ اَنْزَلُ عَلَيْهِمْ نَبَاً اَنْبِئُوْا اِذَا قَرَّبْتَ بَاْتًا فَتَقَبَّلْ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يَتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخِرِ قَالَ لَآ قُتِلْتُمْ لَآ قُتِلْتُمْ قَالَ اِنَّمَا يَسْتَقْبِلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ وَ لَيْتُنِيْ كَسَطْتُ لَآئِيْ يَدِكَ لِنَبْتُلْنِيْ مَا اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيْكَ اِلَيْكَ لَآ قُتِلْتُمْ اِنِّيْۤ اَحَاۡفُ اللّٰهُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ " اے پیغمبر! ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کی خبر سنا۔ جب دونوں نے بارگاہِ خدایں قربانیاں پیش کیں، تو ان میں سے ایک کی قربانی تو اللہ نے قبول کی اور دوسرے کی قبولی نہ کی، جس فردِ آدم کی قربانی ناقبول ہوئی اس نے مارے حسد کے اور احساسِ محرومی سے غضبناک ہو کر کہا میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا۔ مقبول بارگاہ و جنابِ ہابیل نے کہا خدا تو انہی کی قربانیاں قبول کرتا ہے جن میں تقویٰ ہو اگر تو نے مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا اور اس غرض سے میری طرف دستِ ظلم بڑھایا تو میں اپنا ہاتھ قتل کے ارادے سے تیری طرف نہیں بڑھاؤں گا۔ میں تو خدائے رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

تقابل کی قربانی جب رد ہو گئی۔ تصور اس کا اپنا تھا۔ خلوص و تقویٰ سے خالی تھی عملِ صالح شامل نہ تھا، تو مارے حسد کے جل جھن گیا۔ بھلا اس میں ہابیل کا کیا تصور تھا۔ اس کی اپنی نیکی اور خلوص اس کے کام آیا۔ یہاں حسد اور محرومی نے بھائی کو بھائی کے خلاف اکسایا۔ سعادت سے محروم بھائی کو حسد آیا۔ اور حسد ہی کرتا ہے جو صفاتِ جلیلہ اور اخلاقی حسنہ سے عاری ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص بلندئی درجات حاصل نہ کر سکے، تو بلند پایہ شخص کے ساتھ وہ حسد کرنے لگتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: "اَمْ يَحْسُدُوْنَ الذِّنَّاسَ عَلٰی مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ" کیا وہ لوگوں کے ساتھ حسد کرتے ہیں اس بات پر کہ خدائے ان کو اپنے فضل سے نوازا ہے۔

بہر حال قابیل نے حسد اور بغض و عناد کی بنا پر اپنے باپ جلئے ہابیل کو قتل کر دیا۔ روئے زمین پر

انسانی قتل کی پہلی واردات تھی۔ اور پہلی بار زمین آدمی کے خون سے آشنا ہوئی۔

دو توتیں تھیں حق و باطل، حق کو مرتبہ ملا تقرب خدا کا اور باطل اس مرتبہ قرب خداوندی سے محروم رہا۔ طغیان و سرکشی کا ازکباب باطل نے کیا۔ حق خاموش رہا۔ اس کی طرف زیادتی کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔ نتیجہ یہ رہا کہ حق جناب باہیل کی صورت میں رحمت کا مستحق اور باطل قابیل کی شکل میں لعنت کا حقدار بنا۔ اسی طرح زمانے کی رفتار کے ساتھ حق و باطل چلتے رہے۔ ہر دور میں باطل حق کو جھکانا چاہتا تھا لیکن حق نے باطل کے سناٹے کبھی سر نہ جھکایا۔

ایک دور ایسا آیا کہ باطل نے نمرود کی شکل میں سراٹھایا اور حق نے حضرت ابراہیم کے پیکر میں باطل کو سمجھایا۔ باطل نے مادی قوت کے غرور میں حق کو دبانے اور اذیت پہنچانے کی کوشش کی، باطل کے پاس تخت ہے اور حق بوریائشیں ہے۔ باطل کے ساتھ کثرت ہے۔ سپاہ ہے۔ لشکر ہے۔ لیکن حق کے ساتھ مردانِ وفا و قلت ہے۔ حق داعیِ حق بن کر باطل کو ماہِ راست پر لانے کے لئے اپنی دلیل پیش کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم

نمرود دربار میں تخت پر متمکن ہے۔ جناب پیغمبرِ خدا تبلیغ کے لئے اس کے پاس جاتے ہیں۔ دلائل پیش کرتے ہیں۔ باطل ان کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ عاجز ہے۔ جب جواب نہ بن پڑا۔ تشدد پر اتر آیا۔ شکست خوردہ ذہنیت کی یہ علامت ہے کہ جواب سے عاجز آنے پر غضبناک ہو کر تشدد کا راستہ اختیار کرتی ہے۔ مادی وسائل کی بنا پر باطل حق پر طرح طرح کے ظلم و ستم کرتا ہے۔ لیکن حق اپنے اصول پر کار بند رہ کر باطل کے ہر وار کا پامردی سے مقابلہ کرتا ہے۔ باطل ہر قسم کے مظالم کرتا ہے۔ اور حق ہر طرح سے قربانی پیش کرتا ہے۔ باطل ظالم حق مظلوم۔ باطل غاصب اور حق معصوب الحق ہوتا ہے۔ باطل قاتل، حق مقتول، لیکن حق مرنے نہیں۔ بلکہ باطل کی تلوار اسے نئی زندگی دیتی ہے۔ باطل قاتل بن کر بھی غالب نہیں آ سکتا۔ اور حق مقتول ہو کر بھی مغلوب نہیں ہو سکتا۔ باطل کو عارضی اور وقتی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اور حق کو ثباتِ دوام اور حیاتِ دام حاصل ہوتی ہے۔ باطل جب اپنے دعویٰ کا استحقاق نہ پیش کر سکے اور اپنے عہدہ کا ثبوت مہیا نہ کر سکے تو نہ بردستی اپنا عہدہ منواتا ہے۔ اور آگ کی طعنہ کھاتا ہے۔ آگ کی دھمکیاں دیتا ہے۔ چنانچہ نمرود نے غیظ میں آ کر خلیلِ خدا کو ہزاروں من جلتی آگ میں پھنکوا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ یوں حق نمرودی آگ میں جل کر ہمیشہ کے لئے خاکستر ہو جائے گا۔ اپنے معبود سے کو لگانے والا عہد، جبرئیل کی امدادی پیشکش سے بے نیاز ہو کر بے خوف و خطر آگ میں کود پڑا۔ لیکن جلانے والی آگ

نے گلزار بن کر حق کے لئے آغوشِ پھیلا دی۔ آگ کے شعلوں نے تختِ بن کر آنے والے مہمان کا استقبال کیا۔ لکڑی کے انگاروں نے پھولوں کا جھیس بدل کر حق کے پاؤں چومے۔ شرارِ آتشِ پتیاں بن کر نچاؤر ہوئے۔ آتشِ کدہ کی حرارتِ نسیم بہار بن کر بغل گیر ہوئی۔ اپنے محبوب سے کو لگانے والا عبد جبریل کی امدادی پیش کش سے بے نیاز ہو کر بے خوف و خطر آگ میں کود پڑا اور حق و باطل کا یہ معرکہ ختم ہوا۔ باطل شکست کھا گیا، حق کامیاب ہو گیا۔

اسی طرح ہر دور میں حق و باطل کی آویزش رہی کوئی زمانہ ان کی معرکہ آرائی سے خالی نہیں رہا۔ کبھی حدود کبھی غیر محدود۔ پھر ایک دور آتا ہے کہ باطلِ فرعون کے وجود میں خدا کی دعویٰ کرتا ہے۔ لوگوں سے کہتا ہے میں تمہارا سب سے اونچا پروردگار ہوں۔ حالانکہ یہ خدا نہیں معمولی بندہ ہے۔ البتہ مال و دولت، لشکر و سپاہ کی کثرت ہے۔ تخت و تاج بھی ہے۔ مادی طاقت اور وسائل ہیں۔ اس منصب و عہدہ کا دعویٰ کرتا ہے جس کا مقدار نہیں۔ زمین و آسمان کا مالک بن بیٹھا۔

لطیف حکایت
مصر میں دریائے نیل سے کاشتکاروں کی زمین میراب ہوتی ہے۔ نیل کے پانی کی فراوانی ہے۔ کھیت اہلہاتے ہیں۔ نیل کی طغیانی پر ہی زمینداروں اور مصریوں کی معیشت منحصر تھی۔ خلافِ معمول ایک دفعہ نیل میں پانی کم رہا۔ برسرِ نہ ہوا اور کناروں سے نہ اچھلا۔ زمینیں خشک، موسم طغیانی کا۔ خود نیل کے لبِ نشتر۔ کسانوں کی امیدوں پر ادس۔ قحطِ سالی کا خطرہ۔ لوگ گھبراتے ہوئے فرعون کے پاس پہنچے۔ خداوندِ نیل میں پانی کم ہے۔ اس سالی طغیانی نہیں آئی۔ دریا موج میں نہیں آیا۔ لہریں بچھری نہیں۔ کھیت خشک پڑے۔ کاشتکاری ناممکن ہو چکی ہے۔ آپ جو خدا ہیں اور خدا کی ہر چیز پر حکومت ہوتی ہے۔ ہر شے اس کے تابع فرمان ہے۔ آپ دریا کو حکم دیں۔ طغیانی آدے پانی پھیلے زمینیں میراب ہوں۔ غلہ بویا جلوسے۔ خشک سالی کا خطرہ ٹل جائے۔ رعایانے سوال کر دیا۔ حاجت پیش کی۔ فرعون نے سن لی۔ اب فرعون سخت گھبراہٹ اور پریشانی میں مبتلا ہے۔ کیونکہ دعویِٰ خدائی تو وہ کر چکا ہے۔ اب اس کا ثبوت پیش کرنا پڑا۔ جھوٹا بھی یہ سمجھتا ہے کہ میں جھوٹا ہوں۔ گو لوگوں پر اپنی صداقت ظاہر کر رہا ہے۔ کسی منصب و عہدہ کا دعویٰ بنا تو آسان ہے لیکن انہیں عہدیداروں والے کام کرنے مشکل ہوتے ہیں۔ اسی مقام پر نا اہل دعویداروں کی پرکھ ہوتی ہے۔ اور مصنوعی مدعیوں کی قلعی کھلتی ہے۔ جب دعوے کے ساتھ ثبوت پیش کرنا پڑتا ہے۔ سائلین کے سوالوں کا جواب دینا پڑتا ہے۔ حاجتمندوں کا حاجت روا اور مشکلات میں مبتلا امت کا مشکل کشا بنا پڑتا ہے۔ دعویِٰ خدائی آسان ہے لیکن مخلوق کی حاجت روائی مشکل ہے۔ نبی کہلانا آسان ہے لیکن معجزہ نمائی مشکل ہے۔ امامت کی مسند پر بیٹھنا آسان ہے، لیکن

مشکل کشائی مشکل ہے۔

اسی امتحان سے پتے چھوٹے کی تیز ہو جاتی ہے اور حق و باطل میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ حق جواب سے عاجز نہیں ہوتا جبکہ باطل جواب سے قاصر ہو جاتا ہے۔ اگر آپ حق و باطل کی پہچان کرنا چاہیں تو آپ کیلئے آسان طریقہ یہی ہے کہ جس مسئلہ پر بیٹھ لے اس سے اس مسئلہ والے امور اور اس معیار کے مسائل پیش کریں اگر حل کر دے۔ لحاظ دیر نہ کرے۔ سوال ختم ہونے سے پہلے جواب تیار لے۔ سائل کا دل مطمئن ہو جائے سائل کسی ملک کا ہو، کسی شہر کا ہو۔ جنس و نوع کا ہو جواب کے گوہر سے دریاں لبریز ہو جائے۔ مرادیں پوری کر کے نوٹے تو سمجھیں کہ مسئلہ والا برحق ہے۔ اگر وہ جواب سوال سے عاجز آجائے مسئلہ حل کرنے سے قاصر ہو۔ اس مسئلہ والے امور کو انجام نہ دے سکے اور تخت و منبر کے معیار پر پورا نہ اترے۔ قوتِ حق سے کورا ہو۔ علم بے عاری ہو تو سمجھ لو کہ یہ باطل ہے۔ حقیقی نہیں مصنوعی ہے۔ اصلی نہیں جعلی ہے۔

الغرض فرعون بہت پریشان ہوا۔ لوگوں کے سامنے تو دریا کو حکم نہیں دے سکتا تھا کیوں کہ دریا اس کا تابع فرمان تو نہ تھا۔ اس طرح لوگوں کے سامنے اگر حکم دیتا تو کذب و بطلان ظاہر ہو جاتا۔ کیونکہ اندرونِ دل فرعون یہ تو جانتا تھا کہ دریا میرے تابع نہیں اور میں خدا نہیں ہوں۔ اور اگر لوگوں سے کہے کہ دریا میرا کہتا نہیں مانتا تو خدائی باطل اور لوگوں کے سامنے اپنی بیوقوفی اور اپنے جھوٹ کا اظہار۔ سو اس نے لوگوں کو تو یہ کہہ کر اٹھا دیا کہ کل میں دریا ٹیٹے نیل کو حکم دوں گا۔ طغیانی میں آجائے گا۔ لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ فرعون نے فرصت کو غنیمت جانا۔ صحرا کی جانب چلا گیا۔ عالم تنہائی میں ایک مقام پر سرسجدہ میں جھکا دیا۔ گڑ گڑا کر کہا: "اے اللہ! تو ہی رب العالمین، خالق، مالک تو ہے۔ میں جھوٹا ہوں تو سچا ہے۔ پس تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں۔ تو کریم ہے۔ میری بات رکھ لے۔ تیری مخلوق قحط سالی میں مبتلا ہو جائے گی۔ یہ لوگ بھوکوں مر رہے۔ میرے نہیں تیرے بندے ہیں۔ میری تو فریب کاری۔ تیری ہی مخلوق ہے۔ گدنا فرمان ہیں پر تیرے ہی بندے ہیں۔ تو کریم ہے۔ اپنے بندوں پر رحم و کرم فرما۔ حسبِ معمول دریا ٹیٹے نیل میں طغیانی پیدا کر زمینوں کو سیراب کر۔ کسانوں کو خوش حال کر۔"

یہاں پر یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ فرعون خدا نہ تھا۔ خدائی کا دعویٰ اُس نے کیا تھا۔ وہ خود بھی سمجھتا تھا کہ اصلی نہیں جعلی ہے۔ حقیقی نہیں بناوٹی ہے۔ مسئلہ درپیش ہوا حل نہ کر سکا۔ یہ دستور ہے کہ مصنوعی جب کوئی مسئلہ نہ حل کر سکے تو وہ حقیقی کے پاس آتا ہے۔ جعلی و بناوٹی جب جہالت کی وجہ سے عاجز آجائے تو سچے اور اصلی و ارث اور مسند نشین کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ اور سچا اور اصلی ایسا کریم اور لاج پال ہوتا ہے کہ سائل کو خالی نہیں لٹاتا۔ اس کو تازہ یا نہ عبرت کی ضرب لگاتا ہے۔ اور اس کے

صلہ کہ مسئلہ والا برحق ہے

مکہ و مریب کے قلعے کو ٹھوکر سے چمک کر دیتا ہے۔ لیکن اس کے سوال کو تشنہ جواب نہیں رکھتا۔ القحطہ فرعون کا مسئلہ حل ہوا۔ اس کی مراد پوری ہوئی۔ دریا جو شش میں آیا۔ موجیں بچھرنے لگیں۔ پانی کناروں سے باہر نکل آیا۔ زمین سیراب، کسان خوش، سیلاب دریا نے مردہ رگوں میں خون دوڑا دیا۔ پیاسی کھیتیاں شاداب ہو گئیں۔ امید کی کہنیں پھوٹ نکلیں۔ اور کاشتکاروں کا غنچہ دل مسکدا اٹھا۔ نیل کی طغیانی تو ختم ہو گئی، مگر فرعون کی طغیانی اسی طرح برقرار رہی۔ وہ بدستور دعویٰ خدائی پر قائم، تخت پر بیٹھا خدائی کے راگ الاپ رہا ہے۔ اور لوگوں سے سجدہ کما رہا ہے۔ اس واقعہ کے بعد جناب جبرئیل انسانی شکل میں فرعون کے سامنے آکر مسئلہ پیش کرتے ہیں۔ فرعون! میرا ایک غلام ہے میں اس پر بہت کچھ کرم و احسان کرتا ہوں۔ ہر قسم کی نعمتوں سے اُسے مالا مال کر رکھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ میرا نافرمان ہے۔ میں اس پر مہربان ہوں وہ میرا نافرمان ہے۔ اور جتنی میری مہربانی بڑھتی ہے۔ اس کی اتنی نافرمانی بڑھتی ہے۔ ایسے سرکش اور نافرمان غلام کی کیا سزا ہے؟ فرعون نے کہا کہ اگر وہ میرا بندہ و غلام ہوتا تو میں اس کو دریا سے نیل میں غرق کر دیتا۔ جبرئیل نے کہا کہ یہ لکھ دے۔ فرعون نے اپنی تجویز کردہ سزا تحریر کر دی۔ جناب جبرئیل نے کچلے گئے۔ فرعون نیل کی موجوں کی آغوش میں ہے۔ نہنگ اجل منہ کھولے اُسے لقمہ بناتے کو تیار ہے۔ غرق ہونے والا ہے کہ جناب جبرئیل نے فرعون کو اس کا نوشتہ دکھایا۔ یہ تحریر کردہ سزا ہے۔ فرعون باطل، جناب موسیٰ حق، باطل کے سچے ہوئے بارعب و ہیبت دربار میں جناب موسیٰ علیہ السلام داخل ہوتے ہیں۔ اس کو دعوتِ حق دیتے ہیں۔ تبلیغِ حق کرتے ہیں۔ کلماتِ حق سناتے اور حق ماننے کی ترغیب دیتے ہیں۔ لیکن باطل کا مطالبہ ہے کہ موسیٰ مجھے خدا مانیں، میری ربوبیت کا اقرار کریں، حق و باطل کی قوی معرکہ آرا ہو فرعون کے دربار میں شروع ہوئی، جناب موسیٰ نے تصدیقِ نبوت کا معجزہ دکھایا۔ عصا زمین پر پھینکا اثر دجا بن گیا۔ فرعون گھبرا یا۔ موسیٰ نے پکڑا۔ پھر وہی عصا۔

ہم جناب موسیٰ و فرعون کا تذکرہ قرآن سے پیش کرتے ہیں۔ اور حق و باطل کا یہ معرکہ کلامِ مجید سے نقل کرتے ہیں: قَالَ مُوسَىٰ يٰٓفِرْعَوْنُ اِنِّىٓ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ حَقِيْقَتًا اَنْتَ لَا اَقُوْلُ عَلٰى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقُّ ۝ حَضْرَتِ مُوسٰی نے کہا: "اے فرعون! میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ اور مجھ پر واجب ہے کہ خدا پر سچا بات ہی کہوں" قَدْ جِئْتُكَ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّكَمْ فَارْجِعْ مَعَىٓ اِسْرَآئِيْلَ ۝ قَالَ اِنْ كُنْتُ جِئْتُ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَا اِنْ كُنْتُ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ حَضْرَتِ مُوسٰی نے کہا: "میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف

سے ایک روشن اور واضح دلیل لے کر آیا ہوں۔ اے فرعون تو بنی اسرائیل کی غلامی اور ان پر تشدد بند کر کے انہیں آزاد کر دے اور میرے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے کہا: "اے موسیٰ اگر تو کو کوئی معجزہ لایا ہے تو پیش کر اگر تو سچوں میں ہے۔"

فَأَتَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۚ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنُّظُرِ ۚ جناب موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا، تو وہ اچھا خاصا کھلم کھلا اثر دیا بن گیا۔ اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو لوگوں کو چمکتا جگمگاتا نظر آیا۔

جناب موسیٰ علیہ السلام نے پیغام حق پہنچایا۔ اپنی رسالت کا نذر کہہ کیا۔ بنی اسرائیل کی غلامی کا مطالبہ کیا اور فرعون کی طلب پر معجزہ بھی دکھایا۔ حق اپنی صداقت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ باطل اپنی مادی قوت پر نازاں اور حق اپنی صداقت و روحانیت پر مطمئن۔ فرعون کے پاس جواب نہیں اور حق کی دلیل کا رد نہیں۔ یہ کہہ کر حاضرین دربار کو جناب موسیٰ سے برگشتہ کرتا ہے کہ: إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ۚ یُرِيدُ أَنْ یُخْرِجَکُمْ مِنْ أَرْضِکُمْ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۚ "بے شک یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے باہر نکال کرے۔ پس تم کیا مشورہ دیتے ہو" (سورہ اعراف)

سورہ طہ میں ہے: "قَالَ أَجِئْنَا لِنُخْرِجَکَ بِسِحْرِکَ یٰمُوسٰی ۚ اے موسیٰ! تو اس لئے آیا ہے کہ تو ہمیں اپنے ملک سے اپنے جادو کے ذریعے نکال دے۔" فرعون اور اس کی جماعت کے سرداروں نے حضرت موسیٰ کے معجزہ کا انکار کر کے اور صداقت کو تسلیم نہ کر کے جادو کا بہتان لگایا۔ حضرت موسیٰ کی طرف، سحر کی نسبت دی، اپنی قوم کو حضرت موسیٰ سے بدظن کرنے اور برگشتہ رکھنے کے لئے فرعون کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ موسیٰ کو تسلیم کر لینے سے فرعون کی خدائی اور سلطنت جاتی تھی۔ لہذا باطل نے اپنی حکومت قائم رکھنے اور سلطنت پر قابو رہنے، اپنے باطل دعویٰ پر جبر پٹنے کے لئے جناب موسیٰ پر مفسد اور ساجر ہونے کا الزام لگایا۔ باطل جب حق کی دلیل کا جواب نہ دے سکے تو اس پر فساد اور سحر کا الزام لگاتا ہے۔ مفسد وہ خود ہوتا ہے اور الزام فساد مصلح پر عاید کرتا ہے۔

جب فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو "ساجر" ٹھہرایا۔ تو فرعون کو مشورہ دیا کہ سحر میں اس کا مقابلہ کیا جائے۔ یَا قُوتُوْا اَرْجَیْہٗ وَاَخَاہٗ وَاَزْوَاجَہٗ الْمَلَائِکَۃُ اٰتٰیْنَ حٰشِرٍ ۚ یٰۤاَشْوَکَ ۚ یٰۤاَشْوَکَ ۚ سَاحِرٌ عَلِیْمٌ ۚ انہوں نے کہا۔ "اے فرعون! موسیٰ اور اس

کے بھائی کو اپنے قابو میں رکھ اور شہروں میں ہر کارے بھیج دے جو ماہر جادو گروں کو اکٹھا کر کے لائیں۔ پھر ان جادو گروں اور موسیٰ کا مقابلہ ہو۔ اور دنیا آنکھوں سے دیکھ لے گی۔ سورۃ طہ کی آیت میں ہے:

فَلَنَأْتِيَنَّكَ لِسُحْرِ مِثْلِهِ فَأُجْعَلَ بَيْنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا يُخْلَفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا وَوَعْدًا ۝

فرعون نے کہا۔ ہم بھی اس طرح کا جادو پیش کرتے ہیں۔ پس تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک وقت مقرر کرو۔ ہم اور تم اس وقت اور مکان کی خلاف ورزی نہ کریں۔ اور مقابلہ ایک گھنٹے میدان میں ہو۔

انگریز مقابلے ہو گیا۔ اور جگہ بھی مقرر ہو گئی۔ عام لوگوں کو اطلاع اور دعوت بھی دی گئی۔ لوگوں کی طبائع تماشا دیکھنے کی بے حد اشتیاق ہوتی ہے۔ اور اس قسم کا مقابلہ جس میں تماشا بھی پایا جاتا ہو، اور فرعون مع سرداروں کے خود تماشا بھی ہو۔ اندازہ لگائیں کہ کتنے لوگ میدان مقابلہ اور تماشا گاہ میں اکٹھے ہوں گے۔ میلوں تک میدان مردم سے پُر تھا۔ مملکت فرعون کے باہر جادوگر اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے لئے اکٹھے ہو گئے تھے، ان جادوگروں کو فرعون اور اس کے درباریوں کی نصرت و تائید بھی حاصل تھی۔ ان کی حوصلہ افزائی کے لئے لاکھوں ہزاروں افراد، اور فرعون ایک خاص اُدبے مقام پر مع وزیرِ دل کے رونق افروز ہے۔ یہ سب کچھ باطل کی آرائش ہے۔ عذی کثرت ہے۔ مال و دولت کی فراوانی ہے عتیقا ہیں۔ لشکر ہے۔ مادی قوت ہے۔ ادھر حق کے نمائندے صرت دو شخص موسیٰ و ہارون، کہنہ و معمولی لباس سر پر ٹوپی، ہاتھ میں اعما۔ داخل میدان ہوئے، اب حق و باطل کی معرکہ آرائی شروع ہوتی ہے۔ یعنی موسیٰ و فرعون جادوگروں کا مقابلہ۔ یہ قرآن مجید ان لفظوں میں پیش کرتا ہے۔ "قَالُوا يَمُوسٰی اِنَّمَا اَنْتَ نَذٰیرٌ وَاِنَّمَا اَنْتَ نَكُوْنُ اَوَّلُ مَنْ اَنْقٰی" انہوں نے کہا یا تم پہلے پھینکو یا ہم پہلے پھینکے والے بنیں۔ "قَالَ بَلْ اَنْقُوا" حضرت موسیٰ نے کہا۔ بلکہ پہلے تم پھینکو۔ "فَاَنْقُوا" فَاِذَا جِئَالَهُمْ وَاَعْيٰنُهُمْ یُخٰیِلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِ حٰمِرٍ اَنْتُمْ اَسْمٰعٰی" فرعون جادوگروں نے اپنے کرتبوں کی ابتداء کر دی، انہوں نے رسیاں اور چھڑیاں، لاٹھیاں میدان میں پھینکیں۔ پس ایسا معلوم ہوا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں سانپوں کی شکل میں دوڑ رہی ہیں۔ یہ ایک ایسا مقام تھا کہ مقابلے پر ضرور اثر انداز ہوتا ہے۔ مگر حق کی تائید نصرتِ خداوندی سے ہوتی ہے۔ اگرچہ اس مقام پر موسیٰ کسی وجہ سے کسی قدر گھبرائے۔ "فَاِذْ هَمَّ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوسٰی" "قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی" تو موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ دہشت سی پائی، ہم نے کہا: موسیٰ! نہ ڈر تو ہی غالب و بلند رہے گا۔ ذرا سی گھبراہٹ بتقاضائے بشریت محسوس ہوئی۔ تائیدِ ایزدی نے باز و تمام لیا۔ پشت پناہی کی۔ ادھر سرداری جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بنی میدان میں دوڑ رہی ہیں۔ لاکھوں لگا ہی عو تماشا ہیں جادوگر

کا کمال منظر عام پر آچکا تھا۔ لوگ بنظر تحسین و استعجاب ان کا کمال دیکھ رہے ہیں۔

ایک مقام پر اس طرح ہے: فَلَمَّا اتَقَوْا سَحَرُوا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَوْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرِ عَزِيزٍ ۝ پس جب ان ساحروں نے رسیاں ڈالیں تو انہوں نے لوگوں کی نظروں کو مسح کر دیا اور ان کو ڈرا دیا اور بہت بڑے جادو کا مظاہرہ کیا۔

وَ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوسٰى اَنْ اَتِيَ عَصَاكَ ۙ اِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاغُفُوكُنَّ ۙ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۙ فَغُلِبُوا هُنَا لَكَ وَانْقَلَبُوا صَٰغِرِيْنَ ۙ ۝ ہم نے موسیٰ کو وحی کا کہ اپنا عصا زمین پر پھینک دے۔ (موسیٰ نے عصا زمین پر پھینکا۔ اب کیا نظارہ ہے) عصا نے موسیٰ کو دبا دیا اور جادو گروں کے جھوٹے سانیوں کو نگل رہا ہے۔ پس حق کامیاب ہو گیا اور ساحروں اور اہل باطل کو کھل بے کار ہو گیا۔ فرعون اور اس کے ساتھی مغلوب ہو گئے۔ اور سب کے سب اس معرکہ آرائی میں ذلیل و خوار ہو کر لوٹے۔

اب حق یہ تھا کہ اپنی شکست اور ناکامی پر وہ حضرت موسیٰ اور ان کے رب پر ایمان لاتے کیونکہ ان کے چوٹی کے ساحر میدان میں مغلوب ہو چکے تھے۔ جناب موسیٰ کے اعجاز کو تسلیم کر لیتے۔ کیونکہ بندے کی انتہائی طاقت کو خدائی قوت ہی باطل و مغلوب کرتی ہے۔ اگر موسیٰ رسول رب العالمین نہ ہوتے تو میدان میں ہرگز کامیاب نہ ہوتے اور ان کا عمل ساحروں کے عمل پر غالب نہ آتا۔ اس مقام پر فرعون اور اس کے ساتھی تو باطل پر اڑے رہے اور وہ لوگ جو مقابلہ کے لئے آئے جو موسیٰ کو شکست دینے کے لئے بلائے گئے تھے۔ اور موسیٰ کے عمل کو باطل کرنے کے لئے خم ٹھونک کر میدان میں اترے تھے۔ اور جنہیں کامیاب ہونے پر فرعون کی طرف سے بڑے بڑے انعامات و تقرب کی امید بھی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ موسیٰ کا عمل جادو نہیں اور مملکت مصر میں ہم سے بڑا کوئی جادوگر بھی نہیں جس نے ہمیں شکست دے کر باطل کر دیا۔ وہ حق کی طاقت ہے۔ موسیٰ سچ کہتا ہے۔ وہ اللہ رب العالمین کا رسول ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ہم موسیٰ پر اور اس کے رب پر ایمان لائیں۔

وَأُفٍّ السَّحَرَةُ سَٰجِدِينَ ۙ ۝ قَالُوا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۙ رَبِّ مُوسٰى وَهَارُونَ ۙ قَالَ فِرْعَوْنُ اَمَنْتُمْ بِهِ قَبْلَ اَنْ اَدْعٰنَ لَكُمْ ۙ اِنَّ هٰذَا لَكُوْنٌ مَّكَرٌ مُّؤَمَّوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لَخَرِجُوا اَهْلَهَا مِنْهَا مَسُوْرَتٌ لَّعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ ۙ ۝ لَا قَطْعَيْنِ ۙ اَيُّدِيْكُمْ وَاَرْجُلُكُمْ مِنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَا تُصَلِّتُكُمْ اٰجَعِيْنَ ۙ قَالُوا اِنَّا اِلٰه رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ۙ وَمَا نُنْقِصُ مِنْهَا اِلَّا اَنْ اَمَّا يٰ اَيُّدِيْ رَبِّنَا لَمَّا جَاءُوْنَا رَبَّنَا فَفَرَّغْنَا عَلَيْهِنَا صَبْرًا ۙ وَكُفْنَا مُسْلِمِيْنَ ۙ ۝ جنے جادوگر تھے سب

موسىٰ کے سامنے سجدہ میں گر پڑے اور کہا کہ ہم رب العالمین (خدا اُسے حقیقی) پر ایمان لائے ہیں جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ (فرعون کے توہمیں اڑ گئے) آگ جگمگ ہو کر۔ کہنے لگا۔ میری اجازت اور حکم سے قبل تم ایمان کیسے لے آئے، یہ تم لوگوں کا مکہ ہے۔ اس شہر میں تم چاہتے ہو کہ شہر والوں کو نکال کر خود قبضہ کر لو۔ اچھا، غنقریب اس مکہ کا بدلہ تم پا لو گے۔ میں تمہارے ہاتھ اور پیر اٹا کے کٹوا دوں گا۔ پھر تم سب کو سولی پر لٹکواؤں گا۔ پس جادو گروں نے کہا۔ ہم تو خدا ہی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔ تو ہم سے اس بات کا انتقام لینا چاہتا ہے کہ ہمارے پاس جب ہمارے رب کی نشانیاں آگئیں تو ہم ان پر ایمان لائے (پھر انہوں نے دُعا مانگی کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر (کا مینہ) برسا دے۔ اور ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں موت دے (س۔ اعراف و ظہر)

حق و باطل کے اس مقابلہ میں حق کو نمایاں کامیابی ہوئی، لاکھوں انسانوں نے موسیٰ علیہ السلام کا غلبہ دیکھا۔ انسانی کمال پر ربانی کمال کی فوقیت دیکھی۔ سحر اور اعجاز میں فرق دیکھا کہ سحر انسانی فعل ہے اور اعجاز ربانی فعل ہے۔ اسی طاقت عارضی ہے، روحانی طاقت پائیدار ہے۔ پھر نمایاں کامیابی روشن کامیابی یہ کہ مقابلین سرنگوں ہو گئے۔ شکست دینے کے ارادے سے آئے خود شکست کھا گئے۔ اور بحیثیت ناصدگانِ مملکت مصر اور فرعون ہونے کے فرعون اور تمام ملک کی شکست تھی جب حق ان پر واضح ہو گیا، باطل ظاہر ہو گیا۔ حقیقت کے حسین رخ سے باطل کے پردے ہٹ گئے۔ تجلیاتِ صداقت اور انوارِ حق نے شک و شبہات کی تاریکیاں دور کر دیں۔ دل کی گہرائیوں میں نورِ ایمان کی شمع روشن ہو گئی۔ بر ملا اپنے ایمان کا اظہار کر دیا۔ فرعون کے خون کو بالائے طاق رکھ کر جنابِ موسیٰ کی صداقت کو تسلیم کر لیا۔ فرعون بر سرِ عام ذلیل و رسوا ہوا۔ اس کی دھمکیوں اور جھنجھلاہٹ نے حق قبول کرنے والوں پر کوئی اثر نہ کیا۔ اس کی دہشت نے ان کی رغبت تیز کر دی۔ اور اس کی تدبیر نے ان کی تقدیر بدل دی۔ فرعون نے سخت سے سخت سزا دینے کا ذکر کر کے ڈرایا۔ مگر ان صادق الاعتراف اور ایمان کی پختہ بنیاد والے اہل ایمان نے صاف صاف کہہ دیا۔ فرعون! اپنے رب کی واضح آیات اور روشن بینات دیکھ کہ ایمان لائے ہیں اور رب العالمین سے فر لگائی ہے۔ اب کوئی طاقت ہمیں اس راہ سے ہٹا نہیں سکتی۔ اور کوئی تند آندھی ہمارے مضبوط قدم ڈگمگا نہیں سکتی۔ ایمان ہمارے دلوں کے خانوں میں جم گیا ہے۔ وہ جان نہیں سکتا اور کفر اب انہیں سکتا۔

یہ دور گزر گیا اور اس کے بعد کئی دور آئے۔ باطل زور پکڑتا اور حق ہمائش کے لئے اس کے سامنے آتا۔ مقابلہ کرتے ہوئے زمانہ کی رفتار کے ساتھ چلتے رہے۔ آخر میں ایک ایسا دور آیا کہ حق

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور باطل ابوسفیان بن حرب کی شکل میں نمودار ہوا۔ ابوسفیان بنی امیہ کی نمایاں فرد اور محمد مصطفیٰ بنی ہاشم کے چشم و چراغ۔ وہ اموی عادات و اطوار کا مالک اور یہ ہاشمی اخلاقی و صفات کے مالک، باطل چلتے چلتے اس کے پیکر میں ظاہر ہوا اور حق محمد مصطفیٰ کے مجسمہ میں روشن ہوا۔ محمد مصطفیٰ حق کے نمائندہ اور ابوسفیان باطل کا نمائندہ۔ حق نے حق و صداقت پھیلانے کی پوری کوشش کی۔ اور باطل نے حق کو مٹانے کے لئے اپنی تمام طاقت صرف کر دی متعدد لڑائیاں ہوئیں، کئی جنگیں ہوئیں۔ ہر معرکہ میں کفر و باطل کی نمائندگی ابوسفیان کرتا اور شکرہ شرک کی کمان کرتا۔ محمد مصطفیٰ نمائندگی حق و صداقت کرتے اور فوج اسلام کی قیادت کرتے، آخر باطل تھک ہار کر بیٹھ گیا۔ کفر و شرک کو شکست ہوئی۔ اور باطل کے بُت پاش پاش ہو گئے۔ علم اسلام کعبہ پر لہرنے لگا۔ ذوالفقار حیدر کی تیز و حار نے کفر کی لٹاکر کو ذلت و عار سے دوچار کر دیا۔ باطل کی یلغار کو تیغ شہر بار سے فی الثار کر دیا۔ اور سارے عرب میں جَاءَ الْحَقُّ وَبُخِثَ الْبَاطِلُ۔ کی صدا گونجنے لگی۔

بعد ازاں حق و جبر علی بن ابی طالب میں جلوہ گرہ ہوا۔ اور باطل معاویہ بن ابی سفیان کی صورت میں ظاہر ہوا۔ معاویہ ابوسفیان کا جانشین، اس کے عادات و اطوار کا وارث اور علی جناب رسول پاک کے علم و کمال اخلاقی و افعال کے وارث، معاویہ باطل کا نمائندہ، علی حق کے نمائندے دونوں میں معرکہ آرائی، حسب معمول سابق باہمی حق و باطل میں لڑائیاں اور مقابلے ہوئے۔ اس سے قبل تو حق و باطل کی معرفت و اقرار میں اسلام کے تمام فرقوں نے اتفاق کیا۔ لیکن جناب علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان کے مقابلہ میں ایک فرقہ الجھ کے رہ گیا۔ اندھ سی تقلید اور کورانہ عقیدت ایک ایسی چیز ہے کہ انسان کی عقل و ذہن پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ قلبی بصیرت پر مہر لگا کر سوچنے سمجھنے کی توفیق سلب کر لیتی ہے۔ اور بعض اوقات انسان معاشرہ کے بندھنوں میں جکڑا ہوا، حق و باطل کو سمجھتے ہوئے اخلاقی جرات اور ایمانی دلیری پر پابندی لگا کر معاشرتی رسم و روایات کا پابند رہتا ہے۔ ضمیر کو ستا ہے، خدا سے ملائت کرتی ہے۔ حق اس پر واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن بے حسی اس پر چھائی رہتی ہے۔ ضمیر بے مہر و بے کوسا ہے۔ لیکن روایات کی رسیوں کو وہ جرات کی چھری سے کاٹ نہیں سکتا۔ تعلیمی روایات و خیالات کا مہر ہون رہتا ہے۔ اور دل و دماغ کو روایتی دھن سے آزاد نہیں کر سکتا۔ یہی کیفیت یہاں ہمارے برادران اہل سنت کی ہے۔ یہاں علی و معاویہ کی معرکہ آرائی اور حق و باطل کی لڑائی میں سچ اور جھوٹ، حق اور باطل میں تیز نہیں کر سکتے، اور اگر امتیاز کرتے ہیں تو ظاہر نہیں کر سکتے۔ دو باہم مخالف و متضاد توفیق ہیں۔ ہر ایک ہزاروں انسانوں کے خون کا ذمہ دار ہے۔ لیکن اگر دریافت کیا جائے کہ ان دونوں میں حق پر کون ہے؟ تو نہایت

بھولے پن اور سادگی یا تجاہلِ عارفانہ اور خیالات کی آوارگی سے جواب دیتے ہیں۔ "دونوں ہی پر تھے۔
منطقیوں اور فلسفیوں نے جہاں اجتماعِ نقیضین کو باطل ٹھہرایا وہاں "ارتفاعِ نقیضین" کو بھی
محال قرار دیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ "علی و معاویہ" نقیضین اور "ضدین" ہیں۔ برادرانِ اہل
سنت کے تقلیدی و روایتی جواب سے بے چارے منطقی بھی سرپیٹ کے رہ جاتے ہیں۔ عقلاء
حیران اور فلسفی سرگردان، یہ کیسا جواب ہے؟ "دونوں ہی پر ہیں"۔ بائبل و کتابیل میں سے دونوں ہی پر نہ
ہوئے۔ صالح اور کدار میں دونوں ہی پر نہ ہوئے۔ ابراہیم و نمرود، موسیٰ و فرعون، عیسیٰ اور یہود، محمد مصطفیٰ و
ابوسقیان، و ابی ہب و ابی جہل۔ یہ دونوں باہم متضاد قوتیں دونوں ہی پر نہ ہوئیں۔ یہ کونسا مقام اگیا کہ دو
نظریاتی دشمن اور ایک دوسرے کے غمخیز دشمن، دونوں کس طرح برحق ہو سکتے ہیں؟

ایک قطعہ زمین، زیورات، مکان، یا مال و جائیداد کے بارے میں لڑائی نہیں، نظریاتی و اعتقادی لڑائی
ہے۔ خلافت و امامت کے بارے میں نزاع ہے۔ علی کہتے ہیں میں امام ہوں خلیفہ رسول ہوں۔
معاویہ کہتا ہے "میں خلیفہ ہوں"۔ خلافت رسول کے بارے میں اختلاف و مقابلہ ہے، حدود تو
بیک وقت خلیفہ رسول ہونے سے مل سکتے کہ ایک ہی وقت میں ایک ملک کے اندر دو وعیدار ہوں کیا
کوئی عقل مند دیا نثار مومن یہ باور کر سکتا ہے کہ دونوں خلیفہ رسول تھے۔ علی بھی خلیفہ اور معاویہ بھی
خلیفہ۔ دونوں کو حق پر ماننے والوں کو دونوں کی بیعت کرنی چاہیے اور ایک نہی، "برعتِ ستینہ" اسلام
میں پیدا کرنی چاہیے۔ ایک کو خلیفہ مانیں تو دوسرے کو زنا ہر حال میں باغی ماننا پڑتا ہے۔

چونکہ یہ حضرات علی کو باطل پر نہیں کہہ سکتے کہ فرمانِ رسول ذی شان، حاملِ قرآن، کتابوں کے اوراق
میں، حفاظ کی زبانوں میں، اہل ایمان کے دلوں میں تو اترو تکاثر کے ساتھ وضاحت و یقین کے ساتھ موجود
ہے۔ عَلِيُّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِيٍّ۔ علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ ہے۔ اَللّٰهُمَّ
اَدْرِ الْحَقَّ حَيْثُ اَدَارَ۔ اے اللہ! حق کو اُدھر پھیر دے۔ جہاں علی پھریں۔ عَلِيُّ مَعَ الْقُرْآنِ وَ
الْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ۔ علاوہ ازیں کثرت سے اتنے فضائل علی، تفسیروں، حدیثوں، تاریخوں میں موجود
ہیں کہ اگر تمام صالحین صحابہ کے فضائل جمع کئے جائیں تو فضائل علی کے دریا کے قطرہ کا مقابلہ نہ کر سکیں۔
اور یہ فضائل نہ چھپائے چھپ سکتے ہیں۔ نہ مٹائے مٹ سکتے ہیں۔ کوششیں تو بعض حکمرانوں نے خصوصاً
مدِ مقابلے تو بہت کیں، مگر یہ فضائل قلوبِ عارفین اور اذہانِ مومنین میں راسخ ہو چکے تھے۔
ہزاروں کانوں نے سنے، ہزاروں لاکھوں آنکھوں نے واقعاتِ فضائل اور حالاتِ مناقب دیکھے۔
نہ بائیں ان سے تر اور سینے ان سے پُر تھے۔ اس واسطے ہمارے ان بھائیوں کو علی کو جادہ حق سے

ہٹانے کی تو ہمت ہو نہ سکی اور معلویہ بن ابی سفیان کو شاہی خزانہ اور علاقہ شام کی زنجیر جاگیریں باطل سے
اچھانے کی کوشش میں مصروف ہوئیں۔ معاویہؓ نہیں سکتا تھا بچانے کی فکر میں لاقی ہوئیں۔

دستور ہے کہ ایک غلط کام کو صحیح بنانے کے لئے کئی غلط کام کرنے پڑتے ہیں۔ اور ایک جھوٹ کو چھپانے

کے لئے کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ چونکہ یہاں امیر شام کو باطل سے بچانا مقصود ہے۔ اور اس کے عوض درہم و

دیناروں کی تحصیلیاں شاہی خلعتیں، جاری چٹے، لہلہاتے کھیت۔ شاداب باغ بطور عوض پیش کئے گئے تھے۔ لہذا

اس غلطی کو صحت میں اور اس کذب کو صداقت میں اور باطل کو حقیقت میں ڈھالنے کے لئے کئی جھوٹی روایات بنائی

گئی ہیں۔ اور وضعی احادیث کا سہارا لیا گیا۔ کبھی میزrab بنایا گیا، "حال المؤمنین" کا لقب دیا گیا۔ قاتلین عثمان کی

گمہ فزاری میں تانیر کا سہارا لیا گیا۔ مگر کسی طرح سے معاویہ کو خلیفہ ثابت نہ کر سکے۔ اور جب خلافت معاویہ

ثابت نہ ہو سکی تو خلیفہ علی بن ابی طالب، معاویہ پھر بھی باغی ہزار کچھ کہا جائے، "مندیٰ اور تقیضیں" ثابت

"اجتماع محال" دونوں خلیفہ نہیں ہو سکتے اور "ارتفاع بھی محال" کہ دونوں خلیفہ نہ ہوں، اور مسند رسول خالی

رہ جائے۔ کوئی بھی خلیفہ رسول نہ ہو۔ لہذا ایک کو خلیفہ رسول ماننا پڑتا ہے۔ جب ایک کو خلیفہ ماننا پڑتا ہے۔

تو بچائی جان! دوسرے کو باغی ماننا پڑتا ہے۔ جو خلیفہ رسول وہ حق پر اور جو باغی وہ باطل ہے۔ یہی

صورت حال حضرت ام المؤمنین کی ہے کہ جب جنگ جمل میں دو متحارب قوتیں ہیں۔ ایک لشکر کی قیادت ام المؤمنین

حضرت عائشہ کر رہی ہیں۔ اور دوسرے لشکر کی قیادت ابوالائمہ نفس رسول امیر المؤمنین علی کر رہے

ہیں۔ اگر جناب امیر اس وقت خلیفہ ہیں تو حضرت ام المؤمنین اور ان کے ساتھی باغی ہیں۔ اور باطل

پر ہیں۔ اور اگر جناب امیر اس وقت خلیفہ رسول نہیں تو کون تھا؟ اس کا نام بتایا جائے کہ اس

وقت خلیفہ رسول کون تھا۔

حضرات اہل سنت شیعوں کو تو گمراہ کہتے ہیں جو اجماعی وصیتی اور شورائی خلافت کے منکر ہیں۔

ان کو علی الاعلان باطل اور گمراہ اور باطل کہتے ہیں۔ اور جو خلیفہ نصی اور اجماعی شورائی اور وصیتی

رسول کے مطابق ہو اس کے باغی کو حق پر کہتے ہیں۔ یہاں قاعدے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اصول ختم ہو جاتے

ہیں۔ عجیب خیال ہے برداران اسلام کہ خود حضرت ام المؤمنین تو اس مقابلہ پر نادم ہیں اور اپنی

غلطی کا اعتراف کرتی ہیں۔ لیکن امیر معاویہ کو اصرار ہے خلافت سے انکار ہے۔ "دونوں حق پر ہیں۔"

قرآن کے خلاف، فرمان رسول ذی شان کے خلاف، عقل کے خلاف، عدل کے خلاف، دیانت کے خلاف،

اور صداقت کے خلاف ہے۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی = یہ اہم روایات میں کھو گئی

اس کے بعد یزید وارث معاویہ بنا۔

اس کے بعد یزید وارث معاویہ بنا۔ بلکہ معاویہ اپنا وارث اور تخت کا مالک اپنی زندگی میں بنا کے گیا۔ اگر معاویہ کو خلیفہ رسول کہنا ہو تو یزید کو بھی خلیفہ رسول کہو۔ کیونکہ خلیفہ کی مسند پر بیٹھا ہے۔ ادھر حسین بن علی وارث ہیں۔ امیر المومنین علی بن ابی طالب کے۔ حق حسین بن علی کے وجود میں جلوہ آکار ہوا اور باطل پسگیر یزید میں نمودار ہوا۔ حسین حق کے نمائندے اور یزید باطل کا نمائندہ۔ حسین وارث انبیاء، آدم و نوح کے وارث، ابراہیم و اسماعیل کے وارث، موسیٰ و عیسیٰ کے وارث، محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علی مرتضیٰ، حسن مجتبیٰ کے وارث، یزید قاتل کا وارث، نمرود و شداد و فرعون اور ہامان کا وارث۔ ابوسفیان ابولہب، ابوجہل کا وارث، معاویہ کا وارث، حسین کے بدن پاک میں انبیاء کی رو میں موجود، یزید کے بدن میں نمرود و فرعون کی رو میں موجود۔ جیسا کہ جناب علامہ اقبال فرماتے ہیں :

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید = ہر دو قوت از حیلت آید پدید

حسین بن علی میں حق کی قوت بدجہانم موجود، یزید بن معاویہ میں باطل کی قوت بدجہانم۔ یہ مقابلہ کھلے میدان کربلا میں ہوا۔ باطل کے پاس ہر قسم کی مادی طاقت ہے۔ اور حق کے پاس ہر قسم کی روحانی قوت ہے۔ باطل حق سے بیعت کا خواہاں ہے۔ حق باطل کے آگے جھکنے کو تیار نہیں۔ باطل حق کو دبا نا چاہتا ہے۔ حق ابھرنا چاہتا ہے۔ باطل ظلم کا ہر وار کرتا ہے، حق مبرک کی سپر سے اس کا دار و کتاب ہے۔ یزید حق سے ہاتھ طلب کرتا ہے لیکن حق اپنا ہاتھ دست یزید میں دینا گوارا نہیں کرتا۔ یہ ہاتھ تنہا حسین کا ہاتھ نہیں اس میں انبیاء و اوصیاء کے معصوم ہاتھ ہیں۔ اس ہاتھ میں کلمہ توحید ہے حق سر تو دے دیتا ہے لیکن ہاتھ نہیں دیتا۔

سر داد نہ داد دست در دست یزید = حقا کہ بندے اللہ ہست حسین

یزید کا دادا ابوسفیان، محارب

رسول، حسین کا دادا ابوطالب محافظ اسلام نگہبان رسالت، یزید کا نانا ایک وحشی اور جنگلی گنہگار انسان، حسین کا نانا سید الانبیا، یزید کا باپ معاویہ، حسین کا باپ علی، یزید کی دادی ہند جگر خوار، حسین کی دادی فاطمہ بنت اسد، یزید کی ماں گنہگار حسین کی ماں سیدۃ النساء، نانا نبیوں کا سردار، بابا ولیوں کا سردار، مال عورتوں کی سردار اور خود جوانان جنت کا سردار۔

کہ بلا میں حق و باطل، صدق و کذب، مادیت اور روحانیت، ظلم و صبر، یعنی حسین اور یزید کی

لڑائی ہوئی۔ باطل کو مادی اور حق کو روحانی، باطل کو عارضی اور حق کو دائمی و پائیدار فتح حاصل ہوئی۔
 وقتی طور پر تو باطل نے خوشی کے شادیانے بجائے، جشنِ مسرت منائے، مردوں کو قتل اور مستورات
 کو قید کیا۔ لیکن تھوڑے دنوں بعد جب لوگوں کی آنکھیں حقیقت سے روشناس ہوئیں، باطل کو
 اپنا انجام نظر آگیا۔ دنیا آنکھوں میں تاریک نظر آئی۔ مستقبل ہولناک ہو گیا۔ اپنے پرانے سب مخالف
 ہو گئے۔ یزید پر ہر جہار طر سے لعنت ہونے لگی، پھٹکار برسنے لگی، مٹکی اور غیر ملکیتوں سب
 نے سر اجلاس لعنت و ملامت کی، خود گھروالوں سے نہ رہا گیا۔ سردارِ مذمت کی۔ قاتل کو کہنا پڑا:
 ”مَا لِي وَ لِلْحُسَيْنِ“ اب قتل کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالنے لگا۔ قاتلِ حسین سے برأت ظاہر کرنے
 لگا۔ مگر اس طرح مکاریوں سے برأت ہو سکتی ہے؟ اور ناحق خون سے بری الذمہ ہو سکتا ہے؟ حق
 کی فتح کا ثبوت یہی کافی ہے کہ قاتل اپنے گھر میں اپنے مقتول کی ماتم داری کا انتقام کرتا ہے قاتل
 کے گھر میں مقتول کی صفِ ماتم بھی ہوئی ہے۔ اور مقتول کے دارتوں کے ساتھ قاتل کی اہل خانہ عورتیں
 مصروفِ ماتم نظر آتی ہیں۔ ہاشمی عورتوں کے ساتھ صفیانی عورتیں سیاہ لباس میں بلبوس ماتم حسین
 کر رہی ہیں۔ دمشق کے محلوں میں عزاداری حسین قائم ہے۔ حسین پر رحمت اور یزید پر لعنت برس
 رہی ہے۔ یزیدی حکومت کی بنیادیں ہلنے لگیں، لوگ متنفر ہو گئے۔ خونِ معصوم کا اثر پھیلنے لگا۔
 انتقام کے ڈر سے یزید کو کوئی چارہ نہ رہا۔ کہ اسیرانِ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رہا کر کے بخلد
 مدینہ پہنچائے۔ تاکہ لوگوں کے جذبات ٹھنڈے ہو جائیں۔ اب یزید ابنِ زیاد کو قاتل ٹھہرا کے اس پر
 لعنت کرتا ہے۔ حالانکہ ساری لعنت کا مستحق یہ خود ہے۔
 بدلے ہوئے حالات اور نفرتِ عامہ سے متاثر ہو کر یزید کا رویہ اب نرم ہو چکا ہے ظلم و ستم
 سے اس نے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔

قاتل کی دریافت

اصلی اور صحیح قاتل تو یزید بن معاویہ ہے۔ لیکن جب اس نے رعایا کے بدلے ہوئے تیور دیکھے
 اور قیدیوں کی خستہ حالی اور خطباتِ اسیرانِ آلِ محمد نے لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر کیا اور حزن و ملال
 لوگوں پر طاری ہوا تو یزید نے قتل کی ذمہ داری عبید اللہ بن زیاد و عاملِ کوفہ پر ڈال دی۔ چونکہ شہر
 و دمشق اور اس پاس کے علاقوں میں لوگوں کی زبانوں پر ذکرِ حسین جاری ہو گیا اور یزید پرامن و طعن
 کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یزید کو اس قسم کی اطلاعات بہم پہنچتی رہیں۔ یزید انقلاب سے خائف ہوا اور

جذباتِ انتقام سے گھرایا۔

ایک بار اس نے لوگوں کو دربار میں بلایا۔ لوگ اکٹھے ہو گئے، اٹھ کر اس نے یہ تقریر کی۔

”يَا أَهْلَ الشَّامِ تَقُولُونَ أَنَا قَتَلْتُ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَاللَّهِ مَا قَتَلْتُهُ وَلَا أَمَرْتُ بِقَتْلِهِ وَإِنَّمَا قَتَلَهُ عَامِلِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زِيَادٍ“۔ اے

اہل شام تم کہہ رہے ہو کہ میں نے حسین بن علی کو قتل کیا ہے۔ بخدا نہ میں نے قتل کیا ہے اور ذ قتل کا حکم دیا۔ حسین کو میرے گورنر عبید اللہ بن زیاد نے قتل کیا ہے۔

پھر اپنی فوج اور لشکر کے سردارِ اول کو جو کہ بلا میں اس جگہ کے ذمہ دار اور سرکردہ قائد تھے، انہیں

بلایا۔ اور ان سے قاتل دریافت کیا۔ سب سے پہلے ثنیث بن ربیع ملعون آیا۔ یزید نے اس سے پوچھا: وَذَلِكَ

كَأَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَيْنَ أَمْ أَنَا أَمَرْتُكَ بِقَتْلِهِ؟ افسوس ہے تجھ پر کیا تو نے حسین کو قتل کیا ہے؟ کیا میں

نے تمہیں ان کے قتل کا حکم دیا ہے؟ ثنیث نے کہا: خدا کی قسم میں نے قتل نہیں کیا بلکہ معاویہ بن ربیع نے ان کا قاتل

یزید اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہا: کیا تو نے حسین بن علی کو قتل کیا ہے؟ اور کیا میں نے تمہیں ان کے قتل کا

حکم دیا تھا۔ اس نے بھی انکار کیا اور کہا: خدا کی قسم میں نے تو انہیں قتل نہیں کیا، بلکہ قیس بن ربیع ان کا قاتل

ہے۔ یزید نے قیس سے دریافت کیا۔ تو اس نے شمر ذی الجوشن کو محرم بنایا، شمر سے پوچھنے پر اس نے

بھی انکار کر دیا۔ اور قتل کی ذمہ داری سنان بن انس پر ڈال دی۔ سنان سے دریافت کیا گیا تو اس نے بھی انکار

کر دیا۔ یزید نے جھٹاکر کہا کہ تم حیل بہانہ کر کے اپنی برأت ظاہر کر رہے ہو۔ دوسروں کو قاتل ٹھہرتے ہو آخر

قاتل حسین ہے کون؟ اس وقت قیس بن ربیع نے کہا: یزید اگر امان چاہی ہے تو میں صحیح قاتل حسین کا نشانہ ہی

کہتا ہوں۔ اور اصلی قاتل کا نام بتاتا ہوں۔ یزید نے کہا: تجھے امان ہے۔ قاتل بنا۔ اس نے کہا: فرزندِ رسول

کا قاتل وہ ہے جس نے علمِ جگ بلند کیا۔ فوجیں جمع کیں۔ مال و جاگیریں تقسیم کیں۔ اور لشکروں پر لشکرِ قسطل

حسین کے لئے بھیجے۔ انعامات کا لالچ دیا۔ یزید نے پوچھا: وہ کون ہے؟ قیس نے کہا: وہ سوا میرے کوئی

نہیں تو ہی قاتل ہے۔ یزید یہ سچا جواب سن کر لا جواب ہو گیا۔ اور یہ کہتا ہوا: مَا لِي وَ

لِلْحُسَيْنِ۔ مجھے کیا غرض تھی حسین سے۔ (دہی نے یہ کام کیوں کیا) محلِ سرا میں داخل ہو گیا۔

یزید نے سر حسین طشت میں رکھا، اوپر ریشمی رومال رکھ کے رونے لگا۔ اور بچھانے لگا۔

بار بار ندامت کا اظہار کرنے لگا۔ اور یہ ندامت اس کی خاتون کے خوف سے نہ تھی، بلکہ مخلوق کے خوف

سے تھی۔

ہند زونجہ یزید کا خواب

ہند کا بیان ہے کہ میں اپنے بستر پر محو خواب تھی۔ میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور ملائکہ گروہ درگروہ سر امام حسین علیہ السلام کی طرف آرہے ہیں۔ "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا بَنَی سُرُّوْلِ اللّٰهِ" اسی آواز میں ایک بادل آسمان سے نازل ہوا۔ اس میں سے چند بزرگ اترے۔ ان میں سے ایک بزرگ سفید رنگ چاند سا چہرہ رکھنے والے اترے اور آتے ہی سر مبارک پر گرتے پڑے۔ اور پیارے لبوں اور پاک دانتوں کا بوسہ لینے لگے۔ دجن لبوں اور دانتوں کا مدینہ میں شہزادہ کا بوسہ لیا کرتے تھے اور انہی جگہ پر شام میں یزید چوب کے ساتھ گستاخی کرتا تھا اور درد بھرے بین کر نے لگے۔ "یَا وَلَدِی قَتَلُوْکَ اَشْرَاھُمْ مَا عَرَفُوْکَ وَ مِنْ شَرِّبِ الْمَآءِ مَنْعُوْکَ یَا وَلَدِی اَنَا جَدُّکَ سُرُّوْلِ اللّٰهِ وَ هَذَا ابُوْکَ عَلَی الْمَرْتَضٰی وَ هَذَا الْخُوْکَ الْحَسَنُ وَ هَذَا عَمُّکَ جَعْفَرٌ وَ عَقِیْلٌ وَ هَذَا اِنْ حَمَزٌ وَ الْعَبَّاسُ۔ میرے کشتہ جو رجھا بیٹے! انہوں نے تمہیں قتل کیا اور پہچانا نہیں؟ تمہیں پانی سے روک دیا۔ اور پیاسا شہید کیا۔ میرے نخت جگہ! میں تیرا نانا رسول اللہ ہوں یہ تیرے بابا علی مرتضیٰ آئے ہیں۔ یہ تیرے بھائی حسن عقیلی اور یہ تیرے چچا جعفر اور عقیل ہیں اور یہ تیرے دو جدان حمزہ و عباس ہیں۔ اس کے بعد جناب رسالتاب نے اپنے اہل بیت کے اور افرادِ مقدس کے نام بھی لئے جو منظوم کی ملاقات کے لئے آئے۔ ہند کہتی ہے کہ میں اس خواب سے گھبرا کر ڈرتی ہوئی کانپتی ہوئی اٹھی۔ سر حسین کو دیکھا تو اس پر نور برس رہا تھا اور روشنی حسین کے سر پر پھیلی ہوئی تھی۔ میں یزید کو تلاش کرنے لگی۔ اسے میں نے دیکھا کہ ایک تاریک کمرہ میں منہ دیوار کی طرف کئے کہہ رہا ہے۔ "مَا لِیْ وَلَدِ الْحُسَیْنِ" مجھے کیا غرض حسین سے تھی؟ میں نے کیوں حسین کو قتل کیا؟ ہند کا بیان ہے کہ یزید پر رنج و غم چھایا ہوا تھا۔ میں نے اسے اپنا خواب سنایا۔ وہ ندامت کا سر جھکائے سنتا رہا۔ اور کوئی جواب نہ دیا۔

قاتل کے گھر میں مقتول کا ماتم

یزید کی مسرت اب حسرت میں اور فرحت ندامت میں بدل چکی تھی۔ لوگوں کی تو تکار اپنوں

کی ہشکار، انقلاب کا خوف، انتقام کا یزید کو بُری طرح کھٹک رہا تھا۔ اب اس کا رویہ نرم ہو چکا تھا۔ اُس نے اہل بیت رسول اور اسیرانِ یرب کو اس قید خانہ سے نکلوا کر اپنے محل کے نزدیک خاص مکان میں بدل دیا۔ خرابہ شام سے مکان میں تبدیلی، یہ ہند کے جزع و فزع اور دہائی و فریاد سے ہوئی یا بد سے ہوئے حالات کے پیشِ نظر خرابہ شام میں مقید رکھنا خلافِ مصلحت تھا۔ اس واسطے اس نے اچھے مکانوں میں منتقل کر دیا۔ یا جنابِ سیدہ زینب کے مطالبہ پر کہ ہمیں مجلسِ حسین منعقد کرنے اور ماتمِ حسین برپا کرنے کی اجازت دی جائے۔ تاکہ دل کھول کر ہم گریہ و بکا کر سکیں۔ اور مجلسِ و ماتمِ امامِ مظلوم کر سکیں، بہر حال کوئی صورت ہو۔ اس خرابہ زندان سے رہا ہو کر محلِ یزید کے قریب آگئے۔ یہ بھی قرینِ قیاس ہے کہ ہندوؤں سے لینے گئی ہو۔ جبکہ اس نے سرِ دربارِ مجمعِ عام میں یزید کی مذمت کی اور بے پندہ نیک آئی تھی۔ یزید نے اس پر چادر ڈالی۔ گھر جلنے کو کہا۔ اور یہ کہا: نَحْصَرُ فَاَعُوْا نَا هِنْدُوًّا لِّیْکِی عَلٰی اَبْنِ بَنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَحَسْرَتِ خَیْطَةِ قُرَیْشٍ۔ لاں! اے ہند یہ حسین ہی کا گھر ہے۔ پس فرزندِ رسول اور لائقِ گریہ خاندانِ قریش پر غُوب گریہ و بکا کر، بعض روایات میں ہے کہ ہند کے کہنے پر خاندانِ رسالت کے اسیروں کو ایک خاص مکان میں ٹھہرایا گیا، اور مجلسِ ماتم کی اجازت دی گئی۔

چنانچہ جب اس مکان میں اسیرانِ خاندانِ محمد (علیہم السلام) آئے تو خاندانِ ابوسفیان کی عورتوں نے خاص گریہ و بکا کے ساتھ استقبال کیا۔ انہوں نے زیورات اُتار دیئے اور اسیرانِ جفا کے ساتھ مل کر ماتم و بکا کیا، ظلم و تشدد کی ایک حد ہوتی ہے۔ شام و کوہ و اُسے لوگ گو بشر و انسان تھے مگر ان کے دل اور کلیجے پتھر سے سخت تھے جس قدر ظلم یہ لوگ کر سکتے تھے اور جتنا مہم ان کے انسانی مقدس تھا کیا۔ لیکن یہاں ظلم و ستم کی حدیں ختم ہو گئی تھیں۔ اس واسطے ان شہداء کے بدنوں اور سروں نیربے کس بے وارث اور غریب و مظلوم قیدیوں کی خستہ حالی پر حیوانِ روئے، چرند پرند روئے۔ در و دیور روئے۔ اجمار و اشجار روئے۔ حور و ملائک روئے۔ زمیں و آسمان روئے۔ دوست اور دشمن روئے۔ یزید رویا اور یزید کے خاندان کی عورتیں روئیں ہو چکا اب ماتمِ حسین پر پابندیانِ ختم تھیں۔ اذنِ عام تھا۔ اور خود آلِ سفیان اور آلِ معاویہ کی عورتیں بھی اس ماتم میں شریک تھیں۔ اس واسطے دمشق کے تمام محلہ جات میں اطلاع پہنچ گئی کہ قیدی سبکو کے بابا، زینب کے بھائی، فرزندِ زہرا کی صفِ ماتم چھو چکی ہے۔ وارثِ ماتم، امِ اصحاب کو بھائی اور عزیزوں، شہیدوں کا پرما دینے کے لئے کوئی عورت بھی ہو آسکتی ہے۔ جو چھپی ہوئی مومناتِ جلیلہ آلِ رسول تھیں، انہیں رونے اور پرما دینے کا موقع ملا۔ خود آلِ ابی سفیان اہتمام کر رہی تھیں، اس واسطے اس خاص محلِ سرا میں نوم و ماتم کی نوالی عورتیں

کثیر جمع کی صورت میں جمع ہو گئیں مستورات قریش، سفیانی یا ہاشمی اور عام عورتیں سیاہ لباس پہن کر آئیں۔ نوہر و بکا کی آوازیں بلند تھیں۔ آنسو بہہ رہے تھے۔ زبانوں پر نوہے و مرثیے تھے۔ سر دلوں اور چہروں پر طلپچے تھے۔ اور دمشق کی فضا سو گوار تھی۔ لال نہرا اب مرثیوں و نوحوں کی شکل میں عورتوں اور مردوں کی زبان پر تھا۔ ہر سمت سے آواز آتی تھی۔ قتل المحسنین بلا جرم و لا خطار۔ دمشق کے بازاروں اور گھروں میں حسین کی مظلومی کے نوہے پڑے جا رہے تھے۔ اور یزید پر لعنت کا ورد جاری تھا۔

حینی ماتم داروں کو بلا روک ٹوک کھلی اجازت تھی۔ در دستایوں اور دھکی شہزادیوں نے دل کھول کر ماتمی لباس میں کمر باندھ کر سروں کے بال کھول کر غریب کمر بلا پر ماتم کیا۔ دمشق کے درو دیوار 'وا حسینا' واقفیلادہ۔ یا بن رسول اللہ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ تین دن متواتر بروایت سات دن متواتر یہ ماتم قائم رہا۔ اس کے بعد یزید نے رہائی کا حکم دے دیا۔

اہل بیت کی رہائی

یزید نے امام سجاد علیہ السلام کو بلایا۔ اور نہایت نرمی سے کہا کہ اگر آپ شام میں قیام کریں تو میں عزت و احترام سے رکھوں گا۔ اور اگر واپس مدینہ جانا چاہیں تو میں احترام کے ساتھ مدینہ پہنچا دوں۔ قبل ازیں یزید امام سے ان کی تین حاجتیں پوری کرنے کا وعدہ کر چکا تھا۔ جناب سجاد نے وہ تین حاجتیں پیش کیں :-

۱۔ مجھے میرے سردار و مولا بابا حسین کا سر دیا جائے۔ ۲۔ وہ مال و اسباب جو کہ بلا میں تیری فوج نے لوٹا ہے وہ واپس کیا جائے۔ ۳۔ اگر تو میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے تو کوئی ایسا دیندار اور نیک خصال آدمی تیار کر جو ہماری استورات اور قیموں کو ہمارے حرم تقدس میں پہنچا دے۔

یزید نے جواب دیا کہ سجاد! تیرے بابا حسین کا سر تو تجھے کسی صورت میں نہیں مل سکتا۔ ۱۔ جو مال تمہارا کہ بلا میں لوٹا گیا ہے اس کے بدلے زیادہ قیمتی مال میں تمہیں دینے کے لئے تیار ہوں۔ ۲۔ تیرے قتل سے میں نے درگزر کیا ہے۔ تم خود ہی اپنے بچوں اور استورات کو مدینہ لے جاؤ۔

جناب سجاد نے فرمایا۔ میں مال کا عوض لینا نہیں چاہتا۔ مجھے وہی مال واپس ملے۔ کیونکہ وہ ہمارے تبرکات ہیں۔ ۱۔ میں میری جدہ ماجدہ کا چرخہ ان کا مقنوعہ، گلر بند، اور قمیضیں ہیں جو چنانچہ یزید نے وہ مال واپس کر لیا۔ رہائی کے متعلق جناب سجاد اور یزید کا مکالمہ کتب تولدینج اور مقاتل میں مرقوم ہے۔ یہاں چند امور بحث طلب ہیں۔ ۱۔ یزید نے سردینے سے انکار کیا۔ مگر حقیقی روایت بتاتی ہے کہ سر ہائے شہدائے کربلا میں قبور مقدسہ میں

ابدان مطہرہ کے ساتھ دفن کئے گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر سروں کی واپسی کے اہل بیت نے واپس مدینہ آنے اور رہائی پانے سے انکار کر دیا اور اسی شرط پر رہا ہوئے اور واپس آئے۔ پر رضا ہند ہوئے کہ سر ہائے شہداء واپس ملیں۔ چونکہ یزید رائے عامہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہر قیمت پر اہل بیت کو راضی کرنا چاہتا تھا۔ اس واسطے اس نے شہداء کے کلام کے سر ہائے مطہرہ جناب سجاد اور جناب زینب کے تقاضا کے مطابق واپس کر دیئے۔

یزید کا ردیہ بدل چکا تھا۔ اس میں وہ شدت اور غفلت نہیں رہی تھی۔ کوئی وجہ نہیں کہ اہل بیت نے سروں کی واپسی پر اصرار کیا ہو اور یزید نے واپس نہ کئے ہوں۔ اور اہل بیت نے سروں کی واپسی کا مطالبہ ضرور کیا۔

کیونکہ سر انہیں عزیز تھے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ سر واپس لے جا کر اپنے مقام پر دفن کئے جائیں۔ کیونکہ بغیر سر کے صرف بدن کے دفن کی وہ غفلت اور قویہ نہیں رہتا جو سر کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور صرف ایک سر کا مطالبہ ان کی نشان گیری اور حق رفاقت و بندہ نوازی کے خلاف ہے۔ انہوں نے تمام سروں کا مطالبہ کیا اور اس مطالبہ پر اصرار کیا۔ اور یزید کو یہ سرو دینے پڑے۔

شرح شافعیہ اور فاضل نراقی نے "مخرق" میں لکھا ہے کہ جب یزید نے سرو دینے سے انکار کیا تو امام سجاد نے جلال میں آکر فرمایا "اے یزید! تو گمان کرتا ہے کہ میرے بابا کا سر مجھ سے مخفی ہے۔ کیا میں اسے نہیں دیکھ سکتا؟ اور کلام نہیں کر سکتا؟ اور اسی سے کلام نہیں کر سکتا؟ اسی وقت سر مطہر ایک تھال میں رومال سے ڈھانپا ہوا تھا۔ بیمار امام نے بابا کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ - رومال سر سے اتر گیا۔ اور سر مبارک سے آواز آئی - وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا وَلَدِي - اس وقت سید سجاد کی دردناک چیخ نکلی اور کہا: "بابا! میں تو مدینہ واپس جا رہا ہوں۔ اب تجھ سے وداع کر رہا ہوں۔ میرا الوداعی سلام ہو۔" اس سے تمام حاضرین مجلس پر گریہ طاری ہو گیا۔ اور سب اہل دربار رونے لگے۔ یزید نے سید سجاد کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور سر مظلوم مع سر ہائے شہداء امام سجاد کے سپرد کر دیئے۔ جیسا کہ مقتل الحسین مرقوم "ریاض الاخوان" جیب السیر، لہوف اور نفوس المہوم میں مرقوم ہے۔

۲۔ کہ بلا کے لوٹے ہوئے مال کی واپسی کا مطالبہ۔ کیا وہ مال لوٹنے والے افراد کو فی و شامی اپنے گھر لے گئے تھے؟ یا شام میں یزید کے پاس پیش کیا گیا تھا؟ اگر لوٹنے والے سپاہی اپنے گھروں میں لے گئے تھے تو اتنی جلدی ان کی فراہمی کا انتظام ہو سکتا تھا؟ اور تمام مال اکٹھا کیا جا سکتا تھا۔ پھر امام سجاد بھی اس امر کو جانتے تھے کہ وہ مال شام میں ہے یا باہر لوگوں کے گھروں میں۔ اور اس کا فراہم کرنا اب دشوار ہے۔ اور اس کے لئے ایک عرصہ چاہیئے۔ پھر انہوں نے

مطالبہ کیوں کیا؟ سید اہل ابن طاووس علیہ الرحمۃ نے لہوف میں لکھا ہے کہ اسیرانِ خاندانِ رسالت اور سرہانے شہداء کربلا کے ساتھ وہ تبرکاتِ انبیاء بھی دربارِ یزید میں پیش کئے گئے تھے جو امامِ مظلوم کی شہادت کے بعد بطور مالِ غنیمت کے لوٹ لئے گئے تھے۔ لہذا تمام نہ سہی وہ تبرکات جو دربارِ شام میں یزید کے پاس پہنچے تھے۔ اور جنابِ سیدِ سجاد نے دیکھے تھے۔ انہی کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا۔ جن میں وہ اشیاء بھی تھیں جو یادگارِ نبوتِ رسولِ سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا تھیں۔ اور ان کا یزید کے پاس رہنے دینا امامِ سجاد نے مناسب نہ سمجھا اور وہ وقت ایسا تھا کہ اہل بیت کے مطالبات یزید منظور کرنے پر مجبور تھا۔ خصوصاً جبکہ اس نے تین حاجات کی منظوری کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ یزید زیادہ عرصہ اہل بیت کو دمشق میں رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے جو دمشق میں رہنے کے لئے سیدِ سجاد سے گزارش کی تھی۔ یہ رسماً بھی کیونکہ اسے یقین تھا کہ جنابِ سجاد اور مستورات کسی صورت میں بھی مدینہ چھوڑ کر دمشق میں رہنا پسند نہیں کریں گی۔

چنانچہ یزید نے رہائی کا حکم دے دیا۔ اور نعمان بن بشیر کو اس بات پر مامور کیا کہ اہل بیت کو عزت و احترام کے ساتھ واپس مدینہ پہنچائے۔ سواریوں کا انتظام کیا گیا۔ اوٹنیوں پر پالان اور محل رکھے گئے۔ یزید نے قطعاتِ چرم اور ریشم کی چادریں بچھا کر ان پر درہوں و دیناروں کے ڈھیر لگا دیئے۔ اور جنابِ زینب و ام کلثوم سے کہا: "حُذُوا هَذِهِ الْأَمْوَالَ عِيَاظُ مَا أَصَابَكُمْ" قتل و قید کی مصیبتوں کا عوض ہے، علی کی بیٹیو! یہ مال لے لو، جنابِ زینب و ام کلثوم نے فرمایا: "اے کمینہ! تو کتنا بے حیا و بے شرم ہے۔ تو نے ہمارے گھر پر باد کئے۔ ہمارے مردوں کو قتل کیا۔ ہمیں قید کیا۔ اور پھر ہماری مصیبتوں کا بدلہ مال سے دینا چاہتا ہے۔ یزید یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

نعمان بن بشیر کے ہمراہ تیس آدمیوں کی ایک جماعت تھی، جو کہ اہل بیت کے محافظ کی حیثیت سے ہمرکابِ سفر تھی۔ اب کی بار باپردہ محلوں کا انتظام تھا، مستوراتِ اہل بیت کو باپردہ عزت و احترام کے ساتھ محافظین کی جماعت کے ساتھ جن کے سردار نعمان بن بشیر تھے، واپس مدینہ روانہ کرنے کا انتظام کیا گیا۔ اور نعمان بن بشیر کو ہر قسم کی نرمی، اہل بیت کی فرمانبرداری اور حفاظت کی تاکید کی گئی تھی۔

اہل بیت رات کو سفر کرتے اور حسبِ مرضی قیام و سفر کرتے جب کسی مقام پر نزول فرماتے تو محافظین کی یہ جماعت مستوراتِ اہل بیت سے دور قیام کرتی اور جب سفر ہوتا تو یہ لوگ محلوں

کے پیچھے چلتے اور کسی کی نظر مستورات پر نہ پڑتی۔ اس سفرِ واپسی میں اہل بیت جہاں چاہتے نزول فرماتے اور جب چاہتے کوچ فرماتے۔ نعمان بن بشیر اور ان کے ساتھی ان کے احکام کی تعمیل کرتے۔ چونکہ عالمِ ظلم کرتے کرتے تھک چکے تھے اور عام لوگوں کی لعنت و پھسکار سے یزید پریشان و پشیمان ہو چکا تھا اس واسطے اس نے ان پاسبانوں کو نرمی اور تواضع کا حکم دیا تھا۔ لیکن وہ گہرے زخم جو اہل بیت نے بوقتِ داخلہ بازار و دربارِ شام میں کھائے تھے وہ کہاں مسدود ہوتے تھے۔ اور وہ آنسو جو کربلا سے شام تک بہتے گئے کہاں بند ہوتے ہیں قیدیوں کی رہائی اور شام سے رخصتی، ان اندرونی روگوں کا کیا علاج کر سکتی ہے جو کربلا اور کوفہ و شام میں لاحق ہوئے۔

ورودِ کربلا

جابر بن عبد اللہ انصاری

آلِ محمد کا جو قافلہ اس مقام پر پہنچا جو دو راہد تھا، ایک راستہ مدینہ کو اور دوسرا کربلا کی طرف جاتا تھا۔ جناب سیدِ معراج اور مستوراتِ خدوات نے رہبر سے کہا کہ ہمیں کربلا کی طرف لے چلو۔ مگر شہداء کی ابدی خواہش ہوں کی زیارت کر لیں۔ اس لئے جناب شریکۃ الحسین کے حسبِ الحکم کربلا کا راستہ اختیار کیا گیا۔ جب سرزمینِ کربلا میں اسیرانِ شام کا ورود ہوا جہاں آلِ رسول کے گھر برباد ہوئے تھے اور جہاں گلستانِ زہرا تاراج ہوا تھا۔ ان دردستانی بیبیوں کو عاشور کا دن یاد آگیا۔ بھلا عاشور کا دن کب بھول سکتی تھیں۔ خصوصاً عصرِ عاشور۔ حضراتِ مومنین! ذرا غور فرمائیں، کربلا کا میدان ہوا اور مستوراتِ آلِ محمد ہوں۔ اور رونے پر پابندی ختم ہو چکی ہو تو کس قدر گریہ و بکا ہوا ہوگا۔ کس زور سے ماتم ہوا ہوگا۔ زینب و اُمّ کلثوم کو بھائیوں کی مزار، امِ یحییٰ اکبر کو، ربابِ اصغر اور تمام بیبیاں اپنے عزیزوں کو یاد کر کے اس دردناک لمحے میں نوحہ پڑھتی تھیں جن کو سن کر پتھر کا کلیجہ بھی پھٹ جائے، اور شدتِ غم سے دل پارہ پارہ ہو جائے۔

ادھر شام سے اسیرانِ آلِ محمد واپس ہوئے اور ادھر مدینہ سے جناب جابر بن عبد اللہ اور بنی ہاشم کی ایک جماعت عین اسی وقت کربلا میں وارد ہوئے۔ دونوں سوگوار اور ماتم دار قافلے ایک ہی وقت میں زمینِ کربلا میں وارد ہوئے۔ رونے کی گھڑی تھی، اور ماتم کا دن تھا۔ نوجوں

اور فریادوں سے میدان بھرا ہوا تھا۔ متواتر اہل بیت اور ناصریوں کی جماعت کی چیخوں اور نالہ و فریاد سے دھرتی ہلتی اور زمین کانپتی تھی، فضاء سوگوار اور کربلا شہکبار تھی۔ جو نہی سیدانیلوں مملوں سے آتیں۔ منہ پر طمانچے تھے۔ آنکھوں میں آنسو رواں تھے، اور زبان پر مرثیے تھے۔ رادھر سے جناب متجا اور ادھر سے جناب جابر انصاری ایک جماعت بنی ہاشم اکٹھے مل کر روئے، جناب جابر نے سید متجا کو پُرسا دیا۔ مدینہ کے ہاشمیوں نے تعزیت ادا کیا۔ بہنیں بھائیوں کی قبروں پر آئیں۔ وارثوں اور نذر وں نے عزیزوں اور شہیدوں کے مدفن پر بیٹھ کر خوب ماتم کیا۔ آس پاس کی بستیوں میں بھی آس کی عورتیں نے سنا کہ خواہر حسین اور پسر مظلوم امام شام سے واپس آگئے ہیں، اور بہن نے بھائی اور سبباؤں نے بابا کی صفت ماتم بھائی ہوئی ہے۔ مظلوم شہیدوں کے وارث کربلا پہنچے ہوئے ہیں۔ وہ عورتیں سیاہ لباس پہن کر جناب نرغیب و ام کلثوم اور تمام متواتر کو پُرسا دینے کے لئے آئیں، بنی آس کی یہ عورتیں بارہ محرم کو وقت دفن اجساد بھی ماتمی لباس میں آئی تھیں۔ اب اسیران شام کے درود کے وقت بھی ماتمی لباس میں گریہ و بکا کرتی سر بیٹتی و دختران زہرا کے پاس تعزیت ادا کرنے کے لئے آئیں۔ تین دن اہل بیت رسول کربلا میں مقیم رہے اور برابر گریہ و ماتم ہوتا رہا۔

زیارت جابر بیان کیا جاتا ہے کہ اس روز صفر کی بیس تاریخ تھی۔ جناب جابر انصاری نے فرات پر غسل کیا۔ لباس بدلا۔ اور قبر امام مظلوم اور مدفن تمام شہداء پر زیارت پڑھی۔ جو کہ کتب زیارت میں مذکور ہے۔ عطیہ بن سعد عوفی کوفہ کا باشندہ ہے تابعی ہے۔ جابر بن عبد اللہ انصاری مدینہ کے رہنے والے ہیں اور صحابی ہیں۔ عطیہ بن سعد کا بیان ہے کہ میں حضرت جابر کے ہمراہ تھا، جب وہ زیارت قبر حسین کے لئے کربلا میں وارد ہوئے۔ جناب جابر نے نہر فرات پر غسل کیا۔ ایک چادر کر میں باندھی۔ دوسری چادر بدن پر اوڑھی، آہستہ آہستہ سنگے پاؤں قبر مبارک کا طرف چلے اور کوئی قدم بغیر ذکر خدا کے نہ اٹھاتے تھے، یعنی ہر قدم پر ذکر خدا ان کی زبان پر تھا، عطیہ کا بیان ہے کہ حضرت جابر نے مجھے کہا کہ مجھے قبر میں کراؤ، میں نے قبر پر لے جا کر قبر میں کرائی، جو نہی قبر مطہر کو مس کیا۔ جناب جابر غش کھا کر گریہ میں نے ان پر کچھ پانی چھڑکا۔ تھوڑی دیر کے بعد غش سے آفاقہ ہوا۔ تین بار کہا۔ یا حسین یا حسین یا حسین پھر کہا آج دوست دوست کو جواب نہیں دیتا۔ کیونکہ جواب دے کہ سرتن سے جدا ہو چکا ہے مولا کی رگیں کٹ چکی ہیں۔ غول بہ گیا ہے۔ جناب جابر قبر مبارک پر بہت روئے اور زیارت پڑھی، جسے زیارت اربعین کہتے ہیں۔ جب فقرات ادا کئے: **وَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ نَبِيًّا لَقَدْ شَاكَكُمْ فِيْنَا وَخَلَعَكُمْ فِيْنَا**۔ اس وقت عطیہ نے کہا کہ ہم کس طرح ان کے عمل میں شریک ہوئے جب کہ ہم نسیب و فوار

اور ان کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہوئے۔ انہوں نے تو سرکٹائے۔ ان کی عورتیں بیوہ ہوئیں۔ بچے یتیم ہوئے۔ جابر نے کہا کہ میں نے خود جناب حبیب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: مَنْ أَحَبَّ قَوْمًا فَهُوَ مِنْهُمْ۔ جو کسی قوم کو پسند کرتا ہے اسی قوم کے ساتھ محسوس ہوگا۔ اور جو کسی قوم کا عمل پسند کرتا ہے وہ اس عمل میں کسی قدر شریک ہوتا ہے۔ مجھے اس خدا کی قسم جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا۔ میں اور میرے ساتھی اس نیت و عقیدہ پر ہیں جس پر جناب سید الشہداء اور ان کے اصحاب تھے۔

پہلے دن کا عربی مرثیہ

بیسویں صفر کی مناسبت سے ایک عربی شاعر نے اسیرانِ شام کی واپسی کر بلا پر چند اشعار کہے ہیں جنہیں ہم با ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

تَحْمُرُ جَدَدُ الْحُزْنِ فِي الْغُشْرِ مِنْ صَفَرٍ = فَفِيهِ رُدَّتْ سُرُودُ الْأَمَلِ لِلْحُفْرِ
يَا زَائِرِي بَعَثَةِ أَطْفَالِهِمْ دُبَحَتْ نِيَمَاهَا = خُذُوا بُرْيَاهَا كُنْزًا إِلَى الْبَحْسِ
وَالْمَقْتَلَةِ لِبَنَاتِ الطَّغْرِ يَوْمَ رَنَتْ = إِلَى مَصَارِعَ قَتْلَاهُ وَحَتَّى وَالْحَفْرِ۔

اے مرد مومن! اٹھ اور بیسویں صفر کو اپنا غم و حزن تازہ کر، کیونکہ اس روز آلِ بنی ہاشم اور اصحاب کے سر کر بلا میں دفن ہونے کے لئے واپس آئے تھے۔ اے زائرینِ لقمہ کر بلا اس خطہ میں بنی ہاشم کے اطفالِ ذبح کئے گئے۔ اس خطہ زمین کی مٹی بطورِ مرمہ آنکھوں میں لگا۔ ہائے افسوس پاک شہزادیوں جس دن روتی چینی اپنے مقتولوں کی قتل گاہ اور قبور پر گئیں۔ کتنا غم کی منظر تھا۔

وَمَيْنَ بِالنَّفْسِ مِنْ حَقْوِ النَّيَاقِ عَلَى = تِلْكَ الْقُبُورِ بِصَوْتِ هَائِلٍ وَعَبْرٍ
فَتِلْكَ تَدْعُو أَحْسَنِينَ وَهِيَ لَا طِمَئَتْ = مِنْهَا الْخُذُودُ وَدَمْعُ الْعَيْنِ كَالْمَطَرِ

شہیدوں کی وارثہ عذرات بنی ہاشم کی نظریں جب قبروں پر پڑیں اور ان کے محلِ قبورِ مطہر کے قریب پہنچے تو انہوں نے بے تاب ہو کر اونٹنیوں سے اپنے آپ کو قبروں پر گرادیا۔ ہر بی بی قبر کو گئے لگا کر مدفن پر بیٹھ کر اپنے عزیز کا مرثیہ پڑھنے لگی، ان میں سے ایک بی بی اس حال میں حسین کو پکار رہی تھی کہ منہ پیٹ رہی تھی اور آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔

وَتِلْكَ تَصْرُخُ وَاجِدًا وَابْنًا = وَتِلْكَ تَصْرُخُ وَبِئْمَاءٍ فِي الصَّغَرِ
فَلَوْ تَرَوْا أُمَّ كَلْتُمْ مَنَاشِدَةً = وَلَهُي وَتَلْتُمُ ثَرِبَ الطَّعْنِ كَالْعَطَرِ

کوئی بی بی واجدہ وابتہ کہہ کر فریاد کر رہی ہے۔ اور کوئی بچی اپنے چھوٹے سن میں یتیم ہونے کا دردناک بین کر رہی ہے۔ پس کاش اُم مکتوم کو اس حالت میں فوضہ کرتے دیکھتے کہ ارض کر بلا کی مٹی اپنے سر کے بالوں میں ڈال رہی ہے۔

يَا ذَا فَنِي الرَّاسِ عِنْدَ الْجِثَةِ حَتْفُوهَا

يَا اللَّهُ لَا تَنْشُرُوا تَرَابًا عَلَى قَمَرٍ

لَا تَذْفَنُوا الرَّاسَ إِلَّا عِنْدَ مَرْقَدِهِ

فَاتَّهَى سَرُوضَةَ الْفَرْدُوسِ وَالزَّهْرِ

”اے سر حسین کو ان کے بدن کے ساتھ قبر میں دفن کرنے والے، ذرا خیال کرنا چاند پر مٹی نہ ڈالتا۔ تم کس دل سے قبر زہرا کو زمین میں دفن کر رہے ہو۔ اس سر کو سوائے مرقد بدن حسین کے کہیں اور دفن نہ کرنا۔ کیونکہ وہ باغ فردوس کا ایک ٹکڑا ہے۔“

لَا تَغْسِلُوا الدَّمَ مِنْ أَطْرَافِ لِحْيَتِهِ

خَلُّوا عَلَيْهَا خِصَابَ الشَّيْبِ وَالْكِبَرِ

لَا تُخْرِجُوا أَشْهُبًا فِي جَنْبِهِ نَشَبُ

خَوْفًا يَغُورُ دَمًا يَطْمُو عَلَى الْبَشَرِ

”اس کی ریش مبارک میں جو خون لگا ہوا ہے۔ اسے نہ دھونا، یہ بزرگی اور ضعیفی کا خضاب ہے، اسے نہ دھو۔ اور جو تیروں کی ٹوکیں اس کے بدن میں پیوست ہو چکی ہیں، انہیں نہ نکالنا، مبادا خون جوش مار کر تمام بدن پر نہ پھیل جائے۔“

مُرُّ شَوْءٍ عَلَى قَبْرِهِ مَاءٌ قَصَاصِيَّةٌ = مُعْطَشٌ نَبَلُوا أَحْشَاءَهُ بِالْقَطْرِ

لَا تَذْفَنُوا الْبَطْفَلَ إِلَّا عِنْدَ وَالِدِهِ =

”اس مظلوم شہید کی قبر پر کچھ پانی چھڑک دینا۔ کیونکہ صاحبِ قبر پیا یا شہید ہوا۔ جب کہ شدتِ پیاس سے قلب و جگر بھن رہے تھے۔ اور گردن پر شمر کا منجر تھا۔ اس طرح قبر پر پانی چھڑک کر مظلوم حسین کا دل ٹھنڈا کر دینا شیشہ ہے۔ اصغر کو باپ کے ساتھ آنکوش قبر میں دفن کر دینا۔ کیونکہ معصوم بچہ باپ کی گود سے

مانوس ہے۔ اور یتیمی کی طاقت نہیں رکھتا۔

يَا رَاجِعِينَ السَّبَا كَمَا قَاصِدِينَ إِلَى = اَرْضِ الْمَدِينَةِ ذَلِكَ الْمَرَامُ الْحَضَر
حُذُوا لَكُمْ مِثْلَ دُمِ الْاَحْبَابِ تَخَفْتُمْ = وَحَاطِطُوا الْجِدَّ هَذَا تَحْفَةُ السُّقْرِ

"اے واپس ارضِ مدینہ جانے والے قیدیو! وہ ارضِ پاک سرسبز ہے۔ اپنے پیاروں
عزیزوں کے خون کا تحفہ بناؤ، جب کوئی مسافر سفر سے واپس آتا ہے تو کوئی نہ
کوئی تحفہ لاتا ہے۔ تم بھی خون آلود کپڑے وغیرہ خونِ شہداء محفوظ کر کے رکھ لو، جب
مدینے جانا تو جبراً محمد کو مخاطب ہو کر کہنا، نانا! یہ اس سفر کا تحفہ لاتی ہیں۔"

سہری بی قہیدہ مطہرہ پر دل کھول کر روئی۔ چند دن قیام کے بعد جناب سجاد نے سفر کی تیاری
کی، اس روز بیبیوں نے قبروں سے آخری وداع کیا۔ جناب سکینہ نے آخری بار بابا کی قبر سے
وداع کرتے ہوئے کہہ دیا کہ بلا کو مخاطب ہو کر کہنا۔

"اے زمین کہ بلا! میں زہرا کے چاند کو تیرے سپرد کر کے جا رہی ہوں
افسوس! تیری گود میں بنی ہاشم کے ستارے دفن ہوئے ہیں۔ جن کے بدلوں
کو خون کے ساتھ غسل دیا گیا۔ اور زمین کہ بلا کی خاک اڑاؤ کہ گرد کا لباس پہناتی
رہی۔"

کابلِ التواریخ میں ہے کہ جناب رباب بنت امرؤ القیس زوجہ حسین پر، اس بے گور و
کفن اور پیاسے شہید کی وحوپ پر لاش دیکھ کر اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے اسی قبر پر رہائش
اختیار کر لی۔ پورا ایک سال قبر پر مجاور بن کر بیٹھی رہیں۔ اس کے بعد واپس مدینہ گئیں اور یہ بھی
منقول ہے کہ ساری زندگی سایہ میں نہ بیٹھیں اور نہ ٹھنڈا پانی پیا۔ وفادار بیوی اپنے معصوم
آقا کی مطلوبہ موت کے صدمہ میں گھل گھل کر اپنے آثارِ نادر کو جنت میں جا ملیں۔ سدا وحوپ میں
بیٹھنے سے زنگت تبدیل ہو گئی تھی۔

مدینہ میں مراجعت

جناب سجاد نے جب دیکھا کہ ان کی بھوپیاں بہنیں اور دیگر مستورات شب و روز گریہ و بکا
اور اتم حسین میں مصروف ہیں اور کسی وقت بھی گریہ و بکانے فارغ نہیں ہوتیں، ایک قبر سے
اٹھتی ہیں تو دوسری قبر پر گریہ و بکا کرنے بیٹھ جاتی ہیں۔ تو انہوں نے سفر کی تیاری کی اور

تین دن کے قیام کے بعد وطن مدینہ روانہ ہوئے۔

وستورہے کہ جب مسافر مراجعت فرمائے وطن کی طرف تو ان کے چہروں پر خوشی کے آثار نمودار ہوتے ہیں اور دل مستروں سے لبریز ہوتے ہیں۔ مگر یہ مسافرین مدینہ اس قسم کے مسافر نہ تھے جنہیں وطن جانے کی خوشی ہوتی۔ یہ حسرتوں کے ساتھ، گریہ و ماتم کے ساتھ واپس جا رہے تھے کیونکہ یہ سارا خاندان شہید کما کے گھر بار لٹا کے قیدی کہلا کے واپس ہو رہے تھے۔ اس واسطے حسرت ان کے دامن گیر تھی، رنج و الم ان پر چھایا ہوا تھا، آلِ محمد کی شہزادیاں اپنے عزیزوں کو زمین کربلا کے سپرد کر کے حسین و عباس ایسے بھائیوں، اکبر و قاسم، عون و محمد ایسے فرزندوں سے محروم ہو کر گھر لوٹ رہی تھیں۔ گودیں بچوں سے خالی تھیں۔ رستیوں کے اور تازیانوں کے نشان بدنوں پر نمایاں تھے۔ فرزند رسول اور ولید بن ابی طالب پر اگرچہ منزل و مقام اس کا ہم سے بہت دور ہے۔ اس کے بعد اس نے مجدد سے مخاطب ہو کر کہا: اے اللہ! موت دینے والے تو نے فرزندِ نبی کی موت کی خبر دے کہ ہمارے زخموں کو تازہ کر دیا۔ جو ابھی مندمل ہی نہ ہوئے تھے۔ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں بشیر بن خازم ہوں مجھے میرے مولا و آقا امام سجاد نے بھیجا ہے۔ جو نکلاں جگہ اہل و عیال حسین کے ساتھ نزلہ فرما ہیں۔

بشیر کا بیان ہے کہ میرا اعلان سن کر تمام لوگ مرد و زن، بیتا باندہ مجدد سے پہلے دوڑ پڑے۔ میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تیزی سے خیام گاہ امام سجاد پہنچا۔ وہاں لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ گزرنے کا راستہ نہ ملتا تھا۔ میں گھوڑے سے اتر پڑا۔ لوگوں کی یہ کیفیت تھی، آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور زبان پر نوحے تھے۔ زنانِ مدینہ سر کھول کر ماتم کر رہی تھیں۔ اتنی گریہ و بکا کی صدا میں تھیں کہ کان پڑھی آواز سناؤ نہ دیتی تھیں۔ وفاتِ رسول کے بعد مدینہ میں اسی قدر غم و ماتم کبھی نہیں ہوا تھا جتنا اس روز ہوا۔ ہر مرد و گریہ کن اور ہر عورت ماتم دار تھی۔ بشیر کہتا ہے کہ میں مجمع کو چیر کر لوگوں کے سروں کو چھلا لگتا ہوا خیمہ امام کے نزدیک پہنچا۔ ابی امام خیمہ کے اندر تھے۔ اس اثنا میں امیر و مشق وارش حسین امام سجاد خیمہ سے باہر آئے حالت یہ تھی کہ آنکھوں سے آنسو کی برسات جاری تھی ان کے ہاتھ میں رومال تھا۔ بار بار آنسو پونچتے تھے مگر آنسو تھے کہ تھکتے نہ تھے۔ مولا کے پیچھے خادم نے کرسی اٹھائی ہوئی تھی خیام سے باہر

خادم نے کرسی رکھی۔ مولا سجاد اس پر بیٹھے۔ جون ہی فرزندِ رسول اس پر بیٹھے اور لوگوں کی دید پڑی و عاثرین مار مار کر رو رہے تھے۔ اور شہیدان کربلا کا پر سادے رہے تھے۔ رسم تعزیت ادا کر رہے تھے اور اشکوں کا ہدیہ پیش کر رہے تھے۔

نھوڑی دیر کے بعد جب امام سجادؑ نے گریہ پر تباہ پایا اور آواز بولنے کے ہاتھ ہو گئی، تو لوگوں کو ہاتھ کا اشارہ کیا۔ کہ ذرا بیٹھ جاؤ اور خاموشی سے سنو، لوگ بیٹھ گئے اور آواز گرہ یہ خاموش ہو گئی تو جناب آتائے سجاد اسیر شام نے یہ خطبہ پڑھا۔ ہم اس خطبہ کا صرف ترجمہ پیش کرتے ہیں :-

”حمد و ثنائے ذات پروردگار کے بعد فرمایا۔ اَیُّهَا النَّاسُ! خدا کا شکر ہے کہ اس نے عظیم مصائب اور شدید رنج و آلام کے ساتھ ہمارا امتحان لیا۔ اسلام کی دیوار میں سخت زخم اور شکاف پڑ گیا۔ امام حسین اور ان کی عترت ظلم و جور سے شہید کر دی گئی، امام مظلوم کی مستحیات اور ان کے یتیم بچوں کو قید کیا گیا۔ اور ان مقدس سروں کو نیزوں پر اٹھا کے شہر شہر پھرایا گیا۔ یہ اتنی بڑی مصیبت اور اتنا بڑا صدمہ ہے جس کی مثال نہیں۔ اَیُّهَا النَّاسُ! تم میں کون ہے جو آنجناب کی شہادت کے بعد خوش ہو؟ کون سا دل ہے جو اس مصیبت پر تلگین نہ ہو، کون سی آنکھ ہے جو اس صدمہ پر آنسو نہ بہائے۔ میرے مظلوم بابا کی بے کسی کی موت پر ساقوں آسمانوں نے اپنی بلندیوں سمیت گریہ و بکا کیا۔ دنیا کے سمندر اپنی موجوں کے ساتھ آسمان اپنے ارکان سمیت، زمین اپنی اطراف سمیت، درخت اپنی شاخوں کے ساتھ پھیلیاں سمندروں کی موجوں میں تمام ملائکہ مقربین اور حواریین، ساکنان آسمان وزمین روئے ”لوگو! وہ کونسا دل ہے جو اس مصیبت پر بیٹ نہ جائے، وہ کون سا کان ہے جو یہ درد بھری خبر سن کر متاثر نہ ہو، آنکھیں رو رہی ہیں۔ دل غم گین ہیں، ہمیں وطن سے دور کیا گیا۔ ہماری جماعت کو اس طرح قتل اور قید کیا گیا، گویا کہ ہم نہایت ذلیل اور گھٹیا قوم کے آدمی ہیں۔ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔ کوئی ناپسندیدہ امر ہم سے صادر نہیں ہوا۔ نہ اسلام کے کسی امر کی سرتابی کی۔ ہمارے جدِ اجداد نے تو ہمارے احترام و اجلال کی وصیت فرمائی تھی۔ انہوں نے ہم پر اتنا ظلم کیا کہ اس سے زیادہ کہہ ہی نہ سکتے تھے۔ ہم نے صبر کیا۔ خدا نے ہمیں صبر کی توفیق بخشی، اور اس کا شکر ہے کہ اس نے امتحان میں ہمیں کامیاب کیا۔ اور تلب و جلبہ میں گہرے زخم نہ پڑے۔ پتے ہوئے آنسوؤں، کھلے سروں اور خاک آلودہ بالوں کے ساتھ

قلب و جگر میں گہرے زخم تھے، جیتے ہوئے آنسوؤں، کھلے سروں اور خاک آلودہ بالوں کے ساتھ نوحہ و مرثیہ پڑھتی ہوئی مدینہ روانہ ہوئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ واپس وطن مدینہ آنا ضرور تھا۔ ورنہ بفرمان ان کے وطن واپس آنے کے لائق نہ تھیں۔

کتنی مسرت ہوتی ہے جب مسافروں کو اپنے شہر کی دیواریں نظر آتی ہیں۔ اور کتنی حسرت اور کس قدر رنج بڑھتا تھا ان دردمنائی شہزادیوں کا جب انہیں مدینہ کی دیواریں نظر پڑیں۔ جوں جوں وطن نزدیک آتا ہے، مسافروں کے دل بڑھتے ہیں۔ مگر جوں جوں مدینہ قریب آ رہا تھا، ان کے دل گھٹتے جا رہے تھے، کس عزت کے ساتھ یہ مستودات گنتی تھیں اور کن حسرتوں اور دردوں کے ساتھ واپس آئیں۔ جب یہ اجڑے ہوئے مسافر مدینہ کے قریب پہنچے تو جناب سجاد نے مدینہ سے باہر قیام کا حکم دیا۔ اونٹ بٹھائے گئے۔ خیمے نصب کئے گئے۔ اور یہ اجڑے ہوئے مصیبتوں کے مارے ہوئے مسافر اونٹوں سے اترے، اہل مدینہ کو اس قافلہ کی ابھی کوئی اطلاع نہیں۔

جناب سجاد نے بشیر بن خذلم کو جو قافلہ کے ہمراہ پاسباںوں میں سے تھا۔ کو فرمایا کہ بشیر! تمہارے باپ، خدا ان پر رحم کرے، ایک شاعر تھے۔ تو بھی کچھ شعر کہہ لیتا ہے۔ بشیر نے عرض کی، ہاں مولا! میں بھی شاعر ہوں۔ امام سجاد نے فرمایا کہ جا شہر مدینہ میں، اور اہل مدینہ کو ہمارے آنے کی منادی کر دے، اور انہیں موتِ حسین کی خبر سنا دے،

بشیر گھوڑے پر سوار ہوا، اور جب مسجد نبوی کے دروازے پر آیا تو بلند آواز سے روتے ہوئے لوگوں کو خبر دی۔

یا اهل یشرب لا مقام لکم ہما = قتل الحسین و اذنی میذرار
الجسم منه بکو بلاء مفسر ج = والراسی منه علی القناتہ یبدا سر

"اے مدینہ والوں! اب یہ شہر رہنے کے لائق نہیں رہا۔ حسین کر بلا میں مارے گئے۔ اور میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔ جسم حسین تو صحرا کی پتی ریت پر خون میں غلطان، بے گور و کفن چھوڑ دیا گیا، اور سر ان کا نوکِ نیزہ پر نصب کر کے جا بجا پھرایا گیا۔"

"اے اہل مدینہ! دیکھو امام زین العابدین فرزندِ حسین! باپ کے پچھو پھیوں، بہنوں اور باقی مستورات کے ساتھ بیرونِ مدینہ قیام فرما ہیں۔ میں تمہیں ان کی اطلاع اور شہادتِ حسین کی خبر دینے آیا ہوں۔"

بشیر بیان کرتا ہے کہ جون ہی میں نے یہ اعلان کیا۔ مدینہ شہر میں جس قدر عورتیں تھیں، بے حجاب ہو کر کھلے سروں کے ساتھ روتی پٹیتی ہوئی اور نومہ و فریاد کرتی ہوئی گھروں سے نکلی پڑیں۔ اور تمام مرد روتے ہوئے بنے تا بانہ سوئے قافلہ دوڑ پڑے۔ مدینہ میں کھرام ماتم پیا ہو گیا۔ اس اثناء میں میں نے ایک لڑکی کو دیکھا جو حجاب سیدہ الشہداء پر یہ نومہ پڑھ رہی تھی۔

نَحْنُ سَيِّدَى نَاخٍ نَعَاهُ فَاَوْجَعَا

وَ اَمْرَضْنِي نَاخٍ نَعَاهُ فَجَاعَا

نَعَيْسَتِي جَبَّوْا بِالْاَلْدَمِ وَاسْكَبَا

وَجُودُ اَبَدٍ مَعَ لَعْدٍ دَمْعُكُمَا مَعَا

عَلِيٌّ مِنْ دَهَا عَرْشِ الْجَلِيلِ فَتَزْعَزَعَا

فَاَصْبَحَ هَذَا الْمَجْدُ وَالِدَيْنِ اَحَدًا

عَلِيٌّ بِنُجَى اللّٰهِ وَابْنِ وَصِيٍّ

وَ اِنْ كَانَتْ عَنَّا شَاحَطُ الدَّارِ اشْعَا

”خبر دینے والے نے مجھے میرے سردار و آقا کی موت کی خبر دی ہے۔ موت کی خبر نے میرے دل میں درد پیدا کیا۔ اور اس خبر موت نے مجھے بیمار اور غمناک کر دیا۔ پس اے میری دھڑکھو! بیمار اشک بہاؤ، اور آنسوؤں پر آنسو لگاتا رہاؤ۔ اے میری دونوں آنکھو! اس مظلوم و مقتول پر روؤ جس کی موت نے عرش خدا کو لرزادیا۔ یہ بزرگی، یہ دین ذیل و خلیل ہو گئے، اے آنکھو! گریہ کرو۔“

اِنَّا بَلَدٌ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط

ایسی مصیبت جو کس قدر عظیم، کتنی دردناک، غم انگیز، اول فراش، شدید تر، تلخ ترین اور تباہ و برباد کرنے والی ہے۔ ہم ان مصائب و آلام، شدائد و احزان کے عوض، اور اجر و ثواب کے بارگاہ رب العالمین سے امیدوار ہیں۔ وہ غالب اور انتقام لینے والا ہے۔“

صعصعہ بن صوحان ایک صحابی ہیں۔ ان کے فرزند صوحان نے معذرت پتقی کی، مولا! میں مریض ہوں۔ زمین گیر ہو چکا تھا۔ چلتے پھرنے کے لائق نہ رہا۔ اس واسطے نصرتِ امام علیہ السلام کا فریضہ ادا نہ کر سکا۔ مولا نے اس کا عذر قبول فرماتے ہوئے، اس کے اور اس کے باپ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

حضراتِ مومنین! کیا حال ہوا ہوگا اُجڑی، ستائی، درواری، مستورات کا جب زمانِ مدینہ نے آکر موتِ شہداء کا پر سا دیا ہوگا۔ خصوصاً بنی ہاشم کی وہ مستورات جو مدینہ میں رہ گئی تھیں۔ امّ سلمہ، ام البنین، امّ ہانی، خواہر امیر المومنین، ام لقمان، اسماء، رطلہ، زینب، ام ہانی، دخترانِ عقیل بن ابی طالب، جب باہم گئے کہ روٹی ہوں گی۔ عرشِ خدا سرزد ہوگا۔ آسمانِ تقدیر اُسے ہوں گے، زمین کانپی ہوگی۔ اور درو دیوارِ مدینہ سے اُٹھائے لوحہ دیکھا بلند ہوئی ہوگی۔ یہ تباہ حال قافلہ شہرِ مدینہ کی طرف روانہ ہوا، ہزاروں کی تعداد میں زن و مرد لوحہ نماں بچشمِ گریاں ساتھ تھے۔ جب جنابِ امّ کلثوم کی نظر مدینہ پر پڑی، تو اپنے حزن و ملال کا اظہار اپنے مرثیہ میں بیان کیا۔

مدینہ جدّنا لا تَقْبَلینَا	=	فبا الحسرات والاحزان جدّنا
الا فایکبر رسول اللہ عتّا	=	باتّا قد فجعنا فی ابینا
خرجنا منک بالآحالیں جمعا	=	مرجعنا لا رجال ولا بنیا
وکتا فی الخروج بجمع شمل	=	رجعنا بالقطیعة مھا نصینا
واتّا رجائنا بالظفّ صرعی	=	بلا رؤس وقد ذبحوا البینا
فلو نظرت عیونک لالسرّی	=	علی اکتاب الجبال تمھلینا
افاطم لو نظرت الی السبایا	=	بناتک فی البلاد مشتیّنا
فتحقّ القائلات بلا کفیل	=	ونحن النائحات علی اخینا
افاطم لو نظرت الی الحیاری	=	و لو ابصرت زین العابدین

"اے میرے نانا کے مدینے! یہیں قبول نہ کر، ہم حسرتوں اور غموں کے ساتھ واپس آئی ہیں۔ لوگو! رسول اللہ کہہ رہی طرے کہہ دو، کہ یہیں بابا کے متعلق دشمنوں نے زبان درازیاں کر کے دکھا بیٹھا، اے مدینہ! جب تجھ سے چلے تھے تو ہماری جماعت اکٹھی تھی، لیکن جب واپس آئے تو نہ ساتھ مرد ہیں اور نہ بچے، مرد تو کہہ بلایں

قتل ہو گئے، اور کچھ بچے شام کی ماہ اور شہر دمشق میں دفن ہو گئے۔ آباد نکلے تھے، فریاد ہو کر آئے ہیں۔ ہمارے سارے مردوں کی لاشیں، سروں کے بغیر کہلا ہیں رہ گئیں، اور بچے بھی ذبح ہو گئے۔ نانا آپ کی آنکھیں بھی اس حالت میں دیکھتیں کہ کس طرح اونٹوں پر سوار کر کے بھی شہر و شہر بازاروں میں پھرایا گیا۔ اماں! آپ دیکھتیں کہ آپ کی بیٹیوں کو قید کر کے مختلف شہروں میں تشہیر کیا گیا۔ یہی بے وارث اور غریب سمجھ کر بے عزت کیا گیا۔ ہم اپنے بھائی پر فوج پڑھتی تھیں۔ اماں! کاش بھی پریشانی اور بے ردا حالت میں دیکھتیں، اور کاش زین العابدین کو دیکھتیں کہ کس مظلومانہ حالت میں ہے۔

نانا! زینب بے پردہ خیمہ سے نکلنے پر مجبور ہوئیں۔ اور فاطمہ کبریٰ عریاں سر کے ساتھ نالہ و فریاد کرتی رہیں۔ سکینہ درد بھرے دل اور جگہ سوختہ کے ساتھ رب العالمین کے دربار میں فریاد کرتی تھیں۔ آلِ محمد کے اجرے ہوئے گھروں کے بارے میں ایک شاعر ابن قلیبہ کے تاثرات ہیں۔ جو اس نے مکینوں سے خالی مکانات کا اپنے اشعار میں نقشہ کھینچا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

مردت علی ابیات آل محمد	فلکہ ارضا امثالہا یوم حلت
فلا یبعد اللہ الدیار و اهلہا	وان اصبت منہم برغی تحلت
الا ان قتلی المطف من الہاشم	اذلت برقاب المسلمین فذلت
و کاؤا غیاثا ناصحہ زیدیہ	لقد عظمٰت تلک الزلیا وحلت
الحررات الشمس اصحت مرلیفۃ	لقد حسین والبلاد اقتسرت

”میں آلِ محمد کے گھروں سے گزرا، ان گھروں کی وہ حالت نہ تھی جب کہ گھروں والے

گھروں میں مقیم تھے“

”معا گھروالوں کو گھروں سے دور نہ رکھے اگر وہ گھر گھروالوں سے خالی ہیں“

آلِ ہاشم کے شہیدوں نے مسلمانوں کی گردنیں جھکا دی ہیں۔“

وہ کسی دقت تو ضیعفوں اور مسکینوں کے پناہ دینے والے تھے، اور فریاد کو پہنچنے والے

تھے“ اب خود فریادی اور مصیبت زدہ ہیں۔“

آلِ محمد پر جو مصیبتیں آئیں وہ بہت بڑی مصیبتیں ہیں۔“

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ سورج امام حسین علیہ السلام کے معقود ہوئے سے مرعین ہو گیا ہے۔

اور شہر پر آگندہ ہو گئے ہیں۔“

ایک اور شاعر کہتا ہے :-

وَقَفْتُ عَلَى دَارِ ابْنِ مُحَمَّدٍ قَالَتْهَا قَدْ أَقْفَرْتُ عَرْمَاتُهَا
وَأَمَرْتُ خَلَاءً مِنْ تِلَاوَةِ قَارِعٍ وَعَطَلْتُ مِنْهَا صَوْمُهَا وَصَلَوَاتُهَا
وَأَفْوَتْ مِنَ السَّادَاتِ مِنَ آلِ هَاشِمٍ وَكَمْ حَجَّجْتُ بَعْدَ الْحُسَيْنِ ثَنَاتُهَا
فَاعْيَنِي لِقَتْلِ السَّبِيحِ كَوْعَتِي عَلَى فَقْدِ هَرَمَاتِنِ قَفْزَاتُهَا

زنجبار میں نے محمد مصطفیٰ کی عترت کے گھروں کو دیکھا جن کے دالان غیر آباد تھے۔ مکیوں کی رونقوں سے خالی تھے۔ جہاں قرآن مجید کی تلاوتیں شب و روز ہوتی تھیں، اب وہ گھر تلاوت اور صوم و صلوٰۃ کی دینی رونقوں سے محروم ہو چکے ہیں۔

قتلِ حسین کے بعد سادات نبی ہاشم کی پراگندی مجتمع نہ ہو سکی۔ میری آنکھ فرزندِ رسول کی شہادت پر اٹک رہی ہے۔ ان کی موت پر میری آہیں برابر جاری ہیں۔ اور میرے گریہ و غم کی سورش قائم ہے۔

جب سادات کا یہ اجڑا ہوا اور لٹا ہوا قافلہ مدینہ میں داخل ہوا تو سیدھا مسجد نبوی اور مزار مقدس کے پاس گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ درونک منظر اہل مدینہ کو کبھی نہ بھولے گا۔ کہ خیرانِ رسول اور بناتِ علی و بتول جب ظلم کے ساتھ تمام مروّش شہید کہ اکے متاعِ رسول لٹوا کے، قیدِ ذلت بھگتا کے نانا کے شہر میں داخل ہوئیں۔ رونے کی صدائیں بلند تھیں۔ حسرت چھائی ہوئی تھی۔ اور غم درنج کی زدائیں اڑھئی ہوئی تھیں۔ گودی بچوں سے خالی تھیں۔ قتل بگھ درد اور قید کے دکھوں کی ستائی ہوئی کونہ و خنام کی تیدوں کا رنج اٹھائے ہوئے بے کسی و بے وارث شہزادیاں مزارِ نانا کے سامنے مصیبتوں کے واقعات مرنیوں اور نوحوں میں بیان کر رہی تھیں۔ جب جناب ام المصائب نے مسجد نبوی کی چوکھٹ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کہا : "نانا! میں تجھے تیرے لاڈلے حسین کی شہادت کی خبر دیتی ہوں" کوئی دل نہ تھا جو بے قرار نہ ہو۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو اشکبار نہ ہو۔ کوئی کلیجہ نہ تھا جو نگار نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ مظلوم سیدانوں کے بین کلیجہ ہمارے تھے اور شہر مدینہ میں غم و الم کا طوفان برپا تھا۔ مسجد نبوی کے بعد یہ ماتی جلوس مزارِ نبوی پر گیا۔ جناب ام کلثوم نے قبرِ رسول پر جا کر کہا : (السلام عَلَيْكَ يَا جَدَّاهِ ! اِنِّیْ نَاعِیْتُ اِلَیْكَ وَ لَدَکِ الْحَسِیْنِ)۔ "نانا! آپ پر درد و سلام ہو۔ ہم نے امیرانِ شام حسرتوں اور آلام کے ساتھ آگے بڑھیں نانا! میں آپ کے پیارے آنسوؤں کے

پائے حسین کی نچھ لائی ہوں۔ نانا! حسین ساتھیوں کے ساتھ مارے گئے اور ہم تمام متواتر
سج پجڑوں کے بے پردہ قید ہو گئیں۔

اس وقت جناب سکینہ نے بلند آواز کے ساتھ کہا: يَا جَدَّاهُ! إِلَيْكَ الْمَشْتَكَا مَا
جَوَّيْ عَلَيْنَا. فَمَا لَلَّهِ مَا سَأَلْتُ أَقْسَى مِنْ يَزِيدَ وَلَا سَأَلْتُ كَافِرًا وَلَا مُشْرِكًا
شَرًّا مِنْهُ وَلَا أَجْفًا وَأَغْلَظَ فَلَقَدْ كَانَ يُفْرَعُ تَخْرَابِي عَمْرٌ بِمُفْرَسَةٍ وَهُوَ
يَقُولُ. كَيْفَ سَأَلْتُ الْعُقُوبَ يَا حُسَيْنَ. اے جد بزرگوار! جو مصائب و آلام ہم پر
گزرے انکی شکایت میں آپ کے حضور کرتی ہوں۔ پس خدا کی قسم! میں نے یزید سے زیادہ
کوئی سنگدل اور کوئی کافر و شرک بھی اس سے بدتر نہیں دیکھا۔ اور نہ اس سے زیادہ بدخود اور خبیث
شتم شمار دیکھا۔ وہ ملعون اپنی چھڑی میرے بابا کے پاکیزہ لبوں اور پاک و انتوں پر مارتا تھا اور
نہایت بے حیائی و گستاخی سے کہتا تھا، حسین! اس ضرب چوب کو کیسا پاتے ہو؟ جناب امام سجاد
نے اپنا چہرہ قبر رسول پر رکھ دیا۔ قبر رسول کو گلے لگا کر دوتے تھے تو کہتے تھے ۛ

أَنَا جَيْكُ يَا جَدَّاهُ يَا حُسَيْنَ رَسُولُ = جَيْكُ مَقْتُولُ وَنَسْلُكَ صَالِحُ

أَنَا جَيْكُ مَحْزُونًا عَلَيَّا مَوْجِدًا = أَسِيرًا وَمَالِي حَامِي وَمَلْفِعُ

مُبِينًا كَمَا تَقْبَلُ الْأَمَاؤَ وَمَسْنَا = مِنَ الْعَمْرِ مَا لَا تَحْمِلُهُ إِلَّا صَالِحُ

أَلَا يَا جَدَّاهُ بَعْدَكَ أَظْهَرُ = أُمِّيَّةٌ فِينَا مَكْرَهَا وَالشَّتَائِحُ

حالت یہ تھی کہ اہل مدینہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے اور ہر طرف و اجماعہ و
علیاء و احسانہ کی صدائیں بلند تھیں۔ ناسخ التواریخ میں مذکور ہے کہ پندرہ روز تک گریہ و
بکا اور نوحہ و مرثیہ کا سلسلہ شہر میں جاری رہا۔ یہ عمومی ماتم تھا جو سارے شہر میں قائم رہا۔ ورنہ
اہل بیت رسول کے گھروں میں تو صفت ماتم جناب مختار علیہ الرحمۃ کے انتقام تک بھیجی رہی۔

معلوم نہیں یہ مظلوم و اجڑے ہوئے مسافر کس حال میں گھروں میں داخل ہوئے ہوں گے۔
اور اجڑے گھروں کی حالت اور خالی گھروں کی بربادی دیکھ کر ان کے دلوں پر کیا گزری ہوگی! آباد
زمانہ بھی دیکھا۔ پر رونق گھر بھی دیکھے۔ اب یہ اجڑے گھر جو بربادی کا مرثیہ اور تباہی کا نوحہ پڑھ
رہے تھے۔ اپنے مکینوں کے بھڑ جانے کا دردناک نقشہ زبان حال سے بیان کر رہے تھے۔ آنے
والے مسافروں کا حسرت نے استقبال کیا۔ گریہ و بکا نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ بربادی طوان
کر رہی تھی اور تباہی گلے مل رہی تھی۔ آنسوؤں کا طوفان تھمتا نہ تھا۔ سروں پر ہاتھ رکھ کر نبی زاریاں

بن کر تھیں۔

مولا حسین کا گھر تھا، عباس کا دالان برباد۔ حسن مجتبیٰ کا صحن سُونا پڑا تھا عقیل کے گھر ویران۔ عبداللہ بن جعفر کا گھر بے رونق تھا۔ بنی ہاشم کے محلہ میں ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ مستورات بنی ہاشم جو مدینہ میں رہ گئی تھیں، حضرت ام سلمہ، ام البنین، ام ہانی، دختران جناب عقیل جناب ام ہانی، رملہ، اسماء، زینب، کس طرح نبی زادیوں اور ظلم رسیدہ بیبیوں کے گلے بل کر روئی ہوں گی۔ انہوں نے حالات دریافت کئے ہوں گے۔ اور انہوں نے بتائے ہونگے۔ انہوں نے ایک ایک شہید کا حال پوچھا ہوگا اور انہوں نے بتایا ہوگا۔ بہر حال غموں کے پہاڑ تھے جو آل رسول نے سروں پر اٹھائے اور دکھوں کے دریا تھے جو انہوں نے عبور کئے۔ تاریخ عالم میں کوئی ایسا قافلہ نہیں ملتا جو اس طرح ٹٹا ہوا واپس آیا ہو۔ اور کوئی ایسے شہید و ایسر نہیں دیکھے جن پر اس قدر گریہ و بکا کیا گیا ہو۔ کوئی ایسی داستان نہیں جو اتنی دردناک ہو اور کوئی ایسی تحریک و اقدام نہیں جو اس قدر حیرت انگیز و کامیاب ہو۔

پس اجڑے ہوئے اہل بیت رسول برباد گھروں میں مقیم ہو گئے۔ نعمان بن بشیر اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب واپس جانے لگا تو دختران جناب ابیہ نے چند زیورات اس کی خدمت کے صلہ میں اس کے پاس بھیجے اور ساتھ ہی معذرت کر بھیجی کہ اس کے سوا ہمارے پاس اور کوئی چیز نہیں جو تمہاری خدمت کے عوض دیں لیکن نعمان بن بشیر نے یہ زیورات لینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ خدمت میں نے قربۃ الی اللہ اور قربت رسول پاک کی رعایت سے کی ہے۔ دنیوی عوض سے نہیں کی۔ پاسانہ زید واپس چلے گئے اور اہل بیت رسول نے صفِ ماتم گھروں میں اور جناب سجاد نے بیت الحزن میں شہیدوں کا غم زندہ رکھنے کے لئے بچھائی۔ مرد جناب سجاد کے پاس اور عورتیں جناب زینب اور دیگر مستورات کے پاس پُرمایہ دینے اور عزیت ادا کرنے کے لئے آتی تھیں۔

یہ غم ایسا نہ تھا جو ختم ہو جاتا یا کم ہو جاتا۔ ہر روز تازہ تھا۔ اور ہر گھڑی زندہ تھا۔ سوگوار مستورات اور غم خوار بیبیوں نے کبھی کھانا نہ پکایا نہ کبھی اچھا کپڑا پہنا۔ نہ سروں میں تیل لگایا۔ نہ آنکھوں میں سرمہ نہ کبھی مُصنڈا پانی پیا نہ اچھا طعام کھایا۔ سیاہ لباس ہوتا، صفِ ماتم ہوتی، اور نوحہ و بین ہوتے۔ جناب سجاد ان کے پاس کھانا بھجواتے جو زندگی برقرار رکھنے کے لئے کھا لیتیں۔ جب آنسو خشک ہو جاتے تو سستو کی غذا استعمال کرتیں جو آنسو بہانے، اور گریہ و بکا کرنے میں قوت پیدا کرتی۔ ایک مرتبہ جناب ام رباب نے کنیز سے دریافت کیا کہ ہمارے آنسو خشک ہو گئے ہیں لیکن تیرے

آنسو جاری ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں سستو استعمال کرتی ہوں جس کی وجہ سے آنسو خشک نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے یہ سوگوار و غم فرخہ مستورات سستو استعمال کرتیں۔ تاکہ فرزند رسول پر آنسو خشک نہ ہونے پائیں۔ ایک مرتبہ کسی نے تحفہ کے طور پر مرغ بریان بھیج دیا کہ رو رو کر ضعف طاری ہو گیا ہے۔ اس غذا سے بدن میں قوت آجائے گی۔ فرمایا کہ ہم شادی میں نہیں کہ مرغ کھائیں۔ ہم تو سوگوار اور غم خوار ہیں۔ ہمیں مرغ سے کیا کام؟ پھر واپس کر دیا۔

جناب تنجاو کے پاس جب غلام کھانا یا پانی لے آتا، تو تنجاو کی آنکھیں برسے لگ جاتیں۔ غلام عرض کرتا: مولا! روتے رہو گے روئے کی حد ہوتی ہے۔ آپ کا رونا کب ختم ہوگا۔ فرماتے جناب یعقوب پیغمبر کا ایک لال گم ہوا تھا اور اس کی زندگی کا اُسے علم بھی تھا۔ پھر بھی اتنا روئے کہ روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئیں۔ میرے اٹھارہ بنی ہاشم کے بے نظیر افراد میدان کہ بلا میں مارے گئے اور ان کی لاشیں میں نے گرم ریت پر خاک و خون میں غلطان لیے گور رکھیں۔ میں نے اپنے باپ اپنے چچاؤں اور بھائیوں کو خاک و خون میں غلطان دیکھا اور سچو بھائیوں، ماؤں بہنوں کو جلتے ہوئے خیموں سے سروریاں نکلنے دیکھا۔ بھلا یہ غم میں کیسے بھلا سکتا ہوں۔ اور یہ کہ یہ کیسے ضبط کر سکتا ہوں۔ واقعہ کہ بلا کے بعد جناب تنجاو چونتیس برس زندہ رہے۔ اور یہ مدت عبادت اور گریہ و بکا میں بسر ہوئی کھانا آنسوؤں میں بھیگ جاتا اور پانی اشکوں میں غلوٹ ہو جاتا۔ جناب ام ربیعہ نے ٹھنڈا پانی پینا اور سایہ میں بیٹھنا چھوڑ دیا۔ وھو پ کی خدمت کی وجہ سے رنگتہ تبدیل ہو گئی تھی اور اسی غم میں انتقال فرما گئیں۔

مدینہ سے یہ قافلہ چلا تھا چالیس محل تھے، بنی ہاشم کے مرد بھی تھے اور مستورات بھی تھیں۔ لیکن یہ مصیبت زدہ قافلہ واپس پٹنا توجہ محل تھے۔ مرد تمام راہ خدا میں میدان کہ بلا میں کام آئے۔ بیوہ دکھی بے کسی شہزادیاں مع یتیم بچوں کے اسیر ہو کر کوفہ و شام روانہ ہوئیں۔ کچھ بچے مصر عاشورہ کو خدمت پیاس کرا گھر کر رکعت کر گئے۔ کچھ بچے گھوڑوں کے گھسان میں پائمال ہو گئے۔ کچھ شام کی راہ میں مدفون ہوئے، اور کچھ زندان شام میں انتقال کر گئے۔ بنی ہاشم کی یہ شہزادیاں قید شام سے رہا ہو کر واپس وطن آئیں، اور رونے پٹنے کا اور عبادت کا فتنل رہا۔ غم کم نہ ہوتا تھا اور مصیبت تازہ ہوتی رہتی تھی۔ پانچ سال کے بعد جناب مختار نے انتقام لیا۔ اور عبید اللہ بنی زیاد کا سر مدینہ آیا تو سوگوار مستورات اور آل محمد کے ماتم واروں کا غم بکا ہوا

اللعنة الله على القوم الظالمين وانصر دعواتنا ان الحمد لله رب العالمين